جہادِ آزادی کے روشن چراغ

المعروف،

فرنگیوں کا جال

امداد صابری

قیمت قسمِ اعلیٰ پینتس ۳۵ روپے۔ قیمت قسم دوئم پچیس ۲۵ روپے

فرنگیوں کا جال

پرتگیزی دَور سے عہدِ اکبری، جہانگیری، شاہجہانی اور عالمگیری وغیرہ درباروں میں فرنگی مشینریوں اور ان کی حسین وجمیل عورتوں نے نصرانی مذہب کو ہندوستان میں پھیلانے اور خاص طور پر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زمانے میں جو طوفانی پراپگنڈا ہندوستانیوں کے مذاہب اور دھرم کو بدلنے کے لئے کیا۔ روپے اور نوکریوں کے لالچ میں پھنسایا گیا۔ اس کا بے دھڑک علمائے کرام نے مقابلہ کیا۔ ہند سے ہجرت کی۔ ان حضرات کے تاریخی وعلمی کارناموں سے عوام تو عوام خواص کا طبقہ بھی ناواقف ہے۔ اس عالم گمنامی کے حالات کی یہ تاریخ ہے۔

دوسرا ایڈیشن نظرثانی ترمیم واضافہ کے ساتھ

امداد صابری

ناشر :

علی محمد شیر میوات

متولی درگاہ حضرت شاہ ولی اللہ، مہندیاں، دہلی۔

قیمت قسم اعلیٰ : تیس ۳۰/- روپے

قیمت قسم دویم : بیس ۲۰/- روپے

پاکستان میں ملنے کا پتہ :- نعمت اللہ قادری صاحب، وحیدرہ آباد۔ کراچی

ہندوستان میں ملنے کا پتہ امداد صابری، چوڑی والان دہلی

کوہ نور پریس۔ لال کنواں۔ دہلی۔

سال اشاعت :- ۱۹۷۹ء

معنون

میں اپنی کتاب "فرنگیوں کا جال" کو
حضرت حاجی امداد اللہؒ صاحب مہاجر مکی کے نام نامی سے
معنون کرتا ہوں

حضرت حاجی صاحب ہندوستان کے باعمل صوفیا اور مشائخ میں سے تھے۔ آپ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی انقلابی تحریک کے پانچویں امام تھے جہاں آپ نے اپنی روحانی فیوض سے ہندوستان میں انسانیت کی عظمت بڑھائی۔ اور اسلام کو فروغ دیا۔

وہاں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے جانشین ہو کر انگریزی سامراجیت کے خلاف ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں عملی طور پر حصہ لیا۔ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدانِ جنگ میں انگریزی فوج سے نبرد آزما ہوئے اور یہ ثابت کیا کہ ایک صوفی خانقاہ نشین ہوتے ہوئے بھی میدان جنگ میں کود پڑتا ہے۔

آج کی خود غرض دنیا کو حضرت حاجی صاحب کی زندگی سے سبق لینا چاہیے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ تاکہ انسانیت عروجِ بام پر پہنچے۔

امداد صابری

چوڑیوالان۔ دہلی

۱۰ر جنوری ۱۹۷۱ء

شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو آج بھی علماء کرام کا ہر طبقہ جانتا ہے اور ان سے عقیدت رکھتا ہے حاجی صاحب نے ہر زمانہ میں ہر خیال کے عالم سے اپنے فیوض روحانی کا سکہ منوالیا تھا۔ ہندوستان کا ہو یا ممالک عرب کا، تقریباً اس دور کا ہر مستند عالم آپ کا مرید تھا چنانچہ حضرت مولینا رشید احمد گنگوہی لے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولینا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولینا محمود حسن، حضرت مولینا محمد افضل صاحب بخاری اکبرآبادی، حضرت مولینا کرامت اللہ صاحب دہلوی، حضرت مولینا. شرف الحق دہلوی، مولانا انوار اللہ شاہ حیدرآبادی، حضرت مولینا امیر حمزہ، حضرت مولینا محب الدین مکی، مولینا شاہ محمد حسین الہ آبادی، مولانا عبدالسمیع رامپوری بیدل، مولینا احمد حسن صاحب کانپوری وغیرہ آپ کے مریدوں میں شمار کیے جاتے تھے۔

انقلابی جماعت سے تعلق

آپ ولی اللہی جماعت کے چوتھے امام تھے ۱۸۴۶ء میں آپ ہی اس انقلابی جماعت کے تیسرے امام شاہ محمد اسحٰق کے انتقال کے بعد منتخب ہوئے شاہ صاحب کی ہی زندگی میں ان کی ہدایات کے مطابق حضرت حاجی صاحب ان کے احکام کو ہندوستان میں چلا رہے تھے۔ شاہ صاحب آپ کے کام سے اس قدر خوش تھے کہ آپ نے ان کو خود اپنا جانشین مقرر کیا اور ساتھیوں نے اس فیصلہ کو بالکل اپنے دل کی آواز سمجھ کر بدل و جان منظور کیا۔

خاندان

حاجی صاحب کا سلسلہ نسب سلطان ابراہیم ادہم سے ملتا ہے۔ آپ کو دولت سے سخت نفرت تھی چنانچہ جب سلطان ابراہیم ادہم کے مزار کی تولیت کی جگہ خالی ہوئی تو بعض مشائخ نے حاجی صاحب کو اس جگہ کے لئے تجویز کیا، مزار کے ساتھ کافی جائداد وقف تھی اور اس کی آمدنی کا ایک حصہ متولی جائز طریقے سے لے سکتا تھا۔ مشائخ کا خیال تھا کہ حاجی صاحب کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے اس طرح اطمینان کی صورت ہو جائے گی۔ حاجی صاحب کو وطن چھوڑنے کی بھی ضرورت نہ تھی نائب کام کرتا اور احکام یہاں سے پہنچتے رہتے۔ حاجی صاحب سے جب اس تجویز کا ذکر کیا گیا تو آپ نے جواب دیا، اولاد ہونے کی وجہ سے مجھے متولی بنایا جا رہا ہے حضرت سلطان رحمۃ اللہ علیہ نے سلطنت پر ٹھوکر ماردی تھی اور میں اس دنیا کو اختیار کروں، پھر اولادِ خلف کب رہی اور اس خدمت کے لئے خلف ہونا چاہئے خلف بننا ہے تو احتراز لازمی ہے۔ [2]

حضرت حاجی امداد اللہ رح قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدِ امجد مشہور صوفی خدا ترس بزرگ حافظ حاجی بلاقی علیہ الرحمۃ تھے۔ [3]

تعلیم

آپ نے مولینا شیخ قلندر بخش محدث جلال آبادی اور حضرت شیخ الٰہی بخش کاندھلوی سے فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی، چنانچہ آپ اپنی تعلیم کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔

"دو بھائی ہم نے ایک باب اور دیباچہ گلستاں کا ایک باب بوستاں کا اور کچھ مفید نامہ اور کچھ دستور المبتدی اور چند ورق زلیخا کے پڑھے تھے۔ اور حصن حصین، مولوی قلندر صاحب سے پڑھی [4]

[1] ... [2] ... [3] انوار العاشقین ص۲۸ [4] کرامات امدادیہ ص...

کتابی ظاہری علم، باطنی علم کے مقابلہ میں ہیچ ہے علم ظاہری بھی کتابوں کے رٹنے کے بعد اس وقت تک بیکار رہا ہوتا رہتا ہے جس وقت تک فضلِ ربی رہنمائی نہ فرمائے۔ فضلِ ربی کے بغیر انسان کا کتابیں رٹنا ایسا ہی ہے جیسے گدھے پر کتابیں لادنا۔

حضرت حاجی صاحب نے تمام درسی کتابیں پڑھی نہیں تھیں۔ لیکن اس کے باوجود علومِ باطنی کے بحرِ ذخار تھے۔ جبکہ انہوں نے کتابی علوم نہیں پڑھے تھے اُن کو علمی اصطلاحوں اور علوم کے دقیق مسائل سے ناواقف ہونا چاہیے تھا، لیکن ایسا نہیں تھا۔ علوم کے ٹھیکیدار بڑے بڑے علامہ اپنی علمیت اور قابلیت پر ناز کرتے تھے اور حضرت حاجی صاحب کو عالم نہیں سمجھتے تھے۔ اور آپ کے سامنے فقہ، حدیث اور منطق کے نازک مسئلے رکھتے تھے۔ آپ منٹوں میں ان مسائل کو سمجھا دیتے تھے، جیسے کہ آپ اِن علوم کے حافظ ہوں اور یہ علوم ان کو ازبریاد ہوں۔ چنانچہ حضرت مولینا محمد حسین الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ جو حضرت حاجی صاحب کے خلفاء میں سے ایک محبوب خلیفہ تھے۔ آپ کی علمی قابلیت باطنی وروحانی علمیت کے واقعات بیان فرماتے ہیں۔

(۱) ایک مولوی صاحب نے ایک دن پوچھا کہ الید العلیا خیر من الید السفلیٰ کی حدیث سے تو فقیر پر غنی کی ترجیح نکلتی ہے۔ فوراً ارشاد فرمایا کہ ید علیا اسی لئے افضل ٹھیرا کہ مال کو علیحدہ کر کے فقیر بننا چاہتا ہے اور ید سفلی اسی لئے مفضول ہوا کہ مال لے کر غنی بنتا ہے۔

(۲) ایک دن مثنوی شریف کے درس میں ایک مولوی صاحب معقولی شریک تھے اتفاقاً توحید کے بیان میں حضرت کی زبان اقدس سے بشرطِ شے، اور لابشرطِ شے اور بشرطِ لاشے یہ الفاظ نکلے۔ مولوی صاحب نے تعجباً مجھ سے کہا کہ حاجی صاحب تو فرماتے ہیں کہ میں نے کتب درسیہ میں محض مختصرات پڑھی ہیں یہ اصطلاحات کیوں کر آپ کو معلوم ہوئیں۔ یہ تو بغیر درسی کتابوں کے پڑھے ہوئے آہی نہیں سکتیں مانا کہ معانی ان کے عقل میں آجائیں مگر اصطلاحی الفاظ کیونکر عقل میں آسکتے ہیں۔ حضرت کو اس خطرے پر اشراف ہوا۔ فرمایا حق کی جانب سے اہل اللہ پر القاء کبھی تو محض معانی مجردہ کا ہوتا ہے اور کبھی معانی کا بواسطہ الفاظ ہوتا ہے۔ الفاظ عربی ہوں یا اصطلاحی، اس لئے کہ الفاظ کے لئے خزانہ صور علمیہ حقیقی یہ تحقق ضرور ہے اور جس کا تحقق وہاں ہے اس کا القاء ممکن ہے۔

(۳) ایک دن ایک فقیر صدا لگا رہا تھا کہ مافی قلبی غیر اللہ آپ نے فرمایا کہ یہ ما نافیہ نہیں ما موصولہ ہے۔ ما نافیہ ہوتا اور اس کو اس کی حالت ہوتی تو کبھی سوال نہ کرتا۔

(۴) وعدر یک حتیٰ یاتیک الیقین کے معنی نہایت بسط کے ساتھ ارشاد فرما رہے تھے۔ جس کا حاصل یہ تھا۔ حالانکہ یقین احیائے موتیٰ ان کو حاصل تھا۔ اس لئے جواب اولم تومن، میں عرض کیا کہ بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی لیکن اس سوال سے مقصود ترقی مراتب یقینی تھے۔ اور ممکن تھا کہ کسی مردے کو جلا کر مشاہدہ کیا جاتا۔ مگر یوں نہیں کیا گیا۔ بلکہ احیا کی صفت کا انھیں میں ظہور فرما کر انھیں سے احیا کرادیا۔ تاکہ مراتب یقین کی تکمیل انتہائی ہو جائے۔

(۵) ایک دن اللّٰھم متعنی بالسمع والبصر والوارث کی تفسیر مولویوں سے دریافت فرمائی اور ارشاد ہوا کہ وارث تو وہ ہوتا ہے جو مرنے کے بعد باقی رہ جائے۔ سمع و بصر کے وارث ہونے کے معنی کیا ہیں مولویوں کو تامل ہوا۔ تو خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ کنایہ ہے کہ سمع و بصر میرے سمع و بصر حق ہو جائیں۔ بی یسمع اوربی یبصر کا مرتبہ ہو کر ان اللہ خیر الوارثین۔ [لہ]

(۶) حکیم مقبول احمد صاحب خلف حاجی احمد حسین صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ

[لہ] کرامات امدادیہ صـ۹۸

آپ نے دلی کے مدرسے سے جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ صاحب نے رکھی تھی اور شاہ عبدالعزیز نے چلایا تھا تعلق پیدا کیا۔
حضرت سید احمد کے رفقاء نہیں چاہتے تھے کہ دہلی مدرسہ کو مرکز بنائیں بلکہ وہ اس سے علیحدہ ہو کر ایک نئی جماعت بنانا چاہتے تھے۔ جس کی غرض سکھوں سے مجادلہ تھا، حاجی صاحب ان کے حق میں نہیں تھے وہ سمجھتے تھے کہ سکھوں سے لڑنا انگریزوں کو مضبوط کرنا ہے، اس لئے وہ دہلی میں شاہ محمد اسحاق کے پاس گئے وہ مکہ تشریف لے گئے تھے آپ بھی مکہ پہنچے، اور ایک سال تمام جماعتی مقاصد و اصول و پروگرام کو سمجھ کر ہندوستان آگئے۔

۱۸۳۶ء کا دور ہندوستانیوں کے لئے انتہائی ہیبت ناک تھا۔ مغل شہزادے اور بادشاہ عیاشیوں اور شراب خوریوں میں منہمک تھے، ان کو آپس کی لڑائی سے فرصت نہیں تھی۔ انگریز ملک میں جہاں نفرت کی وبا پھیلا رہے تھے وہاں لوگوں کے مذہب بدلنے پر بھی تلے ہوئے تھے۔ پادری لوگ ہی نہیں حکام بھی اور تمام یورپ چاہتا تھا کہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو عیسائی بنا لیا جائے، تاکہ ہمیشہ کی بغاوت سے نجات ہو جائے، چنانچہ ایسے پروگراموں پر دھڑلے سے عمل ہو رہے تھے۔ لارڈ ولزلی نے محمود غزنوی کے مظالم کے ترانے گانے شروع کر دیئے تھے اور مصنوعی دروازے بنائے گئے تھے، جن کا جلوس بنا کر نکالا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ ان دروازوں کو ہم (انگریز) غزنی سے دوبارہ لگانے کے لئے ہندوستان لے آئے ہیں۔ یہ سومناتھ کے دروازے ہیں۔

انقلاب کی تیاری

اس پُر آشوب زمانہ میں حاجی صاحب مولانا رشید احمد گنگوہی مولانا محمد قاسم، مولانا عبدالغنی مولانا محمد یعقوب صاحب شریک کار تھے۔ آپ نے ان حضرات کے ہمراہ بقول مولانا حسین احمد مدنی، مولانا شیخ محمد سے جہاد حریت کے سلسلے میں تبادلہ خیال کیا۔ مولانا شیخ محمد نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد کی مخالفت کی۔ مولانا محمد قاسم نے فرمایا کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ کمزور ہیں۔
امیر امداد اللہ نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا کہ الحمد للہ انشراح ہو گیا۔ اور جہاد کی تیاری شروع کر دی۔ امیر امداد اللہ نے امامت قبول کی اور مولانا نانوتوی سپہ سالار قرار پائے اور مولانا رشید احمد گنگوہی قاضی مقرر ہوئے۔ اس طرح قصبہ تھانہ بھون دار السلام بنا دیا گیا۔

آپ نے ان جانبازوں کو ساتھ لے کر تمام ملک میں دورہ کیا، اپنے مریدوں اور عقیدتمندوں کو صاف الفاظ میں انگریزوں کی مخالفت کرنے کی تلقین کی اور عوام کو بتایا کہ انگریزوں کی حکومت کو ختم کرنے کا اس سے بہتر موقعہ نہیں ہے انھوں نے دلی کے مدرسے کے طالب علم اور تجربے ہوئے سرمایہ داروں سے بھی وقتی طور پر کام لیا، فتووں اور علماء کے احکامات سے ملک کے کونہ کونہ میں آگ لگائی اپنی اپنی جگہ ہر شخص زبردست حیثیت کا مالک تھا۔ عوام بیدار ہوئے۔ ان کے پرانے شاگردوں نے دل کھول کر حصہ لیا۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ انگریز بھی طاقت میں دیوانہ اور نیا شکاری تھا
۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا، ہزاروں مسلمان اس جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے نہ ہتیار بے ہتیار سب مرد میدان بن گئے۔ بدن پر کپڑے بھی درست نہ تھے۔ مگر بغل میں تلوار یا کمر میں خنجر یا کندھے پر ٹوپی دار بندوق ضرور تھی۔ محمد شریف نامور مصور دہلی اپنے سارے گھر کے اسباب و مکان اور بیوی کے زیور خیرات کر کے جہاد میں شریک ہوا، اور پھر زندہ سلامت نہ آیا۔ لاتعداد نوجوانوں نے حصہ لیا۔ حاجی صاحب اور ان کے ساتھی صرف تحریروں اور تقریروں تک محدود نہیں رہے بلکہ شاملی کی ۱۸۵۷ء کی جنگ ... میں مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے امام کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر لڑے، حاجی صاحب نے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے حصہ لے کر یہ ثابت کر دیا کہ وہ ایک مقرر ہونے کے ایک اچھے فوجی بھی ہیں

---

[1] انوار العاشقین صفحہ ۳۲ [2] تاریخ ذکاء اللہ صفحہ ۶۷۵

ایک بار حضرت حاجی صاحب نے اپنے ماموں کے پاس کاندھلہ میں ایک حدیث کی کتاب منگوانے کے لئے حجام کو بھیجا، ماموں صاحب نے جواب دیا کہ کیا میاں امداد اللہ اس کتاب کی زیارت کریں گے یا کسی سے پڑھوا کر سنیں گے۔ حضرت نے یہ جواب سنا تو فرمایا کہ تم اس وقت کاندھلے جاؤ اور میرا خط ماموں صاحب کی خدمت میں پیش کرکے عرض کرنا کہ جو حدیث مشکل ہو۔ اس کا مفہوم آپ تشریف لاکر فرمالیں انشاء اللہ جواب دوں گا۔ چنانچہ آپ کے ماموں تشریف لائے اور انہوں نے مشکل احادیث کے مفہوم سمجھانے کے لئے کہا۔ آپ نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ اس کا مفہوم سمجھا دیا۔ [1]

بیعت

حضرت مولانا شیخ نصیر الدین دہلوی حضرت امام ناصر الدین صوفی پتی کے خاندان کے چشم وچراغ، حضرت شاہ رفیع الدین کے نواسے اور حضرت شاہ اسحاق مہاجر مکی کے داماد تھے جو حضرت مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے بعد امیر جماعت بنائے گئے تھے اور بالاکوٹ کے معرکے کے شرکاء میں سے تھے۔ ان سے ایک جلسہ میں جو امارۃ الامیر میں ہوا تھا۔ وہاں پہلی بار حضرت حاجی صاحب نے بیعت کی [2]

اس کے بعد آپ حضرت میاں جی شاہ نور محمد صاحب جھنجھانوی سے بیعت ہوئے جس کا حال حضرت حاجی صاحب کی زبانی سنئے
”ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ مجلس اعلیٰ سرور عالم محمد رسول اللہ میں حاضر ہوں رعب کی وجہ سے قدم آگے نہیں بڑھتا۔ ناگاہ میرے جد امجد حاجی بلاقیؒ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا۔ اور آنحضرت نے میرا ہاتھ لے کر حضرت میانجی چشتی صابری کے سپرد کر دیا۔ اس وقت تک میں حضرت میاں جی سے واقف نہیں تھا۔ جب بیدار ہوا طبیعت منتشر اور پریشان تھی کہ یارب یہ کون بزرگوار ہیں۔ اس طرح کئی سال گذر گئے۔ ایک دن مولانا قلندر محدث جلال آبادی نے میری پریشانی دیکھ کر فرمایا کہ موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے وہاں جاؤ اور حضرت میانجی سے ملاقات کرو۔ مقصود دل کو پہنچ جاؤ گے بے اختیار برہنہ پا لوہاری پہنچا۔ جب جمال باکمال میانجی صاحب کا دیکھا تو جو متبرک صورت خواب میں دیکھی تھی ویسی ہی پائی۔ قدموں میں گر پڑا حضرت میاں جی نے سر اٹھایا اور سینہ سے لگایا اور فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر کامل وثوق ہے [3]

میاں جی کا نام مقدس نور محمد ہے جھنجھانے میں حضرت کی ولادت ہوئی۔ آپ قطب الوقت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے باوجودیکہ آپ اپنے وقت کے شیخ کامل تھے مگر اپنے آپ کو چھپاتے تھے اور قصبہ لوہاری میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ جب حضرت حاجی صاحب کو بیعت فرمایا اس کے بعد حضرت میانجی کی شہرت ہوئی۔ حضرت حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانوی بھی حضرت کے مرید وخادم تھے۔ ۴ رمضان ۱۲۵۹ھ میں حضرت میانجی صاحب نے وفات پائی آپ کا مزار جھنجھانہ میں ہے۔ [4]

حضرت میانجی کی بیعت کے بعد ۱۲۶۱ء میں مولانا نصیر الدین صاحب نے حضرت حاجی کو امیر جماعت مقرر کیا۔ آپ کی طبیعت عالمانہ نہیں بلکہ حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ملتی جلتی مجاہدانہ تھی بقول مولانا عبید اللہ سندھی۔

[5] اسی سال آپ حرمین شریفین پہنچے تو آپ نے حضرت شیخ محمد اسحاق صاحبؒ سے دعوت طریقت حاصل کی۔ حضرت شیخ نے آپ کا نام امداد حسین تبدیل کرکے امداد اللہ رکھا۔“ [6]

انقلابی تحریک سے جوڑ

یہ تمام بزرگان دین انقلابی تحریک کے کرتا دھرتا تھے۔ حاجی صاحب بھی اس جماعت کے کاموں میں حصہ لینے لگے تھے۔ شروع میں ان کا تعلق سید احمد بریلوی کی جماعت سے تھا جنھوں نے سرحدوں پر انگریزوں سے جنگ کی تھی لیکن ۱۸۳۱ء میں حضرت سید احمد بالاکوٹ میں شہید ہوگئے،

---

[1] کرامات امدادیہ صفحہ ۲۲۔ [2] یادگار دہلی صفحہ ۱۳۰۔ [3] حالات زندگی مولانا عبید اللہ سندھی۔ [4] انوار العاشقین صفحہ ۹۔
[5] یادگار دہلی صفحہ ۱۳۰۔ [6] حالات زندگی مولانا عبید اللہ سندھی۔

فن سپاہ گری کے ماہر تھے، انھوں نے بڑی قابلیت کے ساتھ لڑائی کے میدان میں جوہر دکھائے۔ مقابلہ ظاہر تھا۔ بکری ہاتھی کا تھا۔ انگریز کا قابو چلا۔ اس نے ہندوستانیوں کو خوب بھونا مسلمانوں کو چن چن کر مارا لوٹا جلایا، لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کئے خاص طور پر حضرت حاجی صاحب اور ان کے ساتھیوں کو گرفتار کرنے کی خاص کوشش کی گئی، لیکن سوائے مولانا رشید احمد گنگوہی کے کوئی گرفتار نہ ہوسکا اور مولانا بھی چھ ماہ بعد حوالات سے رہا کردیئے گئے۔

گرفتاری کی سعی

حضرت حاجی صاحب کی گرفتاری کی بہت کوشش کی گئی مگر کارگر نہ ہوئی بڑے بڑے افسر بذات خود تلاش میں نکلے مگر ناکام ہوئے۔

مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں، جب ہمارے حضرت پنج سالہ واقع پنجاب میں مقیم تھے، اور باغیان غدر کی تفتیش وادوگیر ہورہی تھی تو ایک شب کسی نے مخبری کردی کہ حضرت ایک شخص کے اصطبل میں مقیم ہیں۔ کلکٹر ضلع سوار ہوکر شب کو آدھی رات کے قریب اصطبل کے دروازے پر آموجود ہوا، اور کواڑ کھلوانا چاہے، مالک مکان نے کلکٹر سے کہا کہ آپ نے اس وقت کیوں تکلیف فرمائی، کلکٹر نے گھوڑا دیکھنے کے بہانے سے کہا کہ کیواڑ کھولو، چنانچہ کیواڑ کھولے گئے۔ دیکھا تو بستر لگا ہوا ہے اور سب سامان درست تھا مگر حضرت نہ تھے ادھر ادھر دیکھا، کہیں پتہ نہ لگا، مالک مکان سے پوچھا کہ یہ بستر کس کا ہے انھوں نے کہا میرے چھوٹے بھائی کا ہے، کلکٹر حیرت وتعجب کے مارے پریشان ہوگیا اور کچھ نہ پوچھ سکا اور واپس چلا گیا۔[1]

ہندوستان سے ہجرت

خانہ کعبہ کی حاضری اور مدینہ طیبہ کی زیارت حضرت حاجی صاحب ذی الحجہ ۱۲۶۱ھ میں ہی کرچکے تھے وہاں سے درود تحیتاً کی حضرت شاہ گل محمد رامپوری سے اجازت لے کر ۱۲۶۲ھ ہجری میں ہندوستان واپس ہوئے۔

جنگ آزادی کے حالات نے ہندوستان سے ہجرت کرنے اور حجاز مقدس میں جانے کے لئے مجبور کیا۔ چنانچہ آپ نے سنہ ۱۲۷۶ھ میں ہندوستان سے ہجرت کی اور مستقل سکونت مکہ ہی میں اختیار کی تاحیات وہیں مقیم رہے۔ وہاں حضرت حاجی صاحب نے ولی اللہی تحریک کو زندہ رکھا۔ مولانا قاسم اور ان کے ساتھیوں پر ہندوستان کا کام چھوڑا۔ ولی اللہی دہلی کا مدرسہ ہنگاموں کی وجہ سے ختم ہوچکا تھا آپ نے ان ہی شاہراہوں پر چلنے کے لئے دوسرے مدرسہ کے قیام کی تلقین فرمائی، آپ وہیں سے ہدایتیں جاری کیا کرتے تھے۔ کچھ دن ان ہدایتوں پر عمل نہ ہوسکا مولانا قاسم کے وارنٹ حکومت نے جاری کر رکھے تھے، وہ وارنٹ جب ختم ہوگئے تو مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی جس میں حاجی صاحب کے تمام ساتھی شریک ہوئے اور انھوں نے مدرسہ کو چلانے اور کامیاب کرنے کی کوشش کی۔ مدرسہ کے سرپرست حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی بنائے گئے جو حاجی صاحب کے خلیفہ تھے۔

مصیبت کا زمانہ

مکہ معظمہ کی ابتدائی زندگی آپ نے بڑی مصیبت میں گذاری، اکثر فاقوں کی نوبت گزر جاتی تھی ایک دفعہ کئی وقت کا فاقہ تھا۔ حاجی صاحب حرم شریف میں اللہ کی عبادت کررہے تھے کسی شخص نے حاجی صاحب سے کہا مجھے اپنی لنگی عنایت فرمایئے جو سامنے پڑی ہے، آپ نے بلا تامل اسے لنگی دے دی تھوڑی دیر میں وہ شخص پھر آیا اور لنگی رکھ گیا۔ حاجی صاحب عبادت سے فارغ ہوئے تو دیکھا لنگی میں چار سو سے زیادہ روپے بندھے ہوئے تھے۔ حاجی صاحب سمجھے امانت کے طور پر چھوڑ گیا۔ کئی دن بعد وہ شخص دوبارہ دکھائی دیا، حاجی صاحب نے فرمایا۔ میاں امانت اس طرح رکھا کرتے ہیں کہ مجھے بتایا تک نہیں۔ میرے دیکھنے سے پہلے کوئی اٹھا کر لے جاتا تو میں خواہ مخواہ شرمندہ ہوتا، اس نے عرض کیا حضرت وہ تو آپ کی نظر ہے آپ اپنے صرف میں لایئے۔[2]

---

[1] تذکرۃ الرشید [2] کمالات امدادیہ

حاجی صاحب نے پچاس سال کی عمر تک شادی نہیں کی تھی۔ تجرد کی زندگی گزاری آخر سنہ ۱۲۸۲ ہجری میں احباب کے اصرار سے مہاجرہ بی بی نورن صاحبہ بنت حاجی شفاعت خاں رامپوری سے بعوض ایک سو بیس روپیہ مہر نکاح کیا۔

غیبی امداد

حضرت حاجی صاحب جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ کو فاقوں کی نوبت پہنچ گئی۔ کئی کئی دن تک کھانا نہیں پکتا تھا۔ آپ نے عرض کیا اے خدا مجھ میں طاقتِ امتحان نہیں ہے بعدہٗ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کو خواب میں دیکھا۔ فرماتے ہیں لاکھوں روپے کا خرچ تمہارے ہاتھوں مقرر ہوگا۔ میں نے عرض کیا اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہنس کر فرمایا۔ تمہاری حاجت رُکے گی نہیں۔ اس وقت سے آپ کو سو روپے ماہانہ کی غیبی مدد ملتی رہی۔

مدرسہ دیوبند کا قیام

۱۲۷۶ھ میں حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اطراف دہلی میں امام عبدالعزیز کے نمونہ کا ایک مدرسہ بنانے کا مشورہ دیا۔ آپ کے مشورہ کے مطابق دیوبند میں مولانا قاسم نے مدرسہ قائم کیا۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے روحانی فیوض نے ہندوستان کے لوگوں کو گرویدہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ کے کرامات کے واقعات کافی ہیں۔ جن میں سے چند تحریر کئے جاتے ہیں۔

کشف

حافظ مقصود نبیرہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ایک قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے حضرت سے پہلے سے ملاقات کرنے کی وجہ سے قافلہ سے علیحدہ ہو گئے تاکہ میں پہلے پہنچ کر قدمبوسی کا شرف حاصل کرلوں۔ عربی یہ جانتے نہیں تھے۔ ان کی اردو کوئی سمجھتا نہیں تھا۔ اس لئے وہاں کے لوگوں سے پتہ معلوم نہ کر سکے۔ دوسرے یا تیسرے روز مسماۃ رحیمن جو آپ کی مُریدہ تھیں۔ آپ کے پاس پہنچی عرض کیا صاحبزادہ محمد مقصود کہاں ہیں۔ اس کی طبیعت کیسی ہے۔ حضرت نے فرمایا مقصود کب آیا۔ عرض کیا حضرت جی قافلے کے ہمراہ آئے تھے اشتیاق قدمبوسی کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے تھے کہ سب سے پہلے اپنے دادا جان کی زیارت کرلوں۔ اسی وقت حضرت نے وضو فرمایا اور دو رکعت ادا فرما کر سربسجود ہو کر نہایت زاری فرمائی جس وقت سر مبارک اُٹھایا تو کسی خادم سے فرمایا کہ فلاں محلے کے فلاں مسجد میں جانب قطب مسجد کے اندر ایک لڑکا ایسی شکل کا چادر کھیس کا اوڑھے ہوئے رو رہا ہے۔ اس کے پاس جا کر کہو کہ تمہارے دادا نے تم کو بلایا ہے۔ فوراً خادم پہنچا حضرت کا پیغام پہنچایا۔ مقصود اس خادم کے ساتھ آگیا۔[1]

حضرت مولٰینا شیخ محمد نے فرمایا کہ ہم جہاز میں تھے ہمارا جہاز گردش میں آگیا تھا۔ چار پانچ روز یہی حالت رہی۔ بہت کچھ تدبیریں کی گئیں لیکن کوئی بھی کامیابی نہیں ہوئی۔ آخر کار جہاز ڈوبنے لگا۔ ناخدا نے پکار کر کہا لوگو اللہ تعالےٰ سے دُعا مانگو یہ دُعا کا وقت ہے۔ میں اس وقت مراقب ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا اور ایک حالت طاری ہو گئی اور معلوم ہوا کہ اس جہاز کے ایک گوشے کو حافظ ضامن صاحب اور دوسرے کو حضرت حاجی صاحب اپنے کندھوں پر رکھے ہوئے اوپر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور اُٹھا کر پانی پر سیدھا کر دیا۔ اور جہاز خیر ہی چلنے لگا۔ تمام لوگ بہت خوش ہوئے اور جہاز کی سلامتی کا یقین ہو گیا۔ میں نے وہ وقت اور دن و تاریخ اور مہینہ کتاب پر لکھ لیا تھا۔ بعد حج و زیارت اور منازل سفر طے کر کے تھانہ میں آکر اس تحریر کو دیکھا۔ اسی دن ایک طالب علم حضرت حاجی صاحب کا مرید خادم جو اس تاریخ کو حضرت کی خدمت میں حاضر تھا۔ اس سے ملاقات ہوئی۔ اس سے میں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے بیان کیا کہ بے شک فلاں وقت میں حاضر تھا۔ حاجی صاحب اپنے حجرے سے نکلے۔ انھوں نے اپنی لنگیاں دھونے کے لئے مجھ کو دیں تھیں جس میں سمندر کے پانی کی بُو آرہی تھی۔[2]

---

[1] کمالات امدادیہ [2] کرامات امدادیہ ص۸

فنافی العبادت

حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا باوجود پیرانہ سالی کے مجاہدہ کا یہ حال تھا کہ ایک سال رمضان شریف میں حضرت شاہ محمد حسین الہ آبادیؒ خدمت اقدس میں حاضر ہوتے انھوں نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تمام رات نماز پڑھنے اور قرآن سننے میں بسر ہوئی حافظ پنجابی تراویح میں ہر روز حرم شریف میں محض حضرت کو سنانے کے لئے سات آٹھ سپارے پڑھتے، اس میں تقریباً آدھی رات گذر جاتی۔ اس کے بعد حضور کبھی شیخ حسن غریب کا قرآن مجید سنتے فجر تک برابر یہی کیفیت رہتی۔ ایک دن حضرت کی طبیعت صحیح نہیں تھی۔ کھانا تناول نہیں فرمایا تھا۔ محض افطار فرما کر چلے آئے تھے۔ میں نے حافظ عبداللہ سے کہا کم پڑھنا حضرت کی طبیعت درست نہیں کھانا بھی تناول نہیں فرمایا۔ حافظ جی نے کم پڑھا حضرت نے سلام کے بعد ارشاد فرمایا اور حافظ جی طبیعت کیسی ہے آج تم نے کم کیوں پڑھا۔ حافظ جی نے عرض کیا آپ کے خیال سے کہ آپ کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا میں تو جب قرآن مجید سننے لگتا ہوں تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا اور جی یہ چاہتا ہے کہ یہ آواز برابر آتی ہی جائے۔ اور اس وقت تک ذرا بھی ضعف معلوم نہیں ہوتا۔

دنیا سے بے نیازی

مولینا رشید احمد گنگوہی نے فرمایا کہ حضرت مرشدنا صاحب حاجی ایک دن فرمانے لگے کہ ایک شخص نے مجھے کیمیا کا نسخہ بتایا اور کہا کہ یہ اکسیر ہے اس سے سونا بن جاتا ہے، میں نے کیمیا گر سے کہا کہ میں ہندوستان کو چھوڑ کر مکہ معظمہ میں جو آیا ہوں تو اللہ کی تلاش میں، کیمیا کی تلاش میں نہیں آیا۔ (ص ۲۳۵ دوئم تذکرۃ الرشید)

حضرت حاجی صاحب قبلہ اسی طرح اپنے خلفاء و متعلقین کو بھی کیمیا کی بیماری سے بچاتے تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ جب میں مکہ معظمہ گیا تو وہاں ایک درویش تھے، سید قاسم نقشبندی ان کا نام تھا، ان کو اہل مکہ بہت مانتے تھے۔ ایک شخص ان کے سامنے حضرات نقشبندی کی توہین کیا کرتے تھے۔ وہ بہت ضبط فرماتے تھے۔ ایک دن غصہ میں آکر اس پر توجہ ڈالی وہ شخص تڑپنے لگا۔ مجاورین کعبہ نے جب دیکھا کہ اب یہ شخص مرجائے گا بُرا حال ہے تو اس کے مکان پر چھوڑ آئے آٹھ روز تک وہ شخص تڑپتا رہا آخر اس کی ماں نے سید صاحب کی منت سماجت کی، اس کی ماں پر ان کو ترس آیا ورنہ اس کی جان نکل جاتی۔

اس واقعہ کے سننے کے بعد حضرت حاجی صاحب نے مجھ سے ان سید صاحب کی تعریف فرمائی۔ میں ان سے ملنے گیا۔ بہت محبت سے ملے فرمایا۔ اس زمانہ میں اکل حلال دشوار ہو گیا ہے کسی سے مانگتا نہیں ہوں خود سونا بنا لیتا ہوں۔ تم بھی سیکھ لو میں نے کہا اس وقت مہلت نہیں کہ آپ میرے سامنے بنائیں اور میں دیکھوں۔ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ حج کو چھوڑوں اور سونا بنایا کروں چنانچہ انھوں نے نسخہ لکھ کر دے دیا، میں نے حضرت صاحب کی خدمت میں اس سارے قصہ کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا ہرگز مت بناؤ، نسخہ پھاڑ دو، اس سے توکل میں فرق آتا ہے۔ (صفحہ ۲۳۲ دوئم تذکرۃ الرشید)

حاجی صاحب شاعر بھی تھے اور مصنف بھی، تصنیفات میں ضیاء القلوب، رسالہ وحدۃ الوجود، ارشاد مرشد ہیں: ان میں اوقات وظائف ذکر اور طریق وظائف و ذکر بیعت کے طریقے مریدوں کی درستگی اور مختلف اشغال مثلاً طریق شغل پاس انفاس اشغال قادریہ، اسم ذات، خفیہ مراقبات قادریہ نقشبندیہ وغیرہ بیان کئے گئے ہیں۔ مرض وفات میں حضرت حاجی صاحب استغراق میں رہتے تھے، اور جب افاقہ ہوتا تو عشقیہ اشعار پڑھنے لگتے جس سے سامعین میں بڑا سوز و گداز پیدا ہوتا تھا۔ ایک مصرعہ یہ تھا۔ ؎ یہ منزل عشق ہے اس میں آئے جس کا جی چاہے۔

وفات

حضرت حاجی صاحب کی وفات ۱۲ یا ۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ میں بوقت اذان صبح ہوئی اور جنت المعلیٰ میں ہم پہلو مولینا رحمت اللہ صاحب دفن ہوئے۔ (انوار العاشقین)

شاعری حضرتِ حاجی صاحب کا تمام کلام تصوّف اور مثنوی شریف کے رموز اور فلسفہ سے بھرا پڑا ہے۔ آپ کی نظر میں محبوب مجازی نہیں بلکہ محبوب حقیقی ہے اور موجودہ شعراء کے زلفِ عنبریں اور کمر کی لچک اور باریکی سے ان کے کلام کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے جس میں دنیاوی بوس و کنار کے طریقوں اور ناز و ادا کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

آپ کی چار مثنویاں تحفۂ عشاق، غذائے روح، گلزارِ معرفت اور جہادِ اکبر ہے بقایا دردنامہ غمناک، نالۂ امدادِ غریب نظمیں ہیں۔

آپ سے مومن دہلوی بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مثنوی کی نظم سست ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ کوئی جاہل کہتا ہوگا۔ اساتذہ کے نزدیک مثنوی مستند ہے۔

مثنوی گلزارِ معرفت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ۔

الٰہی یہ عالم ہے گلزار تیرا
عجب نقش قدرت نمودار تیرا

عجب رنگ ہر رنگ ہر رنگ میں ہے
یہ ہے رنگِ صنعت کا اظہار تیرا

تو اول تو آخر تو ظاہر تو باطن
تو ہی تو ہے یا کہ ہے آثار تیرا

جہاں لطفِ گل ہے وہیں خارِ گل ہے
ہر گل خار میں گل میں ہے خار تیرا

خوشی غم میں رکھی اور غم خوشی میں
عجب تیری قدرت عجب کار تیرا

دوائے رضا کیا کروں میں الٰہی
کہ دار و بھی تیری اور آزار تیرا

یہ کوتاہی اپنی نظر کی ہے یارب
ترے نور کو سمجھیں اغیار تیرا

نہیں وہ جگہ اور نہیں وہ مکاں ہے
کہ جس جا نہیں ذکر اذکار تیرا

تو ظاہر ہے اور لاکھ پردے میں تو ہے
تو باطن ہے اور سخت اظہار تیرا

نظر کو اٹھا کر جدھر دیکھتا ہوں
تجھے دیکھتا ہوں نہ اغیار تیرا

الٰہی میں ہوں بس خطاوار تیرا
مجھے بخش دے نام غفار تیرا

الٰہی بتا چھوڑ کر در تیری
کہاں جاوے اب بندہ لاچار تیرا

مرض لادوا کی دوا کس سے چاہوں
تو شافی ہے میرا، میں بیمار تیرا

الٰہی میں سب چھوڑ گھر بار اپنا
لیا ہے پکڑ اب تو دربار تیرا

ہوں ظلماتِ عصیاں سے یکسر روشن
جو ہو ابرِ رحمت نمودار تیرا

کہاں میرے عصیاں کہاں تیری رحمت
کہاں خس، کہاں بحرِ ذخار تیرا

فنا ہوگیا جو تیری دوستی میں
تو ہے بار اس کا وہ ہے یار تیرا

الٰہی مجھے ہوش دے اب تو ایسا
رہوں میں سدا مست و میخوار تیرا

نہیں دونوں عالم سے کچھ مجھکو مطلب
تو مطلوب میں ہوں طلبگار تیرا

ذرا آپ اپنے میں امداد آ تو
کہ ہے کون تو کیا ہے گفتار تیرا

اٹھا غم رکھ امید امداد حق سے
تجھے غم کیا ہے اے غمخوار تیرا

ذرا چہرے سے پردہ کو اٹھاؤ یا رسول اللہ — مجھے دیدار رنگ اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

شفیع عاصیاں تم ہو وسیلہ بے کساں تم ہو — تمہیں چھوڑ اب کہاں جاؤں بتاؤ یا رسول اللہ

لگا ہے جوش کھانے خود بخود دریائے بخشش کا — کہ جب حرف شفاعت لب پہ لاؤ یا رسول اللہ

مجھے بھی یاد رکھیو ہوں تمہارا امتی عاصی — گنہگاروں کو جب تم بخشواؤ یا رسول اللہ

اگرچہ نیک ہوں یا بد تمہارا ہو چکا ہوں میں
بس اب چاہو ہنساؤ یا رلاؤ یا رسول اللہ

پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناتواں ہو کر — میری کشتی کنارے پر لگاؤ یا رسول اللہ

اگرچہ ہوں میں عصیاں کار پر امید ہے تم سے — کہ پھر مجھکو مدینہ میں بلاؤ یا رسول اللہ

حبیب کبریا تم ہو امام انبیا تم ہو — ہمیں بہر خدا حق سے ملاؤ یا رسول اللہ

مشرف کرکے دیدار مبارک سے مجھے اکرم — مرا غم دین و دنیا کا بھلاؤ یا رسول اللہ

پھنسا کر اپنے دام عشق میں امداد عاجز کو
بس اب قید دو عالم سے چھڑاؤ یا رسول اللہ

سبز و شاداب گلستان تمنا ہووے — کاش مسکن مرا صحرائے مدینہ ہووے

ہند میں گرم تپش یوں دل مضطر ہے مدام — دام میں جیسے کوئی مرغ تڑپتا ہووے

مجھکو بھی روضہ اقدس کی زیارت ہو نصیب — زہے قسمت جو سفر سوئے مدینہ ہووے

جب کہیں قافلے والے کہ مدینہ کو چلے — شوق میں پھر تو مرا اور ہی نقشا ہووے

ننگے پاؤں و برہنہ جاؤں میں اٹھکر ہمراہ — تن میں جامہ بھی جو ہے ہوکر برہنا ہووے

یوں چلوں خاک اڑاتا ہوا صحرا صحرا — جیسے جنگل میں بگولا کوئی اڑتا ہووے

گرم جولاں روش برق ہوں شاداں خنداں — آبلوں پر پاؤں مرا شوق میں پڑتا ہووے

کانٹے تلووں میں چبھیں برگ گل تر جیسے — خاک جو اڑ کے پڑے آنکھوں میں سرمہ ہووے

ایسی صورت سے در شاہ عرب پہ پہنچوں — حال جیسے کسی ناچیز گدا کا ہووے

گرد آلودہ بدن خاک ملے چہرہ پر — ایک تہبند پھٹا سا کوئی کرتا ہووے

خار پاؤں میں چبھے بال ہوں سر کے بکھرے — فکر صابن ہو نہ کچھ شانہ کا سودا ہووے

باندھ کر ہاتھ کروں عرض بصد عجز و نیاز — خدمت شاہ میں جیسے کوئی بندہ ہووے

یہ غلام آپ کا حاضر ہے قدم بوسی کو — وصل کا آج اشارہ شہ والا ہووے

میری بیتابی و مسکینی پہ رحم آئے ضرور — خود در حجرہ والا سے نبی وا ہووے

وہ دگر سر قدم پاک پہ رکھدوں اپنا — دھیان کس کو عجب بے ادبی کا ہووے

کبھی چوموں کبھی آنکھوں سے لگاؤں وہ قدم — خاک پا آپ کی ان آنکھوں کا سرمہ ہووے

گوہر اشک کو نثار قدم پاک کروں — جز تہیدستی جو کچھ اور نہ تحفہ ہووے

اور جب روئے مبارک کی تجلی دیکھوں — جلوہ طور بھی آنکھوں میں تماشا ہووے

سن کے اس شوق کو کہتے ہیں ملائک بھی غریب
فضل حق سے تری حاصل یہ تمنا ہووے

اے رسولِ کبریا فریاد ہے — یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
آپ کی اُلفت میں میرا یا نبی — حال یہ ابتر ہوا فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آجکل — اے مرے مشکل کشا فریاد ہے
چہرۂ تاباں کو دکھلا دو مجھے — تم سے اے نورِ خدا فریاد ہے
گردن و پاؤں سے مری زنجیرِ طوق — یا نبی کیجئے جُدا فریاد ہے
قیدِ غم سے اب چھڑا دیجے مجھے — یا شہِ ہر دو سرا فریاد ہے
آپ کی فرقت نے مارا یا نبی — دل ہوا غم سے وہ پارا یا نبی
طالبِ دیدار ہوں دکھلائیے — روئے نورانی خدارا یا نبی
حق تعالیٰ کے تمہیں محبوب ہو — کون ہے ہمسر تمہارا یا نبی
دردِ ہجراں کے سبب مجھ سے کیا — صبر و طاقت نے کنارا یا نبی
باغِ جنت سے ہے افضل لاکھ بار — مجھ کو وہ کوچہ تمہارا یا نبی
مرتے دم گر دیکھ لوں روئے شریف — زندگی ہووے دوبارا یا نبی
لیجئے در پر بھلا کب تک پھروں — دربدر یاں مارا مارا یا نبی

چین آتا ہے مرے دل کو تمام
نام لیتے ہی تمہارا یا نبی

سب دیکھو نورِ محمدؐ کا، سب بیچ ظہورِ محمدؐ کا — جبریل مقرب خادم ہے سب جا شہورِ محمدؐ کا
جس مسجد میں سنتا ہوں تو ہے مذکور محمدؐ کا — نا ہے کسی پیغمبر کا جو ہے مقدورِ محمدؐ کا
وہ منشا رسب اسما کا ہے وہ مصدر اشیا کا ہے — وہ سترِ ظہورِ خفا کا ہے سب دیکھو نورِ محمدؐ کا
کہیں عاشق وہ یعقوب ہوا کہیں یوسف وہ محبوب بنا — کہیں صابر وہ ایوب ہوا سب دیکھو نورِ محمدؐ کا
کہیں موسیٰ وہ کلیم ہوا، کہیں رازِ قدیم علیم ہوا — کہیں ہارون وہ ندیم ہوا سب دیکھو نورِ محمدؐ کا
کہیں ابراہیم خلیل ہوا اس رازِ قدیم علیم ہوا — کہیں صادق اسماعیل ہوا سب دیکھو نورِ محمدؐ کا
کہیں یار کہیں بیگانہ ہے کہیں شمع کہیں پروانہ ہے — کہیں دانا کہیں دیوانہ ہے سب دیکھو نورِ محمدؐ کا

مرا طالعِ خفتہ جاگے یقیں ہے — اگر خواب میں منہ دکھائے محمدؐ
میں اس پر فدا جان اور دل سے قرباں — مرا جان و دل سب فدائے محمدؐ
محمدؐ کی مرضی ہے مرضی خدا کی — خدا کی رضا ہے، رضائے محمدؐ
خجل ہو گے خورشید کا رنگ فق ہے — اگر منہ سے پردہ اُٹھائے محمدؐ
نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا یقیں ہے — ہوا ہے یہ سب کچھ برائے محمدؐ

عطا کر الٰہی تو اس کی تمنا
کہ ہے رنج بھی خاکپائے محمدؐ

عرشی و فرشی جس کو پا نہ سکیں — مرے دل میں سما دیا کس نے
ابرِ گریاں میں برقِ حسن دکھا — روتے روتے ہنسا دیا کس نے

نغمۂ سرمدی سنا کے ہمیں — مست و بیخود بنا دیا کس نے
شعلۂ رُخ دکھا کے اپنا ہمیں — سر سے پا تک جلا دیا کس نے
میں تو نام و نشاں مٹا بیٹھا — شہرہ میرا اُڑا دیا کس نے
ہنستے ہنستے جو دم میں رونے لگی — شمع تجھ کو جلا دیا کس نے

حسنِ لیلیٰ دکھا کے اے امدادؔ
تجھ کو مجنوں بنا دیا کس نے

اگرچہ بیخود و مستم و لے ہشیاری گردم — بباطن شاہ کونینم بظاہر خواری گردم
چوں دیدم روئے خویش را بہر جائے بہر رنگے — ازیں در بحر و بر و کوچہ و بازاری گردم
عجب بیخود و بدمستم کہ طرفہ ماجرا نیست — کہ دلدارے ببر دارم پئے دلداری گردم
مرا نافع نخواہد شد نصیحت ناصحا ہرگز — کہ سودائش بسر دارم نہ من بیکاری گردم

بیا نورِ محمد کن دلِ امدادؔ را روشن
کہ عکس نور بے کیفم پئے انواری گردم

امداد صابری، چوڑیوالان - دہلی
۳۰ جنوری سنہ ۱۹۷۹ء

سببِ تالیف

انگریزوں کے دورِ حکومت میں ہندوستان کے اندر علماءِ کرام کا ایک گروہ تھا جن کو مخالفین اور انگریز وہابی کہتے تھے اِس مقدس جماعت کا کام نصاریٰ کے بڑھتے ہوئے سیاسی تسلط اور مذہبی اقتدار کو نیست و نابود کرنا تھا اس کی ابتدا شاہ ولی اللہ صاحب نے کی۔ یہ جماعت منظم و غیر منظم دو طبقوں میں بٹی ہوئی تھی منظم طبقہ مجاہدین بالسیف کا تھا جو فوجی نظام کے ماتحت کام کرتا تھا۔ جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ مسلمانوں میں مجاہدانہ جذبات اور جنگی اسپرٹ پیدا کرکے ... اس کو جماعتی شکل دے کر اسلحہ جات کی فراہمی کے ساتھ ملک میں بغاوت کی آگ لگانے اور غیر ملکی حکومت کے طلسم کو پاش پاش کرنے کے بعد ملک کو آزادی دلوائے

دوسرے غیر منظم طبقہ کا کام تھا کہ وہ اپنی علمی قابلیت و تحریری و تقریری جہاد کے ذریعے مسیحی مشینریوں کے طوفانی پروپگنڈہ کا جواب دے کر ان کے فتنوں کا سدِّباب کرے۔ اور پادریوں کے گمراہ کن ہتھکنڈوں اور سرمایہ کے لالچ میں پھنسا کر مذہب بدلنے والے جال کے پھندوں سے غریب ہندوستانیوں کو محفوظ رکھے۔

پہلے طبقہ میں حضرت مولانا سید احمد، مولانا اسمٰعیل شہید، مولوی فیض احمد بدایونی، مولانا امام بخش صہبائی، مولوی عبد العزیز صاحب حضرت حاجی امداد اللہ، مولوی کفایت علی مراد آبادی۔ مولوی بدر الاسلام بدایونی، خان بہادر خاں بریلوی، مولوی نسیم الشر کولوی مولوی اشرف علی بدایونی، حافظ ضامن، مولانا محمد ہادی لکھنوی، مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی، مولانا محمد علی مونگیری، ڈاکٹر وزیر حسن خان اکبر آبادی، حضرت العلامہ مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا ابو المنصور، مولانا شرف الحق دہلوی، مولانا سید عبد الباری حافظ ولی اللہ لاہوری، چودھری مولا بخش کانپوری، مولانا رحم الٰہی منگلوری، مولوی فقیر محمد جہلمی وغیرہ تھے۔

پہلا طبقہ جنگجو تھا۔ اس نے انگریزوں سے جنگ کی۔ اور سیانہ اور ملکا کیمپ قائم کرکے سرحدی قبائل اور دریائے سندھ کے کنارے ۱۸۲۵ء سے ۱۸۶۳ء تک فوجی شکل میں مقابلہ کیا۔ اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بھی حصہ لیا۔ یہ مجاہد تاریخی حیثیت کے مالک تھے۔ اس لئے انہوں نے تاریخ میں جگہ پائی جو دوسرا علمی طبقہ تھا اس نے علمی جہاد کیا محققین رد نصاریٰ کے کتابی و اخباری زہریلے پروپگنڈے اور ٹڈی دل پادریوں کے خوفناک ہتھکنڈوں کا جواب اپنی مدلل و محققانہ دندان شکن تصنیفات سے دیا۔ بازار، گلی کوچوں، شہروں، دیہاتوں میں دو بدو سرکاری شہ یافتہ مشینریوں سے تاریخی اور معرکۃ الآراء مناظرے کئے۔ ان کے اعتراضات کے پرخچے اڑائے حکومت نے ان کو باغی اور غدار ٹھہرایا۔ ان کی جائدادوں کو ضبط کرکے کوڑیوں کے مول فروخت کیا۔ ان کو جلاوطن کیا۔ جیلوں میں سڑایا۔ بہیمانہ سزاؤں کا شکار بنایا۔ مگر وہ مردِ میدان باز نہ آئے اور ہندوستان کو مغربی سیلاب سے بچا کر مشینریوں کے زور توڑے اور کامیاب ہوئے۔ چونکہ ان حضرات کا کام ٹھوس اور خاموشی کے ساتھ ہوتا تھا اور حکومت بھی ان کے کاموں کو دبانے کی کوشش کرتی تھی۔ اس لئے وہ گمنامی کی نذر ہوا۔

اب یہ حالت ہے کہ اس علمی طبقہ سے عوام تو بالکل ہی ناواقف ہے اور خواص کی بھی اکثریت بے خبر ہے اس بے خبری کا یہ عالم ہے کہ اچھے پڑھے لکھے لوگوں کے سامنے اگر ان حضرات کا یا ان کی تصنیفات و کارناموں کا ذکر کیا جاتا ہے تو تعجب و حیرت سے سنتے ہیں اور دیکھتے ہیں۔ ان کی ہمت و جرأت اور قابلیت سے ناواقف ہونا تو کجا ان کے کارناموں تک سے ناآشنا ہیں بے ذوقی کا یہ عالم ہے کہ ان کی تصنیفات کی اشاعت اور مطالعہ کا سلسلہ بند ہے کتابیں الماریوں میں بند ہیں یا دیمک کی نذر ہو چکی ہیں

ان کی اس گمنامی اور قوم کی بے توجہی کے پیش نظر ضروری سمجھا گیا کہ اس علمی طبقہ کی مجاہدانہ کارناموں کی تاریخ لکھی جائے اور علمی دنیا میں لائی جائے۔ تاکہ اہل قلم حضرات اس پر توجہ دیں اور اس ابتدائی اور حقیر کوشش کو انتہا تک پہنچائیں۔

کتاب شروع کرتے وقت یہ خیال تھا کہ اس کتاب کو صرف برطانوی دور پر محدود کرنا چاہیے لیکن بعد میں مغربی اقوام کی ہندوستان میں آمد کے وقت (یعنی پرتگیزی زمانہ) سے لے کر اکبر، جہانگیر، شاہجہان اور عالمگیر وغیرہ اور ۱۸۵۷ء کے زمانہ اور بعد کے حالات تک اس کتاب کو مشتمل کرنا بہتر سمجھا گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ پانچ صدی کی مسلسل عیسائی مشینریوں کی کوششوں اور ہتھکنڈوں کا ہندوستان پر کیا اثر ہوا اور مسجدوں کے بیٹھنے والے غریب علماء کے طبقے نے مقابلہ کرکے خطرناک سازش کو کس طرح خاک میں ملادیا۔

تمنا یہ تھی کہ مغلیہ دور میں فرنگی عیسائیوں نے جو پاؤں پھیلائے تھے۔ نیز برطانوی دور کے ہر صوبہ کی مشینریوں کی سیاہ تاریخ اس کتاب میں ہوتی اور اسی طرح تمام ہندوستان کے ردّ نصاریٰ میں حصہ لینے والے علماء اور تمام صوبوں کے معرکۃ الآراء مناظروں کے حالات ہوتے مگر یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔

سب کچھ جتن کئے گئے تمام مشینری سوسائٹیوں کو ان کی رپورٹیں بھیجنے کے لئے لکھا گیا۔ اس کام کے لئے کلکتہ گیا لائبریریوں کے کتب خانہ اور خاص طور پر خدا بخش لائبریری، پٹنہ، اور امپیریل لائبریری کلکتہ، اور ہارڈنگ لائبریری دہلی۔ کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، کتب خانہ مظاہر العلوم، سہارنپور، رضا لائبریری رامپور، نذیریہ لائبریری دہلی کی فہرست کی ورق گردانی کی گئی اور بعض ردّ نصاریٰ میں زندگیاں تجنے والے خاندانوں کے چشم و چراغوں سے روشنی طلب کی گئی اور ان کے بزرگوں کے حالات طلب کئے گئے لیکن کسی نے بھی توجہ نہیں دی۔ مشینری سوسائٹیوں اور علی الخصوص اسلاف کے نامور اخلاف نے کوئی جواب تک بھی دینا گوارا نہیں کیا۔ اگر کسی نے کچھ جواب دیا تو "دلاسا" ثابت ہوا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ پر بہت مختصر حالات ملے۔ اور حسب ذیل حضرات کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں لگا۔ حالانکہ یہ ہستیاں صاحب تصنیف ہیں۔ صاحب حیثیت لوگ ہیں بعض تو ردّ نصاریٰ کی تین تین چار چار کتابوں کے مصنف ہیں۔

(۱) مولوی عباس علی صاحب چاجوی	صولۃ الضیغم علی اعداء ابن مریم۔
(۲) مولوی محمد فیروز الدین صاحب ڈسکوی متخلص بہ فیروز	فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف بہ تاریخ محمدی
(۳) مولوی سید محمد، مدرس ہائی اسکول، علی گڑھ	تنزیہ الفرقان
(۴) مولوی غلام دستگیر قصوری	تخریج عقائد نوری
(۵) مولوی محمد سلیم اللہ	صداقت قرآنی از کتب ربانی۔ انصاف المبیع الاخلاف۔ اظہار الاسلام
(۶) مولوی محمد شاہ لکھنوی	غایۃ الشعور، حج المبرور، فضیل معظم، اجوبہ عجیبہ
(۷) مولوی احمد علی دہلوی	دعوۃ الحق
(۸) حاجی محمد یوسف صاحب رانديری	دعوۃ الاسلام
(۹) مولوی اشرف علی سلطانپوری	نیر اعظم
(۱۰) مسٹر سید امیر علی بیرسٹر ایٹ لا	تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام
(۱۱) مولوی رحیم الٰہی بنگلوری	بشارات محمدی
حکیم محمد حسن امروہوی	مشت کو فسل
(۱۳) مولوی حاجی سید احمد حسین صاحب عظیم آبادی	اعزاز عیسوی

(١٤) مولوی غلام نبی امرتسر — عصمت الانبیا۔ تصدیق الاسلام۔ تحقیق اسلام۔ معجزات محمدیہ۔ حقیقت اصل جہاد۔

(١٥) مولوی حکیم سید محمد غوث علی گورکھپوری — القول الجمیل فی زری المحمد والمسیح

"فرنگیوں کا جال" کا پہلا ایڈیشن ١٩٤٩ء میں ان حالات میں چھپا تھا کہ میں جب سخت بیمار تھا۔ اور عرصہ تک صاحب فراش رہا۔ اس بیماری کی حالت میں یہ خواہش تھی کہ یہ کتاب کسی صورت میں طبع ہو جائے۔ یہ دور انتہائی پُر آشوب تھا۔ ١٩٤٧ء دہلی میں جو غارت گری ہوئی اس کے کافی اثرات باقی تھے۔ مہنگائی نے کمر توڑ رکھی تھی۔ خاص طور پر کاغذ تو عنقا بن گیا تھا۔ مارکیٹ سے غائب تھا۔ بہت مشکل سے دستیاب ہوتا تھا۔ کاتبوں کی بھی کمی تھی۔

آدھی کے قریب یہ کتاب منشی متین حسن صاحب نقوی امروہوی نے لکھدی تھی وہ کسی ضروری کام کی وجہ سے امروہہ چلے گئے تھے، اسوقت کاتبوں نے پریشان کیا کچھ دن کتابت کی اور جواب دیکر چلے گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تین چار کاتبوں نے "فرنگیوں کا جال" کی کتابت کی جو اچھی نہیں تھی۔

کتابت کی تصحیح اس حالت میں کی اور پروف اس حالت میں دیکھے دماغ ماؤف تھا۔ اور انتہائی نحیف اور کمزور تھا ایک لفظ مشکل سے پڑھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے اس کتاب میں کافی غلطیاں رہ گئیں۔

کتاب اپنی موضوع کے اعتبار سے انوکھی اور نرالی تھی جس کی وجہ سے ظاہری ٹیپ ٹاپ طباعت وکتابت وکاغذ پر لوگوں نے توجہ نہیں کی اور علمی طبقے نے اس کو بیحد پسند کیا۔ اس پر اپنی مبسوط رائیں تحریر فرمائیں جن کو اس کتاب میں نقل کیا جاتا ہے۔

امام الہند حضرت مولینا ابوالکلام آزاد۔ وزیر تعلیم

"فرنگیوں کا جال" کتاب کو میں نے جستہ جستہ دیکھا۔ غدر کے بعد کا زمانہ پُر آشوب تھا۔ اس وقت علماء کرام نے جو علمی جہاد کیا، بدقسمتی ملک کی کہ وہ عالم گمنامی کے نذر ہو چکا ہے اور تاریخ کے صفحات پر ان کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ علماء کرام کے ان کارناموں کو شائع کر کے صابری صاحب نے ایک اہم کام انجام دیا ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ صابری صاحب اپنا وقت ایسے مفید کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

رئیس الاحرار مجاہد ملت حضرت مولینا حسرت موہانی مدظلہ

میں نے تقریباً مولانا امداد صابری کی کل کتابیں پڑھی ہیں ان کتابوں کے ناموں سے اندازہ لگتا ہے کہ وہ انوکھا عنوان تلاش کرتے ہیں۔ اور بڑی کاوش اور تحقیق کے ساتھ کتاب مرتب کرتے ہیں۔ "تاریخ جرم وسزا" جس کی چار جلدیں ہیں وہ اس عنوان پر ایک چھوٹی سی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی حیثیت "فرنگیوں کا جال" کتاب کی ہے اس میں مولنا صابری نے عیسائی مشنریوں کے پانچ صدی (پرتگیزی دور سے غدر کے زمانے تک) کی مسلسل تبلیغی جد وجہد کو سلسلہ وار مرتب کیا ہے۔

ہندوستان میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور عالمگیر وغیرہ بادشاہان مغلیہ کے دور میں فرنگیوں کے مشن کے ارکان سفرا اور حسین وجمیل عورتوں نے جو رسوخ حاصل کیا۔ اور اپنے مذہب اور ہم مذہبوں کے لئے جو مراعات اور سہولتیں حاصل کیں۔ اور بادشاہوں اور نوابوں کو فریب دے کر ان سے اپنی نا کتخدا لڑکیوں کو بیاہ کر درباروں میں فروغ پانے کی جد وجہد کی۔ اس کو مولانا صابری نے دلچسپ اور محققانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

مولنا صابری نے انگریزوں کے ہندوستان میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد کے زمانہ کی مجنونانہ اور طوفانی تبلیغ کا نقشہ بھی کھینچا ہے۔ کہ کس طرح برمن، فرانس اور انگلستانی وغیرہ یورپ کے بڑے بڑے ممالک مشنری سوسائٹیوں

نے ہندوستان میں تبلیغی سوسائٹیاں قائم کیں ۔ آپ نے ان سوسائٹیوں کی نام نہاد
روئداد ان کے کالج ، اسکول ، یتیم خانیں ہسپتال ، لٹریچر ، اور اخبارات کے تفصیل کے ساتھ حالات بیان کئے ہیں اور ان
کی فہرست بھی دی ہے جن کے بل بوتے پر یہ سوسائٹیاں ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتی تھیں ۔
ان کے مقابلے میں علماء کرام نے جو جماعتیں مدرسے اسکول ، کالج اور یتیم خانیں ، قائم کئے ، ردِ نصاریٰ میں کتب لکھیں اخبارات
جاری کئے ، مناظرے اور مباحثے ہوئے ، اور عیسائیوں کے شرمناک الزامات کے جوابات دئے ، اور جن علماء باصفا نے اس
طوفانی سیلاب کا مقابلہ کیا ۔ ان کے حالات زندگی اور کارنامے اور جہادی زندگی کے کارنامے بھی اس کتاب میں موجود ہیں ۔
یہ کتاب تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے قابلِ مطالعہ ہے ۔ اس کا داخلہ کالجوں اور اسکولوں کے کورس میں ہونا
چاہئے ۔ تاکہ ہر طالب علم اپنے بزرگوں کے کارناموں سے واقف ہوجائے ۔ اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کرے ۔

مولانا عثمان فارقلیط صاحب ایڈیٹر روزانہ الجمعیۃ دہلی

جس طرح ڈریپر نے معرکہ مذہب وسائنس ۔ کتاب لکھکر شہرت دوام حاصل کی ہے اسی طرح مولانا امداد صابری
نے فرنگیوں کا جال جو دراصل معرکہ اسلام ومسیحیت ہے لکھکر مذہبی دنیا پر احسانِ عظیم کیا ہے ۔ جن علماء حق اور مجاہدین
صدق وصفا نے اسلام کے دفاع میں فرنگی پادریوں اور یورپی مشنریوں کا جان توڑ مقابلہ کیا اور یورپ کے متحدہ مذہبی بیڑے
کو شکست دی ۔ یہ کتاب دراصل ان مذہبی معرکوں کی ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے ۔ جو اسلام اور مسیحیت کے تصادم
سے پیدا ہوئے اور جنہیں تحریری وتقریری شکل دی گئی ۔ اس کتاب سے واضح ہوگا ۔ ۱۸۵۷ء سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت
کیا تھی اور یورپ کے متحدہ بیڑے کو اسلام اور ہندو دھرم پر حملہ کرنے کے لئے کیوں بھیجا گیا تھا ۔ کتاب کا آغاز ہندوستان
میں فرنگیوں مشنریوں کی آمد سے کیا گیا ہے ۔ جس میں یورپ کی مشہور مشنوں کے حالات آگئے ہیں ۔ پھر یہ بتایا گیا ہے کہ
قدیم ہندوستان میں عیسائی تبلیغ کس طرح ہوئی اور اس کے لئے کیا کیا طریقے ایجاد کئے گئے ۔ یہاں سے معلوم ہوگا
کہ شاہی درباروں میں بھی عیسائیت کی وبا پھیل چکی تھی ۔ پھر انگریزی دور کے مشنری کاموں پر سیر حاصل تبصرہ کیا
گیا ہے اور اس میں حکومت کی سازش کو بھی بے نقاب کیا ہے ۔ ایک باب ہندوستانی مشنریوں کے حالات زندگی کے
لئے وقف ہے ۔ آگے پادریوں سے علماء اسلام کے مناظروں کا تفصیلی بیان ہے اور ان اخبار ورسائل کا ذکر جو ردِ عیسائیت
کے لئے نکالے گئے اور مناظرین اسلام کے حالات زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔ اگر مولانا امداد صابری یہ خدمت یورپ
میں انجام دیتے تو ساری دنیا اس کارنامے سے منور ہوجاتی ۔

حضرت العلامہ برجموہن دتاتریہ کیفی ، صدر اُردو سبھا دہلی

پرتگیزی دور سے عہد اکبری ، جہانگیری ، شاہجہانی اور عالمگیری درباروں میں فرنگی مشنریوں اور اُن کی حسین وجمیل میموں
نے نصرانی مذہب کو ہندوستان میں یتیم خانوں ، ہسپتالوں ، کالجوں ، اپاہج خانوں ، عورتوں اور مردوں کے اسکولوں ، اخبار
لٹریچر اور ہزاروں پادریوں کے ذریعہ ہندوستان کے مذہبوں کو بدلنے کے لئے جو طوفانی پروپیگنڈا کیا اور شہروں ، دیہاتوں
جنگلوں ، پہاڑوں ، محلوں ، گلی ، کوچوں اور بازاروں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی اور علماء کرام مولانا شاہ عبدالعزیز محدث
دہلوی ، مولانا آل حسن موہانی ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ ، مولانا شرف الحق صدیقی ، مولانا قاسم نا
اور مولانا ابوالمنصور دہلوی وغیرہ ان مشنریوں کی طاقتوں سے نبرد آزما ہوئے اور اپنی خداداد قابلیت ، ذہانت ، جرأت سے حکو

برطانیہ کی سوسائیٹیوں کے مہلک جال کو پاش پاش کیا۔ اُن کے مقابلے میں یتیم خانے، ردِ نصاریٰ کرنے والی جماعتیں، مدرسے، اسکول، کالج اور ردِ نصاریٰ کرنے والے اخبارات و کتابیں شائع کیں اور سینکڑوں دنداں شکن معرکۃ الآرا مناظرے آگرہ، دہلی، پونہ وغیرہ میں ہوئے۔ انکی پوری تفصیل اور علمی جہاد کرنے والے علمارِ کرام کے مکمل حالات مولانا امداد صابری نے فرنگیوں کے جال میں دیدی ہے۔ یہ کتاب بڑی تحقیق و جستجو اور کاوش کے ساتھ مستند کتابوں سے لکھی گئی ہے

ہندوستان کے اس اہم تاریخی پہلو پر اب تک کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ یہ کتاب تاریخی، سیاسی اور علمی طبقہ کی معلومات بڑھانے کے لئے مفید اور قابلِ مطالعہ ہے۔

حضرت العلامہ مولانا اسلم جیراجپوری صاحب پروفیسر جامعہ ملیہ دہلی

اس کتاب میں مولانا امداد صابری نے مغربی مشنریوں کی مذہبی تبلیغ کی کیفیت بیان کی ہے۔ جو ابتدائی دور سے ہندوستان میں انگریزوں کے آخری زمانہ تک مسلسل ہوتی رہی اور علمار اسلام نے اس مسیحی پروپیگنڈے کا جس طرح مقابلہ کیا اور جو کوششیں کیں انکی مفصل تاریخ لکھی ہے۔

یہ معلومات مختلف پرانے، بوسیدہ اور کرم خوردہ رسائل، اخبارات اور کتابوں سے جو مختلف زبانوں میں شائع ہوتے رہے اخذ کر کے فراہم کیے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر حافظ صاحب موصوف نے اس تاریخ کو کوشش اور محنت سے جمع نہ کیا ہوتا تو ہندوستان کے مسلم علمار کی تاریخ کا یہ پہلو بالکل تاریک رہتا۔

فرنگی مشنریوں نے حکومت کی پشت پناہی سے اپنی مذہبی تبلیغ میں سختیاں اور مکاریاں بھی استعمال کیں۔ لیکن علمار اسلام کی پشت پناہی کے لئے اکیلے اللہ کی ذات کافی تھی اور اسی کے بھروسے پر انھوں نے حق کو لیکر ایسا مقابلہ کیا کہ مشنریوں کے دانت کھٹے کر دیئے۔ یہ کتاب اپنی معلومات کے لحاظ سے بہت قیمتی ہے اور مذہبی کش مکش کی یہ داستان حافظ مولانا امداد صابری کی مرہونِ احسان رہے گی۔

محترم جناب داس اختر، ایڈیٹر اخبار تیج روزانہ دہلی

مولانا امداد صابری کا شمار اُن گنے چنے لوگوں میں ہوتا ہے۔ جنھوں نے ہندوستان کی سیاست کے سلسلے میں ایک مخصوص راستہ اختیار کیا اور اسپر ثابت قدمی کے ساتھ جمے رہے۔ مولانا امداد صابری نے ملک کے لئے پاکیزہ لٹریچر تیار کرنے میں کافی اہم کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے مفید کتب لکھی ہیں۔ اُن کا تازہ ترین شاہکار "فرنگیوں کا جال" نامی کتاب ہے۔ اس میں انھوں نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ بتایا کہ :-

فرنگی حکمرانوں نے ہندوستانیوں کے مذہبی عقیدوں میں تبدیلی پیدا کرنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے اور اُن کا مقابلہ کرنے کے لئے عوام نے کتنی مصیبتیں برداشت کیں۔ باغی قرار دیئے گئے۔ جلاوطن ہوئے۔ یہ کتاب زمانۂ غدر کے مذہبی پہلو کی پُر از معلومات تصویر ہے۔ اس میں علمارِ کرام کی کاوشوں کا نقشہ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے۔ فرنگیوں کا جال اپنی قسم کی انوکھی کتاب ہے۔ یہ معلومات کا خزانہ ہے۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب ہے اور بے انتہا خوبیوں کے باوجود قیمت صرف پانچ روپے ہے (تیج ۱۳ رجولائی ۱۹۴۹ء)

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلےٰ جمعیۃ العلماء ہند

مولانا امداد صابری ان اہلِ قلم میں سے ہیں جو تقاضائے وقت کے پیشِ نظر عموماً کوئی علمی تحفہ شیر و شہد

کردیا کرتے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب "فرنگیوں کا جال" عیسائی مشنریوں کی تبلیغ اور حکومتِ برطانیہ کی اس بارے میں ان کی حمایت سے متعلق بہترین ذخیرہ معلومات ہے۔ اس کتاب میں ان علمائِ حق کا بھی تذکرہ ہے۔ جو عیسائیوں کے خلاف اسلام کی حقانیت کے لئے اعلانِ حق کرتے رہتے تھے۔ کتاب اپنے موضوع سے متعلق چھوٹی سی انسائیکلوپیڈیا ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی محنت کو قبول فرمائے۔ اور اہلِ علم میں مقبول کرے۔

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر جمعیۃ علماء ہند

مولانا امداد صابری جو حضرت مولانا شرف الحق صاحب کے فرزند ہیں۔ انھوں نے ایک کتاب "فرنگیوں کا جال" کے نام سے لکھی ہے۔ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جمائے رکھنے کی نیت سے ابتدا میں یہاں کے باشندوں کو عیسائی بنانے کی خاص کوشش کی تھی۔ حکومت ہاتھ میں تھی۔ علاوہ دوسری تدابیر کے لوگوں کے مذہب پر بھی ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اور یہ سب اس لئے کیا گیا کہ اگر اس ملک میں عام طور سے عیسائیت پھیل گئی تو ہماری حکومت اُن بنیادوں پر قائم ہو جائے گی۔ اس زمانے میں عیسائی مشنریوں کا مقابلہ ہندوستان کے جن علماء نے کیا۔ اُن کا مبسوط تذکرہ اس کتاب میں درج ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ان علماء کے حالات قلم بند کرنے میں صابری صاحب نے بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے اور بہت سی کتابوں کا ان کو مطالعہ کرنا پڑا ہے۔ یہ کتاب ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ مسلمانوں کو اس کے مطالعے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ کوئی دارالمطالعہ اس کتاب سے خالی نہ رہے گا۔

اسرار احمد آزاد، ایڈیٹر الجمعیۃ ہفت وار دہلی

ہندوستان کی تاریخ میں اٹھارہویں اور انیسویں صدی عیسوی کا زمانہ اس اعتبار سے بے حد پُر آشوب تھا کہ ایک جانب تو سلطنتِ مغلیہ سُرعت کے ساتھ زوال پذیر ہو رہی تھی اور دوسری جانب مختلف عناصر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے اور حصولِ اقتدار کی اس جنگ میں ہم اس عہد کے ان یوروپی تاجروں کو پیش پیش پاتے ہیں جو سلطنتِ مغلیہ کے زمانے میں ہندوستان آئے تھے۔ چنانچہ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ اس کشمکش میں مغلوں کو شکست ہوئی اور اس پوری کشمکش کی داستان آج بھی ہماری تاریخ کے صفحات پر موجود ہے لیکن اس دور میں ایک اور جنگ بھی برپا تھی۔ جس کے تذکروں سے ہماری تاریخ کے ذخیرے خالی ہیں اور وہ جنگ تھی: "اعصابی جنگ" جس طرح ہندوستان میں سیاسی اقتدار کے لئے جگہ جگہ خونریزیاں کی گئیں۔ اسی طرح اس اعصابی جنگ کے دوران میں بھی جگہ جگہ مقابلے اور مباحثے ہوئے۔

یہ اعصابی جنگ اصل میں ایک گرتے ہوئے سیاسی اقتدار سے وابستہ تہذیب، مذہب اور ایک ابھرتے ہوئے سیاسی اقتدار کی مذہبی تعلیم اور کلچر کے درمیان تفوق کی جنگ تھی۔ کیونکہ مکمل سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے لازمی تھا کہ ہر اُس طاقت کو جو ہندوستانی اقتدار کے لئے ایک سہارا بن سکتی تھی پے بہ پے حملوں سے اس قدر مضمحل کر دیا جائے کہ وہ ناکارہ ہو کر رہ جائے اور اس طرح یہ عمارت مسقف بے ستون بن جائے۔

چنانچہ سارے ملک میں عیسائی مشنریوں، سوسائٹیوں، گرجاؤں اور پادریوں کے جال پھیلا دیے گئے۔ جن کا کام یہ تھا کہ وہ ایک طرف ہر اُس چیز کی مخالفت کریں اور مذاق اڑائیں جس کا تعلق ہندوستانی تہذیب سے ہے اور دوسری طرف عیسائیت کا دیگر مذاہب پر تفوق ثابت کریں لیکن جن حضرات کے کاندھوں پر ان حملوں کا بار تھا وہ بھی خاموش نہ تھے۔ ا

اگرچہ عام قومی خصائص کے اعتبار سے اور آلاتِ جنگ کے نقطۂ نظر سے ہندوستانی کمزور تھے۔ لیکن علم و فضل کے میدان میں کوئی ان سے بازی نہ لے جا سکتا تھا۔ چنانچہ تمام ملک کے علماءِ حق نیز ادیب اور شاعر اس مزاحمت کی جنگ میں شریک ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور مقابلے شروع ہو گئے اور سچ پوچھئے تو اسی تحریک کے بچے کھچے افراد تھے۔ جنہوں نے سیاسی آزادی کے لئے مختلف محبِ وطن جماعتوں کی بنیاد ڈالی۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم سیاسی میدان میں اس وقت پسپا ہوئے اور جنگِ پلاسی نے شکست کا دروازہ کھول دیا۔ لیکن یہ بھی مسلّمہ حقیقت ہے کہ ۱۸۷۶ء میں حضرات العلامہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا آلِ حسن موہانی، مولانا شرف الحق صدیقی دہلوی، مولانا ابو المنصور دہلوی اور ان کے رفقاء کے ہاتھوں جو اس مزاحمتی جنگ کے سرخیل تھے۔ آگرہ اور دہلی کے مناظرہ "میلہ خدا شناسی" میں عیسائی پادریوں کو وہ شکست فاش نصیب ہوئی کہ اُن کی ہمتیں ہمیشہ کے لئے پست ہو گئیں اور وہ آج تک اس قابل نہ ہو سکے کہ اپنی تہذیب و مذہب کے تفوق کے دعوے کو ثابت کر سکیں۔

"فرنگیوں کا جال" ہماری اس نہج کی جدوجہد کی داستان ہے جس میں مولانا امداد صابری صاحب نے پوری تفصیل اور جستجو کے ساتھ اس دور کے اُن مقابلوں کی تاریخ مرتب کر دی ہے۔ اس کتاب میں عیسائیوں کی آمد کے ابتدائی دور سے لیکر ان مناظروں کے دور تک کے تمام ضروری باتیں مناظروں کی تفصیل اور اس تحریک میں شامل ہونے والے پادریوں اور علماء و فضلاء کے حالاتِ زندگی دل نشین پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ایک طرف علماء اس فتنے کے استیصال میں پیش پیش تھے۔ وہاں عبد الحلیم شرر، حالی اور سرسید ایسے ادیبوں کے قلم عیسائی ادیبوں اور فاضلوں کی ہفوات کا مکمل جواب دینے میں مشغول تھے۔

جناب شاہد میاں، ایڈیٹر ساقی کراچی

دراصل اس جدوجہد کی مبسوط تاریخ ہے جو پرتگیزیوں کے ہندوستان میں آنے سے شروع ہو کر انگریزوں کی حکومت تک رہتا ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف (مولانا امداد صابری) نے معلومات سے پُر مدلل انداز میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ کس طرح انگریزی اور مغربی پادریوں نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب پر طرح طرح سے حملہ کر کے انہیں عیسائی بنانے کی کوشش کی۔ اس موضوع پر اُردو میں اس سے پہلے بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اپنی نوعیت کی ایک ہے۔ اسلامی تاریخ کے طالب علم کو اس بات کا اندازہ لگانے کے لئے کہ انگریزوں نے کیا کیا ناروا طریقے اختیار کئے اس کتاب کا پڑھنا ضروری ہے۔ یہ کتاب ان مناظرین کے گروہ کی مجاہدانہ تاریخ بھی ہے۔ جنہوں نے تربیت یافتہ پادریوں سے مقابلہ کر کے ان کی دلیلوں کے پرخچے اڑائے۔ معلومات و مطالعہ کے لحاظ سے یہ کتاب بڑی مرعوب کن ہے۔

دسمبر ۱۹۴۹ء

جناب سردار علی صابری صاحب ایڈیٹر اخبار انجام کراچی

"فرنگیوں کا جال" میں مولانا امداد صابری نے انگریز مشنریوں کے ان فریبوں کو، اور اُن کے فریبوں کے چاک کرنے والے علماءِ کرام کے تاریخی دنداں شکن کارناموں کو جن کو عوام تو عوام خواص تک بھلا چکے ہیں۔ ان کو مرتب کر کے تاریخ کے ایک پہلو کو پُر کیا ہے۔ اس عنوان پر اب تک ایسی جامع مدلل مستند کتاب نہیں لکھی گئی ہے۔

جناب ضمیر صدیقی کورسپنڈنٹس، امریکن پریس، کراچی

آپ نے یہ کتاب بڑی محنت سے لکھی ہے۔ اس کا خدا اجر دیگا۔ اس دہریت کے زمانہ میں اس کتاب کی انتہائی ضرورت تھی۔ اس کتاب سے مادیت کے پجاری اپنی آنکھیں کھولیں گے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح یورپ کے منظم اور طاقتور سیلاب سے کس نازک اور پرآشوب دور میں مقابلہ کیا، اور اپنے وجود اور مذہب کو بچایا۔

جناب ماسٹر تاج الدین صاحب، ایڈیٹر اخبار آزاد، لاہور

صابری صاحب ہمیشہ نیا عنوان تلاش کرتے ہیں۔ "تاریخ جرم وسزا" کے بعد آپ کا شاہکار "فرنگیوں کا جال" کتاب ہے جس میں صابری صاحب نے انگریزوں کی ہندوستان میں پانچ صدی کی فریب کاریوں کا پردہ چاک کیا ہے اور علماء کرام نے بے سروسامانی کی حالت میں جو نڈر ہو کر فرنگیوں سے مقابلہ کیا۔ اور جو عالم گمنامی میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کو زندہ کر کے ملک پر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ کالجوں و سکولوں کے کورس میں داخل کی جائے۔ تاکہ نوجوان طبقہ اپنے بزرگوں کے کارناموں سے واقف ہو جائے۔

ایڈیٹر ندائے حرم، کراچی۔

عہد اکبری سے لیکر عہدِ عالمگیری تک فرنگیوں کی عیارانہ مساعی کو جو انہوں نے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے جاری رکھیں۔ یہاں تک کہ حسین وجمیل عورتوں سے کام لیا "فرنگیوں کا جال" میں بے نقاب کیا گیا ہے۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب اور عیسائی پادریوں کے عزائم، مسلمانوں کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ساتھ دین اسلام کے سرزمین ہند سے اخراج اور خاتمہ کی ناپاک جدوجہد اور ان کے مقابلہ پر اس دور کے علمائے حق کی قابل مثال عزیمت اور پادریوں سے مناظرے اور ان مناظروں کی روئداد تفصیل، عیسائیت کی شکست، اسلام کی فتح وکامیابی کو شرح وبسط کے ساتھ کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد رحمۃ اللہ صاحب عثمانی کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حرم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کا تاریخی مناظرہ اکبرآباد (آگرہ) اور پادری فانڈر کا مولانا مرحوم ومغفور کے مقابلہ سے فرار وشکست کا حال، پھر پادری مذکور کا قسطنطنیہ پہنچنا اور سلطان المعظم کی خدمت میں باریاب ہو کر اس مناظرہ کے متعلق غلط بیانی کر کے عیسائیت کی اسلام کے مقابلہ پر فتح اور مولانا مرحوم کے مقابلہ میں اپنی فتح کا سلطان المعظم کو یقین دلانے کی ناکام کوشش کرنا، آخرکار بارگاہِ خلافت سے مولانا مرحوم کی طلبی، مولانا کا مکہ مکرمہ سے قسطنطنیہ پہنچنا، پھر پادری فانڈر کا مناظرہ سے فرار وغیرہ دلچسپ حقائق بھی کتاب میں بیان کیے گئے ہیں۔

اس پرفتن دور کے علماء حق اور ان کی اسلامی خدمات اور اسلام کا دفاع"۔ "ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی یورپین عیسائی بیویاں اور ان کی سازشیں"۔ "انگریزی دور میں ۱۸۵۷ء کے بعد مشنریوں کی ہندوستان پر نظر اور اس میں "حکومتِ انگریزی کا ہاتھ" "ہندوستان کے مشنریوں کے حالاتِ زندگی" "علمائے اسلام کا جہادِ اکبر" "کتب ردِ نصاریٰ" "پادریوں سے علمائے اسلام کے مناظرے" "اس وقت کے کالج ویتیم خانے" اور "اخبارات و رسائل اور اسلام کے دفاع میں ان کا حصہ" "مجاہدین رد نصاریٰ کے حالاتِ زندگی" وغیرہ وغیرہ مستقل عنوانات

سے ہی کتاب کی افادیت واہمیت اور مصنف کی محنت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی رحؒ اور مجاہد اسلام حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے مجاہدانہ کارنامے اور پھر نے حضرت مولانا رحمتؒ کی جائداد واملاک کی ضبطی اور ان حضرات کی ہجرت کے حالات بھی کتاب میں آگئے ہیں۔ علمائے اسلام کی ان خدمات اور اپنے اسلاف کے مجاہدانہ کارناموں سے باخبر رہنے کے لئے ہر مسلمان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ (ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ)

شاعرِ انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی ایڈیٹر بساطِ عالم دہلی

اس ضخیم کتاب میں جناب امداد صابری نے بھیڑ کتابوں کی مدد سے اہلِ فرنگ کی ان کوششوں کو بے نقاب کیا ہے جو انھوں نے ہندوستان کو عیسائی بنا کر اپنے اقتدار میں رکھنے کے لئے صرف کردیں۔ ساتھ ہی ان کوششوں کی مدافعت کا بیان، علمائے اسلام کے مباحثے، عیسائی پادریوں کے ساتھ اور مشہور پادریوں اور علمائے اسلام کے سوانحِ حیات بھی کتاب کے مضمون میں شامل ہیں۔ مذہب اور مذہبی مباحث میں دلچسپی لینے والوں کے لئے یقیناً یہ کتاب مفید اور دلکش ثابت ہوگی (اکتوبر ۴۹ء)

علامہ انور صابری دیوبندی

نگارش عجیب ہے کتاب بے مثال ہے
تمام جس میں منضبط "فرنگیوں کا جال" ہے

نئے جہاں کا ذکر کیا ہے آنے والے دور میں
ملے گی "صابری" کو داد یہ میرا خیال ہے

نئی اُمنگ میں نہاں ہے کلفت تمام تر
اسی فضا میں اہلِ دل کی زندگی وبال ہے

جو آج بھی ہے نیک خو، خلوصِ دل کا رازداں
مری نظر میں بالیقین وہ مردِ باکمال ہے

مآلِ غم میں بھی نہاں ہے پہلوئے نشاطِ دل
عروج جس کا منتظر ہے یہ وہی زوال ہے

(۸ فروری ۵۰ء)

جناب شوکت فہمی صاحب ایڈیٹر دین دنیا دہلی

"فرنگیوں کا جال" اپنی نوعیت کی ایک ایسی عجیب وغریب تاریخ ہے جس کو نہ صرف اردو زبان میں بلکہ مشرق کا تمام زبانوں میں ایک امتیازی درجہ حاصل ہے۔ مولانا امداد صابری مستحق مبارکباد ہیں کہ انھوں نے سالہا سال کی کوششوں کے بعد ایک ایسی عجیب وغریب تالیف ملک کے سامنے پیش کی ہے جسے بلاشبہ اردو لٹریچر میں ایک نہایت ہی مفید اور قابلِ قدر اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان پر غیر ملکی دورِ حکومت کے بارے میں عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ یہ حکومت غیر مذہبی تھی اپنے سیاسی مفاد کے علاوہ ہندوستان کے مذہبی معاملات سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ لیکن مولانا امداد صابری کی اس نادر تالیف کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز صرف ہندوستانیوں کی آزادی ہی کے دشمن نہیں تھے بلکہ وہ ہندوستان کے دین ومذہب کے سب سے بڑے حریف تھے۔ جن کی صدیوں تک کوشش یہ رہی ہے کہ ہندوستانیوں کو ان کے آبائی مذاہب سے محروم کرنے کے بعد عیسائی بنا لیا جائے اور غیر محسوس طریقہ سے ہندوستان میں ایک ایسی مسیحی حکومت قایم کردی جائے۔ جس کے بوجھ تلے اسلام، ہندو دھرم، بدھ دھرم، سکھ مذہب اور ہندوستان کے جملہ مذاہب

کرہ جائیں اور ہندوستان کا ہر فرزند باپ بیٹے اور روح القدس کا قائل ہوجائے۔
حقیقت یہ ہے کہ اس تاریخ نے ہندوستانیوں کی آنکھیں کھول دی ہیں۔ اور اس تاریخ کے ذریعہ ہندوستانی عوام کو پہلی مرتبہ اس بات کا علم ہوا ہے کہ انگریز ہندوستانیوں کی آزادی کے علاوہ ہندوستانیوں کے دین دھرم کا کتنا بڑا مخالف تھا۔ چنانچہ اس تاریخ کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ انگریزوں نے نام نہاد مسیحیت کے پھیلانے کے لئے کیسی کیسی شرمناک حرکتیں کی ہیں اور انھوں نے خوبصورت گوری چٹی انگریز عورتوں کے ذریعہ کس طرح ہندوستانیوں کو شیشے میں اتارنے کی کوشش کی ہے اور انگریزی حکومت ان کی شرمناک حرکتوں کی کس طرح معاون اور مددگار رہی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس تاریخ کے ذریعہ فرنگیوں کو بالکل عریاں کر کے دکھایا گیا ہے اس چیز کا انکشاف کیا گیا ہے کہ مکار پادریوں نے اور انکی ایجنٹ خوبصورت عورتوں نے اور نیز دوسرے فرنگی دلالوں نے شہری اور دیہاتی ہندوستانیوں کے دین دھرم پر صدیوں تک کس طرح ڈاکہ زنی کی ہے۔ اس تاریخ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مجاہدین اسلام اور پرجوش پنڈتوں نے کس طرح فرنگیوں کی اس مذہب دشمنی کا دندان شکن جواب دیا ہے اور ہندوستانیوں کے دین و دھرم کو بچانے کے لئے کس طرح جانیں قربان کی ہیں قیدوبند کی سختیاں اٹھائی ہیں۔ غرضیکہ یہ کتاب ایک ایسی بے نظیر مذہبی تاریخ ہے۔ جس سے ہندوستان کا کوئی گھر خالی نہیں رہنا چاہئے۔

مورخ دوراں جناب اجمل خانصاحب، پرائیویٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد

مجھے مولانا امداد صابری کی کتاب "فرنگیوں کا جال" پڑھکر انتہائی خوشی ہوئی ہے۔ انھوں نے بڑی کاوش سے منتشر کرم خوردہ اور پرانی نایاب کتابوں سے اس تاریخی لٹریچر کو جمع کیا ہے۔ جس کو مورخین کا طبقہ نظر انداز کئے ہوئے ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ غدر سے قبل اور مابعد کا زمانہ ایسا ہی پرآشوب زمانہ تھا۔ جبکہ علمی و تاریخی طبقہ گوناگوں پریشانیوں میں مبتلا تھا۔ ان کے لئے اس وقت تاریخی و علمی حالات کا مرتب کرنا ناممکن سا تھا۔ اسی وجہ سے اس دور کے علماء کرام کے علمی مجاہدانہ کارنامے تاریخ کے صفحات کے زینت نہیں بن سکے اور نہ ہی فرنگیوں کے مذہبی مجنونانہ شرارتوں کو تاریخ میں جگہ حاصل ہو سکی۔
مولانا صابری صاحب نے اس کتاب میں فرنگیوں کی مغلیہ دور سے لیکر غدر کے بعد تک کا عیسائی مذہب کو پھیلانے والی کوششوں کا تفصیل کے ساتھ خاکہ کھینچا ہے اور خاص طور پر فرنگیوں کے حکمرانی دور کے سینکڑوں یورپ کی سوسائیٹیوں نے ہزاروں ...... مشنریوں، میموں، یتیم خانوں، اپاہج خانوں، امدادی اداروں، ہسپتالوں، عورتوں اور بچوں کے سکولوں اور کالجوں کے ذریعہ نصرانیت کو پھیلانے کے لئے جو جال بچھائے تھے نیز فرنگی مشنریوں، پادریوں اور بشپوں نے جنگلوں، پہاڑوں، دیہاتوں، قصبوں، گاؤں، محلوں، گلی کوچوں اور بازاروں میں ہندوستانی مذہبوں کی تذلیل اور کمتری ثابت کرنے کے لئے جو طوفانی منظم حاکمانہ امداد کے بل بوتے پر پروپیگنڈے کئے تھے۔ اس کا بھی مولانا صابری نے پردہ چاک کیا ہے۔
مولانا صابری نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ بے دست و پا حق گو، نڈر، اعلاء کلمۃ الحق کے شیدائی علماء کرام مولانا حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی حضرت مولانا ابوالمنصور دہلوی حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت مولانا شرف الحق صدیقی دہلوی، مولانا محمد علی مونگیری، حضرت مولانا آل حسن موہانی نے بیباکانہ طور پر ہر فریب و شرمناک حیلے و الزام کا معقولیت کے ساتھ جواب دیا۔ رد نصاریٰ کرنے والے فضلا پیدا کئے۔ ہر چند میلہ خداشناسی اور فتحپوری دہلی میں معرکتہ الآرا مناظرے ہوئے۔ تحریری و تقریری میدان میں

شکست فاش دی۔ اسلامی یتیم خانے، جماعتیں، اسکول، یتیم خانے کھولے اور اپنے اخبارات اور کتابوں سے تثلیث کے پرچے اڑائے۔ جس کے سبب ہندوستان میں فرنگی ناکام ہوئے اور ہندوستانیوں کے مذاہب محفوظ ہوگئے۔

یہ کتاب علمی تاریخ معلومات سے پُر ہے خشک نہیں۔ بلکہ انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کا مطالعہ کیجئے اور مستفید ہوں۔

عالمِ باعمل مولٰنا نورالدین بہاری صاحب ناظم جمعیۃ العلمأ ہند

میں نے مولٰنا امداد صابری کی کل کتابوں کو پڑھا ہے اور خاص طور پر تاریخ جرم وسزا کی ہر چہار جلد اور فرنگیوں کا جال کا مطالعہ کیا ہے۔ ان کی یہ دونوں کتابیں ایسے نئے عنوانات پر لکھی گئیں۔ جن پر ایسا جامع اور مبسوط کسی نے نہیں اٹھایا۔

"فرنگیوں کا جال" خاص طور پر ایسی تصنیف ہے۔ جو غدر کے زمانے کی یاد کے ساتھ ایک یادگار کتاب کی طرح حیثیت کی مالک ہوگئی ہے۔ غدر میں انگریزوں نے ہندوستانیوں پر جو بہیمانہ انسانیت سوز مظالم توڑے ہیں۔ جن وہ کبھی فراموش نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح فرنگیوں کے دورِ حکومت کی پروردہ مشنیریوں اور ان کی سوسائٹیوں نے عیسائی مذہب کے پھیلانے میں مکر وفریب اور ہتھکنڈوں سے کام لیکر ہندوستانیوں کے مذاہب کی توہین وتذلیل کی تھی اور مذاہب کو ختم کرنے کے لئے جو ناپاک کوشش کی تھی۔ ان کو کوئی ہندوستانی بھول نہیں سکتا۔

مولانا امداد صابری نے تفصیل کے ساتھ چنگیزی اکبر، جہانگیر، شاہ جہاں، عالم گیر وغیرہ مغلیہ بادشاہوں کے دوروں سے حکومتِ برطانیہ کے ابتدائی دورِ حکومت تک عیسائی مشنیریوں نے جو کارگزاری کی تھی اور یتیم خانوں، سکولوں، کالجوں، ہسپتالوں، اپاہج خانوں، اخباروں وکتابوں کے ذریعہ جو تثلیث کا ڈھونگ رچا تھا۔ اس کو مستند تاریخی کتابوں سے طشت ازبام کیا ہے۔ اور ظاہر کردیا ہے کہ اگر اس خطرناک سازش کا مقابلہ اس دور کے عالموں نے نہ کیا ہوتا اور مولٰنا رحمت اللہ کیرانوی آگرہ کے تاریخی مناظرہ میں پادری فانڈر کو شکست نہ دیتے، میلہ خداشناسی میں مولٰنا قاسم نانوتوی باپ بیٹے روح القدس کے مشرکانہ عقیدے کے بخیے نہ اُدھیڑتے اور مولٰنا شرف الحق صدیقی مسلم فتحپوری دہلی کے عظیم الشان مناظرہ میں بشپ لیفرائے سے انجیل کی تحریف کا اقرار نہ لکھواتے اور مولانا آل حسن موہانی استفسار مولٰنا محمد علی مونگیری، تکمیل الادیان، دفع البلیات اور مولانا ابوالمنصور دہلوی، میزان المیزان، لحنِ داؤدی، عقوبت الضالین وغیرہ معرکتہ لآرا کتابیں عیسائیوں کی کتابوں کے جواب میں تحریر نہ فرماتے تو عیسائی مشنریوں کا جال ہندوستانیوں کو اپنے پھندوں میں ایسا جکڑتا۔ جس سے کوئی ہندوستانی نجات حاصل نہیں کرسکتا تھا اور بڑی...... کثرت سے ہندوستانیوں کو اپنے مذہب سے ہاتھ..... دھونے پڑتے۔

اگر دنیا میں کچھ نیک کام کرتے ہیں اور باطل طاقتوں سے مقابلہ کرنا ہے تو آپکو فرنگیوں کا جال کتاب ضرور پڑھنا چاہئے۔ مجلسی عتی تنظیم کے طریقے اس کتاب سے بہتر آپ کو کسی کتاب میں نہیں ملینگے۔

جانشین قاسم حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

مولانا امداد صابری کی تازہ کتاب "فرنگیوں کا جال" انگریز کے ہندوستان میں عیسائی مذہب کو پھیلانے والے ہتھکنڈوں کو بے نقاب کرنے والی پہلی محققانہ، مستند اور تاریخی تصنیف ہے۔

جبکہ عیسائیوں نے پرتگیزی دور سے مغلیہ دور حکومت اور اپنے ابتدائی زمانہ حکومت سنہ ۱۹۰۰ء تک ہندوستانیوں کے مذہب اور دھرم پر جو شاطرانہ حملے کئے تھے اور ان کو صرف خدائی طاقت پر بھروسہ رکھنے والے علمائے کرام نے مقابلہ کر کے پامال اور بے اثر کیا تھا۔

اس مجاہدانہ دور کے حالات سے ہندوستان کی تاریخ کے صفحات خالی تھے اور خاص طور پر اس دور کے علماء کرام کے علمی کارنامے عالم گمنامی کے نذر ہو چکے تھے۔ ان کو مرتب کر کے مولانا امداد صابری نے ہندوستان کی تاریخ کے ایک خلاء کو پر کیا ہے۔

مولانا صابری کی یہ علمی و تاریخی جدوجہد قابل مبارکباد ہے۔ خدا کرے کہ قوم بھی اس کتاب سے سبق حاصل کرے اور اپنے اسلاف کی سچی پیرو کار ثابت ہو۔

"فرنگیوں کا جال" کی مقبولیت ہندوپاک کے علمی و ادبی طبقے کے علاوہ غیر ممالک میں بھی ہوئی۔ ہندوپاک میں ردِ نصاریٰ پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں فرنگیوں کا جال سے اخذ کیا گیا۔ اس کے حوالے دیے گئے۔

جرمنی کی ایک نوجوان عورت پادری فنڈر کے حالات زندگی لکھ رہی تھی۔ وہ ہندوستان آئی۔ دہلی بھی پہنچی۔ اور مجھ سے بھی ملی۔ اس کے پاس "فرنگیوں کا جال" اور "آثار رحمت" بھی تھی۔ "آثار رحمت" میں تفصیل کے ساتھ امام المناظر حضرت العلامہ مولانا رحمت اللہ صاحب مرحوم و مغفور کے حالات زندگی درج ہیں۔

اس عورت نے بتایا کہ ہندوستان کے عیسائی مشنریوں اور پادریوں نے ہندوستان میں عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے جو کام کیا ہے۔ اس کو انھوں نے اپنی کتابوں اور رپورٹوں میں بڑھا چڑھا کر تحریر کیا ہے۔ لیکن ہندوستانی علماء و پنڈتوں نے عیسائی مشنریوں کے مقابلہ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور اُن کے تبلیغی زور کو توڑا۔ پادریوں سے مناظرے کئے ان کا ان کتابوں میں ذکر نہیں ہے۔ اس نوجوان عورت نے اس کا ذکر ان دونوں کتابوں کا نام لے کر کیا۔ کہ ہندوستانی علماء اور پنڈتوں نے ردِ نصاریٰ میں جو کام انجام دیا ہے۔ اس کا ذکر ان دونوں کتابوں میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ اور ان دونوں کتابوں سے میں نے اخذ بھی کیا ہے۔

برٹش لائبریری لندن میں "فرنگیوں کا جال" کی بیحد مانگ تھی۔ جناب محمود الحق صاحب اسسٹنٹ کیپر اورینٹل مونس کرپس اینڈ پرنٹنگ بکس نے مجھ کو سنہ ۱۹۷۲ء کو لکھا کہ "فرنگیوں کا جال" کی بے حد ضرورت ہے۔ عرصہ سے ہماری لائبریری میں لوگ اس کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے انکو "فرنگیوں کا جال" کی دو جلدیں بھیجدیں۔ چنانچہ

محمود الحق صاحب سے "فرنگیوں کا جال" کی وساطت سے تعلقات ہوگئے۔ آپ ۱۹۷۵ء میں دہلی تشریف لائے۔ میرے غریب خانے کو عزت بخشی تو انھوں نے حضرت العلامہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی مرحوم و مغفور کی ایک نایاب کتاب "اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث" مطبوعہ ۱۲۹۳ھ فوٹو اسٹیٹ شدہ مجھ کو عنایت فرمائی اور "فرنگیوں کا جال" کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اگر آپ یہ کتاب نہ لکھتے تو دنیا کو قطعاً یہ نہ معلوم ہوتا کہ ہندوستان کے اور خصوصاً علماء نے فرنگیوں کے ہتھکنڈوں کا دندان شکن جواب دیا۔

میری مشکل یہ ہے کہ جو کتاب میری ایک مرتبہ چھپ جاتی ہے اس کو دوبارہ چھپنے کا موقع نہیں ملتا اس لئے کہ میری غیر مطبوعہ کتابوں کی تعداد کافی ہے۔ مجھکو پہلے اس کے چھاپنے کی فکر ہوتی ہے اور میں وہی چھاپتا ہوں۔ چنانچہ "فرنگیوں کا جال" بھی دوبارہ نہیں چھپی۔ اس کی بے حد مانگ ہے۔

عرصہ سے علمی طبقہ اور احباب کا اصرار تھا کہ "فرنگیوں کا جال" چھپنی چاہئے۔ میری مالی حالت اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ میں اس کو دوبارہ چھپواؤں۔ دہلی کے قدیم مدارس و مدرس کا افتتاح جناب سکندر بخت صاحب مرکزی وزیر تعمیرات نے غالب اکیڈمی دہلی میں کیا۔ اس میں میں نے اپنی غیر مطبوعہ کتابوں پر ایک مضمون پڑھا تھا۔ اس اجلاس و محفل میں جناب علی محمد شیر میواتی متولی درگاہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ مہندیان دہلی نے بھی شرکت کی۔ اس مضمون کے سننے کے بعد متاثر ہوئے اور انھوں نے وعدہ کیا کہ میں آپکی تصنیف "فرنگیوں کا جال" طبع کرانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ چنانچہ انھوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور اس کتاب کو اپنے پیسے سے چھپوایا۔ میں ان کا بے حد شکر گزار اور ممنون ہوں۔

"فرنگیوں کا جال" کے ٹائیٹل پیج کا ڈیزائن محبی فیروز صاحب آرٹسٹ نے بنایا۔ عرصہ کی بات ہوگئی تھی وہ ضائع ہوگیا۔ دوبارہ انھوں نے تکلیف فرمائی اور "فرنگیوں کا جال" کا ٹائیٹل پیج کا ڈیزائن بنایا۔ فیروز صاحب کے مجھ پر کافی احسانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے کرم سے نوازے اور دین و دنیا کی نعمتوں سے مالامال فرمائے۔

میں نے "فرنگیوں کا جال" مرتب کرنے میں جن کتابوں سے حوالے دئے ہیں، اور جن سے اخذ کیا گیا ہے وہ سب ذیل میں ہیں

۱- کلکتہ ڈیکنز کلنڈر اور ڈائریکٹری ۱۸۴۸ء، آف کرسچین
(۲) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا
(۳) تاریخ ہند۔ ذکاء اللہ
(۴) خطبات گارساں دتاسی
(۵) دبستان المذاہب
(۶) تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند۔ ذکاء اللہ
(۷) رپورٹ ۱۸۸۳ء۔ چرچ مشن سوسائٹی انگریزی
(۸) سفرنامہ برنیر
(۹) اسباب بغاوت ہند۔ سرسید احمد خاں
(۱۰) ہسٹری آف دہلی مشن۔ مسٹر میفرا لے
(۱۱) خطبات احمدیہ۔ سرسید
(۱۲) دربار اکبری۔ مولانا محمد حسین آزاد
(۱۳) تذکرہ عالم مولوی رحیم بخش
(۱۴) تاریخ اودھ
(۱۵) مرقع اکبرآباد۔ مولوی سعید احمد
(۱۶) حیات العلماء مولانا سید عبدالباقی
(۱۷) تاریخ ڈھاکہ۔

(۱۸) صلیب کے علمبردار - پادری برکت اللہ
(۱۹) خداوند مسیح کے نورتن (پادری ٹھاکرداس)
(۲۰) تذکرۃ الرشید - مولانا عاشق الٰہی
(۲۱) مکتوباتِ امدادیہ - مولانا اشرف علی
(۲۲) آثار الصنادید - سرسید احمد خاں
(۲۳) تاریخِ الٰہ آباد
(۲۴) استغفار - مولانا آل حسن موہانی
(۲۵) مقدمہ اظہارِ عیسوی - مولانا رحمت اللہ
(۲۶) پیغامِ محمدی - مولانا محمد علی مونگیری
(۲۷) میزان الحق - پادری فانڈر
(۲۸) اظہار الحق - مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی
(۲۹) طریق الحیات - پادری فانڈر
(۳۰) مناظرہ مولانا شرف الحق دہلی بمقابل بشپ لیفرائے
(۳۱) گفتگوے مذہبی - مولانا محمد قاسم
(۳۲) حیات النذیر - ڈپٹی نذیر احمد کی حیات
(۳۳) حیات طیبہ - مرزا حیرت دہلوی
(۳۴) تاریخ بیجاپور مولوی بشیر الدین دہلوی
(۳۵) امداد الفتاوی - مولانا امداد اللہ
(۳۶) سفرنامہ منوچی
(۳۷) تواریخِ عجیب کالا پانی - مولانا محمد جعفر تھانیسری
(۳۸) اخبار منشور محمدی
(۳۹) حیات جاوید - مولانا حالی
(۴۰) سفرنامہ طامس رو
(۴۱) تاریخ جھجھر
(۴۲) دنیا کی خفیہ انجمنیں - از سیکرٹ سوسائٹی آف دی ورلڈ
(۴۳) مسلمانوں کا روشن مستقبل - مولفہ طفیل احمد
(۴۴) بادشاہ نامہ - حمید لاہوری

(۴۵) ازالۃ الاوہام - مولانا رحمۃ اللہ
(۴۶) حکومتِ خود مختاری
(۴۷) مرحوم دہلی - مولانا عبد الحق
(۴۸) تلخیص الاحادیث - پادری عماد الدین
(۴۹) صولۃ الضیغم علیٰ اعداء ابن مریم - مولوی عباس علی
(۵۰) تحقیق دینِ حق - پادری اسمتھ
(۵۱) تذکرہ علماء ہند فارسی مولانا رحمان علی
(۵۲) حیدرآباد میں خدمتِ دینی - مولانا شرف الحق صاحب
(۵۳) اخبار الحق - مولوی رحمۃ اللہ صاحب
(۵۴) تنقیہ العبادات - حیات الحسن موہانی
(۵۵) اخبار کوہ نور - لاہور
(۵۶) تذکرۂ عزیزیہ
(۵۷) حکایاتِ صالحات عبد اللہ
(۵۸) وسال الجمیل مولانا شاہ محمد امان الرحمٰن
(۵۹) رسالہ ساقی دہلی کا ناصری نمبر ایڈیٹر شاہد
(۶۰) رسالہ ندائے عام دہلی
(۶۱) انوار العاشقین - مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی
(۶۲) مناظرہ آگرہ - از عبد اللہ مولانا رحمت اللہ مابین پادری فانڈر
(۶۳) مرآۃ الانساب - مولانا ضیاء الدین وکیل امرتسری
(۶۴) عین الیقین مولوی نصرت علی
(۶۵) تفتیش الاسلام خاں - راجرس ہیڈماسٹر
(۶۶) تحقیق عرفان پادری عماد الدین
(۶۷) ابطال دین محمدی بمقابلہ دینِ عیسوی
(۶۸) دار الحکومت دہلی مولوی بشیر الدین احمد
(۶۹) علماء لاہور مولفہ منشی محمد دین
(۷۰) تراجم علماء حدیث ہند - ابو یحییٰ امام خاں
(۷۱) ثوۃ الہند - مولانا محمد عبد الشاہد خاں شیروانی

(۴۲) نیا ہندالہ آباد - ایڈیٹر سندلال
(۴۳) مناظرہ غازی پور - مولانا شرف الحق
(۴۴) عقوبتہ الضالین - مولانا ابوالمنصور
(۴۵) غدر کے چند علماء - مفتی انتظام اللہ شہابی

پادریوں نے اسلام یا ہندو دھرم کے خلاف جو کتابیں لکھی ہیں اور اس کے جواب میں علماء نے ردّ نصاریٰ میں جو کتابیں تحریر کیں - ان میں بہت سی ایسی ہیں جو نایاب و ناپید ہو چکی ہیں - لیکن میرے والد ماجد حضرت العلامہ مولانا شرف الحق صدیقی امدادِ الٰہی کے کتب خانہ میں موجود ہیں - جن حضرات کو ردِّ نصاریٰ پر لکھنا ہوں - وہ میرے غریب خانہ، محلہ چوڑیوں والان - دہلی میں آکر ملاحظہ کر سکتے ہیں -

(۱) صولتہ الضیغم علیٰ اعداء ابن مریم ۱۲۵۷ھ، مصنف مولوی عباس علی
(۲) جواب محمدیہ - قلمی)
(۳) استفسار - مصنف حضرت مولانا آل حسن موہانی
(۴) حل الاشکال - مولفہ پادری فانڈر درجواب استفسار
(۵) اینشار مولفہ مولانا مویدالدین درجواب استفسار
(۶) مراسلات - مولانا آل حسن اور پادری فانڈر کے درمیان جو مراسلات ہوئیں - مرتبہ پادری فانڈر
(۷) مناظرہ اکبر آباد پادری فانڈر اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے مابین جو مناظرہ ہوا - اسکی روئیداد ہے
(۸) مناظرہ تحریری - ڈاکٹر وزیر حسن خانصاحب اور پادری فانڈر کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی
(۹) مناظرہ حیدر آباد مرتبہ حاجی غلام اولیاء -
(۱۰) خط و کتابت مولانا عبدالباری مابین عمادالدین
(۱۱) ازالتہ الاوہام - حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
(۱۲) ازالتہ الشکوک - حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
(۱۳) اعجاز عیسوی - حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
(۱۴) اظہارالحق فرانسیسی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
(۱۵) اظہارالحق (انگریزی) حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی
(۱۶) ہدایت الکرستان - واعظ الدین -
(۱۷) میزان المیزان - مولانا ابوالمنصور صاحب دہلوی

(۱۸) مصباح الابرار - مولانا ابوالمنصور صاحب دہلوی
(۱۹) لحنِ داؤدی " "
(۲۰) عقوبت الضالین " "
(۲۱) رقیمتہ الوداد " "
(۲۲) استیعال مسیح الدجال " "
(۲۳) افحام عالم " "
(۲۴) افحام الخصام " "
(۲۵) تفضیح التاویل " "
(۲۶) اعجازِ قرآن " "
(۲۷) حرز جان " "
(۲۸) دولت فاروقی " "
(۲۹) نوید جاوید " "
(۳۰) تحفتہ الکرستان مولوی حسن علی خان
(۳۱) بشارات محمدی - خواجہ عبدالعزیز
(۳۲) صیانتہ الانسان عن وساوس الشیطان مولفہ مولوی ولی اللہ لاہوری -
(۳۳) تصدیق الاسلام مولفہ مولوی غلام نبی امرتسری
(۳۴) دفع التثلیث مولفہ مولانا محمد علی مونگیری
(۳۵) مرآۃ الیقین " "
(۳۶) تکمیل الادیان " "
(۳۷) تائید الفرقان - منشی عبدالباقی

(۳۸) تنویر القبیس مؤلف ابوالمنصور

(۳۹) تعلیم محمدی - پادری عمادالدین

(۴۰) تواریخ محمدی - پادری عمادالدین

(۴۱) الوہیت مسیح وتثلیث کی تنقیح - مؤلف اکبر مسیح مختار باندا

(۴۲) تنزیہ الفرقان - مولوی سید محمد

(۴۳) نیاز نامہ - مولوی منصور علی

(۴۴) انفعال خیر - مرتبہ منشی تیرالدین

(۴۵) تحریف القرآن - ماسٹر رام چند

(۴۶) تلفیز الکتب - مؤلف ولیم ریمرشن،

(۴۷) براہین احمدیہ - مولوی رحم الٰہی بنگلوری

(۴۸) تعریف القرآن رد تحریف القرآن مؤلف مولانا عبدالحق مؤلف تفسیر حقانی

(۴۹) القول النبیح فی زکی المحمد والمسیح مؤلف مولوی حکیم محمد عزت علی

(۵۰) پیغام محمدی مؤلف مولانا محمد علی مونگیری

(۵۱) میزان الحق - پادری فانڈر

(۵۲) - مباحثہ دہلی، مباحثہ پونہ، مناظرہ غازی پور، مناظرہ شکنڈہ، مولانا شرف الحق۔

امداد صابری
چوڑی والان - دہلی
۲۸ر فروری ۱۹۷۹ء

عیسائی فرنگیوں کی ہند میں آمد

مسیحیت سب سے پہلے ہندوستان میں سکندریہ سے آئی ہے۔ سنہ عیسوی کی ابتداء میں سکندریہ دنیا میں سب سے بڑا تجارتی شہر تھا اور مرقس رسول نے یہاں ایک مذہبی مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جو کئی سال تک جاری رہا۔ ہندوستانی سوداگر ریشم اور موتیوں کی تجارت کرنے کے لئے سکندریہ گئے تھے۔ وہ مسیحیت کی کتب کا ایک بڑا ذخیرہ لیکر ہندوستان آئے۔ دوسری صدی کی ابتدا میں کچھ ہندوستانی سوداگروں نے سکندریہ کے بشپ ڈیمٹری یوس (Demetrius) کو خط لکھا۔ ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت کے لئے کوئی قابل آدمی بھیجا جائے۔ چنانچہ اس نے پانٹینوس (Pantaenus) پادری کو ہندوستان بھیجا۔ جو اپنے زمانہ کا قابل ترین لوگوں میں تھا، اور یہ ہندوستان میں پہلا مشنری تھا۔

سیرین عیسائی

چوتھی صدی عیسوی میں کچھ شامی عیسائی ہندوستان کے ساحل مالابار پر آباد ہوگئے تھے۔ مالابار راجوں نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا اور یہاں تک ان کو مراعات دیں کہ شامی عیسائیوں کے تمام فوجداری اور دیوانی مقدمات کا تصفیہ خود ان کے بشپ کرتے تھے

پرتگیزی

جب پرتگالی عیسائی ۱۵۰۰ء میں ہندوستان آئے تو مالابار کے عیسائیوں نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا ان کو یقین تھا کہ پرتگالیوں کی آمد سے مسیحی تبلیغ کے مقاصد کو بہت تقویت پہنچے گی۔ مگر بعد میں ان مالابار کے عیسائیوں کو نو وارد عیسائیوں سے مایوسی ہوئی۔ پرتگالی پادریوں نے ان لوگوں کو پوپ کے تابع کرنے کی کوشش کی۔ ۱۵۹۹ء میں آرچ بشپ مینے زیز (Menezes) نے عیسائیوں کی کانفرنس طلب کی اور اس میں فیصلہ کیا کہ کلیسیا کے شام کے بڑے عیسائیوں کی تمام مذہبی کتابیں جلادی جائیں۔ بہت سے شامی عیسائیوں کو جبراً رومن کیتھولک بنایا گیا۔

چرچ مشن سوسائٹی

کلیسائے شام ان مفسدانہ نخوتوں سے پاک تھا۔ جو پوپ پرستی سے بہت سے عیسائی حلقوں میں پیدا ہو چکی تھیں۔ پوپ پرست عیسائی بہت زیادہ جاہل تھے اور عوام میں اصلاحی تبلیغ کے فرائض اچھی طرح انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ان پادریوں کی اصلاح کے لئے پرتگالیوں نے چرچ مشن سوسائٹی کے نام سے ایک جماعت قائم کی۔ جس کو ہندوستان میں عیسائیوں کی سب سے پہلی تبلیغی جماعت کہا جاسکتا ہے۔ لیکن بعد میں شامی عیسائیوں کی مخالفت کی وجہ سے یہ سوسائٹی ناکام رہی۔ ہندوستان میں جو پرتگالی تجارتی مفاد حاصل کرنے کے لئے آئے تھے، وہ اپنے ساتھ رومن کیتھولک مشنریوں کو بھی لائے تھے اور ان کی خاص کوشش ہوتی تھی کہ آباد پرتگالی ہندو عورتوں سے شادیاں کر کے ان کو عیسائی بنائیں۔ جنوب ہند کے بہت سے علاقوں میں جبریہ بھی

عیسائی بنایا گیا۔

پرتگالیوں کا یہ دستور تھا کہ وہ جس علاقہ پر قبضہ کرتے تھے اور فتح پاتے تھے۔ اس کے حاکم اور حاکم کے اہل و عیال کو اسیر کر کے عیسائی بناتے اور دارالسلطنت لسبن بھیج دیتے۔ چنانچہ علاقہ پرچول کا حاکم فرماں خاں اور اس کی بیٹی کو زبردستی نصرانی بنا کر گوا کے پرتگیزی وائسرائے "واسکوڈی گاما" نے لسبن روانہ کر دیا تھا۔

انگلستان کے مشنری ہندوستان میں آنے کے بعد بے آپے ہو گئے تھے اور مذہبی جنون میں بالکل وحشی بنے ہوئے تھے کسی کے مذہب میں مداخلت کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہندوستانیوں کو ادائے فرض سے جابرانہ طریقوں پر روکتے تھے۔ مسلمانوں کی مسجدیں مسمار کر دیتے تھے اور ان کو پکڑ کر قید میں ڈال دیتے تھے اور مذہب کو تبدیل کرنے کے لئے ان پر زور دیتے تھے اگر وہ مذہب بدلنے کے لئے تیار نہ ہوتے تھے تو ان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ ان کے مارنے کا طریقہ کس قدر سفاکانہ ہوتا تھا۔ وہ گوا کے سیاح وزیر نامی کے سفرنامہ میں پڑھیے۔

میں ایک دن صبح کو اس مقام پر گیا۔ جہاں پادریوں کا دارالقضاء بنا ہوا تھا۔ دارالقضا کیا تھا مقتل تھا بازار کے بیچ میں ایک بڑا بھاری انجن سولی کی طرح کھڑا تھا۔ جس پر ایک چرخ لگا ہوا تھا۔ انجن پر پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ اس کو استراپیڈو کہتے ہیں۔ جس کے ذریعہ سزا دینے کا یہ طریقہ تھا کہ ایک بڑا شہتیر لگا ہوا تھا۔ اسیر انسان کو کھینچ کر چڑھاتے تھے اور وہاں سے آگے گرا دیتے تھے۔ جس کی ضرب سے اس کی ہڈیاں چور چور ہو جاتی تھیں۔ وہیں تھوڑے فاصلہ پر ا "دارکو" جزیرہ تھا۔ جہاں پادری کے فتوے کے مطابق لوگوں کو زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ جس کے لئے یہ سزا تجویز ہوتی تھی۔ اس کو دارالقضاء کے خوفناک بھتنے شیطان کا لباس پہنا کر لاتے تھے اور جلاد کے حوالے کر دیتے تھے۔ بازار میں علاوہ گ کے گوشت کے دوسرے گوشتوں کی ممانعت تھی۔ جو ہندو مسلمانوں کے لئے کوفت کا باعث بنا ہوا تھا اور ایک سیاح لنس کوٹن ۱۵۵۳ء سے ۱۵۸۹ء تک ہندوستان میں مقیم رہا ہے۔ وہ بھی ان پادریوں کے مظالم کی تائید کرتا ہے۔

ایک انگریز مورخ اورنگ براک بھی پرتگیزی عیسائیوں کے مظالم کی دردناک داستان بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "واسکوڈیگاما، گبریل، ڈی الیدا وغیرہ نے ایسی عجیب و غریب قسم کی بے رحمیاں کی ہیں۔ جن کو شائستگی اور انسانیت کی پیشانی پر ایک کلنک کا ٹیکہ کہنا چاہیے۔ سفاکی و بے دردی اور وحشت ان کے خمیر میں اس قدر تھی کہ بے گناہ قیدیوں مظلوم عورتوں اور معصوم بچوں کو بھی ان کی تلوار اور آگ سے پناہ نہیں ملی۔"

ہندوستانی عورتوں کو فوج میں بانٹنا

بے چاری ہندوستانی عورتوں سے مسیحی مبلغین یہ سلوک کرتے تھے کہ عیسائی بنا کر فوج میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ البوقرق جیسے نامور شخص کے عہد کی روایت چلی آتی ہے کہ ایک دفعہ یہ تدبیر کی گئی کہ بہت سی عورتیں اچھے بڑے خاندانوں کی جو قید ہو کر آئی تھیں ان کے متعلق پادری کو یہ خدمت سپرد ہوئی کہ کرسچین بنا کر پرتگیزیوں سے ان کے جوڑے ملا پادری صاحب کو یہ کام کرتے کرتے رات ہو گئی اور اتفاقاً روشنی بھی نہیں رہی تو ہجوم میں ناواقفیت و اجنبیت کی وجہ سے تمیز نہیں رہی کہ کون سی عورت کس مرد کے حصہ میں آ چکی ہے ...... پادری اس مسئلہ کو حل کرنے میں چکرا گئے

آخر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس دردسری میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو عورت جس مرد کے ساتھ ہو جائے تو وہ اس کی ہی جائے۔ (تاریخ مسٹر اورنگ برک)

مشہور مشنری فرانسس اگزیویر (Francis Exavier ۱۵۴۲ء) میں گوآ آیا تھا اس نے سخت غلطیاں کیں لیکن بہت پُرجوش مشنری تھا۔ اس وقت تک گوآ کے باشندے مسیحیت سے ناآشنا تھے۔ اس نے بڑے پیمانے پر مسیحیت کی تبلیغ کی۔ اس کے بعد وہ راس کماری گیا۔ وہاں کی زبان سے ناواقف ہونے کے باوجود انتھک جدوجہد سے بہت سے بچوں کو عیسائی بنایا۔ اس کا خاص طریقہ یہ تھا کہ بیماروں کی دیکھ بھال کرتا تھا اور اس کے بعد لئے بچوں پر قبضہ جما لیتا تھا۔ اس نے جنوبی ہند کی زبانوں میں عقیدوں اور دعاؤں کا ترجمہ کرایا۔ وہ بچوں کو یہ دعائیں زبانی یاد کرایا کرتا تھا۔ اگزیویر کے مذہبی جوش و خروش کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ایک ایک مہینہ میں دس دس ہزار ہندوؤں کو عیسائی بنایا۔ بعض اوقات بڑے بڑے گاؤں ایک دن میں عیسائی بنائے جاتے تھے۔

جیوسٹ مشن

گوآ میں پرتگالیوں نے ایک مذہبی محکمہ قائم کیا تھا۔ جہاں لوگوں کو مذہبی احکام کی خلاف ورزی کے الزام کے تحت سزا دی جاتی تھی۔ اور ان کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ جو رومن کیتھولک بن جاتے تھے ان کی تمام خطائیں معاف کردی جاتی تھیں۔ جیوسٹ فرقہ کے کچھ عیسائی لوگوں نے پوشیدہ طور پر سنسکرت زبان پڑھی اور ہندو لٹریچر کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد انھوں نے خود کو یورپ کے قدیم برہمنوں کی اولاد ظاہر کیا۔ یہ لوگ ہندو جوگیوں کی طرح زرد کپڑے پہنے ہوئے تھے اور پیشانیوں پر تلک لگاتے تھے اور ہندو مراسم انجام دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے سنسکرت زبان میں نیا وید لکھا۔ جس میں مسیحیت کی بہت تعریف تھی اور ان لوگوں نے دعویٰ کیا کہ یہ وید اصلی ہیں۔ یورپ میں کچھ لوگوں نے جیوسٹ فرقے کے اس طرز عمل کی مخالفت بھی کی۔

فرانسیسی مشن

پرتگیزی عیسائیوں کے بعد ۱۶۷۲ء میں اور جب فرانسیسی ہندوستان میں آئے۔ اور پانڈیچری کو دارالسلطنت قرار دیا تو انھوں نے بھی پیرس کی سب سے پرانی اور غیر ممالک میں عیسائیت کا پروپیگنڈا کرنے والی جماعت سوسائٹی ڈمیشن اتریجے (Société des mission étrangerie) غیر ممالک کی مشنری سوسائٹی ہندوستان میں روانہ کی۔ اس سوسائٹی کا حلقہ عمل کمباکونم، میسور، کوئمبٹور، مغربی مدراس اور پانڈیچری تھا۔ جس نے پادریوں کے ذریعہ ہندوستانیوں کو عیسائی بننے کی ترغیب دی اور نصرانیت کی تبلیغ دی۔ یہ سوسائٹی فرانسیسی کیتھولک فرقہ کی شاخ تھی۔ مرکزی جماعت فرانس میں ۱۶۵۸ء میں قائم ہوئی۔ اس سال اس سوسائٹی میں ۳۴ پادری ۱۰۹۲ یورپین مشنری اور ۵۹۸ غیر یورپین مشنری کام کرتے تھے۔ اس کا کنٹرول اور تنظیم کرنے والا کونگریگیشن یعنی ایک پروپیگنڈہ بورڈ تھا۔ جس کو جارج پندرہ نے ۱۹۲۲ء میں قائم کیا تھا یہ بورڈ سیکریٹری آف اسٹیٹ آف کالونیز کی طرح کل مذہبی معاملات میں پورے اختیارات کا مالک تھا ان کو پادری الیکویک (رومن کی قوانین) کے ذریعہ چلاتے تھے (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲۲ صفحہ ۲۷۷)

پہلا مشن

شاہ ڈنمارک نے پلوٹ سچیکو زیگن بالگ
ہندوستان میں فرق کی مشنری سے پہلے سن ۱۷۰۶ء میں آئے۔
(Pluts chuzeigen Balg) دو پادریوں کو ہندوستان بھیجا تھا۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے تامل
زبان سیکھی اور زیگن بالگ نے عہد نامہ جدید کا ترجمہ تامل زبان میں کرایا۔ اس کے بعد اس نے عہد نامہ عتیق کا ترجمہ شروع
کیا Ruth تک ترجمہ کر ڈالا۔ بعد میں اس کے جانشین نے اس ترجمہ کو مکمل کیا۔ ڈیگن بالگ ہندوستان میں مذہبی
تبلیغ کے لئے امداد طلب کرنے انگلستان گیا وہاں شاہ جارج دوم نے اس کی بہت عزت کی اور سوسائٹی فار پروموٹنگ
کرسچین نالج (Society for promoting Christian Knowledge) کی مدد سے کئی مشنری ہندوستان بھیجے۔ جو پادری
شاہ جارج دوم نے بھیجے تھے ...... اس میں شواز خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہ بہت قابل، ذہین اور
روحانیت کا عیسائی تھا۔ وہ کئی سال ٹرانک بار میں تبلیغ مسیحیت کرتا رہا۔ بعد میں وہ ترچناپلی چلا گیا۔ جہاں اس نے
تبلیغ عیسائیت کے لئے مستقل اڈہ بنایا۔ جنوبی ہند میں اس کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا تھا ایکبار جب سلطان حیدر علی اور
عیسائیوں کی کشمکش ہوئی تو تصفیہ کے لئے شوارز (Schwartz) مقرر ہوا۔ حیدر علی اس کی علمیت سے متاثر
ہوا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی دی۔ اس تھیلی سے شوارز نے تنجور میں ایک عیسائی مدرسہ قائم کیا۔ راجہ تنجور اس کے زیر اثر آگیا
اور مرتے وقت اپنے نو عمر راجکمار کا ولی اس کو مقرر کیا۔ شوارز کا انتقال ۱۷۹۸ء میں ہوا اور اس نے کم از کم دس معزز آدمیوں
کو عیسائی بنایا۔

بنگال میں پہلا پروٹسٹنٹ مشنری کیرنندر (Kiernander) ہوا۔ وہ ۱۷۵۸ء میں کڈلور سے کلکتہ گیا۔ کلائیو نے
اس کی سرپرستی کی۔ اس نے ایک دولتمند بیوہ ہندو عورت کو عیسائی بنا کر شادی کرلی۔ اور اس کی دولت سے ایک گرجا
تعمیر کیا۔ اور کئی اسکولوں کو فروغ دیا۔ کیرنندر کی سرگرمیوں کو انفرادی حیثیت حاصل تھی۔ بنگال میں پہلا عیسائی مشن
ولیم کیرے (William Carrey) نے قائم کیا۔ ابتدا میں یہ انگلستان کا ایک موچی تھا۔ بعد میں اس نے تعلیم
حاصل کی اور اسکول کا ماسٹر بن گیا۔ ایک دن شاگردوں کو پڑھاتے پڑھاتے اسے خیال ہوا کہ ہندوستان میں
مسیح کا پیغام پہنچانا چاہیے۔ ۱۷۹۲ء میں اس نے لندن میں کئی پبلک جلسے کئے اور ہندوستان میں تبلیغ مسیحیت
کی ضرورت پر روشنی ڈالی۔ اس کی کوششوں سے لندن میں بپٹسٹ سوسائٹی قائم ہوگئی اور اس کی جانب سے کیرے
کو کلکتہ روانہ کیا۔

بپٹسٹ

ابتدا میں بپٹسٹ مشنری سوسائٹی کے لئے انگلستان میں بہت سا روپیہ فراہم ہوا تھا۔ اس کی
تلافی کے لئے کیرے نے بنگال میں نیل کی کاشت شروع کی۔ اس سے اپنا اور اپنے متعلقین کا گزارہ
کرتا تھا۔ بعد میں انگلستان سے دو مشنری بنگال بھیجے گئے۔ ان کا نام جوشا مارش مین (Josha Marshman)
اور ولیم وارڈ (William Ward) تھا۔ ان کا ایسٹ انڈیا کمپنی سے جھگڑا ہو گیا۔ تو انھوں نے کلکتہ کے
قریب ڈنمارک کے مقبوضہ علاقہ سری رام پور میں سکونت اختیار کی۔ ۱۸۰۰ء میں کیرے بھی سری رام پور چلا گیا۔ سری
رام پور میں بائبل کے تراجم کا وسیع پیمانہ پر انتظام کیا گیا۔ سب سے پہلے ۱۸۰۱ء میں عہد نامہ جدید کا ترجمہ بنگالی زبان

میں ہوا۔

اس کے بعد عہد نامہ عتیق کا ترجمہ بنگالی اور اُردو زبان میں کیا گیا۔ اس کے بعد کیرے نے عہد نامہ جدید کا ترجمہ
سنسکرت زبان میں کیا۔ کیرے مشرقی زبانوں کا بڑا ماہر تھا اور اسے بعد میں لارڈ وڈر نے فورٹ ولیم کالج میں مشرقی
زبانوں کا پروفیسر مقرر کر دیا تھا اس نے کمیٹی بورڈنگ سکول قائم کیے۔ ان پادریوں کی زندگی بہت سادہ تھی۔ یہ اپنی
ساری آمدنی بائیبل کی چھپائی، اسکولوں کی امداد اور مسیحیت کی تبلیغ پر صرف کرتے تھے۔ ان تینوں نے سری رام
میں ایک کالج بھی قائم کیا

ایسٹ انڈیا کمپنی کا تبلیغ مسیحیت میں حصہ لینا

مشنریوں کے علاوہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکو
بھی تبلیغ میں نمایاں حصہ لیتی تھی۔ اس
دوسری بستیوں میں مذہبی تعلیم پھیلانے کے لیے خاص خاص اور مشہور مقامات پر پادری مقرر کر رکھے تھے۔ اور یہ
پادری یورپیوں کی عبادت کا انتظام کرنے کے علاوہ قرب وجوار کے علاقوں میں ہندوستانیوں کو عیسائی بناتے رہتے
تھے۔ اور بسا اوقات لوگوں کے عیسائی بنانے میں حکومت کا دباؤ بھی کام کرتا تھا۔

کلکتہ کا ریورنڈ ڈیوڈ براؤن سرکاری حلقوں میں بہت با اثر تھا اور گورنر جنرل اس کی بہت عزت کرتے تھے۔ وہ تنخو
نہیں لیتا تھا بلکہ اعزازی طور پر گرجوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس کی موت کے وقت اس سے پوچھا گیا کہ اسکی
یاد میں کتبہ کا کیا مضمون لکھا جائے۔ اس نے جواب دیا کہ میری یاد صرف اتنی کافی ہے کہ براؤن نے کلکتہ کے مشن چرچ میں ۲۵
پچیس سال تک بائیبل کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

۱۸۰۶ء میں ہنری مارٹن کلکتہ آیا۔ یہ شخص کیمبرج یونی ورسٹی کا گریجویٹ اور کافی دولت مند تھا۔ اس نے
اپنی جیبِ خاص سے بنگال میں کئی اسکول قائم کیے اور بہت سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا۔ اس کا بڑا کارنامہ
یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے عہد نامہ جدید کا ترجمہ اردو، فارسی زبان میں کیا۔ اُردو فارسی ترجمہ کی مزید صحت کے لئے ایران
گیا، اور زبان کے ادیبوں سے اس کی تصحیح کرانے انگلستان روانہ ہوا۔ مگر راستہ میں مرگیا۔

لارڈ ولزلے گورنر جنرل کا خاص پادری (Claudius Buchanan) کلاڈیس بوکانین مسیحیت کا بڑا مبلغ تھا اس
سے پہلے مسیحیت کے لئے بنگال سے ٹراونکور تک کا دورہ کیا اور ہزاروں ہندوستانیوں کو عیسائی بنایا۔ اڑیسہ میں جگن ناتھ کے
مندر کے خلاف اس نے کئی سخت مضمون اخبارات میں لکھے اور وہاں کے خون آشام اور خلافِ انسانیت حرکتوں کے خلاف
پورے زور سے آواز اٹھائی۔ اس نے ایک مضمون میں لکھا کہ :۔

"جب میں جگن ناتھ کا مندر دیکھنے گیا تو پچاس میل تک سڑک یاتریوں کی ہڈیوں سے پٹی پڑی تھی۔ کتے، گیدڑ اور گدھ
لاشوں کو نوچ رہے تھے۔ لوگ مکتی حاصل کرنے کے لئے عظیم الشان گاڑی کے پہیے کے نیچے لیٹ کر جان دیتے تھے۔"

بوکانین کی کوششوں سے بائیبل کا ترجمہ عربی زبان میں ہوا اور اُسے خاص طور پر شام اور مصر بھیجا گیا۔

پروٹسٹنٹ کا دوسرا دور

ہندوستان میں پروٹسٹنٹوں کا تقرر بھی پادری کلاڈیس بوکانین کی جدوجہد کا

منظوری حاصل کی۔
نتیجہ تھا۔ جس کی انتھک کوششوں سے ۱۸۱۳ء میں برطانوی پارلیمنٹ سے

امریکن مشنری سوسائٹیاں

یوں تو ۱۶۰۶ء سے ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہمراہ پادری ہندوستان میں آنا
شروع ہو گئے تھے۔ لیکن جماعتی حیثیت سے اور ذمہ دارانہ شکل میں ۱۸۱۴ء
میں ہندوستان کے اندر انگلستان کی مشنری سوسائٹیوں نے قدم رکھا تھا۔ اس سے دو سال قبل امریکن بورڈ آف کمشنرز
فار فورن مشن سوسائٹی کی (جو امریکہ کی سب سے پرانی مشن سوسائٹی) کی جانب سے ۱۹ر مئی کو مسٹر جڈسن اور نول اپنی
بیویوں کے ساتھ کلکتہ کے لئے روانہ ہوئے تھے اور ۲۲ مئی کو ہول راڈ اور نوٹ فیا سے کلکتہ پہنچے۔ یہ امریکہ کی طرف
کے لئے پہلا قدم تھا۔
سے ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے
یہ چاروں مبلغین فورٹ ولیم کالج کے پرجوش طلباء تھے۔ جنہوں نے ۱۸۰۶ء میں ایک زبردست جذباتی خیالات
کے زیرِ اثر عہد کیا تھا کہ وہ سخت سے سخت اور کٹر منکرِ مسیح (خواہ سیموئیل جیمز کیوں نہ ہو) کے کانوں تک عیسائیت
کی حقانیت کو پہنچائیں گے۔ چنانچہ اس تبلیغی ارادہ کے دو سال بعد انہوں نے باقاعدہ مشنری کام میں حصہ لینے
کے عہد نامے پر دستخط کئے ۔ اور ۱۸۱۰ء میں پروفیسر اسٹوورٹ سے ملے اور خواہش ظاہر کی کہ ہم کو باہر کے ملکوں
میں بھیجا جائے۔ مسٹر اسٹوورٹ نے ان سے کہا کہ اگر یسوع مسیح کے نام کو پھیلانے کے لئے تم ہندوستان جاؤ گے
ہم تمہاری مدد کریں گے۔ دوسرے دن امریکن مشن نے ریورنڈ مذکور کے کمشنر کے سامنے باہر ملکوں میں عیسائیت کی
تبلیغ کے لئے باہر بھیجے جانے والے مشن کی تجاویز پر غور کرنے کے بعد اس کی منظوری دے دی۔ اس فیصلہ کے
بعد ہر چہار مذکور اصحاب ہندوستان بھیجے گئے۔ بتدریجاً امریکن سوسائٹیوں نے ہندوستان میں آ کر کام کیا۔

سکاٹش مشنریاں

اسکاٹش مشنری سوسائٹی کی جانب سے سنہ ۱۸۲۹ء میں ڈاکٹر ڈف بھیجا گیا۔ چند
سال بعد مشن کا سارا انتظام چرچ آف سکاٹ لینڈ کے ماتحت کر دیا۔ ڈاکٹر ڈف ہندوستانی
ادب کا ماہر تھا۔ اس نے بڑی ریسرچ کی۔ ریورنڈ جان اینڈرسن نے سنہ ۱۸۳۰ء مدراس کے اندر ایک انگریزی درس
گاہ قائم کی۔ یہ بعد میں مسیحیت کی اشاعت کے لئے بہت بڑا مرکز بنی اور خاص طور پر عورتوں کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں
سنہ ۱۸۵۲ء میں انگلستان، اسکاٹ لینڈ، آئرلینڈ، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، پروشیا، متحدہ ریاست ہائے امریکہ کی
بائیس مشنریاں سوسائٹیوں کے نمائندے ہندوستان اور سیلون میں کام کر رہے تھے۔ ان میں ۴۴۳ غیر ملکی مشنری تھے۔
۴۸ ہندوستانی مبلغین اور انکی نگرانی میں دیسی مبلغین بازاروں اور چوراہوں میں تبلیغ کرتے تھے۔ انہوں نے
۲۱۲ گرجے قائم کئے۔ جن میں ہندوستانی عبادت کرنے والے عیسائیوں کی تعداد ۲۱۴۱۰ تھی۔ سنہ ۱۸۵۲ء میں عیسائی
مشنری سوسائٹیوں نے ۱۳۴۶ سکول قائم کئے۔ جن میں ۴۷۵۰۴ لڑکوں کو دیسی زبان کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان کے علاوہ
۹۳ بورڈنگ سکول تھے۔ جن میں دو ہزار چار سو چودہ لڑکوں کو تبلیغ مذہب کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ ان سوسائٹیوں نے
عیسائی مبلغین تیار کرنے کے لئے ۱۲۶ مذہبی درسگاہیں قائم کر رکھی تھیں۔ جس میں ۱۴۵۶۲ نوجوانوں کو ہندوستانی
اور دیسی زبانوں میں بائیبل کی مناظرہ سکھانے والی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان سوسائٹیوں نے عورتوں میں بھی مسیحی تبلیغ

۳۴۰ ڈے اسکول اور ۱۰۲ بورڈنگ اسکول قائم کئے گئے تھے - جس میں علی الترتیب ۱۱۵۱۹ اور ۲۷۷۹ ہندوستانی لڑکوں
کو دیسی زبان میں درسی تعلیم کے علاوہ لازمی طور پر بائیبل پڑھائی جاتی تھی - ان کے ۲۵ بڑے بڑے پریس قائم تھے - اور
ان کے مصارف کا اندازہ ۴۲ لاکھ روپے کیا جاتا ہے - ان کے مصارف کا ۱/۴ حصہ یورپین عیسائیوں کی امداد سے حاصل
ہوتا تھا - اور باقی مشن سوسائیٹیاں ہندوستان سے رقم وصول کرتی تھیں [1]

مس ہیریتھ بٹ Miss Harriette. M. Butt نے ۱۸۷۴ء میں سوسائٹی Indian
Femal. Normal School & Instruction Society کی مشنری ہو کر آئی اور اعلیٰ ذات
کی ہندوستانی لڑکیوں کے لئے بائیکلہ میں ایک اسکول قائم کیا -

سنہ ۱۸۷۵ء میں اس نے مس سہراب جی ای رچی مس میری Miss Sohrabji, Miss E.
Ritchie & Miss Marry کی مدد سے ینگ وومنز کرسچین ایسوسی ایشن کی شاخ بمبئی میں قائم
کی - ابتدا میں صرف یہی تین عورتیں ممبر تھیں - مس بٹ اتوار کو بائیبل کی تعلیم دیتی تھیں، مس ریٹرز سوشل معاملات
کی دیکھ بھال کرتی تھیں - اور مس سہراب گجراتی اور مراٹھی زبانوں میں تبلیغ مسیحیت کرتی تھی انھوں نے پلان مشن اور فلاور مشن
کے نام سے دو سوسائیٹیاں قائم کیں - پہلی سوسائٹی ہسپتال میں مریضوں کے نام محبت و دوستانہ خطوط اور
خوشنما تہنیتی کارڈ لکھ کر بھیجتی تھی - فلاور مشن کی جانب سے مریضوں کو گلدستے بھیجے جاتے تھے جن میں تبلیغ کے
کارڈ آویزاں ہوتے تھے - مس ریٹرز غریبوں کے لئے کپڑے وغیرہ جمع کرتی اور سیتی Y.W.C.A کے دو درجے
تھے - "فرینڈلی یونین" "پریئر یونین" پہلے میں وہ عورتیں شامل کی جاتی تھیں - جو مسیحیت کے زیر اثر آنا چاہتی تھیں -
دوسرے طبقہ میں صرف عیسائی عورتیں شامل تھیں - بعد میں مس وٹیس (Vittes) پونہ چلی گئی اور اس نے
وہاں اپنی انجمن کی شاخ قائم کی -

۱۸۷۸ء میں کرنل روس روز Col. Ross Rouse کی بیوی نے کلکتہ میں زنانہ
مشن کا کام شروع کیا - کرائسٹ چرچ اسکول کی مس نیل (Neale) نے بنگالی لڑکیوں میں تبلیغ
مسیحیت کے لئے ۱ء کارنواس اسکوائر میں زنانہ ہاؤس قائم کیا -

---

[1] ڈاکٹر ولسن - ہندوستان تین ہزار سال پیشتر (2) Mullens

قدیم ہند میں عیسائی تبلیغ

اکبر کے دور میں مسیحی تبلیغ

سنہ ۹۷۹ھ میں ابراہیم حسین مرزا نے بغاوت کر کے قلعہ بند سورت پر قبضہ کر لیا۔ اس کی سرکشی دبانے کے لئے بادشاہی لشکر نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور خود اکبر بھی یلغار کر کے وہاں جا پہنچا۔ فرنگی سوداگروں کے جہاز ان دنوں آتے جاتے تھے۔ مرزا نے ان کو لکھا اگر تم آ کر فرنگی تاجر اس وقت میری مدد کریں تو قلعہ تمہارے حوالے کر دیا جائیگا۔ وہ لوگ گئے مگر بڑی عیاری سے۔ بہت سے عجیب و غریب تحفے ملکوں کے ساتھ لیتے آئے۔ جب لڑائی کے موقع پر پہنچے تو دیکھا پلہ بھاری ہے۔ کامیاب نہیں ہو سکیں گے تو جھٹ رنگ بدل کر ایلچی بنکر کہا ہم اپنی سلطنت کی سفارت پر آئے ہیں۔ دربار میں پہنچ کر تحفے تحائف گزرانے اور خلعت و انعام کے ساتھ مراسل لے کر رخصت ہو گئے۔

اکبر کی اختراع پسند طبیعت اپنے کام سے کبھی غافل نہیں رہتی تھی۔ ان دنوں اکثر ممالک یورپ و ایشیا کے جہازوں کے لئے گوآ اور سورت کی بندرگاہ تھی۔ معرکہ مذکور کے کئی برس بعد اس نے حاجی حبیب اللہ کاشی کو زر کثیر دیکر روانہ کیا۔ صنعتوں کے ماہر اور ہر فن کے بہتر ساتھ لئے گئے کہ بندرگاہ گوآ میں جا کر قیام کریں اور وہاں سے فرنگیوں کے دربار کی عجیب و غریب چیزیں لائیں اور صنعت گر دستکار ممالک مذکور کے وہاں سے آئیں تو ان کو بھی ساتھ لائیں۔ سنہ ۹۸۷ھ میں وہاں سے بہت سے تحائف کے علاوہ اہل کمال کا ایک گروہ ساتھ لائے۔ جس وقت شہر میں داخل ہوئے تو ان تمام عجائبات کی نمائش کرتے ہوئے داخل ہوئے کہ تو یاترا کا سا منظر تھا۔ بیچ میں بہت سے فرنگی عیسائی اپنا ملکی لباس پہنے ہوئے اور اپنے قانون موسیقی کے بموجب فرنگی باجے بجاتے ہوئے شہر میں چل رہے تھے۔ ان عجائبات میں ارغنون اگر باجہ ہندوستان آیا۔ اکبری مورخ لکھتے ہیں۔

پادری اکبری دربار میں

سنہ ۳۰ جلوس میں پادری فربیتون بندرگاہ گوآ سے آ کر حاضر دربار ہوا۔ بہت سے عقلی و نقلی علوم سے آگاہ تھا۔ شاہزادگان کو ان کا شاگرد کیا تو یونانی کتابوں کے ترجمے کا سامان فراہم ہوا اور نئے انداز کی باتوں سے آگاہی ہوئی۔ پادری موصوف کے علاوہ ایک گروہ فرنگی ارمنی اور حبشی عیسائیوں کا آیا۔[1]

تبلیغ مسیحی

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ پاپا یعنی پادری آئے۔ ملک افرنقیہ کے دانایان ریاضی کو پادری کہتے ہیں اور اکمل رفاضل کو پاپا۔ وہ مصلحت وقت کی رعایت سے احکام تبدیل کر سکتا ہے اور بادشاہ اس سے اختلاف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ انجیل لائے اور تثلیث پر دلائل سنا کر نصرانیت کا اثبات کیا اور ملت عیسوی کو رواج دیا۔ شاہزادہ مراد کو حکم ہوا کہ چند کلمے انجیل تیمناً پڑھے۔ شیخ ابوالفضل اس کے لئے مترجم ہوا۔

پہلا فقرہ جو بطور بسم اللہ کے تھا۔ اس کا یہ ترجمہ ہوا۔

"اے نام تو وے ژژو کرسٹو" ژژ جیس اور کرسٹو یعنی عیسیٰ مسیح۔ یعنی اے وہ کہ نام تیرا مہربانی اور زیادہ بخشش والا ہے۔ تیرے سوائے کوئی خدا نہیں ہے۔"

---

[1] دربار اکبری صفحہ ۸۳

شیخ فیضی نے اس پر دوسرا مصرعہ لگایا [1]

شبحانک لاسواک یاہو "ہم تیری تعریف کرتے ہیں تیرے سوا کوئی خدا نہیں" ہے؛

بعض مورخ دوسرا مصرعہ "سبحانک لاشریک یاہو" لکھتے ہیں۔

دربار میں عیسائیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دجال بتایا اور کہا کہ انکی صفات دجال سے ملتی جلتی ہیں۔

گرجا بنانے کی اجازت

پادریوں کی دربار میں بڑی خاطر مدارات ہوتی تھی۔ بادشاہ ان کو اکثر دربار میں بلاتا تھا اور دینی و دنیوی مسائل و معاملات پر گفتگو سنتا تھا۔ اُن سے انجیل کے ترجمے کرانے چاہے اور کام بھی شروع ہوا۔ مگر ناتمام رہا ان میں سے بعض کو شہزادہ مراد کا اتالیق مقرر کیا۔ انھیں کو وہ گرجے بنانے کی اجازت ملی۔ جس کا ذکر ڈاکٹر برنیر نے اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔

"آگرہ میں ایک گرجا بھی ہے جس کو جیسوئٹ فرقے کے لوگوں نے بنایا تھا۔ اور ایک مکان اور ہے جس کو وہ کالج کہتے ہیں۔ جس میں بچیس یا تیس گھرانوں کے بچوں کو عقائد مذہبی کی تعلیم دی جاتی تھی۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ عیسائی خاندان یہاں کس طرح جمع ہوئے ہیں۔ شاید ان جیسوئٹ پادریوں کے فیاضانہ اور مہربانہ سلوک نے ان کو یہاں سکونت پر مائل کیا ہے۔ جس زمانہ میں پرتگیزیوں کا ہندوستان میں بھی بڑا زور تھا۔ ان جیسوئٹ کے لوگوں کو جو ایک مذہبی گروہ ہے۔ شہنشاہ اکبر نے یہاں بلا کر آباد کر لیا اور گزر اوقات کے لئے کچھ سالانہ مقرر کر دینے کے علاوہ لاہور اور آگرہ میں گرجا تعمیر کر لینے کی اجازت بھی دیدی (ص ۳۱۶)۔ چنانچہ اس کی تصدیق جہانگیر کے حسب ذیل فرمانوں سے بھی ہوتی ہے۔ مذکورہ آگرہ کے گرجا میں شاہی عہد کے بہت سے فرامین متعلق عطائے اراضی برائے تعمیر گرجا قبرستان وغیرہ موجود ہیں۔ ان فرامین کی نقل ذیل مرقع اکبرآباد سے درج کی جاتی ہے۔

نقل فرمان:۔ دریں فرمان عالی شان مرحمت عنوان شرف صدور و غرور و دریافت کرسوازی شش بیگہ زمین ازاں جملہ سہ بیگہ از موضع ...... آگرہ برائے خریف ...... موی مل در وجہ انعام دنگیاں بجہت باغ و گورستان مقرر و معوض باشد برداران و کروریان حال و استقبال و استقرار تغیر و تبدل بداں ... پیش کش و جرمانہ و ضابطانہ و مہرانہ و دارو غگانہ و محصلانہ ...... وقانون گوئی ...... و تکرار زراعت و کل تکالیف دیوانی .... نکند و از جمیع وجوہات معاف داشتیم ...... سال فرمان دیوانچہ محدود ...... در محلی ... در عہدہ و مانند۔ تحریر اً بتاریخ ۲ ماہ ابان سنہ ۳۔

نقل فرمان ابوالمظفر محمد جہانگیر بادشاہ غازی۔

"حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات صوبہ گجرات بعنایت و التفات بادشاہانہ مخصوص و مباہی گشتہ بدانند ... کہ فرمان عالی شان واجب الاذعان شرف اصدار عز ابراز یافتہ کہ پادریان فرنگی در احمد آباد یک انگریز کہ عبادت

---

[1] تاریخ ہند ذکاء اللہ جلد پنجم صفحہ ... ۸۲۵ -

او عبادت خانہ کہ نہاست از برائے خود بسازند در آں جا بطور پرورش خود عبادت می کرد۔ باشند۔۔۔ می باید کہ چوں
ہر مضمون حکم جہاں مطاع گردوں ارتفاع جہانگیری اطلاع نمائند۔۔۔۔ مانع و مزاحم آنہا نہ گشتہ بجد اندازہ برائے
عبادت خدا انگریز بسازند می باید کہ از فرمودہ تخالف نورزند۔۔۔۔ در عہدہ شناسند۔ تاریخ ۲۔ مہر الہی سنہ
۔۔۔ عبادت خدا انگریز بسازند می باید کہ از فرمودہ تخالف نورزند۔۔۔۔ در عہدہ شناسند۔ محمد حسین شکر اللہ[1]
رسالہ کمترین مریدان با اخلاق اعتماد الدولہ رو نوشت واقعہ بندہ درگاہ ہے

پادری کے آنے کی اجازت

منوچی لکھتا ہے:۔
اکبر کو توپ کی چاند ماری کا بہت شوق تھا۔ اس فن میں یورپین ملازم زیادہ ماہر تھے۔ اس لئے اکبر کو یورپین ملازم رکھنے کا شوق ہوا۔ اور بہت سے سنگتراش، ہنرمند، مینا کار، ڈاکٹر اور گولنداز ملازم رکھے گئے۔ ان میں زیادہ تر رومن کیتھولک تھے۔ انھوں نے بادشاہ کو عرضی دی کہ یا تو ہم لوگوں کو وطن جانے کی اجازت دی جائے اور یا ہم کو اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کی اجازت دی جائے۔ چونکہ پادری کے بغیر یہ لوگ مذہبی رسومات ادا نہیں کر سکتے تھے۔۔۔۔۔۔ اس لئے گوا سے ایک پادری بلوا کر تعمیر گرجا کی اجازت دیدی

مقبرہ میں مسیحی تصویر

اکبر نے اپنے باپ کی تقلید میں اپنے لئے ایک مقبرہ بنانے کا ارادہ کیا۔ جس کا نام سکندرہ رکھا۔ اس مقبرہ کا گنبد سنگ مرمر کا ہے۔ اکثر جگہ انسانی تصویریں منقش ہیں۔ مگر شاہ اورنگزیب کے حکم سے ان پر اس طرح سفیدی پھیر دی گئی کہ تصویریں نظر نہیں آتیں۔
میں کئی مرتبہ اس مقبرہ کو دیکھنے گیا۔ باغ کے دروازہ پر حضرت عیسیٰ کے مصلوب ہونے اور حضرت مریم وغیرہ کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ حضرت عیسیٰ کے صلیب دیے جانے والی تصویر کی داہنی جانب حضرت مریم کی تصویر تھی۔ وہ حضرت عیسیٰ کو بحالت شیر خوارگی اپنی گود میں لئے ہوئے تھیں۔ چھت میں فرشتوں اور موروں کی مختلف تصاویر تھیں۔ یہ تصویریں کسی مذہبی خیالات سے نہیں بنائی گئیں تھیں۔ بلکہ عجائبات زمانہ میں شمار کی جاتی تھیں[2]

پادریوں سے مناظرہ

مورخ بدایونی لکھتے ہیں:۔
ایک موقع پر شیخ قطب الدین جالسری جو کہ مجذوب خراباتی تھے لوگوں نے پادریوں کے مقابلہ میں مباحثہ کے لئے پیش کیا۔ مجذوب مذکورہ میدان مباحثہ میں جوش و خروش سے صف آرا ہوئے اور کہا کہ ایک بڑا ڈھیر آگ کا دہکاؤ۔ جس کو دعویٰ ہو میرے ساتھ آگ میں کود پڑے۔ جو صحیح سلامت نکل آئے۔ وہ حق پر ہے۔ آگ دہکا کر انھوں نے ایک پاپا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا ہاں بسم اللہ"۔ پاپاؤں نے کہا۔ یہ بات خلاف عقل ہے"
اس مناظرہ کے واقعہ کو "تذکرہ عالم" کا مصنف اس طرح لکھتا ہے:۔
"ایک دن اکبر نے مسیحی پادریوں، یہودیوں، مجوسیوں، مسلمانوں اور برہمنوں کو جمع کیا اور مباحثہ کی ٹھہرائی۔ مسیحیوں کا سرغنہ پادری ردلیف تھا۔ مسیحیوں نے اپنا سرپنچ ابوالفضل کو بنایا۔ اب بحث شروع ہوئی۔ ابتدائی چھتیاں ہونے کے بعد انجیل کی تحریف کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ کچھ فیصلہ نہ ہوا۔ آخر پادریوں نے ایک خوفناک آگ روشن کی کہ ہم انجیل ہاتھ میں لیکر آگ میں چلتے ہیں۔ تم قرآن شریف لے کر آگ میں چلو[3]۔ مسلمان آگ کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اس اثنا میں تو تو، میں میں ہونے لگی۔ وقت بہت گزر گیا۔

[1] مرقع اکبر آباد صفحہ ۱۳۳ [2] سفرنامہ منوچی صفحہ ۱۳۲ [3] تاریخ ہند ذکاء اللہ جلد پنجم ۸۵۹

اکبر اس مذہبی بحث کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔ پادری ردلیف جو پرتگال کا رہنے والا تھا اور پادریوں کا سرغنہ تھا۔ اکبر کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کہ اب مذہب مسیحیت کی صداقت اس کے ذہن میں اتر گئی۔ پادری ردلیف ابوالفضل کے پاس آیا اور کہا کہ میں پہلے تم کو دعوت مذہب مسیحی دیتا ہوں۔ جب تم عیسائی ہو جاؤ گے۔ تو اکبر کا مسیحی ہو جانا کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سن کر ابوالفضل بہت ہنسا اور کہا کہ آپ اپنے دین اپنے ہی سینوں میں رکھو۔ ہمارا شہنشاہ مذہبی گفتگو کا شائق ہے۔ وہ متعصب نہیں ہے۔ مذہبی لحاظ سے سب کو ایک نظر دیکھتا ہے۔ آئندہ ایسی بات منہ سے نہ نکالنا لے

عیسائیوں کا تبلیغی مشن

مناظروں کی کیفیت اور اکبر پر مذہب کے بارے میں پرتگالی اور انگریز مصنف کیا رائے رکھتے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

"اکبر کسی مذہب کا پابند نہیں تھا۔ مگر اس کو دنیا کے مذاہب کی تحقیق کرنے کا شوق تھا اور ان کی عبادت کے طریقوں نیز عقائد سے واقف ہونا چاہتا تھا۔ اس نے جب یہ سنا کہ گوآ بندرگاہ پر بہت دور دراز مقام سے ایک پرانے مذہب والے آتے ہیں جن کا مذہب ہندوستان کے کل مذہبوں سے علیحدہ ہے تو اس نے ان کو بلانے اور ان سے مناظرہ کا ارادہ کیا۔ اس نے پرتگیزیوں کو لکھا کہ وہ اپنے مشنری مبلغین کو مع اپنی شریعت کی کتب کے یہاں بھیج دیں۔ مغلوں کے نام سے اہل فرنگ کانپتے تھے۔ مگر انھوں نے خوف و ڈر کی کوئی پرواہ نہ کی۔ بلکہ بے دھڑک یہ فیصلہ کیا کہ ایسے مقدس کام کے لئے جس میں بڑے نتیجوں کی امید ہو قدم اٹھانا چاہیئے۔ چنانچہ ۳ دسمبر سنہ ۱۵۷۸ء میں یہ لوگ سورت پہنچے۔ وہاں انکا شاہی استقبال ہوا۔ ۹ فروری کو یہ مشنری مشن فتحپور سیکری میں جہاں بادشاہ رہتا تھا پہنچا۔ شہنشاہ اکبر کے سامنے پیش ہوئے۔ پادریوں نے حضرت عیسیٰ کی تصویر پیش کی۔ تو اکبر نے اس کی تعظیم و تکریم اپنے مذہب اور عیسائیوں کے مذہب کے مطابق کی۔ اس کے آگے سر جھکایا۔ گھٹنوں کو ٹیکا۔ سجدہ کیا اور حضرت مریم کی تصویر جو جواہرات سے مزین تھی پیش کی۔ تو بادشاہ نے کہا: "ملکہ آسمان کی کیا اچھی شبیہ ہے۔" اس کے بعد پادریوں نے چار زبانوں میں انجیل پیش کی۔ تو بادشاہ نے اسے چوما اور سر پر رکھا۔ پھر بادشاہ نے مشنریوں سے درخواست کی کہ وہ علماء اسلام سے مباحثہ کریں۔ اس کو انھوں نے قبول کیا۔ مناظرہ ہوا مگر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ باوجود دلائل فتحیاب تھے۔ لیکن دلائل نے مخالفوں پر کوئی اثر نہیں کیا۔ کافی عرصہ تک بادشاہ ان سے خوش خلقی سے پیش آتا رہا۔ پادری اس کو عیسائی بنانے کے ہزار جتن کرتے تھے مگر کامیابی کے آثار نہیں پاتے تھے۔ ایکمرتبہ بادشاہ کے درباری میں سے ایک نے ان مشنریوں کو سمجھایا کہ تمہاری یہ کوشش بے کار ہے۔ بادشاہ معلومات مذہبی چاہتا ہے اور بس۔ پرتگیزی تاریخ دانوں نے مناظرہ کا وہی آگ میں کودنے والا واقعہ لکھا ہے اور لکھا ہے کہ ان پادریوں نے سوچ سمجھ کر کہا کہ مجلسوں میں ہم اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم اپنے آپ کو عقل کے خلاف معجزات میں ڈالنا نہیں چاہتے۔

جب شہنشاہ اکبر کو معلوم ہو گیا کہ آگ میں کودنے کا تماشہ نہیں ہوگا اور اس کو پادریوں نے معلومات عیسوی

لے تذکرۂ عالم۔ مولوی رحیم بخش ص ۱۰۶

بھی ہو گئیں تو اس نے پادریوں سے ملنا بہت کم کر دیا۔ کابل اور بنگال کے فسادات کی وجہ سے ان کو بالکل بھول گیا۔ پادری بھی یہاں سے ۱۵۸۳ء میں واپس چلے گئے۔

سنہ ۱۵۹۱ء میں بادشاہ نے پھر دوسری مرتبہ مشن کو بلایا۔ اس مشن کو بھی ان واقعات سے واسطہ پڑا جو پہلے مشن پر گزرے تھے۔ خوب آؤ بھگت ہوئی۔ پھر کوئی توجہ نہیں دی گئی تو وہ زیادہ نہیں ٹھہرے۔ چار برس بعد ان کو خط لکھ کر بلایا۔ دریائی جزیرہ میں وہ شہنشاہ کے روبرو گئے۔ حضرت مریم کی تصویر جو پہلی تصویر سے زیادہ خوبصورت تھی پیش کی۔ اسکی بادشاہ نے بہت تعریف کی اس عہد کا نامور سیّاح پیٹر ڈیلا وے بحوالہ میک لیگن تحریر کرتا ہے کہ پادری ین ہیروئے جو یہاں جیسوئٹ عیسائیوں کے تیسرے مشن کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ سنہ ۱۵۹۵ء کا ایک واقعہ نقل کیا ہے

"میں اکبر بادشاہ کو حضرت مسیح اور عذرا کی تصویر دکھا رہا تھا۔ جس وقت اس پاک تصویر پر خود ہماری نظر پڑی تو ہم نیچے جھک کر دو زانو ہو گئے۔ ہم کو دیکھ شہنشاہ کا پوتا یعنی شاہزادہ جو دس سال کا ہوگا۔ اس نے اپنے ہاتھ باندھے اور اپنی رانوں کو جھکا لیا بادشاہ کو یہ دیکھ کر بہت مسرت ہوئی اور شاہزادے سے فرمایا کہ اپنے بیٹے کو تو دیکھئے (تاریخ الہ آباد)

اس مرتبہ پادریوں کو بادشاہ کے عیسائی ہونے کی زیادہ اُمید تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ اس کو اپنے اسلام کی ذرہ برابر بھی پاسداری نہیں ہے۔ جب روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے تو مسجدوں سے بھی روپیہ لوٹ لیتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مسجدوں میں کوئی خزانہ نہیں رہتا تھا۔ مگر اسی اُمید کے ساتھ تو نا اُمیدی بھی ہوئی۔ انھوں نے بادشاہ کو دیکھا کہ وہ آفتاب پرستی بہت محنت و مشقت سے کرتا ہے اور حماقت سے اپنی ذات میں ایک قسم کی الوہیت سمجھتا ہے۔ وہ ہر صبح کو جھروکہ میں بیٹھتا ہے۔ اور گروہ کے گروہ اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ بیمار بچوں پر دم کرتا ہے۔ آخر اس تیسری مرتبہ بھی پادری مشن نامراد واپس آگیا۔

اکبر کی پادریوں سے چھیڑ خانی

پادریوں سے بادشاہ نے کہا کہ تمہارے مذہب میں عورت کا بہت احترام کیا جاتا ہے اور ایک بیوی کے علاوہ دوسری بیوی کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر اس طبقہ کی عورتوں میں وفاداری ہوتی اور جاں فشانی ہوتی تو تعجب کی بات نہیں تھی۔ تعجب تو یہ ہے کہ برہمن مذہب کے مطابق ایک ہندو ایک سے زیادہ بیوی کر سکتا ہے۔ جس سے لاپرواہی ظاہر ہوتی ہے اور قدر و منزلت میں عورت کے فرق آتا ہے مگر اس کے باوجود وہ دوستی میں وفادار اور جاں نثار ہوتی ہے[1] پادری اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔

دینِ الٰہی میں عیسائیت کا اثر

اکبر نے کسی رواج یافتہ مذہب کو اختیار نہیں کیا۔ بلکہ اُن مذاہب سے تھوڑی تھوڑی چیزیں لیکر دینِ الٰہی کے نام سے نیا مذہب قائم کیا۔ اسمیں عیسائیوں کی جو باتیں تھیں یا جن باتوں کا اکبر کے دل پر پادریوں کا اثر ہوا وہ یہ تھیں :-

نصاریٰ کا ناقوس (گھنٹہ) بجانا اور صورت تثلیث کا تماشہ اور ان کا سور جنگ بجانا اپنے مذہب میں جائز کیا[2]

"سیرتِ مسیح" عیسائیت کی پہلی کتاب

اسی زمانہ میں کتاب "سیرتِ مسیح" بادشاہ نے فارسی زبان میں تصنیفات کرائی۔ جس کا ایک بالتصویر قلمی نسخہ کتب خانۂ آصفیہ میں (حیدرآباد دکن) موجود ہے۔

دبستان المذاہب

اس کتاب میں اکبر کے مذہب دینِ الٰہی کی پوری تفصیل ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ اس کا حال بھی کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ مگر اس کے رجحان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آتش پرستی کا ہم نوا ہے۔ اس نے اپنی کتاب کے باب قائم کئے ہیں۔ ان کا نام نظر رکھا ہے۔ چنانچہ

---

[1] [2] - تاریخ ہند ذکاء اللہ۔ صفحہ ۲۶۰

پہلی نظر میں خلیفۃ الحق (اکبر) کے دو معجزے نقل کئے ہیں۔ جس میں دلچسپ معجزہ یہ ہے کہ اکبر نے حضرت عیسیٰ کی طرح بات چیت کی۔ اس کی تصدیق نواب عزیز خاں خانِ اعظم نے کی کہ میری والدہ کہتی تھی کہ سچ ہے۔

نظر دوم میں شیعہ و سنی کے بعد عیسائی اور مسلمانوں کا مباحثہ ہے۔ پھر مسلمان، نصرانی، اور یہودی علماء کا مباحثہ ہے۔ تیسرا مناظرہ ہندو، مسلمان، نصرانی، یہودی اور دینِ الٰہی کے پیروکاروں کا تھا۔ اس مناظروں کی روئداد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جملہ مذاہب ایک ہی بات پر متفق تھے کہ وہ سابقہ شاہی مذہب اہلِ سنت طبقہ کی مذمت کریں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ تاکہ دینِ الٰہی کی ضرورت ثابت ہو۔

اکبری مناظرے

دینِ الٰہی کو فروغ دینے کے لئے اکبر نے بحث و تمحیص کا دروازہ کھول رکھا تھا وہ ہر ایک مذہب کی اختلافی چیزوں کی ماہیت سمجھتا اور مختلف اوقات میں دینِ الٰہی کی محفلوں میں مباحثے کراتا تھا۔ ان مباحثوں میں پادری لوگ زیادہ حصہ لیتے تھے۔

ایک روز ایک عیسائی خلیفۃ الحق (اکبر) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اکبر نے ایک مسلمان عالم کو طلب کیا تاکہ وہ مناظرہ کریں۔ عالم کی تشریف آوری کے بعد نصرانی نے کہا۔ آپ حضرت عیسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسلمان عالم نے کہا ہاں ہم ان کو پیغمبرِ خدا سمجھتے ہیں۔ اور ہمارے رسول نبی آخر الزماں جناب محمد الرسول اللہ نے ان کی تصدیق کی ہے۔ پادری نے اعتراضاً کہا کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے کہ بہت سے لوگ میرے بعد ظاہر ہوں گے اور پیغمبری کا دعویٰ کریں گے۔ تم ان پر ہرگز ایمان نہ لانا (یقین نہ کرنا) کیونکہ وہ جھوٹے ہیں۔ تم مضبوطی سے قائم رہو۔ جب تک میں دوبارہ نہ آجاؤں۔"

انجیل میں تمہارے پیغمبر محمد رسول اللہ کی کوئی خبر نہیں ہے۔ مسلمان عالم نے جواب دیا۔ "توریت و انجیل میں موجود تھی لیکن تم لوگوں نے اس پیشن گوئی کو نکال دیا

پادری نے دوسرا سوال کیا کہ پیغمبر کے لئے معجزہ کا ظہور لازمی ہے۔ محمد نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔" مسلمان عالم نے کہا: "شق القمر جیسے معجزے حضور سے ظاہر ہوئے۔" پادری بولا: "اگر شق القمر واقع ہوا ہوتا تو دنیا دیکھتی۔ ہر بادشاہ ہر قوم، ہر طرف کے انسان دیکھتے اور تصدیق کرتے۔ لیکن مسلمانوں کے علاوہ کوئی اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کرتا۔ چنانچہ جو ہندو پنڈت پارسی، یہودی بیٹھے تھے۔ ان سے پادری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ دنیا دور چہارم ہے۔ آپ نے کسی تاریخ میں شق القمر کا واقعہ پڑھا ہے یا خود دیکھا ہے۔ سب نے کہا۔ نہیں دیکھا۔

ایک دن ایک یہودی اور نصرانی کا مباحثہ ہوا۔ یہودی نے کہا۔ حضرت مریم کی دوشیزگی (معصومیت) ثابت نہیں ہے۔ تمہارے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے قبل (حضرت) مریم نجار کے نکاح میں تھیں۔ اور (حضرت) عیسیٰ کو یوسف نجار کا لڑکا کہتے ہیں۔ پادری نے جواب دیا۔ کہ صحیح کہتے ہو۔ مگر یوسف نجار نے مریم کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ یہودی بگڑ کر بولا۔ کس طرح ثابت ہوا کہ وہ ان سے محفوظ رہیں۔ اس جواب سے پادری خلوتی ہو گیا۔

ایک سمجھدار، ذہین شخص اور چند ہندوؤں کی موجودگی میں مسلمان، نصرانی، یہودی تین عالم و فاضل اکبر نے بلوائے سمجھدار حکیم نے کہا کہ پیغمبروں کی نبوت چند وجوہات کی بناء پر قابلِ ثبوت نہیں ہے۔ اول پیغمبر کو چاہیئے کہ ایسی بات کہے کہ اس کو عقل قبول کرے دوم مہذب اور کم آزار ہو۔

(۱) موسیٰ علیہ السلام نے رجن کو زعم خود فرعون نے پرورش کیا تھا۔ حیلہ مکر و فریب کے ساتھ اس کو نیل میں غرق کیا۔ اس کی توبہ قبول نہ کی۔ حالانکہ یہ کہا جاتا ہے کہ آب نیل نے ان کو راستہ دیا اور اسی طرح زر کی طمع کی وجہ سے قارون

کی توبہ قبول نہیں کی گئی اور اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا۔
(۲) عیسیٰ علیہ السلام جانوروں کا قتل و ذبح کرتے تھے۔
(۳) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) عرصہ تک قریش کے قافلے کا خون بہاتے اور اپنے ہاتھوں سے جانداروں کو قتل کرتے رہے
بیویوں سے افراد کے ساتھ میل رکھتے تھے۔ اور لوگوں کی بیویوں پر قبضہ کرکے ان پر ان کے شوہروں کی طرف سے نگاہ ڈالنا
بھی حرام کر دیتے تھے۔ ایسی صورت میں ان واقعات کے بعد پیغمبر کی کیا شناخت ہو گی۔
تمام لوگوں نے کہا۔ معجزوں سے۔ اس نے کہا۔ پیغمبروں کے معجزے کیسے ہوتے ہیں۔ یہودی نے جواب دیا کہ
عصائے موسیٰ کی طرح پھینک دو تو اژدہا بن جائے۔ اژدہا بننے کا مذاق اڑایا گیا۔ اس کے بعد پادری نے مسیح کی پیدائش
بلا والد کے اعجاز کا تجزیہ ذکر کیا تو حکیم نے بے توجہی سے کہا کہ آپ خود تسلیم کرتے ہیں کہ مریم کی شادی یوسف نجار کے
ساتھ ہوئی تھی۔ اب یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ یوسف کا نطفہ نہ تھا۔ مسلمان عالم نے کہا کہ قرآن میں شق القمر
کے معجزہ کو بیان کیا گیا ہے اور معراج شریف میں جانے کا واقعہ بھی کلام الٰہی میں مذکور ہے۔ حکیم نے کہا۔ قرآن مجید
میں ہے۔

وقالوا لن نؤمن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعاً
او تكون لك جنة من نخيل وعنب فتفجر الانهار
خلالها تفجيراً او تسقط السماء كما زعمت
علينا كسفاً او تأتي بالله والملائكة قبيلاً او يكون
لك بيت من زخرف او ترقى في السماء ولن
نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتاباً نقرؤه
قل سبحان ربي هل كنت الا بشراً رسولاً

اور (کفار) انھوں نے کہا۔ ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے۔ جب تو
زمین سے چشمہ جاری نہ کریگا۔ یا کھجوروں کا باغ ہو۔ تیرے
واسطے اور انگوروں کا۔ پس پھاڑ دے تو نہریں اس کے
درمیان یا ڈال تو آسمان کو جیسا گمان کرتا ہے تو ہم پر پارہ
ٹکڑے ٹکڑے آوے تو اللہ کو اور فرشتوں کو ضامن یا ہو
تیرے واسطے ایک گھر سونے کا یا تو چڑھ جائے نیچے آسمانوں کے اور ہرگز
نہ مانیں گے ہم چڑھائی تیری کو یہاں تک کہ اتار لائے ہمارے لئے
کتاب کہ پڑھیں ہم اس کو کہہ کیا پاک ہے پروردگار میرا نہیں ہوں میں مگر آدمی پیغام پہنچانے والا۔

اسی آیت سے ثابت ہوا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) زمین سے چشمہ جاری نہیں کر سکتے تھے اور نہ آسمان کو پارہ
پارہ ٹکڑے کر سکتے تھے تو کس طرح چاند کے ٹکڑے کئے۔ جب ملائکہ کو ظہور نہیں کر سکتے تھے تو جبریل کا آنا کیسے یقین
کیا جائے کہ وہ ان کی آواز سنتے تھے۔ اسی طرح جب آسمان پر نہیں اڑ سکتے یا جا سکتے تھے تو جبریل معراج کا کیونکر
یقین کیا جائے اور جب نوشتہ (کتاب) لانے سے انکاری ہیں تو قرآن مجید کیونکر نازل ہوا اور کس بنا پر الٰہی کہا
جا سکتا ہے۔
ایک مجوسی گوشہ میں کھڑا تھا۔ اس نے کہا معجزات کا انکار نہ کریئے کہ ہمارے پیغمبر اہرمن سے بھی معجزات کا
ظہور ہوا ہے۔ اس کے بعد برہمن کے چونچلے ہوئے (دبستان المذاہب باب بحث ادیان ۲۵۸ - ۲۵۹)

جہانگیر کے دربار میں نصرانیت کا زور

اکبر کی مہربانیوں اور شاہانہ مراعات کا نتیجہ تھا کہ مغلوں کے دربار میں عیسائیوں و فرنگیوں کی رسائی ہو گئی تھی۔ جہانگیر کے دربار میں تو بہت سے فرنگی جمع ہو گئے تھے اور انگریز کپتان ہاکنس جہانگیر کا بہت ہی منہ چڑھا ہوا تھا۔ وہ ترکی زبان جانتا تھا اور جہانگیر کی آبائی ترکی زبان میں بلا تکلف بولتا تھا۔ وہ سنہ ۱۶۰۸ء میں سورت آیا اور جیمس اول شاہ انگلستان کا خط جہانگیر کے نام لایا تھا۔ جہانگیر ہاکنس کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس کی ہر ایک درخواست منظور کر لیتا۔ اس کے کہنے پر سورت

میں انگریزوں کو تجارت کی کوٹھی بنانے کی اجازت دی اور اس نے وعدہ کیا کہ ان پر کوئی ظلم نہیں کرے گا اور محصول معاف ہونگے۔ بادشاہ نے ہاکنس کو چار سو سواروں کا سردار مقرر کیا۔ اپنے محل میں ایک گوری عورت کو اصطباغ (عیسائی بنا کر) دلا کر ہاکنس سے کہا کہ اس سے نکاح کر لو۔ اس نے انکار کیا اور ایک آرمینی عیسائی عورت سے شادی کر لی اور آگرہ میں رہنے لگا۔ وہ ہمہ وقت انگریز کمپنی کی مقصد براری کے لئے کوشاں رہتا۔ دو برس تک وہ یہاں رہا اور ہر روز بادشاہ کا حاضر باش رہا۔ خلوت میں جہانگیر کے ساتھ شراب پیتا تھا اور فرنگستان اور اپنے بادشاہ کے بارے میں معلومات بہم پہنچاتا تھا۔ اسی ہاکنس نے مقرب خاں کی شکایت کرکے اس کا سارا اسباب قرق کرا دیا اور اس کو ملازمت سے برطرف کرا دیا مگر پھر اسی جگہ پر مامور ہو گیا۔ اس نے طے کیا کہ انگریزوں کی تجارت ہندوستان میں) جمنے نہیں دونگا۔ اس نے پروپیگنڈا کیا۔ امراء کو مخالف بنایا۔ جب سے جہانگیر نے ہندوستان میں انگریزوں کی تجارت کی ممانعت کا فرمان جاری کیا۔ سنہ ۱۶۱۱ء میں ہاکنس مع اپنی بیوی کے آگرہ سے چلا گیا۔ اس کی دو برس کی محنت خاک میں مل گئی۔ ہاکنس نے جہانگیر کے دربار کے حالات و کوائف انگلستان بھیجے۔ جس کو مستشرقین یورپ ایشیائی مورخوں سے زیادہ معتبر سمجھتے ہیں[۱]

گرجوں کے لئے زمینیں دینا

یہی درباری اثر و رسوخ تھے جس کی بناء پر آگرہ اور لاہور میں گرجوں کے لئے جہانگیر نے زمین دی تھی اور فرمان جاری کر رکھے تھے[۲]

سفارت انگلستان

سر طامس رو ممبر پارلیمنٹ شاہ انگلستان کا سفیر بن کر ۱۶۱۵ء مع اپنے ساتھیوں کے جہانگیر کے دربار میں آیا۔ اس کا ایک ساتھی مسٹر میٹری جین پادری بھی آیا۔ ۷ نومبر ۱۶۱۵ء میں اس کی جہانگیر سے پہلی ملاقات ہوئی۔ ہزار کوششوں کے بعد اس کو شہر سورت میں تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت ملی۔ جہانگیر طامس رو کو اپنی خلوت میں بلا لیتا تھا۔ طامس رو کہتا ہے۔

"جب میں جہانگیر سے فریاد کرنے گیا تو وہ حمام میں تھا۔ میں وہاں حاضر ہوا اور اس کے سامنے اپنی عرضداشت پیش کی۔ جہانگیر نے کہا۔ میں تمہارے لئے بھلا کرونگا۔" لیکن میں نے شاہ ہندوستان کی کوئی بات درست نہیں پائی۔ جہانگیر نے بہت شراب پی رکھی تھی۔ وہ کہنے لگا کہ میں عیسائی، مسلمان اور یہودیوں کا محافظ ہوں۔ وہ بہت جذبات میں بھر گیا اور یہود، عیسائیوں اور مسلمانوں کی شریعت کے مسئلہ پر بحث کرنے لگا۔ شراب کے نشہ میں اتنا مہربان ہوا کہ اس نے کہا کہ میں بادشاہ ہوں۔ یہود، نصاریٰ اور مسلمان اپنے تئیں مبارکباد کے مستحق ہیں کہ میں کسی مذہب میں مداخلت نہیں کرتا۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں ان کی حفاظت کرتا ہوں۔ پادری صاحب، خوش آمدید! یہ گھر تمہارا ہے تم اس کی قدر کرو"[۳]

تبلیغ عیسائیت کی عام اجازت

جہانگیر نے مشنری عیسائیوں کو مسیحی مذہب کی تبلیغ کی عام اجازت دیدی تھی۔ چنانچہ اس کے بارے میں طامس رو لکھتا ہے:۔

"جہانگیر بظاہر اکبر سے زیادہ عیسائی مذہب کی طرف مائل تھا۔ اس نے باپ کی طرح پرتگیزیوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے چرچ اور اسکول قائم کریں اور جہاں چاہیں وعظ کہیں اور جو لوگ عیسائی مذہب میں داخل ہونا چاہیں۔ انکو عیسائی بنالیں۔ پادریوں کی باتیں جہانگیر نے یہاں تک سنیں کہ ان کو یقین ہو گیا کہ وہ عیسائی ہو گیا۔ جس حد تک باپ نہ آیا تھا۔ وہ اس سے بہت آگے بڑھ گیا" (۲۵۸)

جہانگیر کے دو بھتیجوں کے عیسائی بننے کا راز

"جہانگیر کے دو بھتیجے دانیال کے بیٹے عیسائی ہو گئے تھے اور آگرہ میں ان کا اصطباغ ہوا۔ ان کی سواری اس طرح گرجا

۱ؔ سفرنامہ ہاکنس بحوالہ تاریخ ہند ص ۲۵۴

۲ؔ تاریخ ہند ذکاء اللہ جلد پنجم۔ ۲۵۰

۳ؔ تاریخ جہجر ص ۶۵

میں لگی کہ وہ ہاتھی پر بیٹھے اور تمام عیسائی جو سانڈ سواروں کے قریب تھے اس کے ساتھ گئے۔ ہاکنس ان کا کپتان بنا اور سینٹ جارج کا علم اس کے ہاتھ میں تھا۔ وہ انگلستان کی عزت بڑھانے کے لئے سب سے آگے تھا۔ جہانگیر اس وجہ سے عیسائی مذہب پر التفات کرتا تھا کہ یہ مذہب اس کو نہ روزہ رکھنے پر مجبور کرتا تھا اور نہ سور کے گوشت کھانے اور شراب پینے سے روکتا تھا جہانگیر کے بھتیوں کا علی الاعلان اصطباغ پانا ایک معمہ بنا ہوا ہے۔ ہر شخص جانتا تھا کہ اس میں کوئی بھید ہے۔ چنانچہ یہ بھید ظاہر ہو گیا کہ شہزادوں نے پادریوں سے کہا کہ ہمارے لئے پرتگیزی عورتیں نکاح کے لئے تلاش کرو۔ وہ عیسائیوں کی طرح ان کو بیاہتے اور ان کے ساتھ عیسائیوں کی طرح رکھنا چاہتے تھے۔ پادری اس بات کے لئے تیار نہیں ہوئے تو شاہزادے مسلمان ہو گئے۔ شاہزادوں سے یہ بات جہانگیر نے کہلوائی تھی۔ اگر پرتگیزی عورتیں ان کو مل جاتیں تو جہانگیر ان کو اپنی حرم بناتا۔

عیسائیوں کو نجس جاننا

طامس رو کا ساتھی پادری ٹیری جین بھی تھا۔ اس نے یہاں کے حالات سے جو اثر لیا اور پرتگیزی عیسائیوں سے جو نفرت کا جذبہ دیکھا۔ اس کے بارے میں تحریر کیا۔

"مسلمانوں میں سوائے کمینوں کے کوئی ایسا نہیں ہے کہ جو ہمارے شفیع عیسیٰ مسیح کا نام ادب و تعظیم سے نہ لیتا ہو اس کو وہ نیک کہتے ہیں کہ ان جیسے معجزے نہ اس سے پہلے کسی پیغمبر نے نہ اس کے بعد دکھائے۔ اس کو روح اللہ کہتے ہیں۔ مگر ان کو ابن اللہ کہنے کی وجہ نہیں معلوم۔ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ باوجود اس کے اکثر مسلمان عیسائیوں کو نجس جانتے ہیں۔ نہ وہ ہمارے ساتھ کھاتے ہیں اور نہ ان برتنوں میں کھاتے ہیں جن میں ہم کھاتے ہیں۔" (۲۵۹)

طامس رو اس کی تائید میں ایک واقعہ لکھتا ہے:-

"جمال الدین حسینی نے میری جو دعوت کی وہ صبح کے وقت خشک چیزوں پر مشتمل تھی۔ اس میں وہ میرے ساتھ کھانے میں شریک تھا۔ لیکن جب رات کو کھانے کی دعوت ہوئی تو میں علاحدہ بیٹھا۔ چند روز بعد جمال الدین حسینی کی میں نے دعوت کی۔ اس کو کھانا کھلایا۔ جو مسلمانوں کے ہاتھ کا پکا ہوا تھا۔ اس نے اس کھانے کو ہاتھ نہیں لگایا۔ جو انگریزی طرز کا بنا ہوا تھا۔"

پادریوں کو جہانگیر سے اُمیدیں

جس طرح طامس رو نے جہانگیر کی مسیحیت پرستی کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے اسی قسم کی باتیں پادریوں نے ڈاکٹر برنیر کو بتائیں۔ طامس رو کو تو شک تھا لیکن برنیر سے بیان کرنے والے پادریوں کو تو یہاں تک یقین تھا کہ جہانگیر نے انتقال کے وقت عیسائی ہو کر مرنا چاہا تھا اور ہم (پادریوں) کو بلانے کا حکم دیا تھا۔ لیکن لوگوں نے یہ پیغام ہم تک پہنچانے نہیں دیا۔ چنانچہ برنیر نے اس واقعہ کا ذکر اپنے سفرنامہ میں کیا ہے۔

ان لوگوں (پادریوں) کو یہ اُمید تھی کہ ہمارا مذہب کچھ نہ کچھ پھیل جائیگا۔ کیونکہ جہانگیر درحقیقت قرآن کے مسائل کو نہایت ناپسند کرتا تھا اور ہمارے مذہب کے مسئلے اس کو ایسے پسند آئے تھے کہ ان پر تعجب ظاہر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے بھتیجوں اور مرزا ذوالقرنین کو جس کا ختنہ بھی ہو چکا تھا اور شاہی محل سرائے میں پرورش پائی تھی عیسائی ہونے کی اجازت دیدی تھی اور بہانہ یہ کیا تھا کہ اس کے ماں باپ عیسائی تھے کیونکہ اس کی ماں جو ایک دولتمند ارمنی کی بیوی تھی۔ جہانگیر کی خواہش کے موافق محل میں داخل ہو گئی تھی اور یہ لوگ (پادری) یہاں تک کہتے ہیں کہ جہانگیر کا عیسائی بننے کا ارادہ اس درجہ پر پہنچ گیا تھا کہ اس نے تمام دربار کو فرنگستانی لباس پہنانے کا دلیرانہ ارادہ کر لیا تھا اور ایک دن خلوت میں یہ لباس پہن کر اپنے ایک بڑے امیر کو بلایا اور اس سلسلے میں اس کی رائے طلب کی۔ اس نے ایسا اندیشناک جواب دیا کہ جہانگیر نے ڈر کر یہ ارادہ چھوڑ دیا اور اس تمام قصہ کو ہنسی کے پیرایہ پر اڑا گیا۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ انتقال کے وقت عیسائی ہو کر مرجانا چاہتا تھا اور اس لیے اس نے ہم کو بلانے کا حکم دیا تھا۔ مگر لوگوں نے یہ پیغام ہم تک نہیں پہنچایا۔ لیکن اور لوگ اس امر سے بالکل انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جیسا کہ وہ زندگی میں کسی خاص مذہب کا پابند نہ تھا۔ ویسا ہی آخری وقت بھی تھا اور باپ کی طرح اس کا

بھی ارادہ تھا کہ اپنے آپ کو پیغمبر بنا کر ایک نیا مذہب جاری کرے۔ میں نے ایک مسلمان شخص کی زبانی جس کا باپ جہانگیر کا ملازم اور اس کے امور خانگی سے تعلق رکھتا تھا سُنا ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ نے شراب کی ترنگ میں کئی بڑے بڑے ملاؤں اور ایک پادری متوطن فلارنس (اٹلی کے شہر کا رہنے والا تھا) کو جس کی تندخوئی کی وجہ سے جہانگیر نے اس کا نام "پادری آتش" رکھ چھوڑا تھا بلوایا تھا اور جب اس نے آکر بادشاہ کے حکم کے موافق بڑے زور سے دینِ اسلام کی بطلان اور اپنے مذہب کی تائید میں گفتگو کی تو بادشاہ نے کہا کہ :-

"مسلمان عالموں اور جیسوئیٹ پادریوں میں جو نزاع ہے اس کے تصفیہ کے لئے یہ عمدہ موقع ہے اور حکم دیا کہ ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں آگ جلائی جائے اور پادری انجیل اور مُلا اپنا قرآن لے کر اس میں کود پڑیں۔ دونوں میں سے جو بچ جائیگا میں اس کا مذہب قبول کر لوں گا۔ چنانچہ پادری آتش نے اس امتحان کو قبول کر لیا۔ لیکن ملا لوگ ڈر گئے اور بادشاہ دونوں پر رحم کر کے اس آزمائش سے باز رہا۔"

یہ واقعات بالکل غلط ہیں۔ انگریز مورخوں نے مسلمان بادشاہوں کو بدنام کرنے کے لئے اس قسم کے واقعات تاریخ میں داخل کئے۔ جہانگیر کے بھتیجوں کے عیسائی مذہب اختیار کرنے اور چھوڑنے کی وجہ یہ بتانا کہ وہ پرتگیزی عورتوں سے شادی کرنا چاہتے تھے اور یہ کہنا کہ "پرتگیزی عورتوں سے شادی بھی ایک فریب تھا۔ جو جہانگیر کے مشورہ سے دیا گیا اور یہ اس لئے دیا گیا تھا کہ جہانگیر ان عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کرے۔" انتہائی بہتان تراشی ہے۔

خسرو عیسائی سلطنت کا مامن ہے

طامس رو خسرو سے بہت پُر امید تھا اس کو پورا یقین تھا کہ خسرو عیسائیوں کا بڑا حامی ہے۔ اس لئے اس نے ایک ہی بیوی کی تھی۔ لیکن خرم کو عیسائیوں کا مخالف سمجھتا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے حالات سے واقف ہونا چاہتی تھی۔ اس لئے کہ اس کو یہاں پر بڑے پیمانہ پر تجارت کرنی تھی۔ اس بنا پر طامس رو نے ان حالات کی اطلاع ایسٹ انڈیا کمپنی کو دی اور لکھا۔

"ایک وقت آنے والا ہے جب تمام ہندوستان میں کھلبلی مچ جائے گی۔ اگر خسرو کامیاب ہوا تو انگریزوں کو فائدہ ہوگا اور عیسائی سلطنت کے واسطے ایک مامن ہوگا۔ وہ عیسائیوں سے محبت رکھتا ہے۔ انکی عزت کرتا ہے۔ اگر خرم فتحیاب ہوگیا تو انگریزوں کو بعید نقصان ہوگا۔ وہ عیسائیوں سے نفرت کرتا ہے۔ وہ بڑا متکبر، ظالم، جھوٹا اور ریاکار ہے۔"

جہانگیر منوچی کی نظر میں

منوچی جہانگیر کو مسیحیت کا دلدادہ سمجھتا تھا۔ اس نے ان کے متعلق عجیب وغریب خیالات کا اظہار کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی مہمل باتیں مشنریوں نے بتائیں وہ لکھتا ہے :-

(۱) جہانگیر جس قدر موسیقی، رقص کا شوقین تھا۔ اسی قدر وہ مذہبِ اسلام کا مخالف تھا۔ اس لئے عمداً ایسے کام کرتا تھا۔ جو مذہبِ اسلام میں کسی طرح جائز نہیں تھے۔ مثلاً روزہ نہ رکھنا، شراب پینا، سور کا گوشت کھانا وغیرہ۔ ان افعال سے وہ مسلمانوں کی تحقیر کرنا چاہتا تھا۔

(۲) ایک مرتبہ اس نے عیسائی پادریوں سے دریافت کیا کہ سور کے گوشت کا کیا مزہ ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس کا خاص مزا اور خوشبو ہوتی ہے جو اور کسی گوشت میں نہیں ہوتی۔ جہانگیر ان پادریوں کے مکان پر گیا اور وہاں خوب شراب پی اور سور کا گوشت کھا کر نہایت پسند کیا۔ اس کے بعد اس نے عام طور سے بلا اخفا ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا۔ مولویوں نے کئی مرتبہ اس کو آگاہ کیا کہ شراب اور سور کا گوشت کسی طرح بھی جائز نہیں اور صریح طور سے قرآن میں اس کی ممانعت ہے۔ مولویوں کا باربار سمجھانا اس کو ناگوار گزرا۔ ایک روز تمام مولویوں کو جمع کیا اور دریافت کیا کہ کس مذہب میں شراب

چینی اور سور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ سوائے عیسائیوں کے تمام مذاہب ان کے استعمال کی ممانعت کرتے ہیں۔ یہ سن کر سب کے سامنے جہانگیر نے اپنے عیسائی ہونے کا ارادہ ظاہر کیا اور حکم دیا کہ درزیوں کو بلا کر اس کا لباس یورپین وضع کا تیار کرایا جائے۔ اور انگریزی ٹوپی تلاش کی جائے۔ مولوی حضرات اس امر سے حیرت زدہ رہ گئے اور آپس میں مشورہ کر کے قرار پایا کہ خاموشی اختیار کر کے بادشاہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ مجھ سے ایسے شخصوں نے یہ حکایات بیان کی جو خود اس جگہ پر موجود تھے۔ ان مولویوں کو آسانی سے مرعوب کر کے ہر موقع پر عمداً ایسی حرکات کرتا جو ان کے خلاف ہوتیں۔ چنانچہ اس نے خالص سونے کے سوّر بنا کر اپنی خوابگاہ میں رکھے تھے۔ جب خواب سے بیدار ہوتا تو ان کو دیکھ کر کہا کرتا کہ ان سوروں کی تصاویر کو دیکھنا کسی مسلمان کی صورت دیکھنے سے بہتر ہے۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد اس کے فرزند شاہجہاں نے ان تصاویر کو قلعہ لاہور میں شاہی تخت گاہ کے سامنے دفن کرا دیا۔ ایک بات جو اس نے مسلمانوں کی دلشکنی کے لئے اختیار کی وہ روزہ سے انکار کرتا تھا۔ جیسا کہ سال بھر میں ایک ماہ مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں مسلمان دن میں کھاتے پیتے نہیں بلکہ تمام دن انکا سونے میں گزرتا ہے اور رات کھانے پینے اور دیگر تفریح کے کاموں میں بسر ہوتی ہے۔ جہانگیر بالکل اس کے برعکس کرتا اور اس مہینہ میں کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ دوپہر کو وہ دربار عام نہ کرتا ہو اور کم و بیش دو گھنٹہ تک لوگ رخصت نہ ہوتے ہوں۔ جہانگیر خود بھی سب کے سامنے کھاتا پیتا اور کھانے کی چیزیں ان کو دیتا تھا۔ جنکی صورت سے روزہ دار ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے اس کا یہ مطلب ہوتا کہ انکا روزہ ٹوٹ جائے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کھانے سے انکار کرے، کیونکہ ممکن تھا کہ بادشاہ ناراض ہو کر اپنے شیروں کے آگے ڈلوا دے۔

(سفرنامہ منوچی۔ ص ۱۳۸-۱۳۹)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہانگیر عیسائی ہونا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کو ذلیل کرتا۔ کئی مرتبہ اس نے مولویوں کو پادریوں کے ساتھ اپنی موجودگی میں مناظرہ کا حکم دیا اور ہمیشہ پادری غالب رہے۔ ایک دفعہ مولویوں نے جواب سے تنگ آ کر کہا کہ ہم کیا جواب دیں جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہمارے جو اعتراضات نہایت قوی ہیں اور انجیل میں تحریف کی گئی ہے۔ مولویوں کے علاوہ یہ بات قاضی نے بھی کہی تھی۔ پادری نے بادشاہ سے کہا میں تمام دربار میں یہ بات ثابت کرنے کیلئے تیار ہوں کہ اس انجیل میں جو میرے ہاتھ میں ہے تحریف نہیں کی گئی اور یہ اصلی خدا کا کلام ہے اور یہ اسی طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ گھاس کا ایک انبار لگایا جائے اور اس پر میں انجیل اور قاضی قرآن کے ساتھ بیٹھیں پھر گھاس کے انبار میں آگ لگا دیجئے۔ اس کے بعد حضور اور تمام درباریوں کو معلوم ہو جائیگا کہ کون مذہب حق پر ہے۔ اس گفتگو سے قاضی خوفزدہ ہوا کیونکہ اس کو علم تھا کہ جہانگیر کا مزاج ایسا ہے کہ وہ اس کا تجربہ کرنے کا حکم دے اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور اتنی دہشت طاری ہوئی کہ اس کا پاخانہ نکل گیا اور تمام دربار میں بدبو پھیل گئی۔ جب یہ بدبو بادشاہ تک پہنچی تو مثل درباریوں کے اس نے بھی ناک بند کر کے کہا کہ پادری اپنے مذہب کی حقیقت ثابت کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ مگر خوف کی وجہ سے قاضی سے غلطی سرزد ہو گئی۔ اس کے بعد پادری سے کہا کہ آج ت نام پادری آتش رکھا گیا۔ مذکورہ پادری کا نام جوزف تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد وہ پادری آتش کہا جاتا تھا۔

منجملہ اور عمدہ کاموں کے جہانگیر کے ایک یہ بھی تھا کہ عیسائی پادریوں کے ساتھ خاص مہربانی سے پیش آتا تھا۔ لاہ میں اس نے پادریوں کو ایک مکان اور ایک گرجا دیا۔ اس بادشاہ کی سلطنت میں یورپ کے باشندوں کو بالک مذہبی آزادی تھی۔ یہ عیسائی پادری بادشاہ کے لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔ جہانگیر کے ایک لڑکے نے جو بعد میں بادشا

پادریوں کے رنج پہنچنے کی وجہ سے اس گرجے کو جلوا دیا تھا۔ اس کا گھنٹہ آگرہ بھیج دیا۔ جہانگیر بارے میں منوچی کی یہ کہانیاں من گھڑت ہیں۔

شاہجہاں کے دور میں پرتگیزی عیسائیوں کے مظالم

بنگالہ میں پرتگیزی عیسائیوں کے جہاز کی آمد ۱۵۱۷ء میں شروع ہوئی[1]۔ بنگالیوں کے عہد میں فرنگی سوداگروں کا ایک گروہ جو سراندیپ کے رہنے والے تھے اور چاٹگام میں آمدورفت رکھتے تھے۔ چٹگاؤں سے بڑھ کر کھاڑی کے کنارے خرید و فروخت کے نام پر چند گھر بنائے۔ وہ جگہ ہے جہاں شہر ہوگلی آباد ہوا۔ حاکم چٹگام (بنگال) کی غفلت و لاپرواہی سے یہ نئی آبادی فرنگیوں کی بن گئی۔ ان لوگوں نے اپنا قدم اور اس طرح مضبوط کیا کہ ایکطرف دریا تو تھا ہی۔ باقی تینوں طرف گہری خندق کھدوا کر پانی سے بھر کر جزیرہ کی شکل بنالی اور اس کے اندر مضبوط اور عالیشان عمارتیں بنا کر توپ، بندوق اور سامان جنگ سے خوب مستحکم کرلیا کہ یہ آبادی ایسی بڑھی کہ بندرگاہ چاٹگام کا بازار سرد پڑ گیا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں نے ہوگلی کی کھاڑی کے دونوں طرف جو پرگنے تھے۔ تھوڑے تھوڑے معاوضہ پر وہ بھی اجارے کے لے۔ اور وہاں کی رعایا کو زبردستی اور طمع دونوں طریقے سے کرسچین عیسائی بنا کر فرنگستان بھیجنا شروع کیا۔ اگر رعیت کے کم ہوجانے سے اجارہ کا روپیہ گرہ سے بھرنا پڑتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ اس فعل کو ثواب سمجھکر اس نقصان کو سوداگری کے نفع سے پورا کرلیتے۔ ان کی یہ کارروائی صرف دیہات تک محدود نہیں تھی بلکہ دریا کے کنارے کا جو آدمی ملتا اس کو پکڑ کر عمل مقررہ کرتے تھے[2]۔ مرنے والوں کا مال ضبط کرنا۔ متوفی کے نابالغ ہندو مسلمان بچوں کو عیسائی بنا کر غلام بنانا، ناواقفیت اور غلطی سے داخل ہونے پر ہندو فقیر کو تکلیف دیکر مار ڈالنا اور مسلمان فقیروں کو قبر میں رکھنا اپنا شیوہ بنا رکھا تھا[3]۔

پرتگیزیوں کو مظالم کا جواب

پورا پورا سلوک۔۔ شاہجہاں ایام شاہزادگی میں دریائے بنگالہ پر دیکھ گیا تھا۔ تخت پر بیٹھتے ہی عمال و حکام اور کاموں پر قابو پاتے ہی قاسم خاں کو بنگالے کا صوبے دار مقرر کیا اور پرتگیزی قوم کے استیصال کا حکم دیا اور اس "عقدہ دشوار کشا" کے کھولنے کیلئے خشکی اور تری دونوں طرف سے حملہ کرنے کی تدبیریں بتائیں۔ صوبیدار نے شعبان سنہ ۱۰۴۱ھ کو سردار اللہ یار خاں کو مع عنایت اللہ اپنے بیٹے اور کئی سرداروں کے بردوان بھیجا اور ہدایت کی کہ بجائے ہوگلی کے یہ مشہور کریں کہ بردوان کی طرف مقام ہیجلی کے خاتمے کے لئے یہ فوج آئی ہے۔ سردار بہادر کو مخصوص آباد (مرشد آباد) کے عمال خاص کے بندوبست کے بہانے بھیجا اور سمجھا دیا کہ ضرورت کے وقت اللہ یار خاں کے پاس پہنچ جانا۔ یہ احتیاطی تدابیر اس لئے تھیں کہ پرتگیزی اپنے مال و عیال کے ساتھ کشتیوں پر نہ بھیج سکیں۔ ان کے علاوہ یہ تدبیر کی گئی کہ چند سرداروں نے سری پور بندر سے نواڑہ میں بیٹھ کر اول کھاڑی کے دہانے کو جا کر روک لیا۔ اس کے بعد اللہ یار خاں نے بردوان سے دفعتاً کوچ کر کے چٹگاؤں اور ہوگلی کے درمیان آ ڈیرہ جمایا اور بہادر نے پانچ سو سواروں اور پیادوں کی مدد سے مخصوص آباد سے آکر ہوگلی کی کھاڑی میں تنگ جگہ کشتیوں سے پل باندھ کر ان کے سمندر میں بھاگ نکلنے کا راستہ روک دیا۔ چاروں طرف سے گھیر کر سرنگیں کھدوائیں۔ اول توپ اور بندوق سے لڑائی شروع کی۔ آخرکار سرنگ میں آگ لگا دی۔ مکان فرنگی دھوئیں کی طرح اڑ گئے اور جو کشتیوں سے بھاگے وہ پانی میں ڈوبے۔ جو کشتیوں پر بیٹھے وہ تلوار کی نذر ہوئے۔ دو ہزار مرد اور عورتوں پر مشتمل جہاز جس میں بارود کا ذخیرہ تھا وہ خود پرتگیزی عیسائیوں نے جلا دیا۔ غرض عیسائی دس ہزار کے قریب بادلوں میں

---

[1] تاریخ ڈاکٹر جیمس وائز، [2] بادشاہ نامہ، حمید لاہوری، [3] تاریخ خفی خان، تاریخ ہندوستان ذکاء اللہ جلد ہفتم ص ۱۴۳

اڑے، پانی میں ڈوبے۔ آگ سے جلے۔ باقی نصرانی مرد و عورت چار ہزار چار سو قید ہوئے اور جو رعایا کی خلقت عیسائیوں کی قید میں تھی ان کو رہائی ملی۔ ۱۰ محرم سنہ ۱۰۴۲ھ کو قاسم خاں نے یہ قیدی ان بتوں سمیت جو رومن کیتھولک عیسائیوں کے گرجوں میں ہوتے ہیں۔ بادشاہ کی نذر گزارے۔ جو مورتیں بعض پیغمبروں کی تھیں ان کو تو دریائے جمنا میں ڈبو دیا۔ الا باقی کو توڑ ڈالا [1]

ڈاکٹر برنیر کی مرثیہ خوانی

اس کے بعد آپ ڈاکٹر برنیر کی مرثیہ خوانی بھی سن لیجئے اور الزامات کی فہرست بھی دیکھ لیجئے:-

"یہ لوگ ہوگلی پرتگیزی ہوگلی میں جہانگیر کی مہربانی سے آباد ہوئے تھے۔ جو عیسائیوں سے بالکل تعصب نہیں کرتا تھا اور انکو تجارت سے فوائد کثیر حاصل کرنے کی امید رکھتا تھا۔ علاوہ ازیں ان لوگوں نے اس سے یہ عہد بھی کیا تھا کہ ہم خلیج بنگال کو بحری قزاقوں سے محفوظ رکھیں گے۔ مگر شاہجہاں چونکہ مذہب اسلام کا زیادہ پابند تھا۔ ان کو اس سبب سے سخت سزا دی کہ وہ نہ صرف اراکان کے قزاقوں کو جرات دلاتے تھے۔ بلکہ خود بھی بہت سے غلام جو بادشاہی رعیت تھے اپنے پاس رکھ کر ان کے آزاد کرنے سے انکار کرتے تھے۔ پہلے اس نے بہلا پھسلا کر ان سے بہت سا روپیہ لیا۔ اور آخر ان کو شاہی احکام بھیجے انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا۔ آخر کار محاصرہ کرکے شہر پر قبضہ کر لیا گیا اور عموماً سب کو غلام بنا کر آگرہ بھیج دیا۔ زمانہ قریب میں ان لوگوں کی مصیبت کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بلکہ وہ اس گروہ بنی اسرائیل کی مصیبت سے بہت کچھ مشابہ تھی جو بیت المقدس سے قید کرکے تمام بابل بھیج دیے گئے تھے۔ کیونکہ شاہجہاں کے حکم کی تعمیل سے نہ کوئی بچہ مستثنیٰ رہا، نہ کوئی واعظ اور نہ کوئی درویش۔ چنانچہ حسین اور خوبصورت عورتیں تو کیا بیاہی کیا کنواری لونڈیاں بنا کر محل سرائے شاہی میں بھیج دی گئیں اور جو زیادہ عمر کی تھیں یا ان کی شکل اچھی نہیں تھی۔ امیروں کو تقسیم کی گئیں اور کم عمر لڑکے مختون ہو کر غلام بنائے گئے اور جو جوان تھے وہ بڑے بڑے وعدوں کی امید پر یا ہاتھی کے پاؤں سے کچلوائے جانے کے ڈر سے مسلمان ہو گئے۔ البتہ چند درویش اپنے مذہب پر قائم رہے اور فرقہ جیسوئیٹ

آگرہ اور لاہور کے گرجوں کی مسماری

کے عیسائیوں اور پادریوں کی مہربانی سے جنہوں نے اس آفت کے زمانہ میں بھی گوا کا رستہ ترک نہ کیا اور بہت سا روپیہ خرچ کرکے اور دوستوں سے سعی و سفارش کرا کے اپنے فیاضا[نہ] ارادہ میں کامیاب ہوئے۔ گوا اور مقامات مقبوضہ اہل پرتگال بھیجے گئے۔ مگر ہوگلی کے حادثہ سے پہلے یہ پادری بھی شاہجہاں کے عتاب سے بچ نہ سکے تھے۔ چنانچہ اس نے آگرہ کا عالی شان اور خوبصورت گرجا جو جہانگیر کے عہد میں مع ایک اور گرجا کے جو لاہور میں بنایا گیا تھا۔ مسمار کرا دیا تھا۔ اس گرجا کے مینار پر ایک گھنٹہ لگا ہوا تھا جس کی آواز تمام شہر میں سنائی دیتی تھی [1]۔ اس کے بعد ایک چھوٹا سا گرجا بغیر گھنٹے اور مینار کے تعمیر کرنے کی اجازت دے دی تھی۔

شاہجہاں کے دربار میں مناظرہ

پادری ڈوم مینتھیوں سلطنت مغلیہ میں تبلیغ کا کام شروع کر[نا] چاہتا تھا، بادشاہ سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حا[ضر] دربار ہو کر عرض کیا کہ دور دراز فاصلے سے وہ اس لئے حاضر ہوا ہے۔ شاہجہاں نے اس کی صورت سے معلوم کر لیا کہ دا[عی] ہے۔ بادشاہ نے تمام مسلمان عالموں کو جمع کیا اور پادری سے ان کے ساتھ مذہبی گفتگو کرنے کے لئے کہا۔ اس پر ڈوم مینتھیو[ں] نے یہ تقریر کی کہ ایک غیر ملک میں مسافر کو دو آدمی ملے۔ جن میں سے ایک سو رہا تھا اور دوسرا بیدار تھا۔ میں حضور سے در[یافت]

[1] سفرنامہ ڈاکٹر برنیر جلد اول ص ۳۰۰ تا ۳۰۴۔

کرتا ہوں کہ یہ مسافر کس سے راستہ دریافت کرے۔ پادری نے یہ سوال کرنے میں یہ امر ملحوظ رکھا تھا کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ مسیح زندہ ہیں یعنی جاگ رہے ہیں اور جناب محمد مصطفیٰ صلعم قیامت تک آرام فرمائیں گے۔ شاہجہاں نے تمام علماء سے جواب طلب کیا۔ سب خاموش رہے۔ سعد اللہ خاں بھی مردِ فاضل وہاں موجود تھے۔ اس نے علماء کا سکوت دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ پادری غالب آکر مذہب عیسوی کی کہیں تبلیغ شروع نہ کردے اور اسلام کی بے عزتی کا باعث نہ بنے۔ اس نے بادشاہ سے جواب دینے کی اجازت لی اور کہا کہ اس مسافر کو انتظار کرنا چاہیئے کہ جو شخص سو رہا ہے وہ بیدار ہو جائے۔ دوسرا ہو تو اس سے راستہ دریافت کرے۔

اس جواب سے سعد اللہ خاں کا یہ مطلب تھا کہ مسیح کو خود راستہ معلوم نہیں کہ وہ آنحضرت کی بیداری کا منتظر ہے۔ سعد اللہ خاں کا عالموں نے شکریہ ادا کیا (سفرنامہ منوچی) ص۱۹۵)

ان بیانات کی روشنی میں پرتگیزیوں کے مظالم سے اور ڈاکٹر برنیر کی بیان کردہ پرتگیزیوں کی معصومیت کا آسانی سے تقابل کیا جاسکتا ہے۔

غلط افواہوں سے تبلیغ کرنا

یہ پادری ان زیادتیوں کے بعد ہندوستانیوں کو اپنے مذہب اور دھرم سے برگشتہ کرنے اور عیسائیت کے جال میں پھنسانے اور اپنے تمدن و معاشرت کی فوقیت جتانے کے لئے بے بنیاد پروپیگنڈہ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ علی الاعلان شرمناک قسم کی افواہیں پھیلاتے تھے۔ چنانچہ آپ نے جہانگیر سے متعلق "توقعاتِ جلیلہ" تو سن ہی لئے۔ اب ڈاکٹر ویلر (جو خود پادریوں کے کہنے پر عجیب و غریب قسم کی بے بنیاد باتیں اڑانے کا عادی ہے) وہ شاہجہاں کے بیٹوں کے بارے میں لکھتا ہے:

"شاہجہاں کو اسلام کی طرف رغبت اپنی بیوی ممتاز محل کی وجہ سے تھی۔ وہ پرتگیزیوں سے سخت نفرت کرتی تھی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جہانگیر کی سلطنت میں اس کی دو بیٹیوں کو عیسائی پادریوں نے عیسائی بنالیا تھا۔ یہ جوان لڑکیاں اس لئے عیسائی مذہب کی طرف راغب ہو گئی تھیں کہ خاوند کے لئے دوسری بیویاں کرنا ممنوع تھا اور حرم کی قید و بند کی بندشوں سے رہائی ملتی تھی[1]"

اس واقعہ میں ذرہ برابر صداقت نہیں ہے۔ شاہجہاں کے چھ لڑکیاں ہوئی تھیں۔ جن میں چار حور النسا بیگم (۳ سال ایک ماہ) ثریا بیگم (سات سال کی عمر میں) اور گوہر آرا بیگم (حسن آرا بیگم زمانہ طفولیت ہی میں فوت ہو گئی تھیں۔ دو لڑکیاں بادشاہ بیگم، روشن آرا بیگم زندہ رہیں۔ بادشاہ بیگم آخر عمر میں باپ کی چہیتی اور ہمنوا ہونے کی وجہ سے باپ کے ساتھ قید میں رہیں اور یہی حالت روشن آرا بیگم کی تھی وہ کبھی حرم سے باہر نہیں نکلیں اور عمر بھر اورنگ زیب کے ساتھ حکومت کے کاموں میں ہاتھ بٹاتی رہیں۔

عیسائی پرتگیزیوں کی بحری قزاقی

عالمگیر کے زمانہ میں یسوع مسیح کے نام لیوا نصرانی تبلیغ و مشنری کے نام پر کیسے مکروہ اور افعالِ قبیحہ کے مرتکب ہو رہے تھے، اور نصرانی اخلاق کا اظہار فرما رہے تھے۔ اس کو تفصیل کے ساتھ عیسائیت کے شیدائی اور مبلغین کے مداح ڈاکٹر برنیر کی زبان سے سنیئے:-

"ارکان میں برسوں سے بہت سے نو آباد پرتگیز اور عیسائی غلام اور دوغلے پرتگیز اور اہل فرنگ جو ادھر ادھر کے ملکوں سے آکر جمع ہو گئے تھے رہتے تھے۔ یہ ریاست ان بدچلن لوگوں کے لئے جائے پناہ بنی ہوئی تھی۔ جو گوا، سیلان،

---

[1] تاریخ ہند - ذکاء اللہ جلد ۷ - ص ۵۴۷ -

کوچین، ملاکا اور ہندوستان کے اور مقامات سے جو اس سے قبل پرتگیزیوں کے قبضے میں تھے۔ یہاں چلے آئے تھے اور جو بدمعاش فقیر اپنی خانقاہوں کو چھوڑ آتے تھے۔ یا جو بداطوار لوگ دو دو تین تین عورتوں سے شادی کرکے یا کسی اور بڑے گناہ کے مرتکب ہو کر بھاگ آتے تھے۔ یہاں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوتی تھی۔ یہ صرف نام کے عیسائی تھے اور اراکان میں ان کا طرز معاشرت نہایت قابل نفرت تھا۔ چنانچہ بے دھڑک ان کو زہر دیدیتے یا قتل کر دیتے تھے اور بعض اوقات اپنے پادریوں کو بھی جو سچ پوچھو تو وہ بھی ان سے کچھ کم نہ تھے مار ڈالتے تھے اور ارکان کے راجہ نے جو ہمیشہ سلاطین مغلیہ سے خوف زدہ رہتا تھا اپنے ملک کی سرحد پر ان کے وجود کو بمنزلہ ایک کارآمد جنگی چوکی کے سمجھ کر چاٹگام کی بندرگاہ اور بہت سی زمینیں آبادی کے لئے ان کو دے رکھی تھیں۔ ان بدمعاش اور بے لگام لوگوں کا پیشہ لوٹ کھسوٹ اور سمندری غارتگری کے سوا کچھ نہ تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں چڑھکر ادھر ادھر سمندر میں گشت لگاتے اور گنگا کی بے شمار شاخوں اور کھاڑیوں میں جا گھستے اور بنگال کے حصہ پائین کے جزیروں کو تباہ و برباد کرتے اور ملک کے اندر ڈیڑھ سو میل تک چلے آتے تھے اور جہاں کہیں بازار لگا ہوا پاتے یا کوئی شادی بیاہ یا کوئی اور تقریب ہوتی۔ وہاں لوٹ مار کرتے اور تمام لوگوں کو پکڑ کر لے جاتے تھے۔ یہی لوٹ مار کی وجہ ہے کہ گنگا کا دہانہ ویران و سنسان پڑا ہے اور سوائے شیروں اور جنگلی جانوروں کے اب وہاں کوئی نہیں رہتا۔“

ہندوستانیوں کی فروختگی

ان قیدیوں کے ساتھ وہ بڑی بے رحمی اور بدسلوکی سے پیش آتے تھے ان کو یہاں تک جرات ہو گئی تھی کہ بڈھے آدمیوں کو بے کار جان کر انھیں اور مقامات پر فروخت کرنے کے لئے لے جاتے جہاں سے ان کو پکڑ کر لاتے تھے۔ اکثر دیکھا جاتا تھا کہ وہ لوگ جو کل اتفاقاً ان کے ہاتھ سے بچ گئے تھے۔ آج اپنے بڈھے باپ کو ان کے پنجے سے چھڑاتے تھے۔ ان قیدیوں کو قزاقی سکھاتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ خود قتل و غارتگری کے شائق بن جاتے تھے۔ یا انکو گوآ کیلان سین طامس کے پرتگیزیوں کے ہاتھ بیچ ڈالتے تھے۔ بلکہ خاص بنگالہ میں ہوگلی کے رہنے والے بھی ان کے خریدنے میں کچھ تامل نہیں کرتے تھے۔ یہ ہولناک تجارت گالیس تک ہوتی تھی۔ جو راس ڈاس پال ماس (جو افریقہ کے مغربی ساحل کے نزدیک واقع ہے) کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ یہ لوگ غلاموں سے بھری کشتیاں ارزاں قیمت پر خرید لیتے تھے۔ نہایت افسوس ہے۔ فرنگستان کی اور قوموں نے بھی چاٹگام کے ان قزاقوں کے ساتھ (جو یہ شیخی مارتے ہیں کہ ہم ایک سال کے اندر اس قدر ہندوستانیوں کو عیسائی بنا لیتے ہیں۔ جو پادری لوگ ہندوستانیوں میں دس برس میں بھی نہیں بنا سکتے تھے) اس مذموم تجارت کو جاری رکھا۔ سبحان اللہ! مذہب عیسائی کے پاک اوامر کو اس طرح سے متواتر توڑنا اور اس کے نواہی کی تحقیر کرکے علانیہ اس کے برخلاف عمل کرنا، کیا یہی عمدہ طریقہ ہمارے دین مقدس کے پھیلانے کا ان کم بختوں نے نکالا ہے[1]

یہ تو بقول ڈاکٹر برنیر پرتگیزی غنڈے تھے۔ مگر پرتگیزی، شرفاء اور ذمہ دار حکام عالمگیر کے دور میں کیا کر رہے تھے۔ کن اعمال پر ان کی زندگی اور پرورش کا انحصار تھا۔ وہ عالمگیری دور کے مصنفین سے سنیئے۔

شریف نصرانی پرتگیزیوں کے عمل

پرتگیزی سمندر کے قریب بنادر بندر ہگلی کے قریب رہتے تھے۔ مسلمانوں کے لئے ایک جدا علاقہ آباد کیا تھا۔ وہاں اذان و نماز کا رواج تھا۔ نماز بلا تشویش کے کوئی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ ان کے تعلقہ میں رعایا کا کوئی آدمی مر جاتا تھا اور اس کا کوئی نابالغ لڑکا ہوتا اور بڑا بالغ لڑکا نہ ہوتا تو اس کے بچوں کو اپنی سلطنت کا بیت المال سمجھ کر اپنے گرجا میں لے جاتے تھے۔ پادری ان کو عیسائی مذہب سکھاتا تھا۔ خواہ وہ سید ہو یا برہمن۔ ان کو عیسائی بناتے اور غلاموں کی طرح سے ان سے خدمت لیتے تھے۔ اسی پر بس نہیں۔

---

[1] سفرنامہ ڈاکٹر برنیر ص ۳۰۰ جلد اول

۱۶۹۵ء میں جو مسلمان حج کو جا رہے تھے۔ ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ واپسی پر گنج سوائی عالمگیری جہاز پر قبضہ کر کے اس کو لوٹا اور جہاز پر جتنے مسلمان سوار تھے ان کو برہنہ کیا اور مستورات کی بے حرمتی کی جس کی وجہ سے مستورات نے خنجر کی دھار اور سمندر کی تہہ کی نذر ہونا منظور کیا۔ پرتگیزیوں کا سرمایۂ تجارت میں ایک لاکھ سے زیادہ نہ تھا۔ باقی دولت کا مدار راہ کعبۃ اللہ کے جہازوں کی لوٹ اور دست اندازی پر تھا۔[1]

عالمگیر پر عیسائیوں کا کیا کسی غیر مسلم فرقہ کا اثر نہ تھا۔ البتہ داراشکوہ کی وجہ سے عیسائیوں کو کچھ ہمت بندھی ہوئی تھی۔ داراشکوہ کے اس زمانے کے عیسائیوں سے گہرے تعلقات تھے وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دارا مسیحی ہے۔ چنانچہ یورپین سیاحوں نے اسی وجہ سے یہ لکھا کہ داراشکوہ عیسائی مرا ہے تو اس کی زبان پر یہ الفاظ تھے کہ محمد مرا کشند و ابن اللہ مریم مرا می بخشد

داراشکوہ پادری بوزی کے (جو فرقہ جیسوئیٹ سے تعلق رکھتے تھے) دینی واعظوں کو سنتا تھا اور کچھ اعتقاد کا اظہار بھی کرتا تھا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ جو ڈاکٹر برنیر کی رائے ہے کہ داراشکوہ ہندوؤں کے ساتھ ہندو اور عیسائیوں کے ساتھ عیسائی تھا اور مصلحتاً وہ ایسا کرتا تھا۔ بہر حال عیسائی پادریوں نے اسے اپنا ہی سمجھا۔ چنانچہ وہلر صاحب نے پادریوں کا یقین کر کے ایک عیسائی عورت مسیح النسار کی شادی بھی اس سے کرا ہی دی۔ اور حسب ذیل واقعہ لکھ مارا۔

مسیح النساء سے داراشکوہ کی شادی

مسیح النسار کچھ دنوں سے گوآ میں آ کر رہ رہی تھی۔ داراشکوہ جو نصرانیت کی طرف رجحان رکھتا تھا۔ اور جس کے پاس کئی پادری بھی ملازم تھے اور اکثر تنخواہ پاتے تھے۔ اس کے بارے میں پنڈتوں کا خیال تھا کہ اس پر ہمارا قبضہ ہے۔ لیکن جو عروج داراشکوہ کے دربار میں پادریوں کا تھا۔ وہ پنڈتوں یا مسلمانوں کا نہیں تھا۔

داراشکوہ کی گوآ کے پادریوں نے دعوت کی۔ وہ جب گوآ پہنچا ہے تو وہاں کے پادریوں نے بڑے جشن منائے۔ گویا دوبارہ حضرت عیسیٰ آسمان سے چلے آئے۔ داراشکوہ کی دعوت کا شاندار انتظام کیا گیا۔ اس میں بڑے بڑے سیاح، عالم، تاجر مدعو کئے گئے تھے۔ ایک طرف سولہ سترہ برس کی ایک یورپین لیڈی بیٹھی ہوئی تھی۔ جو داراشکوہ کے قریب ہی تھی۔ اس کا داراشکوہ سے تعارف کرایا گیا۔ بتایا گیا کہ لڑکی سرکیشیا کی باشندہ ہے۔ تھوڑی دیر تک دونوں کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر شراب کا دور چلنے لگا۔ لیڈی داراشکوہ کو اپنے ہاتھ سے جام بھر بھر کر پلانے لگی۔ دو گھنٹے یہ محفل جمی۔ پھر داراشکوہ اپنی جائے قیام پر آیا۔ ساتھ میں مسیح النسار بھی آئی۔ مکان پر پہنچ کر اس سے داراشکوہ نے دریافت کیا کہ تم اصل میں کون ہو؟ یہاں کیونکر آئی ہو۔ اور تمہارا پیشہ کیا ہے۔؟

اس نے بتایا کہ میں اصل میں ایک سپاہی کی بیٹی ہوں۔ جس کا شاہی خاندان سے تعلق تھا۔ میرا باپ عیسائی تھا۔ وہ جنگ میں مارا گیا۔ میرا چچا زاد بھائی مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انکار کیا تو وہ میرا دشمن ہو گیا۔ اس عرصہ میں مجھے معلوم ہوا کہ میرے دو بھائی بھی جنگ میں کام آ چکے ہیں۔ چچا زاد بھائی ستانے لگے تو میں ایک ترکی طبیب کے پاس چلی گئی۔ اس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا۔ اس کے انتقال کے بعد میں ترکستان سے چلی آئی۔ وہاں سے گوآ پہنچی۔ ایک پادری نے مجھے بیٹی بنا لیا۔ قصہ مختصر داراشکوہ کی اس لڑکی سے مسیحی طریقہ پر شادی ہو گئی اور وہ اُسے لیکر آگرہ چلا آیا۔ وہ کئی زبانیں جانتی تھی۔ اس نے داراشکوہ کی بڑی خدمت کی۔

منوچی بھی دارا کو پکا عیسائی اور عیسائیوں کا ہمدرد سمجھتا ہے اور وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ وہ عیسائی ہو کر مرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے دارا کے بارے میں جو معلومات دی ہیں۔ وہ یہ ہیں:۔

میرے وقت میں دارا کے دربار میں تین پادری تھے۔ (۱) اسٹے مل پیکا (۲) پیڈرو جزرٹ ساکن پرتگال (۳) ہنری کوبش بزو

---

[1] تاریخ ہند، ذکاء اللہ، ہشتم ۱۲م

موخرالذکر پادری کو دارا بہت عزیز رکھتا تھا۔ اور جتنی مرتبہ وہ دربار میں آتا۔ ہر دفعہ پچاس روپے معہ دو دوشالوں کے دیتا۔ اس پادری کی تمام درباری عزت کرتے تھے۔ کئی موقعوں پر دارا نے ان پادریوں کے ساتھ شراب بھی پی۔

جب دارا خشکی سے سندھ کو پہنچا تو ایک برہنہ پا راہب مسمی میری پیٹر ورڈی سینارڈی سا موجود تھا۔ جس سے میری اصفہان میں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ نہایت نیک اور صاحب علم ہونے کے علاوہ عربی، فارسی اور ہندوستانی زبانوں سے واقف تھا۔ دارا نے اسے بلا کر انجیل اور مذہب عیسوی پر گفتگو کی۔ راہب کے دلائل سنکر وہ تھوڑی دیر تک غور کرتا رہا اور پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہنے لگا۔ اگر دنیا میں کوئی مذہب حق ہے تو وہ عیسائیوں کا ہے۔ کیونکہ روس اور مختلف ملکوں کے پادریوں سے میں نے گفتگو کی۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ بات کسی مذہب میں نہیں ہے۔ ہندو، مسلمان، یہودیوں کے مذاہب میں بہت اختلافات ہیں۔ پھر راہب سے کہنے لگا۔ اے مہربان باپ! میں عیسیٰ مسیح سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بادشاہ بنا دیں اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ خاص آگرہ میں حضرت بی بی مریم کا گرجا تعمیر کرا دونگا۔ اور تمام پادریوں کو گرجے بنانے اور آزادی سے تمام سلطنت میں انجیل کا وعظ کرنے کی اجازت دونگا۔ (۲۱۲۔ منوچی)

دارا نے جب سمجھ لیا کہ اس کی زندگی کے صرف چند روز باقی ہیں تو وہ روحانی طور سے اپنی نجات کی فکر کرنے لگا۔ اس لئے اس نے محافظوں سے منت کی کہ کوئی شخص پادری بنیرو کو بلا دے جو مشہور آدمی ہے۔ جب محافظوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ دوبارہ کوشش کی۔ جب اس نے سمجھ لیا کہ بنیرو کو نہیں لا سکتے تو اس نے کہا کہ کسی یورپین پادری کو بلا لو۔ جب اس نے دیکھا کہ اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکی۔ تو اس نے بہ آواز بلند چلا کر کہنا شروع کیا۔ "محمد مرا می کشد و ابن اللہ مرا جاں می دہد (محمد مجھ کو مارے ڈالتا ہے اور خدا کا بیٹا مجھے جلاتا ہے"۔

ان الفاظ نیز اس فقرہ سے جو اس نے ٹھٹھہ میں پادری فریڈرو سے کہا تھا کہ اگر کوئی مذہب دنیا میں حق ہو سکتا ہے تو وہی ہے جس کی انگریزی پادری تعلیم دیتے ہیں اور اس اضطراب سے جو اسے پادری کے نہ آنے سے ہوا یہ ثابت ہوا ہے کہ دارا عیسائی ہونا چاہتا تھا۔ مجھے ان محافظوں سے جن سے میری رسم تھی۔ یہی ثابت ہوا اور انھوں نے اس کی تصدیق کی (منوچی ۳۴۵)

عالمگیر نے مسیح النساء کو اپنی بیوی بنایا

دارا شکوہ کی عالمگیر سے لڑائی ہوئی تو اس وقت مسیح النساء نے دارا شکوہ کو مشورہ دیا کہ ترکی چلے چلو۔ لیکن اس سے ملنا جلنا مناسب نہ سمجھا، لڑا اور قتل ہوا۔ دارا شکوہ کا جب جلوس نکلا ہے۔ اس وقت وہ دارا شکوہ کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ دوسرے جب جلاد لشت اور خنجر لیکر آیا تو مسیح النساء دارا شکوہ سے علیحدہ کردی جاتی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد مسیح النساء سے عالمگیر نکاح کی درخواست کرتا ہے۔ وہ پہلے انکار کرتی ہے اور انکار بن نہیں پڑتا تو نکاح ہو جاتا ہے۔

ولیر لکھتا ہے کہ یہ مسیحی خاتون سب سے زیادہ عالمگیر کو پیاری تھی۔ ایک لڑکا مسیح النساء سے پیدا ہوا۔ جس کا نام کام بخش تھا۔ جس کو اس زمانہ کے لوگ کام بکس کہتے تھے۔ یہ وہی لڑکا ہے جس کو عالمگیر سب سے زیادہ چاہتا تھا۔ مسیح النساء عالمگیر پر راغب نہ تھی۔ مرتے دم تک متنفر رہی"۔

ولیر لکھتا ہے کہ مورخ اب تک یہ نہیں جانتے کہ کام بخش اس کے بطن سے ہے۔ کوئی لکھتا ہے نواب بائی سے، کوئی اودے پوری سے، تو کوئی سرو پی سے لے۔ کسی مورخ نے سوائے ولیر اور جلال الدین کے اس عالمگیر مسیحی بیوی کا ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے جلال الدین بھی ولیر کے ہی جانشین میں آ گئے، جو ایسی بے سروپا بات لکھی۔

لے تذکرۂ عالم ص ۱۷۵ تا ۱۷۷۔

مبلغین مسیحی کی عالمگیری دور میں حالت

ڈاکٹر برنیر اپنے سفرنامہ کے خاتمہ پر ہندوستان کے عیسائیوں کی جدوجہد اور جہانگیر کے کامیاب دور نصرانیت کا ذکر کرنے کے بعد ہندوستان کے مبلغین کی حیثیت ہندوستان کی مذہبی حالت اور تبلیغ کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اسلام کے بارے میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اس سے مشنری تحریک کا اصل مقصد عیاں ہو جاتا ہے۔ اور نصرانیت کی قلعی کھل جاتی ہے۔ نصاریٰ کو اہل کتاب سمجھ کر دوستی کا دم بھرنے والے اندازہ لگائیں کہ ایمانی قوت دشمن کے لئے کیسی خوفناک شے ہے۔

"میری دانست میں انکا مقصد پسندیدہ ہے۔ اور اس کام کے لئے جو یہ ایسے عظیم ملک میں آگئے ہیں بے شک قابل تعریف ہیں۔ خصوصاً کیپوشین اور جیسوئٹ فرقہ کے لوگ جو اپنے عقائد مذہبی کو ہر قسم کے لوگوں پر منکسرانہ طریقہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ اور بدتمیزی اور تعصب ان کو چھو نہیں گیا اور عیسائی مذہب کے ہر ایک شخص سے خواہ وہ کیتھولک فرقہ کا ہو یا لون یا آرمینیا چرچ کا مقلد ہو۔ اور نسطوریین ہو یا جیکوبٹ) محبت اور فیاضی سے پیش آتے ہیں اور پردیسی ومفلوک الحال عیسائیوں کی جائے پناہ اور باعث تسلی ہیں اور اپنے علم وفضل اور قابل تقلید نیک اوقاتی سے غیر مذہب کے بے ایمان اور عیاش لوگوں کے لئے باعث شرم ہیں۔ مگر بدقسمتی سے بعض ایسے بھی ہیں۔ جو اپنے نہایت مذموم افعال سے مذہب کو بدنام کرتے ہیں۔ جن کا اس مقدس کام کے بجائے اپنی اپنی خانقاہوں میں بند رہنا بہتر ہے۔ کیونکہ ان کا دین ومذہب ایک دکھاوا ہے۔ اور بجائے اس کے کہ ان سے لوگوں کو ہدایت ہو برعکس ان کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں۔ لیکن سب ایسے نہیں اور نہ اصل مقصد کے لئے مضر ہیں۔"

تجویز } "اس کام کے لئے اگر ایسے لوگ تجویز ہوں۔ جو علم میں ممتاز ہوں تو بہتر ہوگا۔ میرے نزدیک یہ لوگ نہایت ضروری اور عیسائیوں کے لئے باعث فخر ہیں اور عیسائیوں پر واجب ہے کہ تمام عالم میں اپنے دین کی تعلیم وتلقین کے لئے ایسے لوگ فراہم کریں جو اپنے نیک ارادوں اور عمدہ افعال واطوار میں حواریوں کا نمونہ ہوں۔"

ہندوستانیوں کی مذہبی پختگی کا ذکر }

مگر کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس کام کے شوق میں اس قدر خوف زدہ ہو گیا ہوں کہ میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جس قدر حواریوں کے ایک دفعہ کے وعظ سے ایک بے پناہ اثر مرتب ہوتا تھا۔ اتنا ہی اس زمانے کے مشنری لوگوں کے وعظ سے بھی ممکن ہے۔ کیونکہ بت پرست اور کافر لوگوں کے ساتھ ملتے جلتے رہنے کے باعث ان کے دلوں کی تاریکی سے مجھے اس قدر واقفیت ہو گئی ہے کہ ہرگز یقین نہیں کہ دو یا تین ہزار آدمی ایک دن میں ایمان لے آئیں گے۔ خصوصاً مسلمان بادشاہوں اور ان کی مسلم رعایا سے کسی طرح تبدیلِ مذہب کی امید نہیں اور چونکہ ممالک ایشیا کے وہ سب مقامات میرے دیکھے ہوئے ہیں۔ جہاں مشنری لوگ مقیم ہیں۔ اس لئے میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی خیرات اور تلقین کا اثر مشرکوں پر ہونا ممکن ہے اور یقین نہیں کہ دس برس میں بھی ایک مسلمان عیسائی ہو جائے۔ یہ سچ ہے کہ مسلمان انجیل کو مانتے ہیں اور مسیح علیہ السلام کا ذکر بغیر آداب واحترام کے نہیں کرتے اور بلا لفظ "حضرت" صرف "عیسیٰ" کبھی نہیں کہتے اور ہماری طرح ان کا بھی اعتقاد ہے کہ وہ معجزانہ طور پر کنواری ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے اور یہ کہ وہ کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ لیکن یہ امید کرنا کہ وہ اپنا وہ دین جس میں وہ پیدا ہوئے ہیں چھوڑ دیں اور اپنے پیغمبر کو برحق نہ ہونے کو مان لیں۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے پھر بھی فرنگستان کے عیسائیوں کو چاہیئے کہ مشنری لوگوں کی ہر ایک طرح سے مدد کریں۔ ان کی دعا اور ان کی طاقت اور دولت اپنے نجات دہندہ (عیسیٰ علیہ السلام) کا جلال بڑھانے میں صرف ہونی چاہیئے۔ مگر اس خرچ کا متحمل اہل یورپ کو ہی ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مشنری لوگوں پر اس کا بوجھ ڈالنا مناسب نہیں ہے۔ اور اس بات کی نہایت احتیاط رہنی چاہیئے کہ یہ لوگ احتیاج کی وجہ سے کسی ذلیل اور حقیر کام کرنے پر مجبور نہ ہو جائیں اور صرف ان کی فارغ البالی ہی مطلوب نہیں بلکہ وہ اپنی

اس دن تو صرف اسی قدر باتیں ہوئیں۔ مسیحی خاتون کی حفاظت کے لئے فوراً ایک گارڈ آگیا اور تمام مہمان نوازی کے سامان شاہی اشارے سے ہی کر دئیے گئے۔ تین چار دن کے بعد اکبر نے حکیم ہمام گیلانی کے ذریعہ سے مریم یا میریکا کے پاس پیام بھیجا کہ اگر تم شادی کرنا چاہتی ہو تو اکبر پسند کرتا ہے۔ مریم فوراً راضی ہو گئی ۔ لیکن ساتھ ہی یہ شرط رکھی کہ میں اپنے ارکانِ مذہب پورے طور سے آزادی سے ادا کروں گی اور میرے کسی مذہبی فعل میں اکبر دست اندازی نہ کرے گا۔ یہ شرط فوراً منظور کر لی گئی اور مریم سے اکبر کا نکاح ہو گیا۔ نکاح ہونے کے بعد جلال الدین شیرازی نے اس خط کو نقل کیا ہے کہ جو مریم نے اپنے باپ کو بھیجا ہے۔ جو حسبِ ذیل ہے :-

"میرے معزز اور قابلِ احترام پاپا! خداوند عیسیٰ المسیح کا شکر ہے کہ مجھے امید سے زیادہ کامیابی حاصل ہوئی۔ میری آزادانہ اور عالمانہ تقریر اور خوش روشی پر اکبر دل سے فریفتہ ہو گیا اور اس نے اپنے خاص طبیب، حکیم، فزیشین کے ذریعہ سے پیغام شادی دیا۔ چونکہ میں نے اکبر کو اپنے اوپر فریفتہ دیکھا اور یہ سمجھ لیا کہ میری شادی مسیحی مشن کے لئے اچھے اور قیمتی نتائج پیدا کر سکتی ہے لہٰذا بخوشی منظور کر لیا اور اب میں شہنشاہ کی بیگم بن گئی۔ محل میں داخل ہوتے ہی مجھے مریم زمانی بیگم کا خطاب ملا اور کئی لاکھ روپے کے زیورات دوسرے دن خواجہ سرا کشتیوں میں لیکر میری خدمت میں حاضر ہوئے۔ چونکہ میں گہنے کی عادی نہیں۔ لہٰذا مجھے خوف معلوم ہوا۔ میں نے خواجہ سرا سے دریافت کیا کہ کیا ہر بیگم کے لئے یہ لازمی امر ہے کہ وہ قیمتی زیور ضرور ہی پہنے۔ اس نے بڑی تعظیم اور ادب سے یہ عرض کیا۔ نہیں بیگم صاحب! یہ کوئی ضروری نہیں۔ شاہوں کے ہاں دستور ہے کہ جب کوئی باعصمت خاتون داخلِ محل ہوتی ہے تو اس کو بطور تحفہ کے شاہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے۔ حضور اس کو بخوشی قبول فرمائیں اور اس میں آپکو اختیار ہے چاہے اپنے پاس رہنے دیں چاہیں کسی کو بخش دیں۔ یہ سنکر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اب میں بآزادی اپنی زندگی بسر کر رہی ہوں۔ اکبر پانچ چھ پہر پاس دو تین گھنٹے کے لئے آتا ہے اور بہت مہربان ہے۔ مجھے امید ہے کہ میں بہت جلد پادری ہیڈ ایف یا روڈیف کو اور آپکو بلواؤں گی۔ آپ تیار رہیے گا۔ عنقریب شاہی گارڈ روانہ ہوگا۔ جو آپ کو بڑی عزت سے لے آئے گا۔ اگرچہ پیچھا رہیگا اور جو کچھ ہوگا وہ وقتاً فوقتاً عرض کرتی رہونگی۔ فقط

جوں ہی یہ خبر ولیم کو پہنچی وہ مارے خوشی کے اچھل گیا اور اسی اپنے خداوند عیسیٰ مسیح کی لکڑی کی تصویر کے گرد طواف کرنے کا اچھا موقع ملا۔ ولیم نے مع اپنی بیوی اور کل کنبہ والوں کے کاٹھ کی صورت کے گرد چکر کھایا اور خوب نیاز نذر چڑھائی گئی اپنے کنبے والوں کی دعوت کی اور گوا میں ایک دھوم مچ گئی کہ مریم شہنشاہ بیگم بن گئی۔ اب مسیحی مذہب خوب ترقی کریگا۔ ایک مورخ یہ بھی لکھتا ہے کہ مریم گو پادری کی بیٹی تھی۔ لیکن شاہی خاندان میں اس کا باپ گورنر تھا ۔ چند روز کے بعد حسب قول ولیم صاحب (منقول از تاریخ مس ر ا) ۔ یہ خط جو اکبر نے گورنر گوا کے پاس بھیجا تھا۔ مریم ہی کی کارگزاری تھی۔

یہ خط ماہ ربیع الاول سنہ ۹۹۰ ہجری میں لکھا گیا۔ مظفر یہ خط لیکر سیدھا گوا پہنچا اور پادری ولیم گورنر گوا کو دیا۔ جونہی وہ نے یہ شاہی فرمان دیکھا۔ وہ اٹھ کھڑا ہو گیا اور تین سلام کرکے اس خط کو لے لیا۔ یہ خوشی ایک معمولی شے نہ تھی۔ بلکہ ایسی ممتاز خوشی تھی کہ جس سے نہ صرف گورنر کو خوش کیا۔ بلکہ تمام قوم کو فخر بخشا۔ گورنر نے کیتھولک مذہب کے مسیحیوں کو مدعو کیا اور نہایت تعظیم سے یہ خط ترجمہ کرکے سنایا گیا۔ یہ خط سن کر چاروں طرف سے مبارکباد کی صدائیں بلند ہوئیں۔ سب مسیح والے کاغذ پر بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھے اور انھوں نے سجدے نما سلام کرکے بوسے دئے اور الٹے قدموں ہٹ کر چلے گئے۔ مظفر کی اس قدر خاطر داری کی اکبر آتا تو اس سے زیادہ شاید نہ کر سکتے۔

کئی دن منظر کو مہمان رکھا اور پھر یہاں ولیم نے پادری ریڈالیف کو جسے ابوالفضل نے ردیف ر۔ لکھا ہے کئی نسخے الہامی کتابوں کے دے کر روانہ کیا۔

پادری ردیف ایک بڑا عالم اور فاضل شخص تھا۔ جونہی وہ اکبر کے دربار میں گیا اس نے مقدس بائیبل پیش کی تو بقول دیگر مورخ مختصر تاریخ ہند صفحہ ۷۵ کے اکبر نے ان الہامی کتابوں کو صرف تعظیم کے لئے اپنے سر پر رکھا۔ دوبارہ انھوں نے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم کی مورتیں پیش کیں۔ اکبر نے احتراماً ان پر بھی بوسے دئے اور مجسم تصویروں کی بڑی عزت کی۔

ویلر لکھتا ہے کہ جب پادری ردیف آگرہ پہنچا تو اس دن تمام شب بحث رہی اور خوب ردّو بدل ہوتا رہا۔ اس بحث میں مریم بھی موجود تھی۔ جو ایک کمرہ میں علیحدہ بیٹھی ہوئی یہ بحث گوش گزار رہی تھی۔ بحث عالمانہ اور دلچسپ تھی۔ ابوالفضل گویا ثالث بالخیر تجویز ہوا تھا۔ رات بھر میں کچھ فیصلہ نہیں ہوا۔ بقول مسٹر ویلر اکبر نے پادریوں کو اپنے محل کے احاطہ میں ٹھہرایا۔ اکبر نے مریم کی سفارش پر آگرہ میں گرجا بنوادیا۔ پادری ردیف کے آنے پر مریم نے اکبر سے عرض کرکے یہ حکم لے لیا تھا کہ پادری ردیف میری اجازت پر جب میں بلاؤں۔ میرے محل میں بآزادی آجایا کرے۔ اکبر نے فوراً اجازت دیدی۔ پادری ردیف تفسیر اور فقہ مسیحی کا سبق پڑھانے علی الصباح مریم کے پاس آیا کرتا تھا، اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تعلیم دیکر چلا جاتا تھا۔

مریم نے آٹھویں دن گرجا میں جانے کی بھی اجازت لے لی تھی۔ جہاں وہ محافہ میں بآزادی جاکر بیٹھتی اور اپنے پادری ردیف کی تقریر سنتی۔ ان مباحثہ میں جو پادری ردیف سے ہوا کرتا تھا۔ چلمن کے پیچھے بیٹھ کر ساری بحث کو سنتی تھی۔ ایک دن اکبر شب کو اپنی مسیحی خاتون مریم زمانی بیگم کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس سے ایک دن پہلے پادری ردیف اور سید عبداللہ کا مناظرہ بھی ہوچکا تھا۔ مریم نے ادب سے دریافت کیا کہ کل کے مناظرہ کا نتیجہ کیا ہوا۔

اکبر :۔ کل تو پادری ردیف کو جواب نہ آیا اور وہ خاموش رہے۔ ہاں انھوں نے آٹھ دن کی مہلت مانگی ہے۔

مریم :۔ (متعجب ہوکر)۔ حضور وہ کون سا اعتراض تھا۔ جس کا جواب پادری ردیف جیسا فاضل اجل نہ دے سکا۔

اکبر :۔ مجھے اس اعتراض کا زیادہ خیال نہیں ہے۔ لیکن ہاں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ انجیل مقدس کی صحت وغیرہ کی بحث تھی۔ سید عبداللہ نے یہ کہا تھا کہ آپ کوئی ایسا ثبوت دیجئے۔ جس سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس مجلد کتاب میں وہ ہی ہدایتیں اور اقوال درج ہیں جو حضرت عیسیٰ نے فرمائے تھے۔ گو پادری صاحب نے اس کی بابت بہت کچھ کہا۔ لیکن عبداللہ نے اعتراضوں کی ایسی بھرمار کردی کہ پادری صاحب ساکت ہوگئے۔ پھر سوائے آٹھ دن کی مہلت لینے کے اور کچھ بن نہ آیا۔ یہ سنکر مریم کسی قدر خفیف ہوکر چپکی ہو رہی۔ مریم کی اصل کوشش یہ تھی کہ اکبر کسی طرح کرسٹان ہوجائے۔ تو میں اعلان دلوادوں کہ اکبر علی الاعلان آج سے عیسائی ہوا۔ آج سے یہ گورنمنٹ مسیحی گورنمنٹ کہلائے گی۔ یہ بات بیچ ہی میں اٹک پڑگئی۔ مریم نے اس کا جواب سوچا۔ لیکن اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ دوسرے دن پادری ردیف کو بلاکر ساری کیفیت دریافت کی۔

جو کچھ اکبر نے بیان کیا تھا۔ وہی اس نے بھی دوہرادیا۔ مریم نے دیکھا کہ پادری ردیف کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی ہیں اور جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں۔ ان کی جان آدھی ہوئی چلی جاتی ہے۔

ردیف :۔ پیاری مریم کوئی معقول جواب اس کا بھی ہوسکتا ہے یا نہیں۔

مریم اس اعتراض پر پہلے ہی سے غور کررہی تھی۔ سوچتے سوچتے یہ کہا کہ اگر اس کا جواب ہوسکتا ہے تو صرف یہی ہے کہ جب مخالف آپ سے سوال کرے تو آپ اس کے جواب میں یہ کہہ دیجئے گا کہ اگر یہ اصلی انجیل نہیں ہے تو پھر آپ اصلی انجیل پیش کیجئے۔ گو یہ جواب ایسا نہیں ہے کہ ساکت کردے۔ لیکن خواہ مخواہ جھگڑا کرنے کے لئے خاصا جواب ہے۔ یہ سنکر پادری ردیف بہت خوش ہوا اور یہ جواب اُسے اچھا معلوم ہوا۔

یہ ایک مشہور بات ہے کہ اس نے ایک سونے کی تصویر حضرت عیسیٰ کی بنوائی تھی۔ تصویر میں تو اس قدر لاگت نہ آئی تھی لیکن اس میں چار لاکھ روپے کا جواہر جڑوایا گیا تھا۔ یہ مجسم تصویر بڑے دالان میں رکھی گئی تھی۔ اس کی حفاظت کے لئے آٹھ قلماقنیاں مقرر کی گئی تھیں۔ جو ہر وقت علاوہ حفاظت کے اس کی صفائی بھی کیا کرتی تھیں۔ روزمرہ صبح اٹھ کر یہ اس تصویر کے آگے ڈنڈوت کیا کرتی تھی اور چاشت تک انجیل کھولے ہوئے پڑھتی رہتی۔ اگر پادری ردیف آگیا تو اس سے تعلیم حاصل کی ورنہ تو اپنی کتاب کا خود ہی مطالعہ کرتی کہ ایک دن جہانگیر کھیلتا ہوا آنکلا۔ مریم اس وقت نہ تھی۔

جہانگیر سیدھا حضرت عیسیٰ کے پاس گیا اور قلماقنیوں سے دریافت کیا کہ "یہ کیا چیز ہے؟"

قلماقنیاں :۔ "حضور شہزادہ عالم یہ حضرت عیسیٰ ہیں۔" یہ سن کر سلیم کو ہنسی آگئی اور اُن سے کہا کہ مجھے غلاف اٹھا کر حضرت عیسیٰ کو دکھا دو۔ قبل از وقت حضرت کیوں آگئے اور یہاں کیوں بیٹھ رہے۔ پہلے تو قلماقنیوں نے منع کیا کہ آپ اپنی والدہ کو آجانے دیں۔ پھر ملاحظہ کیجئے لیکن شہزادہ نہ مانا اور غلاف اتار کر دیکھا۔ جو لعل کہ آنکھوں میں لگے ہوئے تھے۔ وہ سلیم کو بہت پسند آئے سلیم کی عمر شاید گیارہ برس کی ہوگی۔ قلماقنیوں سے کہا کہ تم اس تصویر کی دونوں آنکھیں نکال دو۔ یہ سنتے ہی وہ تھرا گئیں اور دست بستہ عرض کرنے لگیں۔ ذرا آپ تامل کریں نہیں تو ہماری جانوں پر بن جائے گی۔ بھلا ان باتوں کو جہانگیر کہاں خیال میں لاتا۔ فوراً حضرت عیسیٰ کی تصویر کو گرا کر آنکھیں نکال لیں۔ یہ ڈیڑھ لاکھ روپے کے قیمتی لعل تھے۔ جو آنکھوں کے ڈھیلوں کی جگہ رکھے ہوئے تھے۔ اِدھر وہ لعل لیکر دروازہ سے باہر نکلا اور اُدھر مریم بھی اپنے ہال میں آئی۔ دیکھا کہ قلماقنیاں رو رہی ہیں اور وہ تصویر چت پڑی ہے۔ یہ دیکھتے ہی مریم کے ہوش اُڑ گئے۔ ایک وحشت سی اسکی صورت پر چھاگئی۔ کپکپاتے ہوئے لہجہ میں دریافت کیا کہ یہ کیا ہوا؟ محافظین کیا جواب دیتیں۔ خاموش کھڑی دیکھا کیں۔

پھر دوبارہ غصہ کے لہجہ میں دریافت کیا کہ کیوں گر پڑے۔ لطف یہ ہے کہ ابھی تک آنکھوں پر مریم کی نظر نہ پڑی تھی۔ انھوں نے ناچار ساری کیفیت عرض کردی۔ مریم مارے غصہ کے لال ہوگئی۔ مگر کر ہی کیا سکتی تھی۔ آہستہ سے اس تصویر کو اٹھایا اور قلماقنیوں کو رخصت کر کے کئی گھنٹہ تک رویا کی۔ پھر اس نے ردیف کو بلایا اور اپنی جگر خراش کہانی سنائی۔ پادری بڑا تجربہ کار اور عقلمند تھا۔ پہلے تو خاموشی سے سنتا رہا۔ جب مریم چپ ہوگئی تو پادری ردیف نے کہا کہ اگر میری رائے لیتی ہو تو یہ ہے کہ تم اس بات کو زبان سے نہ نکالو بلکہ ان عورتوں کو بھی منع کر دیا جائے کہ یہ بھی کسی امر کا ذکر نہ کریں۔ لازم ہے کہ تم اسے گرجا میں بھیج دو اور یہاں نہ رکھو۔ سلیم ابھی بچہ ہے۔ اس نے معمولی طبیعت اور سیدھے سادے خیالات سے یہ بات کی ہے یہ فکر کا مقام نہیں ہے۔ ہم اگر کوئی نتیجہ یہاں حاصل کریں تو صرف اتحاد اور انکساری سے نہ کہ بگاڑ کر اور باہم نزاع کر کے۔ مریم کو یہ نصیحت ردیف کی اچھی معلوم ہوئی۔ اور اس نے تمام خواصوں کو فہمائش کردی کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کرے۔ اگر کہیں بھی یہ بات اڑی تو میں سخت تر اور شدید تر عذاب میں تمہیں مبتلا کرونگی۔

دوسرے دن حضرت عیسیٰ کی اندھی تصویر گرجا میں بھیج دی گئی۔ لعلوں کے بجائے نیلم کی آنکھیں جڑی گئیں۔ سلیم نے وہ لعل اپنی ماں جودھا بائی کو جا کر دیئے اور کہا کہ میں عیسیٰ کی آنکھیں نکال کر لایا ہوں۔

جودھا بائی :۔ پیارے سلیم یہ کیا کہتے ہو۔ کیسی آنکھیں اور کیسے حضرت عیسیٰ؟ سلیم نے ساری باتیں بیان کیں کہ میں اس طرح یہ آنکھیں نکال کر لایا ہوں۔ جودہ بائی نے منع کیا کہ آئندہ یہ حرکت نہ کرنا۔ تمہاری وہ بھی ماں ہیں۔ تم سے ناراض ہونگی۔ وہ لعل جودہ بائی نے مریم زمانی بیگم کو بھجوا دیئے اور کہا کہ بچے نے بے خیالی میں یہ فعل کیا ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ تم معاف کردو

مریم اپنے عیسیٰ کی آنکھیں لیکر اور بھی شرمندہ ہوئی۔ ہر چند اُس نے کوشش کی کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ ہو۔ لیکن کہیں یہ بات چھپ سکتی تھی۔ چند ہی روز میں کل محل میں ہوا کی طرح پھیل گئی۔ اور پھر مریم کے پاس حضرتِ عیسیٰ کی تعزیت کے خط آنے لگے۔[1]

جلال الدین شیروانی لکھتا ہے کہ پادری ردیف کے ساتھ جتنے مسیحی گوا سے آئے تھے۔ سب بعد ازاں مسلمان ہوگئے۔ اسپر پادری ردیف نے زہر کھالیا اور بے چاری مریم بھی اسی رنج و صدمہ میں راہی ملکِ بقا ہوئی۔ اس کی قبر اسی گرجا میں بنی ہوئی ہے۔[2]

شاہ عالم کی مسیحی بیوی مس ہنری

اس لڑکی کے حالات علی حیدر جو شاہ عالم کے ساتھ مدتوں تک رہا ہے بیان کرتا ہے کہ مس ہنری اپنے والدین کے ساتھ کلکتے میں سچے مذہب کی تلاشِ و جستجو میں رہتی تھی۔ کچھ دن بعد ایک برہمن کی تلقین سے ہندون بن گئی۔ وہی ساڑھی باندھنا، وہی تلک لگانا، وہی پوجا پاٹ کرنا، وہی چوکا کرکے کھانا ہندوؤں کی طرح اس نے شروع کر دیا تھا۔ یہ رنگ اسپر چند ماہ رہا۔ پھر یکایک برہمن کی ناشائستگی دیکھ کر ایک یہودی کے سکھانے بہکانے سے یہودن ہوگئی۔ یہودیوں کے جو طور طریقے تھے۔ سب اختیار کئے۔ انتہائی جوش اور سرگرمی دکھائی۔ یہودیت کے چند ماہ ہی گزرے تھے کہ پھر مسیحی ہوگئی۔ لیکن اس مرتبہ کیتھولک فرقہ میں ہوئی۔ پہلے پروٹسٹنٹ تھی۔ دو سال اور کئی مہینے عیسائی رہی۔ پھر ہندو ہوگئی۔ لیکن اس مرتبہ اس نے بدھ مذہب اختیار کیا۔ یوں ہی مذہب بدلتے بدلتے وہ صوفی مشرب مسلمان ہوئی۔ وہ لمبی لمبی لٹیں۔ وہ نئی خوشبوؤں میں رنگین زلفیں۔ وہ اللہ ہو کے نعرے، وہی حق ہو انت جیسی کی صدائیں۔ تمام بنگال میں ایک دھوم مچ گئی۔ اب وہ آزادی کے ساتھ چاروں طرف پھرنے لگی۔ یہ مذہب اس کو اور مذہبوں سے اچھا معلوم ہوا۔ شاہ عالم خیمہ زن تھا کہ مس ہنری اسی حالت میں شاہی فوج میں آگئی۔ اس وقت اس کی عمر ۱۹ سال کی ہوگی۔ بظاہر وضع و صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ دنیوی عیش و عشرت سے بہت دلدادہ ہے۔ اس کے پیروں میں چمڑے کے موزے نصف ساق تک چڑھے ہوئے تھے۔ ہاتھ میں دستانے اور منہ پر نقاب کھلا ہوا بہت پیارا لگتا تھا۔ علی حیدر لکھتا ہے کہ میں شاہ عالم کی خدمت میں حاضر تھا کہ چوبدار نے آکر خبر دی کہ ایک جوگن عجیب صورت و شکل کی آئی ہے۔ اُسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ صرف حضور کی قدمبوسی چاہتی ہے۔

شاہ عالم عورتوں کی صحبت اور ان سے ملنے کا بہت شائق رہتا تھا۔ خوش ہو کر چوبدار سے کہا کہ اس جوگن کو بلاؤ۔ ہم ملاقات کریں گے۔ چوبدار مس ہنری کو اندر لے گئے۔ یہ شعلہ پیکر جس وقت خیمہ میں آئی تو اس نے نقاب اٹھا لیا۔ اس کا جوبن اور اس کے چہرے کی تابانی میں نہیں بھولونگا۔ شباب کے چہرہ پر پورا اثر تھا۔ اس نے کئی بار مذہب تبدیل کیا۔ لیکن اس کے چہرے پر پریشانی یا گھبراہٹ بالکل نہیں تھی۔ اطمینان و سکون تھا۔ وہ بے سرو سامان تھی لیکن چہرے کی سادگی ساحر بتول سے زیادہ تھی وہ آتے ہی آداب بجا لائی۔ اس نے فارسی میں کہا۔ مجھے معاف کریں گے کہ میں آپکا وہ ادب و تعظیم نہ کر سکی جو مقرر ہیں میں ان باتوں سے ناواقف ہوں۔ مجھے کبھی ایسے شاہوں سے نیاز حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔

تم کو عام ادب و آداب معاف ہیں۔ شاہ کے یہ الفاظ سنکر مس ہنری بہت خوش ہوئی اور ذرا دور فاصلہ پر جہاں پناہ کے آگے بیٹھ گئی۔ وہ ہنستی نہیں تھی لیکن چہرہ خنداں تھا۔ اس کی آنکھیں مصفا آسمان کی طرح نیلی تھیں۔ شاہ عالم سیاہ اور کاجل بھری آنکھوں کی قدر جانتا تھا۔ لیکن جب یہ حسین سا چہرہ دیکھا تو خوش ہوگیا اور بولا۔ تم کہاں سے آئی ہو تمہارا کیا حال ہے۔ مسکن کہاں ہے۔ وطن اور مذہب کیا ہے۔ یہ سنکر مس ہنری خاموش ہوگئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاہ عالم بولے۔ معلوم ہوتا ہے تم فارسی زبان اچھی طرح نہیں جانتی ہو۔

---

[1] تاریخ جلال الدین شیروانی [2] سوانح عمری اکبر مع نورتن اکبری ۲۷ ، مرزا حیرت

مس ہنری نے کہا۔ حضور نے پے درپے اتنے سوال کئے کہ میں جواب نہ دے سکی۔ آپ ایک ایک سوال کریں۔

شاہ عالم:۔ تم کہاں سے آئی ہو؟

ہنری:۔ جہاں سے میں آرہی ہوں۔ اس کا نام مجھے معلوم نہیں۔ گاؤں، قصبہ کا نام معلوم کرنا وقت ضائع کرنا ہے۔ یہ مجھے گوارا نہیں۔

شاہ عالم نے سوالات کئے۔ سب کے اس نے ایسی فقیرانہ انداز میں جواب دئے۔ کافی دیر کی گفتگو کے نتیجہ میں شاہ عالم کو معلوم ہوا کہ وہ صوفی مشرب ہے۔ اب شاہ لٹو ہوگئے جاتے ہیں۔ مس ہنری نے دریافت کیا کہ آپکا مذہب کیا ہے۔ شاہ عالم نے جواب دیا میں الحمدللہ محمدی ہوں۔ جب مس ہنری نے پوچھا۔ آپ تقلیدی مسلمان ہیں۔ یا آپکا یقین ہے کہ جس مذہب پر میں ہوں۔ وہ مذہب حق ہے۔

حیدر علی شادی کے اسباب نہیں لکھتے کہ کیونکر مس ہنری کی شاہ عالم سے شادی ہوئی۔ اس گفتگو کا یہ نتیجہ ملا کہ مس ہنری دوسرے دن بادشاہ کی بیگم کہلائیں۔ تین لڑکے اور لڑکیاں مس ہنری کی بطن سے شاہ عالم سے پیدا ہوئیں۔ پہلے لڑکے کا نام یعقوب تھا۔ وہ لندن جاکر مرگیا۔ دوسرا لڑکا یوسف نامی محض بے گناہی کی حالت میں ۲۱ برس کی عمر میں غلام قادر کے ہاتھوں قتل ہوا۔

حیدر علی نے مس ہنری کی شادی کے بعد کے حالات لکھے ہیں۔ وہ شادی کے بعد حنفی مشرب ہوگئی تھی۔ پھر لامذہب ہوگئی۔ لامذہب ہونے کے بعد اس کا دل مطمئن نہیں تھا۔ (تذکرہ عالم ۲۴۸، ۲۴۹)

شاہ عالم کی بیوی روز یا انور جہاں

یہ کسیمی بیگم روز نامی انتہائی خوبصورت تھی۔ اسکے حالات یہ ہیں۔ یہ انگلینڈ سے اپنے باپ کے ساتھ سورت آئی۔ یہاں کی کوٹھیوں کی حالت غیر دیکھی۔ تو روز کا باپ دہلی آیا۔ حسن کی معرفت دربارِ دہلی میں پہنچا۔ روز بھی ساتھ تھی۔ بادشاہ نے روز کو دیکھ کر بہت خاطر مدارات کی۔ روز کے لئے شاہ نے اپنے تخت کے برابر کرسی بچھائی، باتیں کیں اور دونوں کو محل میں اپنا مہمان کیا۔ روز کے باپ کا انتقال تین دن کے بعد ہوگیا۔ شاہ نے روز سے نکاح کی خواہش کی۔ اس نے منظور نہیں کیا۔ لیکن بعد میں منظور کیا تو اس شرط کے ساتھ کہ میں محل میں عیسائی ہی رہونگی۔

شاہ عالم نے روز کو انور جہاں بیگم کا خطاب دیا۔ انور بیگم محل میں رہتی تو تھی لیکن خوش نہیں تھی۔ قلعہ سے فرار ہونا چاہتی تھی۔ ایک دن موقع غنیمت جان کر بادشاہ کو فریب دیا کہ مجھ کو انگلستان بھیج دو۔ میں شاہ انگلستان کی بھتیجی ہوں۔ دس لاکھ فوج لندن جاکر لاسکتی ہوں اور تم کو تمام ہندوستان کا بادشاہ بنا سکتی ہوں۔ بادشاہ اس کو انگلستان بھیجنے کے لئے تیار ہوگیا۔ وہ جواہرات لیکر جب لندن کے جہاز پر سوار ہوئی تو اس نے بادشاہ کو تمام حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ بادشاہ کو انتہائی افسوس ہوا۔ (تذکرۂ عالم صفحہ ۲۳۰-۲۳۱)

سلطان مریم بیگم

سلطان مریم بیگم صاحبہ قوم ارمنی ساکن بغداد مذہب عیسائی کی پیرو اور ڈاکٹر شارش کی بیٹی تھیں۔ ان کی ابتدائی شانِ نزول داخل زمرۂ محل متعلق حضرت خلد مکان غازی الدین حیدر ہوئی کہ تیسرا سال جلوس مسند نشینی تھا۔ ان کی ماں ان کو کانپور سے لیکر نصیر الدین حیدر کے آس پاس کرایہ کے مکان میں رہی۔ سال بھر تک انگریزی لباس پہنے سڑک پر کھڑی ہوکر جناب عالی کو سلام کرتی رہی۔ جب قسمت نے یاوری کی تو ایک شب بدست میر گلو خواص کو مع سواری اور مشعلچی بھیج کر بلوایا۔ ان کی ماں میر گلو سے کہتی تھیں کہ میں مایوس ہوکر کانپور جانا چاہتی تھی۔ خرچ کی تنگی تھی۔ غرض یہ مسلط کر محل سرائے میں داخل ہوئی۔ حکم ہوا کہ ایک جوڑا زرِ تین لاکھ کا ہو لے جاؤ اسے پہن کر ہمارے پاس آئیں۔

خلاصہ جب "مشرف بعبادت" ہو چکی تو پانچ ہزار روپے دیکر رخصت فرمایا۔ کئی دن بعد رات کو پھر طلب کیا۔ جواہرات عطا ہوئے اس طرح کچھ دن گزرتے تو بلا بھیجتے تھے۔ آخیر مرتبہ اسلام کی تلقین کی۔ بیگم صاحبہ نے بہ طیب خاطر کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد حکم ہوا کہ ہم نے تم کو بیگم کیا۔

دو برس کھانسی میں مبتلا ہونے کے بعد ۷ اپریل سنہ ۱۸۴۹ء کو انتقال ہوا۔ انتقال سے قبل ایک وصیت نامہ لکھا۔ ریزیڈنٹ کے پاس بھجوایا۔ جس میں درج تھا کہ "میں اپنے اصلی مذہب عیسائی پر تھی۔ میری ماں کی طمع نے مجھ سے اسلام قبول کرایا۔ ظاہر میں مسلمان اور باطن میں عیسائی تھی۔ اس لئے میری تجہیز و تکفین مذہب عیسوی کے مطابق کی جائے۔

نواب مُبارک محل

یہ کرنل عیش کی بیٹی تھی۔ مسماۃ چمپا کے پیٹ سے پیدا ہوئی۔ جن کا بنگلہ کانپور میں چمپا کے نام سے تھا۔ ان کی پیدائش سے پہلے کرنل عیش ولایت چلے گئے۔ ان کو طامس سپر کے والد نے تعلیم دی تھی۔ نصرانی تھیں۔ خلد مکان نواب۔ نمار الدولہ کی بیویوں میں شمار ہوتا تھا۔ ۳۰ جون سنہ ۱۸۴۴ء کو انتقال ہوا (تاریخ اودھ جلد دوم ۵۴ - ۵۵)

نصیر الدین حیدر شاہ کی بیوی مخدرۂ عالیہ

وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ کے عہد میں ایک یورپین عیسائی مسٹر ڈیرلی فکر معاش میں لکھنؤ آیا۔ اسے وہاں کوئی ملازمت نہ مل سکی اور اس نے چند دوستوں کی مدد سے گولہ گنج میں کپڑے کی دوکان کرلی۔ کچھ عرصہ کے بعد لکھنؤ کے دوسرے یورپین سوداگر مسٹر کلوڈن کی بیٹی سے اس کی شادی ہوگئی اور اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ایک لڑکی (بعد میں یہ بھائی بہن امیر مرزا اور شرف النساء کے نام سے مشہور ہوئے)۔ لڑکی مس ایلن ڈیرلی کی عمر ابھی چار پانچ سال کی تھی کہ مسٹر ڈیرلی نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے مرنے کے بعد دوکان تباہ ہوگئی بیوہ اور اس کے بچوں کی بسر اوقات کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ اس زمانہ میں آنجہانی ڈیرلی کی جوان بیوہ کا مستقل تعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کے ایک معمولی افسر ہوپکنس والٹرز سے ہوگیا۔ افسر مذکور اگرچہ تمام مصارف برداشت کرتا تھا۔ اور باہمی تعلقات بھی زن و شوہر کے تھے۔ لیکن اس نے مسز ڈیرلی سے شادی نہیں کی۔ اس ناجائز تعلق سے ایک لڑکی ہیلن پیدا ہوئی تھی۔ جس نے بعد میں "مخدرۂ عالیہ" کے نام سے شہرت حاصل کی اور نصیر الدین حیدر شاہ کی محبوبہ بنی۔

آٹھ دس سال بعد والٹرز بھی مرگیا۔ مسز ڈیرلی نے نیا خریدار حسن پھانسنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کے باغ حسن پر چونکہ آثار خزاں طاری ہوچکے تھے۔ اس لئے کامیاب نہ ہوسکی۔ اس کا بڑا لڑکا ڈوموں اور ڈھاریوں کی صحبت میں بیٹھ کر آوارہ ہوگیا تھا۔ مسز ڈیرلی کے لئے اب لکھنؤ جیسے مرکزی شہر میں رہنا غیر ممکن تھا۔ اس لئے وہ ایلن اور ہیلن دونوں بیٹیوں کے ساتھ (جن میں ہیلن فوجی افسر والٹرز کے ناجائز اختلاط کا نتیجہ تھی) کانپور چلی آئی۔ جس کی حیثیت اس وقت ایک چھوٹے سے قصبہ کی تھی۔

علی بخش ذات کا ڈوم تھا۔ اور ارباب نشاط کے طائفہ میں طبلہ نوازی کے فرائض انجام دیتا تھا۔ طبلچی اچھا تھا۔ شہر کی مشہور طوائفوں کے ساتھ امیروں کے دربار میں پہنچ جاتا تھا۔ ایک دن اودھ کے با اثر امیر نواب صمصام الدولہ کی محل سرا میں رقص و سرود کی محفل گرم تھی اور علی بخش طبلہ بجا رہا تھا۔ اتفاق سے نواب صاحب کو اس کی کوئی حرکت ناگوار ہوئی اور انھوں نے ملازموں کو حکم دیا۔ کہ علی بخش کو جوتے مار کر باہر نکال دیا جائے۔ نواب صمصام الدولہ بہت آن بان کے رئیس تھے۔ ان کے کسی معتوب دربار کو منہ لگانا دوسروں کے لئے آسان نہ تھا۔ شہر کی اونچی طوائفیں گھبرا گئیں اور انھوں نے امراء لکھنؤ کی محفلوں میں علی بخش کو اپنے ساتھ لے جانا ترک کردیا۔ جب طبلہ نوازی کا ذریعہ معاش بند ہوگیا تو علی بخش ڈوم نے کوچین کی حیثیت سے بیوہ مسز ڈیرلی

کے عزیدار حسن مسٹر پاکنس والٹرز کی ملازمت کرلی۔ آدمی بہت طرار اور چرب زبان تھا۔ چند ہی روز میں مسٹر والٹرز کے مزاج پر اس قدر حاوی ہوگیا کہ ان کے خانگی معاملات میں بھی اس کے مشورے شریک ہونے لگے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ مسٹر والٹرز کی داشتہ مسز دھیرن اور علی بخش کے درمیان پوشیدہ ناجائز تعلقات قائم ہوگئے۔ مسٹر والٹرز کی وفات کے بعد مسز دھیرن اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ کانپور چلی گئی تو علی بخش طبلچی اس کا غم مفارقت برداشت نہ کرسکا اور خود بھی لکھنؤ کو خیرباد کہکر کانپور چلا گیا۔

سلطنت اودھ کے مشہور وزیر معتمد الدولہ نواب آغا میر ان دنوں معتوب و معزول ہو کر کانپور کے انگریزی علاقہ میں مقیم تھے۔ علی بخش چونکہ طوائفوں کے ساتھ طبلہ نوازی کی وجہ سے لکھنؤ کے تقریباً سب ہی معزز امیروں سے واقف تھا۔ اسلئے نواب آغا میر کے دربار تک رسائی حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ چند روز بعد محرم خانہ کا انتظام اس کو تفویض کردیا گیا۔ مسز دھیرن کانپور میں اپنی دونوں لڑکیوں کے ساتھ بہت عسرت کی زندگی بسر کررہی تھی۔ علی بخش طبلچی نے اپنا سلسلۂ معاش قائم ہوجانے پر مسز دھیرن اور اس کی لڑکیوں کا بار کفالت برداشت کرلیا اور نواب آغا میر کی کوٹھی کے قریب محلہ گوالٹولی میں ایک چھوٹا سا مکان لے کر علی بخش اور مسز دھیرن غیر شرعی زن و شوہر کی زندگی بسر کرنے لگے۔

کچھ زمانہ اسی طرح گزر گیا۔ اس کے بعد کانپور کے یورپین فوجی افسروں کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی کہ ایک یورپین عورت جس کے ساتھ دو لڑکیاں بھی ہیں۔ ایک ذلیل طبلچی کی داشتہ بنی ہوئی ہے۔ انھوں نے اس کے خلاف ایجی ٹیشن شروع کی۔ دوسری جانب مسز دھیرن کی دونوں لڑکیاں چونکہ اب جوان ہوگئی تھیں۔ علی بخش ان کو لکھنؤ لے جاکر بیش قیمت مالی منفعت کے خواب دیکھ رہا تھا۔ یورپین فوجی افسروں کی مخالفت اور علی بخش طبلچی کے جذبۂ حرص و ہوس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مسز دھیرن اور اس کی دونوں لڑکیوں کو ساتھ لیکر دوبارہ لکھنؤ چلا گیا اور وہاں امرائے اودھ کے درباروں میں مسز دھیرن کی لڑکیوں کے حسن و جمال کا تذکرہ شروع کیا۔ بادشاہ نصیر الدین حیدر کا زمانہ تھا۔ رفتہ رفتہ ان لڑکیوں کے حسن و جمال کا آوازۂ شہرت ان کے کانوں تک بھی پہنچا۔ نصیر الدین تھے بہت رنگین مزاج۔ اور ان کا رجحان بھی یورپین تہذیب و معاشرت کی جانب زیادہ رہتا تھا۔ ان یورپین لڑکیوں کو دیکھنے کے مشتاق ہوئے۔ علی بخش کی وساطت سے تقریب ملاقات بھی پیدا ہوگئی۔ چھوٹی لڑکی ہیلن جو مسز دھیرن اور متوفی فوجی افسر مسٹر والٹرز کے ناجائز اختلاط کا نتیجہ تھی، بادشاہ کو پسند آگئی۔ انھوں نے اسے مشرف بہ اسلام کرکے مخدرۂ عالیہ کا خطاب عطا کیا اور اس سے شیعہ مذہب کے مطابق متعہ کرلیا۔ یورپی لڑکی ہیلن یا مخدرۂ عالیہ کے ساتھ اس کی ماں، بڑی بہن اور بڑے بھائی نے بھی مذہب اسلام قبول کرلیا۔ بڑی بہن کا اشرف النساء اور بڑے بھائی کا نام امیر مرزا قرار پایا۔ بادشاہ نے اپنی خوشدامن مسز دھیرن اور اس کے آشنا علی بخش کو ڈیڑھ لاکھ روپیہ نقد اور ریذیڈنسی کے قریب ایک کوٹھی عطا کی۔ مس امین یا اشرف النساء بھی اپنی ماں اور اس عجیب و غریب "باپ" کے ساتھ رہتی تھی۔ علی بخش نے پہلے اشرف النساء کے ذریعہ اودھ کے کئی امیروں کو بے وقوف بنایا۔ اس کے بعد جب مسز دھیرن مرگئی تو کم بخت تھا تو آخر ذات کا ڈوم ہی۔ اس نے ماں کی جگہ بیٹی کو داشتہ بنالیا۔

جس یورپین لڑکی کی زندگی والدین کی ناجائز محبت کا نتیجہ ہو اور جس نے پرورش بھی اس قدر ذلیل و تاریک ماحول میں پائی ہو اس کا کیرکٹر کس قدر بلند ہوگا۔ یہ اندازہ ہر شخص بآسانی کرسکتا ہے۔ چند ماہ کے اندر شاہ نصیر الدین حیدر اس عورت سے برداشتہ خاطر ہوگئے اور ایک دن اسے کسی معمولی سے خدمت گار سے معروف اختلاط دیکھ کر نکلوادیا۔ بہرحال بادشاہ کی ممتوعہ تھی۔ اس کی بسر اوقات کے لئے چند

روپیہ ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔

مخدرۂ عالیہ محل شاہی سے نکالے جانے کے بعد کچھ دن تو گولہ گنج میں ایک کوٹھی کرایہ پر لے کر رہی۔ اس کے بعد اپنی بڑی بہن شرف النساء اور علی بخش (جو پہلے اس کا باپ اور اب بہنوئی تھا) کے پاس آ گئی۔ مخدرۂ عالیہ چونکہ محل شاہی سے کافی دولت سمیٹ کر لائی تھی اور اس کا مستقل وظیفہ بھی چھ ہزار روپیہ ماہوار تھا۔ اس لئے دونوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔

جولائی ۱۸۳۷ء میں بادشاہ نصیر الدین حیدر نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اُن کی وفات کے پورے تین سال بعد یہ عورت نہ جانے کس شخص کی گل چینیٔ شباب کے فیض سے حاملہ ہو گئی۔ شرف النساء اور علی بخش گھبرائے کہ اگر اس ناجائز حمل کی خبر کہیں حکومت کو پہنچ گئی تو اس کا وظیفہ منسوخ کرانے کی کوشش کی جائے گی۔ ۹ نومبر ۱۸۴۰ء کو اس کا حمل ساقط کرایا گیا۔ دوا اس قدر تیز تھی کہ مخدرہ عالیہ تین دن تک بے ہوش رہی اور ۱۲ نومبر کو مر گئی۔ رشتہ داروں نے چاہا کہ اس کی لاش کو شاہی قبرستان میں بادشاہ نصیر الدین کے قریب دفن کیا جا سکے۔ لیکن محمد علی شاہ تاجدار اودھ نے اجازت نہ دی اور اُسے علی بخش و شرف النساء کی کوٹھی کے احاطہ میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ بعد میں شرف النساء نے جو اپنی بہن کے ترکہ کی وارث قرار پائی تھی۔ قبر کے گرد چار دیواری بنوائی تھی اور ایک چھوٹی مسجد تعمیر کی جو ریذیڈنسی کے احاطہ کے قریب اب بھی موجود ہے۔

مخدرہ عالیہ کی دولت سے علی بخش ڈوم کئی سال تک لکھنؤ اور کانپور میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرتا رہا۔ دولت کے ذریعہ حاصل کردہ اثر و رسوخ کی بنا پر رسول پور کا چکلہ دار بھی مقرر ہو گیا۔ لیکن ۱۸۴۰ء میں اُسے ریذیڈنٹ کے حکم سے گرفتار کر کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ جہاں اس پر استعمال بالجبر، ڈاکہ زنی اور خیانت کے الزامات میں مقدمات چلائے گئے۔ علی بخش کو قیدِ سخت کی سزا ہوئی اور اس کی جائداد و دولت سے ان لوگوں کے نقصانات کی تلافی کی گئی۔ جن کو علی بخش نے لوٹا تھا۔ جس وقت علی بخش کی محل سرا پر چھاپہ مارا گیا تو اندر سے بے شمار مظلوم لڑکیاں برآمد ہوئیں جن کو علی بخش کے ملازموں نے راستہ میں مسافر والدین سے جبراً چھین کر اپنے آقا کی ہوس رانی کے لئے پیش کیا۔ علی بخش کی گرفتاری کے بعد ریذیڈنٹ کے حکم سے یہ لڑکیاں ان کے والدین تک پہنچائی گئیں۔

انگریزی دور میں مشنری کام

مسٹر جڈسن کے لیٹیٹ (عیسائی طبقہ میں شامل) ہونے کے بعد ہندوستان میں لیٹیٹ فرقہ کے حامیوں کی آمدورفت
جاری ہوگیا۔ پریس بٹرنس طبقہ سنہ ۱۸۳۲ء میں ہندوستان کے اندر تبلیغ نصرانیت کے لئے آیا۔ سنہ ۱۸۵۶ء میں
فرقے مشنری کام جاری کیا۔ تقریباً ۱۸۷۷ء تک امریکن مشنری عیسائیوں کی چودہ سوسائٹیوں تبلیغ کا کام انجام
رہی تھیں لے

انگریز مشنریوں کی ہندوستان پر نظر

سنہ ۱۸۱۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے منشور کو
کے لئے برطانوی پارلیمنٹ کے سامنے پیش کیا۔
موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے انگلینڈ کی عیسائی انجمن ترقی علوم عیسائیت نے آرک بشپ کی معرفت ہندوستان
نصرانیت کی اجازت چاہی۔ جس کی اجازت ان کو حاکمانہ سہولتوں کے ساتھ اب تک نہیں ملی تھی۔ اُن کی خواہش
کہ اس دینی فرض کے لئے چیف پریزیڈنسیوں میں ایک ایک بشپ مقرر کیا جائے۔ مذہبی اسکیم کے لئے اس اسکیم کی پا
میں لوگوں نے کافی مخالفت کی۔ ان کی نظر میں اس سے ہندوستان کے امن وامان میں خلل پڑنے کا قوی اندیشہ تھا۔ اس
اس مسئلہ پر کافی غور وخوض کرنے اور پارلیمنٹ کے دونوں ہاؤس میں مخالفانہ اور موافقانہ بیانات لینے کے بعد ہاؤس
کی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزی پادریوں کی نگرانی کرنے کے لئے ایک بشپ اور تین
مقرر کئے جائیں۔ تاکہ پادری ہندوستان میں اپنی تنظیم کا جال پھیلا سکیں۔ اس تجویز کو پارلیمنٹ نے ایکٹ
میں طبع کرا کر مئی سنہ ۱۸۱۴ء میں جاری کیا۔ بشپ کا صدر مقام ایسٹ انڈیا کمپنی کے محروسہ علاقوں میں مقرر
یہ علاقے ان علاقوں سے کہیں زیادہ بڑے تھے۔ جن پر برطانوی شہنشاہیت کا تسلط تھا۔ ان کی وسعت دہلی
اور سندھ سے گنگا کے دھارے تک تھی۔ چار سال کے بعد سیلون بھی ان علاقوں میں شامل کردیا گیا اور کولمبو میں
کی طرف سے (کلکتہ کے بشپ کی جانب سے نہیں) ایک آرک ڈیکن کا تقرر ہوا۔ اس کے ایک سال بعد
بھی ان علاقوں میں شامل کردیا گیا۔ جب یہ علاقہ بہت وسیع ہوگیا تو ایسٹ انڈیا کمپنی کو منشور میں اضافہ کرنے کی ضر
ہوئی۔ چنانچہ مدراس سنہ ۱۸۳۵ء میں اور بمبئی سنہ ۱۸۳۷ء میں اس مرکز سے علٰحدہ ہوگیا۔ ان کی پریذیڈنسیاں علٰح
گئیں اور کلکتہ کے مرکز سے ان کا کوئی تعلق نہ رہا۔ سنہ ۱۸۳۷ء میں کلکتہ کے بشپ کا علاقہ فورٹ ولیم آگرہ
کی کھاڑی کے پورے علاقہ اور کمپنی کے دوسرے علاقوں تک محدود کردیا گیا۔ جس سے سیلون کے بشپ کے علا
کے بشپ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا۔ نیوساؤتھ ویلز کے علاقہ کی نگرانی کلکتہ سے ہونا ناممکن تھی۔ اس لئے
میں اس کے لئے بھی علیحدگی کا حکم صادر ہوا۔

لے تاریخ مختصر کلیسیائے ... جان قلیم رسٹ (۶۱)

تنظیمی شورش

جس طرح بتدریج ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان کے علاقوں پر قبضہ کرتی چلی گئی۔ اسی رفتار سے کلکتہ کے بشپ کے علاقوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ پنجاب، آسام، برما جس کا علاقہ … لاکھ مربع میل سے بھی زیادہ پر مشتمل تھا۔ کلکتہ کے بشپ سے متعلق کردیئے گئے تھے۔ ان علاقوں کی شمولیت نے مجبور کیا۔ … ان میں تبلیغ مسیحیت کرنے کے لئے نیا عملی نظام قائم ہوا۔ چنانچہ پہلے بشپ مڈلٹن مقرر کئے گئے۔ جو ہندوستان میں ۱۸۱۴ء … وارد ہوئے۔ یہ ایک مشہور قابل ولائق عالم وشاعر اور تجربہ کار منتظم تھے۔ یونیورسٹی چھوڑنے کے بعد اس نے ایک کتاب … لکھی تھی۔ جس کا نام بائیبل میں یونانی آرٹیکل کا استعمال تھا۔ اس کتاب نے اس کو شہرت کے زینہ پر چڑھایا۔ ۱۸۱۱ء … میں اس کو سنٹ پیکراس لنڈن کا رکٹر مقرر کیا گیا۔ وہیں اس نے تبلیغی کام کا تجربہ حاصل کیا۔ بعد ازاں ایسٹ انڈیا کمپنی … اس کو ہندوستان میں عیسائیوں کی تنظیم کرنے کا کام سپرد کردیا گیا۔ آٹھ سال بشپ کی حیثیت سے اس نے تین پریذی… …یوں کے دورے کئے وہ آگرہ اور دہلی میں نہیں آیا۔ اس لئے کہ ان علاقوں میں گرجے نہیں تھے۔ اس کے دورے کا کلکتہ … …ت اثر ہوا۔ ۱۸۱۸ء میں اس نے سوسائٹی برائے ترقی علوم عیسائیت کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۱۹ء میں ایک قومی اسکول … …ی کیا۔ جو بعد میں سینٹ جیمس کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ کی شکل اختیار کرگیا۔ اسی سال سنگلی، ٹامل، مدراس اور …یلون کے پادریوں کے استعمال کے لئے دعاؤں کی کتابیں چھاپی گئیں۔ ۱۸۲۰ء میں اس نے اپنے ہاتھوں سے بشپ کالج کی … ڈالی۔ جس سے ہندوستان میں مشنری (تبلیغ مسیحیت) کے کام میں بڑی مدد ملی۔ ڈاکٹر مڈلٹن نے ۱۸۲۱ء کے اندر …ف جون کے گرجوں میں ایک لیکچر دیا۔ جس میں عیسائیت کی روحانی ترقی اور عیسائیت کو پھیلانے کی اسکیموں کے خاکے … کئے۔ بشپ مڈلٹن ۸ جولائی ۱۸۲۲ء میں انتقال کرگئے۔ ان کا جانشین سب سے پہلا عیسائی شاعر ہیبر نامی مقرر … اس کی شہرت کا باعث اس کی ایک نظم فلسطین ہوئی جو اس نے شیلڈونین تھیٹر لندن میں ۱۸۰۳ء میں سنائی جس … سننے والوں پر انتہائی اثر ہوا اور مقبولیت عام ہوئی۔ اس نے بہت سی عیسائی نظمیں لکھیں۔

وہ ۲۲ راپریل ۱۸۲۳ء کو شروب شائر چھوڑ کر جون ۱۸۲۳ء میں کلکتہ میں وارد ہوئے۔ اس دوران میں …نے ڈم ڈم بستی میں جہاں عیسائی بسائے تھے۔ کئی تقریریں کیں۔ ۹ راپریل ۱۸۲۴ء میں وہ دورہ پر گئے اس دورہ … کا مقصد پادریوں میں ڈسپلن پیدا کرنا۔ تبلیغی پروگرام کو تیز کرنے اور پادریوں کی اخلاقی حالت کو درست کرنا تھا۔ دہلی میں اس … بادشاہ سے ملاقات کی اور ایک مجلد بائیبل اور دعاؤں کی کتاب بادشاہ کو دی۔ اس سے پہلے وہ کانپور، الہ آباد جا چکے تھے … راستے بڑودہ، سورت، بمبئی، پونہ، ستارہ، گالے، کولمبو ہوتے ہوئے (مدراس) پہنچے۔ نوآبادیات کے پادریوں اور مشنریوں … کی ایک مجلس میں شامل ہوئے۔ اس میں اُن ہندوستانی نوابوں کے لئے جو نئے عیسائی بنائے گئے تھے قوانین بنائے گئے۔ اور …وں سے مدراس کے آرڈیکن کے ساتھ مدراس کے گرجوں کا دورہ کیا۔ بشپ ہیبر نے اپنی رپورٹ میں شکایت کی ہے کہ … علاقہ … کو چھوڑ کر سب علاقوں میں مشن کا کام بہت کمزور ہے۔ راجہ تنجور کی مدد کی وجہ سے تبلیغی کام شباب پر ہے۔ … ہیبر کی تندرستی اچھی نہ ہونے کی وجہ سے زندگی نے زیادہ ساتھ نہیں دیا۔ اپریل ۱۸۲۶ء میں ترچناپلی پہنچے۔ یہاں انکو … پڑا۔ آخر کلکتہ پہنچنے کے ایک روز بعد مر گئے۔

ان کے بعد دو بشپ ڈاکٹر جیمز اور ڈاکٹر ٹرنر مختصر مدتوں کے لئے آئے۔ ڈاکٹر جیمز نے ۱۷ جنوری سے ۲۱ اگست ۱۸۲۸ء تک بطور انچارج کے کام کیا۔ اس دوران میں انھوں نے تبلیغ عیسائیت کے لئے بائیبل کی تقسیم، عیسائیوں کے اسکولوں یتیم خانوں اور پبلک اسکولوں کی اصلاح میں بڑی سرگرمی دکھائی۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پٹنہ کا سفر کرتے ہوئے فوت ہوگئے۔ ان کے جانشین بشپ ٹرنر مقرر ہوئے۔ ۱۸۳۰ء میں انھوں نے بہت سے یتیموں کے اسکول قائم کئے۔ اس کے ساتھ آپ خیراتی ہس کے بانی ہیں۔ اس سوسائٹی کا جو روپیہ آتا ہے۔ اس میں سے بڑا ہندوستانیوں میں تبلیغ کرنے کے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ آپ بھی زیادہ دن خدمت نہ کر سکے اور ۱۸۳۱ء میں فوت ہوگئے۔ ان کی جگہ ڈاکٹر ولسن مقرر ہوئے سوا ۲۶ برس تک اس عہ پر فائز رہے۔ کئی چیریٹی اسکول قائم کئے۔ پادریوں کی ایک جماعت بنائی اور تبلیغی پروگرام اور مذہبی عروج کے لئے تن دہی کام کیا۔ اور ہندوستان کے لوگوں پر پادریوں کا رعب و دبدبہ قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے۔

ان کے بعد ڈاکٹر کاٹن ۱۸۵۸ء میں بشپ بنائے گئے۔ وہ ایک بہترین مناظر اور بحث و مباحثہ میں دلچسپ والے بشپ تھے۔ جو اردو میں بہترین تبلیغی تقریر کرتے تھے۔ انھوں نے تقریروں سے مسیحیت کا زبردست پروپیگنڈا کیا اور پہاڑی علاقوں میں اسکول قائم کئے۔ دس سال کے بعد ۱۸۶۶ء میں وہ ندی میں ڈوب کر مر گئے۔

بشپ کاٹن کے بعد بشپ مل مین کلکتہ کے بشپ مقرر ہوئے۔ یہ شخص کئی زبانیں جانتا تھا اور انتہائی محنتی تھا۔ راولپنڈی میں ۱۵ مارچ کو ۱۸۷۶ء میں فوت ہوا۔ ان کے بعد ڈاکٹر ایڈورڈ رول جونس مقرر ہوئے۔ گرجا تعمیر کرا ہندوستانیوں کو حلقۂ عیسائیت میں لانے کی کوشش کی۔ اس اثنا میں کتنے گرجا بنوائے اور کتنی ہندوستانی تعداد چ کا اثر پڑا۔ نیز پادریوں کی تعداد کیا تھی۔ یہ حسب ذیل نقشے میں ملاحظہ فرمائیے۔

جملہ	کولمبو	بمبئی	مدراس	کلکتہ	پادری	سال
۳۲	...	۵	۱۲	۱۵	بڑا پادری	۱۸۱۴ء
۷۶	..	۱۸	۲۸	۲۸	بڑا پادری	۱۸۳۰ء
...	۵۰	۳۲	۲۸	۵۳	چھوٹا پادری	۱۸۳۵ء
۲۳۳	۱۵	۱۰	۵۰	۵۰	دوسرے پادری	"
...	۱۰	۳۱	۴۰	۹۰	چھوٹا پادری	۱۸۷۶ء
۵۶۵	۵۳	۲۸	۱۶۰	۱۵۳	دوسرے پادری	"

گرجے

جملہ	کولمبو	بمبئی	مدراس	کلکتہ	گرجے	سال
۱۰۰	...	...	...	...	"	۱۸۱۴ء
۳۶	...	۹	۱۱	۱۶	"	۱۸۳۰ء
۱۳۴	۱۰	۱۶	۲۴	۸۴	"	۱۸۳۵ء
۱۲۱	۱۳	۲۷	۴۸	۲۳۳	"	۱۸۷۶ء

ہندوستان کے لارڈ پادری

بمبئی	سال	مدراس	سال	کلکتہ	سال
ٹی۔ کار۔ ڈی۔ ڈی	۱۸۳۶ء	ٹی کراکی ڈی۔ ڈی	۱۸۳۵ء	ٹی ایف میڈلٹن ڈی ڈی	۱۸۱۴ء
ڈبلیو ہارڈنگ ڈی ڈی	۱۸۵۱ء	جے ایف سپنسر ڈی ڈی	"	ایچ ریبر ڈی ڈی	۱۸۲۲ء
		ٹی ڈیلٹری ڈی ڈی	۱۸۴۹ء	جے ٹی جیمس ڈی ڈی	۱۸۲۷ء
		ایف گل ڈی ڈی	۱۸۶۱ء	ٹی ولسن ڈی ڈی	۱۸۳۲ء
				جے ای ایل کوٹن ڈی ڈی	۱۸۵۸ء
				آر ایل مین ڈی ڈی	۱۸۶۷ء
				ای آر جونسن ڈی ڈی	۱۸۷۶ء

عیسائیت کی روشنی پھیلانے والی جماعت } یہ جماعت لندن میں ۱۶۹۸ء میں قائم ہوئی اس کا مقصد مذہب عیسائیت کی تبلیغ کرنا اور مسیحیت کو ترقی دینا تھا۔ اس جماعت نے ۱۸۶۸ء میں انجیل اور دعاؤں کی ۶۳۶۶۹۲ جلدیں اور ۶۵۹۶۳۱۹ کتابیں اور ٹریکٹ تقسیم کئے۔ اسی سال اس جماعت نے ۵ ہزار پونڈ انگلستان میں گرجا بنانے اور تین ہزار پونڈ ٹریننگ اسکول قائم کرنے کے لئے خرچ کئے اور اسی طرح ایک رقم کثیر بیرون یورپ ممالک (ہندوستان) وغیرہ میں عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے صرف کی گئی۔ ۱۸۶۷ء میں اس جماعت کی آمدنی کتابوں کی فروختگی اور چندوں سے چالیس ہزار پونڈ تھی۔ ۱۸۶۷ء میں اس سوسائٹی نے ۱۵ ہزار پونڈ ہندوستان میں اپنے گرجوں کے بنانے اور تبلیغ عیسویت پر خرچ کئے۔

کلکتہ میں اس جماعت کے ماتحت "کلکتہ کے پادریوں کی جماعت" بشپ میڈلٹن نے ۱۸۱۵ء میں قائم کی۔ جس کے صدر خود بشپ اور نائب صدر کلکتہ کے آرچ ڈیکن تھے۔ دو کمیٹیاں بنگال اور بنکیور اور این ڈبلیو رنکیور کیٹ اسی جماعت کے زیر اثر بنائی گئیں۔ اس سوسائٹی کے مذہبی جوش کا اندازہ اس کام سے لگایا جاسکتا ہے جو اس نے کلکتہ میں انجام دیا۔ ۱۸۶۲ء میں اس نے اپنے گودام سے ۱۰۳۶۹ انجیلیں اور دعاؤں کی کتابیں تقسیم کیں۔ ۱۸۶۳ء میں یہ تعداد ۸۱۰۶۵ تک پہنچ گئی اور ۱۸۶۴ء میں یہ تعداد ۲۵۲۱۹ کے اعداد کو چھونے لگی۔ ۱۸۶۴ء میں پادریوں کی کمیٹی کی جانب سے ۱۴۰۶۔ ۷۷ روپے اسکول ماسٹروں اور پادریوں کو دئے گئے۔ ۱۸۶۴ء میں ۷۔۷۔۱۵۰۰ ۱۸۶۵ء میں ۔۔ ۔ ۶۹۶ اور ۱۸۶۶ء میں ۹-۱-۲۷۱۳-

ان سوسائٹیوں اور کمیٹیوں کے فنڈ تمام تر مذہبی کتابوں کے چھاپنے، تبلیغی پروگراموں اور مشرقی زبانوں میں بائبل چھاپنے اور گرجوں کے قائم کرنے میں خرچ کئے جاتے تھے۔ ۱۸۶۵ء میں اس سوسائٹی کے ڈپو کی کتابوں کی فروختگی

۸-۱۳ - ۱۲,۰۰۰ کی آمدنی ہوئی -

یہ جماعت سنہ ۱۷۰۱ء میں بادشاہ ولیم سوئم

بیرون یورپ کے عیسائی بنانے والی جماعت

کے حکم سے قائم ہوئی۔ جس کا مقصد بیرون یورپ (ہندوستان وغیرہ) میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا اور اس کے واسطے فنڈ کی فراہمی، خرچ کا معقول انتظام اور دیگر ملکوں میں گرجاؤں کی تعداد بڑھانا تھا۔ ہندوستان میں اس جماعت کی پادری کمیٹی سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء میں قائم ہوئی۔ جس کے بانی و صدر بشپ ہیبر اور اس کے نائب صدر آرک ڈیکن کلکتہ تھے۔

اس جماعت نے شمالی ہندوستان کے علاقوں میں جو کام کیا ان کی تفصیل یہ ہے۔

سنہ ۱۸۲۵ء میں اس جماعت نے بشپ ہیبر کے مشورے سے بھاگل پور میں پادری کرسچن کو پادری مقرر کیا۔ ڈبلیو مرٹون کو جو سب سے پہلا بنگالی مبلغ (مشنری) تھا۔ چن سراہ کا پادری بنایا گیا۔ اسی سال کالی کٹ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا قبضہ ہوا۔ جہاں کا پادری سنہ ۱۸۳۲ء میں جے کارشو کو بنایا گیا۔ تیز پور اور آسام پر قابض ہونے کے بعد گرجے اور اسکولوں کا قیام ہوا۔

اس کے دو سال کے بعد برما میں بھی تبلیغی پروگرام کو وسعت دی گئی۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں مشن نے کرن اور ہانگو میں گرجے بنائے۔ دہلی میں سنہ ۱۸۵۴ء سے تبلیغی پروگرام کی ابتدا کی۔

غدر کے زمانہ میں پادری اور اُن کے دو ساتھیوں کا قتل ہونے پر تبلیغی کام بند کر دیا تھا۔ لیکن امن کے بعد پھر شروع کر دیا گیا۔ چھوٹا ناگپور میں تبلیغی کام بڑی کامیابی کے ساتھ چلا۔ چنانچہ اس جدوجہد کا حسب ذیل نقشہ ہے۔ جو سنہ ۱۸۷۵ء میں پادریوں کی کوشش سے ہندو اور مسلمانوں کے عیسائی بننے کی تفصیل پیش کرتا ہے۔

[illegible]	[illegible]	شادی شدہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	گرجے	مدارس	مبلغ	مقامات
۷	۱	۲	۹	۳۵	۱۲۳	۱۴	۲	۱	..	۲	۲	۲	آسام (تیزپور)
		۲۶	۴۳	۴۹۲	۳۰۸	۷۲	۲۱	۳	۶	۲	۷۵	۲	باری پور، مگراہٹ (بنگال)
۵	۴	۱	..	۹۵	۱۴۷	۸	۲	..	..	۱	۳	۲	کلکتہ کتھیڈرل
۱۳	۴	۴	۳	۵۷	۱۷۷	۲۱	..	۱	..	۱	۔	۱	ہندوستانی
..	۷	۲	۱	۲۰	۱۰۴	۷	۲	۱۱	۱	۹	۹	۱	ہاوڑہ
..	۳	۴۳	۱۲۳	۴۴۳	۱۶	۵۸	۱۵	..	۸	۱	۲۴	۳	نارے کنگ
..	..	..	۲	۱۳	۲۸	۱	..	..	..	۱	۱	۱	منڈالہ ہا
..	۱۳	۱۰	۲۵	۴۱	۳۸۰	۲۵	..	۵	..	۱	۸	۲	رانگون

تعداد ہندوستانی عیسائی	[illegible]	شادی شدہ	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	مقامات
..	..	..	۲	۲۲	۳۵	۱۴	۲۰	۱	۵	۰	۱	۱	ٹنٹ میو
..	۱	..	..	۴	۸	۳	۰	۳	۰	۰	۱	۰	ٹھنگرہ
۱۵۴۸	۶۸	۸۰	۱۲۴۴	۳۳۰۲	۷۸۴	۱۳۸۹	۴۲	۰	۵	۴	۳۴۳	۱۵	چھوٹا ناگپور
۷	۰	۲	۶	۶	۲۲	۹	۰	۱	۰	۱	۰	۱	بندرا - نورتھ - ویسٹ صوبہ
۸	۱۲	۶	۶	۳۶	۱۲۰	۲۴	۰	۱	۰	۱	۰	۳	کان پور
۶	۱۵	۱۸	۰	۱۱	۱۰۲	۲۱	۰	۰	۰	۰	۰	۱	اسراہور اور بھناگے
۰	۴	۰	۳۵	۱۳۰	۲۲۳	۴۶	۳۲	۰	۶	۱	۴	۲	دھلی
۱۵۶۹	۲۷۴	۱۹۸	۱۴۳۵	۵۱۱۶	۱۳۷۹	۱۷۰۲	۱۱۶	۱۶	۲۶	۱۶	۴۳۱	۳۷	ٹوٹل

اس جماعت نے ۱۸۷۱ء میں سب سے زیادہ عیسائی بنائے۔ اس سے قبل زیادہ عیسائی نہیں بنے۔ اس سے پہلے ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ۹۹۶۲ تھی۔ وہ ۱۸۷۱ء میں ۱۲۰۷۹ تک پہنچ گئی۔ پہلے ۳۵۶۵ عیسائیت کے دائرے میں داخل تھے۔ وہ ۱۸۷۲ء میں ۵۱۱۶ ہو گئے۔

۱۸۷۱ء میں جو عیسائی بنائے گئے۔ وہ ۱۰۸۷ افراد تھے۔ جو ۱۸۷۲ء میں ۱۷۰۲ ہو گئے۔

چرچ مشن سوسائٹی

۱۷۹۹ء میں لندن کے اندر اس سوسائٹی کا قیام ہوا۔ اس کا مقصد افریقہ اور یورپ کے ملکوں میں عیسائیت کو پھیلانا تھا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس نے اپنی حدود میں توسیع کرلی اور افریقہ و یورپ کے باہر بھی قدم رکھنا شروع کر دیا۔ ۱۸۰۷ء میں اس سوسائٹی نے ڈھائی سو پونڈ ہندوستان میں نصرانیت کی تبلیغ کے لئے بھیجے اور تین پادری براؤن، بچہ حق (ایسٹ انڈیا کمپنی کے پادری) اور مسٹر اڈنی کو کلکتہ بھیجا۔ انھوں نے یہ رقم ہندوستان کے مفتوحہ زبانوں میں انجیل کے ترجموں پر خرچ کی۔

کلکتہ میں ہندوستانیوں میں تبلیغ کرنے کے لئے یہ سوسائٹی ۱۸۱۴ء میں قائم ہوئی۔ ۱۸۱۵ء میں کیدر پور (خضر پور) اور ڈم ڈم میں اپنے اسکول کھولے۔ اور ۱۸۱۶ء میں انڈین مشن کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے صدر کلکتہ کے بشپ بنائے گئے اور سکریٹری جے ولینڈ مقرر ہوئے۔ اسی سوسائٹی کی طرف سے بنگال میں جو پہلے مبلغین (مشنری) آئے۔ ان میں گرین ووڈ اور شروٹر کا نام لیا جاتا ہے۔ جو کلکتہ میں جون ۱۸۱۶ء میں وارد ہوئے۔ گرین ووڈ تعلیم

کام میں مصروف ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد تبت چلے گئے۔ جہاں چار سال بعد فوت ہو گئے۔ ۱۸۱۹ء میں انگلینڈ سے ایک پریس بھی بھیجا گیا۔ جس کے ذریعہ بیس سال تک ۔۔ مسیحی لٹریچر شائع کیا گیا۔ ۱۸۲۱ء میں اس سوسائٹی نے اپنا ہیڈ کوارٹر مرزاپور میں قائم کیا۔ اور یہاں بہت سی عمارتیں تعمیر کیں۔ ستمبر ۱۸۲۳ء میں اس سوسائٹی نے چرچ مشنری ایسوسی ایشن قائم کی۔ جس سے اسکول اور گرجے قائم کرنے میں مدد ملی۔ ۱۸۲۴ء میں ہندوستانی عورتوں میں یسوع مسیح کا پروپیگنڈا کرنے اور مسیحیت کی تبلیغ کے واسطے لیڈیز سوسائٹی فور نیٹو فیمیل ایجوکیشن قائم کی۔ جس کی سرپرست لیڈی ہیسٹنگز مقرر ہوئیں۔ ۱۸۲۵ء میں عبدالمسیح جسے ۱۸۱۱ء میں عیسائی بنایا گیا تھا اور جس کے بارے میں ابتدائی سوسائٹی کی رپورٹ میں بشپ ہیبر پادری باؤلے وغیرہ نے اس کے کام کی بڑی توصیف کی۔ اپنے بارے میں لکھتا ہے کہ اس کا اسلامی نام شیخ صالح تھا اور دہلی کے سربرآوردہ مسلمانوں میں سے تھا۔ وہ شاہ اودھ کے دربار میں جواہرات کا داروغہ تھا۔ جب وہ کانپور میں تھا تو ہنری مارٹن سر بازار منادی کر رہا تھا۔ وعظ کو سن کر مذاہب کی چھان بین کا شوق پیدا ہو گیا۔ اس نے ثابت سے جو ہنری مارٹن کے ساتھ انجیل کا اردو ترجمہ کرتا تھا۔ درخواست کی کہ مجھے اپنا کاتب بنا لو۔ جوں جوں وہ انجیل کے ترجمہ کی کتابت کرتا گیا۔ اس کی روحانی پیاس بجھتی گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۱۱ء میں پادری ڈیوڈ براؤن کے ہاتھوں اس نے کلکتہ کے پرانے گرجا میں بپتسمہ لیا۔ جب کوری آگرہ میں مقرر ہو گیا تو اس کو اپنے ساتھ چرچ مشنری سوسائٹی کا واعظ بنا کر لے گیا۔ عبدالمسیح سی ایم سی کا ہندوستان میں پہلا کارندہ تھا۔ اس نے آگرہ میں بہت محنت کی۔ سولہ ماہ کے اندر پچاس ہندو اور مسلمان مسیحیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ۱۸۱۴ء میں اس کی تصویر بھیجی گئی جو چرچ مشن میں اب تک لٹکتی ہے۔ عبدالمسیح کے خطوط جو انگلستان باقاعدہ جاتے تھے۔ نہایت دلچسپ تھے۔ سوسائٹی کے احباب ان کو شوق سے پڑھتے تھے۔ عبدالمسیح چرچ مشن سوسائٹی کا پہلا میڈیکل مشنری تھا۔ کیونکہ وہ طبابت جانتا تھا اور دور دور سے لوگ اس کے پاس علاج کے لئے آتے تھے۔ بشپ مڈلٹن نے اس کو قسیس کے عہدے پر مقرر کرنے سے ہندوستانی ہونے کی بنا پر انکار کر دیا تھا۔ لیکن اس کے جانشین بشپ ہیبر کو ہندوستانیوں کے تقرر پر کوئی اعتراض نہ تھا اور اس نے ۳۰ نومبر ۱۸۲۵ء کو اس کو خادم الدین کے عہدہ پر سرفراز کیا۔ جو ۱۸۲۷ء میں ۱۶ سال کی خدمت کے بعد فوت ہوا۔

بشپ ہیبر کی موت کے بعد سوسائٹی کے کام میں بڑی رکاوٹ پڑ گئی۔ ۱۸۶۵ء میں اس سوسائٹی کی جانب سے کھدرل میں نشن کالج قائم کیا گیا۔ جو کلکتہ کے بڑے تعلیمی اداروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ۱۸۱۶ء میں ضلع بردوان میں بھی تعلیمی کام شروع کیا گیا۔ لیکن یہاں مبلغین (مشنریز) ۱۸۲۰ء تک نہیں آسکے۔ ۱۸۳۱ء میں جے جے ویتبر رفتہ کو یہاں کا انچارج بنایا گیا۔ یہاں عیسائیوں کی ایک آبادی پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ اب اس ضلع میں کئی اسکول قائم کئے گئے۔ ایک یتیم خانہ بھی کھولا گیا۔ ۱۸۱۷ء میں دی کوری پادری کو بنارس کا انچارج بنایا اور اسی سال اس سوسائٹی کو جے نرائن اسکول کو اپنے نام تبدیل کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ اسکول ایک بڑے متمول راجہ کے نام پر تھا۔ اس علاقہ کے سب سے پہلے پادری ۱۸۲۱ء میں ڈی مورس تھے۔ یہاں سازگار فضا پیدا کرنے والے پادری ڈی لونتر اللہ دیگر پادری سوسائٹی

کے اس علاقہ میں کامیاب اور شاندار اسکول ہیں اور عیسائیوں کے دو گاؤں ہیں۔ دو گرجے ہیں جن کے انچارج ہندوستانی پادری ہیں۔

گورکھپور میں تبلیغی کام سنہ ۱۸۲۳ء میں شروع ہوا۔ اس وقت وہاں سوسائٹی کا ایک بڑا یتیم خانہ اور ایک گاؤں بھی ہے۔ کرشن نگر میں سوسائٹی کی جانب سے سنہ ۱۸۳۱ء میں پہلا مشن قائم کیا گیا۔ دوسرے سال وہاں پادری ڈیر مقرر ہوئے۔ کئی ایسے اسکول قائم ہوگئے۔ جن میں سے پادری بغرض دورہ پر جاتے تھے۔

۱۸۳۱ء میں ہندوستانیوں کی طرف توجہ دی اور اس سال تین مہینہ کے اندر ہی تین ہزار عیسائی بنائے گئے۔ اعظم گڑھ میں ۱۸۳۱ء میں تبلیغ کے کام کا آغاز ہوا۔ آگرہ کے ضلع میں پادری کری کی طرف سے ۱۸۱۲ء سے تبلیغی کام جاری تھا۔ ان کے تبلیغی کام میں عبدالمسیح بہت امداد و اعانت کرتے تھے۔ جن کو کری صاحب کے جانے کے بعد آگرہ کا انچارج بنایا گیا۔ ۱۸۳۹ء میں آگرہ کے اندر پادری ہورنل آئے۔ جنہوں نے ہندوستانی عیسائیوں کے لئے ایک گرجا قائم کیا اور بعجلت سینٹ جونس کالج کی بنیاد رکھی۔ ۱۸۳۹ء کے قحط کے موقع پر مشن کی طرف سے آگرہ کے نزدیک سکندرہ میں ایک بڑا یتیم خانہ کھولا گیا۔ جس کے ساتھ ۱۸۴۰ء میں ایک پریس بھی لگا دیا گیا۔ ۱۸۴۲ء میں آگرہ میں ایک گرجا بنایا گیا۔

یو۔پی میں کام کی رفتار حسب ذیل تھی اور ضلع کے مرکزوں کا قیام اس طرح پر کیا گیا۔

۱۸۵۰ء میں بھاگل پور اور جبل پور میں ۱۸۵۴ء، متھرا میں ۱۸۵۶ء۔ لکھنؤ میں ۱۸۵۶ء، الہ آباد میں ۱۸۵۹ء، فیض آباد میں ۱۸۶۲ء، اور اسی سال دم گڈیم سی پی میں، ۱۸۶۴ء میں علیگڑھ میں مشنری کام شروع کئے گئے۔ ۱۸۴۳ء میں سوسائٹی نے کوٹ گڑھ (ہمالیہ) میں ایک اسکول قائم کیا۔ جہاں سے عیسائیت کی تبلیغ ہوتی تھی۔ ۱۸۵۴ء میں کوٹ لاڑ کے قریب کانگڑہ میں جب گورنمنٹ کا قبضہ ہوگیا تو مشنری کا جال پھیلایا گیا۔

پنجاب میں سوسائٹی کا کام مختلف ضلعوں میں حسب ذیل سالوں میں شروع کیا گیا۔

امرتسر میں ۱۸۵۲ء میں، ملتان و پشاور میں ۱۸۵۵ء میں، ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں ۱۸۶۰ء میں، سرینگر میں ۱۸۶۲ء میں اور بہت سے مقامات پر، ڈاکٹر الس لی اور اس کے جانشین ڈاکٹر میکول کی طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ کام کیا گیا۔ ۱۸۶۷ء میں لاہور کے اندر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ایک اسکول قائم ہوا۔

۱۸۶۲ء میں اس سوسائٹی کی جانب سے منتھال نے (جنگلی قوموں میں) تبلیغ کے کام کا نیا میدان تجویز کیا اور اُن کے ضلعوں میں گرجے اور اسکول قائم ہوگئے۔ تال بھاری اس علاقہ کا تبلیغی ہیڈ کوارٹر مقرر ہوا۔ چنانچہ یکم اکتوبر ۱۸۷۴ء سے ۳۱ دسمبر ۱۸۷۵ء تک پندرہ ماہ میں اس سوسائٹی نے ہندوستانیوں میں کتنی تعداد میں کس کس مقام پر عیسائی بنایا اس کی تعداد حسب ذیل نقشہ میں ملاحظہ ہو۔

مقامات	عیسائیت کے قریب اشخاص	نو عیسائی	طالب مذہب عیسوی	گرجا میں شامل ہونے والے
ٹرنیٹی چرچ کلکتہ	۲۰	۳۶۴	۳۰	۱۲۵
کرائسٹ چرچ کلکتہ	۰	۳۸	۲	۲۵
کدھر پور	۲	۱۶۹	۳	۵۱
بھاکر پور	۲۳	۲۸۷	۵	۵۸
کرنو پور	۱۰	۱۵۷	۰	[illegible]
اگرپارہ	۲۰	۱۸۸	۱	۱۰۶
بردوان اینڈ کو	۶	۸۷	۱	۲۵
برنگور اور بن ہوگلی	۵	۴۴	۰	۹
کرشنا گھور	۲۷	۴۴۱	۰	۱۲۵
کپڈیگا	۴۰	۹۰۸	۰	۳۳
چپسر	۳۷	۷۵۶	۰	۲۶
رتنا پور	۲۵	۹۱۲	۰	۳۶
سبو پور	۳۵	۱۳۹۱	۰	۸۴
جوگندو	۱۶	۲۵۳	۰	۲۴
سولو	۲۱	۹۲۴	۰	۴۶
پنبا اور نا گھاٹ	۱	۲۳	۰	۸
سنتھالیہ تھاری	۱۲۴	۹۴۹	۳۵	۳۹۸
گردا	۱۴	۱۸۶	۰	۶۰
سرن پور	۳۸	۱۵۸	۹	۶۷
بھاگل پور	۳۳	۳۰۷	۰	۷۸
بنارس	۲۳	۴۵۶	۰	۱۰۷
چنار	۱	۳۶	۰	۳۸
اعظم گڑھ	۴	۳۵	۱	۱۴
گورکھپور	۴۸	۵۳۱	۴	۱۷۵
الہ آباد	۳۳	۴۸۴	۰	۱۳۵
آگرہ	۱۷	۲۴۵	۰	۷۹

سکندرہ	۱۷	۴۲۹	۴۷	۴۲۱
متھرا	۴	۴۴	۵	۲۱
علی گڑھ	۹	۲۵	۱	۱۳
بلند شہر	-	۳۲	۰	۲۰
میرٹھ	۱۶	۳۰۴	۰	۱۷۳
اکلا	۱	۳۹	۰	۱۷
ان فائلڈ	۱۵	۳۴۶	۲۳	۱۵۷
جبل پور	۱۲	۱۲۵	۳	۳۰
لکھنؤ	۴۱	۳۴۵	۰	۱۳۷
فیض آباد	۴	۵۵	۳	۲۴
کوٹی گھر	۵	۴۸	۰	۲۱
کنگرہ	۲	۶۷	۲	۲۵
امرتسر	۴۰	۲۰۱	۱۸	۸۰
لاہور	۱۳	۲۹۱	۷	۹۹
ملتان	۳	۱۶	۲	۱۴
پشاور	۹	۱۰۸	۳	۳۱
ڈیرہ اسمٰعیل خاں	۲	۱۸	۱	۹
پونہ	۱	۸	۰	۴
کل	۸۲۰	۱۲۹۵۴	۲۱۱	۲۹۴۵

چرچ مشنری سوسائٹی اور شمالی ہندوستانی مشنری کے ماتحت اینگلو ورنیکولر کالج اور اسکول جس قدر ہیں ان دونوں کی تعداد سنہ ۱۸۷۵ء میں ۳۶۶ تھی اور یہ سب مسیحی مذہب کے اسکول کہلاتے تھے۔ اس میں ۵۵۸ عیسائی استاد تھے اور غیر عیسائی استادوں کی تعداد ۲۲۶ ۔ اس سوسائٹی کے سکریٹری سنہ ۱۸۷۶ء کی رپورٹ میں لکھتے ہیں:-

"سنہ ۱۸۷۱ء میں اسکولوں کے اندر ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد ۱۱۰۳۰ تھی۔ جو سنہ ۱۸۷۵ء میں ۱۳۱۶۴ تک پہنچ گئی ہے۔ پہلے عیسائیت کے امیدوار ۲۲۲۳ تھے مگر اب ۳۹۴۳ ہیں۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں جو لوگ عیسائی بننے کے بالکل قریب پہنچ گئے تھے ان کی تعداد ۶۹۶ تھی۔ سنہ ۱۸۷۵ء میں ۸۰۲ ہو گئی جو سنہ ۱۸۷۱ء میں نوجوان عیسائی بنے تھے۔ اب ۱۳۱ کی تعداد میں نو عمر عیسائی بنے ہیں۔"

اگر ہم اپنے اسکولوں میں طالب علموں کی تعداد کا اندازہ لگائیں اور پھر غریب ہندوستانیوں کے ۲۵۳۹۶۹

کے چندے دیکھیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے مشن نے ان پانچ سالوں میں نئے عیسائیوں کی تعداد اور تبلیغ میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی ہے۔ جن کی ہمیں بہت خوشی ہے۔"

۱۸۷۵ء میں چرچ مشنری سوسائٹی کے پاس مقامی فنڈ کے علاوہ جنرل فنڈ میں ۴۴۲۱۴ روپے تھے اس میں انگلینڈ کی سوسائٹی نے ۴۳۲۹۹ روپے کی مدد کی تھی۔

۴۔ کلکتہ ڈایوسیکن ایڈیشنل کلرجی سوسائٹی
اس سوسائٹی کو ۱۸۳۳ء میں بشپ ولسن نے قائم کیا۔ اس کے صدر بشپ کلکتہ اور نائب صدر آرک ڈیکن اور ڈبلیو انسلی تھے۔ اس سوسائٹی کی غرض تھی کہ جہاں پادری حکومت نہیں بھیج سکتی۔ وہاں یہ سوسائٹی پادری بھیجنے کا انتظام کرتی تھی۔
اس سوسائٹی کو ۱۸۷۵ء میں ۵۵۱۳۲-۹-۵ کی آمدنی ہوئی تھی۔

۵۔ کلکتہ ڈایوسیکن چرچ بلڈنگ فنڈ
اس فنڈ کی ابتدا بشپ ولسن نے ۱۸۳۴ء میں کی۔ جس کے ٹرسٹیوں میں آرک بشپ کلکتہ اور وہاں کے آرک ڈیکن تھے۔ ۱۸۷۵ء میں اس فنڈ سے مندرجہ ذیل گرجوں کو حسب ذیل رقومات کی امداد دی گئی۔
الہ آباد مشن کو ۱۰۰۰، استنبول کو ۱۵۰۰، نینی تال کو ۴۵۰۰، جمال پور ۴۰۰، مقدس لوگوں کی یاد میں جو گرجا کانپور میں بنا اسکو ۱۵۰۰، جے پور کو ۱۰۰۰، ٹونڈلہ کو ۱۰۰، کل ۱۰۹۰۰۔
۱۸۷۶ء میں شیلونگ کو ۱۲۰۰، بلاسور کو ۴۰۰، جلپائی گوڑی کو ۴۰۰۔ اس کے علاوہ اس فنڈ سے ڈیوسز کے علاقہ میں ۱۲ گرجوں کی عمارت کی مرمت کرنے کے لئے مدد دی گئی۔

۶۔ بائیبل سوسائٹی
یہ بائیبل سوسائٹی ۱۸۴۰ء میں قائم ہوئی۔ جس کی غرض تھی بائیبل چھاپنا اور اس کی تعریف و توضیح کے لئے کتابیں شائع کرانا۔

۷۔ شراب کے خلاف سوسائٹی
شراب کے زیادہ استعمال کو کم کرنا اور اس اصول کو منوانے کی کوشش کرنا کہ شراب نہیں پینی چاہئے۔ خواہ ماننے والا شراب پیتا ہو۔ اس سوسائٹی کی شاخیں بمبئی، احمد آباد، ناگاؤں، مدراس، رنگون، سیالکوٹ، الہ آباد، فتح گڑھ اور جبل پور وغیرہ میں تھیں۔

۸۔ مذہبی کتابیں شائع کرنیوالی سوسائٹی
یہ جماعت ۱۸۶۲ء میں عیسائیت کا پروپیگنڈا کرنے اور ان کی مقدس کتابیں شائع کرنے کے لئے قائم کی گئی۔ اس کے صدر میجر جنرل میکلی گن تھے۔

۹۔ ڈایوسکن سرچ گوائلڈ
(۱) سنت پال کنٹرل مشن گوائلڈ، اس کے ۱۹ ممبر ہیں اور سکرٹری ڈی ڈٹن ڈی، ریڈ ہنر۔ سنت جونس گوائلڈ ۹ مارچ ۱۸۷۵ء میں بنایا گیا۔ اس کا صدر سنٹ جونس کا سنیر پادری تھا۔

۱۰۔ دی گوائلڈ آف ہولی سٹینڈرڈ
اس کے سرپرست عیسٰی مسیح ہیں۔ اور اس سوسائٹی کا مقصد فوج میں مذہب کی تبلیغ کرنا اور سپاہیوں کے اندر گرجا اور خدا کا خوف پیدا کرنا اور جو عیسائیت کو چھوڑ کر کوئی اور دوسرا مذہب اختیار کر لیتے تھے انھیں رجوع کرانے کے لئے کوشش کرنا اور ان کے اندر عیسائیت کی

محبت پیدا کرنا اور سپاہیانہ خودداری کے جذبات کو ابھارنا اور یہ سمجھانا جو کہ سپاہی کو زیب نہیں دیتا کہ وہ گھڑی گھڑی اپنے خیالات کو بدلے اور مذہب کے تبدیل کرنے کا مجرم بنے۔ یہ سوسائٹی "بہارن" نام کی جماعت سے متعلق ہے۔ جس کا نام فلسطین کے بادشاہ کے نام پر رکھا گیا ہے۔ اس بادشاہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو ایک رات الہام ہوا اور آسمان کے اندر صلیب کا نشان دیا۔ جس میں لکھا تھا "ان وس کنگز" اس سے فتح کرو۔ اس خواب کے بعد بادشاہ کو جس قدر فتح یابی اور کامیابیاں ہوئیں۔ اسی جھنڈے کی بدولت ہوئیں۔ یہ سوسائٹی سنہ ۱۸۵۳ء میں ہندوستان میں قائم ہوئی۔ چھاؤنیوں میں اس کی شاخیں ہیں۔ کلکتہ کے سنٹ پال ڈیویژنز کے وارڈیں "۱۶۴" عیسائی پچھلے سال سے زیادہ درج ہیں۔ اس کی پندرہ شاخیں ہیں۔ جس میں حسب ذیل لوگ عیسائی بنائے گئے ہیں:۔

آگرہ میں ۳۲۔ بارک پور میں ۹۔ کانپور میں ۵۔ ڈلہوزی میں ۶، دیناپور میں ۱۷۔ فیروزپور میں ۲۷۔ فورٹ ولیم میں ۲۳، فیض آباد میں ۵۔ لکھنؤ میں ۳۴۔ نیاگاؤں میں ۳۔ پشاور میں ۱۶۔ رنگون میں ۱۴۔ سبھاتو ۱۴ سیالکوٹ میں ۷ اور مقیمٹ مایو میں ۱۵ کو نصرانیت کے دائرہ میں داخل کیا گیا۔

پادریوں کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے وہ سپاہی جو دخل مل لتے ہوتے ہیں وہ اس سوسائٹی کی کوششوں سے مضبوط اور پرجوش بن جاتے ہیں اور ان میں سپاہیانہ شان ٹپکنے لگتی ہے۔ موقع بموقع ان لوگوں کو پادری کی طرف سے مدد ملتی ہے۔ اس سوسائٹی کا ہیڈ کوارٹر فورٹ ولیم کالج کلکتہ اور فیروزپور ہے۔

۱۱۔ جماعت انسداد بیرحمی حیوانات اس کے سرپرست ہز ایکسی لینسی لارڈ لائٹن ویسرائے ہند تھے اور کلکتہ کا بشپ ہے (۱۲) کلکتہ کے مزدور ملاحوں کا کلب۔

۱۲۔ کلکتہ کے ہسپتالوں کی نرسوں کا ادارہ اس کا مقصد بڑے بڑے ہسپتالوں میں نرسوں سے خدمت کرانے کے لئے ان کو تیار کرنا اور جس جس ہسپتال میں نرسوں کی ضرورت ہو ان میں نرس تیار کر کے بھیجنا۔

۱۳۔ کلیریکل لائبریریاں کیتھڈرل لائبریری بشپ ولسن نے بنائی اور بشپ کالج لائبریری بشپ مڈلٹن نے ۱۸۲۰ء میں قائم کی اس لائبریری میں مختلف زبانوں کی تین کتابیں ہیں۔

۱۴۔ بیگم سمرو کلرجی ٹرسٹ اس ٹرسٹ سے پادریوں کو مدد دی جاتی تھی اور اس کے ساتھ ان مذہبی جماعتوں کی مدد کی جاتی تھی جو حکومت سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ اس فنڈ کا دوسرا حصہ غریب عیسائی اچھے خاندان کے مستحق عیسائی اور غربت کی وجہ سے تعلیم سے محروم رہنے والے بچوں کو تعلیم حاصل کرانے پر خرچ کیا جاتا تھا۔

۱۵۔ نیٹلے بیکوسٹ ٹرسٹ اس ٹرسٹ سے ان عیسائی غربا کو بارہ روپے ماہوار تک کی مدد دی جاتی ہے۔ جو تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی سود کی آمدنی دو گرجوں کے ٹرسٹیوں کو ملتی ہے اس کے ٹرسٹی کلکتہ کے بشپ اور آرچ ڈی کن ہیں۔

جماعت ہونی چاہیئے۔ جو مستعد ہوشیار اور نیک کردار اور ہمیشہ اثبات حق کے لئے مساعی اور نیکی کرنے کے موقعوں کی متلاشی ہوں۔ اور جہاں کہیں موقع پائیں۔ اپنے خدا کے باغ (دنیا) میں کمال مستعدی اور شوق سے محنت کرنے کے خواہشمند ہوں۔ اگرچہ یہ کام ہر ایک عیسائی ملک پر واجب ہے۔ مگر کسی طرح لغو اور بے بنیاد باتوں پر یقین کر کے یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ تبدیل مذہب کا کام ایک آسان کام ہے۔

اسلام اور عیسائی ذہنیت

کیونکہ (معاذ اللہ) محمدؐ کے مذہب باطل نے، جو ایک ایسا مذہب ہے کہ جس کی نفسانی خواہشوں کو ہمارا مذہب روکتا یا ایک قاعدہ کا پابند کرتا ہے۔ یہ اپنے مقلدوں کو ان کی بلا قید اجازت دیتا ہے اپنے پیروؤں کے دل پر جس مضبوطی سے قبضہ کیا ہوا ہے۔ ہم لوگ ان کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ یہ مذہب ایک خونریز اور برباد کن احکام کا مجموعہ ہے اور بزور شمشیر قائم ہوا ہے اور ابتک دنیا میں ایسی وحشیانہ ظلم و ستم کے ساتھ قائم ہے۔ اس کی زہر آلود اور برباد کن ترقی کو روکنے کے لئے عیسائیوں کو وہ جوش اور ذرائع عمل میں لانے چاہئیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اس نہایت قابل نفرت دھوکے اور افترا (اسلام) کا قطعی استیصال صرف خدا کے رحم اور اس کی توجہ خاص پر موقوف ہے۔ البتہ ان باتوں کو معلوم کر کے کسی قدر تسلی اور امید ہوتی ہے جو پچھلے دنوں چین اور جاپان میں آئیں یا جہانگیر کے عہد میں یہاں گزریں۔ مشنری لوگوں کو اپنے کام کی تر[قی] کے لئے ایک اور پرانوس سد راہ سے مقابلے کی ضرورت ہے۔ وہ خود عیسائیوں کا خلاف ادب طریقہ ہے۔ جو باوجود اس اعتقاد رکھنے کے کہ خدائے تعالیٰ ہمارے قربان گاہ پر بطور خاص موجود ہے، اپنے گرجاؤں میں برتتے ہیں۔ برخلاف مسلمانوں کے جو نماز کے وقت مسجدوں میں باہمی گفتگو کرنا تو کیا سر تک نہیں ہلا سکتے اور خدا کا خوف اور ادب ان کے دلوں پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔[1]

بادشاہوں کی بیویاں عیسائی عورتیں

ان چند حکایتوں کا ذکر ضروری ہے۔ جن میں اوباش آوارہ گرد عیسائیوں عورتوں کو مشہور بادشاہوں کی بیویاں بیان کیا گیا ہے۔ جن کا سوائے اس کے کوئی مطلب نہیں ہے کہ ہندوستان کے بادشاہوں کو بدنام کیا جائے اور یہ ثابت کیا جائے کہ عیسائیت کا درباروں اور شاہی محلات میں بہت اثر تھا۔ یہ حکایتیں تمام تر یورپین مصنفوں کی ہیں۔ دوسرے مستند مصنفین ان کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ ان کی کتابیں ان حکایتوں سے بالکل خالی نظر آتی ہیں۔ اس لئے ناقابل اعتبار ہیں۔ یورپین مصنفین کی ذہنیت کا اندازہ لگانے کے لئے آپ ان حکایتوں کی طرز تحریر و الفاظ مبتذل اور فنون پر غور [کریں]۔ ان کو ہم اجمال کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

اکبر کی عیسائی بیوی مریم یا میری

مریم یا میری کا باپ ولیم نامی پرتگیزی تھا۔ یہ لوگ گوآ میں آباد [تھے]۔ ولیم گوآ میں کیتھولک مذہب کا بہت بڑا رہنما تھا۔ یہ لڑکی [جو] آئندہ شہنشاہ اکبر کی بیگم بنی نہ صرف خوبصورت، نازک اندام تھی بلکہ یہ اپنے مذہب کی بڑی پاسداری اور ترویج کرتی تھی ا[ور] ہمیشہ اسے یہی خیال رہتا تھا کہ کسی طرح ہمارا مذہب پروٹسٹنٹ فرقہ سے زیادہ پھیلے اور غالب آجائے۔ بارہ برس کی عمر میں ا[س] لڑکی نے اپنی مذہبی تعلیم پورے طور سے حاصل کرلیں۔ اور اب گوآ کے زنانہ مدرسوں میں جہاں مسیحیوں کے یتیم بچے پڑھنے آتے تھے معلمہ مقرر ہوئی۔

مریم اپنے والدین کے ساتھ بہت سرگرمی سے مشن کا کام کیا کرتی تھی۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ مشن کی آنکھیں اکبری دربار کی طرف اٹھنے لگیں۔ وہ شب و روز یہ سنتی تھی کہ اکبر کے ہاں مذاہب کو آزادی ہے اور ہر مذہب والا اپنے سوال ج[واب]

---

[1] سفرنامہ برنیر، جلد دوم ص ۲۲۱ تا ۲۲۴

آزادانہ کرسکتا ہے۔ اس سے اُن کے دلوں میں گُدگُدی ہوتی تھی کہ ہم بھی اپنے مذہب کا اثر مغلوں پر ڈالیں اور دی گریٹ مغل یعنی اکبر کو عیسائی بنالیں۔ مگر یہ حیران تھی کہ ہم اس کام کو کیونکر کریں اور اکبری دربار میں پہنچ کر اپنے مذہب کی دعوت کس طرح دیں۔

ایک دن مریم کے باپ نے اپنے مشن کے کُل ممبروں کو جمع کیا اور اُن سے یہ مشورہ کیا کہ ہم مغل سلطنت میں اپنا مذہب پھیلانا چاہتے ہیں یہ ہمیں یقین ہے کہ اکبر دی گریٹ مغل اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالے گا۔

مریم کا چچا جو بہت بوڑھا تھا۔ اُسے پٹھان سلطانوں کی بھی پوری کیفیت معلوم ہوتی تھی۔ زمانہ کا گرم و سرد خوب دیکھے ہوئے تھا اور وہ مغلوں کی طینت اور خونخواری کو خوب جانتا تھا۔ وہ کہنے لگا۔ ہمارے لئے یہی بہتر ہے کہ ہم اپنی جگہ قائم رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ہمارے مشن کو زک پہنچے اور اس کے ممبر خواری اور ذلت سے قتل کر دئے جائیں۔

مریم :۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ اے معزز چچا میں معافی مانگ کر عرض کرتی ہوں۔ میں نے مختلف مسیحی تاجروں سے اکبر اور اس کے دربار کے مزاج کی کیفیت بخوبی سُنا ہے۔ وہ کبھی مذہب پر ناحق کسی کو نہیں ستاتا۔ ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے مشن کو وہاں کامیابی ہوگی۔ وہ زمانہ ظلم کا اب نہیں رہا۔ ہمیں ہرگز زیبا نہیں ہے کہ ہم بے بنیاد خیالوں کو اپنے دل میں جگہ دیں اور اپنی کامیابی سے ہاتھ دھو کر بیٹھے رہیں۔ بوڑھے مسیحی یعنی مریم کے چچا نے اپنی لمبی داڑھی والا سر ہلایا اور کہنے لگا کہ مریم میں تجھے جتا دیتا ہوں کہ تو ابھی بچی ہے تم نے زمانہ نہیں دیکھا۔ نہ ہماری گورنمنٹ ایسی قوی ہے کہ وہ ہمارا انتقام لے گی۔ یہی خداوند کا شکر ادا کرتے ہیں کہ مغلوں کی نظر گوآ پر نہیں ہے۔ ورنہ وہ بہت آسانی سے تاخت و تاراج کرسکتے ہیں۔ تمہیں اختیار ہے۔ میری رائے تو یہ ہرگز نہیں ہے آگے تم جانو اور تمہارا کام۔

اس مجلسِ مشاورت میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایک سفارت اکبر کے دربار میں بھیجی جائے اور اس سے اجازت لیکر آگرہ میں ایک گرجا بنوایا جائے۔ اگر اکبر نے آگرہ میں گرجا بنانے کی اجازت دے دی تو ہمیں کامیابی ضروری ہے جو اُس نے اجازت نہیں دی تو ہم واپس چلے آئیں گے۔ سب نے مریم یا میری کو تجویز کیا جس کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

یہ مسیحی خاتون کہ جو مسیحی مشن کے ساتھ گوآ سے آگرہ سے آئی وہ امیرانہ سیاہ پوشاک پہن کر اکبر کے دربار میں حاضر ہوئی۔ اس کی وضع اور صورت سے پایا جاتا تھا کہ یا تو کسی رئیس اعظم کی بیٹی ہے یا شہزادی ہے۔ مگر صرف ایک صلیب کا نشان جو اس کے سینہ پر بنا ہوا تھا۔ اس سے یہ پایا جاتا تھا کہ یہ کسی پادری کی بیٹی ہے۔

جس وقت یہ خاتون حاضر دربار ہوئی ہے اور اس نے شاہی ادب سے سلام مجرا کیا ہے۔ پھر یہ اپنی کمر کو جھکا کر ہاتھ باندھ کر کھڑی ہوئی ہے اور آگے بڑھی دست بستہ عرض کیا۔

"حضور کو غالباً معلوم ہوگا کہ میں بندگانِ عالی کی خدمت میں کیوں حاضر ہوئی ہوں۔ غرض صرف یہ ہے کہ میں بندگان عالی کی خدمت میں عرض کرکے ایک گرجا بنوانے کی اجازت لوں۔ میں گوآ کے تمام مسیحیوں کی طرف سے وکیل بن کر آئی ہوں یہ عرض کرتی ہوں کہ حضور کے مبارک زمانے میں ہر مذہب کو اسلام کی طرح آزادی دی گئی ہے۔ یہ دیکھ کر ہم گوآ کے مسیحیوں کو بھی ہمت ہوئی کہ ہم بھی اپنے مذہب کو پیش کریں اور بعد لجاجت عرض کریں کہ جو استحقاق اوروں کو ملاہے وہی ہمارے مذہب کو ملنا چاہیئے۔"

یہ برجستہ تقریر اور آزادانہ عرضداشت سن کر اکبر بھی مسیحی خاتون پر لٹو ہوگیا اور اس نے مسکرا کر جواب دیا :۔

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مذہب مسیحی جس سے اب تک اسلام سے چولی دامن کا ساتھ چلا آتا ہے۔ کھلا بحث کے معرکہ میں آئے اور اپنی صداقت کی دلیلیں پیش کرے۔

(۱۷) **مدناپور مشن فنڈ** } گرجوں کی مرمت وصفائی اور چھوٹے پادریوں کے گرجے کے چھوٹے ملازموں کو اس فنڈ سے مدد دی جاتی ہے۔

(۱۸) **ڈھاکہ پادری فنڈ** } یہ وقف ڈھاکہ کے ایک رئیس مسٹر جون ہولو نے قائم کیا ہے۔

(۱۹) **ویٹ برچیٹ میموریل ٹرسٹ** } یہ روپیہ ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو بنگالی زبان میں عمدہ قسم کے مذہبی گانے بنائیں۔ جو عوام کو پسند ہوں اور اُن کے لئے باعثِ کشش ہوں۔ یہ ٹرسٹ بردوان کے ایک مشنری مسٹر جے ویٹ برچٹ کی یادگار ہے۔

(۲۰) **کرسچین ورنیکلر ایجوکیشن سوسائٹی آف انڈیا** } ۲۰ مئی ۱۸۵۸ء کو لنڈن میں لارڈ سالسبری کی صدارت میں یہ سوسائٹی قائم ہوئی۔ اس میٹنگ میں مہاراجہ دلیپ سنگھ والئے لاہور، لارڈ جان رسل اور سر چارلس ٹریولین (جو بعد میں صوبہ مدراس کے گورنر ہوئے) شامل تھے۔

اس سوسائٹی کا مقصد ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں درسگاہیں قائم کرنا۔ جن میں عیسویت کے اصول اس ملک کی زبان میں سکھائے جائیں اور وہ کتابیں عیسائی مذہب کو ملحوظ رکھ کر مرتب کی جائیں[۱]۔ چنانچہ اس انجمن کے چار مدرسے کلکتہ، امرتسر، احمد نگر اور ڈنڈیگل میں کام کر رہے تھے۔ اس انجمن کی شاخوں کی تعداد ۱۸۶۷ء میں ۸۰ تھی۔ جن میں چار ہزار طلباء تعلیم پا رہے تھے۔ ان مدرسوں کے اساتذہ انجمن کی جانب سے مقرر کئے جاتے تھے۔ ان کی طرف سے ایک بڑی تعداد میں مطبوعات شائع ہو چکی تھیں۔ ہندوستان میں ۱۸۶۷ء تک جس قدر نشر و اشاعت ہو چکی تھی۔ اس میں ایک تہائی اس سوسائٹی نے شائع کرائیں۔ سوسائٹی کی یہ بھی غرض تھی کہ بیس کروڑ ہندوستانیوں کی تعلیم و تلقین کا انتظام کرے۔ چنانچہ اس سوسائٹی نے ایک بڑی تعداد میں اساتذہ تیار کئے۔ جو غیر مسیحی مدارس میں تعلیم دینے پر مامور ہوئے۔ صرف بنگال میں پانچ ہزار سے زائد مدرسے تھے[۲]۔

۱۸۷۳ء میں اس سوسائٹی کے پانچویں اجلاس میں جس کی صدارت شافٹس بری نے کی۔ اس میں ریورنڈ جے ایچ ٹیلکومب" نے اپنی رپورٹ میں بتایا:۔

سوسائٹی نے مبلغین کی تین درسگاہیں قائم کی تھیں۔ جن سے دو سو مدرس فارغ التحصیل ہو کر نکلے۔ جو مختلف مدارس کے مدرس ہوں گے۔ جن میں سات ہزار بچے پڑھ رہے ہیں اور سوسائٹی کی کوششوں سے اردو میں اور ہندوستان کی دوسری زبانوں میں انجیل کے چار ملین نسخے تقسیم کئے جا چکے ہیں[۳]۔

(۲۱) **کیتھڈرل مشن فنڈ** } یہ فنڈ گرجوں کے آس پاس عیسائیوں کے جو مکانات ہیں۔ ان کی مرمت اور مرمت کے لئے اور اسکول، ماسٹر اور استانیوں کی امداد میں خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲۲) اے نیٹو پاسٹورٹ فنڈ بشپ ولس کی یادگار میں ۱۸۵۶ء میں قائم ہوا۔

(۲۳) الہ آباد تلبھا ری پنا نگ نیٹو پاسٹوریٹ فنڈ } یہ تینوں فنڈ عیسائیوں کی مدد کے لئے تھے اس فنڈ کے سود سے امداد دی جاتی تھی

(۲۴) وینٹ اینڈ ومن فنڈ } چالیس ہزار روپے کی رقم مسٹر ولیم وینٹ رجوکہ اسکول سروس بنگال میں ملازم تھے، دی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ روپیہ دیسی عیسائی اور دیسی زبانوں میں عیسائیت کی تبلیغ میں خرچ کیا جائے۔

(۲۵) ایلرٹون اینڈومنٹ فنڈ } کلکتہ کا آرڈیکن اس کے ٹرسٹی تھے۔ مسٹر ایلرٹون نے کلکتہ کی زندگی میں عورتوں کے اندر عیسائیت کی تبلیغ کے لئے بہت کوشش کی تھی۔ یہ فنڈ بھی عیسائی یتیم بچوں اور عیسائی عورتوں کی مدد کے لئے تھا یا بیمار اپاہج لوگوں کے لئے۔

(۲۶) بائبل کے ترجمہ کا فنڈ } یہ فنڈ کمیٹیوں اور سوسائٹیوں کو انگریزی اور غیر ملکی زبانوں میں بائبل کے ترجمے کرانے کے لئے صرف کیا جاتا ہے اس فنڈ کے ٹرسٹی بشپ کالج کی کونسل ہے۔

(۲۷) کردان اور کے فنڈ } پادری ایچ کردان جو کلکتہ کے پادری تھے۔ انھوں نے ایک رقم خیرات کی اس کے بعد ڈاکٹر کے پرنسپل بشپ کالج نے ایک عطیہ دیا۔ ان دونوں رقموں کے سود کو بشپ کالج کے آس پاس کے گرجوں کے غریب دیسی پادریوں پر خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲۸) ہیبر اگزیبیشن } بشپ ہیبر کی یاد میں یہ ٹرسٹ قائم کیا گیا ہے اور اس کا مقصد ان طلبا کی امداد کرنا ہے جو بشپ کالج میں پادری بن کر تبلیغ کرنے کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔

(۲۹) ڈسٹرکٹ چیریٹیبل سوسائٹی } اس کے سرپرست لارڈ بشپ کلکتہ تھے۔ اس کا مقصد کلکتہ کے غریب عیسائیوں کی امداد کرنا اور مالی مدد دیکر عیسائیت کی طرف مائل کرنا۔ اس کی کونسل میں ہائی کورٹ کے جج وغیرہ شامل تھے۔

(۳۰) مسلم مشنری سوسائٹی } ہندوستان میں عیسائی مشنریوں نے جب ناکامی کی صورت دیکھی۔ تو یہ سوسائٹی ۱۸۶۴ء میں قائم کی۔ جس کا مقصد مسلمانوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنا اور ان کو عیسائی بنانے کی سعی کرنا۔

(۳۱) دوار کا ناتھ ٹیگور فنڈ
(۳۲) لیسٹ منز انگلش چیریٹی } غریب اندھوں کے لئے ۱۸۳۸ء میں ۱۸۵۴ء میں ان محتاجوں کے لئے جو روزی نہیں کما سکتے تھے ان دونوں فنڈ سے پانچ روپے ماہوار سے زیادہ نہیں دیا جاتا تھا۔

(۳۳) پرنس زمرالدین چیریٹی فنڈ } یہ فنڈ بلا تمیز مذہب و فرقہ غریبوں کو تقسیم کیا جاتا تھا اور پانچ روپے ماہوار سے زیادہ نہیں ملتا تھا۔ ۱۸۵۶ء میں قائم ہوا تھا۔ کلکتہ کے بشپ اور آرڈیکن کلکتہ اس کے ٹرسٹی تھے۔

کیتھولک مشنری } مذکورہ سوسائیٹوں کا تعلق پروٹسٹنٹ فرقہ سے ہے۔ دوسرا پرانا اور بڑا فرقہ رومن کیتھولک کا ہے جس کی مشہور و معروف اور قدیم ترین "سوسائٹی آف جیسس" نے ہی ہندوستان میں ۱۶۰۲ء میں پہلا قدم رکھا۔ اس کے علاوہ رومن کیتھولک کی حسب ذیل مشن سوسائیٹوں نے ہندوستان میں دینِ مسیحیت کی تبلیغ کی اور سابقہ جماعتوں کے نقشِ قدم پر چلیں۔

(۲) **میلان غیرملکی فورن مشن**:۔ ۱۸۵۵ء میں قائم ہوا۔ ہندوستان میں اس کا عملی میدان حیدرآباد اور کشن گڑھ بنا۔

(۳) **مل ہل سوسائٹی**:۔ ۱۸۶۶ء میں بنی اس کا حلقۂ عمل پنجاب، کشمیر، لداخ، نیل گوٹے تھا۔

(۴) **بیجے سوسائٹی مشن**:۔ اس کی جدوجہد کا دائرہ بمبئی، پونہ، کلکتہ، مانڈوہ، منگلور، ترچناپلی تھا۔

(۵) **فرانسیسی کپوچن مشن**:۔ یہ فرانسیسی سوسائٹی تھی۔ آگرہ، لاہور، الہ آباد میں اس نے کام کیا۔

(۶) **گرجے لائٹ مشن**:۔ ویراپولی، کلون میں عیسائیت کا پرچار کیا۔

رومن کیتھولک فرقہ ہندوستان میں کس تعداد میں مشنری، پادری، اسکول، امدادی سوسائیٹیوں اور گرجوں کے ساتھ عیسائیت کی داغ بیل ڈالنے میں مستغرق ہے۔ اس کی تعداد فرقہ پروٹسٹنٹ کے اداروں، پادریوں وغیرہ سے زیادہ ہے۔

[انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (۳۲ جلد ص۲۷۶) کی تحقیق ملاحظہ ہو]

تبلیغی کام کے حلقے ۳۵، گرجے ۴۷۵۶، پادری یورپین ۸۲۶، غیر یورپین پادری ۱۵۵۰، سکول ۲۵۶۲، خیراتی سوسائیٹیاں ۱۶۲۔

ان دو فرقوں کے علاوہ پرسبٹیرین، بپٹسٹ، نشورنیس بھی فرقوں نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر مرکز قائم کر رکھے تھے۔ چنانچہ پرسبٹیرین کے فرخ آباد، فتحپور، مین پوری اور الہ آباد میں ہیڈ کوارٹر ہیں۔

پادریوں کی تعداد } پروٹسٹنٹ فرقہ کے یورپین پادری ۱۸۷۵ء میں کل ۱۶۰۱ اور صرف مدراس میں ۲۰۲ بتائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کیتھولک فرقہ کے یورپین پادریوں کی تعداد ۸۲۶ بیان کی جاتی ہے علاوہ دیگر چھوٹی سوسائیٹیوں کے، اگر ان سوسائیٹیوں کے بھی کم از کم ۷۵ پادری شمار کئے جائیں تو پندرہ سو کی تعداد بنتی ہے۔ چنانچہ اس تعداد کی بہت احتیاط کے ساتھ ہندوستان کے اس دور کا اخبار نور الانوار نمبر ۳۴ جلد ۲۰ مطبوعہ ۲۳ راگست ۱۸۹۵ء تائید کرتے ہوئے مزید قوت کا بھی تذکرہ کرتا ہے۔

پادریوں کی ملکی فوج } ہندوستان میں نو سو ولایتی پادری صاحبان کی تعداد ہے جو اپنے کام میں مصروف ہیں کہ لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں ملکی فوج کے ایسے دستے ان کا کام یہی ہے۔ اب مشنری پادریوں اور مشنریوں کو قیاس کرنا چاہئے کہ کس قدر ہوں گے۔ کیونکہ دیسی مشنری اور پادری کے ماتحتی میں کام کرتے ہیں۔

پادریوں کی تنخواہ } ہندوستان میں پادری ایک نواب کی طرح ٹھاٹ سے زندگی گزارتے تھے۔ وہ یسوع مسیح کی خدمت کے قابل اس وقت بنتے تھے جب ان کو ایک رقم کثیر دی جاتی تھی۔ ان کو کام کرنے کا صلہ معمولی نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کی تنخواہ ایک چیف کمشنر کی تنخواہ کے برابر ہوتی تھی۔ وہ روپیہ

تھے۔ ہر قدم، ہر حرکت پر ان کو بے حساب روپیہ ملتا تھا۔ ان کی ماہوار آمدنی کا اوسط یہ تھا۔

ایک آرڈیکن	(لارڈ پادری)	ڈیڑھ ہزار روپے ماہوار
سینیئر چپلین	(بڑا پادری)	ایک ہزار روپے ماہوار
جونیئر چپلین	(چھوٹا پادری)	پانچ سو روپے ماہوار

اگر کسی پادری کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو جائے تو پیدا ہوتے ہی ۱۵۶ روپے ماہوار

اگر لڑکی پیدا ہو تو پیدا ہوتے ہی ۲۵۰/- روپے ماہوار۔

سفری الاؤنس گرجی مین (پادری) فی میل پیدل آٹھ آنہ اور ریل کے ذریعہ ایک میل تین آنہ الاؤنس کا حقدار سمجھا جاتا تھا۔ پچاس روپے ماہوار مخصوص کر دیا گیا تھا

اگر سمندر کے ذریعہ پادری سفر کرتا تھا تو جہاز کا پہلے درجہ کا ٹکٹ ملتا تھا اور نوکر ساتھ جاتے۔ جتنے دن جہاز میں سفر کرتے۔ تین روپے روز کھانے کا الاؤنس دیا جاتا تھا۔ پادری کی بیوی کے لئے ۸ آنہ فی میل پیدل اور ۳ آنہ ریل فی میل خرچ دیا جاتا تھا۔ بارہ سال تک کے بچے کو ڈاک ۲ آنہ اور پیدل ۹ پائی الاؤنس ملتا تھا

گویا اگر کسی پادری کے ایک بیوی ایک لڑکا اور دو لڑکی ہوتے تو سفر کرنے کی صورت میں پونے دو ہزار روپے کی رقم کے حقدار سمجھے جاتے تھے اور ان کو یہ رقم دی جاتی تھی۔

تنخواہ ماہوار سینیئر چپلین	۱۰۰۰
الاؤنس ماہوار ایک لڑکا	۱۵۶
ماہوار سفر چپلین بیوی اور ۳ بچے	۲۰۰
الاؤنس ماہوار دو لڑکی	۵۰۰
میزان	۱۸۵۶

مشنری سکول: حسب ذیل سکول تمام تر مشنری سوسائیٹیوں کے ماتحت ہیں۔

کلکتہ فری سکول ۱۷۵۷ء میں میر جعفر سے کلکتہ کی لوٹ کے عوض جو جرمانہ وصول کیا گیا تھا۔ اس سے یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ اس کا بندوبست گورنر کے ماتحت تھا۔ جس میں سینٹ جون کلکتہ، دو گورنمنٹ کے نمائندے اور چندہ دینے والوں کے باقی نمائندے شامل تھے۔ اس ادارہ کے سکریٹری آنریری پادری ایس بی ٹیلر ایم اے تھے۔ اور ہیڈ ماسٹر و سپرنٹنڈنٹ مسٹر ایل ڈبلیو گزر تھے۔ اس کا لڑکیوں کا اسکول ایک عورتوں کی کمیٹی کے ماتحت تھا۔ ہیڈ مسٹرس مس اے ناظر۔ اس اسکول میں ۱۸۰ لڑکے اور ۹۰ لڑکیاں شروع میں داخل ہوئیں۔

ان اسکولوں میں پانچ سے دس سال تک کی لڑکیاں اور لڑکے داخل کئے جاتے تھے۔ قومیت کی کوئی قید نہیں تھی ہر مذہب کا بچہ داخل کیا جاتا تھا۔ یہ اسکول چرچ آف انگلینڈ فاؤنڈیشن سوسائٹی کے اہتمام سے چلتا تھا۔ اس کے طالب علموں کے لئے لازمی تھا کہ اس کی مسیحی مذہب کی دعاؤں میں شامل ہوں۔ [illegible] اور بائبل

کی تعلیم بھی لازمی طور پر حاصل کریں۔

بشپ کالج — اس کالج کو ۱۸۱۹ء میں بشپ مڈلٹن نے قائم کیا۔ جس کا مقصد نوجوان طالب علموں میں مشنری کام پھیلانا اور ساتھ ہی مشنری کام کے لئے اسکول ماسٹر (ٹیچر) تیار کرنا ہے اس کے ہر طالب علم کو قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کاموں میں ضرور حصہ لے گا اور اس کے عوض یہ اسکول خرچ دیگا۔ اس کے پرنسپل جے ڈبلیو کو تھے۔ ماسٹر ڈیکنت نٹ فیلو، ڈیکنٹ بابو ہیرالال ہیڈ ماسٹر بابو سریدھر پال تھے۔

کلکتہ نورمل اسکول زنانہ مشن — اس کے سرپرست کلکتہ کے بشپ تھے۔ سیکریٹری اور خزانچی مسٹر ای ایف ہریسن تھے۔ ۱۸۷۶ء میں ۲۷۳ لڑکیاں اس میں زیر تعلیم تھیں۔ اس اسکول کا مقصد عیسائیت کا پیغام ہندوستانی عورتوں کے ذریعہ گھر گھر پہنچانا تھا۔ اس نارمل اسکول کی طالبات کو تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد عورتوں میں کام کرنے کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ اس اسکول کی ماسٹر عورتیں اسکول کے وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں کلکتہ کی ہندو عورتوں میں جاتی تھیں اور عیسائیت کا پروپیگنڈہ کرتی تھیں۔

بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی سکول — ۱۸۱۵ء میں قائم ہوا۔ جس کا مقصد بچوں کو عیسائیت کے اصولوں کی تعلیم دینا اور سوسائٹی کا لائق ممبر بنانا تھا۔ اس کے طالب علم یتیم یا فوجیوں کے ناجائز بچے ہوتے ہیں۔ اس اسکول کے دو حصے تھے۔ ایک لڑکوں کا دوسرا لڑکیوں کا۔ شروع میں دو سو لڑکے اور ۵۰ لڑکیاں اس میں داخل تھیں۔ اس کے تمام طالب علموں کے لئے ضروری تھا کہ عیسائیوں کی دعاؤں میں شامل ہوں اور اس کو دوہرائیں۔ گورنمنٹ اس اسکول کو ۴۴۰ روپے ماہوار کی مدد دیتی تھی۔ یہ اسکول بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی کے ماتحت تھا۔

سینٹ جیمس سکول کلکتہ — ۱۸۱۰ء میں قائم ہوا۔ اس کا انتظام بشپ کلکتہ کی بنائی ہوئی کمیٹی کے ماتحت تھا۔ اس کمیٹی کے صدر آنریری سکریٹری ایف آر بوائک تھے۔ یہ اسکول چرچ آف انگلینڈ کے پرنسپل کی مذہبی ہدایتوں کے ماتحت چلتا تھا۔

بنارس جے نرائن کالج — اس اسکول کو ۱۸۱۸ء میں عیسائیوں نے اپنے انتظام میں لے لیا تھا۔ جے نرائن ایک متمول راجہ تھا۔ جس نے اس اسکول کو قائم کیا تھا۔ بعد میں چرچ سوسائٹی کے اہتمام میں یہ اسکول چلنے لگا تھا۔

دارجیلنگ سینٹ پال سکول — کلکتہ میں ۱۸۲۳ء کے اندر قائم ہوا۔ اور ۱۸۶۴ء میں دارجیلنگ منتقل کر دیا گیا اور کلکتہ یونیورسٹی سے متعلق ہو گیا۔ سناور لارنس سکول ۱۸۴۷ء میں لارڈ لارنس نے یتیموں اور فوجیوں کے ناجائز بچوں کی پرورش کے لئے جاری کیا۔ ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ کا ادارہ بن گیا

آگرہ سینٹ جونس کالج سنہ ۱۸۵۰ء میں قائم ہوا - جو چرچ مشن سوسائٹی کی ماتحت ہے - سنہ ۱۸۶۱ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے متعلق کیا گیا - اس کے دونوں پروفیسر پادری تھے -

پریذیڈنسی کالج سنہ ۱۸۵۵ء میں قائم ہوا - اس کے سپرنٹنڈنٹ کدار پور (جعفر پور) کے پادری تھے - لاہور نئے عیسائی بنانے والی جماعت سے ہے - اس کا پرنسپل پادری تھا - شملہ بشپ کاٹن اسکول کی سنہ ۱۸۵۷ء میں ابتداء ہوئی اور پڑھائی ۱۷ مارچ سنہ ۱۸۶۳ء سے شروع کی گئی -

کدار پور سینٹ اسٹیفن سکول سنہ ۱۸۵۹ء میں قائم ہوا - اس کے سپرنٹنڈنٹ کدار پور کے پادری تھے - لاہور ہائی اسکول فار بوائز سنہ ۱۸۶۳ء میں بنا - سابقہ گورنر نے اس کے انتظام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی تھی - الہ آباد بوائز ہائی اسکول سنہ ۱۸۶۷ء میں بشپ کے ماتحت کیا گیا - لاہور سینٹ جونس ڈیوینٹی اسکول سنہ ۱۸[illegible]ء میں قائم ہوا - اس کے پرنسپل پادری ڈبلیو ہوپر تھے -

سینٹ جانس ڈیوینٹی کالج لاہور سنہ ۱۸۶۹ء میں پادری فرنچ اور پادری نوٹ نے لاہور میں اس کالج کے لئے مہان سنگھ باغ میں ایک قلعہ خریدا لیکن مشکلات کی وجہ سے کالج کی تعمیر ہونے میں ایک سال لگ گیا اور ۱۲ر نومبر سنہ ۱۸۷۰ء کو کالج میں داخلہ شروع ہوا - چار طالب علم امتحان لینے کے بعد داخل ہوئے - تین برس کے بعد طلباء کی تعداد صرف بیس ہوئی - کالج کے طلبا دور دراز مقامات کے ہوتے تھے - جن میں مختلف قوموں پٹھان، راجپوت، پنجابی اور کشمیری ہوتے تھے (صلیب کے علمبردار ص ۵۵)

اس کالج کا مقصد یہ تھا کہ اس کے فارغ التحصیل طلباء ہندوؤں اور مسلمانوں کے غلط عقائد کی انجیل مقدس کی تعلیم کی روشنی میں تکذیب کریں - اسی کے ساتھ انجیل اور اس کی تفاسیر کے مطالعہ کے ذریعہ مسیحیت کے خلاف لکھی جانے والی تحریروں کو اور اُن قدیم زبانوں کی تحقیق سے جن میں وہ تحریریں لکھی گئی ہیں - مسیحی عقائد کی سچائی کو اُجاگر کریں - یہاں کے طلباء غریب ہندوستانی طلباء کی طرح سے زندگی بسر کریں - کسی قسم کی مغربی نمود و نمائش نام کو نہ ہو - چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک کالی کٹ انگریزی لباس پہنے ہوئے دہلی سے کالج میں پڑھنے کے لئے آیا - فرنچ نے اس کو دیسی لباس پہننے کے لئے ایک ہفتہ کی مہلت دی - اس مدت میں جب اس نے دیسی لباس نہیں پہنا تو فرنچ نے اس کو جماعت سے اٹھا دیا - اس کالج کے پرنسپل پادری ڈبلیو ہوپر تھے اور استاد پادری بشمین، پادری ویڈ، پادری گوڈرن اور پادری شرف تھے - طلباء کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ دیسی زبانیں سیکھیں اور ان کے رسوم و عادات اختیار کر لیں تاکہ اس میں کلام کر سکیں اور یسوع مسیح کا پیغام پہنچانے میں آسانی ہو اور عوام کو مسیحی زمرے میں شامل کر کے ان کی ارواح کو نجات کا راستہ بتائیں - وہ سینٹ پیٹر کی طرح حکیم ہونگے - جبکہ اس نے "کورنتھ" کو اس کی اجازت تک نہ دی کہ اس کے سامنے جیسے جو لوگ ان کے دین میں شامل ہو جائیں گے - چاہے وہ کوئی بھی کیوں نہ ہوں - وہ ان کے بھائی بن جائیں گے (اقتباس ذاتی ص ۵۵)

اس کالج میں امریکن مشن اور چرچ آف اسکاٹ لینڈ مشن والوں نے بھی اپنے طلباء پڑھنے کے لئے بھیجے اور اس طرح مختلف مشنریوں کے پنجابی خادم الدین بھی داخل ہوتے تھے اور فرنچ و کلارک سے علم الٰہیات کی تحصیل کرتے تھے [1]

---

[1] صلیب کے علمبردار - ص ۱۳۶ -

مشن اسکول لاہور جنوری ۱۸۴۹ء میں یہ اسکول قائم ہوا۔ پہلے تین طلباء داخل ہوئے۔ دس دن کے بعد سات طلباء ہو گئے۔ ان سات لڑکوں کو پادری فورمین پڑھا گئے اور پادری ہوپ ۲ ۲ پڑھاتے تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس اسکول کی برانچیں شہر میں ایک درجن سے زیادہ ہو گئیں تاکہ زیادہ بچے تعلیم حاصل کریں۔ مزدوروں کے لئے ایک نائٹ اسکول کھولا کر مزدور دن کے وقت مزدوری کی وجہ سے پڑھ نہیں سکتے تھے۔ اب وہ پڑھائی کریں۔

پادری فورمین اسکول کے وقت سے پہلے اور چھٹی کے بعد طلباء سے بحث و مباحثہ کرتے تھے۔ تین مہینے کے بعد اسکول کے طلباء کی تعداد ۷۰ ہو گئی تھی۔ ہیڈ کو اور دو اس ماسٹر ایک بنگالی عیسائی تھا۔ اس اسکول کا ہیڈ ماسٹر تھا ۱۸۵۱ء میں رنگ محل خریدا گیا اور مشن اسکول وہاں منتقل کر دیا گیا۔ ۱۸۵۲ء میں اسکول کے طلباء کی تعداد ساڑھے سات سو ہو گئی۔ یہ اسکول لاہور کی امریکن مشن سوسائٹی کے اہتمام میں چلتا تھا۔ لاہور کے انگریز مسیحی فراخ دلی کے ساتھ سوسائٹی کو چندہ دیتے تھے اور مسٹر بریڈتھ لو سال تک اس اسکول کو ایک سو روپیہ ماہوار دیتے رہے۔ یہ شخص چیف کورٹ کا جج تھا۔

یہی وہ اسکول تھا جس میں ۱۸۶۶ء میں تین طلباء کے عیسائی ہونے پر شہر میں بڑا ہنگامہ ہوا۔ اور اس کے طلباء نے اس میں پڑھنا چھوڑ دیا تھا اور کالج میں صرف سات طلباء گئے اور ہندو مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مشن کے احاطے میں جمع ہو گئے تھے۔ (صلیب کے علمبردار ص ۹۲)

مشن اسکول امرتسر امرتسر میں رابرٹ کلارک نے اپریل ۱۸۵۲ء کو مشن اسکول کھولا۔ جس میں پہلے روز پچاس طلباء داخل ہوئے ان طلباء میں پنجابی، افغانی، ہندوستانی، کشمیری، ہندو، سکھ اور مسلمان تھے۔ طلباء کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔ اسکول میں تعلیم شروع ہونے سے قبل روزانہ کتاب مقدس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ان طلباء کے ذریعہ انجیل کا پیغام امرتسر کے بازاروں میں پھیلنے لگا۔ اس میں طلباء کو عیسائی کیا جاتا تھا پہلے ایک برہمن، اس کے ایک ماہ بعد ایک سکھ اور ایک ہندو عیسائی ہوا۔ سال کے ختم ہونے پر عزیز اللہ بیگ عیسائی ہوا۔ ۱۸۵۶ء میں اس اسکول کا تعلق کلکتہ یونیورسٹی کے ساتھ کر دیا گیا۔ تاکہ طلباء کے پاس باقاعدہ سند ہو جائے۔

سری رام کالج ۱۸۱۸ء میں اس کالج کو قائم کرنے میں سب نے زیادہ کیری نے مدد کی۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے بڑی عجلت کے ساتھ پندرہ ہزار پونڈ ۲۵۰۰۰۱ روپے کی رقم جمع کر لی اور جو کچھ کمی باقی رہ گئی تھی وہ بھی جلد پوری ہو گئی۔ ڈنمارک کے بادشاہ نے ایک بہت بڑا مکان ان کو مفت دیا۔ جس کا سالانہ کرایہ ایک سو پونڈ ۱۰۰ (۱۵ سو روپے) آتا تھا۔ چند برسوں میں یہ کالج قائم ہو گیا اور اس کالج کا صدر کیری ہی کو چنا گیا اور علم الٰہی کا پروفیسر اور کئی علوم پر درس دینے کے لئے بھی مقرر ہوا۔ کرنل کرافٹنگ ڈینش سرکار کی طرف سے سیرام پور کا گورنر تھا وہ اس کالج کا بھی گورنر تھا اور لارڈ ہیسٹنگز جو اس وقت گورنر جنرل تھا اس نے اس کالج کی سرپرستی منظور کی۔ یہ کالج خادم الدینوں کو تیار و تربیت دینے کے لئے قائم ہوا تھا۔ اس کالج کو چلانے کے لئے اور اس کے لئے سالانہ خرچ جمع کرنے میں "وارڈ" نے بڑی محنت کی۔ بعد میں وہ صحت کی خرابی کی وجہ سے انگلستان چلا گیا۔ مگر وہاں سے اس نے امریکہ، برطانیہ میں سینکڑوں میل کا سفر کر کے اور لوگوں کے سامنے اس ضرورت کو پیش کر کے ۴ ہزار پونڈ

۱۰۰۰۰۰ روپے اجمع کرکے بھیجے۔ بقول مولف مشنری پیشوا! اس کالج سے بہت سے ایسے آدمی نکلے۔ جنھوں نے ہندوستانیوں کو مسیح کے پاس لانے میں انتہائی قابلِ تعریف کام کیا۔ جیسا کہ ولایتی مشنریوں نے کیا تھا۔[۱]

ہندوؤں کی لڑکیوں کا مدرسہ

اس مدرسے کو قائم کرنے کے لئے مسٹر بی تھیون صاحب نے بڑی کوشش کی۔ انھوں نے دولتمند ہندوؤں کو ترغیب دی کہ وہ اپنی لڑکیوں کو تعلیم دینے کے لئے اسکول کھولیں۔ چنانچہ ۱۸۴۹ء میں یہ اسکول قائم ہوا۔ ابتدا میں اس میں اکیس لڑکیاں داخل ہوئیں جن کو پڑھانے کے لئے ایک انگلش لیڈی اور ایک ہندوستانی پنڈت مقرر ہوا۔ مسٹر بی تھیون نے بنگالیوں کو سمجھایا کہ تم عورتوں کو سوزن کاری، نقشہ کشی، کارچوبی اور دوسری دستکاریاں سیکھنے کے لئے اسی مدرسہ میں بھیجو۔ لیکن لوگوں نے ان کی باتوں پر توجہ نہیں دی اور اس مدرسہ کی سخت مخالفت کی۔ بی تھیون کے انتقال کے بعد لارڈ ڈیل ہوزی نے اس مدرسہ کا انتظام سنبھالا۔ لیڈی لارڈ کیننگ نے بھی اس مدرسہ پر خاص توجہ دی لیڈی کیننگ کے اسکول جانے سے بنگالی بہت جلتے تھے۔[۲]

مدرسہ صنعت کاری

ڈاکٹر ہنٹر نے مدراس میں ایک مدرسہ فائن آرٹس کا جاری کیا۔ اس مدرسہ کا نمونہ جبل پور کے مدرسہ میں موجود تھا۔ جو ٹھگوں کے بچوں کو صنعت کاری سکھانے کے لئے مقرر ہوا تھا۔ ۱۸۵۵ء میں ان دونوں اسکولوں کو جن کے بانی ڈاکٹر ہنٹر تھے۔ گورنمنٹ نے خود اپنے اہتمام میں لے لئے تھے۔[۳]

مشنریوں کے یتیم خانے اور دستکاری اسکول ہندوستانی لوگوں کو عیسائی بنانے کا ایک ذریعہ تھے۔ ٹھگوں، جرائم پیشہ لوگوں کو گرفتار کرنے اور جیل میں ڈالنے کے بعد ان کے بچوں کو صنعت کاری اسکولوں اور یتیم خانوں میں داخل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جب ۱۸۶۴ء میں پولس نے جرائم پیشہ لوگوں کو گرفتار کرکے ان کے لڑکے مشن کے یتیم خانہ میں داخل کئے تو ان میں ایک نثار علی بھی تھا۔ جب اس کا باپ قید خانہ سے رہا ہو کر آیا تو اس نے کوشش کی کہ نثار علی کو اپنے ساتھ لیجائے لیکن نثار علی کو اس اثنا میں عیسائی بنا لیا گیا تھا۔[۴] اس لئے نہیں لے جا سکا۔

ہندوستان میں لٹریری تبلیغ کی سعی

جوں ہی ہندوستان میں پادریوں نے قدم رکھا ان کو عیسائیت کے پروپیگنڈے کی فکر ہوئی۔ انھوں نے ہندوستانی زبانوں کو جاننے کے لئے اور ان میں نصرانی لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے اردو زبان کی واقفیت کو ضروری سمجھا چنانچہ ایک عیسائی جان جوشوا کٹیلر نے جو غالباً ہالینڈ کا باشندہ (ڈچ) تھا اردو کی پہلی گرامر لکھی۔

اردو گرامر

یہ عیسائی ۱۷۱۱ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر مقرر ہوا۔ تین سال سورت میں شاہ عالم ۱۷۰۸ء اور جہاندار شاہ ۱۷۱۲ء کے دربار میں بھی ڈچ سفیر کے طور پر حاضر ہوا۔ لاہور، دہلی آگرہ کی سیر کی۔ اس زمانہ میں آگرہ میں ڈچ تاجروں کا ایک کارخانہ سورت کے ماتحت تھا۔ اس شخص نے صرف ونحو

۱۔ مشنریوں کے پیشوا ص ۴۰، ۲۔ تاریخ عروج سلطنتِ انگلشیہ ہندوویم ص ۱۰۳، ۳۔ ایضاً ص ۲۹۹، ۴۔ صلیب کے علمبردار ص ۱۵۵۔

اردو کے نام سے اردو زبان کی گرامر غالباً ۱۷۱۵ء میں لکھی۔ جس کو ڈیوڈ مل نے ۱۷۴۳ء میں شائع کیا۔ یہ کتاب لاطینی زبان میں ہے۔ ہندوستانی الفاظ اور عبارتیں رومن حروف میں ہیں۔ اس کتاب میں حضرت عیسیٰ کی مشہور دعا کا اردو ترجمہ بھی درج ہے۔ اس کو بھی بطور نمونہ لکھا جاتا ہے۔

ہمارے باپ کہ وہ آسمان میں ہے پاک ہوئے تیرے نام۔ آوے ہم کون ملک تیرا۔ ہووے راج تیرا جوں آسمان کو جس میں روٹی ہمارے ہر دن کی۔ ہم کو آس دے اور معاف کر تقصیر اپنی ہم کو۔

اس کے بعد پادری بنجمن شلز نے لیٹن زبان میں اردو کے قواعد (گرامر) لکھی۔ جو ۱۷۴۴ء میں طبع ہوئی اس کے بعد یہ گرامر لکھی گئی۔

(۳) ہیڈلے نے ۱۷۷۲ء میں اُردو صرف و نحو لکھی۔

(۴) پرتگالی زبان میں اُردو کی قواعد ۱۷۷۸ء میں گریمیٹکا اندوستانا کے نام سے شائع ہوئی۔

(۵) فرگوسن نے قیام ہندوستان کے زمانہ میں ایک گرامر اُردو کی لکھی اور لندن میں شائع کی۔ یہ شخص ۱۷۸۵ء میں ہندوستان آیا۔

(۶) کپتان روبک نے ایک اور کتاب ترجمان اردو کے نام سے لکھی۔ جس میں زبانِ اُردو کے قواعد درج ہیں یہ پہلی بار لندن میں ۱۸۲۴ء میں چھپی اور ۱۸۴۱ء میں لندن و پیرس میں شائع ہوئی۔

(۷) جیمس آر بالنٹائن نے ہندوستانی گرامر لکھی۔ مطبوعہ ۱۸۴۴ء

(۸) ریورنڈ رچی اسمال نے ہندوستانی گرامر مرتب کی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۴۷ء

حروف تہجی بر ترتیب سے پہلے ہل نے ۱۷۷۴ء میں ایک مختصر کتاب تصنیف کی۔

اُردو لغت } جے۔ اے فرگوسن نے ۱۷۷۳ء میں ایک کتاب لکھی۔ جس میں اردو کے حروف تہجی کا دیگر ممالک کے حروف سے مقابلہ کیا۔ ملک اٹلی کے ایک پادری کیسیانو بیلی گاٹی نے ۱۷۶۱ء میں حروف تہجی پر ایک رسالہ الفابیم برہمانکم کے نام سے لکھا۔ اسی دور میں ڈکشنری (لغات) تیار کی گئی۔ اس میں بھی پہل ایک عیسائی مشنری ایم ڈیمیس نے کی ۱۷۷۰ء میں اردو لغات مرتب کی پھر ۱۷۷۲ء میں ہیڈلے نے اردو انگریزی لغت لکھی۔ پھر جان گلکرائسٹ نے ۱۷۹۰ء میں انگریزی ہندوستانی ڈکشنری مرتب کی۔ اس کے بعد اہل یوروپ نے کثرت سے اردو لغت لکھے۔ جس میں یہ کتابیں ممتاز ہیں۔

(۱) کپتان جوزف ٹیلر نے اردو انگریزی لغت لکھی۔ جس میں ڈاکٹر ولیم ہنٹر بھی شریک کار رہے۔ پہلی بار ۱۸۰۸ء میں کلکتہ سے پھر ۱۸۲۰ء میں ولیم کارمیکائیل اسمتھ نے اس پر نظر ثانی کر کے مختصر ایڈیشن شائع کیا۔

(۲) گلڈون نے فارسی اردو ڈکشنری مرتب کی۔ مطبوعہ ۱۸۰۹ء

(۳) کپتان روبک نے لغت جہاز رانی لکھی۔ جس میں جہاز رانی کے متعلق اصطلاحات اردو و انگریزی میں جمع کیں۔ اور ایسے الفاظ و فقرے بھی جمع کئے جو میدان جنگ میں اور فوجی بارکوں میں ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ گفتگو کرنے

لہ صلیب کے علمبردار صفحہ ۱۳۶

میں کام آئیں۔ اس میں اُردو قواعد کے متعلق ایک ضمیمہ شامل کر دیا۔ یہ کتاب کلکتہ میں ۱۸۱۱ء میں چھپی۔

(۴) جان شکسپیر کی اردو لغت ۱۸۱۷ء میں (۵) ڈنکن فوربس کی اردو لغت ۱۸۴۷ء میں (۶) فرانسیسی رٹرنیڈ کی اردو لغت ۱۸۵۸ء (۷) ڈاکٹر فیلن کی چار ڈکشنریاں ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۰ء تک۔ (۸) بلیٹ کی اردو ہندی ڈکشنری ۱۸۸۳ء۔

اُردو پریس

گرامر جاننے اور لغت کی تیاری کے بعد پریس (چھاپہ خانہ) کی بے حد ضرورت پڑی۔ ضرورت کیا پڑی۔ صحیح معنوں میں وقت ہی یہی تھا۔ چنانچہ پریس کے درشن بھی مسیحی مشنریوں کے طفیل ہوگئے یورپ کے مسیحی مشنری اپنے ساتھ ٹائپ کی چھپائی لیکر آئے۔ تاکہ ہندوستانیوں کے لئے عیسائیت کا تبلیغی لٹریچر تقسیم کرنے کے لئے چھاپا جائے۔

سب سے پہلے ولندیزی مورخوں نے ڈچ مشنری نے مدراس میں ٹائپ (لوہے کے) حروف کے چھاپے خانے قائم کئے۔ یہ ٹائپ رومی رسم الخط تھا۔ اس لئے ہندوستانیوں کے لئے بے کار تھا۔ ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے چنانچہ ضرورت نے فارسی ٹائپ کو ایجاد کیا۔ اور کلکتہ گزٹ فارسی حروف کے ٹائپ میں چھپنا شروع ہوا جو فارسی زبان میں نکلتا تھا اور دہلی دربار کی باقاعدگی کے ساتھ اس میں خبریں ہوتی تھیں۔ کلکتہ گزٹ کی اشاعت بابت ۲۲ مارچ ۱۷۸۷ء کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس میں دہلی مغل دربار کی اطلاعات نمایاں طور پر ملتی ہیں۔ کچھ عرصہ تک یہی ٹائپ طباعی اغراض کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ چنانچہ فورٹ ولیم کالج اور ہیلی بری کالج کی تمام مطبوعات اسی ٹائپ میں چھپتی تھیں۔ لکھنؤ میں نواب غازی الدین حیدر کے زمانے سنہ ۱۸۱۴ء میں ٹائپ کا مطبع قائم ہوا اور دہلی میں ۱۸۳۷ء میں ٹائپ کا پریس کھولا گیا۔ اور ۱۷۹۶ء میں گوٹنبرگ کے ایک موجد مسمی سینی فلوڈر نے پتھر کی چھپائی لتھوگرافی کا طریقہ ایجاد کیا۔ اس لئے یہ طریقہ بہت جلد ہندوستان میں عام ہوگیا اور سب سے پہلے لیتھو کا سنگی مطبع ایک انگریز مسٹر آرچر نے کانپور میں سنہ ۱۸۳۰ء میں قائم کیا۔ اس سال کے بعد تمام ہندوستان میں لیتھو کے چھاپے خانے کھلنے لگے۔ ۱۸۴۹ء میں صرف ممالک مغربی و شمالی یعنی موجودہ دہلی پنجاب و آگرہ میں ۲۳ مطبع تھے۔ جن میں سے صرف ۱۲ لکھنؤ میں تھے۔

انجیل کے ترجمے

ان عیسائی اور یورپین دماغوں نے اردو ہندی وغیرہ کی گرامر (لغت) کی طرف اتنی توجہ اتنے شغف کے ساتھ کیوں دی۔ ظاہر ہے کہ بائیبل کو گھر گھر پہنچانا تھا۔ چنانچہ ان کاوشوں کے بعد پادری نجمن شلز جس نے پہلی اُردو کی لغت تیار کی۔ اس نے ہی خود ۱۷۴۸ء میں چار سال کے بعد بائبل کا اردو ترجمہ کیا۔ اس کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۸۳۰ء میں انجیل کا ترجمہ جو میرزا فطرت نے کیا تھا، شائع کرایا۔ بعد میں پادری مارٹن نے انجیل کے عہد جدید کا ترجمہ ۱۸۱۴ء میں یونانی زبان سے اردو زبان میں کیا پھر سرامپور کے مشنریوں نے پوری بائیبل کا ترجمہ پانچ جلدوں میں ۱۸۱۶ء تا ۱۸۱۹ء تک شائع کیا۔

کتابیں اور ٹریکٹ

فرنگیوں نے ہندوستان میں پاؤں جماتے ہی ہندوستان کی تمام قوموں پر نصرانیت کا تسلط و غلبہ قائم کرنے کے لئے جماعتی تنظیم کے ساتھ زبانی پروپیگنڈہ اور لکھے

علاوہ تحریری یعنی کتابی اور ٹریکٹ کی شکل میں پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابتدا میں وہ صرف انجیل اور انجیل کی مختصر عبارتیں چھپواتے اور عوام میں مفت تقسیم کرتے تھے۔ چنانچہ لارڈ ولزلی کے دور ۱۷۹۸ء میں کتب مقدسہ انجیل وغیرہ کا ترجمہ مشرقی زبانوں میں کرنے اور ان کو ہندوستان میں تقسیم کرنے کا کام باقاعدہ نظام میں آگیا تھا اور کلکتہ بائیبل سوسائٹی فورٹ ولیم کالج میں قائم ہوئی۔ جس کی سرپرستی لارڈ ولزلی نے ایک بڑی مالی امداد دیکر کی۔ بعد میں ہر ایک وائسرائے نے حتی کہ لارڈ ہیسٹنگز ۱۸۱۳ء لارڈ ولیم بنٹنگ ۱۸۲۸ء اور لارڈ سر چارلس مٹکاف نے ۱۸۳۵ء نے بھی اعانتِ خصوصی سے سوسائٹی کو نوازا۔

۱۸۰۴ء میں دوسری برٹش اینڈ فورن بائیبل چھاپنے اور اس کی اشاعت و وضاحت کے ساتھ اس کی قدر و منزلت کی تبلیغ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اسی طرح بتدریج مسیحی لٹریچر شائع کرنے کے لئے حسب ذیل سوسائٹیاں وجود میں آئیں

(۱) ریلیجس بک سوسائٹی کلکتہ ، صدر میجر جر میلیگن (۲) کرسچین نالج سوسائٹی کلکتہ
(۳) ایگزیلری بائیبل سوسائٹی، کلکتہ (۴) نارتھ انڈیا سوسائٹی مرزاپور
(۵) نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی (۶) مدراس ٹریکٹ سوسائٹی

پریس

ان سوسائٹیوں نے آغاز کار میں ہندوستان کے مختلف پریس اور انگلینڈ کے چھاپہ خانوں سے چھپائی کا کام لیا۔ جب اس میں زیادہ دقت ہونے لگی تو ۱۸۲۹ء میں چرچ مشن سوسائٹی نے انگلینڈ سے ایک پریس ہندوستان میں منگوایا۔ جس کو اپنے ہیڈ کوارٹر مرزاپور میں لگایا۔

اسی سوسائٹی نے ۱۸۴۰ء میں سکندرہ آگرہ کے نزدیک ایک بڑا یتیم خانہ کھولا۔ جس کے ساتھ ایک پریس عرفان اسکول پریس کے نام سے جاری کیا گیا۔ ان پریسوں کے دیکھتے دیکھتے اور سوسائٹیوں نے بھی پریس لگانے شروع کر دیئے۔ جن کے نام یہ ہیں :-

(۱) مطبع امریکن مشن لکھنؤ (۲) پریسبیٹرین مشن پریس الہ آباد (۳) بپٹسٹ پریس کلکتہ
(۴) مطبع امریکن مشن لدھیانہ (۵) الہ آباد مشن پریس (۶) این سی عرفان پریس الہ آباد
(۷) مطبع تھامسن، کالج روڈ روڑکی۔

پریس لگنے کے بعد ان سوسائٹیوں نے کثیر تعداد میں لٹریچر شائع کر کے ہندوستان میں تقسیم کیا۔ عیسائیت کی روشنی پھیلانے والی جماعت کی صرف تین سال کی رپورٹ پیش ہے ۱۸۷۲ء میں ۱۰۳۶۲ انجیلیں اور دعاؤں کی ۱۸۷۴ء میں ۲۵۲۱۹ کتابیں ہندوستانیوں کو دی گئیں۔ کتابیں تقسیم کیں۔ ۱۸۷۳ء میں یہ تعداد ۸۱۰۶۵ تک پہنچ گئی اور ۱۸۷۴ء میں ۲۵۲۱۹ کتابیں ہندوستانیوں کو دی گئیں۔ مشنری کس طرح کتابیں تقسیم کرتے تھے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عیسائیوں کا مشنری اخبار کوکب ہند اردو (رومن لٹریچر) یکم اگست ۱۸۷۹ء میں لکھتا ہے :-

• فقط ایک سوسائٹی کے ۸۰ مسیحی کتب فروشوں نے جن کا آغاز تیرہ برس سے ہے بائیبل و دیگر رسالہ جات

مذہب مسیحی دیہاتوں میں جہاں انجیل سنانے والے کم جاتے تھے اور شہر کے گلی کوچوں میں چار لاکھ روپے کی قیمت کے فروخت کئے۔

گزشتہ ایک سال کے دوران میں ڈیڑھ لاکھ رسالے تقسیم ہوئے۔ اور لاکھ سے زیادہ کتابیں فروخت کی گئیں۔ اُن مرد عورتوں سے جو یہ کتابیں خریدنے آئیں۔ کتابیں فروخت و تقسیم کرنے والوں نے مسیحی بننے کی درخواست کی۔“

قیمت بھی کس شرح سے لی جاتی تھی۔ اس کی وضاحت عیسائی اخبار ”نور افشاں“ ۱۷ جولائی ۱۸۷۹ء صفحہ ۲۲۷ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

”یہ سب لوگ جانتے ہیں کہ بہت برسوں سے اس ملک میں عیسائی اپنی کتابیں ہندوؤں اور محمدیوں کو مفت دیتے ہیں۔ یا اُن کی قیمت کا چوتھائی حصہ لیتے ہیں، اور مدرسے بھی قائم کرکے لڑکوں کو اپنی کتابیں سکھاتے ہیں۔“

گارساں دتاسی اپنے خطبات میں کرسچین ورنیکولر ایجوکیشن سوسائٹی کے اغراض و مقاصد بیان کرتے ہوئے ان کی مطبوعات کی کثرت کا حال لکھتا ہے۔

”انجمن کی طرف سے ایک بڑی تعداد مطبوعات کی شائع ہو چکی ہے۔ ہمارے خیال میں مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں ہندوستان میں اب تک جس قدر مطبوعات شائع ہوئی ہیں۔ ان میں سے ایک تہائی اس انجمن نے طبع اور شائع کرائی ہیں۔ انجمن کا اہم مقصد یہ ہے کہ بیس کروڑ نفوس جو ہندوستان میں بستے ہیں۔ انکی تنظیم و تلقین کا انتظام کرے۔ جو اُن ہی کی زبان میں ہو (خطبات ۶۰۰)

فہرست مشنری کتب

ان سوسائٹیوں نے بائبل اور دعاؤں، مناجات و گیتوں کے علاوہ ہندوستان کے دیگر مذاہب خصوصاً ہندو مسلمانوں کے مذہب، اُن کی کتاب برگزیدہ قرآن مجید اور اس کے پیغمبر محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے خلاف، اور دینِ مسیحیت کی حقانیت و صداقت کو جتانے کے لئے حسب ذیل کتب شائع کی ہیں۔

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۱	میزان الحق (فارسی)	پادری سی جے فانڈر	یہ کتاب ۱۸۴۳ء میں مطبع امریکن مشن لدھیانہ میں طبع ہوئی۔ پہلے فارسی، بعد میں ۱۸۶۸ء میں اُردو میں شائع ہوئی فارسی میں چھوٹی تقطیع ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے (ک ش) لہ
۲	طریق الحیات (فارسی)	۔ایضاً۔	۱۸۴۳ء میں بزبان فارسی سکندرہ عرفان پریس آگرہ میں اس کے بعد اُردو میں چھپی ضخامت ۲۲۷ سائز ۲۲×۱۸/۸ (ک ش)

لہ ک۔ش کا مقصد یہ ہے کہ یہ کتاب مولانا کے کتب خانہ میں موجود ہیں

نمبر	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۳	مفتاح الاسرار (فارسی)	۔ ایضاً ۔	
۴	حل الاشکال (اُردو)	۔ ایضاً ۔	کشف الاستاد، کتاب استفسار معہ مراسلات مولانا آلِ حسن مولانا عبداللہ کے جواب میں ۱۸۴۵ء میں امریکن مشن لکھنؤ میں چھپی ۔ ۳۰۳ صفحات پر مشتمل ہے ۔
۵	رسالہ تحقیق دینِ حق	پادری اسمتھ	این ۔ سی ۔ عرفان پریس الہ آباد ۱۸۴۳ء میں نارتھ انڈین ریلیجس اینڈ سوسائٹی کے زیرِ اہتمام یہ کتاب چھپی ۔ صفحات ۹۳ ہیں (ک ۔ ش)
۶	ابطال دین محمدی بمقابلہ دینِ عیسوی	پادری ایل جے ہے	۱۸۵۴ء میں یہ کتاب پریسبٹیرین مشن پریس الہ آباد میں شائع ہوئی ۔
۷	رسالہ اصل افزائش زوال دینِ محمدی	پادری جے ولسن	۱۸۳۹ء میں مشن پریس الہ آباد میں طبع ہوئی ۔
۸	شریف تبیین	منشی رجب علی	یہ ۴۶ صفحہ کا رسالہ ۱۸۶۷ء میں امریکن مشن پریس لکھنؤ میں شائع ہوا ۔
۹	تعلیقات	پادری عماد الدین	اس کتاب کو ریلیجس بک سوسائٹی نے شائع کیا ۔ (ک ش)
۱۰	ہدایت المسلمین	۔ ایضاً ۔	۱۸۶۸ء میں مطبع نور لاہور میں چھپی ۔ یہ کتاب حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف کے جواب میں لکھی گئی ہے (ک ش)
۱۱	حقیق عرفان	۔ ایضاً ۔	یہ کتاب بھی مطبع نور میں ۱۸۶۸ء میں شائع ہوئی ۔
۱۲	تخیص الاجابت یا تاریخ محمدی	۔ ایضاً ۔	یہ گندی اور ناپاک کتاب جس میں حضورؐ کی سوانحعمری انتہائی شرمناک ذہنیت کے ساتھ ناقابلِ اعتبار لٹریچر کی بنیاد پر لکھی گئی ہے ۔ آفتاب پنجاب پریس امرتسر میں کرسچین نالج سوسائٹی کے اہتمام سے ۱۸۷۰ء میں چھپی (ک ۔ ش)
۱۳	تلخیص الاحادیث یا تعلیم محمدی	۔ ایضاً ۔	یہ دوسرا حصہ عقائد و عبادات اسلامیہ ، معاملاتِ محمدیہ اور فضائل دینیہ سے متعلق ہے ۔ اس میں مولف نے ہر چیز کی تردید و اعتراض اور اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے یہ کتاب ۱۸۸۰ء میں وکیل ہندوستان پریس امرتسر میں کرسچین نالج سوسائٹی کی جانب سے چھپی [له]

له ازالۃ الاوہام مولانا رحمۃ اللہ

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
۱۴	مکاشفات	پادری عمادالدین	۱۸۷۰ء میں طبع ہوئی۔
۱۵	نغمۂ طنبوری	۔ایضاً۔	
۱۶	تحقیق الایمان	۔ ایضاً۔	مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ازالۃ الاوہام کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے
۱۷	عقوبت الضالین	۔ ایضاً۔	یہ کتاب وکیل ہندوستان پریس امرتسر میں چھپی - پنجاب ریلیجیس سوسائٹی کے اہتمام میں طبع ہوئی۔ (ک-ش)
۱۸	آثارِ قیامت	۔ ایضاً۔	یہ بھی مذکورہ پریس اور سوسائٹی نے شائع کی ۱۸۷۷ء (ک-ش)
۱۹	من آنا	۔ ایضاً۔	یہ ۲۲ صفحات کا رسالہ حضرت عیسیٰ کی تعریف میں ہے۔ مفید الارواح پریس امرتسر میں ٹریکٹ سوسائٹی پنجاب نے ۱۸۷۰ء میں شائع کیا۔
۲۰	رسالہ تحفۃ الکتب	کپتان ولیم رابرسن ایکمین	قرآن مجید کی رد میں یہ کتاب ۱۸۷۲ء میں لدھیانہ مشن پریس میں چھپی - (ک-ش)
۲۱	تفتیش الاسلام	جان راجرس ہیڈ ماسٹر دسنفیل	
۲۲	نیاز نامہ	پادری صفدر ایسٹرا اسسٹنٹ کمشنر	نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی نے مشن پریس الہ آباد میں ۱۸۶۷ء میں شائع کرائی (ک-ش)
۲۳	رسالہ الٰہی براہین	پادری سموئیل رجب علی	مخالفتِ دہریت میں یہ رسالہ لکھا گیا ۱۸۶۹ء میں چھپا
۲۴	آئینۂ اسلام	پادری رجب علی	
۲۵	تصدیق الکتاب	پادری ٹی جے اسکاٹ	۱۸۷۰ء میں مشن امریکن پریس میں، ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئی (ک-ش)
۲۶	علم الٰہی عقلی	۔ایضاً۔	دہریت کی مخالفت میں یہ کتاب مطبع امریکن مشن لکھنؤ میں ۱۸۷۷ء میں چھپی (ک-ش)
۲۷	مسیح الدجال	ماسٹر رام چندر	اس کتاب میں حضور اقدس صلعم کو مہمل اور لچر دلیلوں سے دجال ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔
۲۸	رسالہ تحریف القرآن	۔ایضاً۔	
۲۹	کلید آدم	مالونوس سنگھ	حضرت آدم اور یسوع مسیح کی تعریف میں یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ اس کتاب پر سر ولیم میور نے مولف کو انعام دیا تھا۔ یہ کتاب نارتھ انڈیا ٹریکٹ سوسائٹی

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
			نے امریکن مشن سوسائٹی پریس میں شائع کرائی (ک۔ش)
٣٠	امہات قرآن	عبداللہ آتھم	
٣١	رسالہ اظہار عیسوی	پادری ٹھاکرداس	
٣٢	دینی و دنیاوی تاریخ کا مجموعہ	پادری اگنش راد صیدٹ	١٨٧٣ء میں مشن پریس الہ آباد میں ٤٠٠ صفحات پر مشتمل چھپی۔
٣٣	رسالہ سیرت المسیح	پادری ٹھاکر داس	
٣٤	عدم ضرورت قرآن	۔ ایضاً ۔	
٣٥	رسالہ شہادت و قرآنی	سر ولیم میور	
٣٦	رسالہ مراۃ القرآن	پادری محبوب مسیح	

ان کتابوں میں سب سے پہلی غیر مہذب اعتراضات سے بھرپور اور زہریلی کتاب میزان الحق، طریق الحیات اور مفتاح الاسرار ہیں۔ یہ کتابیں سلسلہ وار پادری فانڈر نے شائع کی ہیں۔ یہی زہر آلود کتابیں ہیں۔ جن کی تمام مصنفین نے تقریباً ڈھٹائی کے ساتھ نقل کی اور ان غیر شریفانہ اعتراضات سے اپنی کتابوں کو آلودہ کیا ہے۔

چنانچہ ان تمام کتابوں میں نفس مضمون، مسائل اور اعتراضات ایک ہی قسم کے ہیں۔ ایک ہی خباثت کو بار بار مختلف عنوانات اور ناموں یا عبارت کے ساتھ دہرایا گیا ہے۔

مسلمانوں پر جن اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی ہے وہ یہ تھے۔

(١) قرآن مجید اصلی نہیں ہے۔ اس میں تحریف و تبدیلی ہوئی۔

(٢) قرآن مجید میں کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ توریت اور زبور سے سرقہ کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں جو کچھ ہے وہ یہودیوں کی خرافات ہے۔

(٣) نبی کی نبوت کے لئے معجزہ ضروری ہیں۔ محمد رسول اللہ سے کسی معجزہ کا ظہور نہیں ہوا اس لئے وہ نبی نہیں تھے۔

(٤) محمد رسول اللہ کی رسالت کی کوئی پیش گوئی کتب عہد عتیق و جدید میں نہیں ہے اس لئے وہ پیغمبر نہیں تھے۔

(٥) کتاب مقدس کے مطالب قرآن و حدیث کے خلاف ہیں اس لئے قرآن کتاب الہٰی نہیں ہے۔

(٦) اسلام جھوٹ کی تعلیم دیتا ہے۔

(٧) قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کے مخالف اور متضاد ہیں۔ اس لئے قرآن کلام الہٰی نہیں ہے۔

۸- قرآن میں گناہ کی معافی کا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔
۹- اسلام جہاد (بزور شمشیر) کے ذریعہ پھیلایا گیا۔
۱۰- محمد رسول اللہؐ کو وحی نہیں آتی تھی بلکہ وہ صرع کی بیماری تھی جس میں وہ مبتلا تھے۔
۱۱- قرآن مجید کی جھوٹی آیتیں۔
۱۲- حضور اقدس کی ذات اقدس پر شرمناک و نازیبا الزامات وغیرہ۔
۱۳- انجیل اور کتب عہد عتیق منسوخ نہیں ہوئیں اور ان میں تحریف ہوئی۔
۱۴- قرآن مجید انجیل کے کتاب الہٰی ہونے کا اقراری ہے۔
۱۵- نجات مسیح کے راستہ پر ہے۔

ان اعتراضات کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہر معترض کی ذہنیت ایک ہی غلاظت میں سنی ہوئی ہے۔ سب نے بڑے ذلیل انداز اور ننگوں کے معیار سے نبی اکرم الزمان رحمۃ اللعالمین کو بدنام اور رسوا کرنے کی ناپاک و ناکام کوشش کی ہے اور اپنے بدباطن اور ناپاک ظرفوں کو آشکارا کیا ہے۔ بعض نے تو حد کر دی۔ شرافت و انسانیت اور اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر انتہائی گندہ ذہنی اور ذہنی غلاظت کے ساتھ حضور انورؐ کی ذات والا صفات پر انتہائی غیر شریفانہ کمینہ اور غیر مہذب حملے کئے ہیں۔

ان میں پادری عماد الدین کا گندہ قلم زیادہ گستاخ اور ان کی کتاب تلخیص الاحادیث بے بنیاد الزام و بہتانوں سے زیادہ سیاہ نظر آتی ہے۔ یہ بے لگام پادری حضور اقدس کی شان میں لکھتا ہے:۔

"آپ نفسانی لذائذ خاص کر شہوت کے ایسے پابند تھے کہ گویا دنیا میں اسی کام کے لئے آئے تھے۔ کنیزک اور باندیوں سے نکاح نہ کرتا، بے نکاح اس سے ہم بستر ہوتا۔ جو عورت حضرت کو نہ کرتا اس کو جبراً جورو بناتا۔ (یہ کام حضرت کا تھا) نعوذ باللہ

یہی پادری بہتان لگاتا ہے:۔

"ایک روز جمعہ کے دن محمد صاحب اس (اپنی بیوی جویریہ) کے پاس آئے مطلب ہم بستر ہونا کا تھا۔ مگر عورت روزہ سے تھی اور روزہ کی حالت میں صحبت کرنا جائز نہیں ہے۔ حضرت نے اس کا روزہ اس حیلہ سے افطار کرایا کہ اس سے کہا کہ کل جمعرات کو بھی روزہ رکھا تھا کہا نہیں تو۔ فرمایا تو اب روزہ توڑ ڈال اور صحبت کر۔ (نعوذ باللہ)

یہی پادری اپنی کتاب تلخیص الاحادیث کے صفحہ ۲۲۱ پر کہتا ہے:۔

"محمد صاحب نے بستر کے نزدیک ایک پیالہ رکھا تھا۔ جس میں رات کو پیشاب کیا کرتے تھے۔ ایک رات اس میں پیشاب کیا۔ صبح ام ایمن لونڈی سے کہا کہ اس پیشاب کو باہر پھینک دے۔ وہ بولی اس میں پیشاب نہیں ہے وہ پیالہ خالی رکھا ہے۔ بلکہ خوش ہو کر ہنسے اور کہا کہ اب تیرے پیٹ میں کبھی درد پیدا نہ ہوگا

اور منہ دھونے اور کلی کرنے کا بھی اسے حکم نہیں دیا۔ دوسری ایک اور لونڈی برکد نام نے ان کا پیشاب نوش کر لیا۔ اس سے بھی حضرت خوش ہوئے اور کہا تو کبھی بیمار نہ ہوگی ایک اور لونڈی نے بھی حضرت کا پیشاب پیا تھا اور ایک حجام نے حضرت کا خون بیماری کا نکلا ہوا پیا تھا۔ حضرت نے اس سے کہا اب تو کبھی بیمار نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت خود اسی ناپاک خون سے بیمار تھے۔"

ان الزامات سے اندازہ لگایئے کہ حکومت ایسی تصانیف کی موجودگی میں اپنے آپ کو حکومت کا اہل کس طرح کہہ سکتی ہے ... ہم مذہب مبلغین اور پادریوں کو ایسے افعال و حرکاتِ شنیعہ کے کرنے کی اجازت دیتے ہوئے اپنے آپ کو رعایا پرور ... ، مہذب اور غیر جانبدار ثابت کر سکتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی گندی تعلیم اور سازشانہ شیطنیت ... کسی سلطنت میں نظر نہیں آئے گی

اخبارات و رسائل

کتابوں کے علاوہ اخبارات و رسائل بھی نکالے گئے۔ جن کا مقصد بھی یہی تھا کہ ہمارے مذاہب اور ان کے رشیوں اور منیوں کا مضحکہ اُڑایا جائے اور اپنے مذہب کی افضلیت جتائی جائے ... عیسائیوں کے جو رسالے نکلے اور اخبارات نکلے وہ یہ تھے:-

(۱) دِگ درشن، سماچار درپن } سی رام بپٹسٹ مشنری نے ماہنامہ "دِگ درشن" اپریل میں جاری کیا۔ جب اُس کے دو پرچے نکل چکے تو ۲۳ کو "سماچار درپن" ہفتہ وار نکالا۔ جب یہ اخبار لارڈ ہیسٹنگز کو ملا تو وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے اپنے ہاتھ سے لکھ کر ایک خط "سماچار درپن" کے بانیوں کو خیر مقدم کا روانہ کیا اور اسی وقت یہ حکم جاری کیا کہ "اس پرچہ کے لئے جو ٹکٹ کی مراعات دی جاتی ہے"۔ اس اخبار کا ایڈیٹر مارشل تھا۔

(۲) خیر خواہِ ہند } بنارس سے یہ ماہنامہ ۱۸۳۰ء کو نمودار ہوا، آٹھ صفحوں پر مشتمل تھا۔ مالک پادری تھامس تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے ۴ آنہ تھا۔ کلکتہ بپٹسٹ مشن پریس میں چھپتا تھا۔

(۳) خیر خواہِ ہند } مرزا پور سے یکم اگست ۱۸۳۶ء کو یہ ماہنامہ جلوہ افروز ہوا۔ بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک پادری ایف۔ جی۔ برایت، ایڈیٹر پادری مسٹر، مہتمم ڈاکٹر میڈ تھے۔ سالانہ چندہ تین ... تھا۔ مطبع ارفن اسکول میں طبع ہوتا تھا۔

گارساں دتاسی اپنے خطبوں میں اس رسالے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جو خیر خواہِ ہند نکلتا ہے۔ یہ امریکی پروٹسٹنٹ مشنریوں کا اخبار ہے۔ اس کا مقصد تبلیغ مذہب ... "بہت سے ہندوستانی رسالے ۱۸۵۷ء میں بغاوت کے رونما ہونے پر ناپید ہو گئے۔ رسالہ خیر خواہ ہند جو فارسی لاطینی حروف میں شائع ہوتا تھا۔ بند ہو گیا۔ یہ رسالہ لندن کی مشنری سوسائٹی کے پادری ماتھر کے زیر ادارت ... سال سے جاری تھا۔ نہ صرف اس کو امریکن مشنری سوسائٹیوں نے چلایا بلکہ پروٹسٹنٹ مشنریوں کے ہر طبقہ کے مضامین اس میں شائع کئے جاتے تھے (۲۵۲)

"مرزاپور کا اخبار خیر خواہ ہند اس قسم کی اُردو میں ہوتا ہے - جس میں انگریزی الفاظ کثرت سے کھپائے جاتے ہیں مشنریوں کی بیشتر تصانیف جو مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت کے لئے شائع ہوتی ہیں اسی طرز کی زبان میں ہوتی ہیں (۳۱۴)

ڈاکٹر آر. سی. ماتھر، خیر خواہ ہند ناگری اور فارسی رسم الخط میں برابر شائع کرتے ہیں - اس اخبار کے بعض اہم اجزاء کا انگریزی ترجمہ بھی کبھی کبھی شائع کر رہے ہیں (۳۷۱)

اختر شہنشاہی نے اس اخبار کا اجراء سنہ ۱۸۴۶ء لکھا ہے اور دتاسی سنہ ۱۸۴۷ء بتاتے ہیں :-

(۴) فوائد الناظرین } ماسٹر رامچندر نے دہلی سے ۱۸۴۵ء سے یہ ماہانہ رسالہ نکالا - اس کے بعد خیر خواہ ہند سنہ ۱۸۴۷ء میں جاری کیا جو چند مہینے چلا - اس کا نام "محب ہند" رکھا - یہ تینوں رسالے جہاں علمی و ادبی تھے - وہاں عیسائیوں کے خیالات کا پروپیگنڈہ کرتے تھے - ماسٹر رام چندر عیسائی ہو گئے تھے - انھوں نے اسلام کے خلاف کتابیں لکھیں -

(۵) بامداد } سنہ ۱۸۵۹ء میں یہ رسالہ جاری ہوا - یہ یورپین خیالات کا مؤید بمبئی کی مسیحی انجمن کا آرگن تھا - اس نے ان لوگوں کے لئے جو تین ہزار روپے کے اخراجات کے متحمل ہو سکتے ہیں - انگلستان جانے کی استدعا کی - اس کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ جن لوگوں سے ہم مخاطب ہوں - ان میں یہ اعتراض کریں گے کہ ہمارا مذہب خطرہ میں پڑ جائے گا - لیکن وہ مذہب ہی کیا جسے ہم زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نہ لے جا سکیں -

(۶) شملہ اخبار } یہ اخبار شملہ سے شائع ہوا تھا - اس کے ایڈیٹر شیخ عبداللہ اور سرپرست سر ہربرٹ ایڈورڈ تھے دیوناگری رسم الخط میں چھپتا تھا - لیکن زبان اُردو تھی - اس اخبار کے سرپرست کی خواہش تھی کہ تمام ہندوستان عیسائی ہو جائے - ان کی تحریک پرانی مدارس میں جہاں برطانوی نظم و نسق کی تعلیم دی جاتی - انجیل کی تعلیم لازمی قرار دیگئی -

(۷) خیر خواہ خلق } سکندرہ ضلع آگرہ سے پندرہ روزہ اخبار جنوری سنہ ۱۸۶۲ء کو جاری ہوا - آٹھ صفحات پر مشتمل تھا - مالک پادری سی - جی - ڈابلی تھے - سالانہ چندہ بارہ آنے اور محصول ڈاک ڈیڑھ روپے تھا - مطبع سکندری میں چھپتا تھا - اس میں مذہبی، تاریخی اور ادبی مضامین بھی ہوتے تھے اور کبھی کبھی لیتھو میں تصاویر بھی ہوتیں - گارساں دتاسی اس کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :-

یہ بالکل مذہبی قسم کا اخبار ہے - اس کا مقصد دینِ مسیحی کی نشر و اشاعت ہے اس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے رہتے تھے - "خدا کا خوف دانائی کی ابتداء ہے اور مذہبی آدمی کے نزدیک علم اور اخفیا ہم معنی ہے"

(۸) لوگ متر } یہ ماہانہ رسالہ سکندرہ آگرہ سے، جنوری سنہ ۱۸۶۳ء کو جلوہ افروز ہوا - یہ ہندی کا رسالہ تھا - دیوناگری میں چھپتا تھا - "خیر خواہ خلائق" مسلمانوں کے لئے اور "لوگ متر" ہندوؤں کے لئے نکالا گیا تھا - اس کا مقصد عیسائی مذہب کی اشاعت تھا - دتاسی لکھتے ہیں :-

"اس کے مدیر کا نام پردۂ خفا میں ہے لیکن اس کے مضامین کے معیار اور سنسکرت دوہوں اور ہندی چوپائیوں کے حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً وہ کوئی ہندو عالم ہونگے جنھوں نے مسیحی دین قبول کر لیا ہے" (۳۷۹)

(۹) مواعظ عقبیٰ } دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۸۶۷ء کو نمودار ہوا۔ جس کی ادارت عیسائی ہندو کرتے تھے۔ اس کے جواب میں مولانا الطاف حسین حالی نے "مواعظ حسنہ" اور مولوی ہاشم نے "خیر المواعظ" جاری کئے۔

(۱۰) مخزنِ مسیحی } یہ ماہانہ رسالہ لاطینی رسم الخط میں اُردو میں جولائی ۱۸۶۸ء میں نکلا تھا۔ اس کے ایڈیٹر ریورنڈ جے۔ جے۔ وانشں تھے۔ یہ رسالہ مراد آباد میں چھپتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔ اس رسالہ کا مقصد کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر کی زبانی جولائی ۱۸۶۸ء کے شمارہ میں بعنوان "اشتہار تمہیدی" پڑھیئے۔

"یہ میگزین حسبِ ہدایت فرخ آباد مشن کے بقیمت چھاپا جاتا ہے۔ تاکہ قیمت اس کی چھاپنے کے لئے خرچ کے لئے مکتفی ہو۔ اصل غرض یہ ہے کہ چند عمدہ کتابوں کو جن کے چھاپنے کی اور کوئی صورت نہیں تھی اور جسپر خرچ پڑتا رواج ہو۔ پہلی جلد میں ترجمہ ایک کتاب معروف "قربتِ الٰہی" یا "تقدیسِ مومنین" مصنفہ ڈاکٹر ڈوارنگ صاحب کا چھاپا جاتا ہے۔ یہ کتاب انتہائی معقول استعمال کے لائق ہے۔ خصوص اُن کے لئے جنھوں نے معرفت کی راہ میں قدم رکھا اور اس کا مقصد شریف اسی قدر ہے کہ ان میں اپنے بزرگ و جلیل خداوند کے مقرب ہونے کی رغبت و عادت پیدا کرے۔ یہ کتاب سلیس ہے اور اس کی غرض شہرت کی نہیں بلکہ فائدہ کی ہے۔ ہم اپنے ہندوستانی بھائیوں سے اس کے پڑھنے کی دل سے سفارش کرتے ہیں۔ ماہانہ چار آنہ ہے۔"

گارساں دتاسی اس رسالہ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"اس رسالہ کا خطاب ہندوستانی عیسائیوں کی طرف ہوتا ہے۔ جنھیں یہ بہت سستے داموں پر دیا جاتا ہے۔ ویسے ہر اشاعت کی قیمت تین آنے ہے۔ اس کے مضامین نصیحت آموز اور انکا معیار بلند ہوتا ہے۔ اس کی زبان فصیح اور صاف اُردو ہوتی ہے۔ ہر اشاعت میں مضامین کا تنوع ہوتا ہے۔ انگریزی طرز کی نقلیں ہوتی ہیں۔"

اس رسالہ میں مشنریوں کا پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔ مسیحی کالجوں، اسکولوں اور یتیم خانوں کی روئیداد چھپتی تھی کہ کالجوں، اسکولوں اور یتیم خانوں میں کتنے ہندوستانی عیسائی ہوگئے۔

(۱۱) شمس الاخبار } لکھنؤ کے محلہ حضرت گنج سے ۱۸۶۹ء کو نمودار ہوا۔ پندرہ روزہ تھا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ مالک پادری مسور صاحب، مہتمم پادری ارڈ کریون تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تین آنہ تھا۔ مطبع امریکی مشن میں طبع ہوتا تھا۔
یہ اخبار لکھنؤ کی امریکن مشن کا آرگن تھا۔

(۱۲) نور افشاں } لدھیانہ سے عیسائیوں کا یہ مذہبی اخبار یکم مارچ ۱۸۷۳ء کو نکلا پنجشنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ مہتمم پادری ای ایم ویری، پرنٹر پادری نیوٹن، ایڈیٹر بابو بنی دہلی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ مطبع امریکن مشن لکھنؤ میں چھپائی ہوتی تھی۔ اس کے سرورق پر یہ عبارت درج ہوتی تھی۔

"حقیقی ... یہ تھا۔ جو دنیا میں آکے ہر ایک آدمی کو روشن کرتا ہے":

یہ پہلے اردو انگریزی میں چھپتا تھا۔ بعد میں صرف اُردو میں طبع ہونے لگا۔ مشنریوں کے کافی پرچے نکلتے تھے لیکن سب سے زیادہ مشہور یہ ہی ہوا۔ اس نے زیادہ زندگی پائی اور کافی عرصہ تک نکلا۔ اس کی کتابت و طباعت بہت اچھی تھی۔ کاغذ بھی انتہائی نفیس اور پاکیزہ تھا۔ اس میں ہندو مسلمان اور سکھوں کے مذاہب کے خلاف مضامین چھپتے تھے اور کبھی کبھی اصلاحی مضمون اور نوٹس لکھتا تھا۔ اس اخبار کے مسلمان اور ہندو اخبارات سے بڑے قلمی معرکے ہوئے۔

(۱۲) **خیر خواہِ اطفال** } لکھنؤ محلہ گولہ گنج عنایت باغ سے بچوں کا ماہانہ پرچہ یکم اپریل سنہ ۱۸۶۳ء کو جاری ہوا سولہ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ مالک پادری مسمور، مہتمم پادری کریون تھے۔ مفت تقسیم ہوتا تھا۔ کوئی قیمت مقرر نہیں تھی۔ مطبع مشن پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔ یہ مسیحی سنڈے اسکولوں کا آرگن تھا۔ عیسائیت کی تبلیغ کرتا تھا۔ لکھنؤ کے مشنری اسکولوں کی روئیداد اور خبریں شائع ہوتی تھیں۔

(۱۳) **وکیلِ ہندوستان** } امرتسر سے یکم جنوری سنہ ۱۸۷۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا۔ چہار شنبہ کو سولہ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ تیرہ روپیہ دس آنہ تھا۔ مالک و ایڈیٹر پادری رجب علی تھے۔ مطبع وکیل ہند میں طباعت ہوتی تھی۔

گارساں دتاسی مقالات دوم میں اس اخبار کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"وکیلِ ہندوستان" عیسائی اخبار ہے جو امرتسر سے نکلتا ہے۔ اس کے مدیر رجب علی ہیں۔ جنھوں نے مذہب کے ساتھ اپنا لقب بھی بدل دیا ہے اور اب اپنے آپ کو منشی کے بجائے پادری لکھے ہیں"

(۱۴) **کوکبِ ہند** } لکھنؤ کے محلہ حضرت گنج سے سنہ ۱۸۷۰ء میں شائع ہوا۔ مہتمم پادری ٹی کریون تھے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تیرہ آنہ تھا۔ امریکن مشن پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

پہلے اس کا نام شمس الاخبار تھا۔ آٹھ برس کے بعد اس اخبار کا نام بدل کر کوکبِ ہند رکھا گیا تھا[۱]

(۱۵) **رفیقِ نسواں** } اس اخبار کو ۵ مارچ سنہ ۱۸۸۴ء سے پادری کریون نے مطبع میتھوڈسٹ اپسکوپل چرچ پریس لکھنؤ سے جاری کیا۔ اردو، ہندی لکھنؤ سے جاری کیا۔ بنگالی میں کلکتہ سے، تامل میں مدراس سے شائع ہوتا تھا۔ بارہ صفحات پر دو ہفتہ کے بعد دوشنبہ کو نکلتا تھا۔ خط و کتابت مسٹر بیڈلے سے کی جاتی تھی اور چندہ امریکن مشن پریس لکھنؤ کے ایجنٹ کے نام روانہ ہوتا تھا۔

اس اخبار میں عیسائی عورتوں کے اصلاحی و مفید اور معلوماتی مضامین چھپتے تھے۔ اسلام اور دوسرے مذاہب کی تکذیب کی جاتی تھی۔

نیٹو کرسچین پیپر } بھنڈارا ناگپور سے یکم جنوری سنہ ۱۸۸۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ظہور پذیر ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم صفدر علی عیسائی اسسٹنٹ کمشنر سکریٹری نیٹو کرسچین سوسائٹی تھے۔ یہ اخبار اُردو فارسی اور رومن میں چھپتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

---

[۱] اختر شہنشاہی ص ۱۶۰

جہادِ آزادی کے روشن چراغ

المعروف

فرنگیوں کا جال

امداد صابری

قیمت: قسمِ اعلیٰ پینتیس ۳۵ روپے۔ قیمت قسم دوئم پچیس ۲۵ روپے

میں نہیں لایا جاتا۔ اسپر بھی وہ مُردے کو نہیں چھوتا تھا۔[۱]

رابرٹ دی نوبی لیس سنہ ۱۶۰۶ء میں ہندوستان آیا۔ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پادریوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ ہم یورپ کے برہمن ہیں اور جمبودیپ کے مغربی حصہ سے پانچ ہزار فرسنگ کے فاصلے سے آئے ہیں کہ اپنے بھائی ہندوستانی برہمنوں سے علم سیکھیں اور اپنا علم انکو سکھائیں۔ جب اُن پادریوں نے اپنے آپکو برہمن مشہور کر دیا تو اس قوم کی تقلید بھی شروع کر دی اور پتامبر دھوتی پہننی شروع کر دی۔ جیسا کہ ہندوستان کے مذہبی پیشوا اور فقیر پہنتے ہیں۔ جب وہ عام آدمیوں کے ساتھ جاتے۔ چندن بھی ماتھے پر لگاتے۔ جیسا کہ برہمن لگاتے ہیں[۲] ان پادریوں نے ہندوؤں کے ناموں پر اپنے نام بھی رکھ لئے۔ پادری رابرٹ دی نوبی لی بس نے اپنا نام تتو بودھ گیہ سوامی اور پادری آرسی جی لبس چی نے ویرام منی اپنا نام رکھا۔

مدراس کے کچھ حصوں پر قبضہ کے بعد عیسائی مبلغوں کی ہمت افزائی ہونے لگی۔ پندرہویں صدی سے یہ کوششیں شروع ہو چکی تھیں۔ لیکن دال بالکل نہ گلی تو فریب سے کام نکالنے کی کوشش کی گئی۔ مسیحی عیسائیوں نے سنسکرت میں ایک نئی اور پانچویں وید تیار کر کے پیش کر دی اور خود کو سفید برہمن ظاہر کیا اور بتایا کہ نیا وید بھگوان کی طرف سے ان پر اترا ہے۔ اس میں عیسائیت کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ چند روز تک تو ہندوؤں کو بڑا اچنبھا رہا۔ نیا وید اور اس کی تعلیم کے چرچے ہوتے رہے۔ پھر بھانڈا پھوٹ گیا۔ اور پادریوں کا وار خالی گیا۔ پھر "زیڈ" سے شروع ہونے والے الفاظ سے بھی کام لیا گیا۔

حکومت کا مشنریوں کو مالی عملی مدد دینا

حکومت اور ہر ایک حاکم مشنریوں کو مالی اور سرکاری مدد دیتا تھا اور اس وقت دیتا تھا جبکہ قانوناً پادریوں کو مذہب کی اور تعلیم کی اشاعت کی ممانعت تھی اور انھوں نے خلافِ قانون طریقہ پر چارلس گرانٹ کے ذریعہ سنہ ۱۷۹۹ء میں سریرامپور کے علاقہ میں مسیحیت کی تبلیغ کا کام پوشیدہ طور پر مسٹر کیری کے ساتھ شروع کر رکھا تھا۔

اس دور میں امداد دینے والا کوئی چھوٹا موٹا غیر ذمہ دار حاکم نہ تھا۔ لارڈ ویلزلی گورنر جنرل تھا۔ جو مشنریوں کے کاموں کی سرپرستی کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہی مسٹر کیری کو جو مشنریوں کا سرغنہ تھا۔ فورٹ ولیم کالج میں سنسکرت کا پروفیسر مقرر کیا تھا جس میں وہ مشن کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔ لارڈ ویلزلی کی سرپرستی میں سنہ ۱۷۹۸ء سے بائیبل وغیرہ کے ترجمے مشرقی زبانوں میں کرنے کا کام فورٹ ولیم کالج میں شروع ہو گیا تھا اور باقاعدہ کلکتہ بائیبل سوسائٹی قائم ہو گئی تھی۔ اس کی فہرست کے چندہ میں بڑی رقم لارڈ ویلزلی نے لکھی تھی۔ اس سوسائٹی کے فنڈ کی اعانت و امداد لارڈ ہیسٹنگز نے سنہ ۱۸۱۳ء میں لارڈ ولیم بینٹنگ نے سنہ ۱۸۳۰ء میں اور سر چارلس مٹکاف نے سنہ ۱۸۳۵ء میں کی تھی۔

لارڈ ڈلہوزی کے عہد حکومت میں اس بات کی انتہائی کوشش کی گئی کہ انگریزی تہذیب و اخلاق اور ان کی عادات و اطوار کو رواج دیا جائے۔ اس کے لئے بڑے بڑے شہروں میں انگریزوں نے اپنی منظم کوشش کی کہ عورتوں کو بے پردہ کیا جائے

۱۔ کلکتہ ریویو صفحہ ۹۲، پادری صاحب کی کتاب صفحہ ۵، ۲۔ خطوط اے بی ڈبّو پائس صفحہ ۲۰، پادری صاحب کی کتاب صفحہ ۵

اور عیسائی مذہب کی طرف ان کو راغب کیا جائے۔ اس کام میں ہندوستان کے انگریزی افسروں کی بیویوں نے بھی مدد کی، اور انگلینڈ میں جو عورتیں تھیں۔ انھوں نے بھی اس میں حصہ لیا اور مالی مدد دی۔ بالآخر لارڈ ڈلہوزی کی سرپرستی میں انگریزی اور تعلیمی اسکیم کا ڈھانچہ بنایا گیا۔ جس کی ابتدا یتیموں اور لاوارث لڑکیوں کو عیسائی بنا کر کی گئی[لہ] گورنمنٹ کے ایک ممبر بی تھون صاحب نے ۱۸۴۹ء میں کلکتہ کے اندر ایک مدرسہ قائم کیا۔ جب بی تھون کا انتقال ہو گیا تو گورنر نے اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بعد میں اس کی باگ ڈور لیڈی کیننگ کے ہاتھوں میں سونپ دی گئی۔

فوجی افسران کا مشنری کام کرنا

لارڈ کیننگ کے عہد میں انگریزی فوجی افسروں نے یہ اپنا شغل بنا رکھا تھا کہ فوجی مسلمان اور ہندوؤں میں عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے۔ جب وہ ہندوؤں کو بت پرستی کرتے دیکھتے اور مسلمانوں کی زبان سے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا ماننے سے انکار سنتے تو وہ فرض سمجھتے تھے کہ ہم حواریوں کا کام مستعدی سے کریں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ سب انسان ان کے مانند ہیں۔ ان کی بھی روح کی نجات ہونی چاہیے، اور کوئی خارجی حالت ایسی نہیں جو ہم کو خدا کی تبلیغ کرنے سے منع کرے۔ وہ اپنے ایک ہاتھ میں آرڈر بک (سپاہ کے حکموں کی کتاب) اور دوسرے ہاتھ میں بائیبل لے کر پلٹنوں میں گشت لگاتے پھرتے تھے اور نصرانیت کے اصول سمجھاتے پھرتے تھے۔ چنانچہ لفٹنٹ کرنل ویلر جو ایک رجمنٹ کا کمانڈر تھا۔ بڑے فخر کے ساتھ کہتا ہے۔

"بیس سال سے زیادہ یہ میری عادت رہی ہے کہ تمام غیر عیسائی قوموں کے سپاہیوں کو بغیر کسی تمیز کے عیسائی اصولوں کو سمجھاتا ہوں۔ عیسائی بننے کی ترغیب دیتا ہوں۔ گھنٹوں وعظ کہتا ہوں۔ گویا مسیح کا سپاہی بن کر خدا کے احکام اور سرکار کمپنی کا ملازم بن کر سنتا ہوں"[لہ]

خود لارڈ کیننگ نے خالص مشنری تعلیم دینے والے سرے رامپور کے بیپٹسٹ کالج کو جو ۱۸۱۸ء میں اُن ہی کے عہد حکومت میں قائم ہوا تھا۔ چندہ دیا تھا اور اس کے اول پیٹرن بھی آپ ہی مقرر ہوئے۔ اس اسکول کی بھی بہت سے وائسرائیوں نے مالی وعملی ہمدردی ومدد کی۔ عیسائی مشنری اور انگریزی افسران بھی فوجوں میں مسیحی کتب تقسیم کر کے مسیحی دین کی تبلیغ کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ہندوستانی فوجیوں نے عیسائی مذہب قبول کیا۔ چنانچہ اس کا ذکر پادری برکت اللہ نے اپنی کتاب "صلیب کے علمبردار" میں کیا ہے۔

"۲۴ پنجابی پلٹن جو پنجاب کے علاقہ کے مذہبی سکھوں پر مشتمل تھی، بلاد تبت میں ہو کر آگئی تھی۔ یہ پلٹن بعد میں ۳۲ پنجابی پلٹن کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس پلٹن نے دہلی کو فتح کرنے میں بڑی دلاوری سے کام لیا۔ ان دنوں چند مسیحی کتب اس کے سپاہیوں کے ہاتھوں میں آئی تھی۔ جنھوں نے ان میں مذہبی جستجو کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ چند انگریزی افسروں نے ان سپاہیوں کو تعلیم دی تھی اور پشاور میں آکر اس پلٹن کے ۴۹ اشخاص نے بپتسمہ پایا۔ جہاں کہیں یہ پلٹن جاتی۔ پادری کلارک اس کے ساتھ جاتا۔" (۱۴۲)

چنانچہ گارساں دتاسی نے بھی مشنریوں کا فوج میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنے کو تسلیم کیا ہے اور اپنے مقالہ ۱۸۶۵ء میں تحریر کیا ہے۔

[لہ] تاریخ عروج عہد سلطنت ہند حصہ سوم ص ۲۰۰

[لہ] [illegible]

انبالہ میں سکھوں کی ایک پلٹن میں صرف اس وجہ سے بغاوت ہوتے ہوتے رہ گئی کہ ایک سپاہی کا لڑکا فوجی اسکول کے اثر سے عیسائی ہوگیا۔ اس پلٹن کے کئی سپاہی اس سے پہلے برضا و رغبت عیسائی ہوگئے تھے اور انکی تعلیم کے لئے پادریوں نے ایک اسکول کھول دیا تھا۔ وہ لڑکا اسی اسکول میں آیا کرتا تھا۔ اس کے عیسائی ہوجانے سے ایسی ہڑبونگ مچی کہ کرنل کو اسکول بند کردینا پڑا اور سپاہیوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی ممانعت کردینی پڑی" (۱۹۵)

چرچ مشن کو امداد دینے کا اعتراف

تعلیمی اداروں کی امداد زیادہ قابل اعتراض نہیں ہوسکتی۔ انھیں حالتوں میں نظر انداز بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن وہ ادارے جو خالص دوسرے مذہب کی بیخ کنی کرنے، ان کی توہین و مذمت کرنے، ان کے بزرگانِ دین کا تمسخر اڑاتے کے لئے قائم ہوئے ہیں۔ مثلاً چرچ مشن سوسائٹی، جو صرف غیر عیسائیوں کو عیسائی بنانے کے فرائض انجام دیتی تھی۔ اس کو چندہ دینا اس سے ہمدردی کا اظہار کرنا، اس سے متعلق ہونا یہی معنی رکھتا ہے کہ حکومت کا تعلق اس جماعت سے ہے اور اس کے مقاصد سے وہ اتفاق رکھتی ہے۔

چنانچہ مشن سوسائٹی کو جس کو ڈائریکٹر ڈوف نے ہندوستان میں قائم کیا تھا۔ پہلے لارڈ ڈلہوزی، اس کے بعد لارڈ کیننگ نے چندہ دیا۔ جس پر ملک کے ہر حصہ سے اعتراضات ہوئے اور حکومت و مشنریوں کی سازباز کی پول کھل گئی۔ آخر مجبور ہوکر لارڈ موصوف نے حاکمانہ ڈھٹائی (جس میں حمایت کی جھلک نظر آتی تھی) کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کیا مگر کچھ اس طرح:-

"میں اس بات کو کہ جو گورنمنٹ کے اعلیٰ حکام ہیں ان کو ان افعال سے دور رہنا چاہیئے۔ جن کو اس کی حکومت و اقتدار کا اظہار جیسے لوگوں کو اپنے مذہب بدلنے کی ترغیب و تحریص ہو لیکن وہ اسکول جو ہر مذہب کے طلباء کے لئے جاری ہوں اور کسی پر سختی نہ کرتے ہوں اور معاندت کو بے ہتھیار کرتے ہوں وہ گورنر جنرل کی امداد و اعانت سے اس لئے محروم کئے جائیں کہ اس کے مشنری مہتمم ہیں، میں اس مقولہ کو قابلِ قبول اور اعتراض کو قابلِ تسلیم نہیں سمجھتا۔"

مشنری ورک میں ظاہری پالیسی

یہ صحیح ہے کہ بظاہر حکام بالا یہی اعلان کرتے تھے کہ مشنری کے کاموں میں افسران کو کوئی دلچسپی نہیں لینی چاہیئے۔ پروپیگنڈا بھی یہی کرتے تھے کہ حکام بالا اور حکومت اس کو پسند نہیں کرتی۔ لیکن عملاً بباطن پادریوں کی امداد کی ضرورت سمجھتے تھے اور عیسائی بنانے کی تحریک میں حصہ لیتے تھے۔ چنانچہ ۱۸۲۳ء کی آنریبل ایم الفنسٹن اور آنریبل ایف وارڈن کی متفقہ یادداشت سے یہ پول کھل جاتی ہے اور صحیح پالیسی سامنے آجاتی ہے۔ وہ گورنمنٹ کو لکھتے ہیں کہ:-

"ہم نے دیسیوں کی ذہانت کے چشمے خشک کردیے ہماری فتوحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اس نے نہ صرف علمی و ترقی کے تمام ذرائع ختم کردیے ہیں۔ بلکہ قوم کے اصلی علوم بھی گم ہوجاتے اور پہلے لوگوں کی ذہانت کی پیداوار فراموش ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ اس الزام کو دور کرنے کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔"

کیا کرنا چاہیے۔ وہ بھی سُن لیجئے۔ یہ حکام کیا کریں گے۔

"میں علانیہ نہیں تو درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کرونگا۔ اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارہ میں اتفاق ہے کہ مذہبی اُمور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے۔ تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں۔ تب تک اس کی تعلیم کے مفید ہونے میں فرو اشتباہ نہیں۔ اگر تعلیم سے ان کی رایوں میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں۔ تاہم اس سے وہ زیادہ ایماندار اور محنتی رعایا تو ضرور بن جائے گی۔

(تاریخ متعلم ص ۲۱۰)

اسی طرح پنجاب کے حکام اعلیٰ ہنری لارنس، جان لارنس، رابرٹ منٹگمری، ڈانلڈ میکلوڈ، ہربرٹ ایڈورڈ، رینل ٹیلر، جان نکلسن وغیرہ نے امریکن مشن سوسائٹی کی پوری اعانت کی۔ مذہبی اور بائیبل کی تعلیم کو پھیلانے میں انکا ہاتھ بٹایا۔[1]

حکام کا ذاتی اثر ڈالنا

اسی پر بس نہیں کیا جاتا تھا بلکہ حکام شہر اور افسران فوج اپنے ماتحتوں سے مذہبی باتیں کرتے تھے۔ اپنی کوٹھیوں پر بلا کر پادریوں سے مذہب کی تلقین کراتے تھے۔ پادری لوگ ان لوگوں کے شہ دینے اور حمایت کرنے سے کانسٹبلوں کو ساتھ لے کر مسلمانوں کے وعظوں اور ہندوؤں کی کتھاؤں میں جا کر اعتراضات کرتے اور مذہبی پیشواؤں کی برائی و توہین کرتے تھے۔

لفظ نصاریٰ کہنے پر پھانسی

حکام مشنریوں کی دل جوئی کرنے والے عالموں کو جو مشنریوں کو نصاریٰ کہتے تھے۔ قانونی شکنجہ بھی استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ انگریزوں کو لفظ نصاریٰ کہنے پر قانوناً ہندوستانیوں کو باغی قرار دیا گیا اور ان کو سزائیں دی گئیں۔ تاکہ پادریوں کا رعب و دبدبہ بڑھے اور کوئی شخص اُن کی شان کے خلاف بات نہ کہہ سکے اور پادری لوگ بآسانی ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہو جائیں۔ چنانچہ لفظ نصاریٰ کی خونی داستان مولانا حالی کی قلم سے سنیئے:-

"بعض اضلاع میں مسلمانوں کی بعض تحریریں ایام غدر کی ایسی پیش ہوئیں۔ جن میں انگریزوں کو لفظ نصاریٰ سے تعبیر کیا تھا۔ حکام نے اس لفظ کو بھی بغاوت کا لفظ سمجھا اور اس کے لکھنے والوں کو سزائیں دی گئیں انگریزوں نے یہ خیال کیا کہ جس طرح یہودی حضرت عیسیٰ کو حقارت سے ناصری (یعنی قریۂ ناصریہ کا رہنے والا) کہتے تھے۔ اسی طرح مسلمانوں نے انگریزوں کو نصاریٰ کے لفظ سے یاد کیا ہے۔"

سر سید نے اس غلطی کو رفع کرنے کی غرض سے فوراً ایک مختصر رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ میں لکھا اور اس کو اُردو انگریزی میں چھپوا کر حکام اور گورنمنٹ کو اس سے مطلع کیا۔ سر سید نے بتایا کہ نصاریٰ کا لفظ ناصرہ سے مشتق نہیں بلکہ نصر سے مشتق ہے اور مسلمان اس وجہ سے کہ قرآن سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس کو نصر سے مشتق سمجھتے ہیں نامو سے کیونکہ قرآن میں صاف آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے کہا۔ من انصاری الی اللہ۔ تو انصاریوں نے کہا نحن انصار اللہ، اور اسی لئے حواریوں کی پیروی کرنے والوں اور عیسیٰ پر ایمان رکھنے والوں کو اسی صفت کے ساتھ، جس کی حواریوں نے حامی

---

[1] صلیب کے علمبردار ص ۸۸۔

مبعوث تھی ۔ موصوف کیا گیا تھا اور ان پر انصاری کا اطلاق کیا گیا ۔ قرآن مجید میں کہیں قریۂ ناصرہ کا ذکر نہیں آیا ہے اور نہ کہیں حضرت عیسیٰ کو ناصری کہا گیا ہے ۔ اس کے علاوہ قرآن مجید سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عیسائی آنحضرتؐ کے زمانہ میں خود اپنے تئیں نصاریٰ کہتے تھے ۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے ۔

ولتجدن اقربھم مودۃ للذین آمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ

اے محمدؐ تو پائیگا اہل کتاب میں سے سب سے زیادہ مسلمانوں کا دوست، انکو جس کا قول ہے کہ ہم نصاریٰ ہیں ۔

جب یہ رسالہ شائع ہوا تو کسی انگریزی اخبار میں یہ لکھا گیا تھا کہ سید احمد خاں کا بیان غلط ہے کیونکہ کسی شخص کو نصاریٰ لکھنے پر سزا نہیں ہوئی ۔ اسپر ایک معزز یورپین افسر نے اس کا جواب دیا اور لکھا کہ خود ہمارے سامنے ایک شخص کو اسی جرم میں پھانسی دی گئی ۔ (حیات جاوید ۔ ۹۰ ۔ جلد اول)

حکام کا مشنریوں کو مدد دینا سابقہ ہندوستان میں یہ دستور تھا کہ جب کوئی ہندو عیسائی ہو جاتا تھا تو اسکو شاستر کے مطابق ہندو محروم الارث کر دیتے تھے ۔ جس سے پادریوں کو آساق کے ساتھ ہندوؤں کے عیسائی ہونے میں وقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا ۔ لارڈ ریڈنگ نے اس وقت کا سدباب کرنے کے لئے ایکٹ ۲۱ ۱۸۵۰ء نافذ کیا کہ اگر کوئی ہندو عیسائی ہو جائے تو وہ حقوق اور وراثت سے محروم نہ ہو سکے گا ۔ اس ایکٹ سے تو مسلم بھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا ۔ اس لئے اس میں غیر مذہب کا کوئی آدمی اگر مسلمان ہو جائے تو اس کے اپنے مذہب کی رو سے جو اس نے اختیار کیا ہے اپنے مورثوں کا متروکہ جو غیر مذہب میں تھے لینا منع تھا ۔ کوئی عیسائی مسلمان ہوجاتا تو اس کو ورثہ کا حقدار نہیں رکھا تھا ۔ (رسالہ اسباب بغاوت ہندوستان)

اس ایکٹ کی غرض صرف عیسائی مذہب قبول کرنے والوں کو فائدہ پہنچانے کی تھی اور عیسائی بننے کی روکاوٹ دور کرنا تھی تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ عیسائی بن سکیں ۔

اسی طرح آگرہ کے انگریزی حاکموں نے مشنریوں کے تبلیغی کام میں علی الاعلان حصہ لیا ۔ چنانچہ "صلیب کے علمبردار" کے مصنف تحریر کرتے ہیں :۔

"آگرہ کے یورپین صاحبان اس وقت میں مشن کے بڑے مددگار تھے ۔ اس بات سے پڑھنے والوں کو تعجب نہ ہوگا جب آپکو یہ معلوم ہوگا کہ ان صاحبان میں ایسے دیندار لوگ شامل تھے ۔ جیسے کہ سر ولیم میور صاحب اور ان کی لیڈی صاحبہ ۔ انھوں نے چند ہفتوں تک نووارد پادری صاحبان کو اپنے گھر پر رکھا مہمان رکھا اور پیرسن اور انکی میم صاحبہ جنھوں نے مشن کی امداد کے طور پر خوبصورت اشیاء کی فروخت کے لئے ایک کمرہ اپنے مکان میں علیحدہ کر دیا تھا اور آگرہ کے کلکٹر تھیکپیر صاحب جو ان اشخاص میں سے ایک تھے ۔ جنکی تحریک سے ایک کاٹی لسٹ یوریشیوں کے لڑکوں کو تعلیم دینے کے واسطے مقرر کیا گیا تھا ۔ انکی ہمدردی مشن کے کام کے ساتھ اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے پندرہ ہزار روپے آپس میں چندہ کر کے نئے کالج قائم ہونے کے لئے جمع کئے تھے ۔ مشنری صاحبان کا یہ منشا تھا کہ ایک ایسا کالج قائم ہو جس میں علوم دنیوی کی تعلیم گورنمنٹ کالج کی مانند دی جائے اور دینی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے"

عیسائی مذہب اختیار کرنیوالوں کو ملکہ نے خطاب دیا ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی مہم میں ملکہ وکٹوریہ سے لیکر ادنیٰ درجہ کا عیسائی کوشاں رہتا تھا۔ چنانچہ جب لندن میں راجہ گرگ کی لڑکی عیسائی ہوئی تو اس تقریب میں ملکہ وکٹوریہ نے بھی شرکت کی اور عیسائی ہونے والی لڑکی کو کوئین وکٹوریہ کا خطاب دیا گیا۔ یہ خبر ۲ ستمبر ۱۸۵۲ء کے النواح آگرہ میں چھپی۔

"مقام لندن میں بدھ کے روز دوپہر کو راجہ گرگ کی دختر نے کمال رضا و رغبت گرجے میں جاکر دینِ عیسوی اختیار کیا اور اس جلسے میں ملکہ معظمہ انگلستان بھی جلوہ افروز تھیں اور پادری آرچ بشپ بری صاحب، پادری کلاں صاحب اور لارڈ پادری علی صاحب اور چند صاحبانِ جلیل القدر اس جلسہ عجیبہ کے شریک تھے۔ پہلے اس رانی کا نام "گار بار رانی" تھا۔ اور دخترِ راجہ ویری چندر راجہ گرگ کی ہے، بعد ہونے رسمیات ثابت دینِ عیسوی کے ملکہ محتشم الیہ نے نہایت پیار اور مہربانی سے اپنا خطاب کوئین وکٹوریہ اس رانی کو مرحمت کیا۔"

وائسرائے کی مشنریوں کی بیجا حمایت سیالکوٹ میں ۱۸۵۷ء سے قبل مسجد کے قریب مشنریوں نے گرجا گھر بنایا۔ مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا۔ جب کمشنر نے مشنریوں کو حکم بھیجا کہ اس کو یا تو منہدم کردو یا سرکاری کاموں میں استعمال کرو۔ اس حکم کے خلاف مشنریوں نے اپیل کی تو لارڈ کیننگ نے ان کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ واقعہ صلیب کے علمبردار کے مؤلف نے تحریر کیا ہے:۔

"گورڈن کی یہ خواہش تھی کہ شہر کے درمیان گرجے کی تعمیر کے لئے ایک قطعہ زمین خریدا جائے۔ لیکن غیر مسیحی اس کے سخت مخالف تھے۔ لیکن اس نے شہر کے باہر تحصیل کے قریب زمین کا قطعہ حاصل کیا۔ گرجہ گھر کی تعمیر کے لئے چار ہزار روپے چندہ فراہم ہوگیا اور عمارت کھڑی ہوگئی۔ جب عمارت کھڑی ہوگئی تو کمشنر نے حکم بھیجا کہ اس عمارت کو سرکاری کام کے لئے استعمال کیا جائے یا اس کو مسمار کیا جائے۔ کیونکہ سرکار کو یہ اندیشہ لاحق ہوگیا تھا کہ چونکہ گرجہ کی عمارت تحصیل کے قریب ہے۔ علاوہ ازیں گرجہ گھر کا مسجد اور مندر کے قریب ہونا ایک خطرناک امر خیال کیا گیا۔ گورڈن وغیرہ نے اس حکم کے خلاف اپیل کی اور سر رابرٹ منٹگمری نے لارڈ کیننگ کو لکھا۔ ان دنوں میں لارڈ کیننگ سیالکوٹ آیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ گرجہ گھر مسمار نہ کیا جائے۔" (۱۵۱)

انگریزی مجسٹریٹ مشنریوں کا حامی قانون و اخلاق کے مطابق کسی نابالغ کا ذمہ دارانہ فعل اس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ جب تک اس کے سرپرستوں کی منظوری نہ ہو۔ لیکن مشنریوں کے حامی انگریزی مجسٹریٹ اس قانون پر عمل نہیں کرتا تھا۔ ایک ہندو لڑکی جسکی عمر بارہ سال کی تھی مشنریوں کے بہکانے سے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ ہندوؤں نے مشنریوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ جس کا فیصلہ ان کے حق میں نہیں بلکہ مشنریوں کے حق میں ہوا۔ چنانچہ یہ خبر ۲۹ اگست ۱۸۵۱ء کے اسعد الاخبار آگرہ میں شائع ہوئی۔

خبر "مدراس:۔ ۸ جون کو ہندوؤں کی ایک بارہ برس کی لڑکی نے جو پادریوں کے مدرسے میں پڑھنے جاتی تھی نصاریٰ

کا مذہب قبول کیا اور پادریوں کے گھر میں رہنے لگی اور اس کا اصطباغ بھی ہوگیا۔ ہندوؤں نے صاحب جج کے محکمہ میں نالش کی یہ لڑکی ہنوز نابالغ ہے۔ مذہب کا نیک و بد کے بارے میں کچھ نہیں سمجھتی۔ محض پادریوں کے بہکانے سے اور زر و مال کی طمع دینے کے سبب سے عیسائی ہوگئی ہے لازم ہے کہ اس لڑکی کو ہمارے سپرد کرو۔ جج نے انکی نالش نامسموع کی۔"

ہر فوجی داڑھی منڈوائے

حکام نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہبی نشانوں کو مٹانے اور ختم کرنے کی کوشش کی تاکہ ان کی شانِ مذہب اور دھرم ختم ہوجائے اور ہندوستانی اپنے مذہب میں کمزور ہوکر بالآخر انگریزی معاشرت و تہذیب کے شیدائی بنکر نصرانیت کے طور و طریقے اور بالآخر نصرانی مذہب کو اختیار کرلیں۔

چنانچہ ۱۸۰۶ء میں پہلی بار بمقام ویلور صوبۂ مدراس میں سرجان کرادراک کمانڈر انچیف نے اپنے فوجی قوانین میں چار باتیں اضافہ کیں اور حکم دیا کہ ماتھے پر تلک (قشقہ) نہ لگائیں۔ کان میں بالے اور بالیاں نہ پہنیں۔ ڈاڑھیاں منڈائیں چہارم اپنی ہندوستانی وضع کی ٹوپیوں کو چھوڑ کر انگریزی ہیٹ پہنیں (تاریخ میسور باس)

حکام فوج ہی نے داڑھی منڈوانے کا حکم نہیں دیا تھا۔ بلکہ جیل کے افسران بھی قیدیوں کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ جیل میں قدم رکھتے ہی اپنی داڑھی منڈوادیں اور قینچی کی نذر کردیں۔ چنانچہ جیل میں داخلہ کے بعد مولانا محمد جعفر تھانیسری کو سب سے پہلے یہ روح فرسا سانحہ پیش آیا۔ آپ لکھتے ہیں :-

"جیل کے دستور کے مطابق مقراض نے ہماری داڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ تراش کر منڈی بھیڑ سا بنادیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی داڑھی کے گرے ہوئے بالوں کو اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر، تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی"[1]

جیل کے افسران خاص طور پر عیسائی تہذیب کے پرچارک تھے۔ سمجھتے تھے کہ جیل میں انسان بے بس ہوتا ہے۔ اس لئے انھوں نے داڑھی منڈوانے کے علاوہ کھانے کے طریقوں میں اپنی تہذیب کے مطابق تبدیلی کی اور قیدیوں کو عیسائیت کا پیرو کار بنانا چاہا۔ جیل میں پہلے دستور تھا کہ قیدی کو خوراک کے پیسے مل جاتے تھے اور وہ اپنا کھانا خود اپنے ہاتھ سے بنالیتے تھے لیکن حکومت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ ایک جگہ کھانا بنوانے کا آرڈر دے دیا۔ قیدیوں میں اس بات کو بُرا سمجھا گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ حکومت پہلے ان کی ذات ایمان کو خراب کرنا چاہتی ہے۔ پھر اُن کو عیسائی بنالے گی۔ کیونکہ اس صورت میں کھانا پکانے والا بھنگی چوڑا چمار بھی ہوسکتا ہے بلکہ ہوگا۔ جس کے پکائے ہوئے کھانے سے ہمارا مذہب و ایمان خراب ہوجائے گا۔ قیدیوں میں اس سے بے چینی پیدا ہوئی۔ یہاں تک کہ شاہ آباد، سارن و پٹنہ کی جیلوں میں بڑے بڑے دنگے فساد ہوگئے بالآخر حکومت کو قیدیوں کے سامنے جھکنا پڑا۔

اسی قسم کا جھگڑا حکام کی اسی قسم کی ذہنیت کی وجہ سے جیل میں لوٹے کی تبدیلی کی وجہ سے ہوا۔ پہلے ہندو مسلم

---

[1] تواریخ عجیب عرف کالا پانی۔

کے استعمال کے لئے ایک برہمنی لوٹا دیا جاتا تھا۔ جو پانی پینے کے کام میں آتا تھا۔ حکم ملا کہ اس کی جگہ گلی برتن رکھیں اور اس برہمنی لوٹے کو اپنے پاس نہ رکھیں۔ یہ لوٹا عیسائیت کی نشانی تھی۔ قیدیوں نے یہی سمجھا کہ عیسائی بنانے کی تیاری ہے۔ انھوں نے اس کے لئے انکار کیا۔ آرہ جیل میں یہاں تک نوبت پہنچی کہ جیل میں جھگڑا ہوا۔ اور قیدیوں پر گولی چلائی گئی اور مظفر پور ترہٹ میں بلوہ ہوگیا۔ (تاریخ عروج عہدِ سلطنت ہند حصہ سوم ۲۰۶)

انسدادِ غلامی کے نام سے یتیموں پر مشنریوں کا قبضہ کرانا

انگریزی حکام نے جس طرح بقایا قانون اصلاحِ رسوم کے نام سے بنائے اور اُن سے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا کام لیا۔ اسی طرح یتیموں کو عیسائی بنانے کے لئے اور ان پر قبضہ کرنے کے لئے انسدادِ غلامی کا حربہ استعمال کیا اور یتیموں پر اس قانون کے نام سے قبضہ کیا۔ یہ سلسلہ سنہ ۱۸۳۷ء سے جاری رہا۔ ہر قحط پر لاوارث بچوں پر قبضہ کرتے تھے۔ ہندوستانی ان کو غلام بنالیں گے اس لئے مشنری اُن کے مالک بن جاتے تھے۔ ان کو مشنری اسکولوں میں نصرانیت کی علی الاعلان تعلیم دی جاتی تھی اور کسی ہندوستانی ادارہ کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے۔ یہ ظلم اس دور کے لوگوں کے دلوں پر نقش تھا۔ لیکن محکومی و مظلومی کا بول بالا تھا۔ وہی کیا جو کچھ ظالم حاکم نے کہا۔ بہرحال یہ اندوہناک داستان بھی قوم کے مرثیے لکھنے والے حالیؔ کی زبان سے سنیئے۔

"مرادآباد کے کلکٹر نے اپنے ضلع کے قحط کا انتظام سرسید کے سپرد کردیا تھا تو سرسید نے صاف کہدیا تھا کہ میں اس شرط پر انتظام کرتا ہوں کہ جتنے لاوارث بچے آئیں گے۔ ان میں جتنے مسلمان ہوں گے وہ مسلمانوں کو اور جتنے ہندو ہونگے وہ ہندوؤں کے سپرد کئے جائیں گے۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ جتنے لاوارث بچے آئے۔ وہ ہندو مسلمانوں کے سوا کسی مشنری کو نہیں لینے دیئے مگر حسب ہدایت اسٹریچی صاحب، جو بچہ جس کے سپرد کرتے تھے۔ اس سے ایک اقرارنامہ لکھوالیتے تھے کہ ہم اس کو لونڈی غلام نہیں بنائیں گے۔ ہوشیار ہونے کے بعد جہاں اس کا جی چاہے رہے اور جہاں چاہے چلا جائے۔"

لیکن ہنوز قحط کا انتظام ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ جان اسٹریچی مرادآباد سے بدل گئے اور مسٹر پاور انکی جگہ آئے۔ مشنریوں نے اسٹریچی کے سامنے تو دم نہیں مارا۔ مگر ان کے جاتے ہی مسٹر پاور سے سرسید کی شکایت کی اور یہ چاہا کہ تمام لاوارث بچے، جو ہندو مسلمانوں کو دیے گئے ہیں واپس لے جائیں۔ اس زمانہ میں مسٹر الیگزنڈر شیکسپیر جو ... سرسید کے نہایت دوست تھے۔ مرادآباد میں جج تھے۔ انھوں نے سرسید کو ہرچند سمجھایا کہ جتنے لڑکے اور لڑکیاں خاص تمہارے سپرد کی گئی ہیں۔ وہ تم سے نہیں لئے جائیں گے۔ مگر اور لوگوں پر اعتماد نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کو لونڈی غلام نہیں بنائیں گے۔ مگر سرسید نے ہرگز نہ مانا اور کہا کہ میں نے اسی شرط پر قحط کا انتظام اپنے ذمہ لیا تھا۔ لاوارث بچے مشنریوں کو نہیں دیئے جائیں گے اور اسٹریچی صاحب گورنمنٹ میں رپورٹ کرچکے ہیں کہ لاوارث بچوں کا اس طرح بندوبست کیا گیا ہے۔ اس کے خلاف کیونکر ہوسکتا ہے۔ مجھے جس طرح یہ گوارا نہیں کہ ایک سید کا بچہ مشنریوں کو دیا جائے۔ اسی طرح یہ بھی گوارا نہیں

کہ ایک چمار کا بچہ ان کو دیا جائے"۔

مسٹر پاور کو جب سرسید کی ناراضگی کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اس معاملہ پر غور کرنے کے لئے انگریزوں اور ہندوستانیوں کی ایک کمیٹی بنائی۔ چونکہ اس زمانہ میں ہندوستانی حد سے زیادہ ڈرے ہوئے تھے اور سہمے ہوئے تھے اور انگریزوں کے خلاف کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ سرسید اور ایک دو ممبران کے سوائے تمام کمیٹی کا اتفاق ہو گیا تھا کہ جتنے بچے ہندو مسلمانوں کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وہ واپس لئے جائیں۔ کیونکہ ان پر ہرگز اعتماد نہیں کیا جا سکتا لونڈی غلام نہ بنائیں گے۔ آخر کار کمیٹی کی یہ رپوٹ منظور ہو گئی اور تمام لاوارث بچے ہندو مسلمانوں سے واپس لیکر مشنریوں کو دلوا دیئے گئے۔ سرسید کے ہاں بھی پانچ لڑکے اور لڑکیاں رہتی تھیں اور ان کی بیوی کمال شفقت سے رکھتی تھیں۔ سرسید نے پہلے اس سے کہ کوئی ان سے مانگنے آئے۔ فوراً ان کو کلکٹر کے پاس بھیج دیا۔ یہ یتیم چودہ ہزار تھے [1]

حکومت کی دھونس میں قحط زدہ لوگوں کو مشنری مفت کا اپنے لئے چارہ سمجھتے تھے۔ سمبت میں جب راجپوتانہ میں قحط پڑا تو تین ہزار دو سو اکیس چھوٹے چھوٹے معصوم لڑکے لڑکیاں چماروں اور مہتروں وغیرہ کی پادری صاحبان کے ہاتھ لگیں ۱۸۷۴ء میں قحط پڑا تو ہزاروں بچے پادریوں کے ہاتھ لگے۔ ان بچوں کو پادری صاحب اپنے ساتھ عیسائی مذہب کی نماز پڑھاتے۔ ان کو مسیحی گیت مار مار کر سکھاتے تھے۔ جب ان میں سے دو چار لڑکے انجیل پڑھنے لگے تو ان کو بپتسمہ دیکر ان کو اور دوسرے لڑکوں کو افسر بنا دیتے تھے۔ اس لالچ میں آکر سب بچے جو وہاں ہوتے۔ پادری صاحب سے اصطباغ پانے کی درخواست کرتے تھے۔ اس طرح ہزاروں ہندو مسلمانوں کے بچے عیسائی بن جاتے تھے [2]

حکام کا نماز پڑھنے سے روکنا

یہ افسران عیسائیت کے اس قدر دیوانے تھے کہ مسلمانوں کو نماز بھی پڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ یہ نماز پر پابندی لگانے کو نصرانیت کی بڑی تبلیغ سمجھتے تھے اور اس میں رکاوٹ ڈالنے کو کار ثواب جانتے تھے۔ چنانچہ سرسید کے ایک نہایت عزیز اور خاص دوست کو ایک زمانہ میں ایسے ہی افسر سے سابقہ پڑا جو نماز پڑھنے پر تعرض کرتا تھا۔ اس امر کی اطلاع انھوں نے سرسید کو دی۔ ان کو اس سلسلہ میں سید صاحب لکھتے ہیں۔

کل میں سارے دن متردد رہا۔ کیونکہ تمہارا کوئی خط نہیں آیا تھا۔ آج خط آیا اور حال معلوم ہوا۔ گو میں کسی وقت کی نماز پڑھتا ہوں اور کسی وقت نہیں پڑھتا اور وقت بے وقت کا بھی خیال نہیں کرتا اور دو دو اکٹھی بھی ملا کر پڑھ لیتا ہوں۔ ریل میں جتنا سفر ہو مجھ سے ادا نہیں ہو سکتی یہ سب باتیں مجھ میں ہیں اور نالائقی و شامت اعمال سے ایسی سستی نماز میں ہے۔ مگر تم نے اس معاملہ میں جو کچھ کیا نہایت برا کیا۔ نماز جو خدا کا فرض ہے اس کو ہم اپنی شامت اعمال سے ایسی سستی نماز میں نے جس خرابی سے ہو ادا کریں یا قضا کریں۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ تم نماز نہ پڑھو اس کا سیر ایک، لمحہ بھی نہیں ہو سکتا۔ یہ بات سنی بھی نہیں جا سکتی۔

---

[1] حیات جاوید ۹۳-۹۴ [2] تاریخ صحافت اردو دوم

میری سمجھ میں نماز نہ پڑھنا گناہ ہے۔ جس کے بخشے جانے کی توقع ہے اور کسی شخص کے منع کرنے سے نہ پڑھنا یا سستی میں ڈالنا میری سمجھ میں کفر ہے جو کبھی نہ بخشا جائے گا۔ تم کو تو پہلے ہی خود اپنی شامتِ اعمال سے ایسا طریقہ اختیار کرنا تھا جو کبھی اس قسم کی بحث نہ آتی۔ اور جب ایسا طریقہ اختیار نہ کیا تھا تو پھر لجاجانا اور گڑگڑانا اور حضور رخصت ہی دیں، تنخواہ کاٹ لیں کیا واہیات تھا۔ تڑاق سا استعفیٰ دے دینا تھا۔ صاف کہہ دینا تھا کہ میں اپنے خدائے عظیم الشان قادرِ مطلق کے حکم کی اطاعت کروں گا۔ نہ آپ کی۔ کیا ہوتا۔ نوکری میسر نہ ہوتی۔ فاقہ مرجاتے۔ نہایت اچھا ہوتا۔ (حیاتِ جاوید ۴۲ جلد دوم)

حکام کا مشن اسکول میں داخلہ کی ترغیب دینا

تعلیم کے نام پر ۱۸۵۷ء ہی سے نصرانیت کا پروپیگنڈہ اسکول میں حاکمِ اعلیٰ گورنر نے شروع کر دیا تھا۔

چنانچہ اس زمانہ میں لوٹ مار ہوئی۔ تو میر جعفر سے جرمانہ وصول کیا گیا تھا۔ اس جرمانہ سے کلکتہ فری اسکول قائم کیا گیا۔ اس اسکول کے مہتمم گورنر مقرر ہوئے۔ اس اسکول میں لڑکیوں کی تعلیم کا بھی بندوبست تھا۔ لارڈ کلایو گورنر جنرل کی موجودگی میں اس مدرسہ کی تعلیم کی غرض قرار پائی کہ اس میں ہر قوم کا بچہ داخل ہو سکتا ہے جس کی عمر ۵ سال سے ۱۰ سال تک ہو۔ اس طالب علم کے لئے یہ لازمی قرار دیا گیا تھا کہ ہر طالب علم عیسوی دعاؤں مذہب کی دعاؤں میں شامل ہوگا اور بائیبل کی تعلیم بھی لازمی طور پر حاصل کرے گا۔

اس مدرسہ کے علاوہ مشن کے جس قدر مدرسے تھے ان میں نصرانیت کی تعلیم حاصل کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ بشپ کالج سنہ ۱۸۱۹ء کے ہر ایک طالب علم کو قسم کھانی پڑتی تھی کہ وہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مشنری کاموں میں حصہ لے گا۔

کلکتہ نورمل اسکول میں زنانہ اسکول کے طالب علموں کو تعلیم پانے کے بعد عورتوں میں کام کرنے کے واسطے تیار کیا جاتا تھا تاکہ وہ بعد میں عورتوں کے اندر عیسائیت کا پیغام پہنچائیں۔

بمبئی ایجوکیشنل سوسائٹی سکول:- جس کا مقصد ان بچوں کو عیسائیت کی تعلیم دینا تھا۔ اس کے تمام طالب علموں کیلئے لازم تھا کہ عیسائیوں کی دعاؤں میں شامل ہوں اور ان کو دوہرائیں۔

مشن کے سینکڑوں اسکولوں میں داخل ہونے کے لئے حکام ضلع ترغیب دیتے تھے خود جا کر شامل ہوتے تھے اندازہ لگاتے تھے کہ کون کون شامل ہوا۔ لوگ اپنے بچوں کو شامل نہ کرتے تو مجبور کیا جاتا تھا۔ تحکماً داخل ہونا پڑتا تھا[1]

مشن اسکولوں میں لڑکوں کو انجیل پڑھا کر ان سے سوال کیا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون ہے اور نجات دلانے والا کون ہے۔ عیسائی مذہب کے مطابق جواب دینے والوں کو انعام دیا جاتا تھا۔ دیہاتیوں کے لئے دیہاتی مکاتیب تھے ہرگز وزیر اور ڈپٹی انسپکٹر مجبور کرتے تھے۔ ڈپٹی انسپکٹر جب دورہ پر آتے تو ان کو کالا پادری کہتے تھے اور ان سے ڈرتے تھے کہ یہ ہمارے دین اور مذہب کو ہم سے چھڑا دے گا۔

ایک طرف تو یہ دیہاتی مکاتیب سے مشتبہ، دوسری طرف چھوٹی نوکریوں کے لئے بھی ڈپٹی انسپکٹر یعنی کالے پادریوں

---

[1] اسبابِ بغاوت ہندوستان

کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس لئے کہ حکومت مانگتی تھی۔ جس کا مقصد تھا کہ پادری کو خوش کرو۔ وہ کب خوش ہوتے جب یسوع مسیح کو نجات دہندہ مانتے تھے۔

انگریزی تعلیم کے نام پر عیسائیت کی تعلیم

انگریزی تعلیم دینے میں بھی یہی غرض تھی۔ انگریزی کے نام پر تمام حکام اور حکومت درپردہ مشنری کام میں پورا پورا حصہ لے رہی تھی۔ نام تھا انگریزی تعلیم کا اور کام تھا عیسائیت کی تبلیغ کا۔ چنانچہ آنریبل مسٹر چارلس گرانٹ ڈائرکٹر کمپنی بہادر ہندوستان میں انگریزی زبان جاری کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اسکی غایت یہ بیان کی تھی[1]

"یہ بالکل انگلستان کے اختیار میں ہے کہ وہ ہندوؤں کو بتدریج ہماری زبان سکھائے اور بعد میں اسی کے ذریعہ ہمارے فنونِ لطیفہ فلسفہ مذہب کی تعلیم دے۔ مگر بلاشبہ سب سے اہم تعلیم جو ہندوؤں کو ہماری زبان کے ذریعے ملے گی۔ وہ ہمارے مذہب کی معلومات ہونگی۔ مسلمانوں نے اپنی سلطنت کے زمانہ میں ہندوستان کے کیریکٹر میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اس اندیشہ سے کہ تعلیم پھیلنے سے کسی زمانہ میں ہماری حکومت متزلزل نہ ہو جائے اور ہمارے فوائد کو نقصان نہ پہنچے۔ ہمیں ہندوستانیوں کو سچے مذہب (یعنی مذہب عیسوی) سے اور بہترین اخلاق سے اور علوم و فنون کے اصول سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔"

سنہ ۱۸۱۶ء میں انگریزی زبان کے ذریعہ عیسائیت کو فروغ دینے کے لئے پادریوں اور کلکتہ کے ایک گھڑی ساز مسٹر ڈیوڈ ہیر نے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سر ہائیڈ ایسٹ کی امداد سے اور کلکتہ کے غیر متعصب و موحد رئیس راجہ رام موہن رائے کی مسلسل کوششوں سے اینگلو انڈین کالج کلکتہ میں قائم کیا۔ جس میں انگریزی پڑھانے کی ابتدار کی گئی۔ اس کے بعد آگرہ کالج، سینٹ اسٹیفن کالج کلکتہ، اجمیر کالج، بنارس کالج، بریلی کالج، ڈھاکہ کالج، لاہور کالج، پٹنہ کالج، مدہام پور کالج، کیننگ کالج لکھنؤ، ہگلی کالج، کرشن نگر کالج وغیرہ بنائے گئے۔ جن کی تعلیم کے نتیجہ میں پبلک کے لئے انتہائی پریشان کن نتائج ہوئے۔ سب سے پہلے خاص لاہور میں سنہ ۱۸۶۶ء میں تین لڑکے مسیحی ہوگئے۔ پادری بی۔ سی۔ ایل ان میں سے ایک تھا۔ اس پر لاہور شہر میں بڑا شور و غوغا ہوا۔ کالج کے طلباء نے پڑھنا چھوڑ دیا اور کالج میں صرف سات طلباء رہ گئے[2] ہندو مسلمانوں نے ہزاروں کی تعداد میں ہفتوں مظاہرے کئے۔ دہلی میں بھی یہی ہوا۔ ماسٹر رامچندر اور چمن لال کے عیسائی ہونے سے شہر میں ہیجان پیدا ہوگیا۔ اس خبر کی شہر میں پھیلتے ہی یہ نتیجہ نکلا کہ تمام لڑکوں نے اپنے نام اسکول سے کٹوائے[3] سنہ ۱۸۴۲ء کے اندر بہت سے لوگ عیسائی ہوئے تو لوگوں نے عیسائیوں کے گھر لوٹے۔ اس قسم کے واقعات آئے دن ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ہوتے تھے۔ عوام میں آگ لگی تھی۔ لیکن حکومت کی تعلیمی سب کمیٹی اپنی رپورٹوں میں اپنے مقصد کی تکمیل پر خوشی کا اظہار کرتی تھی۔ اور حکام اپنے مقصدِ نصرانیت کی تبلیغ کرنے میں کامیاب ہوتے نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۸۳۱ء کی سرکاری تعلیمی کمیٹی رپورٹ میں یوں شادیانے بجائے گئے تھے۔

"ہندو کالج کی حوصلہ افزائی کی طرف توجہ کرنا اس تعلیمی سب کمیٹی کے خاص مقاصد میں رہا ہے۔ اس سے

---

[1] مسلمانوں کا روشن مستقبل [2] صلیب کے علمبردار [3] مرحوم دہلی کالج

جو نتایج حاصل ہوئے وہ اُمید سے زیادہ حوصلہ افزا ہیں۔ انگریزی کی واقفیت میں ترقی کے ساتھ اخلاقی اثرات بھی نمایاں ہوئے اور اچھے خاندان اور قابلیت کے بہت سے نوجوانوں میں ہندو مذہب کی بندشوں سے آزاد ہونے کے لئے بے چینی اور اپنے رسوم کی طرف سے بے اعتنائی کا علانیہ اظہار کیا جا رہا ہے۔ غالباً دوسری نسل میں کلکتہ کے ہندوؤں کے خیالات و محسوسات میں بڑی مادی تبدیلی آجائے گی۔ [1]

یہ شادیانے حق بجانب تھے۔ کیونکہ کیفیت یہ تھی کہ ہندو کالج میں انجیل و نصرانیت کی اس قدر تعلیم تھی کہ انگلستان کے کسی پبلک اسکول میں نہیں تھی۔ [2]

مقصد چونکہ تمام ہندوستان میں عیسائیت کا پھیلانا تھا۔ وہ صرف ہندو کالج کی تعلیم سے پورا نہ ہوتا تھا۔ اس لئے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے حکومت منظر عام پر آگئی۔ اس نے قطعاً بادشاہانہ اصول اور رعیت کے حقوق آزادی کا خیال نہیں کیا۔ متعصب و فرقہ پرست بنکر اس رکیک چول کو بیچ کر لارڈ بینٹنگ کے ریزولیشن مورخہ ۷ مارچ ۱۸۳۵ء کا اعلان کیا گیا۔

"گورنر جنرل باجلاس کونسل کی یہ رائے ہے کہ حکومت برطانیہ کا بڑا مقصد اہل ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے اور جس قدر رقوم مقاصد تعلیم کے لئے مخصوص ہیں وہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ ہونی چاہئیں۔ ہز لارڈشپ باجلاس کونسل کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کمیٹی نے رقم خطیر مشرقی کتب کے طبع میں صرف کی ہے۔ ہز لارڈشپ باجلاس کونسل ہدایت کرتے ہیں کہ آئندہ ان رقوم کا کوئی جزو اس کام میں نہ لایا جائے۔

ہز لارڈشپ ہدایت کرتے ہیں کہ وہ تمام رقوم جو ان اصلاحات کی رو سے کمیٹی کے قبضہ میں آئیں۔ وہ آئندہ دیسی لوگوں میں انگریزی زبان کے ذریعہ سے انگریزی علم و ادب اور سائنس کی اشاعت میں صرف کی جائیں۔"

ایسی پالیسی بنانے میں حکومت ہند انتہائی عریاں ہوگئی۔ اور آخر لارڈ میکالے نے جب یہ دیکھا کہ مندرجہ بالا ریزولیشن یعنی انگریزی تعلیم کی مخالفت میں نصف ووٹ ہیں اور معاملہ ڈانواڈول ہے تو انھوں نے اپنا فیصلہ کن ووٹ انگریزی تعلیم یعنی نصرانیت کے حق میں دیا۔ وہ پالیسی کیسی تباہ کن تھی۔ وہ خود لارڈ میکالے کی زبان سے سن لیجئے۔ جو انھوں نے پوشیدہ طور پر اپنی والدہ کو چیٹھی میں لکھی تھی:۔

"میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری تجاویز پر عملدرآمد ہوا تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بُت پرست بھی باقی نہیں رہے گا۔" [3]

اس قسم کا زہر دینے کے بعد جسم ہندی پر تیزاب ڈالا گیا۔ یعنی گورنمنٹ کی جانب سے اشتہار شائع ہوا۔

"جو شخص مدرسہ کا تعلیم یافتہ ہوگا اور فلاں فلاں علوم و زبان انگریزی میں امتحان دیکر سند یافتہ ہوگا وہ نوکری میں سب سے زیادہ مقدم سمجھا جائے گا۔ چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی ڈپٹی انسپکٹروں کے سرٹیفیکٹ پر جنکو

---

[1] تاریخ التعلیم از محمود ص ۳۵ [2] بیان سر فریڈرک ہیلڈ [3] تاریخ تعلیم میجر باسو ص ۱۰۵

لوگ کالا پادری سمجھتے تھے۔ منتصر ہو گئیں [1]

ایک فارن مشن بورڈ کے ممبر کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کوئی شخص بپتسمہ پا کر عیسائی ہو گیا تو لوگ ناراض ہو کر مشن کالج لاہور کو چھوڑ دیں گے۔ اس کا جواب لاہور کے پادری ڈاکٹر فورمین نے اپنی چٹھی مورخہ ۵ رجولائی ۱۹۰۳ء میں یہ دیا۔

ہم ہر ایک شخص کو صاف طور پر بتا دیتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مسیح کے پاس لائیں تاکہ وہ دین مسیح کا کھلم کھلا اقرار کریں۔ طلبا بھی اس سے بخوبی واقف ہیں۔ ہمارے تمام کام کی بنیاد یہی مقصد رہا ہے۔ ہم طلباء سے شخصی تعلقات پیدا کرتے ہیں تاکہ انجیل جلیل کو عملی جامہ پہنا سکیں [2]

گارسان دتاسی پیرس میں بیٹھکر ہندوستانی لٹریچر منگاتا تھا۔ اس کو اردو کتابوں سے دلچسپی تھی۔ اسی کے ساتھ وہ ہندوستانی مشنریوں سے تعلقات رکھتا تھا۔ مشنریوں کا بھی لٹریچر بھی منگاتا تھا۔ اس لٹریچر کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر سال ایک مقالہ تیار کرتا تھا۔ اس مقالہ میں جہاں وہ اردو کتابوں، اخباروں اور علمی و ادبی چیزوں کا ذکر کرتا تھا۔ وہاں عیسائیوں کی حرکات و سکنات اور ان کے تبلیغی کاموں کے بارے میں بھی اظہارِ خیال کرتا تھا۔ چنانچہ وہ یورپین علوم کی تعلیم کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"ہندوستان میں یورپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جاتا ہے اسی قدر وہ ہماری تہذیب و تمدن اور ہمارے اصولِ مذاہب سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں" (۴۰۰)

"حکومت کی جانب سے ہندوستانیوں کے لئے جو مغربی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کا اثر بھی مسیحی مذہب کی نشر و اشاعت میں بہت مدد دے رہا ہے۔" (۶۰۴)

انجیل کی جبریہ تعلیم

مشنری کالجوں اور اسکولوں میں انجیل کی تعلیم لازمی تھی بلکہ یہ جبراً دی جاتی تھی۔ ۱۹۱۶ء میں ہندوستانیوں نے سختی سے اس کے خلاف آواز اٹھائی کہ مشن اسکولوں اور کالجوں میں انجیل کی جبریہ تعلیم نہیں دی جانی چاہیئے۔ بلکہ اگر کوئی شخص مسیحی اصول کی تعلیم حاصل کرنا نہیں چاہتا تو اس کو یہ اختیار ہونا چاہیئے کہ جب انجیل کی تعلیم دی جا رہی ہو تو وہ جماعت میں شامل نہ ہو۔ بلکہ یہ بھی مطالبہ کیا گیا کہ جبکہ برطانوی سرکار مذہبی اور دینی امور میں غیر جانبدار ہے تو ان مشن اسکولوں اور کالجوں کو جس میں انجیل کی تعلیم جبریہ ہوتی ہے۔ انکو امداد دینی نہیں چاہیئے۔ ممبران پارلیمنٹ نے ایسا قانون بنوانے کی کوشش کی۔ جسکی رو سے کسی طالب علم کو کوئی مذہبی تعلیم نہ دی جائے۔ تاوقتیکہ اس کا والد یا اس کا سرپرست سے تحریری اجازت نہ لے لی جائے۔ اس قانون کا مقصد یہ تھا کہ مشنری اسکول و کالج عیسائی مذہب کی تبلیغ کا ذریعہ نہ بن سکیں۔

ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر۔ یوئنگ نے جبل پور مشنری معلین کی ایک مجلس منعقد کی۔ اس میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ بعض مشنری اس بات کے مخالف تھے۔ بعض حامی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بغیر کسی فیصلہ کے یہ مجلس برخاست ہو گئی اور یہ قرار پایا کہ کوئی کالج و اسکول اس وقت تک کوئی قدم نہ اٹھائے جب تک ہندوستان کی نیشنل مشنری کونسل کوئی فیصلہ نہ کرے۔

مئی ۱۹۱۷ء کو نیشنل مشنری کونسل کی کل ہند میٹنگ ہوئی جس میں ہندوستانیوں کے جذبات و خیالات کو نظر انداز

[1] بغاوت ہند [2] صلیب کے علمبردار ص ۱۹۳

کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا:۔

"مشن اسکول اور کالج اس غرض کیلئے کھولے گئے ہیں کہ مسیح کی انجیل کی اشاعت کی جائے۔ اس نصب العین کی وجہ سے اس میں صرف دُنیاوی تعلیم دینے کے لئے کوئی مشن تیار نہیں۔ مشنری غیر مسیحیوں کے۔ اس میں صرف دنیاوی تعلیم دینے کے لئے کوئی مشن تیار نہیں کہ کتابِ مقدس کی تعلیم سننا طلباء کی مرضی پر موقوف کر دیا جائے۔ اگر ایسا قانون جاری کیا جائے تو وہ اسکول اور کالج امداد کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بند کر دیے جائیں"[۱]

اس سے زیادہ پادریوں کی اور کیا کھلی حمایت ہو سکتی ہے۔

حکومت کی اس عامیانہ پالیسی کا سوائے اس کے اور کیا اثر ہو سکتا ہے کہ پادری لوگ من مانی کارروائیاں کریں قرآنِ مجید کو مٹانے کی کوشش کریں اور لوگوں کو خوشی و لالچ سے نہیں بلکہ بجبر عیسائی بنائیں۔ نہ بنیں تو اُن کا اغوا کریں۔ اڑا کر لے جائیں اور نئی نئی چالوں سے آخر کار لوگوں کو ایمان کی برکت کا پانی پلا کر خراب کریں۔ تفصیل وار واقعات سُن لیجئے اور منطبق کر لیجئے کہ نصرانیت کو فروغ دینے کی کیسی غیر شریفانہ پالیسی بنا رکھی تھی۔

مکروفریب سے مشنریوں کی تبلیغ

ہندوستان میں چونکہ برہمنوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ان کی بات پر توجہ دی جاتی تھی۔ اس لئے ہندوستانیوں کو فریب دینے کے لئے غیر ملکی مشنری جب ہندوستان آئے تو بعض نے اپنے آپ کو یورپ کا برہمن مشہور کیا بلکہ اور فریب دینے کے لئے ہندوستانی لباس بھی اختیار کیا اور نام بھی ہندوستانی رکھے۔ چنانچہ جب رابرٹ دی نوبلیس صاحب ۱۶۰۶ء میں ہندوستان آیا تو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پادریوں نے یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ ہم یورپ کے برہمن ہیں اور جبوویپ کے مغربی حصہ سے پانچ ہزار فرسنگ کے فاصلہ سے آئے ہیں کہ اپنے بھائی ہندوستانی برہمنوں سے علم سیکھیں اور اپنا علم ان کو سکھائیں۔ جب ان پادریوں نے اپنے آپ کو برہمن مشہور کیا تب انھوں نے اس قوم کی تقلید بھی شروع کی۔ وہ پیتامبر دھوتی پہننے لگے جیسا کہ ہندوستان کے مذہبی پیشوا اور فقیر پہنتے ہیں اور چل دیئے لگے۔ جب وہ عام آدمیوں کے ساتھ جاتے تو ماتھے پر چندن بھی لگاتے تھے۔ جیسا کہ برہمن لگاتے ہیں[۲]

اچھوتوں کو گرجا میں جانے پر کوڑوں سے پیٹا جاتا

مشنری ہندوستانیوں میں اونچ نیچ روا رکھتے اور امتیاز برتتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے نیچ ذاتوں کے گرجا گھر بھی علیحدہ بنا رکھے تھے۔ اگر نیچ ذات کا کوئی آدمی بڑی ذات والوں کے گرجے میں جانا چاہتا تھا تو وہاں سے نکال دیا جاتا تھا اور کوڑوں سے پیٹا جاتا تھا۔ جب کوئی نیچ ذات کا آدمی مرجاتا تو عیسائی سنیاسی اس وقت تک آخری مذہبی رسم ادا کرنے کے لئے گھر میں نہیں جاتا تھا جب تک اُسے گھسیٹ کر میدان میں نہیں نکال دیتے تھے[۳]

۱؎ صلیب کے علمبردار صفحہ ۲۰۴، ۲؎ خطوط اے بی ڈیوبائس صفحہ ۱۰۵ و پادری صاحب کی کتاب صفحہ ۵۴ ۳؎ کلکتہ ریویو صفحہ ۱۴۹ پادری صاحب کی کتاب صفحہ ۵۷

قرآن مجید میں تحریف کی سعی کرنا

جب ابتدائی انگریزی عمل داری میں پادری لوگ آئے تو انھوں نے یہ سمجھ کر کہ ہندوستان میں مطبع نہیں ہے۔ قلمی نسخوں پر قرآن مجید کا دارومدار ہے تو وہ مسلمانوں سے قرآن مجید بڑی بڑی قیمتوں پر خریدنے لگے۔ یہ خرید برسوں جاری رہی۔ چنانچہ میرٹھ اور دہلی کے نواح کے معمر لوگوں نے اس کی تائید کی ہے۔ ایک بزرگ نے بیان کیا کہ ایک پادری میرے دوست تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ تم اس قدر نسخے کیوں خرید رہے ہو۔ بڑے اصرار کے بعد انھوں نے راز فاش کیا کہ یہاں کے مشن کی یہ رائے ہے کہ ان لوگوں سے نسخے خرید لیجئے اور پھر جب نایاب ہو جائیں تو لندن سے مختلف نسخے قرآن مجید کے طبع کرا کے یہاں کے مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کئے جائیں جس سے مسلمانوں میں قرآن مجید کے معاملہ میں بڑا اختلاف پڑ جائیگا اور عیسائیت عروج حاصل کریگی۔ اس بزرگ نے ان کو سمجھایا کہ یہ خبط ہے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ لاکھوں مسلمانوں کے دلوں میں یہ محفوظ ہے اور مسلمان اس کے حافظ ہیں۔

(راوی مولانا عبدالحق محدث دہلوی حاشیہ بر تفسیر حقانی ص۸۴)

پادریوں کی کارستانیاں

"سیاں بھئے کوتوال اب ڈر کاہے کا" کے مصداق پادری لوگ آزاد تھے۔ ایک تو حکومت ان کی اور وہ "عیسیٰ کی خدائی" کے لئے ہر ایک فعل کو جائز سمجھتے تھے۔ وہ جو کچھ کرتے تھے۔ اس پر اس زمانہ کے اخبارات نکتہ چینی کرتے تھے۔ ان کی پولیں کھول کر اپنا فرض ادا کرتے تھے۔ لکھنے والے تنقید کا کمال کرتے تھے۔ پتھر میں جب پیدا کردی۔ لیکن حکام کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی تھی۔ اخبارات کی صدا صدائے صحرا بن جاتی تھی۔ اسی پادریوں کی خودمختاری اور حکام کی غفلت و خموشی کی تفصیل اخبار الاخبار دہلی نسیم آگرہ کے حوالے سے لکھتا ہے:۔

"پادریوں کی زبردستی اب تو حد سے گزر گئی کہ ہر طرح کے اغوال ورغلانے کے لئے اور گمراہ کرنے کے لئے پیدا کرتے جاتے ہیں۔ انجیل کی تقسیم اور منادی سے پیٹ نہ بھرا تو اسکول جاری کئے۔ انجیل کی روزمرہ کی پڑھائی کی پھر بھجن بنائے۔ تب مستورات میں میم لوگ بھجن سناتے دستکاری کے حیلے سے جانے لگیں۔ پھر بازاروں اور گلیوں میں کرسچین بھجن گانے لگے۔ پھر ستار وغیرہ باجہ لے کر لوگوں کو متوجہ کیا۔ وہ بھی گرچہ تجربات سے نہیں معلوم ہوا یعنی سوائے تماشائیوں کے بہت کم خوشی سے کرسچین ہوئے۔ پھر اب گیروا کپڑا پہن کر اور فقیر بن کر کام کرنا شروع کیا اور مدرسوں سے جب خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو ہسپتال جاری کئے۔ مردانہ بھی اور زنانہ بھی۔ زنانہ کارسازی بنئے کہ جب مریض جمع ہو جاتے ہیں تو ان کا حال دریافت کرکے نسخے تیار کئے جاتے اور پھر سب کو بھجن سنائے جاتے ہیں۔ یہی عظمت سمجھائی جاتی ہے کہ مسیح نے فلاں مردہ زندہ کیا۔ فلاں معجزہ ایسا کیا۔ اس کے بعد ان کو دوا دی جاتی۔ دوا تو دوا ہے۔ بلکہ گرجا میں منہ دھونے کی کلی وغیرہ کا پانی پلا کر کرسچین بناتے ہیں وہ پانی بھی دعا سے علٰحدہ دیا جاتا ہے۔ اس کا نام "برکت کا پانی" رکھا گیا ہے۔ یہ کیسی ایمانداری ہے پادریوں کی کہ وہ خلاف مذہب جبراً لوگوں کو نادانستہ طور پر چلاتے ہیں۔ (۱۵ فروری ۱۸۸۱ء ۳ جمادی الآخر ۱۳۰۵ھ چہارشنبہ جلد ۲ نمبر ۷ صفحہ ۵)

"انسان چور" مشنری

جبکہ یسوع قوم پر نثار ہو گیا ہو۔ اپنا خون، گوشت قوم کی نجات کے لئے چڑھا چکا

اور نجات دہندہ سب کے پاپ کی ذمہ داری لے چکا ہو اور آسمان پر موجود ہو تو پادریوں کو کس بات کی فکر تھی۔ وہ لڑکے سے ہندوستانیوں کو عیسائی بناتے تھے۔ اور یسوع کی بھیڑوں کی تعداد بڑھانے میں جھجکتے نہیں تھے۔ چنانچہ پا بجولاں عدالت میں لائے گئے۔ عدالت نے سزا دی۔ اپیل ہائیکورٹ میں گئی تو ثقاہت کا بھانڈا پھوٹ گیا اور مغرب کے اخلاق کی بزرگی کے دعوے کی اصلیت عیاں ہو گئی۔ اخبار میں لوگوں نے پڑھا:۔

پٹنہ مشنری کا مقدمہ کلکتہ ہائیکورٹ میں مشنریوں کے خلاف ہوا۔ کلکتہ ہائیکورٹ کی عدالت ماتحت مسٹر کرزن کی کل رائوں کو قائم رکھا۔ اس کی رائے تھی۔

کل مشنری باستثنا بعض "انسان چور" ہیں۔ جب وہ معمولی طریقہ سے عیسائی بنانے میں کامیاب نہیں ہوتے تب وہ لڑکوں کو اُن کے والدین کے گھروں سے مکر اور فن سے بھگا کے لے جاتے ہیں۔ وہ بڑے جہاد عیسائی ہیں کہ لڑکوں کو اُن کے والدین سے دن دہاڑے چُرا لیتے ہیں۔

(اخبار الاخبار۔ دہلی۔ م ۷ رمضان شریف سنہ ۱۳۰۶ھ جلد ۳ نمبر ۸ ۱ء؟)

سنگین مجرموں کی عیسائیت کی وجہ سے رعایت

اس مقدمہ میں معلوم ہوتا ہے کہ عدالت ماتحت اور ہائیکورٹ عیسائی نہیں تھی۔ ورنہ ملزمان باعزت رہا ہوتے اور اگر کوئی پولیس میں عیسائی ہوتا تو مقدمہ عدالت میں ہی نہ جاتا۔ کیونکہ ملزمان یسوع کے نجات یافتہ تھے۔ یہ تو لڑکے تھے۔ اگر کسی نوجوان لڑکی کا اغوا کر لیتے تو کوئی توجہ نہ دی جاتی۔ صرف عیسائی ہونا کافی تھا۔ چنانچہ حکام ایسا ہی کرتے تھے۔ جس کی تصدیق اخبار قیصر رام پور کی خبر سے ہوتی ہے۔

"میاں محمد اعظم قاضی ٹیچر پرائمری سکول قصبہ سرور پرگنہ شکر گڑھ ضلع گورداسپور ایک جمیلہ اور ذی عزت عورت کو بوساطت اغوا کر کے لے گئے آخر الامر تہی دست ہو کر بمعہ دولت خانہ رانبول تحصیل شکر گڑھ میں روپوش ہو کر اوقات بسر کرنے لگے۔ آخرش اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۸۷ء بڑے دن قصبہ ناروال ضلع سیالکوٹ میں دونوں سیاروں ماہ پاروں نے بخوشی مذہب عیسائی اختیار کیا اور "ہم ہم" کرنا شروع کر دیا۔ اب گورنمنٹ بھی ڈھیلی ہو گئی۔"

اس خبر کو نقل کرنے کے بعد اخبار الاخبار اپنی کتنی صحیح و معقول تنقید کرتا ہے:۔

"کیا عیسائی ہونا مجرموں کو سزائے جرم سے بھی بری رکھ سکتا ہے۔ اگر یہی رنگ ہے تو مجرموں کے لئے عیسائی مذہب ایک ایسا قلعہ ہے کہ جس وقت چاہے اس میں جا کر پناہ لے لے۔"

(۲۲ جنوری ۱۸۸۸ء م ۷ جمادی الاول ۱۳۰۵ھ جلد ۲ع ۴ صفحہ ۵)

جامع مسجد کو گرجا میں تبدیل کرنے کا ارادہ

پادریوں کو جب حکام کی سرپرستی ملی تو ان کو زعم ہو گیا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ حکومت ہماری کون بولنے والا ہے۔ ہماری بات حکومت کی بات ہے کون ٹال سکتا ہے۔ چنانچہ اسی زعم پر جب دہلی میں ۱۸۵۷ء میں

غدر میں عہدۂ بشپ قائم کرنے کا سوال در پیش ہوا۔ اس وقت یہ تجویز پیش ہوئی کہ شاہجہانی مسجد "جامع مسجد" کو گرجا میں تبدیل کر دیا جائے۔ بشرطیکہ وہ موجودہ شورش (غدر) کے شدید حملے سے محفوظ رہ جائے"۔ ۱؎

کُل ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کی آگ لگانے والی سازش

اسی طرح پادری ایڈمنڈ نے دارالامامت کلکتہ سے عام لوگوں کو بالخصوص بڑے بڑے سرکاری ملازموں کو چٹھیاں بھیجیں۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ہندوستان میں ایک عملداری ہو گئی تار برقی سے سب جگہ کی خبر ایک ہو گئی۔ ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمدورفت ایک ہو گئی۔ مذہب بھی ایک ہی چاہیئے اس لئے مناسب ہے کہ تم لوگ بھی عیسائی بن کر ایک مذہب ہو جاؤ۔

سرسید جو اس وقت زندہ تھے تمام حالات سے واقف تھے۔ اور خاص طور پر سرکاری ملازموں کی ٹولی کے رہبر بن کر مانے جاتے تھے اور ان کے دلوں سے پورے طور پر واقف سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت چٹھی سے جو کیفیت پیدا ہوئی اس کی حالت لکھتے ہیں۔

میں سچ کہتا ہوں کہ ان چٹھیوں کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی۔ سب کو یقین ہو گیا کہ ہندوستانی جس وقت کے منتظر تھے۔ وہ وقت آ گیا۔ اب جتنے سرکاری نوکر ہیں اول ان کو کرسٹان ہونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو۔ سب لوگ بیشک سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ہیں۔ آپس میں جب ہندوستانی اہلکار ان سرکاری ملازمین سے پوچھتے تھے کہ تمہارے پاس بھی اطلاع آئی ہے، اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ کیا تم بھی لالچ کے سبب کرسٹان ہو جاؤ گے۔ ان چٹھیوں نے یہاں تک ہندوستانی اہل کاروں کو الزام لگایا کہ جس کے پاس چٹھیاں آئی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بدنامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ہمارے پاس تو نہیں آئیں لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آجائیگی کہ کیا تم سرکار کے نوکر نہیں ہو۔ اگر سچ پوچھو تو یہ چٹھیاں تمام شبہات کو پکا اور مستحکم کرنے والی تھیں چنانچہ انھوں نے کر دیا۔

اس چٹھی کا مکمل مضمون یہ تھا:۔

"بخدمت تعلیم یافتہ باشندگان ہند!

معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت آ گیا ہے کہ اس مضمون پر سرگرمی کے ساتھ غور کیا جائے کہ سب لوگوں کو ایک ہی مذہب اختیار کرنا چاہیئے یا نہیں۔ ریلیں، دخانی جہاز اور تار برقی نہایت تیزی کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کو ملا رہی ہیں جس قدر قومیں زیادہ ملتی جلتی ہیں اسی قدر زیادہ اس کے نتیجہ کا یقین ہوتا جاتا ہے کہ تمام لوگوں کی ایک ہی حاجتیں ہیں ایک ہی اندیشے ہیں اور ایک ہی اُمید و بیم ہے اور یہ بات بھی متیقن ہے کہ موت سب کے لئے اس سین کو ختم کر دیتی ہے"۔

"تو پھر کیا ایسے وسائل نہیں ہیں جن سے زندگی کے رنج اور تفکرات کم ہو سکیں اور جن سے تمام لوگوں کو موت کے وقت آرام مل سکے۔ کیا یہ فرض کر لینا معقول ہے کہ ہر ایک۔ قوم کو رجماً بالغیب محض قیاس کے ذریعہ سے اپنے واسطے راستہ نکالنا چاہیئے یا جس خدا نے سب کو بنایا ہے اس نے اپنے خاندان کے مختلف لوگوں

کے لئے موجودہ اور آئندہ خوشی حاصل کرنے کے لئے مختلف طریقے مقرر کئے۔ تب تک یہ بات نہیں ہو سکتی ہے۔
مذہب عیسوی ایسا مذہب ہے جو خدا کے پاس سے براہ راست الہام کے ذریعہ سے آنے کا دعویٰ کرتا ہے اور یہی ایسا مذہب ہے جس سے دُنیا میں اور دوسری دنیا میں جس کا حال اس سے منکشف ہوتا ہے خوشی حاصل ہو سکتی ہے۔ دنیا کے کسی دوسرے مذہب کو ممتاز کرنے کے لئے اس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ یہ انسان کے دل اور عقل سے اپیل کرتا ہے اور دنیا میں صرف یہی مذہب ہے جو محض دلیل کے زور سے پھیلا۔ جو قومیں اس مذہب پر اعتقاد رکھتی ہیں۔ سب سے زیادہ غور و خوض کرنے والی اور دنیا میں سب سے زیادہ شائستہ ہیں۔ بہرحال اس مذہب کو حق حاصل ہے کہ اسپر غور کیا جائے۔

چونکہ ہم نے خود اس سے نہایت بڑی برکتیں حاصل کی ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اور لوگوں کو بھی ان کے حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس لئے یہ سنجیدہ اور سرگرم اپیل آپسے کی جاتی ہے کہ بطور خود آپ اس مضمون کو امتحان کریں۔ اس مذہب کی تائید میں بے شمار دلیلیں ہیں۔ مگر اس مضمون میں ان میں سے صرف ایک پر بحث کی جائے گی۔ مگر وہ ایک امر کو مستحکم کرنے کے لئے بالکل کافی ہوگی۔"

"ایک شخص یسوع نامی ملک یہودیہ کے ایک مقام بیت اللحم میں تقریباً ۱۸۵۹ برس گزرے پیدا ہوا تھا۔ وہ عالی خاندان اور دولت مند نہ تھا۔ لیکن اس نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ مجھ کو خدا نے بھیجا ہے۔ تاکہ میں لوگوں کو صرف وہی مقصد بتاؤں۔ جو خدا کی طرف رہنمائی کریگا۔ اس ملک میں تین سال وعظ کرتے پھرنے کے بعد سلطنت روما نے یہودی علماء کی درخواست پر اس کو مار ڈالا۔ یہاں تک کہ سب مانتے ہیں کہ جس طرح جولیس سیزر کی موت ایک امر واقعی ہے۔ اسی طرح یسوع مسیح کی موت بھی ایک امر واقع ہے اور کسی شخص کو نہ ایک میں شبہ ہے اور نہ دوسرے میں۔ یہودی جو یسوع اور اس کی تعلیم کے سب سے بڑے دشمن ہیں اس پر فخر کرتے ہیں اور یہ سب سے بہتر شہادت ہے۔ جس کی ہم خواہش کر سکتے تھے۔ اس کے پیرو کہتے ہیں کہ وہ مر کر دوبارہ زندہ ہوا۔ یہ ایک بڑا واقعہ ہے۔ جس پر تمام مذہب عیسوی منحصر ہے اگر یہ سچا ہے تو انجیل بھی سچی ہے۔ کیوں کہ کوئی شخص مرکر زندہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو اور خدا اس شخص کو ہرگز مردہ سے زندہ نہ کریگا جس کی زندگی اور تعلیم اس کو پسندیدہ نہ ہو اگر یہ غلط ہے تو انجیل بھی غلط ہے۔"

"ہم نہایت ادب اور سرگرمی سے آپکو تاکید کرتے ہیں کہ آپ اپنی تمام توجہ اس مسئلہ پر مبذول فرمائیں کہ آیا یسوع زندہ ہوا یا نہیں۔ ہم کو اس امر پر گواہ لانے چاہئیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔ پیٹر، جان، میتھیو، متھیاس، ٹومس، جیوڈ، میری میکڈلین، کلیوفس اور جانسو اور جن کے نام اب معلوم نہیں ہیں۔ بہت سے ان میں خاص دوست تھے۔ جو یسوع کی موت سے پہلے تین سال تک متواتر اس کے ساتھ رہے تھے۔ اس لئے وہ اس کی شناخت کی غلطی نہیں کر سکتے تھے۔ انھوں نے اس کی وفات سے پچاس دن کے اندر اندر آکر ظاہر کیا کہ وہ اسی جگہ اور اُن ہی لوگوں میں جنھوں نے اس کو مصلوب کیا تھا۔ دوبارہ پیدا ہوا۔

اگرچہ اس بات کے ظاہر کرنے میں ان کا فائدہ نہ تھا۔ بلکہ ہر چیز کے کھو بیٹھنے کا خطرہ تھا۔ یہاں تک جانوں کے بھی ضائع ہونے کا احتمال تھا۔ مگر اس پر بھی انھوں نے کئی ہزار آدمیوں کو اس بات کا یقین کرنے کی ترغیب دی کہ وہ جو کچھ لکھتے ہیں سچ ہے یہاں تک کہ وہی لوگ اس کو نہیں مانتے تھے اور حقیر سمجھتے تھے اور اس سے نفرت کرتے تھے اب اس کے نام کی عزت اور پرستش کرنے لگے۔

جب تک وہ زندہ رہے نہ صرف یہودیہ میں بلکہ تمام سلطنت روما میں اس واقعہ کا ذکر کرتے رہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ اس بات کے کہنے کے عوض میں اپنے لئے موت اور سخت اذیت گوارا کی۔ جبکہ وہ صرف یہ کہکر چھوٹ سکتے تھے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اگرچہ وہ جاہل اور ان پڑھ تھے۔ مگر انھوں نے تمام سلطنت روما میں ہزاروں کو ایسی ترغیب دی کہ وہ انکا یقین کرنے لگے اور اپنے مذہب ترک کرکے باوجود لوگوں کی نفرت اور قتل ہونے کے اس مذہب کو جس کی وہ تعلیم دیتے تھے قبول کرلیا وہ دنیا کی آرام و عزت کا وعدہ نہیں دلاتے تھے کہ جس سے لوگوں کو ان کے یقین کرنے کی ترغیب ہو۔ بلکہ معاملہ برعکس تھا۔ ان کے نزدیک یہ کافی نہ تھا کہ ان کے خیالات کی برائے نام پیروی کی جائے۔ بلکہ وہ انکسار اور پاکیزہ زندگی چاہتے تھے۔ جسے قدرتاً سب لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ نیا مذہب کسی کو مرنے سے نہیں بچا سکتا۔ اگرچہ ان کو خود اس بات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دی کہ ان کو بھی کسی فائدہ کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ تاہم انھوں نے یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے والے موثر طریقہ سے یقین دلایا کہ یہ مسئلہ جس کا ان پڑھ ماہی گیر غریب نجار کے بیٹے کی نسبت وعظ کیا کرتے تھے۔ سلطنت روما کے زاویہ سے تمام سلطنت میں ان کی موت کے بعد بھی پھیل گیا اور اس نے ہر ایک مذہب کو اگرچہ تمام نہایت دراز سے اس کو مانتے چلے آتے تھے اکھاڑ پھینکا۔

یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے ثبوت میں ہمارے پاس ان لوگوں کی شہادت موجود ہے جو اس مسئلے کے واعظ نہیں ہیں۔ ان سپاہیوں نے جو قبر پر پہرے کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اس واقعہ کو دیکھا (یہودی) عالموں سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے جسم کے غائب ہونے کی وجہ بتانے کے لئے جس کو جیب تسلیم کرتے تھے۔ ایک بے ہیودہ حکایت کا گھڑ لینا ضروری سمجھا۔ صرف عوام الناس کی شہادت جس کی ہر شخص خواہش کرسکتا ہے۔ ہمارے پاس موجود نہیں ہے کہہ سکتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ یسوع نے عام طور پر سب لوگوں کے سامنے اور خصوصاً ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے اس کو مصلوب کیا تھا۔ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کیا۔ اس کی مختلف وجوہات بیان کی جا سکتی ہیں۔ جو اس مسئلہ کی ماہیت ہے جس کی وہ تلقین کرتے تھے۔ ان وجوہات کا بیان کرنا اس وقت ناممکن ہے۔ لیکن یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اس شہادت کا موجود ہونا اس واقعہ کی سچائی پر کچھ اثر نہیں ڈالتا۔ اگرچہ بہت سے آدمیوں نے جو اس کے جواب کو اچھی طرح جانتے تھے۔ اس کو دیکھا۔ اس سے باتیں کیں اور اس کے ساتھ کئی موقعوں پر کھانا کھایا

تو یہ سوال کرنا کہ کیا وجہ ہے کہ اور لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا۔ درحقیقت ان کو متزلزل نہیں کر سکتا۔ جہاں کہیں وہ ظاہر ہوا تمام ہوا تمام لوگوں نے جو اس وقت وہاں موجود تھے۔ اس کو دیکھا۔ چنانچہ ایک موقع پر پانسو آدمیوں تک نے دیکھا۔ پس ظاہر ہوا کہ یہ خیالی نہیں واقعی بات تھی۔ ایک شخص مسمی ٹامس نے کہا کہ جب تک میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے اور پہلو میں برچھے کے سوراخوں کو ۔۔۔ اپنے ہاتھ ڈال کر نہ دیکھونگا۔ اس وقت تک یقین نہیں کرونگا۔ کہ وہ ہمارا پرانا دوست ہے۔ مگر اس کی بھی تسلی ہوگئی کہ ہم نہایت سرگرمی کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ آپ ان واقعات پر غور کریں اور اگر شہادت میں کچھ نقص ہو تو ہمیں بتائیں ورنہ اس بات کو تسلیم کریں کہ یسوع مسیح مُردے سے زندہ ہوا اور انجیل پر ایمان لائیں۔ یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے سے سب لوگوں کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ خدا نے ایک دن ایسا مقرر کیا ہے۔ جبکہ وہ راستبازی میں دنیا کا انصاف کریگا۔ اس وقت تم اس کے سامنے کھڑے ہوگے اور بُرے خیالات، گندے الفاظ اور بداعمال کی جن کے تم مجرم ہوئے جواب دہی کرنی پڑیگی۔ کیا تم ایسا کرنے کے لئے تیار ہو۔ کوئی متنفس نہیں جو کہ تیار ہو لیکن جو شخص یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ مانے گا اس کے تمام گناہ بخش دئے جائیں گے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد کے ساتھ ہی پاکی بھی عطا ہو جاتی ہے۔ پس وہ خوفناک دن کی جوابدہی کے لئے بھی تیار ہو جائے گا۔

چونکہ تم اپنی ابدی خوشی کی قدر کرتے ہو۔ ہم تم کو تاکید کرتے ہیں کہ اس بڑے مضمون کی آزمائش کرو اور خدا سے دعا کرو کہ وہ روح القدس کی تعلیم کے ذریعہ سے تم کو ٹھیک ٹھیک طور پر اس کام کرنے کے قابل بنا دے اس بات پر تخلیہ میں غور کرو اور اس کو آزماؤ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر بھی جن کے نام بھی چٹھی لکھی گئی ہو اور اپنی طرف اس ایک امر پر توجہ مبذول رکھو کہ آیا وہ لوگ اعتبار کے قابل ہیں یا نہیں۔ جنھوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے یسوع مسیح کو مردہ سے زندہ ہونے کے بعد دیکھا ہے۔ اگر ایسا کروگے تو تم کو تمام اصول شہادت سے اس بات کا یقین آجائے گا کہ یسوع مسیح بیشک مر کر زندہ ہوا اور اس لئے انجیل سچی ہے اور یہی ایک الہامی کتاب ہے پس دلیر ہو اور کھلم کھلا ایمان لاؤ۔ کیونکہ یسوع نے خود کہا ہے جو کوئی مجھ سے اور میرے لفظوں سے اس بدکاری اور گنہگاری کی زندگی میں روگردانی کریگا۔ اس سے ابن آدم بھی جب وہ پاک فرشتوں کے ساتھ اپنے باپ کے جلال میں آئیگا۔ روگردانی کریگا۔ ہماری تمنا ہے کہ اس ملک میں گرجاؤں کو ہندوستانیوں سے بھرا ہوا دیکھیں۔ جہاں نہ صرف غیر ملک کے لوگ بلکہ تمہارے وطن بھی انجیل کی خوشخبری کی باقاعدہ طور سے منادی کریں۔ وہاں عورتوں اور مردوں کو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور اپنے خدا کی ملاقات کے لئے تیار ہونیکی تاکید کی جائیگی۔ وہاں بچوں کو اخلاق اور سچائی کی تعلیم دی جائے گی اور اس دُنیا میں اپنے چال چلن کی درستی کرنے اور دوسری دُنیا کے لائق بنانے کے واسطے پاکی اور نجات کا سبق پڑھائے جائیں گے اور وہاں یہ بھی بتایا جائے گا کہ موت اب ایسا دشمن نہیں رہا۔ جس سے آئندہ ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ ہمارے نجات دہندہ یسوع مسیح نے اس کا ڈنک نکال دیا ہے۔ اور اس کو نیست و نابود کر کے انجیل کے ذریعہ زندگی اور

حیاتِ ابدی کو روشن کر دیا ہے۔ خدا نے ہی ہمیں کو یقین دلایا ہے کہ اب بعد بھی حال یہی رہے گا۔ ہم اس وقت کے آنے کی خواہش کرتے ہیں جبکہ لوگ بخوبی اس کو سمجھ جائیں گے۔ کیونکہ نہ اسی نسل میں یہ بات ہو۔ کیا یہ احمقانہ ذلیل اور خرابات پرستی کے مقابلہ میں جس سے یہ زمین آلودہ ہو رہی ہے بے حد ترقی نہیں ہوگی۔ ہم تم کو عقلمند سمجھ کر کہتے ہیں جو کچھ ہم کہتے ہیں۔ اس کو جانچ لو۔"

لوہے سے داغ کر عیسائی بنانا

وحشیانہ بہیمانہ جنگلی دور کے ظلموں کی بھی اس دور میں مثال ملتی ہے۔ قصبہ کرم نگر حیدرآباد (دکن) میں پادریوں کا ظلم عام تھا۔ زبردستی جسم پر لوہے کے داغ دے کر لوگوں کو عیسائی بنایا جاتا تھا۔ دینی مناظرہ ہنکنڈہ ص۲ از مولانا شرف الحق صاحب مرحوم

مسلم وقف سے عیسائیت کو فروغ دینا

مسلمانوں کے ان سرمایوں سے جو وقف کئے جا چکے تھے اور جن کا مصرف دینِ اسلام کی تبلیغ میں صرف کرنا تھا اسکو علی الاعلان حکومتِ ہند اپنے مذہبی کاموں میں صرف کیا کرتی تھی۔ چنانچہ تحریکِ وہابیان کے نام پر مسلمانوں سے انتقام لینے اور مسلمانوں کو بدنام کرنے والے ڈاکٹر ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر نے اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں معترفانہ طریقہ پر حقائق کو آشکارا کیا ہے۔ اور واقعات سے ثابت کیا ہے کہ انگریز نے نا انصافی ہی نہیں بلکہ کمینگی کا ثبوت دیا ہے ملاحظہ ہو:۔

• مسلمانوں کے اس الزام کا جواب نہیں دیا جا سکتا کہ ہم (انگریز) نے اُن کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا۔ اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائداد کو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضہ میں دی گئی تھی ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں ان کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے۔ سنہ ۱۸۰۶ء میں ہگلی کا ایک دولت مند مسلمان فوت ہو گیا۔ اس نے اپنی جائداد کا بڑا حصہ مصرفِ خیر کے لئے چھوڑا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں اس کے دو امانت داروں نے آپس میں جھگڑنا شروع کر دیا۔ جو سنہ ۱۸۱۰ء میں بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچا کہ ایک دوسرے کے خلاف بد دیانتی کے مقدمات دائر ہو گئے۔ اس پر ضلع کے انگریز کلکٹر نے عدالت کے فیصلہ تک اس جائداد کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ یہ مقدمات سنہ ۱۸۱۶ء تک چلتے رہے۔ آخر کار گورنمنٹ نے ان دونوں امانت داروں کو بے دخل کر دیا اور جائیداد کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ ایک امانتدار خود گورنمنٹ بن بیٹھی اور دوسرا امانتدار وہ جسے مرضی کے مطابق نامزد کیا گیا ہو۔ اگلے ہی سال اس ساری جائداد کا دوامی پٹہ لکھا گیا اور ہر دوامی پٹہ دار سے ایک معقول رقم حاصل کی گئی۔ ان ادا شدہ رقوم کی میزان مع اس آمدنی کے جو دوران مقدمہ میں جمع ہوتی رہی۔ ایک لاکھ ستاون ہزار پونڈ (تقریباً ۲۱ لاکھ روپے) مزید برآں ۱۲ ہزار پونڈ (تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے سے اوپر کی رقم جو اس وقت تک جائداد مذکورہ کی سالانہ آمدنی سے بچائی گئی۔

یہ وقف مصرفِ خیر کے لئے کیا گیا۔ اس کے مصارف وصیت نامہ میں درج تھے۔ مثلاً بعض مذہبی فرائض

اور رسوم کی ادائیگی۔ ہگلی کی عظیم الشان مسجد کی مرمت، قبرستان، بعض وظائف اور اسی قسم کے دوسرے مذہبی ادارے وغیرہ وغیرہ۔

اس سرمایہ سے ایک غیر مسلم کالج بنانے کی ہر کوشش وصیت کنندہ کی منشاء کے مطابق ایک الحادی کام تھا۔ لیکن حکومتِ ہند نے ایسا ہی کیا اور اس جائداد کو جو اسلامی نقطۂ نگاہ سے مصرفِ خیر پر خرچ کرنے کیلئے وقف کی گئی تھی ایسے ادارہ پر خرچ کیا گیا جو اپنی ہی ساخت میں اسلامی اصولوں کے خلاف تھا اور جس سے مسلمان عملی طور پر مکمل خارج ہو گئے۔ اس وقت اس کالج کا پرنسپل ایک معزز انگریز ہے جو عربی و فارسی کا ایک حرف بھی نہیں جانتا۔ وہ ایک خاص اسلامی وقف کو ایسی تعلیم میں خرچ کر رہا ہے جس کو ہر مسلمان نفرت سے دیکھتا ہے اس کی تنخواہ پندرہ سو پونڈ سالانہ ہے۔ یہ غلطی حکومت کی ہے جو حکومت ۳۵ سال سے متواتر اس بہت بڑے تعلیمی فنڈ کا جان بوجھ کر غلط استعمال کر رہی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ چند سال ہوئے اس انگریزی کالج کے تین سو طلباء میں سے ایک فیصد بھی مسلمان نہ تھے اور گو یہ شرمناک تناسب اس وقت سے کم ہو رہا ہے۔ ایک سول افسر نے جس نے اس مقدمہ کا بغور مطالعہ کیا ہے لکھتا ہے، مجھے یقین ہے اس حقارت اور بے غیرتی میں مبالغہ سے کام لینا بہت ہی مشکل ہے جو برٹش حکومت نے خود اپنے طرزِ عمل سے پیدا کر رکھی ہے۔

یہ بات صحیح ہو یا غلط، مگر مسلمانوں کو بہر حال یقین ہے کہ حکومت نے اس معاملہ میں ان سے ایک بہت بڑی بے انصافی ہی نہیں بلکہ کمینگی کا ثبوت دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے جذبات افسوس اور شکایت سے اسی طرح قائم ہیں" (۲۵۸ تا ۲۶۲)

سندھ میں مسلمانوں کو تعلیم سے دور کرنیکی شرمناک سازش

انگریزوں کے زمانہ کی سرکاری تعلیمی رپورٹوں، یادداشتوں نیز دیگر متعلقہ کتابوں کے مطالعوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سندھ کے مسلمان تعلیم سے دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور حکومتِ برطانیہ ان کی تعلیم کے لئے کوشاں رہتی تھی۔ اس قسم کا پروپیگنڈہ ۱۸۴۳ء سے کر ۱۹۴۷ء تک جاری رہا۔ لیکن حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی۔ "حقیقت خود کو منوا لیتی ہے" کے مصداق اب آہستہ آہستہ حقائق سامنے آنے لگے ہیں۔ ان سے پردہ اٹھ رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ انگریزوں نے جس وقت صوبہ سندھ پر قبضہ کیا اس وقت اپنی تمام کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود مسلمان مجموعی طور پر علمی دوڑ میں تیز قدم تھے۔ لیکن انگریزوں نے عربی فارسی کے اسکول بند کر کے نیز شاہی عہد کی معافیاں وقف جائدادوں کو ضبط کر کے علمی سوتوں کو خشک کر دیا۔ اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے جید علماء اور پڑھے لکھے مسلمانوں کے لئے بند کر دیئے گئے۔ جب ان علوم کی اس طرح بے قدری ہوئی اور گزر اوقات کے ذرائع بند ہو گئے۔ تو قدرتاً عوام میں تعلیم کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ سندھ کے مسلمانوں کا عربی اور فارسی زبانوں کے ذریعہ جو تعلیمی تعلق ہندوستان کے دوسرے صوبوں کے مسلمانوں سے صدیوں قبل سے قائم تھے۔ اس میں رخنے پڑنے لگے۔ چنانچہ مسٹر جی ایم سید نے اپنی تالیف

اریخ تعلیم" میں لکھا ہے[۱]

"سندھ کے علماء کے اسکولوں اور یوپی کے مکتب میں برائے نام ہی فرق تھا۔"

" اس نظامِ تعلیم کو تباہ کرنا انگریزوں کا عین منشار تھا۔ جس میں وہ کامیاب ہو گئے۔ ان باتوں کا مسلمانوں پر اثر ا انھوں نے انگریزی تعلیم اور گورنمنٹ کے کھولے ہوئے سندھی فارسی کے مشترکہ اسکولوں کا بائیکاٹ کیا۔ اس یسہ میں ملازمتوں کے لئے انگریزی تعلیم ضروری قرار پائی۔ چنانچہ ہائی اسکول اور مڈل تک تعلیم پانے والے افراد کو پ تحصیلدار تک کے عہدے ملنے لگے۔ مسلمانوں نے پورے ملک میں انگریزی تعلیم کا بائیکاٹ کر رکھا تھا۔ سندھ سلمان آخر کیوں پیچھے رہتے۔ وہ بھی انگریزی تعلیم و تمدن کے مخالف ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۷۵ء میں پورے سندھ صرف تین مسلمان گریجویٹ تھے۔ انگریزوں نے کس طرح سندھ میں قدیم نظامِ تعلیم کو تباہ کیا اور کس طرح مسلمانوں نسلوں کو جہالت کے غار میں دھکیل دیا۔ جس سے وہ کافی عرصہ تک عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ اس کا پردہ چاک رچرڈ برٹن نے ۔ رچرڈ برٹن کمپنی کی حکومت کے ان اعلیٰ عہدیداروں میں سے ایک تھا۔ جس نے صوبہ سندھ کے استحصال کے سلسلہ میں یاں کردار ادا کیا تھا۔ چنانچہ اس نے حقیقی بات کہنے سے گریز نہیں کیا۔ وہ لکھتا ہے:۔

" یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم نے اپنے عہدِ حکومت میں یہاں کی تمام درسگاہوں کا ذرائع آمدنی کی عدم موجودگی کی وجہ سے ویران ہو جانا گوارا کیا۔ یعنی ذرائع آمدنی سے محروم کر کے انھیں فنا کر دیا۔"

اسی کے ساتھ رچرڈ برٹن نے چھ ایسے مدرسوں کا نام کا ذکر بھی کیا ہے۔ جو اس وقت سندھ میں قائم تھے جو اس کے خیال یونیورسٹیوں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہ مدرسے سیہون کے قریب کھوڑہ، مٹیاری، عمر کوٹ، اور نار ساندھی کے کنارے ٹیاری کے مقامات پر واقع تھے۔ ان مدرسوں کو سندھ کے امراء تین ہزار سے پانچ ہزار تک کی امداد دیتے تھے۔

انگریزوں نے صوبہ سندھ میں تعلیم پھیلانے والے ایک دوسرے طبقہ علماء کو نانِ شبینہ سے محتاج کر دیا تھا۔ یہ ی علماء تھے۔ جن کی زمینداریاں ضبط کر لی گئی تھیں۔ کیپٹن ایسٹ وک جس نے سندھ کی سیاست میں حصہ لیا تھا اس ندن میں ایک تقریر کے دوران سنہ ۱۸۵۸ء میں کہا تھا۔

" کہا جاتا ہے کہ ہماری حکمرانی عوام کے لئے قابلِ قبول ہوگی لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ ہماری زبردست غلطی ہوگی کیونکہ آبادی کی کثرت راسخ العقیدہ مسلمان ہے جو ہم سے شدید نفرت کرتا ہے۔ جس کا بیان کرنا غیر ممکن ہے۔ دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں ہے۔ جہاں سیدوں کا اس قدر اثر ہو جتنا کہ سندھ میں ہے۔ ہماری آمد نے ان کی حاصل شدہ رعایتوں کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا ہے۔ وہ قبیلوں کو ہمارے خلاف ابھارنے میں کبھی نہ تھکیں گے اور یہ قبیلوں کے رہنے والے بچہ سے جوان تک ایک عام دشمن انگریز کے مقابلہ میں اپنے اختلافات ختم کر دیتے تھے۔ دوسرے سابق سرداروں کے درباری جن کو ذرائع معاش سے محروم کیا گیا ہے۔ قدرتی طور پر غیر مطمئن اشخاص کیساتھ شامل ہو جائیں گے۔

---

[۱] ہندوستان کی ابتدائی تعلیم کی تاریخ

انگریز نے جس نوعیت کی پالیسی ان حضرات کے ساتھ جاری رکھی - اس طرح کی کارروائیاں مسلمانوں کے دوسرے طبقوں کے خلاف بھی جاری رکھیں۔ ان سب مستبدانہ باتوں کے باوجود مسلمان مسلسل تعلیمی جدوجہد میں مشغول رہے۔ اس کا ثبوت ۱۸۵۲ء کی رپورٹ سے ملتا ہے۔ جو مسٹر ایلس نے مرتب کی تھی۔ اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں:۔

جن مکاتیب میں صرف قرآن شریف اور عربی زبان کی تعلیم ہوتی ہے انکی تعداد ۲۷۸ ہے اور اُن میں ۹۰۶ طلبار تعلیم پاتے ہیں۔ عمدہ ترین ہیں مکاتیب جن میں عربی فارسی دونوں زبانوں کی تعلیم دی جاتی تھی ان کی تعداد ۲۴۸ ہے اور طلبا کی تعداد ۴۲۰۳ ہے۔

مذکورہ بالا مکاتیب کے علاوہ ۱۰۵۶ - اسکول ایسے ہیں۔ جن میں صرف فارسی کی تعلیم دی جاتی ہے اور ان میں طلبار کی تعداد ۲۲۱ ہے۔

۹۰۱ - ایسے اسکول ہیں جن میں مسلمان طلبار اس غرض سے پڑھتے ہیں کہ تعلیم پاکر سرکاری نوکریاں حاصل کریں وہ فارسی تعلیم حاصل کرتے ہیں ان اسکولوں میں ۹۷۴۶ طلبار موجود ہیں اور معلم بھی عموماً مسلمان ہیں۔

شمالی سندھ، روہڑی، گھوٹکی اور وسط سندھ میں ہالہ، نصیرپور بہ لحاظ تعلیم انگلے وقتوں میں مشہور تھے۔

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہوتا ہے کہ سندھ کے علمار انگریزی اقتدار کے دس سال بعد تک تعلیمی میدان میں کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ یہاں انگریزوں نے مسلمانوں کا ماضی کی روایات سے رشتہ کاٹنے کے لئے عربی فارسی کے مدرسے حکماً بند کردیے تھے۔ مسٹر فریر کمشنر سندھ نے نہایت ڈھٹائی سے اس مضمون کا حکمنامہ جاری کیا۔ پیر حسام الدین راشدی نے اس ذہنیت کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"انگریز نے اپنے ذاتی مفاد کی خاطر عوام سے براہ راست تعلق پیدا کرنے کے لئے فارسی کی عملداری دفاتر سے اٹھادی۔ اس فیصلہ کا تباہ کن نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان عالم اور مولویوں میں سے جوش ہمدردی اور خیرخواہی بالکل زائل ہوگیا جو فارسی علم وادب کی تعلیم مذہبی اور اخلاقی امور کے سلسلہ میں دیا کرتے تھے۔ جن لوگوں کو سرکاری ملازم ہونے کی ضرورت نہ تھی یا جو سرکاری ملازمت کے خواہاں تھے۔ وہ گورنمنٹ اسکولوں میں نہیں جاتے تھے اور عربی کے فارسی علمار کے کم ہوجانے کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اکثر مسلمانوں کے بچے بے علم ہوکر رہ گئے۔"

مسلمانان سندھ کی انگریزی تعلیم میں پسماندگی بھی بدستور جاری رہی۔ اس امر کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۰۲ء سے لیکر ۱۹۰۷ء تک ایک بھی مسلمان بی۔ اے کے امتحان میں کامیاب نہ ہوسکا۔ ایم۔ اے پاس مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ پروفیسر درشانی پہلے مسلمان تھے جنھوں نے ایم اے کی ڈگری لی۔ اس کے بعد مکمل بیس سال تک کوئی مسلمان کامیاب نہیں ہوسکا۔ ڈاکٹر داؤدپوتہ پہلے مسلمان تھے۔ جنھوں نے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور مسلمانوں کا نام روشن کیا[۱]

قاضی کی برطرفی وقف کے سرمایوں پر قبضہ کے ساتھ مذہبی اختیارات سے مسلمانوں کو محروم کردیا تھا۔ اسلامی حکومت

۱؎ برگِ گل مضمون۔ سید مصطفیٰ علی بریلوی ص

میں قاضی کے فرائض منصبی میں فوج داری، دیوانی اور شرعی عدالت کے فرائض داخل تھے۔ شروع میں جب انگریزوں نے اس ملک میں قبضہ کیا تو عدالتی نظام کو جاری رکھنے کے لئے بڑی حد تک مسلمانوں کی شریعت پر بھروسہ کیا تھا اس لئے قاضی کا عہدہ برقرار تھا۔ اس کی قانونی اہمیت بھی انگریز نے تسلیم کرلی تھی۔ جس کے فرائض سے متعلق ۲۵ دفعات کی طویل فہرست بنگال بورڈ آرڈیننس ۱۷۹۳ء XII و ۱۷۹۳ء وغیرہ کتابوں میں مل سکتی ہے۔ چونکہ قاضی کی حیثیت مسلمانوں کے شخصی اور مذہبی قوانین میں انتہائی ضروری تھی۔ اس لئے علمائے جمہور کا فیصلہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام اس وقت تک سمجھا جائے گا۔ جب تک ہندوستان میں قاضی برقرار رہیں گے۔ لیکن جب ان کو الگ کردیا جائے گا تو یہ ملک دارالحرب بن جائیگا۔

اس اہم مذہبی مسئلہ پر جب انگریز نے غور کیا تو پریشان ہو گئے اور ۱۸۶۳ء میں ایک گورنر نے اعتراف کیا کہ ہم ان قاضیوں کی اس مقدس حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے چنانچہ سابقہ قانون منسوخ کردئے گئے اور حکومت نے ان قاضیوں کا باقاعدہ تقرر بند کردیا۔ شروع میں قانون کے نفاذ میں ڈھیل پڑی۔ لیکن ۱۸۶۴ء میں فیصلہ ہوا کہ حکومت وقت ہی قاضیوں کا تقرر کرسکتی ہے۔ مسلمان اس بات کے مجاز نہیں کہ از خود کسی کو قاضی منتخب کریں۔ گویا اس ایکٹ نے اس قوم سے ان کے قوانین کا ایک اہم عہدہ دار چھین لیا۔ جس کے فرائض تھے استقبال ناموں کی . . . تعریف، عقد، نکاح اور دوسرے مذہبی فرائض اور مراسم کی بجاآوری۔

حکومت ہند نے ان قانونی اور غیر قانونی طریقوں سے اور اپنے اثرات مال و دولت اور طاقت و قوت سے عیسائیت پرستی کے جذبے سے نہیں بلکہ ملوکیت پرستی کا تسلط جمانے کے لئے اس ملک میں دینی عصبیت اور مخصوص مفاد پیدا کرنے کی سعی کی جس کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔

شہروں اور دیہاتوں میں تقریری پروپیگنڈا

رسائل وکتب وپمفلٹ کے علاوہ تقریری یعنی لسانی طریقہ پر بھی مسیحیت کی تبلیغ کرتے تھے یہ طریقہ تمام طریقوں سے پُر اثر اور زوردار ثابت ہوا۔ کوئی جگہ شہر یا دیہات اس سے نہیں چھوٹتا تھا۔ صرف ایک سال ۱۸۷۱ء میں جو تبلیغ کا کام مشنریوں نے دیہات اور شہر میں کیا۔ ان کی رپورٹیں ملاحظہ فرمائیں۔

دیہاتوں میں تبلیغ

پادریوں کے ماتحت دیہات کے لئے بہت سے پریچر اور مشنری ہوتے ہیں۔ جو دیہات میں پروپیگنڈا کرتے ہیں۔ پروپیگنڈا کرنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ شہر کے پادری اپنی ٹولیاں دیہات میں لے جاتے ہیں اور دیہات کے کارکنوں کے ساتھ تبلیغ میں لگ جاتے ہیں۔ عام طور پر نئے دیہات میں جہاں واقفیت نہیں ہوتی۔ دیہات کے بڑے درختوں کے سائے میں مبلغین کی ٹولی بیٹھ جاتی ہے جو بھجنوں سے تبلیغ کا سلسلہ شروع کردیتی ہے۔ پہلے عوام کے مشہور بھجن گائے جاتے ہیں۔ بعد میں عیسیٰ مسیح کی تعریف والے بھجن سُنائے جاتے ہیں۔ دیہات والے جب تماشا سا ہوجاتے ہیں تو گھروں کی جھونپڑیوں میں ٹولیاں براجمان ہوجاتی ہیں اور چٹائیوں پر بیٹھ کر وعظ ونصیحت اور مسیحی دعائیں دوہرائی جاتی ہیں۔ عام طور پر دیہاتی عورتیں برآمدہ میں بیٹھ کر تبلیغی پیغام

اور دعائیں سنتی ہیں[1]

عام دیہاتیوں سے پادری اور مشنری لوگ مذہبی گفتگو کرتے ہیں۔ گفتگوؤں کا ڈھنگ رعب افگن ہوتا ہے۔ جن کو ان پر اثر ڈالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ ہندوؤں میں چونکہ گانوں اور بھجنوں کی عزت کی جاتی ہے۔ اس لئے ان میں کرشن کے گیت بھی گائے جاتے تھے۔ تاکہ اُن کا دل موہ لیں اور ان کو یہ اندازہ ہوجائے کہ یہ بھی کرشن کے پجاری ہیں۔ بعض مرتبہ یہ ٹولی گھڑیال بھی استعمال کرتی ہے۔ ڈھول بھی کبھی کبھی استعمال کیا جاتا ہے۔ غرض جہاں جس چیز کی ضرورت سمجھتے ہیں اور اس سے فائدہ کا یقین ہوتا ہے وہ رنجیں سیر تو کوئی چھوڑتے نہیں۔ لازمی طور پر میلے میں جاتے ہیں اور کرشن اور عیسائی ایک ہیں کا سبق سناتے ہیں تاکہ ہندو خوش ہوں۔ اس طرح مسلمانوں سے بھی اہل کتاب ہونے کا رشتہ ناطہ جوڑتے ہیں۔ اور نادان مسلمانوں کو اپنی طرف کھینچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

فصل کے دن جب بیج ڈالا جاتا ہے تو کھیتوں میں جاکر دعائیں مانگتے ہیں کہ فصل اچھی ہو۔ دیہاتی کیا چاہتا ہے اچھی فصل۔ وہ اس دعا میں شریک ہونے کے لئے جوق در جوق آتا ہے۔ دل سے شریک ہوتا ہے اور پادریوں کو اپنا بڑا ہمدرد اور اپنے کھیت کا بڑا ہی خواہ سمجھنے لگتا ہے[2] پادری اس دن بھی نہیں چوکتا۔ جس دن فصل کٹتی ہے، جاتا ہے اور اپنی دعاؤں کی اثر کی کامیابی کا چرچا کرکے ایک ایک دو مٹھی اناج لیتا ہے اور مشن کی آمدنی میں اضافہ کرتا ہے۔

پادری کا یہ طریقہ عام پروپیگنڈا کرنے کا ہے۔ لیکن ٹھوس پروپیگنڈے کے لئے وہ دوسرا وقت نکالتا ہے اس میں وہ دیہاتیوں سے ملتا ہے۔ ان کے بچوں کو گودوں سے لیکر ان کا منہ دھلاتا ہے۔ ان کی آنکھوں کے چیپڑ نکالتا پونچھتا ہے۔ پاؤں سے مٹی صاف کرتا ہے اور صابن لگا کر نہلاتا ہے اس طرح نہلا کر، صفائی کر دیتا، ان کو صابن تقسیم کرتا ہے اس سے کپڑے دھونے بھی بتاتا ہے۔ اس طرح وہ ایک ایک خاندان پر روزانہ آکر محنت کرتا ہے۔ کسی کا بچہ جنا جاتا ہے تو وہ خود دائیوں کا کام کرتا ہے۔ حاملہ کی دوائی، حمل آسانی کے ساتھ نکالنے کی ترکیب بتاتا ہے۔ کوئی بگڑی ہوئی صورت دیکھتا ہے تو خود اس کی تدبیروں میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ یوں وہ ان میں آکر ان کے دلوں کا مالک بنتا ہے۔ آہستہ آہستہ ان کو صفائی و ستھرائی کی طرف ہاتھ پاؤں دھونے کی جانب رغبت دلاتا ہے۔ روزانہ کی ہدایتوں اور کوششوں سے ان کی حالت سدھرتی ہے ذہنیت بدلتی ہے، اور وہ اپنے آپ کو ایک عمدہ اور صحت بخش حالت میں پاتے ہیں۔

اس وقت پادری پوچھتا ہے۔ تم لوگوں نے یہ بھی جانا کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے۔ کون تمہارا بنانے والا اور دنیا کی نعمتوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہ لوگ اس پادری کی جنھوں نے ان پر محنت کی تھی۔ ان کی خستہ حالی کے دور کرنے کا باعث بنا تھا۔ باتوں پر غور کرتے ہیں۔ اپنے ذہن پر زور دیتے ہیں اور ذہن کی حیثیت کے مطابق جواب بھی دیتے ہیں اور پادری کی بات کا یقین کرکے یسوع مسیح کی قدوسیت کے قائل ہوجاتے ہیں اور آہستہ آہستہ بتدریج ۴۔۵ سال میں اس قابل بن جاتے ہیں کہ ان کو پادری بپتسمہ دے اور یسوع مسیح کی بھیڑوں کے غول میں داخل کرے[3]

یہ لوگ ابتدائی طور پر اپنی طرف راغب کرنے کے لئے ہر کشش کی چیز پیش کرتے ہیں۔ خواہ وہ مذہباً ناجائز ہی کیوں نہ ہو

---

[1] چرچ مشن سوسائٹی کی ۱۸۸۲ء کی رپورٹ، [2] ایضاً [3] بنگال ۱۸۸۳ء کی سالانہ رپورٹ۔

چنانچہ عیسائیت میں زیادہ شادیاں ناجائز ہیں اور مسلمانوں میں چار شادیاں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ان کو اس ایک بڑ
کی پابندی کا خوف۔ نکالنے کے لئے اور اپنی طرف لینے کے لئے یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ تم کو شادی کرنے سے منع نہیں کر
تاکہ وہ خوش ہوں اور ان کے پھندے میں پھنسنے میں دیر نہ لگائیں۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ بنگال کے پادریوں نے بنگالی مسلمانو
کو بہکانے کے لئے یہ عام طور پر کہنا شروع کر دیا تھا کہ ہم تم کو زیادہ بیویاں کرنے سے منع نہیں کریں گے اگر تم
عیسائی ہو جاؤ گے تو ان مبلغین کو جو دیہات میں کام کرتے ہیں، تنخواہ دی جاتی تھی لیکن زیادہ نہیں۔ اٹھارہ روپے
چنانچہ بنگال کے دیہات میں تین کام کرنے والے بھیم، شام، سدھ کو بھی اٹھارہ روپے ماہوار ملتے تھے۔ اگرچہ ان کی
عیسائی بنانے کی کوششیں مہینہ دو مہینہ، سال دو سال نہیں ہوتیں بلکہ سالوں چلتی رہتی ہیں
تسلسل و تواتر کی نہیں ہوتی۔ لیکن جب موقع پڑتا ہے۔ مہینہ دو مہینہ کے بعد سال بھر کے بعد وہ اپنے شکار کو پھانس
چنانچہ ایک شخص لال سنگھ کو عیسائی بنانے کے لئے اسی صورت سے اٹھارہ سال کوشش کی گئی۔ یہ شخص جوتا
کرنے کی مزدوری کرتا تھا۔ اس کا خاندانی پیشہ اونٹ چلانا تھا۔ جب یہ اٹھارہ سال کے بعد عیسائی ہوا ہے تو پا
نے بڑی خوشیاں منائی تھیں ۱؎

گورکھپور

مشن کا یہ وسیع علاقہ ایک مشنری کے اہتمام میں ہے۔ جس کا نام پادری ایچ اسٹرن ہے۔ ۱۶۰
گورکھپور کے بڑے ضلع میں ۱۶۰ میل چوڑے اور ۳۰ لاکھ نفروں کی بستی میں یہ تنہا ایونجلسٹ (مبشر
پادری ہے۔ جو تبلیغ کے لئے جاتا ہے اور ہمیشہ خدا سے دعا کرتا ہے کہ خدا کچھ کام کرنے والوں کو بھیج۔
گورکھپور کے سکول میں جو بشارت پور اور بستی میں ہے۔ ۱۰۹۷ لڑکے اور ۳۱۰ لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ جن میں
۲۸۸ عیسائی ہیں۔ اس ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر نے بڑی محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے۔ پانچ طالب علموں نے
میں میٹرک کا شاندار ریکارڈ کے ساتھ امتحان پاس کیا ہے اور گیارہ طالب علم ورنیکولر مڈل کلاس میں پا
ہوئے۔

ان لڑکے اور لڑکیوں کے سکول کے علاوہ یتیم خانہ بھی ہے۔ نیز اور ہوشیار لڑکے اینگلو ورنیکولر سکول
پڑھتے ہیں اور دیگر طالب علم جوتے بنانے، درزی وغیرہ کی دستکاری یتیم خانہ میں سیکھتے ہیں۔ کچھ بچوں کو بشار
کے انگریزی زراعتی بستی میں زمین دے کر آباد کر دیا جاتا ہے۔ یا اس کو اسٹرن پور کی زراعتی بستی میں بھیج
جاتا ہے۔ اس گاؤں کے بارے میں مسٹر ایسٹرن لکھتے ہیں۔

۱۸۸۳ء میں خدا کی دعاؤں کے واسطے اسٹرن پور میں ایک گرجا ۲۷ دسمبر کو سنٹ جون ڈے
کو قائم کیا۔ اس مشن کی تاریخ میں یہ دن یادگار رہے گا۔ دو سال قبل یہاں گنجان جنگل تھا۔
یہاں اب عیسائیوں کی بستی ہے۔ دوران سال میں اس میں آٹھ بڑے مکان بنائے گئے اور اب یہاں
سولہ کے قریب گرجے ... ہیں۔ گرجے سے دو اسکول روم بھی ملحق ہیں۔ چھ سو دیسی عیسائیوں نے اس

۱؎ چرچ مشن سوسائٹی کی ۱۸۸۳ء کی رپورٹ ۲؎ ایضاً ۳؎ بنگال ۱۸۸۳ء کی سالانہ رپورٹ

افتتاحی رسم میں حصہ لیا۔ یہاں عیسائیوں نے گرجے کو سجا رکھا تھا۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے کئی بار دعائیں کی گئیں۔ اس علاقہ کے مجسٹریٹ مسٹر کینیڈی جو ایک مشنری کے بیٹے ہیں۔ اس موقع پر موجود تھے۔ دعا کے بعد اور دوسری کی دعائیں ہوئیں۔ اس کے بعد لوگ عیسائی بنائے گئے اور تین بچوں کو عیسائی مذہب میں داخل کیا گیا۔ جو اس بستی میں پہلی فصل تھی۔ ایک لڑکا دس سال کا تھا اور دو بہت چھوٹے کچھ دنوں کے پیدا شدہ بچے تھے۔ اس کے بعد دو قسم جوڑوں کی شادیاں ہوئیں۔ جو ابھی گاؤں میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کے بعد نہایت لذیذ کھانا کھایا۔ پھر آتشبازی چھوٹی۔ اس یوم میں قریب کے گاؤں کی کافر آبادی نے بھی حصہ لیا۔ دوران سال میں جو عیسائی بنائے گئے۔ اس کے بارے میں مشن اسکول کی حسب ذیل شہادت پیش کی جاتی ہے۔

مشن میں تیرہ شادیاں ہوئیں۔ چودہ فوت ہوئے اور ۳۸ عیسائی بنائے گئے۔ ان میں تین بڑی عمر والے تھے۔ ان تین میں ایک کائستھ بھی تھا۔ جو گورکھپور کا باشندہ تھا۔ اور مشن اسکول گورکھپور کا طالب علم بھی رہ چکا تھا اور بہت عرصہ تک وہاں کے رائج اسکول میں پڑھاتا بھی رہا۔ اس کے دل پر عیسائیت کا اثر بہت عرصہ پہلے پڑ چکا تھا۔ مگر اس نے اپنا مصمم ارادہ گزشتہ سال ظاہر کیا اور عیسائی ہو گیا۔ جو اب جمال پور میں ٹیچری کا کام کرتا ہے اس کا بڑا بھائی بھی دو سال ہوئے عیسائی ہو چکا تھا۔ اپنی زندگی کے پہلے دور میں اپنے بڑے بھائی کی طرح بڑا گناہ گار تھا۔ عادت شنیعہ سے جب یہ بیماریوں کے چکر میں پھنسا تو اس نے عیسائی بننے کا فیصلہ کیا۔ ان مصیبتوں کے ایام میں گرجا گھر گیا اور میں نے اس کی صحت کے تندرستی کے لئے دعا مانگی اور میں نے اس سے کہا کہ ایک لاپرواہ، فضول خرچ اور بے بہرہ بچے کی طرح اب بھی تم اپنے باپ کے گھر آجاؤ اس نے قسم کھائی کہ میں بچ گیا اور زندہ رہا تو عیسائیت کا صاف اعلان کروں گا۔ اس کے وعدہ کے کچھ دن بعد ہی وہ صحت یاب ہو گیا۔ تندرستی کے بعد ابتدائی تعلیم پا کر محبت کے ساتھ عیسائی بن گیا۔

عیسائی بننے کے وقت اس نے بہت سے کافروں کے سامنے اپنی تمام زندگی کی کہانی سنائی اور اس نے بتایا کہ میں کیوں عیسائی بن رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں کافی عرصہ سے عیسائی بننے کے خیال میں تھا لیکن اس بیماری میں عیسائیوں کی دعا کی پاکیزگی و اثر نے میرے دل کو موہ لیا۔ اسی دن میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں عیسائی بن جاؤں۔ مجھے انتہائی خوشی ہے کہ اب میں عیسائی بن گیا۔

دوسرا آدمی ایک بہت چھوٹی ذات کا ہے۔ یہ شخص ایک تیل کے بیوپاری کے خاندان میں نوکر ہو گیا اس کے گھر کی مالکہ اس پر خاص مہربان تھی۔ اس نے اس کو تھوڑی بہت انگریزی سکھائی۔ یہاں وہ اس کو اسکاٹ لینڈ لے گئی۔ جہاں وہ ایک سال رہا۔ اس کے خاندان میں مذہبی خیالات کے سخت لوگ تھے۔ گھر کی مالکہ نے اس کو عیسائیت کی دعائیں سکھائیں۔ وہ ہر اتوار اور دوسرے دنوں میں بچوں

ایکدن دوسرا انگریزی خاندان
کے ساتھ گرجا گھر جایا کرتا تھا۔ بہت عرصہ تک اس نے اپنے مالک کو کچھ نہیں بتایا۔ یہ خاندان گورکھپور سے ۵۴ میل کے فاصلہ پر آباد
جو انگلینڈ سے ہندوستان آرہا تھا۔ اس نے اس کو ملازم رکھ لیا۔ اس وقت
ہے۔ میں نے اس سے ملاقات کی اس موقع پر کی جبکہ اس خاندان کے ایک ایک بچے کو بپتسمہ دیا جاتا تھا۔ اس
اس نے بھی عیسائی بننے کی خواہش کی۔ اس کے مالک نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کو ابتدائی تعلیم کے لئے
گرجا بھیجنے کا وعدہ کیا۔ پچھلی نومبر میں یہ ہمارے پاس آیا اور تعلیم کے بعد عیسائی بنایا گیا۔ عیسائی ہونے کے بعد
وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس کی آخری خواہش پوری ہوگی۔
گورکھپور سے ایک شخص آیا۔ جس نے اپنے سارے خاندان کے ساتھ عیسائی بننے کی تمنا ظاہر کی۔ مگر میرے
دل پر اس کی بات کا اعتماد نہیں ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ کسی دوسرے مشن میں عیسائی ہوگیا ہے۔ یہ شخص
بھی ہمارے اسکول کا طالب علم تھا اور بیس سال سے ہمارے گرجا میں آمد و رفت رکھتا تھا۔
اس کی بیوی نے اس کی مخالفت کی۔ وہ ویدانتی تھی اور مذہب سے انکار کرتی تھی۔ اس کو اس کے خاوند نے
بہت سمجھایا اور مجبور کیا کہ وہ عیسائی ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ وہ اپنے خاوند
کی مرضی کے سامنے جھک جائے۔"
بہت سے لیکچر لکھنؤ کے بابو رام چندر بوس نے انگریزی میں بھی دئے۔ جن میں بہت سے لوگ شامل ہوئے
لوگ معلومات کے خواہشمند نظر آتے تھے۔ لیکچر کے بارے میں اسٹرن صاحب لکھتے ہیں:۔
ایسے لیکچر وقتاً فوقتاً بہت ضروری ہیں۔ اگر ہم ہندوستانی لوگوں کو اپنے اندر شامل کرنا چاہتے ہیں تو
ایسے لیکچروں کا بندوبست ہونا چاہیئے۔ جن میں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جو تعلیم یافتہ اور قابل ہوں اور
جن پر کسی قسم کا بار نہ ڈالا جائے۔ ہندوستانی تعلیم یافتہ لوگوں کے دماغ تیز اور بڑے چست ہوتے ہیں اگر
ان کے دل و دماغ پر عیسائیت کے اصولوں کا اثر ڈالا جانا ضروری ہے تو ان کے سامنے دماغی قابلیت کے عیسائی
کو پیش کیا جائے۔ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں پر کرنل السکاٹ کی روحانیت اور عیسائیت کے خلاف تعلیم کا زبردست
اثر ہے۔ ہندوستانی دماغ بڑا منطقی اور باریک بین ہوتا ہے۔ ان کے سامنے مذہب کی موٹی شکل میں پیش
کرنا بے کار ثابت ہوتا ہے۔ میرے پاس بہت سارے تعلیم یافتہ ہندوستانی آتے ہیں۔ جن پر موسیقی کا بہت
اثر ہے۔ جن کا عقیدہ ہے کہ موجودہ دور میں نئے مذہب کی سخت ضرورت ہے جس میں سب مذاہب کے
لوگوں کو شامل ہونا چاہیئے۔
اس اسٹیشن کا کام دو مرکزوں سے کیا جاتا ہے۔ ایک دیسی عیسائی کے گاؤں میور آباد جو سر ولیم

الہ آباد میور کے نام پر ہے۔ دوسرا دیسی عیسائیوں کی بستی میں ہے۔ اس حلقہ کے انچارج پادری دیوٹ
موہن ہیں جن کو پادری رحیم بخش کی مدد حاصل ہے۔ یہ اپنا عیسائی اسکول بہت عمدگی سے چلا رہے ہیں اور اس
کے ساتھ اور مشنری کام بھی انجام دیتے ہیں۔

سینٹ پال ڈیوینٹی سکول پادری ڈبلیو ہوپر اس کے پرنسپل اور وائس پرنسپل مسٹر ہیکڈ ہیں۔ ان کو دیسی عیسائی مدرسوں اور عیسائی مولویوں سے بھی مدد ملتی ہے جو عربی سکھاتے ہیں سنسکرت سکھانے کے لئے بھی پنڈت مقرر ہے اس اسکول میں تعلیم پانے والے لڑکے ۲۷ تھے۔ تمام مذہبی تعلیموں کا ذریعہ دیسی زبان ہے۔ یہاں عیسائیوں کو بھی تعلیم دی جاتی ہے۔

ڈاکٹر ہوپر مدرسہ کی تعلیم کے اثر کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"اس ملک میں عیسیٰ مسیح کے اصولوں کو پھیلانے والے لوگوں کا اثر آہستہ آہستہ عوام میں بڑھتا جاتا ہے۔ عیسیٰ مسیح کا پیغام ان کے دلوں سے دماغوں تک پہنچ رہا ہے۔ ان ہندوستانی کافروں میں کچھ پڑھے لکھے منطقی لوگوں کے علاوہ دوسرے غیر عیسائی لوگ عیسائیت کی تعلیم اور رس بھرے گانوں سے کھنچے چلے آتے ہیں اور ہمارے پیغامات وتعلیم کا زبردست اثر ہو رہا ہے۔ اس واسطے مذہبی تعلیم کا معیاری واعلیٰ ہونا اتنا مفید نہیں ہے جتنا ہمیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ہم عیسائیت کے پیغامات کو ان کے دلوں کی گہرائیوں تک پہنچا دیں۔ ہمارے یہاں بہت سے غیر عیسائی لوگ دوست ہیں۔ جو ہمارے مذہب کو خوب سمجھ گئے ہیں۔ ہماری دعاؤں اور دوسرے کاموں میں شامل ہوتے ہیں۔ اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ جو لوگ عیسائی گانے نہیں سیکھنا چاہتے انھیں نہیں سکھائیں گے۔ اور اس کی جگہ ان کو دوسری تعلیم دیں گے۔ یہ بھی بندوبست کر رہے ہیں کہ جو طالب علم کھیل کود گانے اور مذہبی تعلیم میں سالانہ امتحانات کے نتائج میں اچھے نمبروں سے پاس ہوں۔ ان کو وظیفے دیں۔ گانا ہندوستانی ساز وسامان کے ساتھ سکھایا جاتا ہے اور ولایتی گانا اور ولایتی تعلیم خاص طور پر خود دیتے ہیں۔ یہاں بہت سے طالب علم شادی شدہ ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ جس سے اچھا اور مفید نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بچوں اور بیوی کے دلوں میں بھی مشنری کاموں کا اثر اور نیک کاموں کی طرف رغبت وکشش پیدا ہوتی ہے اور محبت کے جذبات ابھرتے ہیں۔

طالب علموں کی میٹنگز پیر کی دوپہر کو پرنسپل صاحب طالب علموں کی ایک میٹنگ میں گئے جہاں حساب اور خدا کی سلطنت اور دنیا کی ہر دلعزیزی کا دل چسپ پیرایہ میں خاکہ پیش کیا گیا۔ یہ میٹنگ عیسائی گاؤں کے ارد گرد کے علاقوں میں کی جاتی ہے۔ جہاں عیسائی اور دوسرے لوگ خاصی تعداد میں شامل ہوتے ہیں۔ اس سال جاپان اور ایشیا میں ہونے والی مشنری کے کاموں سے ہم نے ان کو آگاہ کیا۔ میٹنگ کے بعد اہم سیاسی خبریں اور بحث ومباحثے بھی ہوئے۔ عوام کے بہت سے عجیب وغریب خیالات توہمات اور ناواقفیت کو دور کیا گیا۔ ہم عوام کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ سیاسیات اور خدا کی باہمی سلطنت کا باہمی تعلق کیا ہے۔ جمعرات کی دوپہر کو پرنسپل صاحب نے اس علاقہ میں خدا کی سلطنت کی کامیابی کے لئے دعا مانگی۔ جمعہ کو ایک اور دعا کی میٹنگ کی۔ اس میٹنگ میں خاص طور پر لوگوں کو موقع دیا گیا کہ وہ اپنی اپنی دعائیں لکھ کر لائیں۔ اس میں ضرورت کے مطابق ترمیم کر دی گئی اور لوگوں کی روحانی شخصیت

کو ترقی دینے اور عیسائیت کے دائرے میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کوشش کس طرح کی جاتی تھی۔ اس کے بارے میں رپورٹ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔

طالب علموں کے رشتہ داروں کو مذہبی تعلیم پرنسپل صاحب نے طالب علم کی بیوی اور بہنوں کے لئے بائیبل کی جماعت کی ابتدا کی ہے۔ ہفتہ میں ایک بار ماؤں کی میٹنگ کی جاتی ہے جہاں انھیں کچھ دلچسپ مضامین اور بائیبل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہم نے بچوں کی بائیبل یونین بنا رکھی ہے جہاں بچے آتے ہیں اور اُن کے ذہن میں بائیبل کی ابتدائی تعلیم اتاری جاتی ہے۔ بچوں اور ماؤں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے روزانہ کام کے علاوہ بائیبل پڑھا کریں۔ بائیبل کی جماعت میں پرنسپل صاحب سے سوال وجواب کئے جاتے ہیں۔ خاص طور پر انجیل کے اُن حصوں کے بارے میں پوچھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ جو اُنھوں نے ہفتہ میں مطالعہ کئے تھے۔ اس سے لوگوں کے دلوں میں بائیبل کے مسائل سے دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ عموماً یہ سوالات بہت دلچسپ ہوتے ہیں۔ جن سے دیسی عیسائی عورتوں کے فطری رجحان کا اظہار ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ جو کام اس وقت انجام دیا جاتا ہے وہ یہ کہ روزمرہ کی عورتوں کی گھریلو تکلیفوں کے دور کرنے کے ذرائع پر غور ہوتا ہے۔ اور تجویزیں طے ہوتی ہیں۔

طالب علموں کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو بائیبل سکھانے کی کلاسیں لگتی ہیں۔ اس کی انچارج ایک نیک اور عیسائی عورت ہے۔ جو کہ ایک اسکول کے ملازم کی بیوی ہے۔ یہ کلاس پرنسپل صاحب کے گھر کے برآمدہ میں لگائی جاتی ہے۔ اس کی نگرانی پرنسپل صاحب کی بیوی کرتی ہیں۔ اس کلاس کا بچوں پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور بچے دماغی طور سے ترقی کرتے ہیں۔ اس سے بچوں کے اندر ڈسپلن کا مادہ بھی پیدا ہوتا ہے۔

ایون جلسٹ کام کے بارے میں پرنسپل صاحب رپورٹ کرتے ہیں:۔

خاص کوشش وائس پرنسپل نے سارے اسکول کی طرف سے ۲ جنوری سے ۲۴ جنوری تک ہونے والے ماگھ کے میلے کے لئے جو جمنا اور گنگا کے سنگم الٰہ آباد میں ہوتا ہے، خاص پروگرام تیار کیا ہے۔ کمبھ کے میلے پر دور دور سے بڑی بھاری تعداد میں یاتری آتے اور جمع ہو جاتے ہیں۔ اس نادر موقع کے لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کو نہ کھویا جائے۔ چنانچہ اسکول کی تعلیم کتابی بند کر دی گئی اور تمام مدرس و طالب علم میلے کے تبلیغی کام کے لئے وقف کر دئے گئے۔

مسلسل تبلیغ منگل اور جمعہ کو طالب علم اور اُن کے استاد اور دو پادری پرنسپل صاحب کی مدد کرنے کے لئے پانچ علیحدہ علیحدہ مقامات پر تبلیغ کے لئے بھیج دئے گئے اور دو دو تین تین کی ٹولیاں نو عیسائی لوگوں کے پاس الٰہ آباد ملاقات کرنے کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ جس کا بہت اچھا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اس سے نو عیسائیوں اور طالب علموں کے باہمی تعلقات پیدا ہوتے اور استوار ہو جاتے۔ واقفیت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ ہم اس علاقہ میں بہت خاموشی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

ہم نے ایسی اسکیم تیار کی ہے کہ جس کے مطابق اس جگہ کئی کئی عنوانات و مسئلوں پر لیکچر دیے جائیں۔ پہلے ایسا ہوتا تھا کہ ایک ہی مذہبی مسئلہ و عنوان پر بار بار کافی دیر تک تقریروں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

جانکی داس صبح کے وقت ہر روز شہر میں عیسائیت کے عنوان پر بولتے تھے۔ چونکہ یہ ایک پکا برہمن ہے یہ عیسائیت کے فلسفہ کی مہارت حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر اس کے برہمن ہونے کا بھی بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔ عام لوگ چونکہ برہمن کو عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے ایک مذہبی واعظ کی حیثیت سے قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

وائس پرنسپل صاحب اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں :-

۲ جنوری کو ہم نے تبلیغ کا کام شروع کیا اور ۲۴ جنوری تک ہم اسکول سے غیر حاضر رہے۔ ہماری پارٹی میں سولہ آدمی تھے۔ جن میں ایک مولوی اسسٹنٹ ٹیچر، عیسائی پنڈت اور گیارہ طالب علم اور ایک گول پورٹر تھا ہم پرانے عیسائی طریقہ "پٹیارکل" کی طرح ٹٹوؤں میں رہے اور اپنا سارا سامان اونٹنیوں پر لاد کرتے جاتے رہے۔ آگے آگے کیتھیچٹ (سائل مبلغ) پیدل یا گھوڑے پر چلتا تھا۔ میں اور میری بیوی بچے گاڑی پر چلتے تھے۔ ہمارا روزانہ کا پروگرام یہ تھا۔

دیہاتی تبلیغ ساتھ بجے ہم دعا مانگتے۔ میں اونٹوں کو تیار کرنے کے لئے پیچھے رہ جاتا۔ ہم روزانہ چار میل سے زیادہ نہیں چلتے تھے، تھوڑے تھوڑے فاصلے کے مقامات پر ٹھہر جاتے تھے اور یہاں سے پھر آس پاس کے گاؤں میں پھیل جاتے۔ ایک بجے تنبو لگا دیتے تھے اور اپنا کھانا تیار کرتے تھے۔ دوپہر کو کھانا کھانے اور آرام کرنے کے بعد طالب علم آس پاس کے گاؤں میں پہلے جاتے وہاں مل کر دعائیں مانگتے جب وہاں سورج غروب ہو جاتا تو ہم جادو کے لیمپ سے تصویریں دکھاتے۔ سب سے پہلے ہم دیسی طرزوں کے عیسائی گانے گاتے اس کے بعد عیسیٰ مسیح کی پیدائش کی تصویریں دکھاتے اور طالب علم ان کی تاریخ بیان کرتے پھر بھجن گاتے اور عیسیٰ مسیح کی زندگی کے بارے میں اور تصویریں دکھاتے اور بھجن کے بعد عیسیٰ مسیح کی موت اور دوبارہ زندہ ہونے کا واقعہ سنایا جاتا اور اس کی معجزانہ حیثیت کی وضاحت کی جاتی۔ ہم اس بات کا خیال رکھتے کہ کوئی فضول بحث نہ چھڑ جائے۔ ہم اس بات کا خیال رکھتے تھے مگر اس کے باوجود بحث و مباحثہ سے کبھی نہ کبھی دو چار ہو جاتے تھے۔ جب کبھی بحث ہوتی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ لوگوں کی تعداد بڑھ جاتی تھی اور لوگ بڑے غور و خوض سے کان لگا کر مباحثہ سنتے تھے۔

ہم سب پھول پور گئے اور یہاں سے دو ٹولیوں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک ٹولی وائس طرف میرے ساتھ گئی اور دوسری ٹولی جون بسنٹ کے ماسٹر کے ساتھ چلی گئی دو ہفتوں کے دورہ کے بعد ہم الٰہ آباد سے کچھ دور ایک جگہ ملے ان تینوں ہفتوں کے دوران میں ہم نے چار سو گاؤں اور بارہ سو آدمیوں میں تبلیغ کی جس کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ مشکل ہے۔

اس موقع پر ایک نوجوان راجپوت امیدوار کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو آریہ سماج کا ممبر ہے اس نے لوگوں

کے سامنے کہا کر :-

"وہ یہ ثابت کر سکتا ہے کہ وید جھوٹے ہیں وہ میرا اپکا دوست بن گیا ہے وہ جب کبھی الہ آباد آتا ہے تو مجھ سے ضرور ملتا ہے۔ آج کل وہ دنیاوی دھندوں میں پھنسا ہوا ہے اپنے مذہب سے اس کو کوئی واسطہ نہیں۔

ماگھ میلے کے موقع پر ٹھیک ہم گنگا جمنا کے سنگم پر پہنچ گئے اور ندیوں کے دہانے پر شامیانے لگا دیے گئے۔ یاتری لوگ بڑی تعداد میں ہمارے پاس آنے جانے لگے۔ ہم ان کو بٹھاتے ان کے آرام و عزت کا خیال رکھتے اور خوش آمدید کہتے۔

ہندو پنڈتوں نے اپنی مذہبی کتابوں کو ہمارے سامنے پڑھا اور ان کا مطلب بیان کیا۔ ان میں ایک کتاب پریاگ مہاتوریہ (پریاگ کی اہمیت) پر جو سنسکرت کی بڑی مشہور کتاب ہے۔ وہ بھی پڑھی گئی۔ الہ آباد کے تمام پروٹسٹنٹ مشنریوں کے تنبو بھی ریت میں لگے ہوئے تھے پادری اور کیچسٹ آکر تبلیغ کرتے تھے آریہ سماجیوں نے بھی ہماری نقل میں تنبو لگا کر کام شروع کیا ہے۔

اس موقع پر تبلیغ کا کیا اثر ہوتا ہے۔ یہ بتانا مشکل ہے کیونکہ ہم اس موقعوں کو بیج ڈالنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جس کے پھل کی امید آئندہ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

مناظرہ سوسائٹی میں نے ہوپر صاحب سے طالب علموں کو بحث و مباحثہ سکھانے والی جماعت کی اجازت لے لی۔ بازار وغیرہ میں ہمارے مناظر عام اعلیٰ بحثوں کے نکتوں اور باریکیوں کو نہیں سمجھتے اور اطمینان بخش جواب نہیں دے سکتے۔ میں نے یہ محسوس کیا کہ تبلیغ کے لئے صرف نکتہ چینی اور تنقید ہی ضروری نہیں۔ بلکہ ہمیں مباحثوں کے لئے بھی چاق و چوبند اور چوکنے اور حاضر جواب ہونے کی ضرورت ہے۔ جس کی تعلیم ضروری ہے۔

ہماری مناظرہ سوسائٹی کا مقصد بھی یہی ہے۔ کئی مرتبہ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ ان مباحثوں کا ہمارے خلاف الٹا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ان موقعوں پر یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ کیا کمزوریاں ہیں جن کو دور کیا جائے اور وہ کیا گر ہیں۔ جن سے لیکچر و اعتراض میں دلچسپی اور مقبولیت پیدا کی جائے ہمارے مناظر صرف دیسی عیسائیوں کی میٹنگ میں بولنے کی قابلیت و لیاقت رکھتے ہیں۔ مجھ کو خوشی ہے کہ ہم نے بحث و مباحثے کرنے کی تعلیم دینے کی کلاسوں کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔

مناظرہ کی تعلیم بحث و مباحثہ کرنے کی تعلیم ہم اس طرح دیتے ہیں۔ ایک دعا کے بعد ہم اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ سب سے پہلے ایک طالب علم اپنا منتخب مضمون پڑھتا ہے۔ اس کے بعد دو طالب علم اس پر اعتراضات کرتے ہیں۔ پھر سلسلہ وار تمام جماعت بحث و مباحثہ کرتی ہے ہر ایک ممبر کو کوئی نہ کوئی اعتراض کرنا پڑتا ہے۔ جس کے لئے پانچ منٹ مقرر ہوتے ہیں اب ہم نے ان عنوانات پر بحث کی ہے۔

(۱) مناظروں میں اعتراضوں کا جواب کس طرح دینا چاہیے۔
(۲) غیر عیسائیوں کے اعتراضات کیا ہوتے ہیں ؟
(۳) غیر عیسائیوں میں روحانی ترقی کیونکر ہو ؟
(۴) غیر عیسائیوں میں مذہب کو ترویج کس طرح کی جائے ؟

ان مضامین پر بحث و مباحثے بہت اچھے اور مفید ہوتے ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اس میں ہمیں کامیابی ہوئی۔ بہت عرصہ سے اس بات کی ضرورت محسوس کرتا رہا ہوں کہ اچھے پڑھے ہندوستانیوں میں تبلیغ کے لیکچروں کا انتظام ہونا چاہیے۔ جو افسوس سرمایہ کی کمی کی وجہ سے پوری نہیں ہوتی۔ ہم نے الہ آباد کے پڑھے لکھے اونچے طبقہ کے پلیڈر، بیوپاری، کلرک اور انگریزی جاننے والے لوگوں پر کوئی توجہ نہیں دی ہے۔ ہم اگر ان میں عیسائیت کی تبلیغ کریں تو کامیابی لازمی ہے۔ ہمیں اس کام کی طرف توجہ دینی چاہیے۔

آگرہ آگرہ میں مشنری کام دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں وسیع پیمانہ پر ہوتا ہے۔ یہاں مشنری کام کی دو شاخیں ہیں۔ ایک تعلیم اور دوسری ایونجلسٹ۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے معین و مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ دیسی عیسائیوں کو ہدایت دینے اور پروگرام بنانے کی ذمہ داری بھی ان شاخوں کے انچارج پادری سی جی ڈوبل پر ہے۔ اس علاقہ آگرہ اور گرد و نواح کے علاقوں میں دس لاکھ سے زیادہ آبادی ہے۔ یہاں کا اسٹاف آگرے کے چاروں میں کالج اور اسکول کے ذریعہ تعلیم دیتا ہے۔ گلیوں میں جاکر عیسائیت کے اصول سُناتا ہے۔ میلوں میں جاتے اور موسم سرما میں دیہاتوں کا گشت لگاتے ہیں۔

"بہت دنوں کے بعد پانی پر پھینکی ہوئی روٹی ملے گی" کے مقولہ پر حسب ذیل واقعہ ہے۔ جس کو پادری سی جی ڈوبل لکھتے ہیں۔

"پچھلے سال دسمبر کے مہینہ میں جب ہم بھم کی طرف میسیر کو جا رہے تھے تو ایک جگہ قیام ہوا۔ پچھلے سال یہاں کے لوگوں نے مذہبی لیکچروں کو اچٹتے ہوئے دل سے سُنا اور کوئی توجہ نہیں دی۔ بلکہ یہاں کے افسران نے بھی ہماری مخالفت کی۔ ابھی پچھلے ہفتہ جب ہم یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں سے تمام بڑے بڑے افسران تبدیل کر دیئے گئے ہیں جب میں بازار میں جا رہا تھا تو اچانک مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ علاقہ کا بڑا پروفیسر آپ کو یاد کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا خیال ہے کہ آپ اس کے بڑے واقف ہیں۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے بہت آؤ بھگت کی اور بڑی محبت کے ساتھ ملا اور مجھ کو یاد دلا دیا کہ ۲۳ سال ہوئے کہ وہ میرے پاس ملاقات کے لئے بہت آیا کرتا تھا۔ وہ جے نرائن اسکول بنارس میں پڑھتا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے یاد آیا اور پہچان گیا کہ یہ وہی باتونی

لڑکا تھا جو کئی بار میرے پاس آیا۔ ۲۳ سال پہلے کے ایک منتر والے مکان کی بھی یاد آگئی۔ جہاں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اب یہ لڑکا بڑا آدمی اور بڑا افسر ہو گیا۔ اس نے میرا شکریہ ادا کیا کہ بچپن میں آپ اس پر بہت مہربان تھے۔ جب اس کو معلوم ہوا کہ میری بیوی میرے ساتھ آئی ہے تو اس نے اس سے ملنے کی خواہش کی۔ میں نے اس کو بتایا کہ وہ بیماروں میں دوائی تقسیم کرنے کا کام کر رہی ہے۔ جس کے لئے اس نے ہم کو ایک بڑی رقم خیرات کی دی۔ اگلے دن وہ ہمارے تنبو میں آیا۔ چلتے وقت اس سے خواہش کی۔ آئندہ دورہ پر آئیں تو میرے ہاں ٹھہریں اور دعا کا طالب ہوا۔

ایک دوسری جگہ کوراگرمہ میں ایک دیسی مسلمان افسر سے ملاقات ہوئی جو میرے پیارے دوست وینیں پادری کا شاگرد تھا۔ اس سے بھی ہماری بہت دلچسپ باتیں ہوئیں۔

عیسائیوں کی مخالفت جہاں ایک طرف دیسی سرکاری افسران ہمارے مشنری کاموں کے بہت خلاف نظر آتے ہیں۔ تو دوسری طرف یہ دیکھ کر بھی حوصلہ افزائی ہوتی ہے کہ اُن کے درمیان ایسے بھی لوگ ہیں جو ہمارے خیالات کے ہیں اور عیسیٰ مسیح کی تلاش میں ہیں۔

عورتوں میں تبلیغ عورتوں کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

"میں خدا کا بے حد شکر گزار ہوں کہ میری بیوی عورتوں میں بائیبل کی تبلیغ کے لئے ہمارے دورے میں بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ جب ہم دیہاتوں میں گزرتے تو میں دیکھتا ہوں کہ کس طرح ان کو غریب مفلس دیہاتی عورتیں گھیر لیتی ہیں۔ پہلے یہ ڈرتی اور خوف زدہ ہوتی ہیں بعد میں یہ سہمی ہوئی نزدیک آتی ہیں۔ بہت سی عورتیں پہلے پہل دیکھ کر بھاگتی ہیں۔ کیونکہ ان کو اُمید نہیں ہوتی کہ کوئی شریف گھر کی عورت ان کے پاس آکر اُن کے ساتھ ہمدردی کر سکتی ہے یا بھلائی کر کے دکھا سکتی ہیں۔

چماروں اور بھنگیوں میں تبلیغ دو سال کے اندر ہم نے چماروں اور مہتروں میں اپنا کام تیز کیا اس کی رفتار بڑھائی۔ ان کے پاس ہم بھجن گا کر اور ایک گھر سے دوسرے گھر تک ملاقات کے ذریعہ بائیبل کے پیغامات پہنچاتے تھے۔ مسٹر ڈوبل نے اپنی مددگار عورتوں کے ساتھ عورتوں کے اندر کام شروع کر دیا ہے۔ نو عیسائی بنانے کے متعلق وہ بیان کرتے ہیں کہ "اس سال ہم نے پانچ عیسائی بنائے۔ سب سے پہلے ایک مسلمان ہمارے پاس آیا۔ جبکہ ہم دورہ کر رہے تھے۔ یہ دیسی فوج میں مصر بھی ہو آیا تھا۔ جسے جہینوں کی مذہبی ہدایات اور تعلیم کے بعد ایک دیسی پادری نے اُسے عیسائی بنایا۔ دوسرا شخص ابراہیم مسلمان تھا۔ اس نے ہمارے ڈیوینٹی اسکول میں داخلہ کی کوشش کی۔ لیکن یہ اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں اطمینان بخش حالات نہ بتا سکا۔ اس لئے اس کے بارے میں کافی شک ہے اور ہم اس کی سابقہ زندگی کے بارے میں پڑتال

کر رہے ہیں اس کے بعد داخلہ کا فیصلہ ہوگا۔ ایسے تجربے بڑے تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ مگر بعد میں جب "خدائی نور" دلوں تک پہنچ جاتا تو خوشی بھی ہوتی ہے۔ دو مہتروں کو بھی ہم نے تعلیم کے بعد بپتسمہ دیا (یعنی عیسائی بنایا) اس میں ایک عورت بھی ہے۔ جو میری بیوی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ یہ بہت کمزور عورت ہے جو دائم المریض ہے۔ پچھلے دنوں میں نے اس کے قابلِ رحم حالات کو سنکر فیصلہ کیا ایسے ضرورتمند کو عیسائیت کے فیض سے محروم نہیں کرنا چاہیئے۔ حالانکہ اس کے خلاف کئی باتیں پائی جاتی ہیں۔

عورتوں کے اسکول مس ایلوانگر چار شہروں میں اسکولوں میں کام کر رہی ہیں۔ ان میں تین سکول لڑکوں کے ہیں اور ایک مسلمان لڑکیوں کے لئے ہے۔ یہ تینوں اسکول ہندوستانی عورتوں میں تعلیم پھیلانے کا بڑا ذریعہ ہیں۔ مسٹر ایلوانگر رپورٹ دیتے ہیں کہ عیسٰی مسیح کے حکموں کی سچائی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے دنیا متمتع ہوتی ہے

سینٹ جون کالج اور عیسائی لڑکوں کا اسکول سال کے آخر میں پادری سی جی ڈوبل ولایت جا چکے ہیں۔ وہ ۱۸۶۰ء سے سوسائٹی کا کام کر رہے تھے۔ ان کی رپورٹ تو نہیں آئی۔ مگر ان کی پچھلی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشنری سکولوں اور کاموں کے بارے میں کامیابی کا اظہار کرتے ہیں کہ اب عیسائیت کی صداقت ہندوستانیوں کے دل و دماغ اور گھروں میں پہنچ رہی ہے۔ ہمارے طالب علموں میں سچائی کا نور چمک رہا ہے اور جن کے پاس ہم نہیں پہنچ سکتے تھے۔ وہ خود ہمارے پاس آ رہے ہیں ان کے جانشین جی اے پارجیز مقرر ہوئے ہیں۔ ان کے مددگار پادری ایچ لوئیس اور پادری اے ایچ رائٹ بنائے گئے ہیں۔

سکندرہ سکندرہ کے یتیم خانہ میں ۲۰۶ لڑکے اور ۲۱۰ لڑکیاں پرورش پاتے ہیں۔ پادری جے ارہاٹ اس کے انچارج ہیں۔ ان کے ماتحت انکی لڑکی مس شلڈ، مس، مس تلک، مس وہال، ان کے علاوہ ایک اور بڑا مدرسین کا اسٹاف ہے۔ جو تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیتا ہے۔ جن میں دو اندھے مدرس بھی ہیں۔ ان تعلیمی اداروں کو چندہ کی فراہمی کی مصیبت کے علاوہ قدرتی سزاؤں کے ساتھ انھیں سوسائٹی کا کارآمد ذمہ دار ممبر بننے کی تعلیم بھی دینی پڑتی ہے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہوئے اپنی زندگی چلانے کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں۔ ان کی باہمی شادیوں کا انتظام بھی کیا جاتا ہے۔

اس سال قرب و جوار اور سکندرہ میں ہیضہ پھیلنے کی وجہ سے اس ادارہ کا خاص کام نہ ہو سکا۔ یہاں مختلف صوبوں سے یتیم آتے ہیں۔ جن کو حکومت دو روپے ماہوار وظیفہ دیتی ہے اُمید ہے کہ یو۔ پی حکومت ہر مدد ان کی جاری رکھے گی۔ اس سال تمام چھوٹے چھوٹے یتیم خانوں کے بچوں کے لئے

ایک مرڈا مرکز سکندرہ کا یتیم خانہ بن گیا۔ جس کا مقصد محنت بھاگ دوڑ اور اخراجات کم کرنا ہے۔

کاشتکاری سکھانا

یتیم خانے کے بچوں کو مانڈلہ بھیجا گیا۔ جہاں ایک ایسٹ انڈین نے انھیں کاشتکاری سکھانے کا ذمہ لیا۔ انکو اس میں کامیابی نظر نہ آئی تو ایک ماہ کے بعد وہ بچے سکندرہ واپس بھیج دیے گئے۔ اُن میں سے دو بڑے بچے باغبانی سیکھ رہے ہیں اور باقی اسکول جا رہے ہیں۔ بہت سے بچے ہندی کی تعلیم پاتے ہیں۔ پادری صاحب کا کہنا ہے کہ ان کو اس میں ہوشیار بنا کر آہستہ آہستہ پریس کمپوزنگ بھی سکھانا چاہتے ہیں۔ بچے بہت ذہین ہیں۔ تابعدار، پڑھنے سے ذوق رکھنے والے ہیں اور خاص طور پر لڑکیاں لکھنے پڑھنے میں خاص شوق کا ثبوت دیتی ہیں۔

متھرا اور برندابن

یہ ہندو دھرم کے دو زبردست گڑھ ہیں۔ جہاں کہ مسز رینکر ریذیڈنٹ مشنری کام کرتے ہیں۔ بندرابن اور متھرا ایسے گڑھ ہیں۔ جن کے خلاف ہم اپنی طاقتوں کو مجتمع کرنا چاہتے ہیں۔ فی الحال اس علاقہ میں ہمارا مشنری کام فوجی چوکی سے مشابہ ہے۔ نتیجہ کچھ نہیں ہے۔ اس علاقہ میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ جیسا کہ مسٹر رینکر کی رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے۔

کٹر ہندو

"مغربی تہذیب سے بالکل بے بہرہ متھرا کا علاقہ اتری بھی علاقوں سے بھی گیا گزرا ہے۔ جس کی وجہ مشنری کاموں میں بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم نے ابتدائی کام یہاں شروع کیا ہے۔ اس جگہ پر ان لوگوں کا قبضہ ہے۔ جو ہندو مذہب کے ٹھیکیدار اور مالک ہیں۔ انھوں نے عجیب و غریب طرح کی کاوٹیں ڈال رکھی ہیں۔ یہ لوگ "ہندوؤں کے بھی ہندو ہیں"۔ جن میں تعصب ہر درجہ بڑھا ہوا ہے۔ یہ ہندوستان کے دوسرے لوگوں کے ساتھ تعلق بھی پیدا کرنا نہیں چاہتے اور اپنے آپ کو اُن سے بہت اونچا سمجھتے ہیں۔ اس علاقہ میں ذات پات کا کوئی سوال نہیں ہے۔ صرف ایک ذات برہمنوں کی رہتی ہے۔ دیگر ذاتیں کوئی حوصلہ نہیں رکھتیں۔ اس لئے اُن کے وجود کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ یورپین تعلیم کو یہ بری نظر سے دیکھتے ہیں۔ جدھر نظر اٹھا کر دیکھئے چوبے ہی چوبے اور لوگوں کا راج ہے۔ چھوٹی قوموں میں کوئی ترقی کرنے کی کسی کو خواہش نہیں اور اپنی اسی حالت میں مگن ہیں اور اپنی قسمت یہی سمجھتے ہیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے۔ جس کا کوئی حل ہمارے پاس نہیں ہے۔ ان لوگوں کے سامنے دنیا کا تجربہ اور دلیل سب بیکار ہے۔ دوسرے علاقوں میں جہاں ہم پست اقوام کو ابھارنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ نیچی ذات کے لوگوں ہم سے بات کرنا ہم کو چھونا اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان لوگوں سے تعلق پیدا کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ دھرم اور برہمنوں کا رعب ان پر اتنا زبردست ہے کہ ہماری ایک نہیں چلتی۔

عیسائیوں کی بے بسی

ہم تعلیم و ترقی کے بارے میں جو دلائل دیتے ہیں اور اپنے ادارے کے بارے میں جو کچھ لکھتے ہیں۔ اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ جس حالت میں ہیں۔ اس میں خوش ہیں۔ انکا خیال ہے کہ ہماری ذات پرماتما کی بنائی ہوئی ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ

یہ لوگ برہمنوں کے چکر میں پھنسے ہوئے ہیں۔

ہماری جدوجہد کا مقابلہ بہت سخت ہے۔ ہمیں یہ جان کر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ متھرا اور بندرابن جو ریلوے لائن پر ہیں۔ وہاں تعلیم کی روشنی ابھی تک کیوں نہیں پہنچی۔ اور یہ لوگ پجاری اور پنڈوں کے چنگل میں کیونکر پھنسے ہوئے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ بیوپاری لوگ جن کو اور صوبوں میں جانے کا موقع ملتا ہے۔ ان میں ترقی پسندانہ خیالات ضرور گھر کریں گے۔ اور وہ ایکدن ذات پات کے خلاف بغاوت کا جھنڈا بلند کریں گے۔ مگر وہ دن بھی ابھی بہت دور ہیں۔ عیسائیت کا اس میں کتنا بڑا ہاتھ ہوگا۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ مگر ہمیں محنت اور ایمان داری کے ساتھ اپنا کام جاری رکھنا چاہیئے۔ ہمیں کوئی بھی پادری ایک بھی مشنری بنا معقول تنخواہ کے یہاں نہیں بھیجنا چاہیئے۔ معاونوں اور کافی سرمایہ کی یہاں بڑی تعداد میں ضرورت ہے۔ یہاں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر روز نئے مندر بنتے ہیں۔ ہزاروں یاتری ہندوستان کے کونے کونے سے بڑے بڑے فاصلوں سے آتے ہیں۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ ان دونوں گڑھوں میں ہندوازم کو شکست دینا ناممکن سا ہے کیونکہ ان براہمنوں کا دماغ کافی تیز، چست اور مقابلہ میں خطرناک ہے۔ کہا جاتا ہے کہ متھرا اور برندابن میں ہر سال آنے والوں کی تعداد کچھ گھٹ رہی ہے۔ اس کا ایک بہت بڑا سبب پنڈے پجاریوں میں اخلاقی گراوٹ اور لالچ ہے۔ یہ بہت اہم چیز ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے براہمنوں کی مقبولیت کو بڑی ٹھیس پہنچائی جا سکتی ہے۔

آگرہ کے ایک باشندہ سے میں نے جو بات سُنی وہ یہ کہ متھرا اور برندابن میں مذہبی مسافروں کی تعداد سال کے سب مہینوں میں ایک سی ہوتی ہے۔ یہاں ایک مالدار ہندو بنیکر نے ساٹھ لاکھ روپے کی قیمت سے ایک عظیم الشان مندر بنوایا ہے۔ جس میں ایک دن میں دس ہزار کا اوسط چڑھاوا آتا ہے۔

جس شان اور عیش و عشرت کے ساتھ یہاں کے سینکڑوں پنڈت اور پجاری رہتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے زمین پر بھی بہشت بنا رکھی ہے۔ میرے سننے میں یہ بھی آیا ہے کہ یہ پانڈے پجاری خفیہ طور پر انجیل پڑھتے ہیں۔

حالتِ پشیمانی میں اطمینان

مسٹر زینکر جب متھرا اور برندابن میں ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک ہندو جو کبھی کبھی اُن سے ملاقات کرنے آتا تھا۔ اس نے یہ بتلایا کہ میں نے ایک لائبریری کلب کوسی میں قائم کیا ہے۔ یہ کوسی بیوپار کا ایک مرکز ہے اور برندابن سے کچھ دور بھی ہے۔ اور تعلیم یافتہ ہندوستانی لیکچر دیتے تھے اور عوام کو تلقین کرتے تھے کہ وہ تعلیم پائیں اور ہندو مذہب کی جو بہت سی خرابیاں ہیں ان کو دور کریں۔

مسٹر زینکر نے اس سے پوچھا کہ یہ کلب اب کیوں بنا ہے۔ جبکہ مندروں میں ہونے والی بُرائیاں بہت عرصے سے جاری ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ سب عیسائیت کا اثر ہے۔ برندابن میں ہم نے مشن اور بائیبل کے پرچار کا مرد اور عورتوں میں

اپنی بہن کی مشنری

بہت اچھا بندوبست کر رکھا ہے۔ جب عوام نے ایسا محسوس کیا کہ ایسا کلب ہونا چاہیئے۔ تب ہی قائم ہوا۔

کاموں کے بارے میں مسٹر زیگر لکھتے ہیں :-

دوائی بیماروں کو دینا

"مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ شہر میں مسیحی عورتوں کا کام بہت اچھے طریقے سے چل رہا ہے۔ عورتیں اچھی تعداد میں آنے لگی ہیں۔ ہم عوام میں دوائی تقسیم کرتے ہیں۔ اور دوسری عیسائی عورتیں مشنری کام میں کافی طور پر حصہ لیتی ہیں۔

علی گڑھ

پادری اسٹورڈ جماروں میں جاکر بھجن گاتے ہیں اور سابقہ سال کی رپورٹ دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ ان میں شامل ہونے والوں کی تعداد اچھی ہے۔ اسکول میں آنے والے ہندو اور مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ ان جلسوں میں تیار کی ہوئی تقریریں کی جاتی ہیں اور بھجنوں کے درمیان ہی پادری اور پادری کا عملہ لیکچر دیتا ہے۔ ہندوستانی گیت بھی گائے جاتے ہیں۔

میرٹھ

مارچ ۱۸۸۳ء کو پادری جے۔ جی۔ ہرمن ہارنل یورپ چلے گئے۔ ان کی جگہ پادری جے۔ ایچ۔ ریپے نے مشن کا چارج لیا۔ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"میرٹھ کے مشن کا کام اتنا وسیع اور پیچیدہ ہے کہ اس کی واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہی ایک عرصہ چاہیئے۔ ہم نے دوران سال میں سب محکموں میں بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ ہمیں پتہ لگا کہ بہت سے گرجوں اور دعاؤں کے مقامات میں ہماری سخت ضرورت ہے جو بغیر عملہ کے بڑھائے قابو میں نہیں آسکتا۔ مشن کمپاؤنڈ میں سینٹ تھامس گرجا ہے۔ چھاؤنی میں سینٹ پال کا گرجا ہے۔ اور ملیا، کنک کھیڑا اور ریلوے اسٹیشن کے قریب گاؤں میں بھی تین چھوٹے چھوٹے گرجے ہیں۔ الہ میں ایک چھوٹی سی عیسائی بستی اور گرجا ہے۔ اور دہرہ دون سے ڈیڑھ سو میل کے فاصلہ پر ایک خوب صورت گرجا بنا ہوا ہے۔ اُن کے علاوہ غازی آباد، بلکھوہ، مسوری بھی ہماری مشنری کے اچھے اڈے ہیں۔ عیسائی لڑکوں کے واسطے ایک بورڈنگ ہاؤس ہے۔ اور عیسائی لڑکیوں کے لئے مسز میبر بندوبست کر رہی ہیں۔

اسکول

عیسائی نو عمر لڑکے اور لڑکیوں کے لئے اسکول کے احاطہ میں ہے۔ اور ایسا ہی اسکول اینڈفیلڈ میں بھی جاری ہے اور کئی چھوٹے چھوٹے اسکول اور ورنیکولر اسکول غازی آباد اسکول اور دوسرے اسٹیشنوں پر ہیں۔ عیسائیوں میں غیر تربیتی رجحانات کی وجہ سے کئی قسم کی بُرائیاں ہیں جو کنک کھیڑا، ملیانہ میں خاص طور سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دیسی عیسائی ایجنٹ ان کی مدد کر رہے ہیں اور وہ سکولوں و دیگر عمارتوں کی مرمت بھی کرا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حساب و کتاب کی بھی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔

سب سے اہم شکایت مسٹر مارن کیا کرتے تھے کہ مذہبی معاملات میں دیسی عیسائی بہت لاپرواہ ہیں انھیں روحانی طاقت اور جنون نظر نہیں آتا۔ جس کی بنا پر مشن کا کام بڑی دقتوں کے ساتھ چلتا ہے۔ ہارن صاحب کہتے تھے کہ

ریڈر کی تعلیم

ان دقتوں اور کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے ہم مشن اور گرجوں کا کام حسب ذیل طریقوں سے کراتے ہیں۔

(۱) ہر مہینے کے دوسرے اتوار کو پرانی رسم کے مطابق جب ریڈر لوگ اپنی تنخواہ لینے آتے ہیں تو بدھ تک ان سے دعائیں کرائی جاتی ہیں۔ پیر کا حساب تنخواہ میں لگ جاتا ہے۔ پیر کی شام کو سب مل کر گرجوں میں دعا کرتے ہیں۔ دس بجے رات تک ہم گھروں میں بیٹھ بیٹھ کر الگ الگ دعائیں مانگتے ہیں اور اس کے بعد ہم سب جمع ہو کر دیسی گانے گاتے ہیں اور تمام لوگوں کو مخاطب کر کے لیکچر دیا جاتا ہے۔

عیسائی ماسٹر اور کیٹچسٹ کی تعلیم

اس طرح ہی اگلے دن ملتے ہیں اور شام کے وقت پھر کسی دلچسپ مذہبی نغمے پر ان کو لیکچر دیا جاتا ہے۔ اور لیکچروں میں ہمارے ہائی اسکول کے عیسائی ماسٹر کیٹچسٹ بھی حصہ لیتے ہیں اور اس کا نہایت مفید اثر پڑتا ہے۔ ہم نے محسوس کیا ہے کہ دیسی عیسائیوں کی مدد کرنی چاہیئے۔ میں نے دیکھا ہے کہ اس سے دیسی عیسائیوں میں مذہبی جوش و محبت اور عقیدت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) عیسائی کیٹچسٹوں کی مدد کے واسطے ہم نے ہفتہ میں دو بار بائیبل میٹنگوں کا بندوبست کیا ہے۔ جن میں باہر سے آنے والے عیسائی بھی شامل ہوتے ہیں۔

(۳) ہمارے آس پاس کے مرکزوں میں بھی بائیبل جماعت شروع کر دی گئی ہے، ہفتہ میں تین مرتبہ ہوتی ہیں۔

(۴) مس ویبر آس پاس کی عورتوں کو جمع کر کے ہفتہ میں ایکمرتبہ بائیبل کی کلاسیں چلاتی ہیں اور بڑے پیمانے پر ہر ماہ میں ایکبار بائیبل کلاسیں ہوتی ہیں۔

چمار کے عیسائی بننے کا شاندار تذکرہ

البتہ مسٹر ویبر کا بہت سا وقت دیسی عیسائیوں میں لگ جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے انکو دوسری شاخوں کے لئے وقت نہیں ملتا۔ آس پاس کے میلوں میں ہم جاتے ہیں اور وہاں مستعدی کے ساتھ تبلیغ کا کام کرتے ہیں۔ موازنہ میں ایک نو عیسائی کے بارے میں دلچسپ حکایت بیان کرتے ہیں۔ ایونجلسٹ مشنری کا کام بلا روک ٹوک جاری ہے۔ ہمارے کیٹچسٹ روزانہ بازار میں دو مرتبہ جاتے ہیں اور ان میں سے دو مہینہ میں ایک ہفتہ جاتے ہیں۔ چاہے گرمی ہو یا سردی ہو۔ ان کا مقررہ دورہ مزید لگتا ہے۔ یہ کام بڑی دلچسپی سے کیا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں مسوری سے واپس آنے کے بعد ایک شخص جس کی عمر ۴۵ سال کی تھی میرے پاس آیا۔ اس نے بیان کیا کہ میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ بہت عرصہ ہوا جبکہ ایک عیسائی ایجنٹ میرے دیہاتی مکان پر پہنچا تھا اور اس نے اپنا پیغام بھی دیا تھا۔ میں اسکول بھی گیا تھا۔ میں نے وہاں سے ایک کتاب لیکر پڑھی تھی۔ جس کو میں نے ایام قحط میں فروخت کر دیا تھا۔

اب مجھے ایک خواب دکھائی دیا کہ میں وہ کتاب لیکر پڑھ رہا ہوں۔ میں نے خواب دیکھنے کے بعد ٹہلے کے پاس گیا اس کے پاس وہ کتاب تھی۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ میں بھی عیسائی بن جاؤں۔ مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے پاس چار روپے چار آنے ہیں اور میں اپنی روزی بخیر و خوبی چمارگیری کرکے کما سکتا ہوں۔ میرے گھر میں اور کوئی نہیں۔ میری بیوی مر چکی ہے اور میرے لڑکوں کی شادی ہو چکی ہے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یہاں سے بے عیسائی بنے واپس نہیں جاؤں گا۔ اس کی ایمانداری کے ثبوت میں مجھ کو کیمبرج مشن دہلی سے بھی ایک چٹھی ملی۔ اسی دوران میں میں نے دو ریڈروں کو اس کے گاؤں میں بھیجا کہ اس کے متعلق معلومات حاصل کریں۔ انھوں نے بھی اطمینان بخش رپورٹ دی اس کے بعد میں نے اس کو عیسائی بنایا۔

عیسیٰ مسیح کے یوم پیدائش کو وہ ہمارے ہاں آیا۔ اُس نے ہم سے اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا کہ رات سے برادری اور گاؤں والے کیسے ستا رہے ہیں۔ اور کنوئیں پر سے پانی نہیں بھرنے دیتے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم جلدی دورہ پر اس گاؤں میں جائیں گے۔

انگلو ورنیکولر اسکول بہت اچھی طرح چل رہا ہے۔ لڑکیوں کا بورڈنگ ہاؤس بھی شاندار نتیجہ کا حامل ہے۔ جس کا بندوبست ایک مشنری سوسائٹی نارمل اسکول بنارس کی تعلیم یافتہ استانی کر رہی ہے۔

اودھ یہاں ریزیڈنٹ مشنری کی واپسی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ کیونکہ فیض آباد ایودھیا کے نزدیک ہے۔ جو ہندوؤں کا بڑا تیرتھ ہے۔ پادری آر۔ سی۔ والٹن اور اس کی لیڈی اس سال بنارس سے نہیں آئے۔ اس واسطے اس رپورٹ میں ہم ان کا ذکر نہیں کرتے۔

۱۸۸۳ء میں یہاں کا مشنری کام پادری الف ایبل کے ہاتھ میں تھا۔ جو چھٹی پر گئے ہوئے ہیں۔

رانچی رانچی جس کو چھوٹا ناگپور کہتے ہیں۔ یہ بہار صوبہ کا ایک ضلع ہے۔ اس میں عیسائیوں کی تین مشنری جماعتوں نے خاص طور پر اراؤن اور منڈا دو جنگلی قوموں میں کام کیا۔ یہاں یہ قومیں قدیم زمانہ سے رہتی ہیں۔ ان کو یہاں کا قدیم ترین باشندہ مانا جاتا ہے۔ یہ دکھنی ہندوستان سے یہاں آکر بسے یہ سیاہ فام مادر زاد ننگے لوگ جنگلوں میں رہتے تھے جو وحشت و بربریت کا نمونہ تھے۔ کوئی شریف و شہری انسان ان کو نظر آجاتا تو پھاڑ کھاتے تھے۔ اب تقریباً ایک لاکھ انسان اور شہری بن چکے ہیں۔ تعلیم و اخلاق و تہذیب و مدنیت سے آشنا ہو چکے ہیں۔ یقیناً ان کو انسان بنانا اور ان میں کام کرنا قابل تعریف کام ہے۔ ان قوموں میں جن مشنری جماعتوں نے کام کا کیا وہ (۱) جرمن مشن (۲) انگلش مشن (۳) رومن کیتھولک مشن ہیں جن کے کاموں کی مختصر تفصیل یہ ہے:۔

جرمن مشن کے چار پادری مسٹر شش، مسٹر ورت، مسٹر وچ اور مسٹر یان ۳۱ دسمبر سے پہلے کلکتہ ۱۸۴۵ء میں پہنچے ان کو بھیجنے والا مسٹر یونیس گوزنر برلن کا باشندہ تھا جو ۱۷۷۳ء میں پیدا ہوا تھا۔

یہ پارٹی ۲ر نومبر ۱۸۴۵ء کو رانچی پہنچی۔ ان مشنریوں نے رانچی کے موجودہ احاطہ کو مہاراج جگناتھ شاہ دیو سے بندوبست لے کر خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔ اس عمارت میں سب سے پہلی قبر پادری سفیان کی بنی۔ شروع میں مشنری پارٹی یہاں تبلیغ کرنے میں ناکام نظر آتی تھی۔ ناامید ہو چکی تھی کہ جون ۱۸۵۰ء میں چار اراؤں مسٹر ہتھیا کوٹا کانوین پوڑے، کنڈ کا گھرن، چپاکنی کا کیشو اور بندھو یہ وہ پہلے اشخاص ہیں جو عیسائی بنے اور مشنریوں کی ہمت افزائی کی۔ اس کے بعد انھوں نے کام شروع کیا۔ اس کے بعد دو منڈے باگمین کا سادھو اور والا لوگ کا مانگتا۔ منڈے بھی بپتسما پا گیا چنانچہ ان کے نام انشوروت اور کرشنا نندر رکھے گئے۔

۱۱ر نومبر ۱۸۵۱ء میں گوسنر صاحب کے حکم سے یہاں کے مشنریوں نے موجودہ رانچی گرجے کی بنیاد ڈالی اس کے بانی پادری ہیر جوگ تھے۔ جو مشنری کے نام سے مشہور تھے۔ گرجا گھر تیار ہونے کے بعد بڑے دن اس کا افتتاح کیا۔ کچھ اُمید کی جھلک نظر آئی۔ لیکن بغاوت کی وجہ سے پادری صاحبان اسکول کے لڑکے لڑکیوں کو کلکتہ چھوڑ کر چلے گئے تھے امن قائم ہونے کے بعد رانچی آئے اور مذہب پھیلانے کا کام تیزی سے کرنے لگے۔ گوسنر صاحب کا ۲۰ مارچ ۱۸۵۸ء کو انتقال ہونے کی وجہ سے کام میں پھر رکاوٹ پڑ گئی۔ لیکن اس   ء کو ایلو جرگہ کے علاقہ بابو پولس نیموں نے سنبھالا۔ چنانچہ وہی پہلے شخص ہیں۔ جن کو ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے پادری کا خطاب ملا۔

مسٹر ہوٹیلی نے منڈاری زبان سیکھ لی۔ پھر انجیل کو منڈاری زبان میں شائع کرایا۔ عیسائی ہونے کے بعد اُن کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا۔ پہلے رانچی شہر میں پرائمری اسکول کھولے گئے۔ یہی اسکول ۱۸۸۴ء میں مڈل ورنیکولر اور ۱۸۹۶ء میں ہائی اسکول ہو گیا۔ جرمن مشن کے مالک گوسر صاحب تھے۔ اس لئے اسکول کا نام بھی گوسر ہائی اسکول ہو گیا۔ رانچی مشن ہیڈ کوارٹر کی شاخیں برجو، گوبند پور، لوہردگا، ٹکرا، ٹوکاہ، گملا، کنکیل، تمار، کورنجو وغیرہ میں ہیں۔ تعلیم کے علاوہ علاج کے لئے ہسپتال کھولے گئے۔ ۱۹۰۰ء میں صرف اس مشن نے بیس ہزار لوگ عیسائی بنائے تھے۔

انگلش مشن جس کو سینٹ پال کیتھڈرل مشن کہا جاتا تھا۔ اُس نے بھی اپنے گرجے کی ۱۸۶۷ء میں بنیاد ڈالی تھی۔ اسی سال تین منڈاؤں اپنے نام (۱) مارکس ہیم روم (۲) پربھو سہائے بودرا، اور ابراہیم نے ٹوپی بدل کر اور عیسائی بنکر تبلیغ کا کام انجام دیا۔ جرمن مشن کی طرح اس مشن کے کئی گرجے اسپتال اور اسکول قائم ہوئے۔ موجودہ انگلش مشن ہائی اسکول پہلے مڈل انگلش سکول تھا۔ وہ ۱۹۰۹ء میں ہائی اسکول بنا۔

رومن کیتھولک مشن رانچی میں قائم ہوا۔ چائباسہ سے کچھ اراؤں اور منڈا بپتسمہ پا کر آئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی یہاں اپنا گرجا بنانا شروع کیا۔ ۱۸۶۷ء میں رانچی شہر میں رومن مشن کا گرجا تھا۔ اسی وقت ایوریٹ فادر لگ نام کے پادری ڈورونڈہ میں پہنچ کر وہاں کے اراؤں اور منڈا سپاہیوں کو اپنے مذہب کی ہدایت و تبلیغ کرنے لگے۔ ۱۸۸۲ء میں اس مشن نے سربار ماگ میں گرجا بنایا۔ ڈورونڈہ کے مذہب قبول کئے ہوئے سپاہی جنگلی میں جا کر مسیحیت کو پھیلانے گئے۔ ۱۸۸۵ء میں لیتھیس پادری نے توربا میں ایک مشن کھولا۔ آج کل ان لوگوں کی تعداد

ہزاروں تک پہنچ گئی ہے۔ کافی مقامات پر گرجا، ہسپتال، اسکول وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ اسکولوں میں دستکاری کی تعلیم پر خاص طور پر دی جاتی ہے۔

دہلی میں مشنریوں نے دہلی کالج کو اپنا مرکز بنایا

تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس تعلیم گاہ یعنی مدرسہ غازی الدین کی ابتدا ۱۷۹۲ء میں ہوئی۔ مسٹر ٹامسن وزیر اورینٹل ممالک مغربی شمالی اپنی تعلیمی رپورٹ بابت ۱۸۴۱-۴۲ء میں لکھتے ہیں۔

اورینٹل کالج دہلی عالم وجود میں آئے سولہ سال ہوتے ہیں۔ اسی حساب سے دہلی کالج کی ابتدا کا اضافہ ۱۸۲۵ ہوتا ہے۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی تعلیمی اور دفتری تحریروں میں بھی مدرسے کے ابتدائے قیام کا سال ۱۷۹۲ء ہی لکھا ہے۔ اور ۱۸۳۹ء کی تعلیمی رپورٹ میں اس سال دہلی کالج کا ۴۷واں سال بتایا ہے۔ اس سے بھی مسٹر ٹامسن کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ یعنی مدرسہ کی ابتدا ۱۷۹۲ء میں ہوئی اور ۱۸۲۵ء میں یہ مدرسہ کالج میں تبدیل ہو گیا۔ اس کی بسم اللہ دہلی کی اس خوبصورت اور تاریخی عمارت میں ہوئی جو غازی الدین کے مدرسہ کے نام سے مشہور ہے۔ اور نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ ثانی خلف نواب نظام الملک آصف جاہ کا بنایا ہوا ہے۔ بانی خیر کی نیک نیتی کا پھل ہے کہ اب تک وہاں تعلیم کا فیضان جاری ہے اور اینگلو عربک اسکول جو اب کالج ہو گیا ہے۔ سالہا سال سے اس کے درس و تدریس کا سلسلہ وہیں قائم ہے۔ مسٹر ایچ ٹیلر کی رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۲۴ء میں مدرسہ غازی الدین میں صرف نو طالب علم تھے اور مولوی عبداللہ ان کو تعلیم دیتے تھے (مرحوم دہلی کالج)

۱۸۲۳ء کے مجلس تعلیم عامہ نے تجویز کیا کہ کالج فوراً قائم کر دیا جائے اور تعلیم کے لئے مولویوں کا تقرر کر دیا جائے۔ چونکہ مشرقی علوم کی تعلیم اس کا خاص مقصد ہے لہٰذا بعض اعلیٰ درجہ کی کتابیں جو مشرقی زبانوں سے ترجمہ کی گئی ہیں اس کالج کے لئے مہیا کی جائیں۔ اس تعلیم کو مقبول بنانے میں ملازمت کی کشش ضرور رکھی جائے۔ اس کی امداد کیلئے محض ساڑھے تین ہزار روپے سالانہ مقرر کرنے کی سفارش کی۔

غرض اس مجوزہ کالج کا افتتاح ۱۸۲۵ء میں ہوا اور شاہانہ عطیہ میں اس کالج کے لئے پانچ سو روپے ماہانہ مقرر کئے گئے۔ مسٹر جے۔ ایچ۔ ٹیلر مقامی مجلس کے سیکریٹری ایک سو پچھتر روپے ماہانہ پر اس کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ مولوی کی تنخواہ ایک سو بیس روپے قرار پائی اور دو اور مولوی پچاس پچاس کے رکھے گئے۔ باقی پچیس اور تیس کے تھے۔ طلباء کے لئے بھی وظائف مقرر ہوئے (مرحوم دہلی کالج مصنفہ مولانا عبدالحق انجمن ترقی اردو)

۱۸۲۸ء میں جب چارلس مٹکاف برٹش ریذیڈنٹ کمشنر کی سفارش پر کالج میں ایک انگریزی جماعت کا اضافہ ہوا تو لوکل فنڈ کے تعلیمی بجٹ سے دو سو پچاس روپے کالج کو نصرانیت کو فروغ دینے کے لئے منظور کئے گئے۔ اس بدعت سے لوگوں میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی اور ہندو مسلمان ان دونوں نے ہی اس کی مخالفت کی۔ دین دار بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ یہ ہمارے نوجوانوں کے مذہب بگاڑنے اور اندر ہی اندر عیسائی مذہب کے پھیلانے

کی ترکیب ہے۔ یہ مشکل جنگال میں پیش آئی ۔ وہاں یہ آندھی برہمنوں سے شروع ہوئی تھی تو یہاں کے علما پیش پیش تھے یہ خیال بے جا نہ تھا ۔ بات یہ ہے کہ جب لڑکے انگریزی مدرسوں میں داخل ہوئے اور انھوں نے وہاں نصرانیت کا پروپیگنڈا دیکھا تو انھوں نے یقین کیا کہ ہمارے عقائد پر تعلیم کے نام پر ڈاکہ ڈالا جائے گا اور ہم کو ہمارے مذہب اور دھرم سے محروم کیا جائیگا۔

نواب اعتماد الدولہ کا وقف

۱۸۲۹ء کی رپورٹ غیر معمولی طور پر دلچسپ ہے ۔ ایک بات تو یہ قابل ذکر ہے کہ کتب خانہ کی توسیع ہوئی ۔ دوسرے بادشاہ اودھ کے وزیر کا ایک لاکھ ستر ہزار روپے کا وقف تھا ۔ جس کو جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کے مشورہ پر انھوں نے دہلی کالج کی امداد کے لئے دیا ۔ ۱۸۳۰ء میں جو وصیت نامہ نواب اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں بہادر نے اس کے متعلق تحریر فرمایا ۔ اس میں یہ الفاظ درج ہیں۔

"میں ایک لاکھ ستر ہزار روپے کی رقم اس کالج کی امداد کے واسطے برٹش گورنمنٹ کی تحویل میں چھوڑتا ہوں جو نواب غازی الدین خاں مرحوم میرے ہموطن نے دہلی میں عربی و فارسی علوم کی ترقی و تعلیم کے واسطے قائم کیا تھا ۔ جو میرے مذہبی علوم و اخلاق کے سرچشمے ہیں اور میں وصیت کرتا ہوں کہ رقم موقوفہ کا منافع ان علوم کے طلباء اور اساتذہ پر خرچ کیا جائے ۔ اگر گورنمنٹ کی طرف سے بوجہ کثرتِ مشاغل یا دیگر غیر متوقع اسباب کی وجہ سے تساہل واقع ہو تو وہ گورنمنٹ کو میرے داماد سید حامد علی توجہ دلائیں اور بصورت ناکامی گورنمنٹ سے ایک جداگانہ کالج قائم کرنے کی درخواست کریں (کانفرنس گزٹ علی گڑھ ۱۵ نومبر ۱۹۳۰ء)

وقف کا بے جا صرف

اُن کے نام سے دیئے گئے نواب حامد علی خاں نے انگریزی تعلیم پر بے جا صرف کرنے پر کی طرف بار بار توجہ دلائی اور اہل دہلی نے اس علیحدہ کالج بنانے کی درخواست کی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا ۔ اسی زمانہ میں لوگوں کی مخالفت اور پروپیگنڈہ سے انگریزی جماعت مشرقی مدرسے سے علیحدہ کردی گئی ۔ لیکن علیحدگی دکھانے کی تھی ۔ پرنسپل دونوں کے ایک تھے اور نگران کمیٹی بھی ایک تھی ۔

کالج کی خصوصیت

اس کالج کی بڑی خصوصیت یہ تھی اور اس میں اس کی کامیابی کا راز تھا کہ ذریعۂ تعلیم اُردو تھا ۔ عربی فارسی سنسکرت کی تعلیم تو اردو میں ہوتی ہی تھی ۔ لیکن دوسرے علوم جو داخلِ نصاب تھے ۔ انکی تعلیم کا ذریعہ بھی اردو ہی تھا ۔ لیکن سرکاری حلقہ میں ایک جماعت ایسی پیدا ہو گئی جسے مشرقی تعلیم سے سخت نفرت تھی ۔ انھوں نے اس کے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا کہ جو کتابیں ترجمہ ہوتی ہیں وہ فروخت نہیں ہوتیں ان کی مانگ بھی نہیں ۔ صرف الماریوں کی زینت ہیں ۔ وظائف پر بھی اعتراض تھا ۔ طریقۂ تعلیم کو بھی غلط سمجھتے تھے ۔ انکی خواہش تھی مشرقی علوم پر مغربی علوم کی فوقیت ہو ۔ چنانچہ جب مشرقی اور مغربی تعلیم کا قصہ پیش ہوا تو بازی مغربی خیال کے سرکاری طبقہ کے ہاتھ رہی ۔ جس کے اثر سے لارڈ بینٹنگ نے ریزولیوشن مورخہ ۷ مارچ ۱۸۳۵ء سے ان سب مشرقی علوم کا خاتمہ کر دیا ۔ وہ ریزولیوشن جو بدنام زمانہ ہے وہ یہ ہے ۔

حکومت کی مشرقی علوم کے ساتھ دشمنی

"گورنر جنرل کی یہ رائے ہے کہ حکومت برطانیہ کا بڑا مقصد اہلِ ہند میں یورپین لٹریچر اور سائنس کی اشاعت کرنا ہے اور جس قدر رقوم مقاصدِ تعلیم کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ ہونی چاہئیں۔ گورنر جنرل طلباء و تعلیم کے وظائف دینے کے عمل کو قطعاً قابلِ اعتراض خیال کرتے ہیں ان کی رائے میں یہ ان علوم کی مصنوعی ترغیب ہے اور جب زیادہ مفید علوم کی تعلیم دی جائے گی تو یہ خود بخود ان پر سبقت لے جائیں گے۔ آئندہ کسی طالب علم کو وظیفہ نہ دیں اور گورنر صاحب کو یہ اطلاع ملی ہے کہ کمیٹی نے رقم کثیر مشرقی کتب کے طبع میں صرف کی ہے۔ ہدایت کی جاتی ہے کہ آئندہ ان رقوم کو کوئی اس کام میں نہ لایا جائے۔ وہ عام رقوم جو ان اصلاحات کی رُو سے کمیٹی کے قبضہ میں آئیں۔ وہ آئندہ دیسی لوگوں میں انگریزی زبان کے ذریعہ سے انگریزی علم و ادب اور سائنس کی اشاعت میں صرف کی جائیں۔"

اس حکم کے جاری ہونے پر بے حد غم و غصہ کا اظہار ہوا۔ صرف ہندوستانیوں نے ہی نہیں بلکہ مشرقی علوم کے معتقد انگریزوں نے بھی اس فیصلہ کی مخالفت کی۔ لیکن احکام جاری ہو چکے تھے اور ناطق تھے۔ تعلیمی کمیٹی کو اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ تعمیل کرے۔ کمیٹی کے صدر مسٹر شیکسپیئر نے احتجاج و ناراضگی کے ساتھ استعفا دے دیا۔ اور ان کی جگہ مغربی علوم کے کٹر حامی لارڈ میکالے کا تقرر ہوا۔

لارڈ بینٹنگ کے ریزولیوشن سے اور خاص کر جس نامناسب اور ناگوار طریقہ سے تعلیمی کمیٹی نے اس کے حکم کی تعمیل کی تھی اس پر ہندوستانی لوگوں میں بے اطمینانی اور بے چینی پیدا ہو گئی تھی وہ نہیں مٹی اور بدگمانی کے اسباب یہ تھے:-

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ تھی کہ مشرقی مدارس کو کمزور کر دیا گیا۔ ان کی رقمیں ان سے چھین کر یا تو ایسی جماعتوں کی اعانت میں صرف کی گئیں جو ان کی نظر میں ایک چھت کے نیچے تعلیم پاتی تھیں۔ یا اضلاع کے ایسے مدارس کی مدد کے لئے مخصوص کر دیں۔ جہاں انگریزی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ عمل خلاف انصاف اور وعدہ خلافی پر محمول کیا گیا۔

(۲) جہاں دیسی زبان کی تعلیم کے لئے جداگانہ جماعتیں تھیں انھیں توڑ دیا گیا اور ذریعہ تعلیم کے لئے عام طور پر انگریزی کو دیسی زبان پر ترجیح دی گئی۔

(۳) وظائف بند کر دیئے گئے۔ جس سے دہلی اور دہلی کے دوسرے مقامات میں بہت ناراضگی پھیلی۔ کیونکہ لوگ تعلیم کو کارِ خیر سمجھتے تھے۔ دوسری بات یہ تھی کہ اکثر طالب علم نادار تھے۔ وہ اپنی تعلیم زیادہ دنوں تک جاری نہیں رکھ سکتے تھے۔

اس تمام بے اطمینانی کی بناء پر لارڈ آکلینڈ جو لارڈ بینٹنگ کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل ہو کر آئے انھوں نے تمام اُمور پر غور کیا اور ۲۴ نومبر ۱۸۳۵ء کو جنرل کمیٹی تعلیم عامہ کے نام ایک یادداشت لکھی اور ان غلط فہمیوں کو رفع کیا جو لارڈ بینٹنگ کے ریزولیوشن سے پیدا ہو گئی تھیں۔ لارڈ موصوف نے صاف الفاظ میں کہہ دیا یہ فیصلہ کیا کہ مشرقی مدارس میں مشرقی تعلیم کی تکمیل و ترقی کو قطعی طور پر ترجیح دی جائے۔ اور کامل ترقی و تکمیل کے بعد مشرقی تعلیم کی ترقی سے جو بچے وہ انگریزی تعلیم کی ترقی میں دی جائے۔ اعلیٰ قابلیت کے مدرس مقرر کئے جائیں اور ان کو معقول تنخواہیں دی جائیں۔ طلباء کے وظائف کا دستور پھر کیا جائے اور جو رقمیں زمانہ سابقہ میں مدارس کی مقرر تھیں وہ ان کو دی جائیں۔

دیسی زبان کے ذریعہ تعلیم ہونے کے جو دل خوش کن توقعات لارڈ موصوف نے دلائی۔ وہ ردی کی ٹوکری میں ڈال دی گئیں کتابوں کے تراجم کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ کہدیا گیا کہ مغربی علوم کی تعلیم انگریزی زبان کے ذریعہ دی جائے اور ستم ظریفی یہ کی گئی کہ عربی سنسکرت فارسی کی تعلیم بھی انگریزی میں دی جانے لگی۔

۱۸۳۵ء میں تقریباً تمام مدارس میں سنسکرت عربی فارسی کی تعلیم اُردو کے ذریعہ ہوتی تھی۔ اس طریقہ کو بہت سراہا جاتا تھا۔ مسٹر سرناظم تعلیمات احاطۂ بنگال اپنے تبصرۂ تعلیمی ۱۸۵۳ء میں لکھتے ہیں:۔

"ایک مدت سے دلی کالج کی ایک خصوصیت ایسی چلی آرہی ہے۔ جو اُسے بالائی اور زیریں صوبجات کے دوسرے کالجوں سے ممتاز کرتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہاں دیسی زبان (اُردو) کے ذریعہ تعلیم دی جاتی ہے اور یہ (امتیازی خصوصیت) ریاضیات کی تمام شاخوں اور کم وبیش تاریخ اور اخلاق و فلسفہ (مڈل سائنس) کی تعلیم سے تعلق رکھتی ہے۔ اس طریقہ پر مسٹر بتروس نے اپنے زمانۂ پرنسپلی میں استقلال کے ساتھ عملدر آمد کیا۔ اور اُن کے جانشین ڈاکٹر اسپرنگر نے اسی خوشی کے ساتھ جاری رکھا۔ یہ اب دہلی کالج کے نظام کا ایک جزو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ اسے آزادی کے ساتھ بڑھنے اور پھولنے پھلنے دیا جائے۔"

اس رائے کی تصدیق مسٹر کارگل پرنسپل دہلی کالج کے اس بیان سے ہوتی ہے۔ جو سالانہ رپورٹ ۱۸۵۲ء میں درج ہے۔ مشرقی شعبہ کا طالب علم اپنے مغربی شعبہ والے حریف سے سائنس میں کہیں بڑھا ہوا ہے۔

اس کے بعد وہ اسپر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ نصاب کی مناسب کتابیں نہیں۔ ورنہ اس کا علم اور بھی بہتر ہوتا وہ لکھتے ہیں:۔

"قابل فوجی افسروں اور مشنریوں نے کالج کے امتحان کے بعد یہ بیان دیا کہ۔" مشرقی طلبا کے قبضہ میں علم ہیئت جنرل سائنس اخلاق اور مذہبی شعبے میں قطعی طور پر بڑی ترقی پائی جاتی ہے اور مختصر یہ کہ تمام ہندوستان میں کسی جگہ ایسے ترقی کے آثار نظر نہیں آتے۔"

۱۸۳۱ء میں لارڈ ولیم بنٹنگ کے اعلان کے بعد رپورٹوں میں اسی خوبی کو بدصورتی کی شکل میں دکھایا جانے لگا اب منتظمین کی رائے ہو گئی کہ شرع محمدی فقہ میں زیادہ وسیع نہ تھا اور طلبا ء کی زیادہ تر تعداد فارسی میں گلستان اور بوستان سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ حالانکہ یہ کتابیں ایسی ہیں کہ کالج میں داخل ہونے سے پہلے پڑھ کر آئیں۔ کالج کا سیکریٹری جو مشرقی تعلیم کے طریقہ کو پہلے سے پسند کرتا تھا۔ اس نے اپنی سالانہ رپورٹ ۱۸۳۳ء میں لکھا کہ:۔

"عربی کی اعلیٰ جماعت میں صرف تین طالب علم ہیں۔ بہت لوگوں کا خیال ہے کہ عربی کی تعلیم نہ تو ویسی عام رہی اور نہ ویسی پختہ جیسی پہلے تھی اب ذریعۂ معاش بھی نہیں رہی اور خالی خولی نام یا شہرت کا موجب رہ گئی یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ طلبا فارسی نصاب ختم کر کے کالج چھوڑ دیتے ہیں اور جو عربی پڑھتے ہیں۔ انکا یہ حال ہے کہ کافیہ اور دوسری آسان کتابوں سے آگے نہیں بڑھتے اور سو میں بمشکل تمام چار پانچ ایسے نکلتے ہیں جو اعلیٰ شعبوں تک پہنچتے ہیں (تبصرہ تعلیم عامہ بنگال ۱۸۳۲ء)

کالج میں عربی، فارسی اور سنسکرت کو گراتے گراتے اس اسٹیج پر لے گئے تھے کہ انگریزی پڑھنے والے ۱۹۹ تھے اور عربی فارسی اور سنسکرت پڑھنے والے ۳۹ - ۵۷ اور ۲۵ رہ گئے تھے۔ بعد میں فارسی عربی کے ساتھ سنسکرت ہندی تعلیم بھی کالج میں ختم کردی گئی تھی۔ کالج میں مشرقی زبانوں کو ختم کرنے کا جو منشار تھا۔ وہ ایک واقعہ سے ظاہر ہو گیا جس سے کالج کا اعتبار اٹھ گیا۔ واقعہ یہ تھا کہ ماسٹر رام چندر جو اردو میں سائنس پڑھاتے تھے اور لالہ چمن لال فرسٹ سب اسسٹنٹ سرجن۔ دونوں نے عیسائی ہو گئے۔ اس سے دہلی کی پبلک بہت بگڑی اور شہر میں بڑا غلغلہ پیدا ہوا اب سننے میں آیا ہے کہ بعض اور طالب علم عیسائی ہونے پر تلے ہوئے ہیں۔ لیکن دہلی والوں کے ڈر سے عیسائی نہیں بنتے عیسائی بننے کے بعد تاراچند کو عیسائیوں نے ریونڈ کا خطاب دیا۔

ماسٹر جی کے بپتسمہ لینے کی تاریخ ۱۱ جولائی ۱۸۵۲ء سے ۱۰ جولائی تک داخلہ کالج میں برابر ہوتا رہا اور طلبار کی تعداد ۳۴۲ تک پہنچ گئی۔ لیکن اس خبر کے پھیلتے ہی دفعتاً داخلہ بند ہو گیا اور بہت سے لڑکوں نے اپنے نام کٹوالئے۔ اس کے بعد کالج کے پرنسپل کارگل نے بہت کچھ سفارشیں کیں۔ گورنر لارڈ آکلینڈ نے مشرقی تعلیم کے ذریعہ سے تعلیم دینا منظور کر لیا۔ لیکن دہلی والوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ شہر والوں نے شہر میں متعدد عربی اور فارسی کی درسگاہیں کھول لی تھیں عربی فارسی پڑھنے والے طلبار ان درس گاہوں میں داخل ہو گئے تھے۔ شہر میں ایک فارسی اور اردو کا مدرسہ تھا۔ اس کے مدرس مسلمان تھے۔ ۱۰۴ طلبار اس میں تعلیم پاتے تھے۔ ان میں سے ۱۰۰ ہندو تھے اور ۴ مسلمان۔ مسلمانوں کے مدرسوں میں ہندوؤں کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ ہندوؤں نے اپنے ہندی اور مدارس کھولے تھے۔ اس میں مسلمان بے دھڑک داخل ہوتے تھے۔ کوئی ان کے داخلہ پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔

دہلی والے دہلی کالج کی تمام حرکتوں اور مشنریوں کی سازش سے پوری طرح سے واقف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ دہلی کالج مشنریوں کا مرکز بنا ہوا ہے اور اس کی تعلیم کے اثرات ہندوستانیوں کے لئے مضر اور عیسائیوں کے لئے مفید ثابت ہو رہے تھے اور ہندوستانی عیسائی بنتے تھے۔

دہلی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ابتدار ہونے کی دیر تھی۔ جب میرٹھ سے مجاہدین دہلی میں راجگھاٹ دروازے سے آئے تو ڈاکٹر چمن لال (جو ماسٹر رام چندر کے ساتھ عیسائی ہوئے تھے) انکو قتل کیا اور انکے ہسپتال کو لوٹا۔ دہلی کالج سے دہلی والے خار کھائے ہوئے تھے۔ اس کی کوئی چیز نہیں چھوڑی اور اس کے پرنسپل سے بھی بدلہ لیا۔

۱۱ مئی پیر کا دن تھا۔ کالج کا وقت صبح کا تھا۔ پڑھائی حسب معمول ہو رہی تھی۔ ۸½ بجے چند لوگ ہانپتے کانپتے آئے ان کی سراسیمگی اور وحشت کا عجیب حال تھا۔ جماعتوں میں بے تحاشہ گھس گئے اور اپنے لڑکوں سے کہا۔ چلو بھاگو، غدر ہو گیا۔ سپاہی اور سواروں نے لوٹ مار اور قتل و غارتگری کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی لڑکے اپنے اپنے بستے سنبھال چمپت ہو گئے۔ پرنسپل حیران و ششدر تھا کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے۔ اتنے میں میگزین کا چپراسی آیا اور کمانڈنٹ کا خط دیا اس میں لکھا تھا کہ شورش بپا ہو گئی ہے اور حالت لمحہ بہ لمحہ خطرناک ہوتی جاتی ہے۔ مصلحت یہ ہے کہ آپ فوراً مع انگریز اسٹاف کے یہاں آجائیں اور میگزین میں پناہ لیں۔ پرنسپل ٹیلر، روکش ہیڈ ماسٹر، اسٹوارٹ سیکنڈ ماسٹر، اسٹینر تھرڈ ماسٹر کو

ہوئے بھاگے اور میگزین میں پناہ گزیں ہوئے۔

مسٹر ٹیلر کالج کی کوٹھی میں رہتے تھے۔ رائس کا بنگلہ بھی کالج کے احاطہ میں تھا۔ ان کے بیوی بچے بھی ساتھ رہتے تھے۔ اسٹوارٹ منصور علی خاں کی حویلی میں اور اسٹیئز کشمیری دروازہ کی طرف کسی مکان میں اقامت گزیں تھے۔ پروفیسر یسوع داس رام چندر چاندنی چوک میں کوٹھے پر رہتے تھے۔

اس کے بعد ہندوستانی سپاہیوں نے میگزین کو گھیر لیا وہ ہر انگریزی چیز کو تباہ کرتے چلے آتے تھے۔ میگزین میں پانچ چھ انگریز افسر اور دو تین سارجنٹ تھے۔ انھوں نے مقابلہ کیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں ہندوستانی سیڑھیاں لگا کر میگزین کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ اس وقت انگریزوں کو کمک کی کوئی توقع نہیں رہی تو اس وقت وہ میگزین کی دیواروں پر چڑھ گئے۔ اور ہزاروں ہندوستانیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ پانچ انگریز خود بھی لقمۂ اجل ہوئے۔ مسٹر ٹیلر اور مسٹر اسٹیئز جان بچا کر بھاگے اور میگزین سے صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ لیکن حواس باختہ و حیران تھے کہ کہاں جائیں ہر طرف موت کھڑی تھی۔ رائس کا تو وہیں ڈھیر ہو گیا۔ بہ ہزار دقت ٹیلر صاحب کالج کے احاطہ میں آئے اور اپنے بڈھے خانساماں کی کوٹھری میں گھس گئے۔ اس نے انھیں مولوی محمد باقر، مولوی محمد حسین آزاد کے والد کے گھر پہنچا دیا۔ مولوی محمد باقر سے ان کی بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ انھوں نے ایک رات ٹیلر کو اپنے امام باڑہ میں رکھا لیکن دوسرے روز ٹیلر صاحب کو ہندوستانی لباس پہنا کر چلتا کیا۔ بہرام خاں کی کھڑکی کے قریب جب وہ اس سج دھج سے پہنچے تو لوگوں نے پہچان لیا اور اتنے لٹھ برسائے کہ وہیں دم دے دیا۔ بعد میں مولوی محمد باقر صاحب اس جرم میں سُولی پر چڑھائے گئے اور اُن کا کوئی عُذر نہ چلا۔ مولوی محمد حسین آزاد کا بھی وارنٹ کٹ گیا تھا اور مسٹر ٹیلر کے مارے جانے میں انکی بھی سازش سمجھی جاتی تھی مگر یہ راتوں رات نکل بھاگے اور کئی سال تک سرزمینِ دکن میں بادیہ پیمائی کرتے رہے۔ جب معافی ہوئے تو ہندوستان آئے۔

اسٹیئز سب سے اچھے رہے۔ میگزین اُڑنے سے اس کی چار دیواری میں دراڑ پڑ گئی تھی اس وجہ سے ٹیلر صاحب کے ساتھ باہر نکل آئے۔ یہ جمنا پار چلے آئے۔ وہاں یہ زندہ بچ گئے اور غدر کی پُر آشوب دار و گیر سے محفوظ رہے۔ رہے پروفیسر رام چندر، یہ پیدل چل کر پن چکی کی سڑک پر ہو لئے۔ قلعہ کے سامنے آئے انھوں نے دیکھا کہ چند ترک سوار یا مغلوں کا دستہ ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے آرہا ہے۔ یہ اُسے دیکھ کر اپنے گھر کی طرف مڑ گئے اور چاندنی چوک کے کوٹھے پر صحیح سلامت پہنچ گئے۔ وہاں سے انھیں ان کے بھائی رام شنکر داس اپنے ساتھ لے گئے اور کایستھوں کے محلہ میں اپنے کسی عزیز کے ہاں جا چھپے۔ مگر اُن کے اقربا نے اس خیال سے کہ کہیں آپکی وجہ سے ہم پر آفت نہ آجائے۔ ان کا وہاں رکھنا پسند نہیں کیا۔ اس کا ایک قدیم نوکر جاٹ تھا۔ اس نے بڑی وفاداری کی۔ اُنھیں جاٹ بنا گنواروں کے کپڑے پہنا کر پگڑ بندھوا اپنے گاؤں لے گیا اور وہاں رکھا۔ وہاں سے یہ باولی سرا میں انگریزی لشکر سے جا ملے۔ اسی ہنگامہ میں رابرٹس صاحب کی ۲ لڑکیاں اور پانچ عیسائی طلبا بھی ان کے ہاتھ سے مارے گئے۔

دن کے بارہ بجے کچھ دیر بعد کالج کا کتب خانہ لٹنا شروع ہوا۔ لیٹرے بے ڈھب تھے۔ انگریزی کی تمام کتابوں کی

خوبصورت خوبصورت فرموں کی جلدیں پھاڑیں اور ورقوں کا کالج کے تمام باغ میں دو دو انچ موٹا فرش بچھا دیا۔ فارسی اُردو کی جتنی کتابیں تھیں۔ ان کی گٹھریاں باندھ کر اپنے گھر لے گئے اور پھر کباڑیوں کے ہاتھ فروخت کر دیں۔ سائنس ڈپارٹمنٹ میں جتنے آلات تھے۔ انھیں بھی توڑ پھوڑ ڈالا۔ اور پتیل وغیرہ دھاتیں لے گئے (مرحوم دلی کالج ص ۹۳)

دہلی کالج کی تعلیم کس قدر مخدوش تھی اور اس کا طلباء پر کیا اثر پڑ رہا تھا۔ اس سے دہلی کا ہر ذی علم واقف تھا۔ چنانچہ اس کا ذکر ڈپٹی نذیر احمد صاحب نے اپنے لیکچر میں کیا ہے۔

"سائنس کی صدائیں کالج کے در و دیوار میں گونج رہی تھیں بلکہ ایک وقت تو ایسا آیا گو نجتے گو نجتے ڈھول بجنے لگے یعنی سائنس کے پروفیسر جناب ماسٹر رام چندر صاحب جوذات کے کایستھ تھے، تمام یوروپ میں اپنی ریاضی دانی کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ اصطباغ لینے پر آمادہ ہوئے۔ وہ علمی سوسائٹی میں بڑے نامور آدمی تھے۔ انھوں نے ڈنکے کی چوٹ عیسائی ہونا چاہا تو تمام شہر میں ڈھنڈورہ ساپٹ گیا اور جا بجا مباحثے کی مجلسیں گرم ہو گئیں عرب جماعتوں کے مولویوں اور طالب علموں کے ساتھ بھی آئے دن جوڑ ہوتی رہتی تھی۔ لیکن میں دیکھتا تھا کہ مولوی چپ تو نہیں ہوتے تھے۔ کچھ نہ کچھ کہے ہی جاتے تھے۔ مگر وہ کہنا سمجھنے والے کے نزدیک لاجواب ہونے کے برابر تھا اس لئے کہ یہ لوگ عیسائی مذہب کے کونے کھدرے سے محض ناواقف تھے۔ انکو خبر ہی نہ تھی کہ عیسائیوں میں کہاں کہاں پانی مرتا ہے۔ ورنہ نرا معاوضہ بالمثل ماسٹر صاحب کو بند کرنے کے لئے بس کرتا تھا۔ "غرض بات کہوں صاف، سائنس کے زہر نے باوجودیکہ میں نے اس کو ذرا کی ذرا چکھا ہی تھا۔ میرے ایمان کو ڈانواڈول کر دیا تھا[1]"

مولانا الطاف حسین حالی نے بھی دہلی کالج کے حالات دیکھے چکے تھے۔ انھوں نے بھی ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے خیالات کی تائید کی ہے:۔

"اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج رونق پر تھا مگر جس سوسائٹی میں میں نے نشو و نما پائی تھی وہاں علم صرف عربی اور فارسی زبان کو سمجھا جاتا۔ انگریزی مدرسوں کو ہمارے علما مچلے کہتے تھے۔ دلی پہنچکر جس مدرسہ میں مجھکو شب و روز رہنا پڑا۔ وہاں سب مدرس اور طلباء کالج تعلیم یافتہ لوگوں کو جاہلِ محض سمجھتے تھے۔ غرض کبھی بھول کر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل میں نہیں گزرتا تھا۔ ڈیڑھ برس دہلی میں رہا اس عرصہ میں کالج کو جاکر نہیں دیکھا۔ بعد میں بعض واقعات ایسے پیش آئے کہ لوگوں کو یہ کہنا پڑا کہ ان کی بدگمانی اور خیال غلط نہ تھا۔

---

[1] لیکچروں کا مجموعہ دوم ص ۴۲۴

ہندوستان میں مشنری کے کام کرنیوالے پادریوں کے حالات زندگی

(۱) ولیم کیری
(۲) ڈاکٹر سی - جی - فانڈر
(۳) طامس والپی فرنچ
(۴) پادری چارلس ولیم فورمین ڈی ڈی
(۵) بشپ جارج الیفرڈ لیفرائے
(۶) رابرٹ کلارک
(۷) پادری عمادالدین ڈی ڈی
(۸) پادری کالی چرن چٹرجی ڈی ڈی
(۹) اینڈرو گورڈن ڈی ڈی
(۱۰) پادری وارث الدین ایم بی ای
(۱۱) ٹامس ہنٹر شہید
(۱۲) پادری دینا ناتھ
(۱۳) ڈاکٹر جے - سی - آر یونگ
(۱۴) پادری جی - ایل - ٹھاکر داس
(۱۵) ڈاکٹر تھیوڈور لائیٹن پنیل
(۱۶) پادری طالب الدین - بی - اے
(۱۷) پادری (ماسٹر) رام چندر پانی پتی
(۱۸) پادری ٹامس ہاول
(۱۹) پادری رلا رام
(۲۰) پادری پی - سی - اُپل -

ولیم کیری

کیری ۱۷۶۱ء میں نارتھمٹن شائر کے ایک گاؤں پورسیری میں پیدا ہوا۔ یہ گاؤں کے غریب استاد کا بیٹا تھا۔ اس نے لاطینی اور یونانی زبانیں سیکھیں۔ اس نے پہلے موچی کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد گاؤں کے اسکول میں معلمی کی منادی اور آخرکار بپٹسٹ کلیسا کا خادم الدین ہوا۔ اس کے تعلقات اینڈرو فلر سے ہو گئے۔ جس کی اعانت سے سوسائٹی کا سیکرٹری مقرر ہوا اور اولنے بپٹسٹ گرجے کا شریک ہوا۔ اس کے بعد مولٹن گرجے کا پاسبان بنا۔ حضرت مسیح سے ولیم کیری کو بے پناہ محبت تھی۔ جس کی وجہ سے اس نے فیصلہ کیا کہ وہ انجیل کی اشاعت غیر ملکوں تک پہنچایا۔ اس فیصلہ کے مطابق اس نے ایک مضمون لکھ کر چھپوایا۔ اس مضمون کی کاپیاں بہت جلد فروخت ہو گئیں۔ اس کی قیمت سے اور چندہ جمع کر کے اس نے ۱۷۹۲ء میں ایک بشارتی انجمن قائم کی۔ جس کی میٹنگ میں غور کیا گیا کہ پہلے مشنری کہاں مقرر کیا جائے۔ چنانچہ طے ہوا کہ ولیم کیری مسٹر ٹامس کے ہمراہ ہندوستان جائے۔ چنانچہ یہ دونوں اپنے بال بچوں کے ساتھ ایک ڈینش جہاز "کراؤن پرنسیس میریہ" کے ذریعہ کلکتہ پہنچے۔ سفر کے دوران اس نے بنگالی زبان سیکھنی شروع کی تھی۔ کلکتہ پہنچنے کے بعد مکمل کر لی تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک جنگل میں تین برس کے پٹے پر زمین لی جس میں یہ سبزی بویا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ ایک نیل کے کارخانے کے مالک کو دو منیجروں کی ضرورت ہے۔ کیری اور ٹامس نے اس ذمہ داری کو سنبھالا۔ پانچ برس کے بعد کارخانہ بند ہو گیا تو اس نے تصنیف و تالیف اور ترجمہ کا کام شروع کیا۔ اس نے ایک قواعد لکھی۔ متی، مرقس اور یعقوب رسول کے خطوط کا ترجمہ کیا اور بنگالی زبان میں وعظ کہنا شروع کیا۔ کیری اپنے کاموں کی رپورٹ اپنی سوسائٹی کو انگلستان بھیجتا رہتا تھا۔ یہ رپورٹیں تسلی بخش ہوتی تھیں۔ جس کی وجہ سے سکریٹری سوسائٹی نے اس کی تنخواہ کے روپے بھیجے۔ اس رقم سے کیری نے کھدر پور میں ایک کارخانہ کھولا۔ اسی جگہ ایک گرجا گھر بنا لیا اور چھ سات سو اشخاص کی باقاعدہ کلیسیا بھی قائم کی۔ اس وقت ولیم کیری کو معلوم ہوا کہ انگلستان سے مسیحی جماعت کی مدد کے لئے اور مشنری آ رہے ہیں۔

کیری کے وعظ میں آس پاس کے لوگ ہی نہیں بلکہ بعض لوگ دور سے بھی آتے تھے۔ جب مشنری سیرامپور پہنچ گئے تو انھوں نے ۱۸۰۰ء میں ایک بڑا مکان خریدا۔ جس میں سب رہنے لگے اور ایک چھاپہ خانہ بھی قائم کیا۔ چھاپہ خانہ کا کام مختلف لوگوں میں تقسیم ہوا۔ ترجمہ کرنے اور پروف پڑھنے کا کام کیری نے اپنے ہاتھ میں رکھا۔ نئے آنے والے مشنریوں میں ایک شخص "وارڈ" تھا جس کو کیری انگلستان سے جانتا تھا۔ وارڈ چھاپنے کا کام خوب جانتا تھا۔ اس لئے اس کو چھاپہ خانہ کا مہتمم بنایا گیا۔

کیری لوگوں کی خدمت بھی کرتا تھا اور آپس کے جھگڑے بھی چکاتا تھا اور مسیحی دین کی تبلیغ بھی کرتا تھا۔ چنانچہ ۱۸۰۰ء کے آخری اتوار کو ایک ہندو کرشنا نے عیسائی مذہب قبول کیا۔[1]

کیری نے نئے عہدنامہ کا ترجمہ کیا۔ اس کی دو ہزار جلدیں اور متی کی انجیل کی پانچ سو جلدیں فروری ۱۸۰۱ء میں شائع کیں

---

[1] مشنری پیشوا۔ ص ۳۰

جس کے بعد سرکار نے سیرامپور کی مشنری سوسائٹی کی طرف توجہ دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کیری فورٹ ولیم کالج میں انگریز افسران کو بنگالی زبان سکھانے پر مامور ہوا۔ اس کے بعد بنگالی کے علاوہ سنسکرت اور مرہٹی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ پہلے اس کو چھ سو پونڈ (۹ ہزار روپے) سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ پروفیسر بننے کے بعد ۱۵۰۰ پونڈ (۲۲۵۰۰ روپے) سالانہ تنخواہ ہو گئی۔ اس رقم میں سے وہ تھوڑی سی رقم اپنے خاندان کے اخراجات کے لئے اپنے پاس رکھتا تھا۔ بقایا کام مشنری کاموں میں لگاتا تھا۔

۱۸۰۴ء میں کیری طلبا کے ساتھ مناظرہ کے جلسہ کا صدر مقرر ہو۔ یہ جلسہ وائسرائے کی قیام گاہ پر ہوا تھا۔ اس موقع پر کیری نے سنسکرت زبان میں ایک مقالہ پڑھا۔ جس کو بہت پسند کیا۔ ۱۸۰۷ء کو لال بازار کلکتہ میں ایک گرجا گھر تعمیر ہوا۔ جس میں کیری وعظ کہتا تھا۔ کیری اور ان کے ساتھیوں نے ۱۸۰۹ء میں پوری بائیبل بنگالی میں اور کچھ حصے اردو، فارسی اور سنسکرت زبانوں میں شائع کئے۔ اور کیری نے نئے عہدنامے کا ۳۴ زبانوں میں، پرانے عہدنامے آٹھ زبانوں میں، اور پوری بائیبل کا ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا۔ ان کے علاوہ کئی لغات اور قواعد کی کتاب بھی لکھیں۔

پہلا اسٹیم انجن (بھاپ سے چلانے والا) جو ہندوستان میں لگایا گیا تھا، وہی تھا جو ولیم کیری نے اپنے چھاپہ خانہ کے کاغذ بنانے کے لئے خریدا تھا۔ کلکتہ میں جو بائیبل سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ اس میں بھی ولیم کیری اور ان کے ساتھیوں نے بڑی مدد کی تھی۔

کلکتہ میں جو بائیبل سوسائٹی قائم ہوئی تھی اس میں بھی ولیم کیری کا ایک اسکول قائم ہوا۔ ایک سال کے بعد اس میں لڑکیوں کے داخلہ کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ یہ اسکول یتیم خانہ کے طور پر تھا۔ جہاں غریب بچے بھی تعلیم حاصل کر سکتے تھے۔ اس اسکول سے ہندوستانیوں نے کوئی تعلق نہیں رکھا۔ چندہ دینے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لی تو ولیم کیری نے مجبور ہو کر سرکار سے مدد لی۔ اس کا تمام قرضہ ادا ہوا اور اس کو چلانے کے لئے ۲۴۰ پونڈ (۳۶۰۰ روپے) سالانہ بطور امداد ملنے لگے۔ ستی کی رسم کو ختم کرانے کے لئے کیری نے ۱۸۲۹ء میں ایک قانون نافذ کرانے میں نمایاں حصہ لیا۔ کوڑھیوں کے علاج کے لئے ایک کوڑھیوں کا شفاخانہ قائم کر لیا۔ جس میں ان کا علاج معالجہ ہوتا تھا۔

۱۸۱۸ء میں کیری نے سیرامپور کالج قائم کرانے میں جانفشانی سے کام لیا۔

ولیم کیری کو علم خواص الاشیاء (نیچر) اور علم ترکیب زمین (جیالوجی)، علم نباتات اور علم زراعت میں کمال حاصل تھا۔ ان علوم پر اس نے کئی کتابیں بھی لکھیں۔ کیری کو بہت سی ڈگریاں اور خطابات بھی ملے۔ ولیم کالج سے علیحدہ ہونے کے تین برس کے بعد ڈگری ملی۔ سرکاری مترجم ہوا۔ سرکاری کالج میں مشرقی زبانوں کا پروفیسر بنایا گیا اور جیالوجیکل کالج کا فیلو بھی تھا۔ کیری ۹ جون ۱۸۳۴ء کو ۷۳ برس کی عمر میں فوت ہوا اور سیرام پور میں دفنایا گیا[1]

ڈاکٹر سی جی فانڈر

کارل گوٹلیب فینڈر پورا نام ہے۔ ۱۸۰۳ء میں مقام ویلنگن میں پیدا ہوئے۔ جو ورٹم برگ جرمنی میں واقع ہے اس

---

[1] مشنری پیشوا ص ۴۳

باپ نانبائی کا کام کرتا تھا۔ وہ لاطینی زبان سیکھنے کے لئے بچپنے میں داخل کردیا گیا تھا۔ اسی لڑکپن کے زمانہ میں وہ دینداری کی طرف راغب تھا۔ خاص طور پر پادری فریڈرک کی تعلیم کا اس پر بہت اثر ہوا اور اس کو مسیحی مبلغ بننے کا شوق دامنگیر ہوگیا۔ جس کی وجہ سے وہ ۱۸۲۰ء میں بائیبل مشنری کالج میں پانچ سال تک علم الہیات کا مطالعہ کرتا رہا۔

فینڈر کو مختلف زبانیں سیکھنے کی تمنا تھی۔ اور کالج کی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ اس کو ایشیائی زبانوں میں کتاب مقدس کا ترجمہ کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ لہٰذا ۱۸۲۵ء میں وہ دو اور مشنریوں کے ساتھ آرمینیا کے ملک کے ایک قصبہ شوشا میں بھیجا گیا۔ جو بحرِ اسود اور بحرِ کیسپین کے درمیان ہے۔ شوشا کا مشن مسلمانوں کے لئے تھا۔ فانڈر صرف ۲۲ سال کا تھا۔ اس کو تین زبانیں سیکھنی پڑیں۔ یعنی ترکی، تاتاری، آرمینی اور فارسی۔ وہ مسلمانوں میں مسیحی اصولوں کا پروپیگنڈہ کرتا تھا۔ ان ہی ایام میں اس نے میزان الحق ۱۸۲۹ء میں پہلے پہل جرمن زبان میں لکھی۔ اس کا ترجمہ پہلے فارسی، پھر انگریزی، اردو، مرہٹی، ترکی اور عربی زبان میں ہوگیا۔

۱۸۲۹ء میں وہ ایک مشنری کے ساتھ بغداد گیا۔ کیونکہ اس کو عربی سیکھنے کا شوق تھا۔ اس زمانہ میں بغداد میں انجیل کی اشاعت کی ممانعت تھی وہاں وہ عربی سیکھتا تھا۔ اس وقت میزان الحق آرمینی، ترکی، تاتاری اور فارسی زبانوں میں ترجمہ ہوچکی تھی۔ ۱۸۳۱ء میں وہ ایک قافلہ کے ہمراہ ایران کے طرف روانہ ہوا۔ تمام قافلہ میں وہ اکیلا عیسائی تھا۔ کارواں والے اس کو بلائے فرنگ کہتے تھے۔ کرمان ہوتا ہوا وہ اصفہان پہنچا۔ وہاں اس نے یہودیوں اور مسلمان اور آرمینیوں کو مسیحی کتب تقسیم کیں اور تبلیغ نصرانیت کی۔

۱۸۳۳ء میں وہ طہران سے ہوتا ہوا واپس شوشا کی طرف چلا گیا۔ وہاں سے وہ شمکی اور یا گیا۔ پھر تبریز کا راستہ اختیار کیا۔ اس جگہ اس نے ایک آزاد خیال ایرانی منشی کی میزان الحق کی نظرثانی کرنے میں مدد لی۔ مدد چالاکی سے اس طرح لی کہ ایرانی ملّا کو معلوم نہ ہوسکے کہ یہ کتاب ردِ اسلام میں ہے۔ آخر میں جب ملّا کو معلوم ہوا تو ملّا نے کہلا بھیجا۔ ہمیں افسوس ہے کہ یہ کتاب قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اگر ہمیں اس ناپاک مضمون کی اطلاع ہوتی تو ہم مدد کرنے کا کبھی وعدہ کرتے۔

۱۸۳۳ء میں وہ واپس اپنے گھر جرمنی گیا۔ اس سال اس کی شادی صوفیہ ریوس سے ہوگئی۔ جو ماسکو کے ایک سینٹر (ممبر پارلیمنٹ) کی بیٹی تھی۔ اس کو بھی زبان کی تحصیل کا خاص ملکہ تھا۔ ۱۸۳۴ء میں دونوں میاں بیوی شوشا آئے ۱۸۳۵ء میں فانڈر کی بیوی فوت ہوگئی۔ اسی سال عیسائیوں کی شرارت اور فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے شوشا میں تبلیغی کام کی ممانعت کردی اور اس طرح ایک سلطنت نے شوشا کا مشن بند کردیا۔

ہندوستان میں } فانڈر اور گریس ۱۸۳۷ء میں ہندوستان بھیجے گئے اور ایران و خلیج فارس سے ہوتے ہوئے کلکتہ پہنچے وہاں چرچ مشن سوسائٹی کے مشنری وائی برائز اور پروان کے مشنری بریخٹ نے ان کا خیر مقدم کیا۔ ۱۸۴۰ء میں فانڈر اور گریس نے بائیبل کمیٹی سے قطع تعلق کرلیا اور چرچ مشنری سوسائٹی کی جانب سے آگرہ بھیج دیئے گئے۔ ہندوستان پہنچتے ہی فانڈر نے اردو سیکھی اور میزان الحق کو مکمل کردیا۔ بمبئی اور کلکتہ کے احباب کی مدد سے اس نے فارسی تالیفات چھپوا کر بنارس، آگرہ اور بمبئی روانہ کیں۔

مولانا رحمت اللہ صاحب اور پادری فنڈر کا مناظرہ آگرہ میں ۱۸۵۴ء میں ہوا۔ پادری کو جب مناظرہ میں شکست ہوئی تو ۱۸۵۵ء میں قسطنطنیہ پہنچ گیا۔ وہاں سلطان عبدالعزیز سے اس نے ڈینگیں ماریں کہ میں نے آگرہ میں ایک عالم کو شکست دی۔ چنانچہ مولانا صاحب قسطنطنیہ پہنچے تو پادری نے اُن کی شکل دیکھی تو فرار ہوگیا۔

وفات یکم دسمبر ۱۸۶۵ء کو فانڈر نے وفات پائی۔ فانڈر کی قبر انگلستان میں اہم مقام پر ہے۔ پادری فانڈر کی کتابیں میزان الحق، طریق الحیات، مفتاح الاسرار، حل الاشکال ہیں۔ جو انگریزی فارسی، اردو، عربی زبانوں میں ہیں۔

بشپ جارج الیفرڈ لیفرائے

جارج الیفرڈ لیفرائے کے والد کا نام پادری جیفری لیفرائے تھا۔ جو آئرلینڈ میں اگاورک میں خادم الدین تھا۔ لیفرائے ۱۱ اگست ۱۸۵۴ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی زندگی کو مذہب کے سانچے میں ڈھالنے والی شخصیت اس کی ماں تھی۔ اسکول میں داخلہ کے بعد وہ لڑکوں کیلئے نمونہ تھا۔ ۱۸۷۲ء میں وہ ٹرنٹی کالج میں داخل ہوا۔ ۱۸۷۸ء میں اس نے علم الٰہیات درجہ اول میں پاس کیا۔ انھیں ایام میں جب وہ کیمبرج میں طالب علم تھا اس کو وہ لوگ ملے جو دہلی میں کیمبرج مشن قائم کرنا چاہتے تھے۔ بشپ فرینچ اور پروفیسر وسٹکٹ کے ایما پر مشن ۱۸۷۷ء میں قائم ہوا تھا۔ ڈگری حاصل کرنے کے بعد جارج لیفرائے نے کیمبرج میں عبرانی اور فارسی کا مطالعہ شروع کیا۔ ۱۸۷۹ء میں وہ ڈیکن کے عہدہ پر مقرر کیا گیا۔ ہندوستان آتے وقت اس کا ہمسفر پادری ایس۔ ایس۔ آلمنٹ تھا۔ اس سے پہلے کیمبرج مشن کے چار مشنری دہلی میں موجود تھے۔ ان دونوں کے بعد یہ تعداد ۶ ہوگئی۔

لیفرائے نے یہ مشکل کام "بشارت" کا لیا۔ ۱۸۸۱ء میں وہ مہرولی قصبہ کے ایک مکان میں رہنے لگا۔ ۱۸۸۶ء میں دہلی میں مشن کالج کھولا گیا۔ ایس۔ پی۔ جی۔ مشن کے مشنریوں نے کیمبرج مشن کے آنے سے پہلے چماروں میں کام شروع کیا ہوا تھا۔ یہ چمار دہلی کی اردگرد کی بستیوں میں رہتے تھے۔ لیفرائے ان کے علاوہ مسلمانوں میں بھی کام کرنے لگا تھا۔ وہ کہتا ہے:۔

۔ گو انجیل سطحی طور پر چماروں میں داخل ہوئی ہے۔ تاہم یہ کامیابی دیگر اقوام میں کام کرنے سے روکتی ہے اور کام میں ہر طرف سے مایوسی ہوجاتی ہے۔ "مسیحیوں چمار مسیحیوں" کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ کیونکہ گو وہ عیسائی ہوجاتے ہیں۔ لیکن وہ غیر مسیحی بھائیوں کے درمیان رہتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مشرکانہ رسوم سے باز نہیں رہ سکتے۔ جب کوئی ہندو مسلمان عیسائی ہوجاتا ہے تو اس کو برادری سے خارج کردیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی مشرکانہ رسوم سے باز نہیں رہ سکتے اس کے لئے مشکلات پیدا کردیتی ہیں۔ ایسی مشکلات چمار مسیحیوں کو پیش نہیں آتیں۔ وہ مسیحی ہونے کے بعد اپنے ہی بھائی بندوں میں رہتے ہیں۔ ان کے مخرب اخلاق گیت سنتے ہیں۔ ان کی مشرکانہ رسوم میں شریک ہوتے ہیں اور چونکہ مذہبی معاملات

ناواقف رہتے ہیں۔ انجیل کا خمیر ان میں اثر نہیں کرتا۔ ایک تجویز ہے کہ مسیحی چماروں کی بستی الگ قائم کی جائے۔ آٹھ گھر اس غرض سے تعمیر کئے گئے ہیں اور ان پر تین پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ اتوار کے دن کوئی کام نہیں کریں گے۔ دوم پیدائش شادی اور موت پر مسیحی رسوم ادا کی جائیں گی۔ سوم وہ چرس کے استعمال سے پرہیز کریں گے۔ دریا گنج کے مسیحی چماروں کی ایک پنچایت منعقد ہوئی۔ رات کے ساڑھے بارہ بجے اس معاملہ پر بحث شروع ہوئی۔ بالآخر گنگا کا پانی لایا گیا اور ان سے کہا گیا کہ مشرکانہ رسوم کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس کو اٹھائیں۔ لیکن جو مسیحی رسوم پر عمل کرنا چاہیں وہ علیحدہ ہو جائیں۔ ۲½ بجے تک یہ بحث جاری رہی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ایک بڑی تعداد مرتد ہو گئی اور معدودے چند گرجا گھر میں عبادت کے لئے جمع وہ مسیحی بستی میں رہنے لگے۔ کئی برسوں کے کام پر اس طرح پانی پھر گیا (ہسٹوری آف دہلی مشن)

۱۸۸۵ء میں بکرسٹیتھ بیماری کی وجہ سے کیمبرج مشن سے مستعفی ہو گیا اور تندرست ہونے کے بعد اس نے عربی سیکھی۔ اور اسلامی کتب تفسیر سے واقفیت بہم پہنچائی۔ وہ بازار میں منادی کرتا تھا اور رات دن اسی کام میں مصروف رہتا تھا۔ رات میں کی وجہ سے مسجدوں میں بحث کرتا تھا۔ جمعہ کو صبح کو خاص طور پر تین گھنٹے مسیحی مسائل پر گفتگو کرتا تھا۔ ۱۸۹۰ء میں اس نے بکرسٹیتھ ہال بنوایا۔ تاکہ دھوپ بارش آندھی وغیرہ میں لوگ آرام سے بیٹھ کر مسیحی پیغامات سن سکیں۔

لیفرائے اور مولانا شرف الحق کا مناظرہ

لیفرائے کے لیکچروں کا عوام میں زور بڑھ رہا تھا۔ وہ طالب علم … کو ورغلاتا تھا۔ چنانچہ دہلی کے مشہور و معروف مناظر اور … میں ید طولیٰ رکھنے والے عالم مولانا شرف الحق صاحب نے اس کا زور توڑنے کے لئے مناظرہ کی دعوت دی۔ چنانچہ دسمبر ۱۸۹۰ … میں مسجد فتحپوری کے اندر ہوا جو تین دن تک ہوتا رہا۔ اس میں لیفرائے کو مولانا نے بھری سبھا میں شکست فاش دی۔ لیفرائے نے تسلیم کیا کہ انجیل میں تحریف ہوئی۔ یہ اعتراف نامہ اس نے اس مجمع عام میں لکھ کر مولانا موصوف کو دیا (تفصیل مولانا کے حالات زندگی کی "داستان شرف" میں ملاحظہ فرمائیں)

لیفرائے دہلی کی میونسپل کمیٹی کا ممبر بھی رہا۔ لیکن جب اس کو افسر اعلیٰ چنا گیا تو اس نے ممبری سے استعفیٰ دے دیا۔ دہلی کے مشن کالج میں بی۔ اے کی کلاس کو بھی پڑھاتا تھا۔ ۱۸۹۵ء میں کتاب الصلواۃ کے اردو ترجمہ پر نظر ثانی میرٹھ میں … گئی۔ کیونکہ نششت مرجع کا ترجمہ عربی اور فارسی الفاظ سے بھرا ہوا تھا۔ لیفرائے اس ترجمہ کمیٹی کا ممبر تھا۔

دہلی میں بیس سال تک مبشر کا کام کرنے کے بعد ۱۸۹۹ء میں وہ لاہور کا اسقف مقرر کیا گیا۔ ۱۹۰۰ء میں اس نے اسقفی کونسل کی بنیاد رکھی۔ تاکہ وہ دیگر خادم الدینوں کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے علاقہ کا انتظام کرے۔ اب یہ کونسل ایک مستقل ادارہ ہے لیفرائے پہلا شخص تھا جس نے اس کو شروع کیا۔

لیفرائے کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ فوج میں قماربازی، شراب خوری اور زنا کم ہو۔ اس نے لارڈ کچنر سے بہت سی باتیں منظور کرایا۔ لارڈ کرزن کے ساتھ اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ سر میکورتھ ینگ اس کا خاص دوست تھا۔

۱۹۰۹ء میں بشپ لیفرائے نے ایک ہندوستانی کو آرچڈیکن کو مقرر کرنا چاہا تو یورپین مشنریوں کی بڑی تعداد نے تجویز کی مخالفت کی۔ لیکن لیفرائے نے یہ کہکر کہ ہندوستانی آرچڈیکن ہندوستانی جماعت کا ہوگا۔ پادری احسان اللہ کو …

مقرر کیا۔ ۱۹۰۲ء میں اس نے انجیل جلیل کی تفسیروں کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اس سلسلہ کا جنرل ایڈیٹر تھا۔

۱۹۱۲ء میں کلکتہ کا بشپ کوپلسٹن اپنے عہدے سے مستعفی ہو گیا۔ تمام اسقفوں میں لیفرائے ہی اس لائق سمجھا گیا کہ کلکتہ کا بشپ بنایا جائے۔ کلیسیا اور گورنمنٹ دونوں کی آنکھیں اسپر لگی ہوئی تھیں۔ لارڈ مارلے اس کا مداح تھا۔ اس نے ایکبار لارڈ منٹو وائسرائے کو لکھا کہ کل بشپ لیفرائے مجھ سے ملنے کے لئے آئے۔ وہ ان معدودے چند آدمیوں میں سے ہے جن میں بڑی کشش ہے۔ اس کی ملاقات سے میں نہایت محظوظ اور اس قدر متاثر ہوا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں دُنیا دنیا سے بے خبر ہو گیا ہوں۔ کلکتہ کا بشپ مقرر ہوتے ہی اس نے بنگالی زبان کی تحصیل شروع کی۔ چونکہ وہ اردو ہندی زبانوں سے بخوبی واقف تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ بنگالی بھی سیکھ لے گا۔ چنانچہ اس نے اس زبان میں بھی کافی مہارت حاصل کرلی۔ لیکن اس کی صحت نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔ وہ یکم جنوری ۱۹۱۹ء کو فوت ہو گیا۔

طامس والپی فرنچ

طامس والپی فرنچ پادری پیٹر فرنچ کے بڑے صاحبزادے تھے وہ ۱۸۲۵ء میں نوروز کے دن پیدا ہوئے انکی والدہ کا نام کنوارپنے میں پنی لوپ آربیلا والپی تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا نام والپی رکھا گیا۔ پیدائش انکی واقع برٹن لب دریائے ٹرنٹ ہوئی۔ جہاں اُن کے والد خادم الدین تھے۔ فرنچ نے پہلے ایک سال تک گرمر اسکول واقع ریڈنگ میں تعلیم پائی اس کے بعد رگبی اسکول میں داخل ہوئے۔ ۱۸۴۶ء میں انھوں نے امتحان میں اول درجہ کی عزت حاصل کی۔ دو برس بعد لاطینی زبان میں ایک مضمون کے صلہ میں انکو چینسلر کا انعام ملا۔ اسی سال میں انکا تقرر ڈیکن کے درجہ پر کیا گیا اور وہ برٹن میں اپنے باپ کے اسسٹنٹ بنے اور ۱۸۴۹ء میں انکا تقرر قسیس کے عہدہ پر ہوا۔

اپریل ۱۸۵۰ء میں اپنی درخواست چرچ مشنری سوسائٹی کو روانہ کردی اور ہندوستان میں تبلیغ کرنے کے لئے آکسفورڈ سے دستبردار ہو گئے۔ ان کا ایسا کرنا دیدہ و دانستہ عزت و آرام کا ترک کرنا تھا۔ کیونکہ وہ اپنی یونیورسٹی میں بڑا مرتبہ حاصل کرتے۔ سوسائٹی نے اُن کی درخواست منظور کی اور آگرہ میں جو مشن کالج قائم ہونے والا تھا۔ اس کا پرنسپل مقرر کردیا۔ یہ ستمبر ۱۸۵۰ء میں جہاز پر سوار ہو کر ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے اور تقریباً چار ہفتہ کا سفر طے کرکے دوسری جنوری کو کلکتہ پہنچے۔ اور فروری ۱۸۵۱ء کو آگرہ پہنچے۔ یہاں فرنچ نے آٹھ برس تک کام کیا۔ اس شہر میں چرچ آف انگلینڈ کے متعلق مشن کا کام ۱۸۱۲ء میں اس وقت شروع ہوا۔ جبکہ ریو ڈیکن دانیال کوری عبدالمسیح کو یہاں لایا۔ صرف ایک یہی شخص تھا جو پادری ہنری مارٹن کی کوشش سے مسیحی ہوا تھا۔ ان کی وفات نے ۱۸۲۷ء میں مشن کا کام ملتوی کرنے پر مجبور کیا۔ ۱۸۳۷ء میں مشن کا کام پھر شروع ہوا۔ اس وقت سخت قحط سالی تھی اور بہت سے یتیم بچے مشنریوں کو سپرد کئے گئے جن کے واسطے ایک یتیم خانہ سکندرہ میں قائم کیا گیا۔ جب ۱۸۵۱ء میں اس کی اعلیٰ تعلیم کا آغاز سینٹ جانز کالج کے کرنے کی وجہ سے ہوا۔ تب مشن گویا تیسرے درجہ پر پہنچا۔

فرنچ کو غیر زبانیں سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ اس لئے اس کو غیر زبانوں کی واقفیت رکھنے کی وجہ سے "ہفت زبان پادری"
لقب دیا گیا۔ وہ اپنا زیادہ وقت زبانوں کے جاننے اور زبانیں سکھانے میں گزارتا تھا۔ فرنچ کی بڑی آرزو یہ تھی کہ کالج کلیسا
خادمانِ دین کی تربیت کا مقام ہے۔ چنانچہ انہوں نے سات برس کام کرنے کے بعد مجھے لکھا کہ اگر ایک خادم بھی یہاں سے
پیدا ہوا تو میں یہ سمجھ لوں گا کہ جو محنت میں نے کالج پر کی ہے۔ اس کا بدلہ مجھے مل گیا۔ یہ خوشی سب کو حاصل ہے اور
ایک طالب علم مادھو رام جبلپور کی ایک جماعت کا پاسبان مقرر ہوا۔

فرنچ بازاروں میں مسیحیت کی تبلیغ کرتا تھا۔ چنانچہ یہی وہ فرنچ ہے جس نے مولانا رحمت اللہ اور پادری فانڈر کے
مناظرہ کا اہتمام کیا اور پادری فانڈر کے ساتھ معاون کی حیثیت سے مناظرہ میں شامل ہوا۔ پادری فانڈر کا بڑا مداح
اور معتقد و دوست تھا۔ فرنچ بازاروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی جاتا تھا اور تبلیغِ مسیحیت کرتا تھا

غدر ۱۸۵۷ء میں اس نے سکندرہ کی بستیوں میں عیسائیوں سے قابلِ تعریف کا سلوک کیا۔ جس سے اس نے
ہندوستان کے مسیحیوں کے دل میں جگہ پائی۔ اس اثناء میں اس کی بیوی قلعہ میں رہنے کی وجہ سے بیمار ہو گئی۔ جس
کی وجہ سے ۱۸۵۹ء میں وہ ولایت چلے گئے۔ ۱۸۶۲ء میں ہندوستان آیا۔ جہاں اس کو سرحدی ضلع میں مشن کا کام
سپرد کیا گیا۔ ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں دریا کے کنارے وہ منادی کیا کرتے تھے۔ جہاں کے افغان پکے نمازی مسلمان تھے۔
فرنچ کے قبضہ میں نہ آئے۔ بلکہ وہ اس ضلع میں زیادہ نہ رہ سکا۔ اور جنگل میں لُو لگنے کی وجہ سے ولایت چلا گیا

فرنچ ۱۸۶۹ء میں ملتان گئے۔ یہاں ہمیشہ مشن کے کام کی سخت مخالفت ہوتی تھی۔ ۵ نومبر ۱۸۶۹ء میں
انھوں نے مہمان باغ میں ملتان میں کالج قائم کرنے کے لئے زمین خریدی۔ جس میں طلباء نومبر ۱۸۷۰ء سے داخل
ہونا شروع ہو گئے۔ ۱۵ اور دسمبر ۱۸۷۲ء کا روز کالج کی تاریخ میں بڑی خوشی کا دن تھا۔ کیونکہ اس روز بشپ ملمن نے کالج کے
دو طالب علموں کو پہلی دفعہ خادم الدین بنایا۔ یہ جان ولیم اور امام شاہ تھے۔

۴ دسمبر ۱۸۷۷ء کو فرنچ لاہور کے بشپ بنائے گئے۔ انھوں نے پہلا کام گرجا بنانے کا کیا اور ۲ لاکھ روپیہ
چندہ کرنے کی اپیل کی۔ دسمبر ۱۸۸۲ء میں ان کو چرچ مشنری سوسائٹی کا معائنہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ وہ وہاں کی تبلیغ
مسیحیت کی مخالفت کا ذکر کرتے ہیں۔

"بیشک شہزادہ صاحب اس وقت دینی آزادی کی حمایت میں دلیری کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن شیخ الاسلام جو اس ملک میں
اسلام کے بڑے صاحبِ اختیار مجتہد ہیں اور حتی الامکان علانیہ ان کا (مشنریوں کا) مقابلہ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر بروس صاحب
اور میں آج دوپہر کے بعد مسجد میں جو تین میل کے فاصلہ پر ہے، سوار ہو کر گئے اور اُن کے پاس ایک گھنٹہ تک رہے انھوں
نے مصمم ارادہ ظاہر کیا کہ اصفہان میں کتب مقدسہ کے نسخوں کی فروخت بند کر دیں گے۔ کتب مقدسہ کی فروخت کی شکا
کرتے تھے۔ وہ بحث میں گرم اور تیز ہو گئے۔ ہم نے بہت کچھ ان سے سوال کیا کہ انجیل کے پھیلانے میں آسانی ہونی چاہئے
لیکن وہ پرلے درجہ کے سخت دل اور بد مزاج معلوم ہوتے تھے۔ بہت سے مُلا ان کے گرد بیٹھے تھے اور خوشامد کر کے انکو
ابھارتے تھے۔ ہمارے لئے تسلی کی بات یہ ہے کہ خدا کا کلام مقید نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ کل انھوں نے کتب فرو

کو گرفتار کرایا لیکن آخرکار یہ حکم دیکر کہ نہ یسوع کے نام کی منادی کرنا اور نہ اس کی نسبت بات کرنا، اس نے چھوڑ دیا۔

سنہ ۱۸۷۷ء میں ایک گرجا کی بنیاد ڈالی۔ جسپر چالیس ہزار روپے صرف بنیاد پر خرچ ہوئے۔ اس گرجا کا نام کتھیڈرل گرجا تھا جولائی سنہ ۱۸۸۶ء میں فرنچ نے صحت کی خرابی کی وجہ سے بشپ شپ سے ۲۲ دسمبر سنہ ۱۸۸۷ء کو استعفیٰ دے دیا۔ وہ پورے دس سال اس عہدہ پر مامور رہے۔ ۶ جنوری سنہ ۱۸۸۸ء کو وہ انگلستان چلے گئے۔ ہندوستان سے انکا تعلق منقطع ہوگیا۔

سنہ ۱۸۹۰ء میں مصر و ٹیونس گئے اور مسقط پہنچے۔ چونکہ مسقط میں گزارہ کے لئے مکان ملنا دشوار تھا۔ اس واسطے فرنچ مترا میں جو ایک قصبہ مسقط سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ ایک مکان جو اس کو سکونت کے وقت پیش کیا گیا تھا لے لیا۔ فرنچ یہاں تبلیغ مسیحیت کے ساتھ عربی زبان کے مطالعہ میں زیادہ تر مصروف رہے۔ مسقط میں ہی انکا انتقال ہوا۔ لاہور کے استقفی گرجا میں ایک پیتل کی تختی پر عبارت ذیل کندہ ہے۔

ٹامس والپی فرنچ ڈی۔ ڈی کا جو یونیورسٹی کالج واقع آکسفورڈ کے سابق فیلو اور استقفی گرجا کے بانی تھے۔ سنہ ۱۸۵۱ء سے جب وہ ہندوستان آئے۔ خدا کی کلیسیا کی دینی خدمت کرتے رہے۔ اول صبر و شکر کوشش کے ساتھ شمال و مغربی اضلاع میں پنجاب میں بحیثیت مشنری ہونے کے اور اس کے بعد دس برس بحیثیت اس علاقہ کے بشپ ہونے کے سنہ ۱۸۷۷ء سے سنہ ۱۸۸۷ء تک رہے۔ بشپ ممدوح نے مسقط واقع ملک عرب میں مسیح کی بادشاہت کا یک و تنہا شاہد بنکر بتاریخ ۱۴ مئی سنہ ۱۸۹۱ء انتقال کیا۔

(تذکرہ بشپ فرنچ تاراچند لائف آف ٹی۔ وی فرنچ از برک۔)

پادری چارلس ولیم فورمین

چارلس ولیم فورمین صوبہ کن ٹکی کے شہر واشنگٹن سے آدھے میل باہر ۳ مارچ سنہ ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوا۔ اس کے آباؤ اجداد سنہ ۱۶۳۵ء میں بشپ لارڈ کے مظالم سے تنگ آکر امریکہ نقل مکانی کر گئے۔ یہاں کے ڈچ عوام نے ان کو خوش آمدید کہا اور لونگ آئی لینڈ میں اس کو جاگیر بھی عطا کی۔ امریکہ کی جنگ آزادی میں اس خاندان کے ۱۳ فرد شریک تھے۔ یہ خاندان آزادی سے محبت رکھنے کے لئے مشہور تھا۔

ان دنوں غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ اور فورمین کا خاندان غلام رکھتا تھا۔ اس نے اشتہار دیا کہ جو غلام اپنے مالک کی اجازت سے پڑھنا چاہے۔ اس کو میں گرجا گھر میں پڑھاؤں گا۔ جب وہ گرجا میں گیا تو غلاموں کی کثیر تعداد پائی۔ اس کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ وہ تبلیغی زندگی گزارے گا چنانچہ وہ سینٹرل کالج کن ٹکی میں اور پرنسٹن تھیولوجیکل کالج میں سات سال تک پڑھتا رہا۔

جنوری سنہ ۱۸۴۸ء میں کلکتہ میں آکر فورمین ڈاکٹر وف کا مہمان ہوا۔ اس نے انگریزی زبان میں سکول کھولنے کا فیصلہ کیا۔ کلکتہ سے پنجاب گیا اور تسخیر پنجاب سے چند ماہ پہلے وہ لدھیانہ پہنچ گیا۔

۱۸۳۴ء میں پادری جان لوری لدھیانہ آچکا تھا۔ اس کے ایک سال بعد پادری نیوٹن اور اس کی بیوی ۱۸۳۵ء میں امریکن پریسبیٹرین مشن کے مشنری ہو کر پہلے پہل آئے۔ ان دنوں لدھیانہ سرحدی شہر تھا۔ کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کی سلطنت کے درمیان دریائے ستلج حائل تھا۔

سکھوں کی پہلی لڑائی کے ۱۸۴۶ء کے آغاز میں جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے جالندھر دوآبے پر قبضہ کر لیا۔ امریکن مشن نے لدھیانہ سے جالندھر شہر میں اپنے مناظر اور واعظ بھیجے۔ مسٹر پورٹر اور مسٹر گولک ناتھ وہاں گئے۔ پورٹر نے وہاں مشن کمپاؤنڈ کے لئے زمین خریدی۔ جو شہر کے نزدیک تھی۔ مسٹر گولک ناتھ جالندھر متعین کیا گیا۔

۱۸۴۹ء میں جوں ہی پنجاب انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ پادری فورمین اور نیوٹن لاہور روانہ کئے گئے۔ انھوں نے اپنی رپورٹ سالانہ اجلاس میں پیش کی۔ جس کے بعد وہ اسکے انچارج بنائے گئے۔ انھوں نے چندہ کیا۔ پہلے بیرون بھاٹی دروازہ میں سکول شروع کیا۔ پادری نیوٹن مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حویلی میں ایک سال تک رہے۔ مفر صحت ہونے کی وجہ سے راجہ کا دوسرا مکان جو اس نے غیر فرانسیسی اطالوی جرنیلوں کے لئے بنوایا تھا، لیا۔ اس احاطہ کے اندر ایک پرانی قبر تھی جس پر ایک بڑا گنبد تھا۔ اس قبر کے چوگرد محرابدار کمرے تھے۔ یہ محرابیں بند کی گئیں اور ان میں خشت اور کھڑکیاں [illegible] لگادی گئیں اور ان کمروں میں پادری فورمین نے رہائش اختیار کی۔

ان دنوں وہاں کے حکام تمام تر عیسائیوں کے نزدیک خدا پرست تھے۔ جنھوں نے پادریوں کی بڑی مدد کی اور شاندار خیر مقدم کیا۔ جنوری ۱۸۵۰ء میں اسکول کی ابتدا کی۔ لڑکوں کو ہر دو پادری پڑھاتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ اپنے بچوں کو اسکول میں داخل نہیں کراتے تھے۔ لیکن یہ کام کئے چلا گیا۔ اس کی پانچ شاخیں کھل گئیں۔ تین ماہ میں اسکول کے طلبا کی تعداد ۷۰ ہو گئی تھی۔ مسٹر گورداس مترا بنگالی عیسائی اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ فورمین نے ۲۵ سال تک لاہور میں تعلیمی کام کیا۔ لیکن وہ تبلیغی کام سے بہت خوش ہوتا تھا۔ وہ لوہاری دروازہ، دہلی دروازہ، چوک جھنڈا، رنگ محل، ہیرا منڈی اور شارع عام پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یسوع کا پیغام روزمرہ بلاناغہ سناتا تھا۔ اسکول اور تبلیغ کے علاوہ شہر کے گلی کوچوں میں ہینڈ بل اور کتابیں تقسیم کرتا تھا۔ شہر کے اندر اس نے دہلی دروازہ کے نزدیک ایک شفاخانہ مردوں اور عورتوں کے لئے کھولا

مسلمانوں نے انکی تبلیغ کی طرف توجہ نہیں دی۔ ایک عالم کے شاگرد اعتراضات کر کے اس کا ناطقہ بند کر دیتے تھے بعض اوقات ان عالم سے بحث ہوئی۔ وہ نوجوانوں کے سوالوں سے تنگ آجاتا تھا تو اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر لیتا تھا اور کہتا تھا کہ دیکھو جوانوں جب تمہاری ٹھوڑی پر میری طرح بال ہوں گے۔ تب آکر مجھ سے بحث کرنا۔

یہ ٹریکٹ بہت تقسیم کرتا تھا۔ وہ ٹریکٹ اس کے نہیں ہوتے تھے۔ جو کتاب و رسائل پڑھتا ان پر نشان لگا کر انکو چھپوا کر تقسیم کرتا تھا۔ سالانہ مشنری کے اجلاس اور دیہات میں تبلیغ کرتا اور کتابیں تقسیم ہوتیں۔

پادری فورمین ان دنوں ایک مسجد میں رہتا تھا۔ اس زمانہ میں لاہور کے مشرق کی جانب کھنڈرات پڑے تھے۔ جن میں سے چند فورمین نے خریدے تھے یہ مسجد ان کھنڈرات میں سے تھی۔

۱۸۵۷ء میں غدر ہوا - لدھیانہ کا گرجا آگ کی نذر کر دیا گیا - چھاپہ خانہ اور عیسائیوں کے گھر لوٹ لیے گئے - جولائی سن ۱۸۵۵ء میں فورمین نے پادری جان نیوٹن کی سب سے بڑی لڑکی مارگریٹ سے شادی کی - ۱۸۶۴ء میں پادری فورمین کے پاس ایک بڑا اسکول ۲۰ شاخیں اور ایک نائٹ اسکول تھا - جس میں ۱۸۰۰ طلباء پڑھتے تھے - ۱۸۸۶ء میں مشن اسکول کے تین لڑکے مسیحی ہو گئے - اس پر لاہور شہر میں بہت شور و غوغا ہوا - کالج کے طلباء نے پڑھنا چھوڑ دیا اور کالج میں صرف سات طلباء رہ گئے - ہندو مسلمان ہزاروں کی تعداد میں مشن احاطہ میں جمع ہوئے - اس زمانہ میں انیس ۱۹ سال کے بعد فورمین امریکہ رخصت پر گیا - کالج کے پرنسپل کے انتقال کی خبر سنکر فورمین ہندوستان واپس آ گیا - ۱۸۸۸ء میں پہلی بیوی کے فوت ہوتے ہی شادی کر لی -

جب فورمین ۷۳ سال کا ہوا - تو وہ ۱۸۹۴ء میں موسم گرما کاٹنے کے لئے کسولی گیا - وہ وہاں بیمار ہو گیا - اور وہیں ۲۷ اگست کو فوت ہو گیا - قد میں وہ ۶ فٹ سے زیادہ لمبا اور چوڑا تھا - اس کی سفید داڑھی چھاتی سے نیچے لٹکتی تھی اسکی نیلی آنکھیں اور کشادہ پیشانی نہایت خوشنما تھی - اس کی یادگار میں لاہوری دروازہ کے نزدیک جہاں وہ انجیل کی منادی کرتا تھا - فورمین چیپل بنوایا گیا - (صلیب کے علمبردار - ص ۸۲ تا ۸۷)

رابرٹ کلارک

پادری رابرٹ کلارک پادری ہنری کلارک کا لڑکا تھا - اس کی ماں انگلستان کے ایک قدیم خاندان کی لڑکی تھی - وہ ۴ جولائی ۱۸۲۵ء میں مقام ہارسٹن میں پیدا ہوا - جب جوان ہوا - تو تجارت کی تعلیم حاصل کرنے جرمن گیا - ۱۸۴۲ء میں انگلستان آ کر لورپول کے ایک تاجر کے ہاں ملازم ہو گیا - مذہبی جذبات کے غلبہ کے ماتحت اس کے والدین نے اس کو کیمبرج یونیورسٹی میں داخل کرا دیا - ۱۸۵۰ء میں اس نے بی - اے کیا - ۱۸۵۱ء میں جبکہ انگریزوں نے پنجاب پر نیا نیا قبضہ کیا - چرچ مشن سوسائٹی نے کلارک اور پادری ٹامس ہنری فنڈیٹرک اور اس کی بیوی کو پنجاب کے لئے پہلا مشنری مقرر کیا - ۴ جنوری ۱۸۵۲ء کو رابرٹ کلکتہ پہنچا -

رابرٹ کلارک سے قبل لدھیانہ میں ۱۸۳۶ء کے اندر امریکن پرسبیٹرن مشن کا کام کر رہا تھا - مستقل کام ۱۸۴۹ء میں پادری نیوٹن اور پادری فورمین اور پادری گولک ناتھ نے شروع کیا - رابرٹ کلارک کے امرتسر پہنچنے پر پنجاب کے مشنریوں کی اس نے مدد کی - مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ایک چھوٹا سا گھر اس کو رہنے کو ملا - ہندوستانی مشنری بھی خاص طور پادری عماد الدین اور دوسرا داؤد سنگھ بھی ہم خدمت بن گئے اور یہی خاص کارکن رابرٹ کلارک کے مانے جاتے تھے -

اپریل ۱۸۵۲ء میں امرتسر کے اندر ایک اسکول کھولا - اور ۱۸۵۲ء میں شہر کی فصیل کے اندر ایک قطعہ زمین خریدا - جہاں عیسائیوں کے گھر بنائے گئے اور باغ لگائے گئے - چنانچہ امرتسر مرکزی مقام دریائے ستلج اور پشاور کے درمیان شہروں اور قصبوں گاؤں میں انجیل کا سبق پہنچانے کے لئے بنایا گیا - چنانچہ ۲ نومبر ۱۸۵۲ء میں رابرٹ کلارک پشاور پہنچا -

اس وقت پشاور پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ وہاں کے سر ہربرٹ ایڈورڈز چیف کمشنر نے مشنریوں کو دعوت تبلیغ کے لئے مدعو کیا اور گرجا میں وعظ کرایا۔ پشاور اس زمانہ میں پرآشوب شہر بنا ہوا تھا۔ پادری قتل کر دیے جاتے تھے اور ان کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ رابرٹ کلارک نے یہاں تیس ہزار روپے جمع کرکے مشن کی بنیاد ڈالی۔ ۱۸۵۴ء میں رابرٹ کلارک کشمیر، لداخ، اسکاردو، مغربی تبت اور تبت خورد کا علاقہ دیکھنے گیا۔ اس کے تین ہندوستانی مسیحی سلیمان، شمعون، یعقوب تھے۔ وہ ہر جگہ ٹریکٹ اور کتب تقسیم کرتے تھے۔

رابرٹ کلارک ۱۸۵۵ء میں پشاور میں مشن کا انچارج بنا کر بھیجا گیا۔ جہاں ۴ مئی ۱۸۵۵ء میں اس نے ایک ہائی اسکول کھولا اور بازاروں میں مسیحیت کی منادی کرنے لگا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا ساتھی فانڈر بنا دیا گیا انہوں نے پشاور میں اور اس کے گرد و نواح کے دیہات میں انجیل کی منادی کی۔

۲۴ فروری ۱۸۵۷ء کو کلارک چھٹی پر انگلستان چلا گیا۔ غدر کا زمانہ تھا۔ اس نے شادی کر لی۔ ایک سال کے بعد وہ ۸ فروری ۱۸۵۹ء میں پشاور پہنچے۔ کلارک کی بیوی نے عورتوں میں مشن کا کام شروع کر دیا۔ کلارک کی مدد کے لئے دو مشنری اور بھیجے گئے۔ ایک شہر پشاور و گرد و نواح کے دیہات میں منادی کے لئے اور دوسرا روجر کلارک اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر کئے گئے۔

۱۸۶۴ء میں کلارک کشمیر گیا تاکہ وہاں مشن قائم کرے۔ یہاں مشن کی سخت مخالفت ہوئی جو مسیحی تبلیغ کرتے تھے اس کو سزا دی جاتی تھی اور قید کر دیا جاتا تھا۔ جب عیسائیوں کی حرکتیں اس حد تک پہنچ گئیں کہ وہ زبردستی لوگوں کو عیسائی بنانے لگے تو کشمیر کے راجہ نے حکم دیا کہ کلارک کشمیر میں قدم نہ رکھے اور تبلیغی کام نہ کرے۔ چنانچہ کلارک بہادر کو وہاں سے جانا پڑا۔ اور امرتسر میں لگا دیا گیا۔ اس نے ۱۸۶۲ء میں پنجاب مشنری کانفرنس میں میڈیکل مشن کھولنے کی تجویز کی جس کا تعلق کلیسا کے ساتھ تھا۔

رابرٹ کلارک اس بات کے سخت خلاف تھا کہ ہندوستانی مسیحی کو شہر سے باہر رکھا جائے۔ بلکہ شہریوں کے اندر اس کو رکھا جائے۔ چنانچہ اس نے امرتسر کے شہر میں مختلف مقامات میں عیسائیوں کو بسایا۔ اور خود شہر میں سکونت اختیار کی اور اس کے قریب ایک سرائے اور مکان بنوایا اور دوکانیں بھی بنوائیں۔ جن میں دوکانیں، کتب خانے اور ریڈنگ روم کے لئے مخصوص کیں۔ یہی وہ پادری ہے جس نے پادری عماد الدین کو بپتسمہ دیا۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی اور عبداللہ آتھم سے ۱۸۹۳ء میں پندرہ روز کے مناظرہ کے بعد شکست کھائی۔ نو مریدوں کی روزی کمانے کے لئے [illegible] میں کلارک نے دستکاریاں سکھانے کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف کاروبار کرنے کے لئے ایک گاؤں آباد کیا۔ اس غرض کے لئے اس نے سرکار سے انتیس سو ایکڑ زمین لی اور گاؤں کا نام کلارک آباد رکھا۔ ۱۸۶۸ء میں آخر کار کلارک میڈیکل مشن کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے امرتسر میں اس کی بنیاد رکھدی رابرٹ کلارک کی والدہ کے انتقال اور خرابی صحت کی وجہ سے ۱۸۶۹ء میں انگلستان چھٹی پر چلا گیا۔

۱۸۶۹ء میں پادری فرنچ اور پادری نوٹ نے لاہور میں علم الٰہیات کی ابتدا کی تو کلارک انکی مدد کے لئے

پہنچ گیا۔ اس کالج میں امریکن مشن اور چرچ آف اسکاٹ لینڈ والوں نے اپنے طلبا پڑھنے کے لئے بھیجے اور اس طرح مختلف مشنوں کے پنجابی مشنریوں نے کلارک علم الٰہیات حاصل کیا۔ سنہ ۱۸۷۱ء میں کلارک نے ڈیونٹی کالج اور دیسی عیسائیوں نے لڑکیوں کا اسکول کھولا۔ اور کتب کی طباعت اور فروخت کے لئے بھی انتظام کیا، اسی نے امریکن مشن والوں کے ساتھ مل کر پنجاب ریلیجیس بک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی۔ کلارک اس کا پہلا سکریٹری تھا۔ کلارک بائیبل سوسائٹی کا بھی کلارک تھا۔ سنہ ۱۸۶۳ء میں کلارک نے کتب مقدسہ کی بعض حصوں کی اردو میں تفسیریں لکھیں۔ اس غرض کے لئے اس نے پادری عمادالدین لاہز کو اپنے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ کلید تورات اسی وقت لکھی گئی تھی۔

مارچ سنہ ۱۸۷۳ء میں پنڈت نرائن داس کو کلارک نے بپتسمہ دیا۔ جس طرح پادری عمادالدین مسلمانوں کو بہلانے کے لئے مقرر تھے۔ اسی طرح پنڈت کھڑک سنگھ اہل ہنود کے مباحثے اور مناظرے کے کام پر مامور تھے۔ سنہ ۱۸۷۷ء میں بیماری کی وجہ سے کلارک انگلستان گیا۔ واپس آنے پر چرچ مشنری سوسائٹی کا سکریٹری بنا دیا گیا۔ سنہ ۱۸۸۲ء میں گورنمنٹ نے اس کو پنجاب یونیورسٹی کا فیلو مقرر کیا۔ مارچ میں اس نے سکریٹری کا کام چھوڑ دیا۔ یکم مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو موسم گرما کاٹنے کے لئے وہ کسولی گیا۔ جہاں اس کی صحت خراب ہو گئی اور وہ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۰۰ء کو بدھ کے روز انتقال کر گیا۔

پادری عمادالدین حکیم الٰہی

یہ پانی پت کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد چراغ الدین پادری عمادالدین کی طرح عیسائی ہو گئے تھے۔ لیکن پھر بعد میں وہ اسلام لے آئے لے ان کے بھائی منشی خیرالدین نے بھی یہی کھیل کھیلا۔ عیسائیت کا چولا پہنا۔ الفضال خیر سنہ ۱۸۶۸ء میں ایک ٹریکٹ شایع کیا۔ جس میں اپنے عیسائی بننے کی وجہ اور اسلام و نصرانیت کا مقابلہ کیا۔ اسلام اور اس کے بانی محمد رسول اللہ کی ذات کی اور تمسخر اڑایا۔ قرآن مجید کی اہانت کی۔ لیکن زیادہ خوش قسمت ثابت نہ ہو سکے۔ پھر مسلمان ہو گئے۔

یہی منشی خیرالدین صاحب ہیں۔ جنہوں نے اپنے نسب نامے کے بارے میں لکھا ہے کہ انکا اور عمادالدین کا نسب حضرت جمال الدین قطب ہانسوی رحمت اللہؒ سے ملتا ہے۔ اس سلسلہ میں منشور محمدی کا تحقیقی مقالہ جو مذکورہ نسب نامہ کی تحقیق پر لکھا ہے۔ دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور قابلِ مطالعہ ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ عمادالدین کا تعلق ہانسوی خاندان سے کتنا ہے۔ پادری عمادالدین کے حقیقی بھائی خیرالدین لکھتے ہیں کہ:۔

"پادری عمادالدین نے ایک کتاب واقعات عمادیہ لکھی ہے۔ جس میں اپنا نسبی سلسلہ حضرت جمال الدین قطب ہانسوی رحمتہ اللہ علیہ سے ملاتے ہیں۔ اگر کوئی ہندوستانی اس واقعہ کی تحقیقات کرے تو اُن کی یہ تحریر باطل ٹھہریگی۔"

لے پنجابی اخبار لاہور ۲۴ جنوری ۱۸۷۴ء۔

اگر عمادالدین کو اپنا حسب نسب بدلنا تھا۔ تو شیخ جمال الدین ہانسوی سے نہ جوڑتے۔ ان کو یہ سلسلہ کسی حواری فرضی طیطاؤس پالوس سے ملانا چاہیئے۔ کیونکہ اگر کوئی محقق تحقیق کریگا تو ان کو ندامت کا سامنا کرنا پڑیگا"

اب دیکھئے صفحہ اول واقعات عمادیہ مطبوعہ آفتاب پنجاب لاہور ۱۸۶۶ء اس میں جتنی پشتیں جمال الدین قطب ہانسوی ملاتے ہیں۔ وہ یوں ہیں کہ:۔

"جمال الدین قطب ان کے بیٹے جلال الدین ان کے بیٹے شیخ محمد ان کے بیٹے محمد سردار ان کے بیٹے محمد فاضل ان کے بیٹے سراج الدین ان کے بیٹے عمادالدین"

یہ تحریر ان کی بالکل جھوٹ اور غلط ہے۔ معلوم ہوتا ہے ایسی ہی ان کی تمام تصنیفات ہیں۔ کتاب اخبار الاخیار مولانا ... تصنیف صفحہ ۸۹ ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں۔

"شیخ جمال الدین کے ایک بیٹے شیخ برہان الدین صوفی ہوئے اور ان کے بیٹے قطب الدین مشہور ہوئے اور ان کے ایک بیٹے شیخ نورالدین ہوئے۔ پھر یہ جلال الدین اور شیخ محمد اور محمد سردار اگر ان کی اولاد ہوتے تو ضرور اس کتاب میں انکا اندراج ہوتا۔ اس دعوے اور تحریر سے کیا فائدہ لے

یہ پانی پتی صاحب ذات ونسل کے کیا تھے۔ اس کے بارے میں بھی صاف طور پر "منشور محمدی" اس دور کا مشہور تاریخی اخبار لکھتا ہے۔

"پادری عمادالدین ذات کے تیلی ہیں۔ ان کے والد نے یہ پیشہ ترک کر دیا تھا۔ ہزاروں آدمی پانی پت کے رہنے والے اس بات کی تصدیق کرتے ہیں اور جب مدرسہ میں آپس میں ہنستے اور مذاق کرتے تھے تو ان کو تیلی کا لونڈا کہا جاتا تھا" ؎۲

یہ بات اس قدر مستند تواتر کی حد تک پہنچ گئی تھی کہ ہر شخص واقف تھا۔ چنانچہ جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے اعجاز عیسوی کے جواب میں پادری صاحب نے ہدایت المسلمین لکھی تو جواب دینے والوں نے اپنے جواب میں اس نسلی رشتہ کی طرف بھی اشارہ کیا وہ طنزاً فرماتے ہیں:۔ کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگوا تیلی ؎

جہاں میں رشک مزعفر اگر کھلی ہو جائے — تو کیا عجب ہے کہ تیلن بکاؤلی ہو جائے

ان کی تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا تھا۔
اردو کتاب میں اور انگریزی میں گفتگو میں آدھی تلی، آدھی سرسوں اور اسپرمشعل کی بو دماغ میں یہ سمائی عیسوی پر فروغ پانے کا دعویٰ

نہ کڑوا اور نہ میٹھا کلام پائے فروغ — تیل عطر پر کب کلام پائے فروغ

یہی خاندانی تعلق پادری عمادالدین کے ہم مشرب پادری کریون ہدایت المسلمین پر تبصرہ کرتے ہو

؎۱ منشور محمدی بنگلور یکم شوال ... مطابق ۱۵ نومبر ۱۸۷۲ء ؎۲ ۲۷ ذی الحجہ ۱۲۸۹ھ ۱۹ء۔ جلد ۱ صفحہ ۶ کالم اول۔

تے ہیں :-

اگر ۱۸۵۷ء کی مانند پھر غدر ہوا تو اسی شخص عماد الدین کی بدعنوانیوں اور بیہودہ گوئیوں سے ہوگا۔ جو اُن کو بابر پندرہ روپے کو بھی کوئی نہ پوچھے اور مشن ۷۰ روپے ماہوار اور کوٹھی ملے۔ جس کے احاطہ کے اندر نہ چاہیں تو تیل نکالنے کا کولہو بھی بنالیں۔ ایسے لالچیوں کا کیا کہنا ہے چاہیے لہ

اس دور کی پھبتی بازیاں ہیں۔ اب اس سے کیا واسطہ ہے۔ بہرحال پادری عماد الدین کچھ بھی ہوں۔ ان کو پندرہ برس کی تحصیل علم کے لئے اکبرآباد بھیجا گیا۔ اُن ہی دنوں میں چند مسیحیوں کی صحبت آپکو حاصل ہوئی۔ اس کا کچھ اثر لیا۔ اسی میں آپکو مسٹر میلن ناش ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول لاہور سے تبادلۂ خیالات کرنے کا اتفاق ہوا اور ان سے باقاعدہ انجیل پڑھنا شروع کی اور مسیحی لٹریچر پڑھا۔ کتابی و تقریری دباؤ کا اثر اس قدر غالب ہوا۔ کہ انھوں نے ۲۹ اپریل ۱۸۶۶ء کو پادری رابرٹ کلارک صاحب کے ہاتھ سے بپتسمہ لیا اور عیسائی بن گئے۔ اہلیہ پر بھی زور ڈالا تو کچھ عرصہ کے بعد مجبوراً پانچ بیٹوں اور چار بیٹیوں کے ساتھ عیسائی ہوگئیں۔ پادری صاحب ۲ سال تک سرکاری ملازمت پر رہے۔ اس کے بعد دین کا کام اختیار کیا۔ جس میں آپ گھر گھر جاتے تھے اور تبلیغ مسیحیت کرتے تھے۔ خاص طور پر امرتسر کے مسیحی محلہ میں جاتے تھے الا رات کے دس بجے تک وہیں بیٹھے رہتے تھے اور تبادلۂ خیالات کرتے رہتے تھے۔

کچھ عرصہ کے بعد انھیں ایک مغربی دارالعلوم کی طرف سے ڈی۔ ڈی یعنی حکیم الٰہی کی ڈگری عطا کی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدمت کے آخری حصہ میں امرتسر کی فضا ان کی شخصیت کے لئے کچھ غیر موزوں سی ثابت ہوئی۔ دوستوں کی بے وفائی سے پاسبانی خدمت سے علیحدہ ہو کر شہر میں مکان لے لیا اور مشغلۂ تصنیف اختیار کیا۔

آخر کار وہ وقت آگیا۔ جس کے لئے عماد الدین مدت سے منتظر تھے۔ اگست ۱۹۰۰ء میں سخت بیمار پڑے اور ۹ اگست کو انتقال کر گئے۔

تصنیفات } دینی موضوعات پر کم از کم ۵۳ رسالے اور کتابیں لکھیں۔ جن میں سے ذیل کی قابلِ ذکر ہیں۔
(۱) تلخیص الاحادیث جلد دوم (۲) تعلیقات (۳) مکاشفات (۴) نغمۂ طنبوری (۵) تحقیق الایمان (۶) ہدایت الضالین (۷) آثارِ قیامت (۸) من آنا (۹) حقیق عرفان (۱۰) واقعاتِ عمادیہ (۱۱) تعلیقات التعلیقات (۱۲) تفسیری

طرزِ تحریر

طرزِ تحریر نہایت بھونڈا تھا اور دل شکن قلم کے مالک تھے۔ مہذب تخیل سے بہت کم پالا پڑا تھا۔ انکی طرزِ نگارش نے عام طور پر لوگوں کے دل بہت دکھائے۔ یہ بات ان کے ساتھی مشنری بھی مانتے تھے۔ چنانچہ مذکورہ بیان کریون صاحب کی بالکل صحیح ہے کہ ایسے مصنف ہی غدر کرانے کے باعث بنتے ہیں۔ چنانچہ مذکورہ پادری صاحب کا یہ امتیاز تھا کہ وہ حضور اقدس کی ذاتِ والتجبہ کی شان میں نازیبا گندے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ تلخیص الاحادیث اور ہدایت المسلمین اس بنا پر بہت بدنام تھی۔ چنانچہ پادری رجب علی اُن کی تصنیف ہدایت المسلمین کے بارے میں لکھتے ہیں۔

لہ مقدمہ اخبارِ عیسوی

اگرچہ ہمارے مولوی (عماد الدین) صاحب نے انگریزی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے بعض انگریزی داں کتنوں سے بھی اس میں بددلی اس پر بھی قطع نظر اہل انصاف اور صاحب نظر اہل اسلام کے خود مسیحی محققوں کے نزدیک الزامی جوان کے سوا تحقیقی جوابوں کا اس میں پتہ تک نہیں ہے۔ جو لوگ حکیمانہ مزاج رکھتے ہیں۔ وہ ہدایت المسلمین کے شان دار نام کو ایشیائی گپ سے زیادہ نہیں سمجھتے [۱]

پادری عماد الدین کی تصنیفات بڑی نفرت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ کوئی مسلمان پریس کوئی کاغذی کوئی کاتب لکھنا پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ تحقیق الایمان مصنفہ پادری عماد الدین کے طبع کا تذکرہ گارسان دتاسی اپنے خطبہ میں ان الفاظ کے ساتھ کرتا ہے :-

اردو کے سب مطابع اس (تحقیق الایمان) کتاب کو چھاپنے سے انکار کر رہے ہیں۔ کاغذی اس کتاب کے لئے کاغذ دینے سے آمادہ نہیں۔ مسٹر الگزنڈر کے اثر کی وجہ سے ایک ہندو جو مالک مطبع ہے اس کتاب کی طباعت کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اس کو یہ دشواری پیش آرہی ہے کہ مسلمان خوشنویس اُسے لکھنے سے انکار کر رہے ہیں۔ عملی دشواریوں کے باعث اس کی طباعت ٹائپ میں ہوئی (خطبات ۶۰۲)

پادری کالی چرن چیٹرجی ڈی ڈی

کالی چرن چیٹرجی کلکتہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر دریائے ہگلی کے کنارے سکھ چار نام گاؤں میں ۱۸۲۹ء میں پیدا ہوئے ان کے والد ہری رام چیٹرجی ایک اعلیٰ خاندان کے راڈھیا برہمن تھے۔ ان کے آباو اجداد ان پانچ برہمن کی اولاد میں تھے جنھیں نویں صدی میں راجہ ادھیسر قنوج سے بنگال میں لائے۔ پانچ برس کی عمر میں کالی چرن نے دیہاتی مدرسہ میں معمولی لکھنا پڑھنا سیکھا۔ آٹھ برس کی عمر میں انگریزی کی تحصیل کے لئے انھیں آگرہ میں سی ایم سی کے سکول میں داخل کیا گیا۔ یہ مدرسہ ان کے گھر سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر تھا۔ اور یہاں کے ہیڈ ماسٹر بابو گورو چرن بوس ایک عیسائی تھے۔ ان کے علاوہ ۹ مسیحی استاد تھے۔ جن کے فریب میں معصوم طلبار پھنسائے جاتے تھے۔ تھوڑے ہی دنوں میں بچوں کے دلوں میں بتوں کی مذمت اور یسوع مسیح کی تقدیس ذہنوں میں بٹھانے کی کوشش شروع کر دی جاتی۔ جس سے بچے اور معصوم ذہن یسوع مسیح کا گیت گانے لگتا تھا۔ چنانچہ کالی چرن بھی مسیحیت کی طرف مائل ہوا اور اس کو بائیبل کی طرف متوجہ ہونے کے صلہ میں ایک نہایت خوبصورت بائیبل بطور انعام دی گئی۔ اس طرح مسلسل اسے بائیبل کی تعلیم کی فوقیت جتائی گئی اور اس اسٹیج پر لایا گیا کہ مذہب بدلنے کی کشمکش میں مبتلا ہو گیا اس نازک وقت میں مشنریوں نے اس کو قبضہ سے نکلتا ہوا دیکھا تو اس کو کلکتہ آگرہ چھوڑ کر کلکتہ کے کرسچین کالج میں جانے کے لئے تیار کیا گیا۔ جہاں تیز طرار اور چالاک پادری ڈف اور اس کے ساتھیوں کے قبضہ میں دیا گیا۔ جس کے بعد پادری

کا جادو کامیاب ہوگیا اور ۸ ۔ اکتوبر ۱۸۵۴ء کے آخر میں کالی چرن نے ڈاکٹر ڈیوڈ ۔ ایورٹ کے ہاتھوں سے بپتسمہ لیا۔

اگرہ پرہ کے اسکول چھوڑنے کے دو سال بعد کالی چرن نے انٹرنس کا امتحان دیا۔ اس میں اس کی دلچسپی کرنے کیلئے آٹھ روپے ماہوار کا وظیفہ مقرر کیا گیا۔ کالج میں اور امداد کی گئی آٹھ روپے کے مزید وظیفہ کی تقرری ہوئی اور طالب علمی کے زمانہ میں ہی انٹرنس کی جماعت کو پڑھانے کا کام سونپ دیا گیا۔ مگر افسوس تعلیم ختم نہیں ہوئی کہ کلکتہ کو خیر باد کہنا پڑا۔ ان ہی دنوں اکتوبر ۱۸۶۱ء میں جالندھر کے پادری کالی چرن کو دعوت ملی کہ جالندھر میں وہ وہاں کے مشن اسکول میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر خدمت کریں۔ وہ وہاں گئے۔ کچھ عرصہ ہی گزرا تھا کہ ۱۸۶۲ء میں پادری گولک ناتھ نے اپنی دختر نیک اختر کو کالی چرن سے بیاہ دیا۔

۱۸۶۵ء میں امریکن پریسبرن مشن کی طرف سے یہ فیصلہ کیا گیا کہ لاہور کے مشن اسکول میں کالج کی جماعتیں بھی شروع کی جائیں۔ اس وقت پادری سی۔ فورمین اسکول اور کالج دونوں کے منتظم تھے ان کی طرف سے کالی چرن کو دعوت دی گئی ہے۔ اسی اثناء میں انھوں نے علم الٰہی کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد ۱۸۶۸ء میں ہوشیار پور کے اندر ایک مشنری کام پر بھیجے گئے۔ جہاں ایک زنانہ شفاخانہ ایک کتب خانہ ایک یتیم خانہ اور دیگر عالی شان عمارتیں کچھ ہی دنوں میں تعمیر کرادیں۔ ۱۸۸۶ء میں آپ فورمین کرسچین کالج کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے صدر چنے گئے۔ آپ کو ۱۹۰۱ء میں ڈی۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ آپکا انتقال ۳۱ ر مئی ۱۹۱۶ء میں ہوا۔

اینڈریو گارڈن، ڈی، ڈی

اینڈریو گارڈن پٹنم نیویارک میں ۱۷ ر ستمبر کو پیدا ہوا۔ جون ۱۸۵۴ء میں امریکہ کے شہر پٹس برگ میں جب ایسوی ایٹ پریسبٹیرین سنڈ آف نارتھ امریکہ کا اجلاس ہوا تو طے پایا کہ ہندوستان میں مسیحیت کی اشاعت کے لئے ایک مشن کھولا جائے۔ پادری اینڈریو کو پہلا مشنری مقرر کیا گیا۔ اس کی بیوی اور اس کی بہن ایلزبتھ۔ یہ تینوں ۲۸ ستمبر ۱۸۵۴ء کو ہندوستان بھیجے گئے۔ جو کلکتہ ہوتے ہوئے سہارنپور میں پادری جے۔ کالڈویل کے گھر پر اترے۔ وہاں رہ کر انھوں نے ہندوستانی زبان سیکھی۔ اسی سال وہ ہردوار میلیئن کے دورے کے ساتھ گیا۔ ۱۸۵۵ء میں سیالکوٹ بلایا گیا۔ مس ایلزبتھ کو ایک یتیم خانہ کا انچارج مقرر کیا۔

گورڈن غدر کے زمانہ میں لاہور کے قلعہ میں پناہ گزین رہا۔ غدر سے قبل اس نے سیالکوٹ میں گرجا بنایا۔ جو مسجد کے قریب تھا۔ اس پر مقدمہ بازی ہوئی۔ غدر کے بعد گورڈن نے چوہڑوں کو عیسائی بنانے پر زیادہ زور دیا۔ جس پر ایک کانفرنس میں اعتراض کیا گیا کہ اس سے اعلیٰ ذات کے لوگ کلیسا میں داخل نہیں ہونگے۔ لیکن گورڈن باز نہ آیا۔ چماروں میں کام کرنے سے گریز نہیں کیا۔

فروری ۱۸۶۴ء میں بیماری کی وجہ سے دس سال بعد امریکہ جانا پڑا۔ اس دس سال کے عرصہ میں گورڈن کی

...شوں سے ۲ ہندوستانی مشنری کے عہدہ پر مقرر کیے گئے۔ سیالکوٹ اور گجرانوالہ میں مشن قائم ہوئے اور ایک انڈسٹریل
...سکول کھلا۔
۔ فروری کو گورڈن گورداسپور گیا اور عام تبلیغ کی، وہ اسکول قائم کرنے کے حق میں نہ تھا۔ عام منادی چاہتا تھا شہر
...ور دیہات میں گشت لگاتا تھا۔ ان ایام میں مشن کا یہ قانون تھا کہ دس سال کے بعد مشنری رخصت پر امریکہ جائیں لیکن
...وہ مصروفیت کی وجہ کی سے امریکہ نہ جا سکا۔ اور ۱۳ اراگست ۱۸۸۷ء کے روز انتقال کر گیا۔
اس کا سب سے چھوٹا بیٹا ڈیوڈ ریڈ گورداسپور میں مسیح کا پیغام سناتا ہے۔ اور ڈیوڈ ریڈ کا بیٹا اینڈریو کا پوتا واکر
...جہلم میں انجیل کا پروپیگنڈہ کرتا ہے (صلیب کے علمبردار)

پادری وارث الدین ایم بی اے

وارث الدین کا نام وارث علی تھا۔ نارنول کے خاندان سے تعلق ہے۔ نارنول کے مشن اسکول میں تعلیم پائی۔
جس کے ہیڈماسٹر پادری بھولاناتھ گھوش ہیں اور بائبل ٹیچر پادری نصرت اللہ ہیں۔ اُن کے بہکانے کا بچوں پر جلد اثر ہو جاتا
تھا۔ تب یہ سنگدل لوگ ان کو بھگا کر لے جانے سے نہیں چوکتے تھے۔ چنانچہ پادری وارث کے حالات میں پادری ٹھاکر داس
لکھتے ہیں:۔

"رحمت مسیح نے بڑی دلیری کے ساتھ اعلانیہ خداوند کو قبول کیا۔ ان کا نمونہ دیکھ کر ان کے دوست وارث علی کے
دل میں بھی یہ اُمنگ پیدا ہوئی۔ اور اس کو پورا کرنے کے لئے اپنے گھر سے بھاگ کر بیٹمین صاحب کے مکان پر گیا۔
اس اغوا کا جب وارث کے والد کو علم ہوا تو انھوں نے تمام مقامات مشن تلاش کئے۔ پادریوں کی شرارت کی قلعی کھلنے پر نارنول
میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ وارث کی والدہ آخر پادری بیٹمین کے مکان پر پہنچی۔ وارث نے والدہ کو دیکھا تو بے اختیار ہو گیا۔
اور ساتھ چلا آیا۔ پادری بیٹمین نے مقدمہ دائر کیا۔ جس میں پادری کو ناکامیابی ہوئی۔ عدالت نے فیصلہ دیا۔
"چونکہ ابھی تک وارث علی نابالغ ہے اور بالغ نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے والد کے قبضہ میں رہے گا۔ جو قدرتی طور
پر اس کے محافظ ہیں"
ایک سال گزرنے کے بعد پادری نے ایک دستی خط رحمت مسیح اور اُن کے والد کے ہاتھ ڈپٹی کمشنر سیالکوٹ کے پاس مدد
کے لئے بھیجا۔ دوسرے دن ہی کپتان پولیس اور تحصیلدار نارنول آ گئے۔ جہاں وارث علی اور اس کے والدین کو بلوایا گیا
اور رعب و دبدبے کے زور پر وارث علی کو لے جایا گیا اور کہا گیا کہ وہ خود راضی ہے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد وارث علی کو بپتسمہ
دیا گیا۔ خوف تھا کہ کہیں وارث علی اپنے والدین کے ہاں جا کر مسلمان نہ ہو جائے۔ اس کی حفاظت کے لئے پادری بیٹمین اپنے
ساتھ ولایت لے گئے۔ اور ۶ ماہ بعد اپنے ساتھ لے آئے۔
واپس آنے کے بعد بیٹمین صاحب نے وارث کو امرتسر میں دکان کھلوانے اور دل جمعی کرنے کے لئے سرمایہ دیا۔ جس کا نام

کرسچین اسٹور رکھا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک عیسائی خاندان کی لڑکی بھی نذر کی اور اس سے شادی کر دی لیکن دکان میں گھاٹا ہوا اور بیوی ۲ بچے چھوڑ کر داغ مفارقت دے گئی۔

۱۸۷۵ء میں آپ مبشر بنا کر جنڈیالہ میں بھیجے گئے۔ جہاں انھوں نے ایک نائٹ اسکول کھولا اور ایک اسٹیشنری کی دوکان کھولی۔ ان ایام میں پادری سٹیمن جھنگ مار میں کام کر رہے تھے۔ انھوں نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ تحصیل سمندری میں ایک قطعہ زمین لی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد کیا۔ جس کا نام سٹیمن آباد رکھا۔ کچھ عرصہ بعد آپ مسٹر دتہ کے ساتھ ولایت گئے۔ وہاں سے واپس آکر کنعان میں چلے گئے۔ ہندوستان میں واپس آکر ضلع ہیو کے تحصیل چونیاں میں تعینات ہوئے جگہ جگہ کلیسائیں، مدرسے، قبرستان بنوائے۔ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم چھڑ گئی۔ مسیحیوں نے بھی ایک فوج میسوپوٹامیہ میں بنائی۔ پادری وارث الدین صاحب کو اس فوج کا چیپلین بنایا گیا۔ اس خدمت کے صلہ میں آپکو ایم بی ای کا تمغہ دیا گیا۔ اسی سال آپ نے وفات پائی اور کلارک آباد میں مدفون ہوئے۔ (خداوند مسیح کے نورتن)

ٹامس ہنٹر شہید

ٹامس ہنٹر نے پنجاب میں چرچ آف سکاٹ لینڈ کی بنیاد ڈالی۔ وہ ۴ ر دسمبر ۱۸۲۷ء کو ابرڈین شہر میں پیدا ہوا۔ تعلیم کے بعد اس نے علم الٰہیات حاصل کیا۔ وہ یونیورسٹی میں بھی مشنری سوسائٹی کا صدر تھا۔

۱۸۵۵ء میں فارن مشن کمیٹی نے یہ تجویز کی کہ ٹامس ہنٹر کا تقرر کر کے اس کو پنجاب روانہ کیا جائے۔ تاکہ سکھوں میں انجیل کا سبق پہنچے۔ چنانچہ ۱۵ ار اگست کو وہ بمبئی پہنچ گیا اور بمبئی میں جنرل اسمبلی کی انسٹی ٹیوشن کا چارج لیا۔ پانچ مہینہ کے بعد ۱۵ ار اکتوبر کو مسٹر ہنٹر سیالکوٹ کی طرف روانہ ہوئے وہ پہلے کراچی گئے۔ دریائے سندھ ہوتے ہوئے دریائے جہلم کے راستے شہر جہلم پہنچے۔ وہاں سے گجرات کے راستے سیالکوٹ آئے اور پنجابی سیکھی۔ ۲۸ ر فروری ۱۸۵۶ء کو چرچ آف سکاٹ لینڈ مشن کے بارے میں مسٹر ہنٹر لکھتے ہیں :-

"ہم نے اب کام شروع کر دیا ہے۔ ایک اسکول لڑکوں کے لئے اور ایک لڑکیوں کے لئے کھولا ہے۔"

ان ہی ایام میں غدر کی ابتدا ہوگئی۔ سر جان لارنس نے تمام مشنریوں کو کہلوا بھیجا کہ لاہور کے قلعہ میں آجائیں۔ ورنہ ان کی جان و مال کی حفاظت کے وہ ذمہ دار نہ ہوں گے۔

پادری ہنٹر کی یہ خواہش تھی کہ جلد لاہور کے قلعہ میں پہنچ جائیں۔ لیکن ان دنوں انتظام نہ ہو سکا اور جب انتظام ہو گیا۔ تو چند وجوہ کے سبب سے نہ جا سکے۔ بالآخر یہ قرار پایا کہ وہ اور پادری بوبل ۸ جولائی کو لاہور روانہ ہو جائیں۔ لیکن اس روز بھی وہ نہ جا سکے علی الصبح ۹ جولائی کے روز وہ تینوں ایک گاڑی میں میاں بیوی اور بچہ سوار ہو کر وزیر آباد کی جانب چل دیے۔ لیکن باغیوں کو دیکھ کر اس نے گھوڑے کی باگ موڑ دی اور سیلم کی جانب رخ کیا۔ راہ میں جیل خانہ تھا۔ جب وہ اس کے قریب پہنچے۔ تو قیدی وہاں سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ وہاں ایک برقنداز حرمت خاں تھا۔ ضلع عدالت میں جلاد کے کام پر مامور تھا اور رخاست

کردیا تھا۔ جب اس نے ہنٹر کی گاڑی دیکھی تو کہنے لگا کہ وہ دیکھو انگریز آرہے ہیں۔ آؤ ان کو قتل کرو۔ چنانچہ ہنٹر اور اُن کے ساتھیوں کو قتل کردیا گیا (صلیب کے علمبردار)

پادری دینا ناتھ

پادری دینا ناتھ وارث الدین کے بپتسمہ پانے سے قبل اسی نارنول میں ان ہی دینا ناتھ نے بپتسمہ پایا تھا۔ لیکن اُن کے گاؤں رسین وال میں جو نارنول سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ان کے رشتہ دار پادریوں کے قبضے سے لے گئے تھے۔ جس وقت پادری بیلین نے وارث الدین کی حفاظت کے لئے کپتان پولیس کی امداد طلب کی تھی۔ اس موقع پر کپتان صاحب موصوف نے دینا ناتھ کے رشتہ داروں سے سمن جاری کرکے ان کو طلب کیا، اور دینا ناتھ کو بلوا کر اپنے ہمراہ لے گئے۔

دینا ناتھ کے بڑے اصل میں امین آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کرکے یہ لوگ کنجرور ضلع سیالکوٹ میں آباد ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کے والد کنجرور کو چھوڑ کر رسین وال میں آکر بودوباش کرنے لگے۔ اسی ضلع میں دینا ناتھ کی پیدائش ہوئی۔ رسین وال میں کوئی مدرسہ نہیں تھا۔ لہٰذا تعلیم کے لئے نارنول کے اسی مشن اسکول میں بھیجے گئے۔ جہاں پر رحمت مسیح اور وارث الدین نے زہریلی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس مدرسہ کا حال پادری وارث الدین کے حالات میں پڑھ چکے ہیں۔ دوسرے نوجوانوں کی طرح دینا ناتھ بھی فریب میں پھنسایا گیا۔ چنانچہ اس نے ۱۸۷۷ء میں بپتسمہ لیا۔ دینا ناتھ جب مسیحی بنے ہیں۔ ان کی بیوی کا انتقال ہوچکا تھا۔ ایک چھوٹا سا بچہ تھا۔ جس سے اس کو محبت تھی۔ مشنریوں نے اُسے میاں ملکو شاہ جو اسی مقدس اغوا کی خدمت پر مامور تھے۔ اس کے لڑکے کو مکان سے اغوا کرالیا۔ وارث الدین کی طرح ان کو بھی رشتہ داروں سے دور رکھنے کے لئے انبالہ روانہ کردیا اور یہاں تھیالوجیکل سیمنری بحیثیت طالب علم داخل کردیئے گئے۔ تعلیم کے بعد اسی سیمنری میں پروفیسر بنا دیئے گئے۔ تھیولوجی اور گریک پڑھایا کرتے تھے۔ ۱۸۸۶ء میں پروفیسری کی خدمت سے سبکدوش ہوکر آپ اجنالہ میں چلے گئے۔ اجنالہ میں خدمت کرنے کے بعد ۱۸۸۸ء میں آپ نے آب و ہوا کی تبدیلی کی غرض سے سیالو جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ کالکا پہنچے۔ شکرم پر سوار ہوکر سیالو کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بارش شروع ہوگئی۔ بارش بھی موسلادھار تھی۔ جس کی وجہ سے بخار آیا اور ۳۰ اگست ۱۸۸۸ء میں فوت ہوگئے (خداوند مسیح کے نوکر)

ڈاکٹر جے۔ سی۔ آر یوئنگ

رول ویلی آرم اسٹرنگ کونٹی میں جیمس سی آر یوئنگ ۲۳ جون ۱۸۵۴ء کو پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تیرہ برس کی عمر میں علم حاصل کیا اور پندرہ سال کی عمر میں ایک اسکول میں معلم ہوا۔ مارچ ۱۸۷۳ء میں وہ کالج میں داخل ہوا۔ فارغ ہونے کے بعد اس نے بورڈ آف فارن مشنز کو درخواست لکھ کر بھیجی کہ مجھے کسی غیر ملک میں مشنری بناکر بھیجا جائے۔

چنانچہ ۲ اکتوبر ۱۸۶۹ء میں وہ ہندوستان آیا۔ بمبئی سے مین پوری، فتح گڑھ، الٰہ آباد پانچ سال تک پھرتا رہا۔ اس کے بعد وہاں سے تبدیل ہو کر سہارنپور بھیجا گیا۔ یہاں چند سال تک اردو سکھاتا رہا۔ اس نے اُردو میں اتنا ملکہ حاصل کر لیا کہ ۱۸۸۳ء کے بعد تا دمِ مرگ مشنریوں کا ممتحن رہا۔ کچھ عرصہ کے لئے مخزن مسیحی کا مدیر بھی رہا۔ اُس نے ایک یونانی اُردو لغات اور ہندوستانی کیٹیوں کی کتابیں تیار کیں اور اے۔ ایل۔ او۔ ای کی چند ایک کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ ۱۸۸۶ء میں بیماری کی وجہ سے امریکہ گیا۔ اسی سال اس کو ڈی۔ ڈی کی اعزازی ڈگری ملی۔

اکتوبر ۱۸۸۰ء کو امریکہ سے واپس آیا تو ڈاکٹر فورمین کی جگہ مشن کالج میں مقرر کیا گیا۔ اس کے عہد میں کالج کی موجودہ عمارت کھڑی کی گئی۔ ۱۸۸۹ء میں پنجاب یونیورسٹی نے ان کو انٹرنس کی انگریزی کا ممتحن مقرر کیا۔ ۱۹۱۰ء میں یوئنگ کو پنجاب یونیورسٹی کا چانسلر مقرر کیا گیا۔ ڈاکٹر یوئنگ نے پنجاب یونیورسٹی میں ۱۹۲۵ء کو انتقال کیا۔

پادری جی ایل ٹھاکر داس

ٹھاکر داس کے آباؤ اجداد شہر لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ برہمنوں کا خاندان تھا۔ والد کا نام دیوی بھجن تھا۔ جو ایک فوجی افسر تھے۔ ۱۸۵۷ء میں جب غدر ہوا تو دیوی بھجن لکھنؤ میں بیلی گارڈ گیٹ پر باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے اس وقت ٹھاکر داس پانچ برس کا ہوگا۔

۱۸۶۰ء میں جب وبائی قحط نازل ہوا تو انکی یہ حالت ہوئی کہ تن پر کپڑا نہ تھا۔ سات سو میل کا طویل سفر پیدل طے کرنا پڑا۔ اور سیالکوٹ پہنچے۔ اسی مفلسی کی حالت میں پادری اے۔ آر۔ ہل کی نظر پڑ گئی وہ تو ایسے بے کاروں کی فکر میں رہتے تھے ان کے ساتھ ہمدردی کی اور ساتھ ہی مشن کے احاطے میں لے آئے۔ یہاں ان کو مشن کے یتیم خانہ میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑے دنوں بعد ماں بیٹوں نے بپتسمہ لیا۔ ٹھاکر داس کے لئے مدرسہ میں پڑھانے کے لئے کچھ جگہ نکالی گئی۔ بقایا وقت میں وہ تعلیم حاصل کرتے تھے ۱۸۷۸ء میں انھوں نے انٹرنس کیا۔ اس کے بعد ان سے پوچھا گیا کہ آپ اعلیٰ تعلیم کو حاصل کر کے تبلیغ مسیحیت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرنا بہتر سمجھتے ہیں۔

انھوں نے مشنری کام کو پسند کیا۔ چنانچہ پادری جے۔ پی۔ میکی ان کے گورو مقرر ہوئے۔ ٹھاکر داس نے اپنے گرو سے علم الٰہی، عبرانی، یونانی زبانیں سیکھیں۔ ۱۸۷۷ء میں تکمیل کے بعد آپکو خادم الدین کا عہدہ دیا گیا۔ پہلے پسرور کے علاقہ میں پھر جھنگ اور گوجرانوالہ سیالکوٹ سے ہوتے ہوئے دوبارہ گوجرانوالہ میں مقرر کئے گئے اور تقریباً ۲۲ برس تک وہیں مقیم رہے۔ گوجرانوالہ میں رہتے ہوئے آپ نے دیہات اور شہر دونوں جگہ کام کیا۔ ایک چھاپہ خانہ بھی کھولا۔ اور ایک پرچہ اخبار کرسچین ایڈوکیٹ نکالا۔ ان ہی ایام میں آپکو ڈی۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ کئی برس تک یو۔ پی۔ مشن کے تعلق میں خدمت کی لیکن چند تنازعوں کے باعث ان سے قطع تعلق کر کے ریفارمڈ پریسبٹیرین مشن میں ملازمت کی۔ پھر آپ نے بھی خیر باد کہا اور گوجرانوالہ کو الوداع کہکر شہر فیروزپور میں چلے گئے۔ اس کے بعد لدھیانہ میں اخبار نور افشاں کی ایڈیٹری کی۔ ۱۹۰۴ء میں

امریکن پریسبیٹرین نے لاہور میں بلایا۔ وہاں خاص شہر قصور میں مشن احاطہ اور گرجا کے لئے زمین خریدی۔ آپ اچھے مناظر اور اہل قلم بھی تھے۔

آپ کی تصنیفات حسب ذیل ہیں:-

اظہارِ عیسوی، وید مذہب کا آغاز، حکمت الالہام، عدم ضرورت قرآن، سیرت المسیح والمحمد با قرآن، بائیبل اور سائنس، یسوع ناصری، آواگون، ستیارتھ پرکاش درپن وغیرہ۔

۱۹۰۹ء میں مرض پلوریسی میں مبتلا ہوگئے۔ وہ تین مہینے صاحب فراش رہے۔ ۲۱ر جنوری ۱۹۱۰ء کو انتقال فرمایا۔

ڈاکٹر تھیوڈور لائسٹن پنیل

تھیوڈور لائسٹن پنیل ۱۸۶۷ء میں پیدا ہوا۔ اس نے ۱۸۸۴ء میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا اور ۱۸۸۶ء میں بی۔ ایس۔ سی۔ آنرز امتحان میں کامیاب ہوا۔ اکتوبر ۱۸۹۰ء میں ایم۔ آر۔ سی۔ ایس اور ایل۔ آر۔ سی۔ پی کی ڈگری لی۔

۲۲ر نومبر ۱۸۹۰ء کو مشنری سوسائٹی کو خدمات پیش کیں۔ جس نے اس کو ہندوستان بھیجا۔ وہاں اس نے اُردو زبان سیکھی۔ کراچی سے ڈیرہ اسمٰعیل خاں بھیجا گیا۔ جہاں ایک ہسپتال میں لگایا گیا۔ ہندوستان میں اس نے پٹھانی لباس پسند کیا۔ وہ ہمیشہ اسی لباس میں رہتا تھا۔ اس نے اکتوبر ۱۸۹۳ء میں اُردو کا امتحان اور پشتو کا امتحان پاس کیا۔ پشتو نفیس جانتا تھا۔ چنانچہ سموئیل کی دوسری کتاب کے ترجمے میں لغات کے مرتب کرنے میں اس نے مدد کی۔

ستمبر ۱۸۹۳ء میں وہ بنوں گیا۔ یہاں ایک افغان پنیل کے بہکانے میں آگیا اور بپتسمہ کے لئے تیار ہوگیا۔ مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوگیا۔ عوام نے اس کو بہت تنگ کیا۔ ایک دفعہ اس کو گھیر لیا۔ کلمہ پڑھوانے کی کوشش کی۔ کلمہ نہ پڑھا تو زدوکوب کیا۔ بنوں میں میلا اسپان ہوتا تھا۔ اس میں ڈاکٹر پنیل انجیلوں اور دوسری کتابوں کو فروخت کرتا تھا اور گاؤں میں دوائیاں تقسیم کرتا تھا۔ مُلّا اس کے پیچھے پیچھے رہتے تھے۔ لوگ دوائیاں لینے کے لئے آتے تو وہ مسیحیت کی تبلیغ بھی ساتھ میں کرتا تو لوگ بدک جاتے کہ ہم دوائی لینے آئے ہیں۔ گمراہی کی باتیں سننے نہیں آئے۔ اگر انجیل کے سننے بغیر دوائی لیکر چلے جائیں گے۔ جب پنیل نے انجیل سنانی چاہی تو مُلّاؤں نے مسلمانوں کو بتایا اور کہا دوائیوں میں سؤر کا خون اور شراب ملی ہوئی ہے اور تم کو زبردستی عیسائی بنانا چاہتا ہے۔ تمہاری تقدیر میں اگر مرنا ہی لکھا ہے تو بہتر ہے کہ تم ایمان کی حالت میں مرو۔ یہ سننے کے بعد لوگ دوائی نہیں لیتے تھے۔

جنوری ۱۸۹۶ء میں ڈاکٹر پنیل لاہور گیا اور بنوں کے لئے ایک چھاپہ خانہ خرید لایا اور آتے ہی اخبار تحفۂ سرحد شروع ہوا۔ اس کا ایڈیٹر وہ خود تھا۔ یہ پہلا اخبار تھا جو بنوں میں شائع ہوا۔ اکتوبر ۱۸۹۸ء میں اس نے فارسی کا امتحان اعلیٰ پاس کیا اور عربی کا مطالعہ شروع کیا۔ ۱۹۰۹ء میں اُس نے پنجابی سیکھی۔ اس کی زندگی ہندوستان میں تبلیغِ مسیحیت میں ہی گزری۔ اس کا انتقال ۲۱ر جنوری ۱۹۱۲ء میں ہوا۔

پادری طالب الدین بی۔اے

طالب الدین کا اسلامی نام محمد بخش تھا۔ یہ جگراؤں میں پیدا ہوئے۔ طالب الدین کے والد کو تحقیق و تفتیش کا شوق تھا۔ عیسائیوں سے چھیڑ خانی جاری رہتی تھی۔ پادری احمد شاہ سے تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا تھا۔ پادریوں نے اس لئے طالب الدین پر عہد طفولیت میں ہی ڈورے ڈالنے شروع کر دیئے۔ طالب الدین کو گانے سے خاص لگاؤ تھا۔ پادری صاحب اس کو گانا سناتے اور مسیحی گیت خاص طور پر پڑھتے۔ انجیل کے قصے سناتے اور اسلام کی مذمت اور حضور اقدس کی برائیاں دل میں بٹھاتے۔ تقریباً ۲ سال کی کوششوں کے بعد خدا بخش کو پادری نے بپتسمہ دیکر عیسائی بنا لیا اور اسکو جگراؤں کے باہر بھیج دیا۔ اس واقعہ کی خبر تمام جگراؤں میں پھیل گئی۔ جب طالب الدین کے والدین اور رشتہ داروں کو معلوم ہوا کہ ان کے لڑکے کو عیسائی بنا لیا گیا ہے اور اس کو جگراؤں سے کسی اور جگہ لے گئے ہیں تو انھوں نے اور جگراؤں کے مسلمانوں نے پادری کے مکان کو گھیر لیا۔ جم غفیر کو دیکھ کر ڈر کر پادری نے طالب الدین کو اُن کے والدین کو دے دیا۔ ماں اور بیٹا گلے مل کر خوب روئے۔ پادری نے طالب الدین کو اپنے پاس رکھنے کی بڑی کوشش کی کہ آپ اپنا بیٹا مجھے دیدیجئے۔ میں اس کو پڑھاؤں گا۔ بڑا آدمی بناؤں گا وہ آپ ہی کا بیٹا رہے گا۔ اور بڑا ہو کر آپ کی مدد کر سکے گا۔ یہ غریب طبقہ پادریوں کی باتوں میں آگیا اور واپس جگراؤں چلا گیا۔
طالب الدین سرینگ ہائی اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد پھر موسم گرما میں اپنے شہر جگراؤں میں واپس آگیا۔ واپس آنا تھا کہ کل قصبہ میں کہرام مچ گیا۔ اُن کے رشتہ دار انہیں پکڑ کر مسجد میں لے گئے اور قاضی صاحب سے درخواست کی کہ اس سے دوبارہ کلمہ پڑھوایا جائے۔ طالب الدین پر مسیحیت کا غلبہ ہو چکا تھا۔ وہ منحرف نہ ہوا۔

۱۸۸۸ء میں طالب الدین نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۸۹۲ء میں بی۔ اے کی ڈگری لی۔ اس کے بعد شادی ہوئی۔ ایک مسیحی لڑکی بسنیٹ کی گئی۔ تین برس تک علم الٰہیات کی تعلیم حاصل کی۔ تھیولاجیکل سیمنری سہارنپور میں پروفیسر مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ضلع انبالہ میں مشنری کی خدمت پر مامور کر دیئے گئے اور آخر تک اسی کام پر ممتاز رہے۔ اٹھارہ سال لاہور میں یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ ۱۸۱۷ء میں آپکا انتقال ہوا۔

اچھے مقرر اور اہل قلم تھے۔ آپ نے اردو زبان میں ترجمہ اور کتابیں لکھیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ تاریخ بائبل، زندہ مسیح، اناجیل اربعہ، حیات المسیح، تفسیر متی، معجزات مسیح، خدا کی ہستی اور حل المشکلات۔ کئی برس تک آپ نے رسالہ ترقی و تجلی کے ایڈیٹری کے فرائض انجام دے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ مذہبی کلام زیادہ ہے۔ دو نظمیں اردو ایک پنجابی ملاحظہ فرمائیے۔

ہمیں دردو غم سے چھڑا جانے والے ۔۔۔ طریق غلط سے ہٹا جانے والے
ہم اندھوں کی آنکھیں کو کھولو کرم سے ۔۔۔ اور پولوس پر نور چمکانے والے
تو طالب کو بھی زندگی دیتا جائیو ۔۔۔ اشارے سے مُردے جلا جانے والے

ابنِ مریم کی ثنا و حمد گایا چاہیے ! یہ مبارک نام دُنیا کو سنایا چاہیے !
نام عیسیٰ ہے غذائے روح و جسم ناتواں ایسا کھانا گر ملے تو خوب کھایا چاہیے
واقعِ امراض ہے اور باعث صحت ہے وہ سب مریضوں کو یہی مژدہ سنایا چاہیے
تشنگانِ وصل کو دی بحرِ رحمت نے ندا مجھ سے آکر آبِ حیواں مفت پایا چاہیے

آیا عیسیٰ یار ساڈے پاس آج اپنا روپ لٹا کے تو فرشتے گاندے ہنس کے کسی دا ذکر سناندے رہنگے

پادری رام چندر

پادری یا ماسٹر رام چندر ۱۸۲۱ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ان کے باپ سُندر لال دہلی کے باشندے اور کائستھ تھے اور دہلی میں نائب تحصیلداری اور تحصیلداری کی خدمتوں پر مامور ہوئے پانی پت اس وقت مستقر ضلع تھا۔ سُندر لال دفعتاً بیمار ہوئے اور ۱۸۳۱ء میں انتقال فرماگئے۔ ایک بیوہ اور چھ بیٹے چھوڑے۔ جن کا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ رام چندر کی عمر اس وقت نو سال کی تھی۔ ماں نے پالا پوسا اور ابتدائی تعلیم دلائی۔ شروع میں انھوں نے مکتب میں تعلیم پائی۔ پھر ۱۸۳۳ء میں انگلش ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ اس وقت ہر طالب علم کو دو روپے دیے جاتے تھے اور درجہ اول و دوم کے تمام طالب علموں کو پانچ روپے ماہانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ رام چندر بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کے شوقین تھے۔ اس مدرسہ میں چھ سال رہے۔ خوب دل کھول کر پڑھا۔ ابھی ان کی عمر گیارہ برس کی ہی تھی کہ رواج کے مطابق شادی ہوگئی ایک خوشحال خاندان میں ہوئی۔ لیکن لڑکی گونگی بہری تھی۔ شاید روپے کے لالچ میں یہ شادی کردی گئی۔

فکر معاش کی خاطر تعلیم چھوڑ کر محرری کی ملازمت کرلی۔ اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ دو تین سال نوکر رہے ۱۸۴۱ء میں جب دہلی مدرسہ کالج ہوگیا تو وہ پھر اس میں داخل ہوگئے۔ دو تین سال جو تعلیم چھٹ گئی تھی تو انھیں زائد محنت کرنا پڑی۔ انھوں نے سینئر وظیفے کے مقابلہ کی کوشش کی یہ وظیفہ تیس روپے ماہانہ کا تھا۔ مقابلے میں امتحان میں کامیاب ہوگئے۔ اس سے خاندان پلتا تھا۔

رام چندر تین سال تک ہر امتحان میں کامیاب ہوتے رہے۔ ۲۸ فروری ۱۸۴۴ء میں کالج کے شعبۂ مشرقی میں پچاس روپے کی تنخواہ پر یورپین سائنس کے مدرس ہوگئے۔ اس سال ورنیکولر ٹرانسلیشن سوسائٹی قائم ہوئی تھی۔ انھوں نے اس کے لئے اردو میں الجبرا اور علم مثلث پر کتابیں لکھیں۔ یہ کتابیں نصاب تعلیم کے کام میں آگئیں۔

اسی زمانہ میں ماسٹر رام چندر نے ایک ماہانہ رسالہ فوائد الناظرین اور دوسرا محبِ وطن شائع کیا۔ انھیں اپنے شہر اور ملک والوں سے کچھ مدد نہیں ملی۔ البتہ انگریز افسروں نے امداد کی۔ حالات ایسے ہوئے کہ یہ رسالے بند کرنے پڑے اور پانچ سال

چلانے کے بعد ۱۸۵۲ء میں ان دونوں کا خاتمہ ہوگیا۔

ماسٹر رام چندر کو ریاضی میں خاص لگاؤ تھا۔ اور انھوں نے اپنے مطالعہ سے اس میں بہت کچھ ترقی کرلی تھی۔ شروع میں ریاضیات کی کتابوں کے ترجمے کئے۔ ان سے ان کا ذوق اور بڑھ گیا۔ انھوں نے جبر و مقابلہ کتاب لکھی جسکو سوسائٹی نے طبع کرایا۔ ان کے علاوہ ایک رسالہ اصول علم بالجبر اور تراشہائے مخروطی اور علم ہندسہ بالجبر میں لکھا۔ ۱۸۵۰ء جبکہ وہ مغربی سائنس کے مدرس تھے اور فوائد الناظرین نکالتے تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب کلیات و جزئیات شائع کی۔

پروفیسر مارگن نے اس کتاب کی بہت قدر کی اور کورٹ آف ڈائریکٹرز ایسٹ انڈیا کمپنی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی اور ۲۴ جولائی ۱۸۵۶ء کو ان کے چیرمین کرنل سائیکس کو ایک خط لکھا ـ ـ ـ ـ ـ ـ ایک مدت کی مراسلت کے بعد کورٹ آف ڈائریکٹرز کے معزز ممبروں نے ایک پنچ پارچہ اور دو ہزار نقد روپے بطور انعام ماسٹر رام چندر کو دیا۔

اس کے علاوہ ایک اور کتاب شائع کی۔ جس میں تفرقی احصا کا ایک نیا طریقہ بیان کیا۔ اسپر پروفیسر کلانڈ نے بہت اچھی رائے کا اظہار کیا۔ غدر کے زمانے میں جو مصیبت ان کے اوپر نازل ہوئی اس کا ذکر دہلی کے کالج کے حالات میں پڑھیے

جنوری ۱۸۵۸ء میں وہ ہیڈ ماسٹر ٹامسن سول انجنیرنگ کالج کے مقرر ہوگئے۔ ستمبر ۱۸۵۸ء میں دہلی ڈسٹرکٹ سکول کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔

اس عرصہ میں ان کی صحت میں فرق آنا شروع ہوگیا تھا۔ انھوں نے ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء کو علیٰ پنشن کی درخواست دی جس پر ایک سو پچیس روپے ماہانہ کی پنشن ہوگئی۔ اس کے بعد وہ پٹیالہ میں ناظم تعلیمات ہوگئے وہاں سے بھی اسیقدر پنشن ملی۔

عیسائی مذہب انھوں نے ۱۸۵۲ء میں قبول کیا۔ اس کے بعد ان کا میلان مذہب کی طرف ہوگیا۔ اس جھمیلے میں پڑکر انھوں نے مسلمانوں کے پیشوا آنحضرت صلی اللہ علیہ کے اور قرآن مجید کے خلاف کتاب اعجاز القرآن، رسالہ مسیح الدجال اور رسالہ تحریف قرآن ۱۸۷۰ء میں شائع کیا۔ ان میں حضور اقدس محمد رسول اللہ کو نعوذ باللہ دجال ثابت کیا اور رسالہ تحریف قرآن میں قرآن مجید کے بارے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا۔

(۱) قرآن (مجید) میں قرأت مختلفہ فقط ہزاروں اور لاکھوں نہیں بلکہ بے شمار ہیں اور یہ تحریفات لفظی اور معنوی ہیں۔ اور تحریف جملوں اور آیتوں میں ہیں اور نقل کرنے والوں اور کاتبوں نے یقیناً قرآن میں تحریف کی۔ اس لئے جو اب قرآن مجید مروج ہے وہ قابلِ اعتبار نہیں ہے اور اصل قرآن مصدق اور مطابق توریت انجیل دنیا سے ناپید ہوگیا۔

(۲) قرآن (مجید) میں بعض جزو نکال دئے گئے ہیں اس مروجہ قرآن پر ایسی صورت میں اعتبار کرنا صحیح نہیں ہے۔

(۳) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بعض آیتیں داخل کردیں۔ مثلاً اس غرض سے کہ بت پرست لوگ مکہ کے ان کی رسالت پر ایمان لے آئیں۔

مولانا عبدالحق انجمن ترقی اردو نے ماسٹر صاحب کی ان تحریروں پر صحیح تبصرہ فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

"انھوں نے مذہبی بحث مباحثہ میں جو کتابیں لکھیں وہ ان کے شایان شان نہیں تھیں۔"

ماسٹر صاحب کا اصل میں یہ قصور نہ تھا۔ انکو شکست دینی تھی پادری عمادالدین صاحب کو جو ان کے ہم وطن

پانی پت کے رہنے والے تھے۔ وہ بدزبانی میں ان سے پیچھے کیوں رہتے۔ وہ آگے دو قدم آگے بڑھے۔ اور انھوں نے حضورؐ کی شان میں ان سے زیادہ گستاخیاں کیں اور حکمراں طبقہ میں عزت پائی جو ان کی غرض تھی (مرحوم دہلی کالج ۱۵۹ سے ۱۶۴ تک)

پادری ٹامس ہاول

ٹامس ہاول کے والد جان ہاول والئے بہاولپور کے ہاں فوج کے کپتان تھے۔ ۱۸۴۱ء کی جنگ حیدرآباد سندھ میں انھوں نے حصّہ لیا تھا۔ اس کے بعد ۱۸۴۸ء میں سکھوں کی آخری لڑائی کے موقع پر یہ نواب بہاولپور کی فوج کے ساتھ اپنے چچازاد بھائی کپتان میکڈرس کے ساتھ جنگ میں شریک تھے۔ یہ نواب صاحب ہی کی ملازمت میں فوت ہوئے انکی قبر احمد پور شرقیہ ڈیرہ نواب میں ہے۔

کپتان ہاول تین چھوٹے معصوم بچوں کو چھوڑ کر فوت ہوئے۔ جن میں سے ایک ٹامس ہاول تھا۔ ان بے آسرا بچوں کی پرورش کے لئے نواب صاحب نے وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ۱۸۶۰ء میں وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ نے ان کو ملتان بھیجا تاکہ مشن کے مدرسہ میں داخل ہو کر تعلیم حاصل کریں۔ سکول کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریاست بہاولپور کی فوج میں ملازمت مل گئی۔ چنانچہ انھوں نے کئی بار ریاست کی چھوٹی چھوٹی لڑائیوں میں حصّہ لیا اور بہادری کا ثبوت دیا۔ ان ہی فوجی خدمات کی وجہ سے ریاست کی طرف سے انکی تنخواہ میں اضافہ ہوا۔ یہ فوجی خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد ریاست بہاولپور میں منصف مقرر کئے گئے۔ اسی اثنا میں انکی شادی ہوئی۔ شادی کے چار سال کے بعد ملتان گئے اور وہاں کے مشنری سوسائٹی کی طرف سے مبشّر کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا اور پادری گارڈن کے ساتھ ملتان، منٹگمری، جھنگ اور پنڈ دادنخان کے علاقوں میں دورہ کرتے اور خداوند کا کلام سناتے پھرتے تھے۔

۱۸۷۷ء میں لاہور میں جاکر تھیولوجیکل سیمنری میں تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد کیٹیکسٹ مقرر ہو کر جھنگ میں خدمت کے لئے بھیجے گئے۔ وہاں چند سال کام کرنے کے بعد پنڈ دادنخان میں پادری گارڈن صاحب کی جگہ ان کا تقرر ہوا۔ جو قندھار کی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ پنڈ دادن خان میں چار سال تک ۱۸۸۸ء سے لیکر ۱۸۹۲ء تک بڑی جانفشانی سے کام کرتے رہے۔ دور دور تک دورے کرتے میلوں فاصلہ طے کرکے چھولداریاں لگا کر خداوند کے نام کی بشارت دیتے تھے۔ انھیں ایام میں رام چندر اور عاشق علی نے انکی کوششوں کی وجہ سے بپتسمہ لیا۔ مبشّر کی خدمت انجام دینے کے بعد پاسبان مقرر ہوئے۔ ۱۸۹۲ء میں انکو کلارک آباد کی مسیحی بستی میں مدعو کیا گیا۔ ایکبار اس بستی میں ہیضہ کی وبا پھیل گئی۔ تب انھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھکر لوگوں کی خدمت کی کلارک آباد میں مسلسل کئی سال تک خدمت کرنے کے بعد یہ منٹگمری والا میں پاسبان ہو کر گئے۔ یہاں انھوں نے چندہ جمع کرکے ایک کنواں تعمیر کرایا۔ اس کے ساتھ ہی مدرسہ، شفاخانہ اور ایک عالیشان مسافرخانہ بنوایا اور باہمی تنازعوں کو طے کرنے کیلئے ایک پنچایت قائم کی۔ لاہور کی ٹرنٹی چرچ کی کلیسیا نے ان کو پاسبانی کی خدمت کے لئے دعوت دی۔ انجیل کی تبلیغ کرنے کے لئے لاہور کے دوسرے پاسبانوں کے ساتھ مل کر ایک بشارتی انجمن قائم کی۔ جس کے اہتمام میں بشارتی لیکچروں کا سلسلہ جاری کیا۔ ان ایام میں

ان کو پادری گولڈا سمتھ صاحب کی طرف سے دعوت موصول ہوئی کہ حیدر آباد جاکر بشارتی لیکچر دیں۔ چنانچہ انھوں نے وہاں جاکر نہایت عالمانہ درس دیے جو بعد میں طبع ہوگئے۔ ہندوستانی دھرم اور مذہب کے متعلق انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔

۱۹۱۶ء کے آخر میں آپ بیمار ہوگئے ہوا کی تبدیلی کیلئے بٹالہ گئے وہاں جاکر اور بھی بیمار ہوگئے۔ بہت علاج کیا۔ لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اپریشن کے لئے امرتسر کے مشن ہسپتال میں لے گئے۔ ۳۰ نومبر ۱۹۱۶ء کو اپریشن ہوا جو ناکام ہوا۔ اپریشن کے چند گھنٹے کے بعد فوت ہوگئے۔[1]

پادری رلا رام

رلا رام ۱۸۵۶ء میں ضلع ہوشیار پور کے ایک گاؤں "گھوڑے واہا" میں پیدا ہوئے۔ باسدیو برہمنوں کے خاندان کے فرد تھے۔ انکے والد ایک متمول زمیندار تھے دولتمند ہونے کے ساتھ دھرم کے پکے تھے حیوانوں اور جانداروں کا خیال رکھتے تھے۔

ڈاکٹر کے۔ سی۔ چیٹرجی اس وقت ضلع ہوشیار پور میں پادری ہوتے تھے۔ کبھی کبھی دورہ کرتے ہوئے "گھوڑا واہا" میں چلے گئے۔ رلا رام اُن سے متاثر ہوئے۔ ان سے گفتگو کرتے۔ پادری صاحب ان کو انجیل کی آیات پڑھکر سُناتے۔ ان کو پڑھنے کے لئے انجیل دے جاتے تو یہ اس کا مطالعہ کرتے تھے اسی اثناء میں اُن کے والد فوت ہوگئے لیکن پادری چیٹرجی سے ملنا جلنا جاری رہا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا ایکدن انھوں نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔ جسپر گاؤں کے تمام لوگوں نے دیہاتی گرجاگھر کو گھیر لیا۔ اور برادری کے لوگوں نے مشنریوں کو اتنا تنگ کیا کہ رلا رام کو یہ لوگ ہوشیار پور میں ڈاکٹر چیٹرجی کے بنگلہ میں لے آئے انھوں نے رلا رام کو تعلیم کے لئے سہارنپور بھیج دیا۔ جہاں انھوں نے تین سال تک تعلیم پائی۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد یہ ہوشیار پور واپس آئے اور ایک سال تک اسی جگہ پر بشارتی خدمت انجام دیتے رہے اسی زمانہ میں راولپنڈی کلیسیا نے آپکو مدعو کیا کہ پاسبانی کی خدمت انجام دیتے رہے۔ راولپنڈی پہنچے تو وعظ کا سلسلہ شروع کیا ابھی دو سال ہی ہوئے تھے کہ راولپنڈی کا علاقہ یونائیٹڈ پریسبیٹیرین مشن نے لے لیا اور رلا رام پاسبانی کی خدمت انجام دینے کے لئے دہرہ دون چلے گئے۔ وہاں بشارتی کام کیا۔ ہفتہ میں ایکمرتبہ چھاؤنی جاتے۔ وہاں ایک کرنیل کے احاطہ میں عبادت کراتے اور منادی کے لئے بازار میں جاتے۔ یہ اپنے زمانہ کے اچھے واعظوں میں تھے۔ ان کی تقریر میں سنجیدگی پائی جاتی تھی اور وعظ عام فہم ہوتا تھا ہر بڑا چھوٹا ان کی باتوں کو سمجھ لیتا تھا۔ دہرہ دون میں اپنے ایک دوست لالہ بلدیو سنگھ کے مکان میں ہفتہ وار جلسہ کیا کرتے تھے جس میں شہر کے معزز ہندو اور مسلمان شریک ہوتے تھے۔ دہرہ دون میں انھوں نے پندرہ سال تک کام کیا۔ جب وہاں دھڑے بازی شروع ہوئی تو یہ انبالہ چلے گئے۔ تین سال تک پاسبانی کی خدمت کی۔ اس کے جالندھر کی کلیسیا کی درخواست پر جالندھر پہنچے۔ پاسبانی خدمت انکے سپرد ہوئی۔ جس کو اکیس سال تک انجام دیا۔ ہر اتوار کو کلیسیا کے سامنے وعظ کہتے۔ بازار میں اور جالندھر کے گلی کوچوں میں جاکر بشارت دیتے تھے۔ ان کے زمانۂ پاسبانی میں جالندھر کے گرجاگھر کی عمارت شاندار ہوگئی تھی انھوں نے سنگ مرمر کا فرش لگوایا۔ اسی کے ساتھ پاسبان کی رہائش کے لئے ایک نیا مکان تعمیر کرایا۔ رلا رام جی کی کوششوں سے جالندھر کی کلیسیا میں ہوم مشن کا کام شروع ہوا ۱۹۲۴ء میں کلیسیا میں ایسے جھگڑے شروع ہوئے جسکی وجہ سے ان کے دماغ کو بہت صدمہ پہنچا چنانچہ پاسبانی کی خدمت سے سبکدوش ہوکر لنڈور چلے گئے وہاں صحت خراب رہنے لگی علاج معالجہ ہوا لیکن سب بے اثر چنانچہ ۱۹۲۵ء میں

---

[1] خداوند مسیح کے نورتن۔ صفحہ ۹۵

رلا رام فوت ہوئے لہ

پادری پی۔ سی۔ اپل

پورن چند اپل ۱۸۴۶ء کو قصبہ نور محل جالندھر میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم پانے کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے مکتب میں داخل ہوئے۔ اس زمانہ میں عیسائی مشنری جالندھر سے دورہ کرتے ہوئے قصبہ میں آیا کرتے تھے اور مسیحی رسالے اور انجیل مفت تقسیم کرتے تھے۔ پورن چند کو بھی یہ رسالے اور انجیل مل گئی۔

اسی اثنا میں ان کے والد صاحب کو منٹگمری سے چیچہ وطنی تک کی ریلوے لائن .... کا کام مل گیا۔ تو یہ خاندان نور محل چھوڑ کر لاہور میں سکونت پذیر ہوا۔ یہاں پورن چند کے تایا رہتے تھے۔ جن کے گھر میں کوئی نرینہ اولاد نہیں تھی انھوں نے ان کو اپنا متبنیٰ بنایا۔ یہ اردو فارسی تعلیم حاصل کر چکے تھے۔ ان کو مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے ڈبلیو فورمین صاحب کے رنگ محل اسکول میں داخل کیا۔ اسکول کے ہیڈ ماسٹر ڈی موتیر داس تھے۔ جب وقت انھوں نے پورن چند کو دیکھا تو وہ اپنی عمر کے لحاظ سے قدوقامت میں بہت بڑے تھے۔ انکو اس وقت مدرسہ میں داخل نہیں کیا۔ انھوں نے انگریزی کی پرائیویٹ تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد اسی اسکول میں آٹھویں کلاس میں انکو داخلہ ملا۔ پورن چند ہمیشہ اول آئے۔ جسکی وجہ سے ان کو وظیفہ ملتا تھا۔ اس زمانہ میں اسکول میں بائبل کی تعلیم پر زور دیا جاتا تھا۔ مسیحی گیت سکھائے جاتے تھے۔ انجیل کے چیدہ چیدہ مقامات حفظ کرائے جاتے تھے۔ انکو بھی یہ کرنا پڑا۔ خاص طور پر اسکول کے مشنریوں نے ان پر خاص توجہ کی۔ ان کا میلان عیسائیت کی طرف ہونے لگا تو انکے رشتہ دار دیوانی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا ناکامی ہوئی۔ تو پادری فورمین کے مکان کو ...... جا گھیرا۔ لیکن یہ شور وغوغا بےکار ثابت ہوا۔ ۱۳ اگست ۱۸۶۶ء کو دنیا ناتھ ..... کے ساتھ پورن چند نے پادری فورمین کے ہاتھوں بپتسمہ پایا۔

پورن چند چند ماہ لاہور کے مشن احاطہ میں مقیم رہے۔ پادری فورمین نے انکو مشن سکول کی ایک برانچ میں مدرسی پر مقرر کیا۔ ۱۸۶۶ء میں گجرات میں ایک مشن سکول قائم ہوا۔ اسکے ہیڈ ماسٹر مقرر ہو گئے۔ مدرسی کے ساتھ پادری فورمین کے ہمراہ فرسٹ ٹیچر بنایا گیا۔ سولہ برس تک تعلیم دی۔ علیل ہوئے تو آب وہوا کی تبدیلی کیلئے ڈیرہ اسمٰعیل خاں گئے۔ وہاں ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے مدد کیا تھ پادری فورمین کے ہمراہ شام کے وقت بازار میں منادی کرنے کیلئے جاتے تھے انکی تصانیف کا اردو میں ترجمہ کرتے تھے۔ تبلیغ و سیر عیسوی اور دیگر رسالہ جات کے ترجمے کئے ۱۸۸۲ء میں خادم الدین کے عہدہ پر سرفراز ہوئے لاہور پریسبٹیری کی طرف سے انکے پہلے مشنری مقرر ہو کر قصور بھیجے گئے۔ قصور سے فاضلکہ میں تبدیل ہوئے اس کے بعد تبشارتی اور پاسبانی کی خدمت کیلئے فیروزپور میں تقرر ہوا کچھ عرصہ فیروزپور میں خدمت کرنے کے بعد یہ روپڑ تشریف لے گئے اور انیس برس تک یہاں کام کیا۔ اس کے بعد ۱۹۱۰ء میں انبالہ چھاؤنی بھیجے گئے۔ تاکہ پاسبانی اور تبشارتی کام کریں۔ یہاں پندرہ برس تک انھوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو ادا کیا۔ اس عرصہ میں ہوم مشن کے فیلڈ کے سپرنٹنڈنٹ اور خزانچی کے عہدہ پر مامور ہوئے ۱۹۱۹ء میں اپل صاحب پریسبٹیرین کلیسیا ہند کی جنرل اسمبلی کے ماڈریٹر یا چیئرمین منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۵ء میں ریٹائرڈ ہو کر انبالہ چھاؤنی میں مقیم ہوئے اور ۲۳ اگست ۱۹۳۳ء میں مجنور میں انتقال ہوا۔

لہ خداوند مسیح کے نورتن صفحہ ۸۸ ؛ ۲ہ خداوند مسیح کے نورتن صفحہ ۱۱۲

دوسرا حصہ

فرنگی مشنریوں سے علما کا مجاہدانہ مقابلہ

عُلماءِ اسلام کا جہادِ اکبر

ہندوستان پر جب فرنگیوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ اس وقت ہندوستانی فرنگیوں کے بارے میں جو تصور کرتے تھے اور اُن کے بارے میں جو معلومات تھیں۔ وہ ان سے نفرت دلانے کے لئے کافی تھیں۔ اُن کو معلوم تھا کہ:۔

عیسائیوں نے پندرھویں اور سولھویں صدی میں اسپین و فرانس کے اندر بے پناہ اور بہیمانہ قسم کے مظالم کئے وہ جانتے تھے کہ اسپین و فرانس میں جو شخص، عیسائی بن کر اپنے مذہب کی طرف رجوع ہونا چاہتا تھا۔ تو اس کے لئے ظالم وجابر اور سفاک محکمہ تفتیش نے پتھر کا ایک مستقل چبوترہ پھانسی دینے کے لئے بنوا رکھا تھا اور اسے آہستہ آہستہ جلاکر خاکستر کر دیتے تھے۔ نصب کرائے گئے تھے۔ اس بھٹہ کے اندر مجبوراً و جبراً داخل کیا جاتا تھا اور آہستہ آہستہ جلاکر راکھ کر دیتے تھے۔

ان کو یہ بھی معلوم تھا۔ کہ یہی حال تفتیش کا بے دل و بیرحم محکمہ پھانسی دئے جانے والے منکر دین کا ایک لکڑی کے ٹکڑے سے منہ بند کر دیتے تھے۔ جو اس طرح پھنسا ہوا تھا کہ اس سے زبان پکڑی جاتی یا زبان چاک کر دیتے تھے: تاکہ مقتول سولی کے قریب جاتے وقت الحاد کے کلمات منہ سے نہ نکالنے پائے۔ یا زندہ کی کھال کھینچ کر جسم پر نمک اور گندھک چھڑکتے تھے اور دہکتے ہوئے کوئلوں کے اوپر زنجیروں سے لٹکا کر آہستہ آہستہ جلاتے تھے[1]

یہ ظالمانہ واقعات ہندوستانیوں نے جو گلی اور گوآمیں بچشم خود دیکھے اور سُنے بھی تھے۔ ان فرنگیوں سے ہندوستانیوں کا جب واسطہ پڑا تو ان کے لئے بھی عذاب ثابت ہوئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بری طرح انکا خون چوسا۔ گورنر کلائیو اور وارن ہیسٹنگز کے۔ انھوں نے رشوت کی گرم بازاری کی۔ ان کے ساتھ کمپنی کے ایسے قلاش ملازم آئے۔ جنھیں آٹھ روپے ماہوار تنخواہ ملتے تھے۔ تب بھی وہ اس کے لئے چھ ماہ کا سفر دریا کیا کرتے تھے۔ وہ انگلستان کے انتہائی نکمے اور شریر لوگ تھے۔ جن کو وہاں روٹی ملنی بھی مشکل تھی وہ ہندوستان پر ٹوٹ پڑے۔ جس کی وجہ سے کمپنی کی فیکٹریاں بداعمالیوں کے اڈے بن گئے ان قلاش لوگوں کے بارے میں مدراس کے بڑے پادری نے تنگ آکر ۱۷۰۶ء انگلستان میں ڈائرکٹروں کو لکھا:۔

---

[1] دنیا کی خبیدا انجمنیں ص ۲۲۶۔

"آپ کے ملازموں کی بداعمالیوں سے آپ کا مذہب بہت بدنام ہو رہا ہے۔ جو لوگ آتے ہیں۔ بعض تو قاتل ہوتے ہیں۔ یہاں سے آدمیوں کو بھگا کر لے جاتے ہیں اور بعض انگلستان میں بیویاں چھوڑ کر آتے ہیں اور یہاں شادیاں کرتے ہیں[1]"

اِن مفلس لوگوں نے ہندوستان کو بری طرح لوٹا۔ ہر پرگنہ گاؤں، منڈی میں انگریزی گماشتے نمک، چھالیہ، گھی، چاول، بھُس، بانس، مچھلی، تمباکو وغیرہ (رعایا کا مال) زبردستی اٹھا کر لے جاتے اور ایک چوتھائی قیمت بھی نہ دیتے اور اپنے مال کے بدلے ایک کی جگہ پانچ گنا قیمت زبردستی لے لیتے تھے۔ افسران امراء کو فاقہ کش بنا دیتے۔ گدیوں کے سودے میں وارے نیارے کرتے۔ چنانچہ بنگال کی صرف گدی میں پانچ کروڑ کے قریب روپیہ اینٹھا۔ اسی طرح مالگذاری زیادہ کی۔ امراء کی جاگیریں طرح طرح کی چالاکیوں سے اور قانون کے نفاذ سے ضبط کیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قدیم خاندان اور گھرانے برباد ہوگئے۔

جو صنعت کار تھے۔ دستکاری سے اپنا پیٹ بھرتے تھے۔ ان کی صنعت کو ختم کیا۔ چنانچہ کھلے ہوئے احکامات صادر کئے کہ بنگال میں ریشم پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن ریشم کے کپڑے تیار کرنے سے روکا جائے۔ اسی مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ریشم بافوں کو جبریہ کمپنی کے کارخانوں میں ملازم رکھا گیا اور دوسرے کسی گاہک کی فرمائش پر کپڑا بننے کی ممانعت کر دی گئی۔ اس طرح جنوبی دکن کی چھینٹوں اور سوتی کپڑوں کی صنعت برباد کر دی گئی۔ جولاہوں کو زبردستی گھیر کر لایا جاتا ان کے اوپر سپاہی مسلط کر دئے جاتے تھے اور جب تک وہ یہ معاہدہ نہ کر لیتے کہ اور کسی کے لئے کپڑا نہیں بنیں گے۔ انھیں نکلنے نہیں دیا جاتا تھا۔ اگر وہ کمپنی کا کپڑا پہنچانے میں دیر کرتے تھے تو سزا کے مستوجب ہوتے تھے[2]

اسی طرح ملازمت کے ذریعہ سے بھی روزی کا دروازہ ختم کیا گیا۔ تمام اعلیٰ ملازمتوں پر سے ہندوستانی ہٹا دئے گئے چھوٹی چھوٹی ملازمتیں ملنا بھی مشکل ہوگئیں۔ عدل و انصاف کے محکمہ میں بھی انگریز رکھے جانے لگے۔ پنڈت و مولوی بھی بیروزگار کر دئے گئے۔

ایک طرف ہندوستانیوں کی یہ حالت تھی دوسری طرف انگریز ہندوستانیوں کی بے عزتی کرنے اور مظالم ڈھانے پر تلا ہوا تھا۔ ایک چمار کرسٹان کی عزت تھی۔ لیکن نہیں تھی تو ایک ذی علم، ذی اخلاق ہندوستانی کی۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہندوستانیوں میں کوئی جنٹیل مین نہیں ہے[3] انگریز سپاہی کے نام پر لوگ تھر تھر کانپتے تھے۔ ذرا سی بات پر حتی کہ صرف تمھاری کہنے پر پھانسی پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ دودھ پیتے بچوں کو اس طرح قتل کر دیا جاتا تھا۔ جس طرح بڑے سے بڑے باغی کو قتل کر دیا جاتا ہے۔ فرنگی ہندوستانیوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا کر کے اُن سے باہمی بدفعلی کرا کر ٹھٹھے لگاتے تھے۔

غرض یہ ہیبت ناک فضا تھی۔ ہر طرف خوف و ہراس کا عالم طاری تھا۔ کوئی حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ چنانچہ ایسے یتیموں، لاوارث بچوں کے سلسلہ میں انگریزی ہندوستانی کمیٹی کی رائے ملاحظہ کی ہوگی کہ اس نے ان مشنریوں کے قبضہ

---

[1] روشن مستقبل [2] روشن مستقبل [3] اسباب بغاوت ہند ۔ سرسید۔

میں رکھنے اور بچوں کا عیسائی ہونا ہی بہتر سمجھا۔ حتی کہ سر سید مرحوم کی رائے کی بھی پرواہ نہیں کی۔

انگریزوں سے نفرت

لیکن اس خوف کے باوجود مسلمانوں نے اپنے غم وغصہ کا اظہار کیا اور تحریک احیاء اسلام (جس کو انگریزوں نے ازراہ عناد وہابی تحریک کہا) وہ زور وشور سے آگے بڑھی۔

مسلمانوں نے بہت مظالم سہے۔ لیکن انگریزوں کے خیر خواہ اور حامی نہیں بنے۔ ان کے پکے کٹر دشمن تھے۔ اور ان سے انتہائی نفرت کرتے تھے۔ چنانچہ شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک شریف مسلمان مولوی نے جو میاں دوآب کے کسی ضلع میں منصف یا صدر آمین تھے۔ ایک روز کسی یورپین حاکم کے بنگلہ پر اس کے ساتھ ایک بنگلہ پر بیٹھ کر کھانا کھالیا۔ یہ خبر فوراً مشہور ہوگئی۔ مولوی صاحب کی برادری نے ان کو ذات سے خارج کر دیا۔ انھوں نے ہر چند اپنی برادری کے سامنے آیتیں اور حدیثیں پڑھیں۔ کسی نے التفات نہ کیا۔ یہاں تک کہ مولوی صاحب کے مخالف اور کچھ موافق دہلی میں شاہ صاحب سے مسئلہ پوچھنے آئے۔ جب شاہ صاحب کے مدرسہ کے دروازہ پر پہنچے تو شاہ عبد العزیز کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین اندر سے نکل رہے تھے۔ ان لوگوں نے پہلے ان ہی سے مسئلہ پوچھا۔

شاہ رفیع الدین صاحب نہایت صاف گو اور آزاد طبع آدمی تھے۔ انھوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ جنھوں نے مولوی صاحب کو ذات سے خارج کیا۔ انھوں نے جھک ماری۔ انھوں نے کوئی کام شرع کے خلاف نہیں کیا۔ مگر کسی نے انکا کہنا نہ مانا اور بڑے صاحب کے پاس پہنچے۔ انھوں نے صورت حال سنکر ایک لمبی چوڑی تقریر کی۔ جس کا ماحصل یہ تھا کہ اس مولوی نے ایسا کام کیا ہے کہ قریب کفر کے پہنچ گیا ہے۔ جو لوگ مولوی کے مخالف تھے۔ وہ یہ سنکر خوش ہو گئے۔ مگر اس نے طرف داروں سے پوچھا کہ حضرات اب وہ کسی طرح مسلمان بھی ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ کفر کے قریب پہنچ جانے سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا۔ وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا۔ مگر احتیاطاً اسکو پانچوں کلمے اور آمنت باللہ پڑھواؤ۔ اور قدم شریف کا پانی پلواؤ اور پھر برادری میں شامل کرلو۔ اگر شاہ صاحب اس انداز پر تقریر نہ کرتے تو شاید ان کا کہنا بھی کوئی نہ مانتا اور ان مولوی صاحب کو برادری میں شامل نہ کیا جاتا (حیات جاوید، دوسرا حصہ ص ۳۴۷

(۲) اودھ کے مشہور عالم ملا عبد الرزاق کا واقعہ ہے کہ آپ نواب وارث علی خاں کی کوٹھی پر تشریف رکھتے تھے نواب شرف الدولہ بہادر کے داماد نواب محمد انور خاں جو آپ کے مرید تھے۔ بوٹ پہنے ہوئے آپ کے سامنے آئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے دوستوں کو کیا ہمارا ستانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ جو آدمی میرے سامنے انگریزی بوٹ پہن کر آتا ہے وہ زمین پر پاؤں نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کا قدم میرے قلب پر پڑتا ہے۔ کیا میرے دوستوں کو جوتوں سے میرے قلب کو روندنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ نواب مارے ندامت وشرمندگی کے وہیں بوٹ چھوڑ کر ننگے پاؤں گھر گئے۔

(انوار رزاقیہ ص ۲۲)

(۳) ایک ریاست کا واقعہ ہے کہ اسمیں انگریزوں نے تار برقی لگائی تو والی ریاست نے حکما چھوڑ دیا کہ گزرگاہوں پر انگریزی تار لگا ہوا ہے۔ اس کے نیچے سے گزرنا ہوگا۔

(۴) انگریزوں سے نفرت کا اظہار کرنے کے لئے ایک رئیس نے کے سی۔ ایس۔ آئی کا تمغہ کتے کے گلے میں باندھ کر

انگریز چھاؤنی کی طرف چھوڑ دیا۔ تاکہ انگریز دیکھیں کہ ہندوستانی اس خطاب کو کیا وقعت دیتے ہیں۔

مولوی مملوک العلی صاحب دہلی کے مشہور عالم اور ڈپٹی نذیر احمد کے استاد تھے۔ دہلی کالج میں کوئی شامت کا مارا ایک انگریزی جوان مولانا کی جماعت میں آنکلا اور کالج کے مٹکے میں پانی پی لیا تو وہ مولوی صاحب نے وہ مٹکا تڑوا دیا۔

ماسٹر رام چندر جو عیسائی ہو گئے تھے۔ دہلی کالج کے مشہور استادوں میں سے تھے۔ اور علم ریاضی کے بڑے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد کے استاد تھے۔ انھوں نے اسلام کی تردید میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی تھی۔ مولانا نے ایک باب کا ترجمہ کرایا۔ اس ترجمہ کو کہیں مولوی عبد القادر مرحوم نے دیکھ لیا تو فتوے کے لئے پھرے کہ ڈپٹی صاحب کا نکاح رہا یا گیا[1]

عام لوگوں کی بلکہ چھوٹے موٹے شاعروں کی نفرت کی یہی حالت تھی۔ گارساں دتاسی نے ایک قطعہ بہادر شاہ سے منسوب کر کے لکھا ہے۔ لیکن قطعہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ بادشاہ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ کسی تنگ بند شاعر کے چند مصرع ہیں۔ بہر حال وہ کسی کے بھی ہوں لیکن ان سے عوام کی نفرت کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

دلا گواہی حق پر کر تو نظر — نصاریٰ کی جوتی نصاریٰ کا سر
کچھ کام روم نے کیا نہ روس نے — انگریز کو تباہ کیا کارتوس نے
فوج نے آکر گھیرا نیند گئی آرام گیا — جی کا جانا ٹھہرا صبح گیا یا شام گیا

دتاسی نے اس کا انگریزی میں یہ ترجمہ کیا ہے[2]

"مجھے حق کی قوت پرستاکش کرنے دو۔ عیسائی اپنے ہی ہتھیاروں سے پسپا ہوگے۔ نہ روس سے نہ روم سے تمہیں کوئی مدد ملی۔ خود انگریز کے کارتوس نے ان کو ہلاک کیا۔ ہمیں فوجوں نے آ گھیرا۔ اب ان کے لئے نہ نیند ہے نہ چین۔ ان کی موت فیصل شدہ امر ہے وہ صبح انجام پائے یا شام"

کوئی ہندوستانی کسی قسم کا تعلق بھی انگریز سے روا رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ جہاں انگریز گئے۔ وہاں ان کے ساتھ عورتیں بھی تھیں۔ کچھ عیاش طبع لوگوں نے مزا چکھنے کے لئے کچھ پیارے" کچھ "شلغی" ڈال لئے تو لوگوں نے بُرا مانا۔ مسلمانوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔

نصاریٰ تثلیث کے علی العموم قائل ہیں۔ مشرک ہیں کہ نہیں۔ اگر مشرک ہیں تو انکی عورتوں سے نکاح کیونکر جائز ہے۔ قول تعالیٰ ولا تنکحوا المشرکات الخ اگر یہ مشرک نہیں ہیں تو تثلیث کا قائل ہو کر ان کا موحد ہونا سمجھ میں نہیں آتا۔ جواب شافی سے تسکین فرمائیے۔

الجواب! مشرک کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کا مذہب سماوی نہ ہو۔ دوسرا جو سماوی مذہب کا معتقد ہو۔ گو اس میں تحریف کر کے شرک کا قائل ہو گیا ہو پس آیت لا تنکحوا المشرکات میں ممانعت قسم اول نکاح کرنے کی ہے اور آیت والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم میں

---

[1] حیات النذیر حصہ چہارم [2] خطبات گارسان دتاسی ص ۲۵۴۔

دوسری قسم سے نکاح کی اجازت ہے۔ بس نہ نصاریٰ کا موحد ہونا لازم آیا اور نہ آیت لا تنکحو کے خلاف شر...
سے نکاح ہونا لازم آیا۔ لیکن اس زمانہ میں جو نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ وہ اکثر قومی حیثیت سے نصاریٰ ہیں۔ مذہبی حیثیت سے
محض دہری و سائنس پرست ہیں۔ ایسوں کے لئے یہ حکم جواز نکاح کا نہیں واللہ تعالےٰ اعلم وعلمہ واتم احکم...
(امداد الفتاویٰ جلد دویم ۳۲)

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں انگریز نیا نیا آیا تھا اور دھیرے دھیرے ہندوستان کی ساری دولت ...
لینا چاہتا تھا اور ہندوستان کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے لئے ہندوستانی فوجیں استعمال کر رہا تھا۔ اس وقت شاہ صاحب ...
فتویٰ لیا گیا کہ انگریز کی نوکری کا حکم ہے تو شاہ صاحب نے . . . . جواب دیا۔ وہ نوکری جو مسلمانوں ...
کو قتل کرنے، ریاست درہم برہم کرنے یا کفر کے رواج دینے اور دین میں عیب نکالنے کے لئے ہو تو اس کو آپ نے گناہ کبیرہ ...
فرمایا ہے۔ جو کفر کی حد تک پہنچتا ہے چنانچہ پورا فتویٰ ملاحظہ کیجئے۔

"نصاریٰ بلکہ کافروں کی نوکری کئی قسم کی ہے۔ بعض مباح اور بعض مستحب، بعض حرام، بعض مکروہ بعض
کبیرہ، قریب بہ حد کفر۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ کافر اگر اس کو نیک رسموں کو پھیلانے اور اچھے کاموں کے
انجام دینے کے لئے رکھے تو جائز ہے۔ چوروں، رہزنوں کو ختم کرنے کے لئے شریعت کے مطابق فتویٰ دینے
پل اور سرائے وغیرہ بنانے کے لئے نوکری کرنا مستحب ہے۔ جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے خزانوں کی داروغگی
کی نوکری کی اور عدل کرنے کی درخواست کی اور حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے حضرت موسیٰ کو دودھ پلانے
کی فرعون کے ہاں ملازمت کر لی۔ اگر بری رسمیں اور وضعیں نوکری میں نظر آئیں۔ مثلاً سپاہ گری،
خدمت گاری، منشی گری میں ظلم کی امداد کرنی پڑے یا تعظیم زیادہ ہو اور بیٹھنے اٹھنے میں ذلت ہو تو
ایسی نوکری حرام ہے اور جو مسلمانوں کے قتل اور ریاست کے درہم برہم کرنے یا کفر کے رائج کرنے اور دین میں
عیب نکالنے کے لئے نوکری ہو تو وہ ایسا بڑا گناہ ہے کہ سرحد کفر ہے۔"

اس پر آشوب اور قابلِ نفرت زمانہ میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں عیسائی فرنگیوں کا جال پھیلا ہوا تھا۔ پا...
یسوع مسیح کے نام پر حکومت کے اختیارات کے مالک تھے۔ ہندوستان کے ہر مذہب کے پیشواؤں کا مذاق اڑا...
معمولی بات تھی۔ بے لگام پروپیگنڈہ کرتے۔ یکطرفہ پروپیگنڈے سے عوام کا متاثر ہونا لازمی تھا۔ . . چنانچہ ا...
وقت اگر اعلائے کلمۃ الحق کا نعرہ بلند کیا تو علمائے کرام کے جانباز و مجاہد گروہ نے جن میں شاہ عبدالعزیز، حضرت مولانا ...
حسن رح، مولانا رحمۃ اللہ رح، ڈاکٹر وزیر خاں، مولانا شرف الحق، مولانا ابوالمنصور، مولانا محمد قاسم، مولانا عبدالحق مفسر حق...
مولانا محمد علی مونگیری، مولوی محمد علی تحصیلدار، مولانا سید محمد عبدالباری، مولوی چراغ علی، مولانا حکیم محمد محسن رحمہم ا...
شامل تھے۔

یہ وہ علماء تھے۔ جو رد نصاریٰ میں اپنا تمام وقت اپنی تمام زندگی صرف کرتے تھے۔ لیکن اس کے علاوہ اس وق...
تقریباً عام روشن خیال مجاہدانہ زندگی کے حامل، دل سے پادریوں کے قلع قمع کرنے میں برابر کے شریک تھے

رانیت کی تردید کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ اس وقت کی اسلامی وقومی ملی خدمت یہ سمجھی جاتی تھی کہ عیسائیوں کے
ئے ہوئے مذہبی و تبلیغی زور کو ختم کیا جائے۔ اس وقت وہی مجاہد، جاں نثار وطن، شیدائے ملت، خادم قوم مانا جاتا تھا جو
یت کی پول کھولے اور نصرانیت کے دل لبھانے والے پرکشش مایا جال کی خباثت کو ظاہر کرے۔ حکومت بھی اس وقت
ریوں مشنریوں کی مخالفت کو بغاوت اور حکومت کے ساتھ غداری کے مترادف سمجھا جاتا تھا اور حقیقت بھی یہی ہے
حکوم ومظلوم ہے بس طبقہ اپنی مجبوری کی حالت میں حاکم کے اگر تیر بار سکتا ہے تو اسی طرح۔ چنانچہ یہ تحریک باغیانہ تھی
ومت اور پادری چاہتے تھے کہ طوفانی رفتار سے ملک میں نصرانیت کا پروپیگنڈا کرکے عیسائیت کی آواز پہنچا کر ہندوستان
ہر فرد و بشر کو عیسائی بنا لیا جائے۔ چنانچہ اس سیلاب کو روکنے کے لئے صوفی منش ہو، گوشہ نشین ہو۔ مناظروں اور مذہبی
باحثوں سے بھاگنے والا عالم ہو وہ سب میدان جہاد میں نظر آتے تھے۔ اور نصرانیت کے مدمقابل تھے کوئی اعتراض
اور جواب کے لئے حاضر تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے سامنے بھی کچھ سوال پیش کئے گئے
آپ نے ان کا جواب دیا۔ سوال وجواب یہ تھے۔

عیسائی لوگوں سے کہتے ہیں کہ آپ لوگ دین عیسائی کی پیروی کیوں نہیں کرتے۔ جس نے اپنی امت پر جان قربان
ی اور آپ کو خدا سے بخشوا کر نجات دلائی اور جناب محمد رسول اللہ باوجودیکہ زاری وعاجزی کرکے اپنے والدین اور چچا
لب کی کہ جس نے آپکو پرورش کیا تھا اور حین حیات تک آپکے حامی رہے۔ مغفرت چاہی۔ مگر خدائے تعالیٰ نے منظور
یا تو آپ لوگوں کو کیا امید ہوگی اپنے نبی سے۔ پس یہ کلمات عیسائیوں سے سنکر ہمارے مسلمان اپنے علماء سے دریافت
تے ہیں تو وہ بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ ہاں ان کے حق میں شفاعت منظور نہیں ہوئی۔ تو اہل اسلام نہایت پریشان
ہوتے ہیں اور ان کے عقائد میں خلل پڑتا ہے۔

(۱) پس کفر آپکے والدین کا اجماعاً ہے یا مختلف فیہ (۲) اگر مختلف فیہ ہے تو راجح جانب کفر ہے یا اسلام۔
(۳) اگر راجح جانب اسلام ہے تو آیت کا جواب کیا ہوگا۔ ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا الخ
یا انک لا تہدی من احببت الخ۔ امام صاحب فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔ مات والد رسول اللہ علی الکفر کا
ا جواب ہے؟

(۴) جس شخص کے کفر میں اختلاف ہو تو وہ قطعاً کافر ہو جاتا ہے یا نہیں۔
(۵) اگر قطعی کافر آپکے والدین کو سمجھا جائے تو ہم عیسائیوں کو کیا جواب دیں۔
(۶) اور جو قول علماء کے ان کے مسلمان ہونے کے بارے میں ہیں۔ ان کا کیا جواب ہے۔ کیونکہ روایات ضعیف وقع کفر
م مفتی بہ ہوتی ہیں۔
(۷) اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ابو طالب کو آگ سے نکالکر گٹوں تک لایا جائے گا۔ شفاعت کے ساتھ اور آیات و
حادیث میں صریح آیا ہے کہ کافر کی شفاعت ہرگز نہیں ہوگی۔

الجواب: یہ تقریر عیسائیت کی سراسر مغالطہ ہے اور غور کیا جائے تو یہ تقریر ان کے کاذب اور مسلمانوں کے

صادق ہونے کی کافی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ امر ظاہر و عقلی ہے کہ اصلی غرض مذہب سماوی کی یہ ہوتی ہے کہ مکلفین کے عقائد و اعمال و احوال ظاہری و باطنی کی اصلاح اور اس اصلاح پر وعدہ حصول ثمرہ فلاح و نجات آخرت کا ہے۔ آیت اولٓئک علیٰ ھدًی من ربھم و اولٓئک ھم المفلحون۔ اس امر عقلی کی تائید نقلی ہے۔ جب یہ امر ثابت ہو گیا کہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس مذہب میں یہ تعلیم ہو کہ اس کا پیشوائے مذہب سب کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا۔ خواہ امت کچھ ہی کرے۔ سب بخشے بخشائے ہیں۔ تو ایسے مذہب والوں کو ان کے اغراض نفسانیہ، شہوۃ، غضب ادان کے مفاسد سے روکنے کے لئے کون سی قوت زاجر و مانع ہوگی۔ دل کھول کر جو چاہیں گے۔ کریں گے۔ تو ایسے مذہب سے اصلی غرض یعنی اصلاح ہرگز ممکن الحصول نہیں ہوگی۔ بخلاف اس کے مذہب کے جس میں یہ بتلایا جائے کہ جو شخص اس مذہب کے خلاف کرے گا وہ ناری و معذوب ہو گا کہ وہ اس شخص اس مذہب کے پیشوا کے اصول ہی میں سے کیوں نہ ہو اس تعلیم کا اثر ہر شخص پر ظاہر ہے کہ یہی ہو گا کہ اپنی اصلاح میں کوشش کرنی چاہیے۔ اس صورت میں البتہ اس مذہب کا ماننے والا اپنی شہوت و غضب اور غرض نفسانی پر دین کو ہمیشہ مسلط اور غالب رکھے گا۔ جو اصلی فائدہ ہے۔ ہر مذہب کا پس اگر جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے اثبات اسلام میں کوشش نہ بھی کی جائے۔ جب بھی اسلام پر کوئی اعتراض نہیں۔ پس اس مسئلہ کو اس مسئلہ سے کوئی مس اور تعلق نہیں۔ البتہ اگر مستقل طور پر اس مسئلہ کی تحقیق مقصود ہو تو وہ اور بات ہے۔

(۱) بوجہ مختلف فیہ ہونے کے احتیاط کف لسان اور سکوت میں ہے۔

(۲) رہا جواب آیت کا سو محبین اسلام ان آیتوں کا حق والدین نہ کہیں گے اور موت علی الکفر اور ایمان بعد الاحیا میں منافاۃ نہیں۔

(۳) لیکن جواب قطعیت کی تقدیر بھی ظاہر ہے جس کا اوپر بھی ذکر ہوا ہے۔

(۴) اختلافات میں قطعیت نہیں رہتی۔

(۵) اور علمائے اسلام ان روایات کو غیر ثابت سمجھتے ہیں۔ ضعیف نہیں سمجھتے۔

(۶) اور کافر کے لئے شفاعت و مغفرت نہیں ہوتی۔ شفاعت تخفیف عذاب ممتنع نہیں[۱]

دہلی کے مشہور ادیب و لیکچرار ڈپٹی نذیر احمد مباحثہ اور مناظروں سے خاص شغف نہیں رکھتے تھے۔ لیکن جب پادری نے ان سے چھیڑ خانی کی تو انھوں نے بھی اس کا منہ توڑ جواب دینا فرض سمجھا۔ واقعہ یہ ہوا۔

سفر پنجاب میں ڈپٹی صاحب از قبیل سر سید احمد خاں کے ساتھ تھے۔ واپسی میں لدھیانہ میں مشن کی کوٹھی میں قیام ہوا۔ ایک پادری صاحب نے ڈپٹی صاحب سے اپنے زعم میں اسلام کے نقائص پر روشنی ڈالی۔ سب سے بڑا الزام یہ لگایا کہ مسلمانوں نے جنت کو بازاری عورتوں کا چکلہ بنا دیا ہے جو خداوند کی عظمت و جبروت اور تقدس کے صریح

---

[۱] فتاویٰ امدادیہ جلد چہارم ص ۱۲۹

الزام یہ لگایا کہ مسلمانوں نے جنت کو بازاری عورتوں کا چکلہ بنا دیا ہے۔ جو خداوند کی عظمت و جبروت اور تقدس کی صریح خلاف ہے ممکن نہیں کہ وہاں ہزاروں حوریں اور مسلمان ہوں اگر ایسا ہو تو خدا کی خدائی میں فرق آجائے۔

ڈپٹی صاحب نے جواب دیا کہ یہ تو چیز نہیں کہ وہاں ایسا ہو یا نہ ہو۔ لیکن دنیا میں تو ہم ایسا دیکھ رہے ہیں کہ بازاری عورتیں بھی موجود ہیں اور کیا کچھ نہیں ہے اور کیا کچھ نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے کہ خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ دنیا میں سب چیزوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے۔ تاہم اس کو سب مانتے ہیں۔ کوئی اس کی خدائی سے روگرداں نہ ہوا۔ پس اگر وہی خدا ہے جو مرے بعد جنت میں ایسا کرے تو کوئی وجہ ہے کہ وہ باایں ہمہ دنیا میں سب کا خدا مانا جائے اور عقبیٰ میں اگر ایسا کرے تو اس کی شانِ الٰہی میں فرق آجائے۔ جو یہاں ہے وہی وہاں ہے [1]

مولانا حالی نے بھی ردّ نصاریٰ میں تریاق مسموم ۱۸۶۷ء (۱۲۸۴ھ) اور تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ھ) جیسی نایاب کتابیں لکھیں۔ سرسید اور ان کی پارٹی نے بھی ردّ نصاریٰ میں اپنے نظریہ کے مطابق بہت کچھ کیا۔

فرنگیوں نے اپنی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں پادریوں کو نصرانیت کی تبلیغ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ان کی حکومت جم گئی ہے تو پادریوں کو نصرانیت کی شورش برپا کرنے کی آزادی مل گئی۔ اس وقت بھی علماء کرام خاموش رہے۔ انھوں نے کوئی توجہ دینا اور خرافات نصرانیت کا جواب دینا اور پادریوں کو خطاب کرنا توہین سمجھا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ پانی سر سے گزرنے لگا ہے اور ہندوستانی لوگ عیسائی بننے لگے ہیں تو انھوں نے اپنا قدم اپنا قلم اٹھایا اور اپنی زبان کھولی اور ردّ نصاریٰ میں مستعد ہو گئے اور محنت و تحقیق سے عیسائیوں کی اسلام کے خلاف کتابوں کے جوابات کتابی شکل میں چھاپ کر شائع کئے۔ چنانچہ مولانا رحمت اللہ صاحب میزان الحق میں ردّ نصاریٰ میں کتب لکھنے اور مناظروں کے آغاز کرنے کی وجہ لکھتے ہیں :-

"جب انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی سلطنت قائم کرلی اور مکمل انتظام کرلیا تو اس ۳۴ سال کے عرصہ میں اُن کے علماء (پادریوں) کی طرف سے کوئی تبلیغی دعوت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے رسالیں، کتابیں اسلام کی تردید میں لکھنے شروع کئے اور اُن کو ہندوستان کے مختلف شہروں اور عوام الناس میں تقسیم کرنا شروع کردیا اور بازاروں اور لوگوں کے مجمعوں اور عام گزرگاہوں پر وعظ کہنے لگے۔ مسلمان ایک مدت تک ان کی باتیں اور اُن کے مواعظ سننے سے پرہیز کرتے رہے۔ اور ان کی کتابوں اور اُن کے رسالوں کے دیکھنے سے متنفر رہے۔ اس لئے ہندوستانی علماء نے ان رسالوں کی تردید کی ضرورت نہیں سمجھی۔ لیکن کچھ مدت کے بعد بعض عوام الناس اور جہلاء ان کی باتوں پر راغب ہوئے۔ اس وقت خوف پیدا ہوا کہ بے علم مسلمان اُن کے پھندوں میں نہ پھنس جائیں۔ اس لئے علمائے اسلام نے ان کی تردید شروع کی۔

میں اگرچہ گمنامی کے گوشہ میں پڑا تھا اور علماء کے زمرہ میں میرا شمار نہ تھا۔ لیکن جب مجھے ان کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھا اور بہت سے مطبوعہ رسالے میرے پاس پہنچے تو میں نے چاہا اپنی حیثیت و قابلیت کے مطابق

---

[1] حیات النذیر چہارم ص ۱۱۹

ان کی تردید کرنے کی کوشش کروں۔ لہٰذا میں نے چند کتابیں اور رسالے حقیقتِ حال کے اظہار کے لئے لکھے۔"

ردِّ نصاریٰ کے سپوت

اس دور کے کون کون علماء تھے جنھوں نے جرأت و ہمت سے کام لیکر ہندوستانیوں کو فرنگیوں کے فتنے سے بچایا۔ ان کے اسماء گرامی مولانا حالیؔ کی زبان سے سنیئے۔

"ہندوستان میں اسلام خطروں میں گھرا ہوا تھا۔ ایک طرف مشنری گھات میں لگے ہوئے تھے۔ اگرچہ قحط کے دوران میں ان کو دبلا پتلا شکار پیٹ بھرا کر مل جاتا تھا۔ مگر وہ اسپر قانع نہ تھے اور ہمیشہ صید فربہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ دانت ان کا مسلمانوں پر تھا۔ اس لئے ان کی منادیوں میں ان کے اخباروں اور اُن کے رسالوں میں زیادہ تر بوچھاڑ اسلام پر ہوتی تھی۔ اسلام کی تعلیم کی طرح طرح سے برائیاں ظاہر کرتے تھے۔ بانیٔ اسلام کے اخلاق و عادات پر انواع و اقسام کی نکتہ چینیاں کرتے تھے۔ چنانچہ کچھ مسلمان کچھ ناواقفیت اور بے علمی کے سبب اور اکثر افلاس کے سبب ان کے دام میں آگئے۔ اس خطرے سے بلاشبہ علماءِ اسلام (شکر اللہ مساعیہم) جیسے مولانا آلِ حسن، مولانا رحمت اللہ مرحوم اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ متنبہ ہوئے انھوں نے متعدد کتابیں عیسائیوں کے مقابلہ پر لکھیں اور اُن سے بالمشافہ مناظرے کئے۔ جس سے مسلمانوں کو یقیناً بہت فائدہ پہنچا۔"

ردِّ نصاریٰ میں تالیف و تصنیف اور پادریوں سے مقابلہ و مناظرہ کا سلسلہ ایک انفرادی و شخصی لیکن اجتماعی شکل میں بنا شروع ہوگیا تھا۔ قدرتی طور پر ہر جگہ ہر قصبہ میں مسجدیں تھیں۔ علماء کرام کے وہ مسکن تھے۔ اس انقلابی تحریک کے چلنے میں کوئی دشواری نہیں پیدا ہوئی۔ رہنما کی ضرورت تھی۔ حضرت مولانا رحمت اللہ سے بہتر کون ثابت ہو سکتا تھا۔ انھوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور اس کام کے لئے دہلی آگرہ کو مرکز قرار دیا۔ یہاں بھی مولانا نے تصنیف و تالیف کا کام اپنی جماعت کی مدد سے کیا۔ اس جماعت میں ہندوستان کے انتہا پسند اور حضرت اسمٰعیل شہید کے فدائی مسلمان تھے۔ جن کی تعداد کافی تھی چنانچہ پادری فانڈر ۱۸۵۷ء کے آگرے کے تاریخی مناظرہ کا تذکرہ اس تعلق کے ساتھ کرتا ہے۔

"یہاں کے (آگرہ کے) علماءِ اسلام دہلی کے علماء کے ساتھ مل کر گزشتہ دو تین سال سے کتاب مقدس کا اور ہماری کتابوں کا مغربی علماء کی تنقیدی کتب اور تفاسیر کا مطالعہ کر رہے تھے۔ تاکہ وہ کتاب مقدس کو غلط اور باطل کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دہلی کے عالم مولوی رحمت اللہ نے دو کتابیں تصنیف کیں۔ جنوری ۱۸۵۲ء میں جب یہاں نہیں تھا۔ وہ آگرہ آیا تھا کہ اپنے احباب کے ساتھ ان کتابوں کو چھپوانے کا انتظام کرے۔ مباحثہ ہوا۔

پہلے روز تقریباً ایک سو مسلمان علماء مولوی رحمت اللہ کی مدد کے لئے جمع تھے اور دوسرے روز اس کی دوگنی تعداد تھی۔"

یہ عالم بلا کسی وجہِ معاوضہ کے رد نصاریٰ میں اپنا وقت صرف کرتے تھے۔ ہر صوبہ ہر ضلع میں ان کے شاگرد ردِ نصاریٰ فرض ادا کرتے تھے۔ اگر خاص معاملہ یا مناظرہ ہوتا تھا تو مرکزی علماء کرام ان کا مقابلہ کرنے کے لئے جاتے تھے۔ جس سے پادریوں پر اور عوام پر خاطر خواہ اثر ہوتا تھا۔ چنانچہ جو اثر ہوا ان کی رپورٹوں میں دیکھیے۔ اگرچہ وہ مخالفانہ و معاندانہ قسم کی ہوتی تھیں لیکن واقعات کے ڈھنگ اور عیسائیوں کے طرز سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی تھی۔ کہ علماء کرام ہر ضلع میں ان کے مقابل میں اور انکو چین سے نہیں بیٹھنے دیتے تھے۔ پادری فرنچ انچارج ملتان ضلع کی رپورٹ کا حصہ ملاحظہ ہو:۔

"ملتان کے ملا سید اور مخدوم سب اس بات کے لئے کوشش کرتے تھے کہ خدا کی روشنی کو داخل نہ ہونے دیں۔ یہ دو مشہور شخصوں یعنی مولوی رحمت اللہ اور ڈاکٹر وزیر خاں کا جنھوں نے اسلام کا طرفدار ہو کر ڈاکٹر فانڈر سے مباحثہ کیا تھا۔ دوست تھے۔"[1]

امرتسر کی مشنری کے انچارج مسٹر کلارک کی رپورٹ ۱۸۶۷ء یہ ہے:۔

"علمائے کرام مباحثہ اور مناظرہ کے لئے جمع ہو جاتے اور منہ کی کھا کر جاتے۔ ۱۸۹۳ء میں ڈپٹی عبداللہ آتھم کے درمیان پندرہ روز تک بحث ہوتی رہی۔ جس کا نتیجہ سوائے حسرت و یاس اور کچھ نہ ہوا۔"

دہلی کے مشنری انچارج مسٹر لیفرائے یہ فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ سہ پہر کے وقت وہ بازار میں منادی کے لئے گیا اور رات ہو گئی۔ کیونکہ بحث چھڑ گئی۔ ایک مسلمان مولوی (مولانا شرف الحق) نے بائیبل کے اختلافِ بیان پر اعتراض کیا اور حوالے ڈھونڈھنے لگے۔ بازاری لیمپ کی روشنی نہایت مدھم تھی۔ کہنے لگا کہ روشنی کم ہے دکھائی نہیں دیتا۔ لیفرائے نے کہا۔ اگر یہاں روشنی کم ہے تو کیوں کسی ایسی جگہ بحث نہیں کرتے۔ جہاں روشنی کا انتظام ہو سکے۔ اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ مسجد کے اندر بحث ہو۔ یوں لیفرائے مسجدوں کے اندر جا کر انجیل کی بشارت دینے لگا۔ بازاری منادی میں اب لیفرائے کی سخت مخالفت ہوتی۔ بالخصوص ایک نابینا مولوی لیفرائے کا پیچھا نہ چھوڑتا۔ جہاں لیفرائے کھڑے ہو کر منادی شروع کرتا وہیں یہ مولوی بھی اس کے پاس کھڑا ہوتا اور مسیحیت کی مخالفت میں وعظ شروع کر دیتا۔ اگر وہاں سے ہٹ کر کسی اور جگہ منادی کرتا تو مولوی بھی اس کے پیچھے جا کر وہیں اس کے پاس آ کر کھڑا ہوتا اور وعظ کرنے لگ جاتا۔"

پشاور میں علماء کرام کی تبلیغ کی جدوجہد کی یہ کیفیت تھی۔ جو پادریوں کے الفاظ میں بیان کی جاتی ہے:۔

"ڈاکٹر پتیل انچارج پشاور مشنری سوسائٹی نے قرآن ہاتھ میں لیکر ملا سے کہا کہ اس کتاب میں یہ کہیں لکھا دکھا دو کہ قرآن نے انجیل کو منسوخ کر دیا۔ ملا قرآن پر ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ اعتراض پر اعتراض کرتا چلا جاتا تھا۔ پتیل نے پھر کہا۔ اس پر ملا اور مسلمانوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور بحث ختم ہو گئی۔ مسلمان ملا ہر وقت اس کوشش میں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح بازاری منادی نہ ہو۔ یہاں پتیل آتا وہاں ملا نے بھی آنا اور اسلام پر وعظ کرنا شروع

[1] صلیب کے علمبردار ص ۵۳

کردیا۔ یہ لوگ چپتیل کو اس طرح دق کرتے۔

ایک دفعہ جب چپتیل بازاری منادی کے لئے گیا تو کیا دیکھا کہ وہاں ایک بازاری مُلّا وعظ کہہ رہا ہے۔ چپتیل نے یہ خیال کیا کہ اگر میں یہاں سے چلا گیا تو یہ ہر جگہ اسی طرح ایگا۔ یہ سوچ کر وہ اس مُلّا کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا اور منادی کرنے لگ گیا۔ اُدھر مُلّا اونچی آواز میں وعظ کرتا تھا۔ اِدھر وہ اس سے بھی اونچی آواز سے انجیل کی منادی کرتا تھا۔ جب مُلّا نے دیکھا کہ اُس نے لوگوں کو اشتعال دینا شروع کر دیا اور چپتیل کو کہنے لگا کہ اگر آپ منادی کرنے سے باز نہ آئیں گے تو یہ لوگ بُری طرح آپ سے پیش آئیں گے۔

بعض اوقات بازاری منادی کے وقت ایک ہجوم میں کھڑا ہو جاتا اور چلا چلا کر کہتا کہ کسی مومن مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں کے وعظ سُنے۔ یہ کہکر لوگوں کو وہاں کھڑا نہیں ہونے دیتا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ بازاری منادی کے وقت وہ اعتراضات کو ٹال دیتا تھا اور جواب نہیں دیتا تھا[1]

یہ صرف ایک صوبۂ پنجاب کی کوششوں کا خاکہ ہے جو علمائے کرام نے وہاں کیں اور اُن کو دشمنوں کے قلم نے اپنے رنگ میں بیان کیا اور اس طرح بیان کیا کہ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ کون مقدس ہستی مقابل تھی۔ جس کی شان اور جد وجہد میں یہ پادری لوگ یہ یاوہ گوئی کر رہے ہیں۔

اس صوبے کے علاوہ تمام صوبوں میں علماء کا طبقہ ردِّ نصاریٰ میں مصروف تھا اور مولانا رحمت اللہ کے ہجرت کرنے کے بعد خاص طور پر مولانا قاسم رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شرف الحق اور مولانا ابو المنصور کی خدمات نے تمام ہندوستان بالخصوص دہلی کی دُنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ مولانا شرف الحق کا نام سننے سے پادریوں کے دل کانپتے تھے۔ وہ اسلام کا شیدائی ہندوستان کے تمام صوبوں کو چھان چکا تھا اور اسلامی جذبہ قائم کر چکا تھا۔ اس کی بے پناہ زندگی کی یہ کیفیت تھی کہ

آج بہار کے صوبوں میں اور اس کے اضلاع بلکہ پٹنہ کے گاؤں قصبوں انکی، پہلوارگ، ہزاری باغ، مونگیر میں پادریوں کی شرارت کا مقابلہ کر رہا ہے۔ علاوہ بریں غازی پور کے پادریوں کو اسلام کی حقانیت کا چیلنج دینے کے لئے پہنچ جاتا ہے۔ وہاں پادری لاربیر اُسکا نام سنتا ہے اور مناظرہ کے خوف سے شہر بدر ہو جاتا ہے۔ لیکن بے پناہ پروپیگنڈہ اور غصّہ سے بھرے ہوئے وعظ اس مغرور پادری کے ساتھیوں کو مجبور کر دیتے تھے کہ وہ مناظرے کے لئے آمادہ ہوں اور مشن کا یہ بالا گورکھ دھندا اپنی نظروں کے سامنے ٹوٹتا ہوا دیکھیں تاکہ غازی پور کے بھولے بھالے ہندوستانی فریب نصرانیت سے آگاہ ہوں۔ سال بھر کی جانفشانی کے بعد ہنم کنڈہ، گلبرگہ اور شولاپور میں اسلام کی روشنی پھیلاتے ہوئے احمد نگر کے مشنری ایوم صاحب سے جا بھڑا۔ "آؤ ہم کو سمجھا دو یا سمجھ لو اور نبی آخر الزماں پر ایمان لے آؤ"۔ اس نے توجہ نہیں دی تو پونہ پہنچ وہاں مہینوں بازاروں اور عاشور خانوں اور یہود کے ریڈنگ روموں میں رحمۃ للعالمین کی رحمت کے پیغامات سے یسوع مسیح کی بھیڑوں کو آگاہ کرتے رہے اور پونہ کے پادری تسول اور باچے اسمال عام مناظرے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے تو ان کے گھروں پر جا کر باپ بیٹے روح القدس کے بیکار تثلیث کی تحریفانہ کوششوں کے پردے چاک کر کے ضرورت اسلام اور نبوت

---

[1] صلیب کے علمبردار ص ۲۲۴ - ۲۲۸ - ۲۳۲

رسول مدنی منواتے - یہاں آپ آٹھ ماہ سے ان کوششوں میں مصروف ہیں کہ حیدر آباد دکن ستان کو دعوت ملتی ہے کہ آپ فوراً یہاں آجائیے اور یہاں کے فرعون صفت پادری کی گردن توڑنا آپ ہی کا کام ہے - یہاں کا پادری ایم جی گولڈ سمتھ کہتا ہے کہ تحریف انجیل کے مسئلہ پر اُن لوگوں سے کیسے بحث کروں جو عبرانی کی ابجد سے بھی واقف نہ ہوں - عبرانی جاننے والا میرے سامنے آئے تو اس سے مناظرہ کرنا میرے شایان شان ہوگا -

آپ وہاں پہنچتے ہیں - سید مرتضیٰ صاحب قادری کے مکان پر پادری صاحب سے عبرانی گرامر اور ادب پر بحث ہوتی ہے - چند منٹ میں قلعی کھل جاتی ہے - مولانا صاحب عبرانی یہودی لہجہ میں پڑھ رہے ہیں - پادری صاحب کے چہرے پر مُردنی چھا جاتی ہے لہ اور پادری صاحب کو ماننا پڑتا ہے کہ مولانا کے مقابلہ میں میری عبرانی کی لیاقت محدود ہے ٹہ

اس کے بعد مولانا نے رضا کارانہ طور پر صحابہ کبار علیہم السلام کی سادہ زندگی کی طرح تمام بلدے کے دیہات کے کونہ کونہ میں تبلیغِ اسلام اور ردِ نصاریٰ کا کام کیا - وہاں ایک انجمن تبلیغ اسلام قائم کی - جس کا معتمد اس ریاست کے با اثر سید محمد مرتضیٰ صاحب اور میر مجلس حاجی مولوی شاہ عبدالرحیم کو بنایا اور احباب کے اصرار پر خود ورکنگ کمیٹی کے ممبر بنے - ان ٹھوس قسم کی خدمات کے بعد آپ نے پادریوں کا پیچھا کیا - سید مرتضیٰ قادری اور صوبہ دار حام کے مکان پر تین مرتبہ پہنچے بہ مجمع عام میں پادری ایم جی گولڈ اسمتھ سے مناظرے کئے - آپ کے دعظوں کے خوف سے پادری نے اپنی عام منادی کا مقام بھی بدل دیا - یعنی تیلیوں کی باڑی چھوڑ کر مارکٹ اختیار کی - جس کا عوام اور پادریوں کے ہم نواؤں پر اس قدر اثر ہوا کہ پادری کے دو خاص الخاص رہان سنگھ اور فضل مسیح سابق مسلمان ہو گئے - اور ردِ نصاریٰ میں دل و جان سے کام کرنے لگے اور مولانا کو بقایا دو سو آدمیوں کو مشرف بہ اسلام کرنے کا فخر حاصل ہوا - حق وہ ہے جو زبان پر قبضہ کر کے بولے چنانچہ پادری کو زبانی ہی نہیں بلکہ اپنی رپورٹ میں بھی مولانا کی اولوالعزم شخصیت کو ماننا اور انکی قابلیت کا کھلے الفاظ میں اعتراف کرنا پڑا - وہ لکھتا ہے :-

"ایک مشن کے مخالف انجمن تبلیغِ اسلام کی کارروائی دین عیسوی کے رسوخ کا دوسرا ثبوت ہے - یہ مشن گیارہ مہینے کی کارروائی کے بعد جون میں دو سو آدمیوں کے مسلمان کرنے کا فخر کرتی ہے - ہماری وعظ گاہوں کے نزدیک قریب مسلمانوں نے ہمارے مقابلہ میں وعظ بھی کہنا شروع کیا تھا - دو مولوی وعظ کہا کرتے اس میں سے ایک نو مسلم ہندو تھا - جو اپنی تیلنگو بائیبل ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا اور کرسچنی میں اپنا کچھ کہا کرتا تھا کہ دوسرا مولوی ایک فصیح مولوی شرف الحق تھا - جس نے کیمبرج مشن دہلی کے مسٹر لیفرائے سے مباحثہ کیا تھا اور اپنے ہیبرو اور گریک کی زباندانی کو بڑے زور سے استعمال کیا کرتا تھا - جس طرح کہ قرآن پڑھا کرتے ہیں - اسی طرح پینٹاٹوچ (موسیٰ کی پانچوں کتابیں) اور دوسرے حصوں کے جملے سرود بن بڑے بلند لہجہ میں پڑھ کر ان کی خوبی اپنے سامعین پر ظاہر کرتا تھا - جس سے ہیبرو کی ترغیب اور ہیبرو بائیبل کے خریدنے کا شوق پیدا کرتا تھا اور یہ ثابت کرنا معلوم ہوتا تھا کہ پہلے ناچیز نبی قرآن سے کسی طرح گھٹے ہوئے نہیں تھے

لہ حیدر آباد میں خدمت دینی مرتبہ شیخ برکت اللہ ص ۹ ٹہ بجواب رپورٹ پادری گولڈ سمتھ بیان سید مرتضیٰ مطبوعہ دکن بجٹ ۲ نومبر سنہ ۱۸۹۲ء

ان کے وعظ تقریباً اسی مضمون پر تھے کہ اولڈ اور نیو ٹسٹمنٹ میں مجموعہ (توریت وانجیل وغیرہ) محمد - جب کے بارے میں پیشن گوئی کی گئی تھی۔ ٹھیک فاصلہ ہونے کی وجہ سے ہم یا وہ ایک دوسرے کے وعظ میں مزاحم نہیں ہوتے تھے اور جب کبھی وہ تقریر کرنے کی کوشش کرتے تھے تو ہم اور وقت پر اس کو اٹھا رکھتے اور اس طرح ہم اپنے وعظ میں دخل نہ دینے دیتے۔ دوپہر کو پھر مباحثہ کرنے کا وقت ہوتا تھا۔ اس قسم کی تقریریں کچھ کم سال بھر تک ہوئیں۔ (رپورٹ مطبوعہ اخبار دکن گزٹ سنہ ۱۸۹۳ء ۱۴ / اکتوبر)

مولانا موصوف برسوں کے دورے کے بعد جس میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ ممالکِ اسلامیہ بھی شامل تھے، دہلی کے مرکز پر پہنچ جاتے تھے۔ جہاں پادری لیفرائے سے روزانہ کبھی گھنٹہ گھر، کبھی فوارہ، کبھی فوارہ کے گرجا گھر پر، کبھی فتحپوری، کبھی حوض قاضی پر تھانے کے سامنے مقابلے ہوتے تھے۔ بھنگیوں کی بستی میں بھی مڈبھیڑ ہوجاتی تھی۔ اس لئے کہ وہ لیفرائے کا گروہ تھا۔ وہیں سے اس کو لقمہ ملتا تھا۔ وہیں سے شکار پھانستا تھا۔ اگر وہاں مولانا شرف الحق کا قدم چلا جاتا تھا تو لیفرائے کے بہت سے نشانے خطا ہوجاتے تھے۔ روزانہ کے مباحثوں نے آخر رنگ دکھایا اور لیفرائے کو دہلی مسجد فتحپوری کے اندر مولانا رحمت اللہ علیہ کے شاگردِ رشید مولانا شرف الحق کے سامنے ماننا پڑا کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے۔ یہ اقرار زبانی نہیں بلکہ ہزاروں کے مجمع میں تحریر مولانا کو لکھی کہ انجیل میں تحریف ہوئی ہے اور اس میں شرائے کے قول داخل ہو گئے۔

یہ ہے عشقِ اسلام و خلوصِ دین سے وابستہ جاں نثارانہ زندگی، اس کے سامنے ٹھیکریوں کے بندے، تنخواہوں کے غلام کیا ٹھہر سکتے تھے۔ ان کو حق و صداقت کی دعویدار ہستیوں کے سامنے جھکنا پڑا۔ تلاش رہتی تھی کہ کہیں سے پادری کی بو آجائے اور وہ پہنچ جائیں اور اُن کے پنجوں سے بھولے بھالے ہندوستانیوں کو بچائیں۔

اسی طرح مولانا قاسم اور مولانا ابو المنصور کی زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ تبلیغ دین اور رد نصاریٰ میں صرف ہوتا تھا۔ اُن کے معتقد اُن کے نام اپنی زندگیاں وقف کر دیتے تھے فرنگی جال کو پاش پاش کرنے کے لئے۔

اس مختصر روئداد کی تفصیلی کیفیت آپ ہندوستان کے تاریخی مناظروں میں اور رد نصاریٰ کی تردیدی کتابوں میں دیکھئے تو ان جاں نثارانِ وطن اور ملت کے فدائیوں کی قابلیت و لیاقت کا صحیح اندازہ ہوجائے گا اور معلوم ہوجائیگا کہ پادری ان سے کیوں خائف رہتے تھے۔

(۱) پہلی کتاب ردِ نصاریٰ

ردِ نصاریٰ میں اردو زبان میں سب سے پہلی کتاب جو طبع ہوئی وہ خلاصہ الضیغم علیٰ اعداء ابن مریم تھی۔ جس کے مصنف مولوی عباس علی صاحب بن ناصر علی بن فضل اللہ فاروقی جاجموی تھے۔ یہ کتاب مطبع سنگین میں سنہ ۱۲۵۸ھ میں چھپی الہ آبادی بڑے صفحات ۲۰ × ۳۰/۸ پر ۱۰۲ صفحات پر مشتمل ہے یہ کتاب اصل میں سنہ ۱۲۴۰ھ میں لکھی گئی تھی۔ لیکن ضخیم ہونے کی وجہ سے اس کا خلاصہ سنہ ۱۲۵۸ھ میں چھپا۔ چنانچہ اس کتاب کے آخر میں جو تاریخ کتاب لکھی ہے "بود مرغوب" ہوتی ہے۔ آغازِ کتاب میں خلاصہ کی وجہ بھی ظاہر کی ہے "کتاب صولة الضیغم مذہب نصاریٰ کے رد میں جمع کی تھی۔ لیکن اس کا حجم بہت تھا۔ اس واسطے میں نے یہ مختصر ترتیب دیا۔ جس میں اس کو کم

طرح کا اشتباہ ہو وہ فاضل اشخاص کی طرف رجوع کرے۔"

اس کتاب کے مصنف اپنے دور کے خاندانی عالم معلوم دیتے تھے۔ اس وقت تک علمائے کرام نے ردِ نصاریٰ کی طرف توجہ نہیں فرمائی تھی۔ نہ ردِ نصاریٰ کی تصانیف کا دور تھا اور نہ مناظرہ کا رواج۔ جہاں آپ نے پہلی تصنیف کی۔ وہاں پادریوں سے مناظرہ بھی کیا اور پادریوں کے چیلوں کو مسلمان بنایا۔ چنانچہ آپ اپنی تصنیف کا تذکرہ کرتے ہوئے علماء سے ردِ نصاریٰ کی طرف توجہ دینے کی درخواست کرتے ہیں۔

"قدیم عہد میں ردِ نصاریٰ کا عمل نہ تھا۔ اگلے عالموں نے اس کے رد کی طرف کم توجہ فرمائی لیکن اس زمانہ کے عالموں پر فرض و واجب ہے کہ ان کے دین کے ابطال پر کوشش کریں۔ والا رفتہ رفتہ یہی لوگ خلق کثیر کو گمراہ کر ڈالیں گے اور یہ گمان نہ چاہیئے کہ رد لکھنے سے کفار قائل نہیں ہوتے۔ پھر کیا فائدہ؟ کیونکہ جب میں صولتہ الضیغم لکھ چکا اور دس پانچ جگہ یہ امر مشہور ہوگیا لوگوں نے ولیم اور ریٹ پادریوں سے اور مجھ سے بحث کرادی۔ آخر میں خدا کی مدد سے ان پر غالب آگیا۔ تب اُن کے رفیقوں میں سے جو نئے کرسٹان ہوئے تھے۔ دو شخص میرے پاس آکر مسلمان ہوگئے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

یہ کتاب کسی خاص کتاب کا جواب نہیں ہے لیکن پادریوں کے عمومی سوالوں کا جواب ہے۔ جو عام طریقہ سے کرتے تھے۔ یہ کتاب گیارہ فصلوں پر حسب ذیل عنوانات پر مشتمل ہے۔

(۱) تحریف انجیل (۲) اثبات نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (۳) جواب جہاد کہ اسلام ظلم سے پھیلا (۴) ثبوت معجزات حضور اقدس، کتب مقدس اور قرآن مجید سے (۵) ابن اللہ کا جواب (۶) تثلیث کی تردید (۷) تقدیر (۸) کثرت ازدواج (۹) نسخ (۱۰) بد عمل نمات مردہ (۱۱) پیش گوئیاں۔ اس کتاب کا طرز استدلال الزامی ہے۔ عیسائیوں کی کتابوں کو ڈھال بنایا گیا ہے۔

نصاریٰ کہتے ہیں کہ سچے نبی کی یہ نشانی ہے کہ اگلے پیغمبروں کو نہ جھٹلا دے اور ان کے برخلاف نہ کہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں خدا کے اگلے کلام سے بہت سا برخلاف کہا ہے۔ چنانچہ توراۃ و انجیل میں ہے کہ ایک جورو کے سوا اس کے جیتے جی دوسری کرنا روا ہے۔ سو قرآن میں اس کے برخلاف چار چار جوروان ایک ساتھ کرنا ہر مرد کو درست ہے اور موسیٰ کی پرہیزگاری، پاکیزگی توریت میں ان باتوں سے پائی جاتی ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے ابتدا ر آدم کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس کے موافق موسیٰ نے بھی ایک ہی شادی کی تھی اور عیسیٰ کی پرہیزگاری مشہور ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی جوروان تھیں۔

کہتا ہوں میں! (گویا جواب)۔ سچ ہے محمدی شرع میں کتنی اگلی چیزیں منسوخ ہوگئیں۔ چنانچہ اونٹ کا گوشت اور سنیچر کے دن شکار کرنا موسیٰ کے عہد میں حرام تھا۔ ہمارے وقت میں حلال ہوگیا۔ لیکن نسخ آگے سے ہوتا چلا آیا ہے۔ کیونکہ باتفاق ہمارو نصاریٰ و مسلمین کی آدم کی شریعت میں درست تھا کہ بھائی اپنی اس بہن سے جو توام نہ ہو۔ نکاح کریں۔ پھر ہم سب متفق ہوگئے کہ بعد آدم کے یہ حرام ہے اور دو بہنوں کے ساتھ اکٹھا نکاح کرنا روا تھا کی شریعت میں روا تھا۔ اور موسیٰ

کے عہد میں منسوخ ہوگیا۔ چنانچہ پیدائش کی ۲۹ اور اخبار کی اس مسطور اور باتفاق یہود و نصاریٰ کی اللہ تعالیٰ نے
ابراہیم کے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں منسوخ کیا۔ موسیٰ کے عہد میں اکثر گناہوں پر قتل تھا سو عیسیٰ کے عہد
میں منسوخ ہوگیا۔

اور قول اس کا ایک جورو کے سوا غلط ہے۔ کیونکہ موسیٰ کے وقت میں دو جورواں ایک ساتھ کرنا روا تھا۔ چنانچہ استثنا کی اس
ریت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مان لیں کہ موسیٰ کے عہد میں دو کرنا روا نہ تھا۔ جیسا کہ نصاریٰ کہتے ہیں تو انہیں کی زبان سے نسخ
کا جواز ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ باتفاق ابراہیم کی تین جورواں تھیں۔ سارا، ہاجرہ، قطورہ۔ پس معلوم ہوا کہ موسیٰ
نے اس حکم کو فسخ کیا اور ایک جورو کا حکم رکھا۔ سو اسی حکم پر عیسیٰ بھی چلے۔ پھر جب ہمارے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نبی
ہوئے۔ یہ حکم موسوی منسوخ ہوا۔ اور پہلا حکم ابراہیمی بدستور قائم ہوا۔ اور پیدائش کی ۲۹ اور ۳۰ میں ہے کہ یعقوب
کی چار جورواں تھیں (۱) لیا (۲) راحیل (۳) بلہار (۴) زلفا (۵) اور سموئیل کی سفر ثانی میں ہے کہ
داؤد نے بہت جوروؤں اور سریتوں سے ازدواج کیا۔ ان ہی میں سے ہیں (۱) اخینعام (۲) ابیجال (۳) معکا (۴) حاجیت
(۵) اسیطال (۶) حاجیل۔ اور اسفار الملوک میں ہے کہ سلیمان کے پاس سو بیبیاں تھیں اور تین سو سریتیں اور کتاب القضاۃ
میں ہے کہ جدعون کے ستر بیٹے تھے۔ اس واسطے انھوں نے بہت سی عورتوں سے نکاح کیا لے

اس کتاب ... کے سامنے ایک قلمی کتاب بھی ہے جو افضلیت کی دعویدار ہے یعنی

(۲) جواب محمدیہ } تین سال قبل یعنی ۱۲۴۵ھ میں لکھی گئی ہے۔ یہ کتاب مولانا شرف الحق صاحب قبلہ
کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس کتاب سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ یہ چھپی ہوئی کتاب کی نقل ہے یا مصنف
کی اصل کتاب کا مسودہ ہے۔ بہر حال اپنی زبان طرز نگارش سے بتا رہی ہے کہ یہ ۱۲۴۵ھ کی تصنیف ہے اور کتاب
میں بھی لکھا ہے کہ الحمد اللہ و المنۃ کہ یہ جواب محمدیہ ۱۲۴۵ء میں بیچ تاریخ ۲۸ ربیع الاول بروز یکشنبہ اس کا مسودہ
تمام ہوا"۔ اس کتاب کے مصنف اکرام الدین شاہجہاں آبادی ہیں۔ اس کے صفحات ۱۵۸ ہیں۔ بڑی تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$ سائز
پر لکھی گئی ہے۔

یہ کتاب "جواب محمدی" جواب الجواب ہے۔ مدراس کے پادری کے رسالہ عیسوی کا جو پادری نے ایک مسلمان عالم
موضع آستانہ تحصیل ضلع اعظم گڈھ کے سوالات کے جوابات میں لکھی تھی۔ سوالات یہ تھے۔ جو "جواب محمدی" میں مصنف
موصوف نے نقل کئے ہیں۔ نصرانیت کے عالموں سے سوال کرتا ہے کہ اگر تم محمدؐ کی دلیل عقل سے باطل کرتے ہو تو ہم تم
لوگوں سے یوں پوچھتے ہیں کہ انجیل میں یا زبور میں یا توراۃ میں کون سی جگہ یہ لکھا ہے کہ محمد نبی برحق نہ ہونگے بلکہ ہر
جگہ پر انجیل میں اشارے اور کنایے حضرت عیسیٰ نے اوپر حقیقت نبوت محمد کی کیا ہے۔ بشبہ ہو تو ترجمہ انجیل کا انصاف
کی نظر سے دیکھیے۔ امید وار اس بات کا ہوں کہ جواب اس کا عالمانہ مناظرے کے طریق سے دیجیے۔ اللہ الہادی
الی الصواب"۔

اس کتاب میں پہلے تو لفظ نصاریٰ" کے گلے شکوے کا وہی جواب ہے جو سر سید مرحوم نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے

معلوم ہوتا ہے نصاریٰ کہنے پر ہر عیسائی چراغ پا ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد "محمد نبی برحق نہیں ہے"۔ انجیل سے ثبوت دو"۔ پر بحث کی گئی ہے۔ پادری نے کہا کہ اسکی ضرورت نہیں ہے تو جواب دیا گیا کہ جب حضرت موسیٰ و دجال کا ذکر زبور میں کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ تو اگر حضور برحق نبی نہ ہوتے تو ان کا بھی ذکر کرتے تو معلوم ہوا کہ آپ برحق نبی تھے۔

اس کے بعد پادری کے چار اعتراضات (۱) حضور نے نبوت کی شان کے خلاف زیادہ شادیاں کیں۔ (۲) معجزات نہیں دکھائے (۳) پیشن گوئیاں نہیں کیں (۴) قرآن مجید دوسری آسمانی کتابوں کو باطل ٹھہراتا ہے، کا جواب دیا ہے۔

زبان اپنے دور کے رنگ کی ہے۔ البتہ طریقۂ استدلال بدلا ہوا ہے۔ عقلی طور پر جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے جو زیادہ دلچسپ بن گئے ہیں۔ الزامی جوابات کم ہیں۔ اس خصوصیت میں یقیناً افضلیت کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ طریقہ استدلال مناظروں کی کتابوں میں سرسید مرحوم کے دور میں تو آ گیا۔ لیکن اس دور میں قطعی نہ تھا۔ چنانچہ طرز تحریر اور استدلال کے عقلی طریقے ملاحظہ ہوں۔ صاحب رسالہ عیسوی نے لکھا ہے کہ:۔

"محمد اوروں کے مانند بیمار ہو کے مرا اور قبر میں پڑا ہے۔ مگر جناب مسیح تیسرے دن قبر میں سے جی اُٹھا اور بعد چالیس روز کے آسمان پر گیا۔"

سو جواب اس کا یہ ہے کہ، بیمار ہونا اور قبر میں رہنا یہ تمام نبیوں کو نصیب ہوا ہے۔ اس میں فضیلت گھٹ نہیں جاتی پھر دوسرے یہ کہ سولی کھا کر مرنے سے بہتر بیمار ہو کر مرنا ہے۔ تیسرے یہ کہ حضرت مسیح بھی قبر میں موافق عقیدہ صاحب رسالہ عیسوی رہ چکے ہیں گو کہ تین ہی دن رہے۔ تین دن رہنا اور لاکھ برس رہنا برابر ہے۔ اس صفت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح برابر ہیں۔ اور رہا آسمان پر جانا۔ سو حضرت مسیح جسم سمیت چوتھے آسمان پر ہیں۔ اور ہمارے حضرت کی روح مبارک ساتویں آسمان پر قریب سدرۃ المنتہیٰ کے ہے۔

رسالہ عیسوی لکھتا ہے کہ خلقت کے گناہ حضرت مسیح کے خدا ہونے سے بخشے گئے۔ اس جگہ غور کرنا ضروری ہے کہ اس عقیدہ سے کیا بات نکلتی ہے کہ جو شخص معصوم تھا اس کو خدائے تعالیٰ نے سولی دلوائی۔ اور جو لوگ گناہ گار تھے۔ لائق عذاب تھے۔ ان کو یکر یوں بخش دیا اس جگہ پوچھا جائے کہ خدائے تعالیٰ کو غیر منصف ہم نے ٹھہرایا یا تم نے۔ کیونکہ جو لوگ لائق عذاب تھے ان کو تو یوں بخش دیا اور جو لائق رحمت تھا۔ اس کو سولی پر کھنچوا دیا۔ سو اس سے زیادہ کون سی بات غیر منصفی ہوگی۔

پس تو حافظ خوش ہو گے ایسے شخصوں کے کون منہ لاگے

(۲) اِستفسار { تحقیق و معلومات، علمیت و معقولیت کے اعتبار سے ردِّ نصاریٰ میں حضرت العلامہ مولانا آلِ حسن کی تصنیف استفسار افضل مانی جاتی ہے۔ جو مولانا میزان الحق پادری فانڈر کی کتاب مطبوعہ ۱۸۳۲ء اور تحقیق دینِ حق پادری اسمتھ کی کتاب مطبوعہ ۱۸۴۳ء کے

جواب میں لکھی ہے۔ اس کے علاوہ مولانا موصوف نے پادریوں کے اعتراضات کے ساتھ عیسائیوں پر اپنے بھی اعتراضات استفسار کے نام پر کئے ہیں۔ استفسارات کی تعداد حسب ذیل اٹھارہ ہے۔

(۱) تثلیث کا مسئلہ براہِ عقلی سے باطل ثابت ہوتا ہے۔

(۲) تثلیث کے دلائل لا یعنی ہیں۔

(۳) حضرت عیسیٰ کے ارشادات سے تثلیث غلط اور صرف توحید ثابت ہوتی ہے۔

(۴) حضرت عیسیٰ کا بندوں کی نجات کے لئے ملعون ہو کر تین دن دوزخ میں رہنا جیسا کہ عیسائیوں کا ایمان ہے۔ عقلاً باطل ہے۔

(۵) حضرت موسیٰ نے زبور میں کچھ باتیں درج کیں۔ یہ عیسائیوں کا کہنا خلاف واقعہ ہے۔

(۶) توریت میں بعض روایتیں ایسی ملی ہیں کہ اس سے شریعت اسرائیلیہ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔

(۷) توریت میں بعض ظاہری احکام میں لکھا ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے ہے۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کی شریعت نے وہ حکم بدل دیا۔

(۸) خدا کے کلام میں دوسرے کے کلام ملنے سے کتاب اللہ کا اعتبار ختم ہو جاتا ہے۔

(۹) ابنائے بنی اسرائیل اور حواریوں کی گواہی اور ایک جماعت علمائے مسیحی کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل میں تبدیلی و تحریف ہوئی۔

(۱۰) اناجیل کی روایتوں کے اسناد کا پتہ نہیں لگتا اور روایتوں میں اختلافات بھی ہیں۔

(۱۱) اناجیل کی تالیف ایسی ہے جیسے ہمارے ہاں شواہد النبوۃ ہے۔ جو قرآن کی طرح جمع نہیں ہوئی۔ نہ اسکی روایتوں میں اختلاف بھی ہے۔

(۱۲) توریت کے عزرانی کے عہد سے بطلیموس کے عہد تک اور عہدِ جدید کے حواریوں کے عہد سے قسطنطین اول کے زمانہ تک بیرین کی عیسائی عالم کے پاس نہیں ہے۔

(۱۳) بائبل کی پیشن گوئیاں مضحکہ خیز ہیں۔

(۱۴) مسیح اور جھوٹے مسیح، بڑے معجزے دکھلانے والے میں کیا فرق ہے۔

(۱۵) جس ضابطہ عقلیہ کی رو سے سمعیات کا ثبوت ہوا کرتا ہے۔ اس کے موافق صرف حضرت خاتم النبین کے معجزات اترتے ہیں اور کسی پیغمبر کے نہیں اترتے

(۱۶) باوجود بائبل کی خرابیوں کے جس قوت کے ساتھ حضرت خاتم النبین کی خبر توریت اور انجیل سے ثابت ہوئی ہے اسی طرح حضرت عیسیٰ کی خبر توریت سے ثابت نہیں ہوتی۔

(۱۷) جو اعتراضات حضور پر عیسائی لوگ کرتے ہیں وہی اعتراضات حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پر بھی عائد ہوتے ہیں۔

(۱۸) جو عزت ثبوت کے ساتھ ملتِ اسلامیہ کے لئے ہے وہ کسی اور ملت کے لئے نہیں ہے۔

یہ کتاب سنہ ۱۲۵۹ھ میں چھپی جس نے ہندوستان کے پادریوں میں ہلچل مچادی تھی۔ یہ ضخیم کتاب آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔ بڑے صفحات پر چھپی ہے۔ یہی وہ ہر دلعزیز اور قابل فخر کتاب ہے۔ جس کو مولانا رحمت اللہ صاحب نے اپنی مشہور تصنیف ازالۃ الاوہام کے حاشیہ پر چھاپا ہے۔ آج تک عیسائیوں کی طرف سے اس ضخیم کتاب کا مکمل و مستقل جواب تو کجا صرف ایک مبحث کا بھی پورے طور پر جواب نہیں دیا جاسکا۔ پادری فانڈر نے حل اشکال ۱۸۴۷ء کتاب میں جو چھوٹے سائز میں ڈیڑھ سو صفحات پر چھپی ہے۔ اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ جس کو محاورہ میں چھدا اتارنا کہتے ہیں۔ کیونکہ حل اشکال جیسی مختصر کتاب میں میزان الحق کے جواب کشف الاستار کا بھی جواب شامل ہے۔ جو بہت مہمل اور ناکام ہے۔ اس جواب سے پادری صاحب کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہوگئی۔

(۴) تائید المسلمین ۱۲۵۹ھ میں تائید المسلمین فی اثبات نبوۃ خاتم النبیین طبع ہوئی۔ جو مولانا مولوی سید محمد صادق صاحب کی تصنیف ہے۔ یہ کسی مخصوص پادری کی تصنیف کا جواب نہیں ہے بلکہ پادریوں کے عام رسالوں کا جواب ہے فارسی زبان میں چھپی ہے۔ ۱۴۲ صفحات پر مشتمل ہے مشنریوں کی قرآن مجید میں ردوبدل کرنے کی شرارت کا ذکر مولانا نے دیباچہ میں کیا ہے۔

"پادری اپنے رسالوں میں قرآن مجید کی آیات میں الفاظ و اعراب بدل دیتے ہیں اور ان کو اطراف و کناف عالم میں پھیلاتے تھے۔"

یہ کتاب میں نے خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دیکھی۔ لائبریری کی فہرست کتب خانہ کا نمبر ۹۷۹ ہے۔

(۵) کشف الاستار یہ کتاب مولانا محمد ہادی لکھنوی نے ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۷ء تصنیف کی۔ یہ کتاب بھی پادری فانڈر کی کتاب میزان الحق کے جواب میں طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا جواب پادری فنڈر نے حل الاشکال میں دیا ہے۔

(۶) باستبشار یہ کتاب مولوی مؤید الدین احمد آبادی نے ۱۲۶۶ھ میں تصنیف کی۔ ۱۱۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع منشیہ محلہ چیلی اینٹ اکبر آباد میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب پادری فنڈر کی حل الاشکال کے جواب میں لکھی گئی تھی۔

پادری فنڈر کی تنگ مزاجی اور پادریوں کے نازیبا الفاظ کے استعمال کے بارے میں مولوی مؤید الدین صاحب نے تحریر کیا۔

"وے پادری (فنڈر) صاحب انگلستانی مزاج کے نہیں اور نہ وے انگلستانیوں کی سی عقل و دانش رکھتے ہیں۔ کیونکہ عمائد دولت انگلشیہ کا یہ دستور نہیں ہے کہ اگر مذہب کی چھیڑ چھاڑ خود کریں تو مخاطب کے جواب الزامی کو عداوت اور تعصب پر محمول کریں۔ جیسا کہ پادری صاحب ہر بات کو جو بطور الزام کے لکھی ہوئی ہے لکھتے ہیں کہ محض تعصب اور عداوت سے لکھی گئی ہے۔ حالانکہ دانشمند لوگ بخوبی سمجھتے ہیں کہ جواب الزامی کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ جس قاعدے کی بناء پر تم اعتراض ہم پر کرتے ہو۔ اسی قاعدے یا اس کے امثال الاصول کی بناء پر وہی اعتراض یا مثل اس کے تم پر عائد ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ مقصد اس جواب کا عین ہمارا عقیدہ ہے اور

یہ بھی ہر ایک کو خوب معلوم ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک حضرت عیسیٰ کی نسبت بے ادبی کرنا اور حضرت خاتم النبین کی نسبت بے ادبی کرنا ایک ہی حکم ہے۔ اور پادریوں کی نسبت جو کلماتِ گستاخانہ لکھے جاتے ہیں۔ سو بہ نظر انکی عیسائیت کے نہیں لکھے جاتے ہیں۔ بلکہ بہ جہت ان کی بے ادبیوں کے جو بہ نسبت حضرت خاتم النبین کے وے کیا کرتے ہیں۔ اگر وے صرف ارشاداتِ عیسوی کے ترجمہ کے وعظ پر اکتفا کیا کریں اور اپنے اصولِ موضوعہ کی بنا پر بہ نسبت حضرت خاتم النبین کے طنز اور تعرض نہ کیا کریں تو کوئی ان کو کچھ نہ کہے۔"

(۷) **تصدیق المسیح ودرع حکم القبیح** } یہ کتاب ۱۲۶۸ھ ہجر میں مطبع مطبع الرحمٰن باہتمام سید حیات علی چھپی۔ جو ۶۷ صفحات پر فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ ایک عیسائی نے ۲۳ سوالات کئے تھے۔ اُن کے جوابات اس میں درج ہیں اور پادری فنڈر کے کئی اعتراض کا بھی جواب اس میں دیا گیا ہے۔ چنانچہ مصنف نے ان اعتراضات کا ذکر کتاب کی ابتدا میں کیا ہے۔

"دریں خبر و زماں سوالاتی چند بنظر آمدہ کہ شخصے از عیسویان غیر حقیقی خود را از محمدیاں وانمودہ بہ عبارت بے ربط بہ تسطیر آں پرداختہ ہر چند کہ اجوبۂ آں سوالات ظاہر بودہ و بکتب عیسویان حقیقی یعنی اہل اسلام جواباتِ ایں ہمہ سوالات بشرح وبسط تمام مندرج لیکن بہ سبب اخلال آں سوالات بتصدیق مسیح راقم را بمقتضای لقب خود تحریر اجوبۂ آں سوالات مناسب نمود لہٰذا بو منع اختصار بتحریر جوابات می پردازم۔"

(۸) **ازالۃ الاوہام** } یہ کتاب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی تصنیف ہے جو ۱۲۶۹ھ ہجر کو مطبع سید المطابع کوچہ بلاقی بیگم دہلی میں بہ اہتمام سید قوام الدین طبع ہوئی۔ ۵۶۴ صفحات پر ہے۔ اس کے حاشیہ پر مولانا آل حسن کی تصنیف استفسار شائع ہوئی ہے۔ اس میں پادری فنڈر کے میزان الحق کے اعتراضات کے جواب درج ہیں۔

(۹) **ازالۃ الشکوک** } یہ کتاب بھی حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کی تصنیف ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے جو رمضان ۱۲۶۹ھ ہجر مطابق ۱۸۵۳ء میں تصنیف ہوئی۔ دونوں جلدوں کے کل صفحات ۱۳۱۴ ہیں۔ اس کتاب میں عیسائیوں کے ۳۹ سوالوں کا جواب ہے۔

اس کی پہلی جلد حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد رشید شمس العلماء مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ باقیات صالحات مدراس نے اپنے صرفہ سے مطبع مجیدیہ واقع آڈیہ پاڈم گلی نمبر ۱۱۴ مطبع احسن المطابع مدراس میں ۱۳۲۶ھ میں چھپوائی۔ پہلی جلد کے صفحات ۸۰۶ ہیں۔

دوسری جلد مولانا عبدالوہاب کے خلف مولانا ضیاء الدین محمد صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی۔ ان دونوں جلدوں کی تصحیح وغیرہ خود مولانا عبدالوہاب صاحب نے شعبان ۱۲۸۸ھ میں مکمل کر دی تھی۔

(۱۰) **اعجاز عیسوی** } یہ کتاب حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے ۱۲۷۰ھ ہجر میں تالیف فرمائی۔ جو ۱۰ صفر ۱۲۷۱ھ ہجر میں مطبع منبع الصحیح(؟) اینٹ آگرہ میں باہتمام محمد امیر خاں چھپی اس کتاب کے ۶۰۲ صفحات ہیں۔

اس کتاب میں تحریف کتب عتیق وجدید پر ہر پہلو اور ہر زاویہ سے معقول ومدلل اور لاجواب بحث کی گئی ہے التزام ثبوت عیسائیوں کی مقدس اور تاریخی کتابوں سے دیئے گئے ہیں اور تحریف کے سلسلہ میں جو مواد ومعلومات اس کتاب میں دی گئی ہے۔ وہ بہت بڑی عرق ریزی اور بے پناہ کاوش وجستجو کا مرہون منت ہے۔ جس سے عیسائیوں کی دنیا میں ایک تہلکہ مچ گیا تھا۔

(۱۱) **البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف** } سنہ ۱۲۷۰ھ میں یہ کتاب لکھی گئی۔ تحریف انجیل پر اس میں بھی محققانہ بحث ہے یہ ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ فخر المطابع دہلی میں طبع ہوئی۔ یہ کتاب بھی حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی تالیف وتصنیف ہے۔

(۱۲) **احسن الاحادیث فی ابطال التثلیث** } اس میں دلائل عقلیہ ونقلیہ سے تثلیث کو باطل ثابت کیا ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ھ میں تصنیف ہوئی اور مطبع رضوی دہلی میں سنہ ۱۲۹۲ھ میں چھپی۔ یہ کتاب بھی مولانا رحمت اللہ صاحب نے تصنیف فرمائی۔

(۱۳) **اظہار الحق** } یہ کتاب خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خاں اور خیرالدین پاشا صدر اعظم کی تحریک پر ۱۶ رجب سنہ ۱۲۸۰ھ کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب نے قسطنطنیہ میں ترتیب دینی شروع کی۔ جس کی تکمیل آخر ذی الحجہ سنہ ۱۲۸۰ھ میں فرمائی۔ سنہ ۱۲۸۱ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی۔ "تائید الحق برحمۃ اللہ" اس کا تاریخی نام ہے۔ صدر اعظم کے حکم سے ایک ترکی عالم نے عربی سے ترکی میں اس کا ترجمہ کیا۔ "ابراز الحق" اس کا نام تجویز ہوا۔ یوروپ کی متعدد زبانوں میں حکومت عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کئے گئے۔ جن کو پادریوں نے خاص اہتمام اور کوششوں سے تلف کیا۔ مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے مولوی سلیم اللہ نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔ جس کے طبع ہونے کی نوبت نہیں آئی۔ مولانا غلام محمد صاحب بجانجا رانڈیری نے بڑی محنت وجانفشانی سے گجراتی اور انگریزی میں ترجمہ کیا۔ جو شائع ہوا۔ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ٹائمز آف انڈیا نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "لوگ اگر اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی ترقی بند ہو جائے گی۔

(۱۴) **البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف** } مولانا رحمت اللہ صاحب اور پادری فنڈر کے درمیان سنہ ۱۸۵۵ء میں آگرہ میں جو مناظرہ ہوا تھا اس کی دو روز کی روئیداد ہے۔ سنہ ۱۲۷۰ھ کو حافظ عبداللہ صاحب کے اہتمام میں فخر المطابع شاہجہاں آباد میں چھپی اور ولی عہد مرزا فخر الدین صاحب بن سراج الدین کے ایما پر ہندوستان کے اطراف واکناف میں تقسیم کی گئی۔ اس مباحثہ کی روئیداد وزیر الدین صاحب بن شرف الدین صاحب نے مرتب کی تھی۔ جو ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں ہے۔

(۱۵) **حصہ اول مباحثہ مذہبی** } یہ روئیداد مذکورہ آگرہ کے مناظرہ کی ہے۔ جو سید عبداللہ اکبر آبادی نے ۱۲۷۰ھ کو مطبع منشیہ اکبر آباد محلہ چلی اینٹ میں باہتمام منشی محمد امیر خاں

طبع کرائی - جو ۸۸ صفحات پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں ہے -

(۱۶) **پہلا حصہ مباحثہ مذہبی** } یہ بھی روئیداد مذکورہ آگرہ کے مناظرہ کی ہے - جو سنہ ۱۲۷۰ھ میں مذکورہ مطبع میں سید عبداللہ صاحب اسسٹنٹ مترجم سرکاری نے قلم بند کرکے چھپوایا - یہ اردو زبان میں ہے اور ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ہے -

(۱۷) **حصہ دوم، مُباحثہ مذہبی** } ڈاکٹر وزیر خاں اور پادری فنڈر کے درمیان ۱۸۵۴ء میں جو خط و کتابت ہوئی تھی - اس کو سید عبداللہ صاحب اکبر آبادی نے مذکورہ مطبع اکبر آباد میں سنہ ۱۲۷۰ھ کو چھپوایا تھا - ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے - اور فارسی زبان میں ہے -

(۱۸) **حصہ دوسرا، مُباحثہ مذہبی** } یہ خطوط وہی ہیں جو ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی اور پادری فنڈر کے مابین لکھے گئے تھے - یہ اردو زبان میں ہے - اس کے مرتب کرنے والے سید عبداللہ اکبر آبادی ہیں - ۱۲۱ صفحات پر مشتمل ہے -

(۱۹) **ضمیمہ مناظرہ** } مذکورہ مناظرہ میں ڈاکٹر فنڈر نے جو شکست کھائی تھی - اس پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے مولوی عبداللہ جان نے یہ کتاب فارسی زبان میں سنہ ۱۲۷۱ھ میں شائع کرائی اور مناظرہ کی بحث کی روشنی میں عیسائی مذہب کا ابطال کیا - یہ کتاب ۴۰ صفحات پر مشتمل ہے -

(۲۰) **خطوط و محاکمہ** } مذکورہ مناظرہ کی کارروائی پادری فنڈر نے غلط شائع کیا - جس کی تردید میں مولانا رحمت اللہ صاحب کے ایک شاگرد مولوی امین الدین ابن فریدالدین صاحب نے یہ کتاب شائع کی - جو فخر المطابع دہلی میں باہتمام سید عبداللہ صاحب طبع کرایا - ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے -

(۲۱) **تشخیص المقال** } حافظ عبدالمعین صاحب نے اس کتاب میں عیسائیوں کے نظریات کا قلع قمع کیا ہے - یہ کتاب ۱۸۵۵ء مطابق سنہ ۱۲۷۳ھ کو مطبع مصطفائی دہلی میں طبع ہوئی - ۸۸ صفحات پر مشتمل تھی -

(۲۲) **حجۃ الاسلام** } یہ کتاب حضرت العلامہ مولانا محمد قاسم صاحب کی تصنیف ہے - جس میں آپ نے اثبات توحید رسالت وحقانیت اسلام کیا - یہ ۴۸ صفحات کی ہے - مطبع ہاشمی دہلی میں چھپی -

(۲۳) **گفتگوئے مذہبی** } اس کتاب میں اس مناظرہ کی روئیداد ہے - جو پادری نولس کے درمیان حضرت علامہ مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا ابوالمنصور صاحب وغیرہ کے درمیان میلہ خداشناسی شاہجہانپور میں ہوا تھا - اس روئیداد کو مولوی ہاشم علی صاحب نے مرتب کرکے ۱۲۹۳ھ میں ۴۲ صفحات پر مطبع ضیائی میرٹھ میں طبع کرایا -

(۲۴) **مراۃ الیقین** } یہ کتاب حضرت علامہ مولانا محمد علی مونگیری نے پادری عمادالدین کی کتاب ہدایت المسلمین کی رد میں سنہ ۱۳۰۰ھ میں تصنیف کی - جو ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے - مطبع نامی کانپور میں

(۲۵) **تکمیل الادیان باحکام القرآن ملقب آئینہ اسلام** } یہ کتاب مصنفہ مولانا محمد علی منگیری ۱۳۰۱ھ میں ۹۸ صفحات پر مطبع نامی کانپور میں چھپی۔ اس میں نیاز نامہ مصنفہ صفدر علی کے اختلاف چہارم کا جواب ہے۔

(۲۶) **دفع التلبیسات** } اس کتاب میں مولانا محمد علی منگیری نے پادری عمادالدین کی تالیف "تعلیقات" کا جواب دے کر سرور کائنات جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو قوی دلائل سے ثابت کیا ہے اور اناجیل مروجہ کا غیر الہامی اور بے سند ہونا اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ سنہ ۱۳۰۲ھ کو نامی پریس کانپور میں چھپی۔ ۲۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ حصہ اول ہے۔ دوسرے حصہ میں "تواریخ محمدی" مؤلفہ پادری عمادالدین کا رد ہے۔

(۲۷) **پیغام محمدی** } یہ کتاب بھی حضرت مولانا محمد علی منگیری کی تصنیف ہے۔ جو نیاز نامہ مؤلفہ پادری صفدر علی صاحب اور پادری ٹھاکر داس صاحب کی تصنیف عدم ضرورت قرآن کا جواب ہے۔ یہ کتاب سنہ ۱۳۰۸ھ میں نامی پریس کانپور میں شائع ہوئی۔ اور ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے

(۲۸) **ترانۂ حجازی** } یہ کتاب مؤلفہ مولانا محمد علی مونگیری جو ۱۲۹۵ھ میں ۶۲ صفحات پر مطبع کوہ نور لاہور میں چھپی۔ جس میں پادری عمادالدین کی تصنیف "نغمۂ طنبوری" کا رد ہے۔

(۲۹) **ساطع البرہان** (۳۰) **براہین قاطعہ** } اول الذکر میں ان اعتراضات کا جواب ہے جو پادری عمادالدین نے قرآن مجید پر کئے ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب میں عیسائیوں کے عقائد باطلہ کا رد ہے۔ یہ دونوں حضرت العلامہ مولانا محمد علی مونگیری کی تصنیف ہیں۔

(۳۱) **صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان** } یہ کتاب حافظ ولی اللہ صاحب لاہوری کی تصنیف ہے جو پادری عمادالدین کی تصنیف "تحقیق الایمان" کی رد میں ۱۲۸۹ھ میں لکھی گئی۔ مطبع مصطفائی لاہور میں طبع ہوئی۔ مولوی فرید نے حسب ذیل تاریخ تالیف کہی ہے

زمشفق ولی اللہ کنوں چو شد تالیف — صحیفہ پُر از عرفاں صیانت الانسان
فرید دید و رقم زد برائے تاریخش — کتاب دافع شیطان صیانت الانسان
۱۲۸۹ھ

(۳۲) **ابحاث ضروری** } حافظ ولی اللہ صاحب کی دوسری کتاب ہے۔ یہ کتاب ۱۲۸۹ھ میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپی۔ اس میں مناظرے کی باتیں درج ہیں۔

(۳۳) **ہدایت الضالین الملقب تنزیہ الفرقان** } یہ کتاب ۱۲۹۴ھ کو مطبع مفید عام آگرہ میں باہتمام حمید خاں صوفی طبع ہوئی۔ یہ

صفحات پر مشتمل ہے۔ مولوی سید محمد بن سید اولاد علی لکھنوی کی تصنیف ہے۔ اس میں پادری عماد الدین کے اُن
ات کا جواب ہے۔ جو انھوں نے اپنی تصنیف هدایت المسلمین میں قرآن مجید پر کئے تھے۔ سید احمد حسن
شاہ گنج نے ایک قطعہ تاریخ پانچ شعروں کا لکھا جس کا آخری شعر یہ ہے ؎

سال ہجری کو مشترک کرکے دور — دیکھ اٹھارہ سو ستر عیسوی

۱۲۹۴ھ

۳) **براہین رحیمیہ فی اثبات الرسالۃ المحمدیہ** } مولانا مولوی رحم الٰہی صاحب منگلوری کی یہ تصنیف ۱۲۹۵ھ کو مطبع انوار محمدی لکھنؤ
بع ہوئی۔ ۲۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں عہد عتیق و جدید کی بشارتوں سے رسول خدا صلی اللہ
ہ وسلم کی نبوت کے ثبوت پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب دوسری مرتبہ مطبع لٹریری سوسائٹی بریلی
ں چھپی۔

۳۵) **تعریف القرآن** } یہ کتاب مولوی عبد الحق صاحب دہلوی مولف تفسیر حقانی نے ماسٹر رام چندر کی تالیف تحریف القرآن کے جواب میں لکھی جو ۱۲۹۵ھ کو مطبع مجتبائی
لی میں چھپی۔ یہ ۶۰ صفحات پر مشتمل تھی۔ سکندر یار خاں صاحب نے حسب ذیل تاریخ قطعہ لکھا ؎

فکر میں تھا میں سال سمت کے — آئی ہاتف سے یہ ندا ناگہا
کر تو دیکھو کاٹ کر دروغ کاسہ — انکشاف دروغ دو گمراہ

سمت ۱۹۳۴

۳۶) **بشارت محمدی** } اس کتاب میں خواجہ عبد العزیز محدث لکھنوی نے توریت و زبور اور انبیاء بنی اسرائیل پر جو صحیفے اترے اور قرآن مجید سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت
کو ثابت کیا ہے۔ ۱۰۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یکم محرم ۱۳۰۵ھ کو محلہ فراش خانہ وزیر گنج لکھنؤ میں مطبع حسینی
میں باہتمام سید عابد علی چھپی۔

۳۷) **اعلام الاخیار والاعلام ان الدین عند اللہ الاسلام** } مولانا عبد الباری صاحب سہسوی نے اس
کتاب میں اسلام اور عیسوی مذہب کا مقابلہ کرکے اسلام کی افضلیت ثابت کی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۰ صفحوں پر
۱۲۹۳ھ میں مطبع ایجوکیشن پریس آگرہ میں چھپی ہے۔

۳۸) **فصل الخطاب مقدمہ اہل الکتاب** } مولوی حکیم نور الدین کی یہ تصنیف ۱۳۰۵ھ میں مطبع مجتبائی دہلی میں چھپی۔ یہ دو جلدوں میں ہے۔ اس میں انھوں نے
عیسائیوں کے اُن اعتراضات کا جو انھوں نے اسلام اور بانیٔ اسلام جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن
مجید پر کئے تھے۔ الزامی اور تحقیقی بہت خوش اسلوبی سے دیا ہے۔

۳۹) **براہین احمدیہ** } یہ کتاب غلام احمد قادیانی کی چار حصوں میں ہے۔ جو مطبع سفیر ہند امرتسر میں چھپی

اس میں دو طریقوں سے اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اول تو تین سو دلائلِ عقلیہ سے، دوم آسمانی نشانیوں سے جو سچے دین کی صداقت ثابت کرنے کے لئے ضروری ہیں۔

(۴۰) **فضائل الاسلام ذکر خیر الانام المعروف تاریخِ محمدی** } مولوی فیروزالدین صاحب ڈسکوی فیروز نے پادری عمادالدین کی تصنیف تواریخِ محمدی کی رد میں شائع کی ہے اور ثبوت میں اقوام غیر کے مصنفوں کی کتابوں کے حوالے دئے ہیں۔

(۴۱) **مخرج عقائد نوری** } مولوی غلام دستگیر قصوری صاحب نے یہ کتاب پادری عمادالدین کے نغمۂ طنبوری کے جواب میں لکھی ہے۔ جو ۱۸۷۸ء میں ۸۰ صفحات پر مطبع سوسائٹی بریلی میں طبع ہوئی۔ اس کا دوسرا جواب مولوی ابوالمنصور نے لکھا ہے۔ جس کا نام لحن داؤدی ہے۔

(۴۲) **اظہار الاسلام** } مولوی محمد سلیم اللہ صاحب کے اس مناظرہ کی روئیداد اس کتاب میں چھپی ہے جو منشی الطاف مسیح سے بریلی میں ہوا تھا۔ جس پر منشی صاحب مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ کتاب ۹۸ صفحوں پر ۱۸۷۲ء میں مطبع فیض منبع بریلی میں چھپی ہے۔ مولوی صاحب کی دوسری کتاب صداقتِ قرآنی از کتب ربانی سر ولیم میور کی کتاب شہادت قرآنی کا جواب ہے۔ جو اخبار منشور محمدی کی جلد ۲ سنہ ۱۲۹۲ھ میں بالاقساط شائع ہوئی۔ مولانا کی تیسری کتاب انصاف الاختلاف منشور محمدی کی جلد چھ میں بالاقساط طبع ہوئی۔ جو ریویو نقشہ الکتب کا جواب ہے۔

(۴۳) **تائید الفرقان** } یہ کتاب مولوی محمد علی مرادآبادی نے محبوب مسیح عیسائی کی کتاب مراۃ القرآن کے جواب میں لکھی ہے۔ منشی عبدالباقی کے نام سے چھپی ہے جو ۷۲ صفحوں پر مشتمل ہے۔

(۴۴) **کشف الاوہام** } یہ کتاب مولوی محمد علی مرادآبادی نے رسالہ تحفۃ الاثم مولفہ محبوب مسیح کے رد میں لکھی ہے۔ اس میں حجرِ اسود پر بحث کی گئی ہے۔ ۲۹ صفحات پر طبع ہوئی ہے۔

(۴۵) **شہادۃ النبین برسالہ سید المرسلین** } یہ کتاب بھی مولوی محمد علی مرادآبادی کی ہے۔ جو ۱۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ شریف نستبین مولفہ پادری عمادالدین کی رد میں لکھی ہے۔ اس کا دوسرا جواب تحقیق الماتم فی نبوت والرسالہ ہے اس کے مولف قاضی سردار علی شاہجہانپوری ہیں۔ اس کا تیسرا جواب مرزا مواحد جالندھری نے لکھا ہے۔ جس کا نام نور محمدی ہے مطبع بحرالاسلام بنگلور میں چھپا ہے۔

(۴۶) **غایۃ نہج الحج المبرور** } یہ کتاب مولوی محمد شاہ لکھنوی کی تصنیف ہے۔ جو پہلی مرتبہ ۱۲۸۳ھ کو مطبع دارالسلطنت کلکتہ میں چھپی۔ دوبارہ منشی نولکشور صاحب نے ۱۲۹۲ھ میں ۳۴۴ صفحات پر طبع کی۔ یہ کتاب حج کے اسرار کے بارے میں ہے اور عیسائیوں کے اعتراضات کے جواب میں ہے۔

(۴۷) **فیض معظم** } مولوی محمد شاہ لکھنوی نے اس کتاب میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے بہشتوں کی نعمتوں میں مرد اور عورت کو یکساں نہیں کیا۔ یہ کتاب ۵۶ صفحات پر مطبع نظامی کانپور میں ۱۲۹۳ھ کو شائع ہوئی۔

(۴۸) **اجوبۂ عجیبہ** } یہ کتاب بھی مولوی محمد شاہ لکھنوی کی تصنیف ہے۔ جو ۵۲ صفحوں پر مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۱۲۸۷ھ کو طبع ہوئی۔ اس میں کثرت ازدواج و طلاق کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔

(۴۹) **شق القمر لمعجزۂ سیّد البشر** } مولوی محمد عبد اللہ مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی تصنیف ہے۔ جو ۱۰۰ صفحات پر مطبع عام آگرہ میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب معجزہ شق القمر کے منکروں کے جواب میں ہے۔

(۵۰) **السیف الہندی علیٰ معذرت الکندی** } مولوی محمد عبد اللہ صاحب نے یہ کتاب عربی زبان میں رسالہ معذرت الکندی کے جواب میں تحریر کی۔ جو لندن سے ہندوستان بھیجا گیا تھا۔ ۲۰ جز پر مشتمل ہے۔

(۵۱) **ارشاد النبی الی اسم النبی** } اس کتاب میں مولوی عبد اللہ صاحب نے جو فارسی عربی انگریزی عبرانی وغیرہ کے ماہر تھے۔ انھوں نے بجی نبی کی پیش گوئی سے حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔

(۵۲) **احسن الکلام فی رد مخالف الاسلام** } حافظ احمد دین صاحب لاہوری نے اس کتاب میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو ثابت کیا ہے۔ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع مفید عام لاہور میں چھپی ہے۔

(۵۳) **دعوۃ الحق** } مولوی احمد علی واعظ دہلوی مقیم لاہور کی یہ کتاب تصنیف ہے۔ یہ کتاب کئی حصوں میں ہے اس کی پانچویں اور چھٹی جلد گلزار محمدی پریس میں طبع ہوئی۔ یہ دونوں جلدیں کفارہ مسیح کے بطلان میں لکھی گئی۔

(۵۴) **شہادۃ الاسلام** } حکیم مرزا مغل بیگ صاحب نے یہ کتاب اثبات نبوۃ حضرت سرورِ انبیاء میں تحریر کی ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں ۳۲۴ صفحات پر نصرت المطابع دہلی میں چھپی۔

(۵۵) **دعوۃ الاسلام** } حاجی محمد یوسف صاحب راندیری نے اس کتاب میں عیسائیوں کے مختلف سوالوں کے جواب لکھے ہیں۔ ۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۳۰۲ھ میں نصرت المطابع دہلی میں چھپی۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں چھپوا کر ہندوستان اور یوروپ میں تقسیم کرنے کے لئے بھیجا گیا۔

(۵۶) **نیر اعظم** } اس کتاب میں مولوی اشرف علی صاحب سلطان پوری نے مذہب اسلام کی حقانیت

اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو مدلل حقائق سے ثابت کیا ہے۔ ۶۹ صفحات پر مطبع بہار جنت سنہ ۱۳۰۳ھ طبع ہوئی۔

(۵۷) **خطباتِ احمدیہ** } سر سید احمد خانصاحب کی اس کتاب میں بارہ ۱۲ خطبات شائع ہوئے ہیں۔ اس میں سر ولیم میور کے اُن اعتراضات کا جواب دیا ہے۔ جو انھوں نے مذہب اسلام پر کئے تھے۔ یہ کتاب انگریزی میں سنہ ۱۸۷۰ء کو لندن میں چھپی۔ اور سنہ ۱۸۷۷ء کو اُردو میں علیگڑھ میں چھپی۔

(۵۸) **تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام** } یہ کتاب سید امیر علی بیرسٹرایٹ لا کی تصنیف ہے۔ یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ پر لکھی گئی ہے۔ لیکن ایسے ڈھنگ سے تحریر ہوئی ہے کہ اس سے مخالفین کے شبہات رفع ہو جاتے ہیں اور اسلام کی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ پہلے انگریزی میں تصنیف ہوئی۔ اس کے بعد اس کا اُردو ترجمہ ہوا۔ جو ۲۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ مطبع جعفری لکھنؤ میں سنہ ۱۸۸۹ء کو طبع ہوئی۔

(۵۹) **حجت کونسل معروف بہ رد بے بہا** } حکیم محمد حسن امروہوی نے اس کتاب میں مذہب عیسوی کی مقابلے میں مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے۔ سنہ ۱۲۹۱ھ میں ۳۲ صفحوں پر سید میر حسن رضوی نے مطبع رضوی دہلی میں چھاپی۔

(۶۰) **اعزازِ عیسوی** } مولوی حاجی سید احمد حسین صاحب عظیم آبادی کی یہ تالیف ہے۔ یہ کتاب پادری ٹھاکر داس کی تصنیف اخبارِ عیسوی کی رد میں تحریر ہوئی۔

(۶۱) **تحقیق اناجیل مع تعلیم دوازدہ رسولان** } مولانا محمد صادق علی ریاست کپورتھلہ میں اسسٹنٹ سول سرجن تھے۔

آپ انگریزی، جرمنی، فرنچ زبانوں کے ماہر تھے۔

چنانچہ آپ نے دوازدہ رسولان کا ترجمہ مذکورہ زبانوں سے کیا ہے۔

دوازدہ رسولان وہ رسالہ ہے جس کے بارے میں فلوتھیوس پرانی انیو میں جو یونانی زبان کا مشہور فاضل ہے۔ اس نے سنہ ۱۸۷۳ء میں اس امر کا اشتہار شائع کیا کہ چند مسیحی مذہب کے ابتدائی زمانہ کے قلمی نسخے قسطنطنیہ کے کتب خانہ میں ہیں۔ یہ قلمی نسخے چمڑے کے چھوٹے چھوٹے ورقوں پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں یہ نسخہ دوازدہ رسولان تھا۔ جس میں یہ امر بھی ظاہر کیا تھا کہ سنہ ۱۰۵۶ء میں یہ نسخے نقل کئے گئے تھے۔ ان کا ناقل ایک شخص لیون نامی تھا۔ یہ بات مدت سے معلوم تھی کہ مسیحی کے ابتدائی زمانے کی اس قسم کی کتابیں لکھی گئی تھیں لیکن ان کے نسخوں پر خیال ہوا تھا کہ کہیں تلف ہو گئی ہوں گی۔

قیاس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ سنہ ۱۲۰ء یا سنہ ۱۶۰ء میں لکھا گیا تھا۔ جواب سنہ ۱۸۸۳ء میں اور اس کے بعد اس کے ترجمے کئی زبانوں میں ہو گئے ہیں۔ مولانا صادق علی کو اس کا ترجمہ بوسٹن کی امریکی یونیٹیرین ایڈوائزر

سے دستیاب ہوا۔ یہ نسخہ اناجیل مروجہ کے زمانہ کا لکھا ہوا ہے اور ترمیم و تحریف سے بہ نسبت ان انجیلوں کے زیادہ محفوظ رہا ہے۔ اور اس لئے اناجیل مروجہ سے زیادہ اعتبار کے لائق ہے۔

تحقیق اناجیل مولانا محمد صادق کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے نصرانی علماء اور کتب کے حوالوں سے نئے عہد جدید کتابوں پر تبصرہ کیا ہے کہ یہ مستند کتابیں نہیں ہیں۔ اور اس میں تحریف ہوئی۔ اس کے حسب ذیل عنوانات پر مشتمل آٹھ باب ہیں۔

۱۔ اناجیل مروجہ کی صحت و سند
۲۔ پہلی تین اناجیل کی تحقیق و کتب قدیمہ کے ذریعہ سے۔
۳۔ چوتھی انجیل کی تحقیق
۴۔ انجیلوں کے باہمی تناقضات و اختلافات۔
۵۔ تناقضات معنوی۔
۶۔ آیات موضوع و ملحقہ جو باقرار مسیحیان عہد جدیدہ میں پائی جاتی ہیں۔
۷۔ انجیلوں کی پیش گوئیوں کی تحقیق
۸۔ عہد قدیم کی پیش گوئیاں مسیح کی نسبت جو انجیلوں میں درج ہیں۔

(۶۲) تنزیہہ الفرقان } مولوی سید محمد صاحب مدرس ہائی اسکول علیگڑھ کی یہ تصنیف ہے۔ یہ کتاب ہدایۃ المسلمین پادری عماد الدین کی کتاب کا جواب ہے۔ جو ۱۸۷۶ء میں ۵۶ صفحات پر مطبع مفید عام میں چھپی۔

(۶۳) صداقت قرآن از کتب ربانی } یہ کتاب مولوی محمد سلیم صاحب نے سر ولیم میور کی کتاب شہادت قرآنی کے جواب میں لکھی ہے۔ اخبار منشور محمدی کی جلد ۶ میں چھپی۔

(۶۴) الانصاف لدفع الاختلاف } یہ کتاب بھی مولوی محمد سلیم کی ہے جو ریویو نظشہ "الکتب" کا جواب منشور محمدی کی جلد میں چھپی۔

(۶۵) مراسلات مذہبی } شیخ مولا بخش صاحب چودھری کانپوری نے اس میں وہ مناظرہ تحریر کیا ہے۔ ۱۸۸۰ء میں چودھری صاحب اور پادری فیلڈر کے مابین ہوا تھا یہ ۱۸۸۳ء میں ۲۴۸ صفحات پر ناسی پریس کانپور میں چھپا۔

(۶۶) عصمت الانبیاء } مولوی غلام نبی امرتسری نے یہ کتاب "نبی معصوم" کے جواب میں لکھی تھی جو مطبع ریاض ہند امرتسر میں چھپی۔ اس میں انبیاء کا معصوم ہونا ثابت کیا ہے۔

(۶۷) معجزات محمدیہ } مولوی غلام نبی امرتسری نے اس کتاب میں تین قسم کے معجزات قرآن مجید سے بیان کئے ہیں۔ یعنی معجزات علمی، معجزات قدرتی اور معجزات عقلی۔ اور آخر میں چند اہل یوروپ کے ترجمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھے ہیں۔ اُن کو نقل کیا ہے۔ مطبع ریاض ہند امرتسر میں ۴۴ صفحات پر یہ کتاب ۱۸۸۵ء میں طبع ہوئی

(۶۸) القول النجیح فی ردّ الحمد و المسیح } یہ تصنیف مولوی حکیم سید محمد غوث علی شاہ گورکھپوری کی ہے۔ جو پادری ٹھاکر داس کی کتاب رسالت المسیح والمحمدی کا جواب ہے۔ جون ۱۳۰۱ھ میں ۷۲ صفحات پر مطبع لطیف الاخبار گورکھپور میں چھپی۔

(۶۹) مناظرہ غازی پور } ۸ مارچ ۱۸۸۵ء کو مولانا شرف الحق صاحب کا مناظرہ غازی پور میں پادری ای پیٹرک پرنسپل مشن اسکول غازی پور سے ہوا۔ اسکی روئیداد اس میں شائع کی گئی ہے۔ الہام علی اور تبارک حسین نے اس کو شائع کرایا۔ یہ مناظرہ انگریزی میں بھی طبع ہوا۔

(۷۰) حیدر آباد میں خدمتِ دینی } اس کتاب میں مولانا شرف الحق صاحب اور پادری ایم۔ جی۔ گولڈ اسمتھ بی۔ اے۔ انچارج حیدر آباد مشن سے حیدر آباد میں جو مناظرہ ہوا۔ اس کی روئیداد اس میں چھپی ہے۔ یہ مناظرہ حیدر آباد کے لوگوں نے چندہ کرکر شائع کیا۔ جو شیخ رحمت اللہ کے نام سے اکمل المطابع میں مرزا عبدالقادر کے اہتمام میں ۱۸۹۲ء میں چھپا۔ یہ مناظرہ بھی انگریزی میں طبع ہوا تھا۔

(۷۱) البحث الجلیل المعروف مُباحثہ دہلی } مولانا شرف الحق صاحب کا لارڈ بشپ لیفرائے سے فتحپوری مسجد شاہی دہلی ۱۸۹۰ء میں مناظرہ ہوا۔ اس کی تفصیل اس میں شائع ہوئی ہے۔ اردو کے علاوہ انگریزی میں یہ مناظرہ چھپا تھا۔ جس کا ترجمہ عبدالحئی صاحب نے کیا تھا۔ مورننگ پریس میں طبع ہوا۔ یہ مناظرہ ۲۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۷۲) براہین الحلیہ المعروف مباحثہ پونا } اس کتاب میں مولانا شرف الحق صاحب قادری اور پادری جی اسمال چرچ مشن سے پونا میں ۱۸۹۳ء میں جو مباحثہ ہوا تھا۔ اس کی روئیداد شیخ غلام اولیا صاحب نے اکمل المطابع دہلی میں چھپوائی۔ یہ مناظرہ قمرالدین صاحب اور مشن والوں کی جماعت کے پیسہ سے ۱۸۹۳ء میں چھپا۔ مولوی عبدالرحیم صاحب، امام جامع مسجد پونہ نے حسب ذیل تاریخ کہی ؎

شرف اس رسالہ کو تو عام کردے ۔۔۔ یہ مقبول میری دعا ہو الٰہی !
ہوئی فکر آزاد تاریخ کی جب ۔۔۔ کہا دل نے لکھدے چراغ مناہی
۱۳۱۰ ہجری

(۳۰۷) تحفۃ البشیر لاعلاء کلمۃ البصیر المعروف دینی مناظرہ سنمکنڈہ } حضرت العلام مولانا شرف الحق

…ب کا جو مباحثہ سنمکنڈہ میں ہوا۔ اس کو نواب بشیر جنگ بہادر صوبہ مشرقی نے چھپوایا

رد نصاریٰ کے سلسلہ میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ہم اس کے مکمل نام نہیں دے سکے۔ جس قدر ہم کو اُن کے …م دستیاب ہوسکے ہیں۔ وہ ہم نے تحریر کر دیئے ہیں۔ رد نصاریٰ کرنے والے حضرات کے ہم نے اس کتاب میں جو …الات تحریر کئے ہیں۔ ان میں ان کی تصانیف کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا ابوالمنصور کی کتابوں کی …رست اُن کے حالات زندگی میں لکھے ہیں۔

عیسائی جو کتابیں مسلمانوں اور ہندوؤں کے مذہب کے خلاف لکھتے تھے۔ وہ مشنری سوسائٹی کے پیسے سے چھپتی تھیں۔ …کھنے والے بھی ملازم ہوتے تھے۔ جن کو معقول تنخواہیں ملتی تھیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں نے جتنی بھی کتابیں ردّ نصاریٰ …یں تحریر کیں۔ ان میں بکثرت ایسی ہیں جو مصنفوں نے اپنے بل بوتے پر تحریر کیں۔ کسی ادارے نے شائع نہیں کیں۔ چنانچہ …ولانا آل حسن موہانی نے اپنی مشہور و معروف تصنیف "استفسار" میں عیسائی مصنفوں کی فارغ البالی، خوشحالی اور …ٹھاٹ باٹ پر تبصرہ کیا ہے کہ ان کو تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں سہولتیں حاصل تھیں۔

"میں نے پادریوں کی کتابوں کے جواب لکھے ہیں، پادری صاحب کی فضول تقریریں نہیں لکھیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ طرز بیان اور تقریریں لاطائل اگر صرف دو تین رسالوں میں پادریوں کی ہوتیں تو اور وہ لوگ ایسے ہوتے کہ ان کی تقریروں کی لغویت ثابت کرنے کے بعد پادری لوگ پریشان ہو جاتے تو دوسرے انگریزی صاحبان ان کو آئندہ ایسی لغو تقریریں کرنے سے منع کر دیتے تو ان تقریروں کے لفظ لفظ کے بحث کا لطف تھا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بلکہ ہزاروں پادری اس کام کی روٹی کھاتے ہیں اور یہی اُن کی معاش ہے اور مذہبوں پر اعتراض کریں۔ خواہ وہ معقول ہوں یا نامعقول، اور ہزاروں بے سر و پا قسم کے رسالے لکھ کر چھپوایا کریں اور اپنے لڑکے بالوں کا پیٹ پالنے کے لئے شب و روز اسی کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اگر کسی پادری کی تقریروں کو نامعقول ثابت کر دیجئے تو اس سے کوئی عیسائی متاثر نہیں ہوتا اور ان کو منع نہیں کرتا کہ ایسی نامعقول تقریریں مت کرو۔ ایسی صورت میں بتلاؤ کہ جبکہ ہم لوگ اشاعت دین کا پیشہ نہیں رکھتے اور باوجودیکہ بڑے بڑے انگریز معقول مناظرہ کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی مناظرہ کرنے کے لئے صرف انھیں کو نوکر رکھتے ہیں اور دوسری قوم کے لوگوں کو اس کام کے لئے کچھ نہیں دیتے تو ہم کہاں تک پادریوں کی تقریروں کے لفظ بہ لفظ سے بحث کریں۔ اتنا ہی غنیمت ہے کہ اہالیان سرکار کمپنی نفس الاعتراضات کے جواب دینے کو منع نہیں کرتی۔"[1]

---

[1] استفسار ص ۶۰۶۔

پادریوں سے علماء کرام کے مناظرے

ہندوستان میں مناظرہ کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ خطوط و پرچوں سے تبادلہ خیال ہو اور دوسرا طریقہ یہ کہ پبلک مجمع میں یا مسجد و مندر گرجا یا کسی میدان میں تاریخ، وقت طے کر کے مناظرہ و مباحثہ کیا جائے۔

ہندوستان میں دوسرا طریقہ زیادہ موثر اور تبلیغ کا مفید اور کامیاب ہتھیار سمجھا جاتا ہے۔ شہرت کے اعتبار سے تحریری مناظرہ خاص درجہ نہیں رکھتا۔ عام مجمعوں کے مناظرے اپنے اندر کافی دلچسپی اور پروپیگنڈے کی طاقت رکھتے ہیں اور باعث کشش ہوتے ہیں۔ مختلف مذہبی طبقوں کے درمیان بہت سے مناظرے ہوئے۔ ان میں ایک بڑی تعداد ان مناظروں کی بھی ہے۔ جو ریکارڈ کئے گئے۔ ان میں دس بارہ مناظرے تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔

پہلا مناظرہ شاہ عبد العزیز

ہندوستان میں عیسائیوں سے مناظروں کا سلسلہ اکبری دور سے شروع ہوا۔ اکبری دور کے مناظرے شیخ قطب الدین جالندھری، مولانا عبداللہ اور شاہجہان کے عہد کے مولانا اسعد اللہ خاں کے تھے۔ اس کے بعد مختلف عہدوں میں پادریوں اور علماء کی چھیڑ چھاڑ جاری رہی۔ اس چھیڑ چھاڑ کو مناظرے کا اصل روپ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد عیسائیوں سے مناظرے کی ابتدا مسلمانوں نے کی اور ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کی۔ پہلا مناظرہ دہلی کی شاہی جامع مسجد میں ہوا۔ وہ شاہ صاحب موصوف اور پادری کا تھا۔ جبکہ آپ اس شاندار و تاریخی عمارت کے منبر پر کھڑے ہوکے کلام اللہ کی تفسیر فرما رہے تھے کہ ایک بڑا پادری جامع مسجد دہلی میں داخل ہوا۔ اس نے اپنی بلند آواز سے کہا کہ آپ قرآن شریف کا درس دینا بند کیجئے اور میرے سوال کا جواب دیجئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کیا سوال ہے؟ اس نے اپنی ذہانت علمی اور قادر الکلامی سے اسی وقت کھڑے کھڑے ایک شعر موزوں کر کے پڑھا ؎

کہ گفت از مصطفٰے اعلٰی است
کہ ایں بہ زیر زمیں ست وآں بالاے سما است

اور کہا اس شعر سے اولوالعزمی اور بلند مرتبگی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ظاہر ہوتی ہے اس وجہ سے کہ وہ آسمان پر ہیں اور حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم خاک کے نیچے ہیں۔ حضرت مولانا نے فوراً جواب میں فرمایا ؎

بگفتمش کہ زایں حجت قوی باشد — حباب بر سر آب و گہر تہ دریا است

بلکہ یوں سمجھنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بمنزلہ حباب (بلبلہ) کے ہیں اور ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مانند گوہر نایاب ہیں۔ جواب سن کر پادری چپ ہوگیا۔

یہ مناظرہ کا وہ دور تھا جب سوائے کسی خاص سنکی نصرانی کے کوئی پادری زیادہ دلچسپی نہیں لیتا تھا۔ اور نہ علماء کرام کا طبقہ خاص طور پر اس سے تعلق رکھتا تھا۔ ابھی مکمل طریقہ سے انگریز ہندوستان پر قابض نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے پادری اپنی مذہبی جدوجہد کو محدود رکھتے تھے۔ لیکن جب ہندوستان ان کے قبضہ میں آگیا تو انھوں نے ٹڈی دل پادریوں کی فوج سے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس وقت پادری ہر ایک سے اڑتے تھے۔ قابلیت اور مذہبیت کی فوقیت جتانے کے لئے گفتگو کی بھرمار ہوتی تھی اور خاص طور پر علماء کرام کی خاموشی نے ان کو شیر بنا دیا تھا۔ کسی حیثیت کا آدمی ہو اس سے الجھ پڑتے تھے۔ چنانچہ اس وقت انفرادی مناظروں کی کوئی گنتی نہیں تھی۔ کوئی دن کوئی وقت خالی نہیں جاتا تھا کہ پادری کسی کو بہکانے کی کوشش میں مستغرق کہیں کھڑا ہوا نظر نہ آتا ہو۔

انھیں مناظروں میں سے ایک مناظرہ اسی زمانہ کے ایک

مولانا ہادی کا عیسائی سے مناظرہ

باہمت مسلمان نے کتابی شکل میں چھپوایا تھا۔ اس سے اس وقت کے پادریوں کی ذہنیت اور ان کے اعتراضات کی حیثیت آشکارا ہوجاتی ہے۔

اس کتابی شکل کے مناظرے کا نام ردِ نصاریٰ کا مجموعہ ۲۰ دسمبر ۱۸۷۰ء میں چھپا ہے۔ اس کا چھاپنے والا ابراہیم غنی اور نڈر معلوم ہوتا ہے۔ اس پر کسی پریس کا نام نہیں ہے۔ یہ رسالہ ۲۰×۳۰/۱۶ سائز کے ۶۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے کاتب کا نام سید بو علی رضوی ہے۔ جس نے اپنا نام کتاب کے آخر میں لکھ دیا۔ مسلمانوں کی نمائندگی ایک مولوی صاحب نے کی۔ جن کا نام محمد ہادی تھا۔ اور عیسائیوں کی وکالت ایک عیسائی نے کی۔ جس نے مذہبی عیسوی چھوڑ کر مذہب اسلام اختیار کیا تھا۔ اس کا اسلامی نام مرزا ہدایت بیگ رکھا گیا تھا۔

اس مناظرہ میں عیسوی سے مراد عیسائی ہے۔ اور محمدی سے مقصود مسلمان ہے۔ اس مناظرہ میں انھیں ناموں سے خطاب کیا گیا ہے۔

اس مناظرہ کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے کہ ایک مشنری مسلمان کی دعوت میں آتا ہے تو اس کو ایک علیحدہ جگہ پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ جب سب لوگ کھا چکتے ہیں تو اس کے سامنے کھانا رکھا جاتا ہے وہ کھانے سے انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے مجھ کو اور عورتوں کے ساتھ کیوں کھانا نہیں کھلایا۔ میزبانوں نے کہا۔ پہلے آپ کھانا کھا لیجئے۔ اس کے بعد وجہ بتا دی جائے گی۔ کھانا کھانے کے بعد مولانا ہادی صاحب اُن سے مخاطب ہوئے کہ آپ کے ساتھ امتیاز کا سلوک اس لئے کیا گیا تھا کہ آپ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ عیسوی نے کہا کہ آپ غلط ثابت کیجئے تو میں اپنے مذہب کو چھوڑ دوں گا۔ اگر آپ ثابت نہ کر سکیں تو آپ اپنا مذہب تبدیل کر دیں۔ یہ بات طے ہونے کے بعد مباحثہ شروع ہوا۔

عیسوی بولا۔ تم محمد صاحب کے بارے میں کہتے ہو کہ ان کو معراج حاصل ہوئی۔ اور ہم اس کو ناممکن سمجھتے ہیں کیونکہ نہ آسمان پھٹتا ہے اور نہ پھٹنے کے بعد جڑتا ہے اور نہ اس کا دروازہ ہے۔

محمدی نے جواب دیا۔ اگر تم ان کو ناممکن سمجھتے ہو اور عیسائی ہو تو پولوس نبی کا آسمان پر جانا کیسے ممکن ہوا۔ جس کا پولوس نے اپنے مکتوب (باب ۱۲ آیت ۲ تا ۴) میں ذکر کیا ہے کہ تم ان دونوں حضرات کا آسمان پر جانا ممکن سمجھتے ہو۔

عیسوی نے کہا۔ ہم نے انجیل میں پڑھا ہے کہ عیسیٰ قبر سے اٹھکر آسمان پر چلا گیا ہے۔

محمدی :۔ آپ ہی یہ کہتے ہیں کہ آسمان میں دروازے نہیں ہیں۔ اور آپ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ عیسیٰ آسمان پر ہیں اور اپنے باپ کے داہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ جب آسمان پر عیسیٰ کا جانا ممکن ہوا تو محمد کا جانا بھی ممکن ہے۔ رہا حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے تھے۔ غلط ہے۔ "پولوس کا خط رومیوں کے نام" میں (پہلے باب آیت ۳ تا ۸) پولوس لکھتا ہے۔ خداوند یسوع مسیح کے حق میں جو جسم کی نسبت داؤد کی نسل سے تھا۔ مگر مقدس روح کی نسبت قدرت کے ساتھ اس کے جی اٹھنے کے بعد خدا کا بیٹا ثابت ہوا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عیسیٰ مرنے سے قبل خدا کے بیٹے نہیں تھے۔ بعد میں یہ اختراع ہوا۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت مریم کے ہاں بعد شادی اور خاوند کے حضرت عیسیٰ پیدا ہوئے۔ لیکن یہ کہنا کہ وہ خدا کے نطفے سے تھے۔ غلط ہے۔ خدا کی یہ عادت اور شان نہیں کہ وہ کسی کی بیوی کو اس کے شوہر سے ہم بستر ہونے سے قبل خود حاملہ کر دے اور اس کو ناحق اس کے شوہر سے علیحدہ کرا دے اور غیر کی ملکیت پر اپنا قبضہ جمائے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں سے بے نیاز اور پاک ہے۔

عیسوی چراغ پا ہوگیا۔ آگ بگولہ ہو کے بولا۔ رسول بہت پیدا ہوئے لیکن مسیح کے علاوہ کوئی بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوا۔ اس لئے ہم اس کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔

محمدی نے جواب دیا۔ یہ غلط ہے۔ محمدؐ نے بہت سے معجزے دکھلائے۔ شق القمر کا معجزہ یہود و نصاریٰ کے اصرار پر ظہور میں آیا۔

محمدی نے جواب دیا۔ مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ خدا کے بیٹے بن گئے۔ لیکن حضرت آدم خدا کے بیٹے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور جو انسانوں، نبیوں اور پیغمبروں کے باپ اور تمام ملائک اور ارواح کا مسجود ہو۔ کیوں اس کو خدا کا بیٹا نہ مانا جائے۔ جب حضرت آدم خدا کے بیٹے نہ ہوئے تو ابن آدم کیونکر خدا کا بیٹا بن سکتا ہے۔

عیسائی بولا۔ بات تو معقول ہے۔ لیکن کسی نبی نے ایسے معجزے نہیں دکھائے۔ جیسے مسیح نے دکھلائے۔ محمدؐ نے تو معجزے دکھانے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر ان کی نبوت کا کیا ثبوت ہے

محمدی نے جواب دیا۔ یہ غلط ہے۔ محمدؐ نے بہت سے معجزے دکھلائے۔ شق القمر کا معجزہ یہود و نصاریٰ کے اصرار پر ظہور میں آیا۔

عیسوی نے کہا۔ محمدؐ نے شق القمر کیا تھا تو تمہارے ملکوں میں چاند نظر آتا اور ہمارے ملکوں میں نہیں۔

محمدی نے جواب دیا۔ جزیرہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ خطِ استواء سے بیس درجہ اور چوتھے اور پانچویں حصہ پر واقع ہیں۔ وہاں کا دن تیرہ گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ روم، آرمینیا، اندلس کے خطِ استواء سے ۳ درجہ پر ہے۔ وہاں کا دن پونے پندرہ گھنٹوں کا ہوتا ہے۔ روس اور روم کے بڑے بڑے شہر اور شمال اندلس خطِ استواء سے ۵۴ درجے اور دسویں حصہ پر واقع ہیں۔ وہاں کا دن پندرہ گھنٹوں کا ہے اور جب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آفتاب غروب ہوتا ہے۔ تو تمہارے ملک میں کہیں ڈیڑھ گھنٹے اور کہیں دو گھنٹے دن باقی رہتا ہے۔ اور وہاں جب دو گھنٹہ رات ہو جاتی ہے۔ تو ہمارے شہروں میں شام ہوتی ہے۔ علی ہذالقیاس بہت سے ملکوں میں ایسا ہی وقت کا اختلاف ہے۔ شق القمر جو مغرب کی نماز کے بعد ہوا تھا۔ تمہارے شہروں میں دن کا وقت ہوگا۔ پھر شق القمر کیسے دیکھا جاتا۔ جو شہر خطِ استواء کے نزدیک ہیں۔ وہاں پر البتہ نظر آتا ہوگا۔

عیسوی غور کرنے کے بعد بولا۔ ان شہروں کے بارے میں تو درست معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ہندوستان کے ملک جو خطِ استواء کے قریب ہے۔ ہندوؤں کو کیوں نظر نہیں آیا۔

محمدی نے کہا۔ جو تمہاری کتابوں میں لکھا ہے۔ اس کو تم نہیں مانتے تو ہندوؤں کی سند کو کب مانوگے

دیکھو یوشع بن نون کی کتاب :-

یوشع بن نون نے بنی اسرائیل کے رربرائیوں اور جبیوں کی لڑائی پر چاند اور سورج کو کامل ایک روز آسمان پر کھڑا کر دیا تھا۔ یہاں تک بدلہ لیا۔ پروردگار نے اس کے دشمنوں سے (باب ۱۰ آیت ۱۲ تا ۱۴)

یہودیوں کی تاریخ پڑھو :-

چاند اور سورج کامل ایک روز کھڑے رہے اور غروب نہیں ہوئے تھے۔

اشعیا نبی کی کتاب کی ورق گردانی کیجئے :-

اشعیا نبی کی دعا سے آسمان پر دس درجے آفتاب ہٹ گیا تھا۔ خرقیاہ بادشاہ کے شفا پانے کی علامت ہوئی (باب ۱۸)

کیا اس واقعہ کا اندراج ہندوؤں نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ تو کیا ان کے نہ لکھنے سے چاند، سورج کا کھڑا رہنا باطل ہو گیا۔ اس پر عیسوی لاجواب ہو گیا۔

محمدی نے عیسوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا :-

تم میں ایمان داری اور دینداری کی شان نہیں پائی جاتی نہ تمہارا عقیدہ درست نہ عدل وانصاف، نہ سخاوت، راست بازی، نہ طہارت، نہ عبادت ہے۔ عدل چاہو تو سینکڑوں روپے اسٹامپ کے خرچ کے بغیر قدم نہیں اٹھا سکتے۔ نماز و روزہ کو مخل اوقات سمجھ رکھا ہے۔ نماز روزہ کے لئے صرف ہفتہ میں ایک اتوار مقرر ہے۔ اس لئے بھی طہارت کی ضرورت نہیں ہے۔ جس حال میں چاہو نماز پڑھ لو۔ حلال و حرام میں کوئی

امتیاز نہیں کرتے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ عیسیٰ کی دینداری تھی۔ احتلام جنابت کے بعد غسل سے منع کیا ہے۔ کاغذ سے نجاست صاف کرنے کی اجازت دی ہے۔ نماز ایک دن پڑھتے تھے۔ روزے بالکل نہیں رکھتے تھے۔ سور کھاتے تھے کہ یہ حکم تھا کہ حاملہ عورتوں کو ڈاکٹر جایا کریں یا کنشت کی رات تمام عورتیں بناؤ سنگار کر کے محفل میں مردوں کے ساتھ ناچا کریں۔ اور غیر مردوں کے ساتھ حظوظ نفس ایک دوسرے سے حاصل کریں اور شوہر بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھا کریں۔ تم عجیب انسان ہو کہ اپنی بیویوں کو غیر مردوں کے ساتھ بغلگیر ہوتے دیکھتے ہو اور شرماتے نہیں بلکہ خوش ہوتے ہو۔

عیسوی نے کہا کہ ان سوالوں کا جواب کل پادری صاحب سے پوچھکر دونگا۔ آج مجھے رخصت دیجئے۔ دوسرے روز وعدے کے مطابق عیسوی آیا اور کہنے لگا کہ ہماری انجیل میں ظاہر ہے کہ پاکیزگی وطہارت کی ضرورت ہے۔ اور اعتقاد درست ہونا ضروری ہے۔ جب ہم نے عیسیٰ مسیح پر ایمان کا اقرار کر لیا۔ تو ہمارا دل پاک ہو گیا۔ اس لئے ہمیں طہارت اور عمل کی ضرورت نہیں۔

محمدی نے جواب دیا۔ جس کا ظاہر ناپاک ہے۔ اس کا باطن کب پاک ہو سکتا ہے۔ جس طرح جسم بے جان مردہ ہے۔ اسی طرح ایمان بے عمل مردہ ہے۔ یعقوب کے خط دوسرے باب کو دیکھو۔

جس نے رحم نہ کیا اس کا انصاف بیرحمی سے ہوگا۔ اور ستم عدل پر غالب ہوگا۔ اے میرے بھائیو۔ اگر کوئی کہے میں ایماندار ہوں اور عمل نہ کرتا ہو تو کیا فائدہ۔ ایسا ایمان کیا اُسے بچا سکتا ہے۔

عیسوی انجیل کی یہ آیتیں پڑھ کر متعجب ہوا۔ بہت سی چیزوں پر یہ دونوں باہمی تبادلۂ خیالات کرتے رہے۔ آخرکار عیسوی مان گیا کہ اسلام برحق ہے اور وہ مسلمان ہو گیا۔

مولانا آلِ حسن کا پادری فنڈر سے مناظرہ

سب سے پہلے تحریری مناظرہ ۱۸۴۴ء میں مولانا آل حسن اور پادری فنڈر کے درمیان ہوا۔ یہ سات ماہ ۲۲ جولائی سے ۴ فروری ۱۸۴۵ء تک چلتا رہا۔ مراسلوں کی تعداد گیارہ ہے۔ جو ہر دو جانب سے سوال وجواب میں لکھے گئے۔ اس مناظرہ کی ابتدا پادری فنڈر نے کی۔ اس نے لیڈر کی معرفت مولانا آل حسن کو حسب ذیل مراسلہ تحریر کیا۔

"بندہ نے سنا ہے کہ جناب مباحثہ دینی کے شائق ہیں اور عقلاء کے نزدیک حق جوئی بہترین امر ہے۔ چنانچہ کمترین نے بھی دو ایک رسالہ اظہار حق کے لئے تحریر کئے ہیں۔ اس میں سے جناب کی خدمت میں میزان الحق اور طریق الحیات کتب روانہ کر رہا ہوں۔ آپ دونوں کتابوں کے اعتراضات کے جوابات دیں۔

بندہ امیدوار ہے کہ جناب میری عرض قبول فرما کر مباحثہ فرماویں۔ ۲۲ جولائی ۱۸۴۴ء۔

مولانا نے اس کا حسب ذیل جواب دیا۔

صاحب والا مناقب عالی مناصب زاد عنایتکم

گرامی نامہ آپ کا مع میزان الحق اور مفتاح الاسرار اور طریق الحیات معرفت لیڈلی صاحب مجھے ملا۔ میں سرافراز ہوا۔ ایک کتاب اردو زبان میں چھپنی شروع ہوئی ہے۔ اس میں میزان الحق کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ جب وہ تیار ہوگی تو غالباً آپکی نظر سے گزریگی۔ مجھ سے مباحثہ کرنے کی جو شرطیں ہیں وہ پہلے طے کی جائیں۔ میری شرطیں یہ ہیں۔

(۱) ہمارے پیغمبر خدا کا نام یا لقب تعظیم سے اگر بنانہ ہو تو اس طرح لکھئے۔ تمہارے نبی یا مسلمانوں کے اور صیغۂ افعال کے یا ضمائر ان کے متعلق آئیں تو بصیغہ جمع لکھئے جیسا اہل زبان بولتے ہیں ورنہ ہم سے بات نہ کی جائیگی اور نہایت رنج ہوگا۔

(۲) جب پیغمبر خدا یا خدا یا اسلام کی کوئی بات آپکے نزدیک غلط ہوں تو یوں لکھا کیجیے کہ یہ بات غیر واقعی ہے یا ثابت نہیں ہوتی یا محال نہ کہ جھوٹ اور بے ہودہ اور لغو ہے۔ اس لئے کہ ہمارے اہل تہذیب اسی طرح گفتگو کرتے ہیں۔

(۳) جب کوئی بات پوچھی جائے تو اس کے جواب کے لئے میعاد مقرر کر دی جائے کوئی میعاد بھی ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

(۴) ہمارے پیغمبر خدا کی نسبت تعظیم کے صیغے اردو کے محاورے کے مطابق اگر آپ کہیں گے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا ہے یا جائے گا کہ آپ نے ان کو مان لیا۔

پادری فنڈر نے تھوڑی سی حیل وحجت کے ساتھ ان شرائط کو حسب ذیل الفاظ میں منظور کیا۔

"ہم ازروئے عقل اور ازروئے کلام ربانی یہ جائز سمجھتے ہیں جو اشخاص شریر نہیں ان کو تعظیم سے خطاب کریں۔ لیکن کوئی اپنے کو نبی کہے اور ثابت ہو کہ وہ نبی برحق نہیں تو اس کی تعظیم جائز نہیں ہوگی۔ اس لئے محمدؐ کا نام افعال وضمائر جمع کے ساتھ ذکر کرنا ہم سے محال ہے۔ مگر جناب کی خاطر داری کے لئے اور مباحثہ میں کوئی خلل نہ پڑے۔ لہذا یہ بات قبول ہے کہ محمدؐ کے بدلے تمہارا نبی یا تمہارا پیغمبر اور محمدؐ نبی برحق نہیں کی جگہ پر تمہارا پیغمبر برحق نہیں، محمدؐ نے کہا، کے بجائے تمہارے نبی نے کہا اور جھوٹے نبی کے عوض نبی صادق یا نبی غیر صادق، اور قرآن کی بات جھوٹ ہے، اس کی جگہ یہ الفاظ خلاف یا خلاف عقل یا خلاف واقعہ یا خلاف توریت وانجیل ہے، لکھیں گے۔ کیونکہ ان الفاظ سے آپکے نبی کی تعظیم لازم نہیں آتی۔" ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۴۴ء

مولانا نے اس خط کا جواب ان الفاظ میں لکھا۔

"یہ بات مسلم ہے کہ ہر نزاع کا فیصلہ اسی طرح پر ہوتا ہے۔ جس پر فریقین کا اتفاق ہو۔ لہذا مباحثہ

کرنے سے پہلے مجھے آپ سے حسبِ ذیل چند باتیں دریافت کرنا ضروری ہیں :۔
محالِ عقلی، یہ کہ نفس الامر اُس کے ہو سکنے کو کبھی کسی طرح تجویز نہ کریں۔ مثلاً وجود لاوجود کہ دونوں کے معاً واقع ہونے عقل بلا فکر محال جانتی ہے۔
محالِ عادی، یہ کہ قلتِ اسباب کی وجہ اس کا ہو، ممکن و محال ہو مثلاً گھڑی بھر میں لاکھ کوس تک آدمی چلا جائے۔ یہ محال ہے۔
محالِ عقلی و محالِ عادی بمعنی مذکورہ آپ کے نزدیک بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ اگر نہیں تو لکھئے۔ اگر ہے ایک مثال عادی کے زمانے سے محالِ عقلی کو ماننا پڑے تو عقلاً اس محالِ عادی کے ماننے کو باطل کہیں گے یا اس محالِ عقلی کے ماننے کو۔
۲ راگست ۔ آلِ حسن

دو تین خطوں میں یاد دلانے کے بعد پادری صاحب نے اس سوال کا یہ جواب دیا تھا :۔
عقل کو مباحثۂ دینی میں صرف یہ دو کام ہیں۔ پہلا یہ کہ عقل اس کتاب کو جسے کلام ربانی کہتے ہیں بہ دلائل معلوم اور یقین کرے کہ فی الحقیقت خدا کا کلام ہے یا نہیں۔
دوسرا یہ کہ کلام کا مطلب اور مضمون دریافت کرے نہ یہ کہ مضمون کا حاکم بنے اور مضمون کو محال اور باطل کہے۔ بلکہ جو مضمون آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس کو ماننا چاہیئے خواہ عقل کو محال دکھائے دے خواہ ممکن۔ مباحثہ دینی میں عقل کو اتنا ہی دخل ہے اور عقل حاکم نہیں ہے۔ بلکہ عقل محکوم کتاب ہے۔
۴ راگست ۱۸۴۴ء ، گشیش فنڈر

مولنا آلِ حسن نے جواب دیا کہ :۔
"یہاں میرا سوال یہ ہے کہ آیا دلائل مذکورہ سے عقلی دلائل مراد ہیں یا کوئی اور کلام ربانی اگر دلائل عقلیہ مراد ہیں تو دلیل عقلی کا تقدم لازم اور محال کا قاعدہ عام ٹھیرانا پڑا۔ اس لئے کہ جس چیز کا کسی صفت پر ہونا عقل کی رو سے دریافت کرنا ہوتا ہے تو پہلا مرحلہ اس کا یہی ہے کہ آیا اس چیز کا اس صفت پر ہونا عقلاً ممکن ہے یا محال۔ اگر دلائل مذکورہ سے کوئی دوسرا کلام ربانی مراد ہے۔ محاسن کلام کو ربانی جاننے کے لئے بھی کوئی دلیل چاہیئے۔"
۱۷ راگست ، آلِ حسن
کافی بحث و تمحیص کے بعد جب پادری فنڈر نے یہ مان لیا کہ محالِ عقلی عام نہیں ہے تو مولانا نے اس کو حسبِ ذیل ۴ رفروری ۱۸۴۵ء کے خط میں خط و کتابت اور مناظرہ بند کرنے کے لئے حسبِ ذیل خط لکھا :۔
"اگر آپ ابھی میری بات کو سمجھ نہیں سکے یا سمجھ سکتے ہیں۔ مگر ویسے ہی جواب دینے والے ہیں۔ جیسے کہ اپنے سابقہ خطوط میں دے چکے ہیں کہ قاعدہ محالِ عقلی عام نہیں ہے۔ تو میں آپ سے جواب نہیں مانگتا۔ بلکہ صرف اتنا عرض کرتا ہوں کہ مجھے آپ سے کچھ گنجائش مناظرہ کی نہیں ہے اور نہ آپ کو مجھ سے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس بات کا اُمیدوار ہوں کہ جہاں اگلی تحریریں چھپی ہیں۔ اس کے آخر

میں یہ خط بھی چھپے تاکہ ہر سمجھدار آدمی جان جائے کہ بات کس کی درست ہے۔ ۴ر فروری ۱۸۴۵ء آل حسن

عام مناظرہ کی ضرورت

پادریوں کی یکطرفہ کوشش اور بے پناہ تبلیغی جدوجہد اور خاص طور پر علمائے کرام کی خاموشی سے مشنری کام کا ہندوستانیوں پر اور خاص طور پر جہلا کے طبقہ پر کافی اثر ہونے لگا تھا۔ پادری علمار کی خاموشی سے ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے۔ اور عام طور پر پروپیگنڈہ کرتے تھے کہ ہمارے مذہب کی حقانیت کا رعب اور اثر ہے کہ کوئی ہندوستانی عالم ہمارے اعتراضات کا جواب اور اپنے مذہب کی صداقت ثابت نہیں کرتا۔

اس اسٹیج پر علمار کرام نے ضروری سمجھا کہ اس فتنہ کا خاتمہ کیا جائے اور پادریوں کا زعم توڑا جائے اور عوام پر جو خوف وہراس طاری ہے۔ وہ باقی نہ رہے اور نصرانیت کی حقیقت سامنے آجائے۔ چنانچہ تیاریاں ہوئیں۔ مناظرہ کے لئے مواد فراہم کیا گیا اور علمار کرام نے خود مناظرے کی پہل کی اور یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ہم فرنگی پادریوں سے مرعوب نہیں ہیں۔ چونکہ ان کی خرافات کو جواب کے قابل نہیں سمجھتے تھے اس لئے خاموش رہے۔ ورنہ ہم ان کے پرخچے اڑا سکتے ہیں اور اڑانے کے لئے تیار ہیں۔ آؤ مناظروں سے حقانیت کا امتحان کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہمارا یقین ہے کہ انکی نصرانیت کا باطل تصور اسلام کی صداقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔

اور یہی تخیل تھا علمار کرام کا۔ جب انھوں نے فرنگی نصرانیت کے خلاف فیصلہ جہاد کیا۔ ملاحظہ ہو۔ علمار اسلام کے ردِ نصاریٰ کی جنگ کے کمانڈر اعلیٰ حضرت العلامہ مولٰنا رحمت اللہ کا فرمان۔

"میں نے ہندوستان کے سب سے بڑے پادری جو علمار مسیحین میں ممتاز حیثیت کا مالک اور میزان الحق کا مصنف تھا۔ اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی کہ وہ میرے ساتھ مجمع عام میں مناظرہ کرے تاکہ حق واضح ہوجائے کہ علمائے اسلام نے ان رسائل کی تردید اس لئے نہیں کی کہ وہ عاجز تھے بلکہ جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ (میزان الحق ص۳)

اس فرمان کو آپ نے کس طرح عملی جامہ پہنایا۔ خود اپنے شفیق مولوی محمد امیر اللہ کے ساتھ (جن سے پادری فنڈر کا بھی ملنا جلنا تھا) پادری فنڈر کے مکان پر گئے کہ اس سے مناظرہ کے بارے میں طے کرلیں۔ وہ نہیں ملا تو آپ نے خود ہی اس کو خط لکھا کہ ہم

"ہم کو مولوی امیر اللہ صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ آپ رد اسلام میں مصروف ہیں اور تحریری و تقریری مناظرہ کا شوق رکھتے ہیں۔ اگر درست ہے تو دن، مقام مقرر کرکے مطلع کیجئے" اس نے تھوڑا سا گریز کرتے ہوئے کہ میری تو کوئی خاص خواہش نہیں ہے لیکن اگر مناظرہ ہو تو برا بھی نہیں، مناظرہ کرنا منظور کیا۔

مولٰنا رحمت اللہ اور پادری فانڈر کا مناظرہ

یہ خط وکتابت ۲۳ر مارچ ۱۸۵۴ء سے شروع ہوئی اور فریقین کے نو نو

خطوط کی آمدورفت کے بعد مولانا رحمت اللہ کے آخری خط ۷ر اپریل پر ختم ہوئی۔ پندرہ دن اس لئے لگے کہ پادری فرنچ علی گڑھ گئے۔ اس عرصہ میں مناظرہ کا عنوان، مناظرہ کا ساتھی، وقت جگہ، تاریخ، تمام چیزیں طے ہوئیں۔ صرف ایک بات پر یوں ہی سا اعتراض ہوا کہ حَکَم کی ضرورت نہیں ہے۔ ہو تو یورپین ترجمہ اردو جاننے والا مسلمان ہو۔ لیکن طرفداری کا شبہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے مولانا نے فرمایا۔ اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس فیصلہ سے پادری فانڈر نے بھی اتفاق کر لیا۔

پہلے روز کے مناظرے کی کارروائی چنانچہ علی الصبح پیر کے روز ۱۰ر اپریل ۱۸۵۴ء مطابق ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ کو مناظرہ کا پہلا اجلاس شروع ہوا۔

مولانا رحمت اللہ کے ساتھی ڈاکٹر وزیر خاں اور پادری فانڈر کے ساتھی پادری فرنچ تھے۔ دوران جلسہ میں مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی، مسٹر کرسچین سکنڈ صدر بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوج، مسٹر لیڈلی، پادری ولیم گلین صاحب، مفتی حافظ ریاض الدین صاحب، مولوی فیض احمد صاحب سررشتہ دار، صدر بورڈ جناب مولوی حضور احمد، مولوی امیر اللہ صاحب میر مختار کار، راجہ صاحب بنارس، جناب مولوی قمر الاسلام صاحب امام جامع مسجد اکبر آباد، جناب منشی خادم علی مہتمم مطبع الاخبار سراج الحق صاحب تشریف فرما ہوئے۔

پہلے پادری فانڈر اٹھا۔ اس نے کہا کہ یہ جاننا ضروری ہے کہ مناظرہ کیونکر منعقد ہو۔ یہ مولانا رحمت اللہ کی سعی و کوشش اور خواہش کا نتیجہ ہے بلکہ میرے نزدیک اس سے فائدہ کی صورت نظر نہیں آتی۔ اگرچہ میری تمنا یہی ہے کہ دینِ عیسوی کی حقیقت اہلِ اسلام کے سامنے رکھوں۔ مباحثہ کے عنوان نسخ تحریف، الوہیت، حیاتِ مسیح و تثلیث اور رسالتِ محمدؐ طے ہوئے ہیں۔ اس تشریح کے بعد پادری فانڈر بیٹھ گیا۔

بحث نسخ مولانا رحمت اللہ کھڑے ہوئے اور انھوں نے میزان الحق کی فصل دوم باب اول کی عبارت پڑھی۔ "قرآن اور اس کے مفسرین دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح زبور کے آنے سے توریت اور انجیل کے نازل ہونے سے زبور منسوخ ہوئی۔ اسی طرح انجیل بھی قرآن کے ظاہر ہونے سے منسوخ ہو گئی"۔

مولانا نے فرمایا کہ قرآن مجید اور مفسرین سے جو یہ دعویٰ منسوب کیا گیا ہے قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں اور نہ تفسیروں میں ایسا کوئی ذکر ہے۔ بلکہ اس کے برعکس سورۂ بقر کی ۸۱ آیت وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ الخ ہے۔ اس کی تشریح تفسیرِ عزیزی میں اس طرح مرقوم ہے۔

"حضرت موسیٰؑ کے بعد یکے بعد دیگرے حضرت یوشع، حضرت الیاس، حضرت الیسع، حضرت شموئیل، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یشعا، حضرت ارمیاہ، حضرت یونس، حضرت عزیز، حضرت حزقیل، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور ان کے علاوہ چار ہزار لوگ اللہ تعالیٰ نے بھیجے۔ ان کے بھیجنے کا مقصد موسیٰ کی شریعت کو جاری کرانا تھا۔ جس میں بنی اسرائیل نے سستی اور حقارت کی وجہ سے تبدیلی کر دی تھی۔

سورہ نساء کی آیت ۱۶۱ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا کی تفسیر تفسیرِ حسینی میں اس طرح کی گئی۔

"ہم نے داؤد کو زبور عطا کی۔ اس میں صرف اللہ کی حمد و ثنا ہے۔ وہ امر و نہی سے خالی ہے۔ توریت کی شریعت ہی داؤد کی شریعت ہے"

اسی طرح مسلمانوں کی دوسری کتابوں میں درج ہے۔ پادری فنڈر نے کہا کہ تم انجیل کو منسوخ سمجھتے ہو یا نہیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔ بلاشبہ جس عمل کے ساتھ انجیل کے معنی پہنائے جا رہے ہیں۔ اس کو منسوخ سمجھتا ہوں۔ مگر آپ کا مذکورہ دعویٰ غلط ہے۔ پادری نے کہا۔ جن مسلمانوں کی تصنیف ہو کی بات کتنی گفتگو کرتا ہوں۔ آپ سے ہم میں نے سنا ہے۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ انصاف کے خلاف ہے کہ کسی مسلمان کی تصنیف ہو کی بات قرآن مجید اور مفسرین کے ذمہ ڈال دیا۔ پادری نے کہا۔ بلاشبہ غلطی ہوئی۔ اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ نسخ کے وہ معنی جو اسلامی اصطلاح میں رائج ہیں۔ آپ نے اسلامی کتب میں دیکھیں ہیں یا نہیں۔ پادری نے کہا۔ نہیں فرمائیے۔ مولانا نے کہا ہمارے نزدیک نسخ امر و نہی کے لئے ہے۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں ہے۔

والنسخ انما یعترض علی الاوامر والنواھی دون الاخبار۔

اس لئے قصوں اور خبروں کو ناقابل نسخ سمجھتا ہوں اور اسی لئے امور عقلیہ جو قطعیہ ہوں۔ مثلاً خدا موجود ہے کو قابل نسخ جانتا ہوں۔ مولانا نے عالمانہ و فاضلانہ طریقہ سے نسخ کی حیثیت تمثیلات کے ساتھ پیش کیں۔ پادری غور سے سنتا رہا۔ جب آپ نے اچھی طرح ذہن نشین کرا دیں۔ تو پادری نے کہا آپ کے ہاں انجیل کے کون کون سے حکم منسوخ ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ جیسے طلاق کے ناجائز ہونے کے بارے میں۔ پادری صاحب نے کہا۔ آپ کے نزدیک تمام انجیل منسوخ ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ ذیل کے حکم کی موجودگی میں میں تمام انجیل کو منسوخ سمجھتا ہوں۔

اور تو خداوند کو جو تیرا خدا ہے اپنے سارے دل سے اور اپنی ساری جان سے اور اپنی ساری عقل سے اور اپنے سارے زور سے پیار کر، اول حکم یہی ہے۔

اور دوسرا جو اس کے مانند ہے یہ ہے کہ تو اپنے پڑوسی کو اپنے برابر پیار کر۔ اس سے بڑا کوئی حکم نہیں ہے (مرقس باب ۱۲ آیت ۳۰-۳۱) پادری نے کہا کہ انجیل منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جناب مسیح کا قول ہے۔ آسمان و زمین ٹل جائیں گے۔ پر میری باتیں نہیں ٹلیں گی۔ (لوقا باب ۲۱، آیت ۳۳)

ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ قول عام نہیں ہے۔ بلکہ پیشن گوئی کے بارے میں ہے۔ جس کا ذکر سابق آیت میں جناب مسیح نے فرمایا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر آسمان بھی ٹل جائیں مگر میرے قول پیشن گوئیوں کے بارے میں نہیں ٹلیں گے۔ پادری صاحب نے فرمایا، عام ہے۔ اسپر ڈاکٹر صاحب نے تفسیر ڈوای اور رچرڈ مینٹ کی عبارت (جو کہ متی باب ۲۴ - آیت ۳۵ کی شرح میں ہے۔ اور لوقا کی عبارت کے مطابق ہے) دکھائی کہ عملی تفسیر ہے کہ بشپ پیرس کہتا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ میری پیشن گوئیاں یقیناً کامل ہیں۔ ڈین اسٹاین ہوپ کہتے ہیں (حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ آسمان و زمین جو دوسری چیزوں کے مقابلہ میں ناقابل تبدیلی ہیں۔ لیکن وہ بھی اتنی محفوظ نہیں ہیں جیسے میری پیشن گوئیاں۔ تمام چیزیں مضبوط ہونے کے باوجود مٹ سکتی ہیں۔ لیکن تبدیل نہیں ہو سکتیں

اور ایک شوشہ بھی اس قول کا جو میں نے بیان کیا ہے۔ مقصد سے تجاوز نہیں کر سکتا۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ مفسرین کی تحریر میرے دعوے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ پیشن گوئی زائل نہیں ہوگی اور باقی زائل ہو جائیں گی۔ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے جواب دیا کہ باتوں کا اس سے تعلق ہوتا تو پیشن گوئی کی تصریح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پادری صاحب یہی فرماتے رہے کہ عام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہم اپنے دعوے کے ساتھ گواہ پیش کر رہے ہیں اور آپ بغیر گواہ کے مدعی ہیں۔ پادری نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ بلکہ دوسری آیت پطرس والی پڑھ دی۔

"تم نہ تخم فانی سے بلکہ اس سے جو غیر فانی ہے۔ یعنی خدا کے کلام سے جو زندہ اور ابد تک قائم رہتا ہے۔"

اس آیت کے مطابق خدا کا کلام دائمی ہے۔ منسوخ نہیں ہوتا۔ مولانا نے فرمایا۔ ایسی ہی آیت اشعیا میں بھی ہے۔ اس کی عبارت یہ ہے:-

"گھاس پژمردہ اور پھول افسردہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔"

اس آیت کے بعد آپ پر لازم ہو جاتا ہے کہ کسی بھی امر و نہی کو منسوخ نہ سمجھیں۔ پادری نے کہا۔ توریت میں نسخ ہو چکا ہے۔ لیکن ہم توریت کے بارے میں اس وقت بحث نہیں کر رہے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ متی میں ہے

"یہ خیال مت کرو کہ میں کتاب منسوخ کرنے آیا ہوں۔ میں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیونکہ میں سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین نہ ٹل جائیں۔ ایک لفظ، ایک شوشہ توریت کا ہرگز نہ مٹے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو"

اس کے باوجود آپ توریت کے احکام کو منسوخ کہتے ہیں۔ پادری صاحب نے کہا۔ اب میری بحث توریت کے بارے میں نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ کیونکہ آپ کی بحث کا تعلق توریت سے نہیں۔ حالانکہ ہم توریت و انجیل کو ایک سمجھتے ہیں اور جناب کے میزان الحق میں بھی فصل دوم میں اس طرح لکھا ہے کہ انجیل مقدس عہد عتیق کسی وقت بھی منسوخ نہیں ہوتی۔ پادری صاحب نے کہا۔ اس جگہ میں نے یہ لکھا ہے۔ مگر اس وقت ہماری بحث صرف انجیل پر ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا حواریوں کے عہد میں، احکام توریت کے نسخ ہونے کے چند چیزوں کو حرام کیا تھا۔ بتوں کی قربانی کا خون، زنا، فی الحال زنا کے سوا اور کسی چیز کی حرمت باقی نہیں ہے۔ اس لئے مسیح انجیل میں بھی نسخ ہوا ہے۔ پادری صاحب نے کہا۔ ان چیزوں کی حرمت میں اختلاف ہے اور میں قائل نہیں۔ بتوں کی قربانی کو حرام جانتا ہوں۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔ پولوس مقدس نے فرمایا ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ جانتا کہ اب کوئی چیز ناپاک نہیں۔ لیکن جو اس کو ناپاک جانتا ہے۔ اس کے لئے ناپاک ہے۔" (خط پولوس بنام رومیہ باب ۱۴، آیت ۱۴)

دوسری جگہ یہ کہا ہے:-

"پاک لوگوں کے لئے سب کچھ پاک ہے۔ مگر ناپاکوں اور بے ایمانوں کے لئے کچھ پاک نہیں ہے بلکہ انکی

عقل اور اعتبار کرنے والے دل ناپاک ہیں ۔" (خط پولوس)

پادری صاحب بولے ۔ انھیں آیات کی وجہ سے بعض علماء ان اشیاء کے حلال ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں ۔

مولانا صاحب نے کہا کہ جناب مسیح نے حواریوں کو حکم دیا "سامری کے کسی شہر میں داخل نہ ہوں ۔ بلکہ پہلے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی چیزوں کے پاس جانا ۔" اس کے بعد ان کو یہ حکم ہوا "تم دنیا کی ہر ایک مخلوق کے سامنے انجیل کی منادی کرو ۔"

گویا دوم حکم نے اول کو ناسخ قرار دے دیا ۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ خود مسیحؑ نے حکم اول کو فرمایا ۔ مولانا صاحب نے فرمایا ۔ یہ صحیح ہے کہ مسیحؑ نے موقوف فرمایا مگر یہ تو ثابت ہوا کہ نسخ کلام مسیحؑ میں جائز ہے ۔

مولانا رحمت اللہ صاحب نے اس موقع پر پادری فنڈر کی ایک اور عبارت کا جو میزان الحق میں تھی ، ذکر کیا ۔ جس مسلمانوں سے مہمل خیالات و قیاسات منسوب کئے گئے ہیں ۔ وہ عبارت یہ تھی ۔

"اور وہ دعویٰ کہ گویا قرآن کی وجہ سے انجیل اور پرانے عہد کی کتابیں منسوخ ہو گئی ہوں ۔ ایسا دعویٰ دو وجہ سے غلط ہے ۔ اول وجہ یہ ہے کہ نسخ مان لینے سے دو نقص لازم آتے ہیں اول یہ کہ خدا کا ارادہ یہ ہوا کہ توریت کو دیکر ایک اچھا اور فائدہ .... نہ ہو سکا ۔ پھر اس کے بعد اس سے بہتر زبور دی ۔ جب اس سے بھی مطلب نہ نکلا تو اس کو بھی منسوخ کر کے انجیل دی ۔ جب اس سے بھی فائدہ نہ ہوا ۔ آخر قرآن سے مقصد پورا کیا ۔"

مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان قیاسات کا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے ۔ بلکہ پولوس مقدس سے ہے ۔ وہ عبرانیان میں ...

"پس عملاً قانون اس لئے کمزور اور بے فائدہ تھا ، اٹھ گیا ۔" (عبرانیوں باب ۷ آیت ۱۸)

اس پولوس کے خط آٹھ باب میں پولوس مقدس مکرر لکھتے ہیں ۔

"اگر وہ پہلا عہد بے عیب ہوتا تو دوسرے کے لئے جگہ تلاش نہ ہوتی .... اور جب اُس نے پہلے کو پرانا ٹھہرایا ۔ پر وہ جو پرانا اور خوردہ ہے ، سو مٹنے کے نزدیک ہے ۔"

آپ نے توجہ فرمائی احکام توریت کو ضعیف ، بے مصرف ، منسوخ فرمانے اور توریت کو پرانی ، عیب دار اور معرض زوال خطاب دینے کا مقدس پولوس نے ہی انجام دیا ۔

پادری صاحب نے سُنا اور خاموش ہو گئے ۔ جواب کچھ نہیں دیا ۔ مولانا رحمت اللہ صاحب نے فرمایا ۔ یہ چند صفحات جو میزان الحق میں اس قابل ہیں ۔ اس کو اپنی کتاب میں سے نکال دیں ۔ پادری فرنچ نے کہا ۔ میں سابقہ گفتگو میں کہہ چکا ہوں کہ توریت کے وہ احکام جنکا تعلق حضرت مسیح کی نشانیوں سے تھا ۔ منسوخ ہو گئے ہیں اور وہ نسخ بھی مناسب تھے ۔ کیونکہ مسیح نے ان کو کامل کر دیا تھا ۔ البتہ مسیح کے حق میں جو پیشن گوئیاں ہیں ۔ وہ منسوخ نہیں ہوئیں ۔ کیونکہ پادری فرنچ نے انجیل اٹھا کر باب دس نامہ عبرانیاں کی یہ عبارت پڑھی ۔

"کیونکہ شریعت جو آنے والی نعمتوں کی پرچھائیں ہے اور ان چیزوں کی حقیقی صورت نہیں ۔ سال بسال انھیں قربانیوں سے جو ہمیشہ گزرانتے ۔ ان کو جو پاس آتے ہیں کبھی کامل نہیں کر سکتی ۔ نہیں تو ان قربانیوں کا گزرانا ۔"

موقوف نہ ہو جاتا۔ کیونکہ عبادت کرنے والے ایکبار پاک ہو کے آگے کو اپنے تئیں گنہگار نہ جانتے۔ ان قربانیوں سے برس برس گناہوں کی پھر یادگاری ہوتی ہے کیونکہ ہو نہیں سکتا کہ بیلوں اور بکروں کا لہو گناہوں کو مٹائے اس لئے وہ دنیا میں آتے ہوئے کہتا ہے کہ ذبیحہ اور ہدیہ تو نے نہ چاہا (آیت ۱ تا ۶)

توریت کی اس آیت اور دوسری کتابوں کے اشارہ حضرت مسیحؑ سے متعلق تھے۔ مسیحؑ کے آنے کے بعد تمام کی انھوں نے تکمیل کر دی اور انجیل کے متعلق ایک طرف بھی اشارہ نہیں ہے کہ ان کے آنے سے انجیل منسوخ ہوئی۔ ڈاکٹر وزیر خاں نے فرمایا کہ اگر ہم تسلیم کریں کہ مسیح کے آنے سے احکام توریت مکمل ہو گئے ہیں۔ تو وہ احکام جو مسیح سے قبل موقوف شدہ ہیں ان پر نسخ کا اطلاق جائز ہے یا نہیں۔ پادری فرنچ نے کہا کہ وہ کون سے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ مثل حکم ذبح جو قوانین کے سترھویں باب میں ہے۔ جو استثنا کے باب ۱۲ آیت ۱۵ تا ۲۲ کی وجہ سے منسوخ ہوئے۔ پادری صاحب ان آیتوں کی تفسیر کی جلد اول مطبوعہ ۱۸۲۲ء میں لکھتے ہیں۔ یہ حکم منسوخ ہے۔ اس کے بعد ہارن لکھتے ہیں کہ فلسطین کے داخلہ سے قبل چہل سال ہجری مصری میں یہ حکم منسوخ ہوا۔ پادری صاحب سنکر خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر وزیر خانصاحب نے فرمایا۔ اس وقت یہ ثابت ہوا کہ کلام الٰہی میں نسخ محال نہیں۔ چنانچہ تمام پادری علی الخصوص میزان الحق کے مصنف پادری فانڈر کا یہ دعویٰ تھا کہ نسخ کلام الٰہی میں محال ہے۔ جب اس صورت میں نسخ کا امکان پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا تو نسخ کا وقوع انجیل میں آنحضرت کی رسالت کے بعد آشکار ہو جائے گا۔ پادری فانڈر نے کہا۔ نسخ کی گفتگو ختم ہوئی۔ اب تحریف کی بحث کی جائے اس کے بعد تحریف پر بحث کا آغاز شروع ہوا۔

بحثِ تحریف } حضرت مولانا نے تحریف کی شکل متعین کرنا چاہی کہ "لفظی ہو یا معنوی"۔ طے نہ ہو سکا تو مولانا صاحب نے فرمایا کہ جسٹس شہید کے طریقوں سے مناظرہ ہو تو اس نے چند پیشن گوئیوں کا ذکر کیا، اور دعویٰ کیا کہ یہودیوں نے کتب مقدس سے خارج کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا نے عیسائیوں کے مستند مفسرین و محققین اور مستند کتب مثلاً کتب واسٹن، ساز جیس، ہارن صاحب وایکیکر صاحب اور ڈاکٹر اے فلاک صاحب وغیرہ کی کتابوں کے حوالے مذکورہ جسٹن کے دعویٰ کی تائید میں پیش کر کے فرمایا تو جسٹن کے دعوے کو سچا مانئے یا جھوٹا۔ اگر سچے ہیں تو ہماری بات درست ہے۔ اگر جھوٹے ہیں تو افسوس کا مقام ہے کہ عیسائیوں کے بڑے بڑے متقدد رہنما اس قدر دروغ گو تھے کہ خود اپنی جانب سے چند پیشن گوئیوں کو جعلی بنا کر کلام الٰہی کا جز قرار دیا۔ پادری صاحب نے کہا کہ جسٹن بھی ایک آدمی تھا۔ اس سے سہو ہوا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ اس سے سہو نہیں، بلکہ قدیم جمہوری علماء اس سے متفق ہیں پادری صاحب نے کہا۔ عہد عتیق کے بارے میں مسیح نے گواہی دی ہے۔ دوسری گواہیوں کے مقابلہ میں ان کی شہادۃ زیادہ معقول ہے اور وہ یہ ہیں :-

(۱) اگر تم موسیٰ پر ایمان لاتے ہو تو مجھ پر بھی ایمان لاتے۔ اس لئے کہ اس نے میرے حق میں لکھا ہے۔ (یوحنا باب ۵ آیت ۴۶)

(۲) اور موسیٰ اور نبیوں سے شروع کر کے وہ باتیں جو سب کتابوں میں اس کے حق میں ہیں۔ ان کے لئے تفسیر کیں۔ (لوقا باب ۲۴ آیت ۲۷)

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آیتوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس وقت موجود تھی۔ نہ یہ کہ لفظ بلفظ موجود تھی۔ ہیلی صاحب جن کی سند پادری فانڈر نے حل الاشکال میں لکھی ہے۔ وہ اقرار کرتے ہیں کہ شہادت مسیح سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس زمانہ میں موجود تھی۔ نہ یہ کہ ہر لفظ اور ہر جملہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ پادری صاحب نے فرمایا۔ میں ہیلی کو اس وقت تک نہیں مانونگا۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ تعجب ہے آپ اس کی کتاب کو معتبر تسلیم کرتے ہیں۔ اگر اس کو مستند نہیں مانتے تو آپ کی بات میں اس سلسلہ میں معتبر نہیں مانتا۔ پادری صاحب نے کہا خیر، میں نے کتب عہد عتیق کے بارے میں حضرت کی شہادت نقل کردی۔ آپکو چاہیئے کہ تحریفِ انجیل کو ثابت کردیں۔

ڈاکٹر صاحب نے متی کی حسب ذیل آیت سنائی:۔

"سب پشتیں ابراہام سے داؤد تک چودہ پشتیں ہیں اور داؤد سے بابل کو اُٹھ جانے تک چودہ پشتیں ہیں (متی باب ا آیت ۱۷) اور پادری صاحب کو مخاطب کرکے کہا۔ بتایئے کہ طبقہ دوم کے چودہ نام کون سے تھے۔ پادری نے جواب دیا یہ میرا کام نہیں ہے۔ لیکن جناب فرمائیں کہ تمام نسخوں میں تو اسی طرح ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔ موجودہ نسخوں میں ہیں لیکن خدا جانتا ہے کہ سابقہ نسخوں میں بھی موجود تھا یا نہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ غلط ہے۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ غلط ہونا اور بات ہے اور تحریف دوسری بات ہے۔ اگر مکمل انجیل الہامی ہے اور غلطی کا الہام میں امکان نہیں۔ تو اس صورت میں بلاشبہ محرف ہے۔ اگر الہامی نہیں ہے تو اس حالت میں دوسرا مقصد حاصل ہوگا۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ تحریف وقتی ثابت ہوگی۔ کہ عبارت نشان اور دوم نسخہ میں نہیں ہے اور حال کے نسخہ میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ خواہش کی۔ پادری صاحب نے تائیداً فرمایا۔

اس جگہ اور دوسری جگہ بھی تحریف ہوئی ہے۔ اس موقع پر مسٹر اسمتھ حاکم صدر دیوانی جو پادری فرنچ صاحب کے پاس بیٹھے تھے۔ پادری فرنچ سے انگریزی میں معلوم کیا۔ کیا بات ہے۔ پادری فرنچ نے جواب دیا کہ یہ لوگ کتب ہارن اور دیگر مفسرین کے آٹھ سات مقامات کہ جس میں تحریف کا اقرار ہے۔ سند کے ساتھ دکھلا رہے ہیں۔

اس بات کی تائید کرنے کے لئے پادری فانڈر سے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ہم تسلیم کریں کہ سات آٹھ جگہ تحریف و تبدیلی ہوئی ہے۔ مولوی قمرالاسلام صاحب امام جامع مسجد اکبر آباد نے منشی خادم علی خاں صاحب مہتمم مطلع الاخبار سے فرمایا کہ تم لکھو کہ پادری صاحب آٹھ جگہ تحریف ہونے کے اقراری ہیں۔ پادری فانڈر نے یہ بات سنی تو کہا۔ ہاں، بہت اچھا ہے، لکھئے۔ اور کہا۔ اتنی تعداد میں تحریف ضروری ہے۔ لیکن کتب مقدسہ میں اس سے نقصان نہیں ہوا ہے۔ پادری فانڈر نے کہا کہ دو مسلمان اور دو معزز عیسائی انصاف کریں اور پھر مفتی ریاض الدین کی طرف متوجہ ہوکر بار بار فرمارہے تھے۔ کہ آپ انصاف کیجئے۔ آپ نے آخر میں فرمایا کہ جس وثیقہ میں ایک جگہ ثابت ہوجائے تو وہ وثیقہ قابلِ اعتبار نہیں رہتا۔ کجا کہ آٹھ سات جگہ۔ وقت کافی ہوچکا تھا۔ پادری صاحب کے ایما پر پہلے

روز کے مناظرہ کی کارروائی دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

دوسرے دن کے مناظرہ کی کارروائی

دوسرے روز پیر کو مناظرہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء بمطابق ۱۱ رجب المرجب ۱۲۷۰ھ علی الصبح مقررہ مقام پر منعقد ہوا۔ جس میں مسٹر اسمتھ، صدر دیوانی، مسٹر ریڈ حاکم صدر بورڈ، مسٹر ولیم مجسٹریٹ علاقہ فوجداری، مسٹر کرسٹین ولیم گلین، پادری ہارلی اور جناب مفتی ریاض الدین، مولوی اسد اللہ قاضی القضاۃ، جناب مولوی فیض احمد سررشتہ صدر بورڈ، جناب مولوی حضور احمد، جناب مولوی امیر اللہ صاحب، مختار راجہ بنارس، جناب مولوی قمر اللہ صاحب امام جامع مسجد آگرہ، جناب مولوی امجد علی وکیل سرکار کمپنی، جناب مولوی سراج الحق اور جناب منشی خادم علی مہتمم مطبع الاخبار، مولوی امیر علی شاہ، مولوی قمر الدین خاں مہتمم اسعد الاخبار، مولانا ظفر علی شاہ جعفری القادری، سید صفدر علی شکوہ آبادی، پنڈت جگل کشور، مولوی فیض احمد بدایونی، امیر اللہ وکیل، مولوی معین الدین، سید باقر علی ناظم محکمہ دیوانی، مولوی کریم اللہ خاں بچھرایونی، صدر الصدور، مفتی اسد اللہ خاں، سید حافظ حسین، حافظ خدا بخش، ڈاکٹر الہام اللہ گوپاموی، مفتی انعام اللہ ساحر، قاضی باقر علی خاں ہمدانی، راجہ بلوان سنگھ کاشی، مولوی سید مدد علی تپش، مرزا زین العابدین عابد، محمد عبد الرشید کوہوی، ڈاکٹر مکند لال، حکیم فرخند علی گوپاموی، مفتی اکرام گوپاموی، سید فضل حسین، ڈاکٹر وزیر الدین فرخ آبادی، حکیم جواہر لال، غلام محمد خاں، خلیفہ گلزار علی اسیر، غلام قطب الدین خان، مولوی سراج الاسلام امام جامع مسجد پیشکار اور انکے علاوہ بھی علماء اور رؤسا شہر موجود تھے۔

پہلے دن کے مناظرہ کا قدرتی طور پر خوب چرچا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے دوسرے دن کی حاضری پہلے دن سے بے پناہ تھی اور دس ہزار سے کم نہیں تھی۔ ساڑھے آٹھ بجے کارروائی شروع ہوئی۔ پادری فانڈر اٹھے۔ ہاتھ میں میزان الحق تھی۔ فصل اول میں سے قرآن مجید کی چند آیات پڑھنی شروع کیں۔ چونکہ آیات درست الفاظ میں نہیں پڑھ رہے تھے۔ اس لئے قاضی القضاۃ نے فرمایا کہ حضرت ترجمہ پر اکتفا فرمائیں۔ لفظ کی تبدیلی سے معنی بدل جاتے ہیں۔ پادری صاحب نے فرمایا۔ مجھ کو معاف فرمائیں۔ یہ میری زبان کا قصور ہے۔ اس کے بعد یہ آیات پڑھیں:-

وقل آمنت بما انزل اللہ من کتاب وامرت لاعدل بینکم اللہ ربنا و ربکم لنا اعمالنا ولکم اعمالکم لا حجۃ بیننا و بینکم

"آپ کہدیجئے اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں بے شک ایمان لاتا ہوں اور مجھکو یہ حکم ہوا ہے کہ تمہارے درمیان عدل رکھوں۔ اللہ ہمارا مالک بھی ہے۔ اور تمہارا بھی مالک ہے۔ ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہماری تمہاری کچھ بحث نہیں۔

ولا تجادلوا اهل الکتاب الا بالتی

اور تم اہل کتاب کے ساتھ بجز مہذب طریقہ کے مباحثہ

هی احسن الا الذین ظلموا منهم وقولوا
آمنا بالذی انزل الینا وانزل الیکم والٰهنا
والٰهکم واحد ونحن له مسلمون۔
(سورہ ۲۹ العنکبوت)

ہاں ان میں جو زیادتی کرے۔ ہاں اُن سے کہو ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو ہم پر نازل ہوئی اور اُن کتابوں پر بھی جو تم پر نازل ہوئیں اور ہمارا تمہارا معبود ایک ہے۔ ہم تو اُسی کی اطاعت کرتے ہیں

الیوم احل لکم الطیبات وطعام الذین اوتوا
الکتاب حل لکم وطعامکم حل لهم
(سورۃ مائدہ)

آج تمہارے لئے حلال چیزیں رکھی گئیں۔ جو کتاب والے ان کا ہے۔ آپ کا ذبیحہ تم کو حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ اُن کو حلال ہے۔

وهم یتلون الکتاب (سورہ البقر)
نزل التوراة والانجیل من قبل
هدی للناس (آل عمران)

تم پڑھتے رہتے ہو کتاب اس طرح بھیجا تھا۔ توریت اور انجیل کو اس طرح سے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے

ان کتابوں میں کتاب اور اہلِ کتاب کا ذکر ہے۔ اہلِ کتاب سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ محمدؐ کے زمانہ میں توریت وانجیل موجود تھی اور مسلمان اس کو تسلیم کرتے تھے اور اس کو دین کا ہادی سمجھتے تھے محمدؐ کے زمانہ میں اس کے اندر تحریف نہیں ہوئی تھی

مولانا رحمت اللہ نے فرمایا۔ ان آیتوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ زمانہ میں خدا کا کلام نازل ہوا تھا۔ اس پر ایمان لانا چاہیے۔ توریت، انجیل میں سابق نازل شدہ کتابیں ہیں اور محمد کے زمانہ میں موجود تھیں اگرچہ محرف تھیں۔ ان آیات سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ جابجا قرآن میں اہل کتاب کے تحریف کرنے کا ذکر ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے۔

لا تصدقوا اهل الکتاب ولا تکذبوا

یعنی اہلِ کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب۔ پادری نے کہا۔ احادیث کا حوالہ مت دیجئے۔ بلکہ قرآنی آیات ہی دلیل میں پیش کیجئے۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔ قرآن سے ہی یہ چیزیں ہمیں معلوم ہوئیں۔ جس کا اقرار آپ نے میزان الحق میں فرمایا ہے۔ پادری صاحب نے کہا۔ سورہ بینہ کی آیات سے یہ مجھکو معلوم ہوا کہ محمدؐ کے زمانہ سے قبل انجیل میں تحریف نہیں ہوئی۔ اس کے بعد میزان الحق سے یہ عبارت پڑھی۔ جس کی فصل سوم میں سورہ بینہ محررہ یہ آیات پڑھیں:۔

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتاب
والمشرکین منفکین حتیٰ تاتیهم البینة رسول
من اللہ یتلو صحفا مطهرة فیها کتب قیمة وما
تفرق الذین اوتوا الکتاب الا من بعد ما جاءتهم

جو لوگ اہلِ کتاب اور مشرکوں میں سے کافر تھے۔ وہ باز نہ آنے والے تھے۔ جب تک کہ اُن کے پاس واضح دلیل نہ آتی۔ یعنی اللہ کا رسول جو اُن کو پاک صحیفے پڑھ کر سناتا۔ جس میں درست مضامین لکھے ہوئے ہوں۔

 اور جو اہل کتاب تھے۔ وہ اس واضح دلیل آنے کے بعد مختلف ہو گئے۔ حالانکہ اُن لوگوں کو بھی یہی حکم ہوا تھا۔

پادری صاحب نے فرمایا کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے حضور اقدس کے ظہور کے بعد اپنی کتابوں میں تحریف ظہور سے قبل نہیں کی۔ اس کے بعد کہا کہ مصنف کتاب استفسار، جو انتہائی مشہور ہیں اور انکو ہر شخص جانتا ہے کہ وہ مولوی آل حسن ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۴۴۵ میں آیت مذکور کی اس طرح تشریح کی ہے۔

یہ کہ اسی نبی سابق الانتظار کے اعتقاد رکھنے سے جُدا یا اس کے اعتقاد رکھنے میں مختلف و متفرق نہیں ہوئے مگر جب یہ نبی آیا۔ ان معنوں کے راہ سے، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نبی آخرالزماں کی نشانیوں میں اس کے ظہور کے زمانہ تک کچھ تحریف و تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ مولانا رحمت اللہ نے جواب میں فرمایا۔ ان آیات کا ترجمہ جمہور مفسرین نے اس طرح کیا ہے اور شاہ عبدالقادر نے خود بھی پسند کیا ہے۔

"نہ تھے وہ لوگ جو منکر ہوئے کتاب والے (یعنی یہود اور مسیح) اور شرک والے (یعنی بت پرست) باز آنے والے (یعنی اپنے دین اور بری رسموں اور عقیدوں سے مثل عدم اعتقاد نبوت جناب مسیح کے جیسا یہود کو تھا اور اعتقاد تثلیث کے جو عیسائیوں کو تھا اور مانند اس کے) جب تک نہ پہنچے۔ ان کو کھلی بات ایک رسول اللہ کا پڑھتا ورق پاک اس میں (یعنی سورتیں مضبوط) اور نہیں ہوتے۔ وہ جن کو ملی کتاب، یعنی اپنے دین اور رسوں اور عقیدوں سے اس طور پر کہ بعضوں نے ان کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور بعضے تعصب کی بنا پر انھیں پر قائم رہے) مگر جبکہ آچکی ان کو کھلی بات (یعنی رسول اللہ اور قرآن)"۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمتہ اللہ علیہ آخری آیۃ کے ترجمہ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت سے پہلے سب دین والے بگڑ گئے تھے۔ ہر ایک اپنی غلطی پر مغرور، اب چاہیے کہ کسی حکیم یا کسی ولی یا کسی بادشاہ عادل کے سمجھائے، راہ پر آویں۔ سو ممکن نہ تھا۔ جب تک ایسا رسول نہ آوے عظیم القدر ساتھ کتاب اللہ کے، اور مرد قوی کے اک کئی برس میں ملک کے ملک ایمان سے بھر گئے"۔

ان آیات کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ مشرکین اہل کتاب اپنے افعال شنیعہ سے باز نہیں آتے تھے۔ جب تک انکے پاس عظیم القدر رسول نہ آئے۔ آپ کے آنے کے بعد بھی اہل کتاب آپکے مخالف ہوئے۔ تعصب بے جا اور عناد کی وجہ سے۔

رہا صاحب استفسار کی عبارت، اس کو غلط طریقہ پر اور بدنیتی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ انھوں نے خود اس ترجمہ خیال کا جواب دیا ہے۔ جواب ملاحظہ ہو:۔

"سو اس کا جواب یہ ہے کہ اس استدلال سے" درصورتیکہ صحیح اور درست کیا جائے"، اتنا ہی ثابت ہوا کہ صرف نبی کے لئے جو بشارتیں تھیں۔ ان میں تحریف و تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔ مگر بعد ظہور اس نبی کے، نہ

یہ کہ بائیبل میں اور کہیں کسی طرح کی خرابی نہیں ڈالی گئی۔"

اس جواب کے بعد مولانا آل حسن کی عبارت کو اپنی تائید میں پیش کرنا غلط ہے۔ مولانا آل حسن نے اپنی تمام تصنیف میں تحریف کا بھانڈا پھوڑا ہے۔

مناظرہ دراصل یہاں ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں سے جو گفتگو چلتی ہے۔ اس کو پادریوں کا گریز کہنا چاہیے۔ مذکورہ بحث کا جواب پادری صاحب کے پاس نہ تھا۔ تو جواب دینے کے بجائے دوسرا سوال اٹھایا کہ قرآن مجید میں جب انجیل کا ذکر ہے وہ کونسی ہے۔ یہ پہلا سوال تھا۔ اس میں ڈاکٹر وزیر خاں صاحب نے پادریوں کو خوب لتاڑا ۔۔۔ اور خوب خبر لی۔ کافی دیر تک سوال و جواب ہوتے رہے۔ اس کے بعد اصل عنوان کی طرف آئے تو مولانا نے پادری سے کہا کہ ہمارا مذہب یہ ہے جو ہم نے ظاہر کیا ہے۔ اگر آپکو یقین نہ ہو تو اس کی دلیل دیجئے۔ ورنہ تسلیم کیجئے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ کلام ربانی حضرت مسیح پر نازل ہوا۔ لیکن ہم اس بات کو نہیں مانتے کہ اس مجموعہ میں تحریف، تغیر و تبدل نہیں ہوا اور حواریوں کا کلام ہمارے نزدیک انجیل نہیں ہے۔ انجیل ہمارے نزدیک اسی قدر ہے کہ مسیح کا قول الہام کے مطابق ہو۔ جو کچھ چار کتابوں میں نقل ہوا ہے۔ اس کا درجہ حدیث آحاد کا ہے۔ اس تغیر و تبدل کا سبب یہ بھی ہے کہ اس زمانہ میں پوپ کا قبضہ ہو گیا تھا۔ جبکہ عام طبقہ کو انجیل پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی نظر میں آئیں۔

اس مقام پر پادری فرنچ صاحب تیز ہو گئے۔ بولے کہ تم تو ہماری انجیل کو سخت معیوب سمجھتے ہو اور پوپ صاحب نے کوئی خرابی نہیں کی۔ اس کے بعد ترشی بڑھنے لگی۔ پادری فانڈر قرآن کے نسخوں کے بارے میں حضرت عثمان کا قصہ عراق بیان کرنا چاہتا تھا۔

مولانا صاحب نے فرمایا کہ یہ ذکر خارج از بحث ہے۔

ترشی ختم ہوئی تو پادری فرنچ نے جو اپنے ساتھ ایک تحریری جواب ساتھ لائے تھے۔ اس کو پڑھنا شروع کیا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا۔

انجیل میں ہمارے علماء تیس چالیس ہزار جگہ اختلاف عبارت بیان کرتے ہیں۔ یہ اختلاف ایک دو نسخوں میں نہیں بلکہ بہت سے نسخوں میں تھے۔ چنانچہ اس حساب سے فی نسخہ میں چار پانچ سو اختلافات ہوتے رہیں۔ بعض غلطیاں بدعتوں کی وجہ سے ہوئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر گریز بنگ نے انجیل متی میں تین سو ستر غلطیاں آیتوں اور لفظوں میں نکالی ہیں۔ ان تمام میں بڑی غلطیاں ستر ہیں۔ ان سے چھوٹی بڑی غلطیاں ۳۲ ہیں اور باقی بہت چھوٹی چھوٹی ہیں۔ ہمارے علماء ان غلطیوں کی تصحیح کر رہے ہیں جس کتاب کی زیادہ ہیں۔ اس کی درستگی میں آسانی ہو جاتی ہے۔ اور جس کے نسخے کم ہیں۔ اس کی تصحیح میں دشواری ہوتی ہے۔ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ ان اغلاط کے علاوہ اور کوئی غلطیاں نہیں ہیں اور مسیحی دین کو ان غلطیوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچا ہے۔

جواب کے لئے ڈاکٹر صاحب مستعد ہوئے تو پادری فانڈر نے ان کو روکا کہ آپ ہر مرتبہ جواب کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں اور لے نے کہکر خطاب کیا۔ ڈاکٹر صاحب مولانا صاحب کی طرف متوجہ ہوکے سامنے مفتی حافظ

حافظ ریاض الدین نے فرمایا۔ اول تحریف کے معنی بیان کیجئے۔ مولانا صاحب نے تحریف کے معنی بیان کئے کہ تحریف وہ تغیر ہے۔ جو زیادہ خواہ نقصان، جو تبدیل بعض الفاظ ہونا عام ہو۔ خواہ تغیر ارادہ کہ خیانت یا شرارت ہو۔ وہم کے غلبہ سے ہو یا بطور اصلاح ہو۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب مقدس میں تحریف کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اگر آپ انکاری ہوں تو ثبوت دیجئے۔

اس پر پادری صاحب سہو کاتب کا جھگڑا لے بیٹھے۔ بعد میں مولانا صاحب کی تشریح کو قبول کیا۔ لیکن اس کا نام سہو کاتب رکھا۔ اس کے بعد پادری نے کہا کہ سہو کاتب متن میں نہیں ہے۔ متن سے مقصود الوہیت مسیح کفارہ، شافع، اور ان کی معقود ہے۔ چنانچہ متن پر مناظرہ ٹوٹا۔ پادری صاحب نے فرمایا کہ متن کو تسلیم کرو۔ مولانا صاحب نے انکار کیا۔ مناظرہ ختم ہوا۔ مولانا رحمت اللہ کے بعد ڈاکٹر وزیر خاں صاحب سے پادری فانڈر سے تحریری مناظرہ ہوا۔ اس مناظرہ کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ڈاکٹر وزیر خاں سے پادری فنڈر کا تحریری مناظرہ

مولانا رحمت اللہ کے مناظرے کے بعد ڈاکٹر وزیر خانصاحب سے بھی پادری فنڈر کا مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ تقریری نہ تھا بلکہ تحریری تھا۔ جو ۱۵ رمئی ۱۸۵۴ء سے شروع ہوا۔ اور پھر ناخوشگوار تحریروں کی بناء پر ۱۴ر اگست ۱۸۵۴ء کو ختم ہو گیا۔ یہ مناظرہ تین ماہ تک رہا۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے ۴۳ مراسلے پادری فنڈر کو بھیجے اور پادری فنڈر نے اُن کو گیارہ خط روانہ کئے۔ مناظرہ کی ابتدا پادری فنڈر نے کی مناظرہ کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ان کو اپنے حسب ذیل خط کے ساتھ روانہ کردیں۔

پادری صاحب کا پہلا خط

جناب ڈاکٹر محمد وزیر خانصاحب سلامت!

سلام کے بعد التماس یہ ہے کہ تین جلدیں انگریزی کتابیں اس پر بگر صاحب کی تصنیفات ہیں، برائے مطالعہ بھیج رہا ہوں۔ جو آپ مطالعہ کریں تو واپس کردیں۔

بندہ کیتش فنڈر، ۱۵ رمئی ۱۸۵۴ء مرقوم

ڈاکٹر صاحب کا پہلا خط

شفیق مخلصاں کیتش فنڈر سلامت

تین جلد انگریزی کتابوں کی آپکی موصول ہوئیں۔ ایک اس میں ڈاکٹر برنگر صاحب کی تصنیف ہے۔ آپ کے نامہ کے ساتھ پہنچیں۔ مجھے ممنون فرمایا۔ لیکن اُن کے بھیجنے کا مقصد معلوم نہ ہوسکا۔ کیا مباحثہ جناب سرور کائنات صلعم کے متعلق چاہتے ہیں یا صرف مطالعہ کی غرض سے بھیجی ہیں۔ اگر دوسری بات ہے تو یہ کتابیں بھیجنا بے کار ہیں۔ میں ان کو پڑھ چکا ہوں۔ جو کچھ سیل صاحب نے قرآن شریف کے ترجمے کے مقدمہ میں لکھا ہے۔ وہ بھی دیکھا۔ اور تاریخ محمدی اور نگ صاحب اور تالیفات مصنفان لائبریری آف یوسفل کالج بھی مطالعہ میں آگئی ہیں ان کتابوں کے علاوہ ایکسی ہومو اور تاریخ یسوعی استراس صاحب اور کتاب بولینبر اور تصنیفات اسپائے نوز اور ۶ رسالے ولنس صاحب اور کتاب مورل، اسفر اور کتاب تامس پین کی اور کتاب

موسوم بہ بے ہوا نوبلڈ اور تصنیفات ہویں اور والٹر دیانتری وغیرہ مسیحیوں کی کتب بھی میرے مطالعہ سے گزری ہیں۔ آپ کو ان کتابوں کے پڑھنے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا۔ اگر آپ کی نظر سے یہ کتابیں گزرتیں تو آپ ہرگز یہ کتابیں مجھ کو نہ بھجواتے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اس کے بعد ہی طعن تشنیع کا حوصلہ اور دل اجازت دے۔ تو ان کتب مرسلہ کے مطالعہ کی درخواست مجھ سے فرمایئے اگر یہ کتابیں آپ کے پاس موجود نہ ہوں تو روانہ کرسکتا ہوں۔ علاوہ ازیں مرسلہ کتب کے اکثر مطالب بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔ وہی بہتان کہ مسلمان زبور توریت کو ناسخ سمجھتے ہیں، آپ نے لگایا ہے اس کو بھی یہ کتابیں دوہرا رہی ہیں۔ اس صورت میں مباحثہ اگر مقصود ہے تو بے فائدہ ہے۔ پہلے آپ مولانا رحمت اللہ کی کتابوں کا جواب دیجئے۔ اس کے بعد اگر مباحثہ کرنا ضروری ہے۔ اپنے کتب دینیہ سے ہاتھ دھو کر اور ان کی موافق اصلاح اہل الاسلام کے منسوخ و محرف مان کر تثلیث کے میدان میں قدم رکھئے۔ جب یہ مسئلہ طے ہو جائیگا۔ تو حضرت خاتم المرسلین کی نبوت کے عنوان پر گفتگو کی جاویگی۔ آپ کی مرسلہ کتابوں کو رکھنا فضول سمجھتا ہوں۔ یہ تینوں جلدیں واپس بھیج دی ہیں۔ کتاب اسیر کے بجائے اگر آپ تاریخ یسوعی ڈاکٹر نبر ڈیوڈ فریڈرک استراس کی اردو میں ترجمہ فرمائیں تو مفید ثابت ہوگی۔

پادری صاحب کا دوسرا خط

۲۰ رمئی ۱۸۵۴ء کو ڈاکٹر محمد وزیر خاں صاحب نے جواب دیا۔ پادری فنڈر مناظرہ نہ کرنے کے بارے میں کچھ نہیں لکھا۔ لیکن ان کے خط کے جواب میں اُن پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور دہریے کا الزام دیتا ہے۔ اسی طرح خط و کتابت اور مناظرہ کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ وہ جواب میں اس طرح لکھتا ہے۔

"تعجب کرتا ہوں کہ تامس پین اور ڈاکٹر استراس جیسے اصحاب کی کتاب کو آپ پسند کرتے ہیں۔ یہ تو مسیحی نہیں بلکہ جملہ منکرین میں سے ہے اور دہریہ قسم کے ہیں۔ چونکہ آپ ان کی کتاب کو معقول جانتے ہیں تو یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید جناب بھی اُن کے زمرہ میں سے ہیں۔ چنانچہ ملت اسلامیہ میں بھی ایسے باطنی اور ظاہری دہریہ ہیں۔ ڈاکٹر استراس کی کتاب منکرین کی نظر میں معقول ہیں۔ دو کتابیں اس کے جواب میں مسیحی علماء نے لکھی ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا خط

بندۂ کیشش فنڈر صاحب ۲۹ مئی ۱۸۵۴ء ڈاکٹر صاحب نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"مجھے کمال تعجب ہوا کہ جناب نے یہ کس طرح سمجھا کہ میں اُن کی کتابوں کو معقول سمجھتا ہوں۔ میں نے صرف یہی لکھا کہ وہ کتابیں میرے مطالعہ میں رہی ہیں، مطالعہ کرنا یہ ثابت نہیں کرتا کہ اُن کا معتقد ہوں۔

ہم حضرت عیسیٰ کی عزت کرتے ہیں۔ اور ہر مسلمان ادب کے ساتھ اُن کا نام لیتا ہے۔ ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ کو بُرا کہنے والا جس طرح بُرا ہے۔ اسی طرح حضرت سرورِ کائنات کی مذمت کرنے والا بُرا ہے۔ ہم اس کو سگِ زرد برادر شغال سمجھتے ہیں۔

تعجب ہے کہ آپ کی نسبت مولوی رحمت اللہ نے گریز کا لفظ لکھا تھا۔ وہ آپ کو ایسا ناگوار گزرا کہ آپ نے مولانا کو لکھا کہ ایسے الفاظ تہذیب تحریر کے خلاف ہیں۔ حالانکہ آپ وہی لفظ مولانا آلِ حسن کو لکھ چکے۔ کیا آپ کا مجھ کو یہ لکھنا کہ اس رسالے ان کی کتاب آپ کے نزدیک معقول ہے، یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید جناب بھی ان کے زمرہ سے ہیں۔ خلافِ تہذیب نہیں ہے۔ میں بھی آپ پر یہ الزام لگاتا ہوں کہ آپ ان مرسلہ کتابوں کو جن میں الحاد کی باتیں ہیں۔ معقول سمجھتے ہیں تو آپ بھی ملحد ہیں۔ اور اس وجہ سے آپ کا ملحد ہونا جائز ہو جاتا ہے کہ آپ نے توریت کے منسوخ ہونے کا اقرار کیا۔ عہد جدید میں سات آٹھ جگہ تحریف کو تسلیم کیا اور تیس یا چالیس ہزار جگہ سہو کاتب کو مانا۔ جس کی وجہ سے درس کے درس بدل گئے۔ اس کا آپ نے علی الاعلان مناظرے میں اعلان کیا۔ جب آپ ان کو منسوخ اور منحرف جانتے ہیں تو کیوں اس مذہب میں داخل ہیں۔ ظاہری طور پر اور دکھانے کے لئے اور خواہشات اور غرض دنیوی کے لئے۔ اگر ہیں تو اس مذہب کے مطابق دہریہ کہنا جائز ہے۔ ہاتھوی ہندی پیروں مہندی اپنے لیجئے اوروں دیندی۔

آپ کا یہ کہنا کہ مسلمانوں میں بھی دہریے ہیں۔ یہ آپ کا حسنِ ظن ہے۔ بھلا ان کو کس بات کا ڈر ہے کہ جو کچھ ان کے دل میں ہے وہ اعلانیہ ظاہر نہ کریں۔ ہاں عیسائیوں میں البتہ ہزارہا لوگ ایسے ہوں گے۔

استراس کی کتاب کی بابت جو آپ لکھتے ہیں کہ میرے پاس اس کے جواب میں ایک کتاب جرمنی ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ آپ نے جب استراس کے حوالہ سے درس ۷ باب اول پر اعتراض مباحثہ میں سُنا تو وہاں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ وہاں اس کا جواب نہ بن پڑا۔ بجز اس اقرار کے کہ غلطی کچھ ہے اور تعریف کچھ اور۔ خیر اب سہی۔ ڈاکٹر استراس کے اعتراض جو اس نے باب متی پر کئے، لکھتا ہوں۔

(۱) درس ۷ باب اول متی میں یوں لکھا ہے کہ سب پشتیں ابراہیم داؤد تک چودہ پشتیں ہیں اور داؤد سے اس وقت تک بابل کو لشکر چلے گئے، چودہ پشتیں ہیں۔ اس پشت نامہ میں چودہ پشتوں کی تین قسمیں ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ اس لئے اگر سب نام لئے جاتیں۔ حضرت ابراہیم سے حضرت داؤد تک۔ تو البتہ چودہ پشتیں ہوتی ہیں۔ لیکن قسمت سوم میں سب نام سہو سے ایک نام چھوڑ دیا۔ کس لئے کاتب کے سہو کا گمان تو نہیں ہو سکتا۔ اس لئے لوبعری نے بھی یہ

یہ اعتراض کیا تھا۔

(۲) حضرت سلیمان کی پشتیں متی ۱۴ بتاتی ہے ۔ اور تواریخ اول میں ۱۸ پشتیں لکھی ہیں۔ متی ورس میں غور ہا کو یورام کا بیٹا لکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے پڑپوتے کا بیٹا ہے اور جناب متی نے غلطی سے تین بادشاہوں کو چھوڑ دیا ہے۔ جیسا کہ ورس ۱۱ باب ۳ کتاب اول تاریخ سے ظاہر ہے۔

(۴) ورس ۱۱ میں متی نے یکنیا کو یوشیا کا بیٹا لکھا ہے۔ حالانکہ وہ اس کا پوتا تھا اور یہاں بھی متی سے ایک نام چھوٹ گیا ہے

(۵) متی نے یکنیا کے بھائی لکھے ہیں۔ عہد عتیق کی کتابوں سے اس کا کوئی بھی بھائی ثابت نہیں ہوتا بلکہ اپنے باپ کا وہ اکلوتا بیٹا تھا۔

(۶) متی زوربابل کو شلتا کا بیٹا لکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کا بھتیجا اور خدا کا بیٹا ہے۔

(۷) متی نے ابیہود کو زوربابل کا بیٹا لکھا ہے۔ حالانکہ اس کے بیٹوں میں کسی بیٹے کا نام نہ تھا۔

ایک پشت نامہ میں جب متی نے اتنی غلطیاں کی ہیں تو ان کی کتاب میں خدا جانے کتنی غلطیاں ہونگی۔ لہذا اسپرانس صاحب کہتے ہیں کہ جب یہ ثابت ہوا کہ مورخ کی تحقیق میں فتور ہے تو اس کا کلام قابلِ اعتبار نہیں ہوا۔ (ڈاکٹر محمد وزیر خاں یکم جون ۱۸۵۴ء)

لیکن پادری صاحب کی تردید معقولیت اور دلائل و براہین سے خالی ہے۔ انھوں نے اپنے جوابی خطوں میں ہٹ دھرمی اور مذہبی دیوانگی سے کام لیا ہے۔ ہر خط میں اپنی قابلیت جتائی ہے اور مقابل کی ہتک اور بے عزتی کی ہے۔ اور اس کو جاہل محض سمجھا ہے۔

اگر پادری فنڈر خلاف تہذیب تحریر نہ لکھتے۔ تو ڈاکٹر صاحب قطعاً جواب اُن کے رنگ میں نہ دیتے۔ اور مناظرہ بخیر و خوبی انجام پاتا۔ ناخوش گوار تحریروں پر ختم نہ ہوتا۔ شروع ہی سے چھیڑ خانی اور تلخی پادری صاحب نے پیدا کی۔ اس کے وہ خود شکار ہوئے۔ مناظرہ کے بانی وہی تھے۔ انھوں نے ہی اپنے ہاتھوں سے اس کو دفنایا چنانچہ آخری خط لکھتے ہیں۔ تو وہ بہت جلا بھنا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ پادری صاحب نے مناظرہ کس شان سے ختم کیا۔

پادری صاحب کا آخری خط } میں نے اپنے پچھلے خط میں اس بات کا اشارہ کیا تھا اور اب صاف لکھتا ہوں کہ اس کے بعد نہ کوئی خط قبول کرونگا۔ نہ ان کو بھیجونگا۔ کیوں کہ صاحب موصوف بے جا بات لکھنے سے دستبردار نہیں ہوئے۔ طعن و بہتان کیا۔ اس لائق نہ ٹھہرے کہ آئندہ اُن سے خط و کتابت جاری رہے۔ لہٰذا آپ کا خط بے کھولے اور بے پڑھے واپس دیتا ہوں تاکہ صاحب ممدوح خط میرے پاس نہ بھیجیں۔ میں اس کو قبول نہ کرونگا۔ اگر وہ صاحب چاہیں اور کچھ لکھیں تو لکھ کر چھپوا دیں۔ اگر جواب کے لائق ہوگا تو بھی چھپوا کر جواب دے دونگا۔

(کشیش فنڈر، ۱۶ اگست ۱۸۵۴ء)

ڈاکٹر صاحب کا جواب پادری کو

میں نے کبھی کوئی بات بیجا نہیں نامناسب نہیں لکھی۔ بلکہ صرف چند باتیں ایک عبارت کے بارے میں دریافت کی تھیں اور نہ کبھی میں نے اپنی طرف سے کسی سخت بات کے کہنے میں تقدم کیا جب پادری فنڈر صاحب نے بے جا اور غیر مناسب باتیں لکھنا شروع کیں۔ تو میں نے بھی لاچار ہو کر کچھ سختی اختیار کی۔ چنانچہ یہ بات طرفین کے خطوط سے ہر شخص پر خوب روشن ہوگی اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عبارت مذکورہ جو پادری فنڈر نے رسالہ مباحثہ کے صفحہ ۱۴ پر لکھی ہے بے سند ہے انکے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

پادری صاحب کا تیسواں خط

آپ ثابت کیجئے اور بتایئے کہ مسیح کا نسب نامہ جیسا کہ آپ بتی کے پہلے باب میں مرقوم ہے۔ اسی طرح اس انجیل میں نہیں ہے۔ جو کہ محمدؐ کے وقت میں تھی اور جس کو قرآن میں منزل من اللہ کہا ہے اگر اس میں اور طرح کی ہے تو بات تمام ہوئی۔ پھر کیا جواب چاہئے۔ اگر اس انجیل میں بعینہ ویسا ہے جیسا کہ آپ کی انجیل میں تو ہر محمدی کو یہی یقین ہوگا کہ متی کے حواری نے کچھ خلاف نہیں کیا۔ بلکہ ڈاکٹر اس صاحب نے غلط سمجھا ہے۔

کشیش فنڈر ۲ جون ۱۸۵۴ء

ڈاکٹر صاحب کا تیسواں خط

آپکا خط مورخہ ۲ جون پہنچا۔ مجھے کمال حیرت ہے کہ آپ نے میرے خطوں کے جواب میں مثل مشہور ہے، سوال از آسمان جواب از ریسمان خوب نبھایا۔ یعنی آپ نے میری ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔ اور بڑی راست بیانی یہ فرمائی کہ فقرہ انزل من اللہ کو قریب مجید کی طرف منسوب کیا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں کہیں نہیں آیا۔ بڑے غضب کی بات ہے کہ آپ نے انجیل اور توریت میں تصرف و تحریف کرتے کرتے قرآن مجید کی طرف بھی متوجہ ہوگئے۔

بقایا خطوط میں زیادہ تر تحریف کتابِ مقدس پر بحث ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کتابِ مقدس میں تحریف ثابت کرنے کے لئے کتابِ مقدس کی کتابوں کے حوالے اور بیسیوں مسیحی علماء کی رائیں ان مراسلوں میں پیش کی ہیں۔ پادری صاحب نے ان کی تردید کی ہے۔

میں سمجھتا ہوں میری بے عزتی کرکے اُن کی حیلہ سازی کارگر نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر دانشمند یہ سمجھے گا کہ صاحب جب تمام اطراف سے عاجز آگئے اور ان کو کوئی جواب نہ سوجھا تو لاچار ہو کر اس آڑ میں چھپ گئے اور اپنا پیچھا چھڑا لیا۔ اس صورت میں، میں بھی اُن کا خط واپس کرتا ہوں اور ان کو تاکید کرتا ہوں کہ آپ بھی مجھ کو کوئی خط نہ لکھیں اور نہ میں آپکو کوئی خط لکھونگا۔ جس شخص نے مناظرہ کے آداب کے اصول کے خلاف کیا۔ اس سے کوئی معقول اور بھلا آدمی خط و کتابت اور گفتگو کرنا گوارا نہیں کرسکتا۔

۱۷ اگست ۱۸۵۴ء

بدتمیزی کس نے کی

ڈاکٹر صاحب پادری فنڈر کے ۱۴ اگست کے خط کا جواب دیتے ہوئے اس بات کی وضاحت واقعات سے کرتے ہیں کہ بدتمیزی کا سلسلہ پہلے کس نے کیا اور میں نے کس قدر برداشت کیا۔

"اول پادری صاحب نے جبکہ ان سے میری کوئی خط و کتابت نہیں تھی۔ دفعتاً بے بالانہ ایک خط کے ذریعہ تین جلد انگریزی کتابیں میرے پاس بھیجدیں۔ جن کے مصنفوں نے اپنا منہ کالا کرنے اور اپنی عاقبت بگاڑنے اور اپنی قبر میں انگارے بھرنے کے لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور حدیث شریف کی نسبت کلمات نامناسب اور بے جا اتہامات اور ناروا بہتان لکھے ہیں۔ اب ناظرین انصاف فرمائیں کہ یہ کیسی بے جا بات ہے اور درشتی و بدکلامی کس نے ظاہر کی۔ ظاہر ہے کہ منہ سے کچھ کہنا اور لکھنا بالکل برابر ہے۔ پادری صاحب کا ان کتابوں کو میرے پاس بھیجنا یہ مقصد رکھتا تھا۔ گویا انھوں نے میرے سامنے سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات کی خدمت میں گستاخی کی ہے اور بے ادبی کی اس جہت سے میرے لئے جائز بلکہ واجب تھا کہ جو چاہوں سو کہوں اور جو دل میں آئے وہ لکھوں۔ لیکن میں نے پادری کی اس حرکت کو بازاری لوگوں کی سی بات سمجھ کر اور عموماً پادریوں کی عادت اور ان کی مخالفت اور خصلت کا مقتضا جان کر طرح دی اور اپنی چھاتی پر پتھر رکھ کر خاموش رہا۔

ثانیاً پادری صاحب میرے اس اغماض اور طرح دینے پر متنبہ نہ ہوئے اور شاید وہ یہ سمجھے کہ میں ان سے دب گیا اور ان کی نالائق باتوں کا متحمل ہوا۔ اس لئے انھوں نے اور زیادہ جرأت پائی اور رسم وعادت کے خلاف دوسرے خط میں میری نسبت ایسے کلمات لکھے۔ جس سے یہ مفہوم ہوتا تھا کہ گویا میں دہریوں کے زمرہ میں ہوں اور یہ نہ صرف میری نسبت لکھا۔ بلکہ اہل اسلام پر بھی بہتان لگایا۔ چوتھے خط میں مجھ کو اسٹراس کا پیرو قرار دیا اور آخری خط میں نیم چڑھا کریلا بن کر جو دل میں آیا خوب فرمایا۔ اب ناظرین فیصلہ کریں کہ میں حق پر ہوں یا پادری صاحب۔"

پادری عمادالدین سے ایک دہلوی طالب علم کا مناظرہ

دہلی کے مناظرین کو معلوم ہوا کہ مارچ میں پادری صاحب آرہے ہیں۔ انھوں نے پادری صاحب کے بھائی سے وعدہ لیا تھا کہ وہ آکر اعلان مناظرہ کریں گے مناظرین حضرات منتظر رہے۔ پادری صاحب تاریخ مقررہ پر جب دہلی میں آئے تو مناظرہ کا اعلان کرنے لیکن مناظرہ کرنے سے گریز کرتے رہے۔ آخر پادری تاراچند کے مکان پر ۸ مارچ گزشتہ ۱۹۰۶ء کو ان مناظرین نے ان کو جا پکڑا۔ مناظرین کے ہمراہ ایک درجن سے زیادہ شائقین تھے۔ محمد عمر طالب علم جواب کے لئے مقرر ہوئے۔ اس مجلس میں لالہ جھوک چند، لالہ دھت رائے، احمد حسن صاحب، دین محمد طالب علم مدرسہ تعلیم المعلمین، حکیم احمد اللہ، لالہ جے دیال، سہائے مل، محمد یعقوب، مولوی احمد الدین، مولوی محمد یٰسین صاحب نے شرکت کی۔ توحید و تثلیث پر

محمد عمر صاحب اور پادری عمادالدین صاحب میں مختصر بحث ہوئی ۔ پادری پہلے سنتے رہے پھر کچھ بولے تو ایک طالب علم نے جھکا دیا ۔ دس ہی منٹ گزرے ہونگے کہ آپ مناظرہ کرنے سے انکار کرنے لگے ۔ اس انکار پر مولٰنا سید احمد علی نے فرمایا کہ ہم اس بات کے مشتاق ہیں کہ وہ تحقیق بیان کیجئے ۔ جس نے آپکو دینِ محمدی سے بدظن کرکے دینِ عیسوی کو قبول کرنے پر مجبور کیا

پادری صاحب نے کہا کہ میری تصنیف دیکھیں ۔ مولانا عبدالمجید نے فرمایا کہ آپ گھر بیٹھے گویا اپنی تالیف کا ذکر کرتے ہیں ۔ بندہ نے آپکی تالیف تمام وکمال دیکھی ہے ۔ تحقیق الایمان اور ہدایت المسلمین کی بھی سیر کی ہے ۔ آپکی تالیف میں یا تو وہ اعتراض ہیں ۔ جو ڈاکٹر فنڈر نے کئے ہیں اور علماء نے انکے مسکت جواب دے ہیں ۔ یا قرآن مجید کی نسبت مثل تعرض آیات و فصاحت وغیرہ اعتراضات آپ نے کئے ہیں ۔ جن کی قلعی پہلے ہی ہمارے علماء و مفسرین کھول چکے ہیں ۔ آپ نے اس میں کیا تحقیق یا علمی جدت کی ہے ۔ اس سے تحقیق کا نام بدنام ہوتا ہے ۔ اسی لئے بہت سے علماء آپ کی تصنیفات کی طرف التفات نہیں کرتے ۔ آپ کی تصانیف میں باوجود ان خامیوں کے ایسی غلطیاں ہیں جن کو پڑھکر افسوس ہوتا ہے ۔ چنانچہ آپ نے کتاب ہدایت المسلمین میں لکھا ہے کہ قرآنِ مجید میں پانچسو آیتیں منسوخ بتاتے ہیں ۔

پادری نے کہا ۔ ہاں ۔ مولانا صاحب نے کہا ۔ یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ نسخ صرف احکام میں ہوتا ہے ۔ عقائد میں نہیں ہوتا ۔ پادری صاحب نے کہا ۔ درست ہے ۔ مولانا صاحب نے فرمایا ۔ تو اس صورت میں بقول آپکے قرآن مجید میں پانچسو سے زیادہ آیات منسوخ ہوئی چاہئیں ۔ حالانکہ قرآن مجید میں کل احکام پانچسو ہیں ۔ آپکو آیات منسوخہ بتانی چاہئیں ۔

پادری صاحب بولے ۔ مولٰنا جلال الدین سیوطی کی کتاب میں یہ لکھا دیکھا ہے ۔ مولٰنا نے با تحقیق لہجہ میں کہا ۔ آپ کہتے ہیں ورنہ اس کتاب میں ہرگز نہیں ۔ اگر صحیح ہے تو اپنی کتاب میں آپنے حوالہ کیوں نہیں دیا ۔ آپ نے اپنی کتاب تحقیق الایمان میں بیس برس تحقیق کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور یہ بات اصولِ تحقیق کے بالکل خلاف ہے کہ جس کی کتاب میں جو دیکھا ۔ وہ لکھدیا ۔ آپ اس کتاب کا صفحہ مطبع بتادیں ۔

پادری صاحب نے بڑی حیل و حجت کے بعد فرمایا ۔ کہ میں نے وہ تفسیر ایک ولایتی کے پاس قلمی دیکھی ہے ۔ مولٰنا بولے واہ چہ گفت است سعدی ور زلیخا الا یا ایھا الساقی ادر کاسا ۔ ۔ ۔ بات ایسی ہونی چاہیے ۔ جیسے حافظ ولی اللہ صاحب سے آپ نے گفتگو میں فرمائی کہ تیرہ کا نام سورہ یٰسین اور سورہ یٰسین پانچویں یا چھٹے سیپارہ میں ہے ۔

تاراچند بولے آپ لوگ ملاقات کرنے آئے ہیں یا مباحثہ کرنے ۔ مذہبی گفتگو موقوف کرو ۔ اور کچھ ذکر ہونا چاہیئے اس کے بعد ہارن کے حوالہ پر جو مولٰنا رحمت اللہ نے اعجاز عیسوی کے مقدمہ میں دیا ہے اسپر بحث ہوئی ۔ آخر میں پادری نے کہا ۔ ۔ ۔ جو اعتراضات آپکے ہیں وہ لکھکر بھیجدیجئے ۔ میں اس کا مکمل طور پر جواب دونگا ۔

یہ مناظرہ مطبع فاروقی میں چھپا۔ مناظرہ میں شامل ہونے والے مذکورہ حضرات نے اپنے دستخطوں سے شائع کرایا ہے۔
اس کتاب کی تاریخ لالہ چندر بھان نے حسب ذیل مصرعہ میں فرمائی ہے

تثلیث کا رد کیا ہے اچھا
۱۲۸۸ھ

چودھری مولا بخش اور پادری فیلڈر کا مناظرہ شیخ مولا بخش کانپور کے مشہور مناظر تھے، اور پادری فیلڈر کان پور کے مشنری تھے ان میں ان کا تحریری مناظرہ ہوا۔ مناظرہ کے عنوان ابطال کفارہ، بائبل کے الہامی ہونے کا بطلان، قرآن مجید میں تغیر و تبدیلی نہ ہونے کا ثبوت، حضرت سردار الانبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اثبات تھا۔

اس مناظرہ کا کیا نتیجہ نکلا۔ ہمارے پاس چودھری صاحب کی تصنیف مراسلات مذہبی نہیں ہے۔ جو ہم اس مناظرہ کی کیفیت سے باخبر ہو سکیں۔ اس کتاب میں چودھری صاحب نے مذکورہ مناظرہ کی کیفیت لکھی ہے۔ چودھری صاحب کے حالات زندگی آپ ردِ نصاریٰ کرنے والے علما کے حالات زندگی میں پڑھیے۔

کامیاب مناظرہ رائے بریلی میں بھی مولوی الطاف مسیح کے ساتھ مولانا سلیم اللہ کا مناظرہ ہوا تھا۔ اس میں یہ طے پایا تھا کہ جو ہارے گا۔ وہ اپنا مذہب بدل دے گا۔ چنانچہ احمد مسیح نے ہار مانی اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اس مناظرہ کی تمام روئیداد کتاب انہار الاسلام مصنفہ مولانا سلیم اللہ میں ہے۔

مولانا شرف الحق کا پادری ہیڈرک سے مناظرہ مولانا رحمت اللہ کے مناظرہ کی شہرت ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئی تھی۔ ہندوستانی اپنے عالموں سے بالکل ناامید ہو چکے تھے۔ لیکن انھوں نے جب یہ دیکھا اور یہ سُنا کہ ان کی قابلیت و لیاقت اور ذہانت علمی و علالت لسانی کے سامنے پادری جھجکتے تھے اور جواب دیتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ تو شادمانی و فرحت کی کچھ انتہا نہ تھی ہر جگہ پادریوں کی بڑی بھد اڑتی۔ ہر جگہ اُن کے شکست کھانے کا چرچا ہوتا تو اس عام بدنامی سے پادریوں نے بھی محسوس کیا کہ ان علماء سے مناظرہ کرنا مفید مطلب نہیں۔ چنانچہ اب انکی یہی کوشش ہوتی تھی کہ مناظرے سے گریز کیا جائے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہر ہندوستانی ہندو مسلمان دل سے اپنے مذہب کے شیدائی اور ہمارے مذہب کے سخت مخالف ہیں اس لئے ہمارے مذہب کی ترقی و بہبودی کے کسی طرح خواہاں نہیں ہو سکتے۔ اس لئے مناظرہ کرنا بے سود ہے۔

چنانچہ جب دہلی کے مشہور و معروف عبرانی، یونانی کے ماہر مناظر اور ردِ نصاریٰ میں ید طولیٰ رکھنے والے عالم مولانا موصوف غازی پور پہنچے تو انھوں نے اسلام کی حقانیت اور بزرگی کی منادی اور حق کو ظاہر کرنے اور باطل کا ابطال کرنے کے لئے مناظرہ کا پیغام پادری لاربیری مشنری غازی پور کو تین خطوط کے ذریعہ دیا تو پادری صاحب خاموش ہو گئے۔ کوئی جواب نہیں دیا۔ گریز کرنے کے طریقوں سے ہر مسلمان واقف ہو چکا تھا انھوں نے سمجھا کہ پادری صاحب خوفزدہ ہو کر شہر سے باہر چلے گئے۔ غازی پور کے مشن نے بدنامی کے خیال سے مسٹر روفس صاحب اکاؤنٹنٹ

لکٹری غازی پور اور پادری ای پیٹرک صاحب پرنسپل مشن کالج غازی پور کو مناظرہ کے لیے آمادہ کیا۔ چنانچہ ۸ مارچ ۱۸۸۵ء اتوار کو شام کے تین بجے مناظرہ منعقد ہوا۔ سارا مشن سکول ہی نہیں بلکہ تمام مدرسہ کا میدان مخلوق خدا سے پٹا ہوا تھا۔ تقریباً چار ہزار سامعین تھے۔ انتظام کے لئے مسٹر مری صاحب انسپکٹر پولیس غازی پور معہ متعلقین پولیس موجود تھے۔

شروع میں پادری صاحب نے کھڑے ہو کر کہا۔ مولانا صاحب نے بھی ایک اشتہار جو بنارس کا چھپا ہوا ہے ہمارے شہر غازی پور میں شائع کیا ہے جس کی سرخی یہ ہے "مسلمانوں نے عیسائی مذہب کے پادریوں کی قلعی کھولدی" اور اس میں بنارس ہی نہیں بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں کے پادریوں کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مناظرہ کرنے سے گریز کرتے ہیں اور خاص طور پر پادری ڈیوس صاحب مشنری چرچ مشن بنارس کے بارے میں کہا ہے کہ انھوں نے آپ سے مناظرہ کرنا، تو کجا ملاقات کرنی بھی گوارا نہیں کی۔ کیا حاضرین یقین کر سکتے ہیں کہ ایسے ایسے ذی عزت و ارفضلائے مسیحیت ایسا کر سکتے ہیں؟"

مولانا صاحب نے پادری صاحب کے گلے کا مختصر سا جواب دیا۔ اور پادری ڈیوس مشنری بنارس کے ہاتھ کا لکھا ہوا جوابی خط پڑھ کر سنایا اور دکھایا جس میں ملاقات سے بھی انکار تھا۔ اس کے بعد پادری صاحب اُٹھے۔ اور کہا کہ مولانا صاحب ہم آپ سے راہِ حق کی ہدایت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور نجات حاصل کرنے کے ارادے سے چند سوال کرنا چاہتے ہیں۔ اس شرط پر کہ آپ ہماری آسمانی کتابوں سے ہم کو دلیل دیں اور جواب دیں۔ وہ عام فہم ہو۔ ہمارا سوال یہ ہے:۔

وہ کون سی ضرورت تھی۔ جو خدائے تعالیٰ نے پہلے توریت، انجیل وغیرہ کو نازل فرمایا اور اس کے بعد قرآن شریف نازل فرمایا کیا وہ کتابیں اس قابل تھیں کہ ان سے مخلوقِ خدا نجات حاصل کر لیتی۔ سب سے پہلے یہ بات بتایئے قرآن میں کون سا ایسا نقص تھا جو ناقابل نجات قرار پاتے۔ اور جب ناقابل نجات ہوئی تو قرآن خدا کا کلام ہوتے اور حضرت محمدؐ صاحب کے رسول اللہ ہونے کے لئے کیا دلائل اور ثبوت اہل اسلام کے پاس ہیں جو نبی اور رسول کے واسطے ضروری ہیں کہ اس کی خبر پہلے نبی کی کتابوں میں پائی جائے۔ جس سے اس کی نبوت کی تصدیق ہو۔ اگر آپ ہم کو محمد صاحب کا اللہ کا نبی اور رسول اللہ ہونا اور قرآن کا کلام اللہ ہونا ثابت کرینگے تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ یہ کہکر پادری رولنس صاحب بیٹھ گئے۔

مولانا صاحب کھڑے ہوئے اور جواب دیا کہ جو اعتراض رولنس صاحب نے قرآن مجید پر کیا ہے وہی اعتراض بلاد انجیل پر بھی ہو سکتا ہے کہ خدا نے جو توریت بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی وہ نجات دلانے کے قابل تھی یا ناقابل۔ اگر قابل تھی تو زبور انجیل نازل ہونے اور خلق اللہ کی ہدایت کیلئے انکی کوئی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اور یہ کتابیں محض بیکار ٹھہرتی ہیں اور اگر توریت ناقابل نجات قرار دی جاتی ہے تو خدا کی خدائی اور اس کی بزرگی و تقدس و جلیل شان میں بٹہ لگتا ہے۔ جس کو کوئی خدا پرست قبول نہیں کریگا۔

یہ تو الزامی جواب تھا۔ اصل جواب یہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا نے قرآن شریف نازل فرمانے سے پہلے توریت اور پھر زبور و انجیل کو حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤد، حضرت عیسیٰ پر نازل فرمایا تھا۔ یہ وہی مجموعہ ہے جو اب کتاب مقدس کہلاتا ہے اور جسے تمہارے مناظر پادری پیٹرک صاحب لئے بیٹھے تھے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ہرگز ہرگز یہ وہ مجموعہ نہیں ہے اس میں بہت سے صحیفے خارج کئے گئے ہیں۔ اس کا ثبوت مسیحی مذہب کے محققین کی تحریروں اور تقریروں سے ملتا ہے۔ اور یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کثیر غیر مشہور اور غیر الہامی رسالے اس میں داخل کئے گئے ہیں۔ چنانچہ پادری بیڈلے اپنے رسالہ مرآۃ الصدق (جس کو کیتھولک مشنری کے پیشوا نے اردو میں چھپوایا ہے۔ میں صفحہ ۱۶۹ پر لکھا ہے۔

"ہم کیتھولک ظاہر کرتے ہیں کہ کتاب مقدس میں ایمان کا کافی قاعدہ ہے اور اس لئے انسان کو خدا کی بادشاہت میں پہنچا نہیں سکتی اور کتاب مقدس ایمان کا کافی قاعدہ نہیں۔ عقل سلیم یہ آسانی بتا دیگی۔ کیونکہ اگر انسان اپنی سمجھ کے مطابق کتاب مقدس پر منحصر رکھتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ چھ چیزوں کی تحقیق کرے۔

(۱) یہ ضرور معلوم کرے کہ جو کتاب وہ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے وہ اصل اور صحیح کتاب مقدس ہے یا نہیں۔

(۲) یہ کتب مقدس الہامی اور خدا کا فرمان ہے یا نہیں۔

(۳) یہ کہ اس کے پاس سالم کتاب ہے کہ نہیں۔

(۴) کسی نے کتاب مقدس میں غلطیاں نہ کی ہوں۔

پادری بیڈلے کی مذکورہ عبارت پیش کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا کہ میں پروٹسٹنٹوں کو دکھا سکتا ہوں کہ کتاب مقدس میں بہت سے حصے کم ہیں۔ اگر تمہیں میری بات پر شک ہو تو اپنی کتاب مقدس میں حسب ذیل صحیفوں اور متنوں کو دیکھو۔ جن کا ذکر تمہاری اس کتاب مقدس میں ہی ہے۔ پڑھو گنتی کی کتاب ۲۱۔ باب ۱۴۔ آیت۔ اس سبب خداوند کے جنگ نامہ میں لکھا ہے کہ وہ صوفہ میں حبیب پر قابض ہوا۔ تمہاری کتاب مقدس میں جنگ نامہ کی کتاب کہاں ہے۔ یشوع ۱۰ باب ۱۳۔ آیت کو دکھا کر مولانا نے فرمایا یہ کہ ایاشیر کتاب کہاں ہے۔ جس کا ذکر اس کتاب میں ہے

سموئیل کا باب ۱۰۔ ۲۵ آیت میں لکھا ہے۔

"سموئیل کی بادشاہت کا طور و قاعدہ ایک کتاب میں لکھ کے اپنے خداوند کے حضور یہ بھی کتاب رکھیے۔

کھوئی گئی موجودہ کتاب مقدس میں نظر نہیں آتی۔

پہلی سلاطین ۴ باب ۳۲ آیت دیکھو اس میں لکھا ہے۔

سلیمان نے تین ہزار تمثیلیں کہیں اور اس کے گیت ایک ہزار پانچ تھے۔

یہ تمثیلیں اور مزامیر کدھر گئے۔ ان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔

پہلی تواریخ یا اخبار الایام یا کرانیکل ۲۹ باب ۲۹ آیت میں لکھا ہے داؤد کے بادشاہ اعمال اول سے آخر دیکھو۔ وہ سب سموئیل غیب بین کی تواریخ میں اور ناتن نبی کی تواریخ میں۔ اور جاد غیب بین کی تواریخ میں۔

بتائیے یہ تینوں کتابیں کہاں ہیں۔

۲ اخبار الایام ۹ باب ، آیت ۔ ۲۹۔

کیا یہ ناقص ۔ ۔ ۔ ۔ پیغمبر کی کتاب اور سلونٹ اخیار کی (سیلانی) پیشن گوئی اور عیدو غیب بین کی بشارتوں کے خوابوں میں نہیں لکھا ہے۔ یہ کتابیں بھی گم ہو گئیں۔

دوسرا وقائع ۱۲۔ باب ۱۵۔ آیت میں لکھا ہے۔

یہ شیعہ (سمعیاہ) پیغمبر کی کتاب اور غیدو غیب بین کی کتاب میں متضمن مشابہتوں کے مندرج نہیں ہے۔ یہ بھی مفقود ہیں۔

دوسری تواریخ ۱۳۔ باب ۲۲۔ آیت۔

پرابیاہ کا باقی احوال اور اسکے کام عیدو نبی کی تفسیر کی کتاب میں لکھتے ہیں۔

دوسری کرانیکل ۲۰ باب ۳۴ آیت۔

اور یہوسفات کا باقی احوال اول آخر جو ہے "وہ یاہو بن حنانی" کی تواریخ میں جو اسرائیل کی کتاب میں شامل کی گئیں لکھا ہے۔

بتائیے یہ کتاب کہاں ہے۔

تواریخ ۳۳۔ باب ۱۹ آیت۔

اس کی دعا بھی اور اس کا قبول ہونا بھی اور اس کی خطائیں اور اس کی بے ایمانی اور وہ مقام جن پر اس نے اونچے مکان بنوائے اور یسرتیں اور مورتیں کہیں اس سے پہلے کہ وہ تائب و خاکسار ہوا یہ سب باتیں ہوسی کی تاریخ میں لکھی ہیں۔ دکھاؤ ہوسی کی تاریخ کہاں ہے۔

قلسیوں ۴۔ باب ۱۶۔ آیت۔

جب یہ خط تم میں پڑھا گیا ہو تو ایسا کرو کہ لودیقیا کے کلیسیا میں بھی پڑھا جائے اور اس خط کو جو لاودقیا کا ہے پڑھو" اس خط کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ہے۔ اگر موجودہ کتاب مقدس مکمل ہوتی تو اس خط کو اس میں ہونا چاہیے تھا۔

ولی کشٹن تراقی کی بابت لکھا ہے کہ یہودیوں نے توریت میں سے بہت سے حصے غائب کر دیے تاکہ انجیل مقدس ان کے مطابق معلوم نہ ہو۔ مولانا صاحب نے فرمایا۔ غور کیجئے کہ جب کتاب مقدس کی یہ حیثیت خود آپ کے محققین کی تحریروں سے ثابت ہوتی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کے نازل ہونے کی ضرورت آپ نے محسوس کی یا نہیں۔ ایسی ناقص کتابیں قابل تقلید اور قابل نجات ہو سکتی ہیں۔

اس کے بعد دوسرا پہلو لیجئے۔ جہاں بہت سی کتابیں خارج کی گئیں ہیں۔ وہاں بہت سی غیر معتبر کتابیں بھی بائیبل میں داخل کی گئی ہیں۔ کتاب حق التحقیق جس کا اردو ترجمہ پادری ڈیوس پرنسپل فرانیر کالج نے کیا ہے۔ اس کے صفحہ ۵۲ پر کتاب مقدس کی پرانی جلدوں کا ذکر کیا ہے B کی علامت دیکر لکھتے ہیں :۔

"ایک پرانا نسخہ ویٹیکانس روم میں ہے۔ اس میں عہد عتیق اور عہد جدید کا یونانی ترجمہ شامل ہے اور مسیح کے چار سو برس بعد نفیس چمڑے پر لکھی گئی تھی۔ اس میں عبرانیوں کے خط میں لکھے آخری تین باب پچھلے ہوئے ہیں اور طمطاؤس اور ٹیٹس اور فلیمن کے خط نہیں پائے جاتے۔ مکاشفات کی کتاب بھی اس میں نہیں ہے۔"

ایسے پرانے نسخوں میں چار کتابوں کا نام و نشان نہیں ہے تو اُن کے بعد میں داخل ہونے کے بارے میں کیسے شک نہیں ہوگا۔ فرقہ والن ڈی ٹینس اور فلیمن کے خط نہیں پائے جاتے کلاً رد کر دیا ہے اور اس کے الہامی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ خط بنام عبرانیاں کی نسبت علماء مسیحیہ کے مختلف خیال ہیں۔ بعض جیسا محقق اُنکی عدم قبولیت کا مقر ہے۔ پطرس مین کے دوسرے خط کے بارے میں بھی شک ہے۔ مکاشفات کی کتاب سے ٹیوالی سیس نے انکار کیا ہے۔ یہی خط نہیں بلکہ یعقوب کے خط، یہودا کے خط، پطرس اور یوحنا کے دوسرے تیسرے خط کو مشکوک ٹھہرایا ہے۔ یہ بھی وجہ قرآن کے نزول کے لئے کچھ کم ہے

کیا ہم ایسی ناقص کتابوں کے غلام بن کر نجات دارین حاصل کر سکتے ہیں۔

اس کے بعد پادری پیٹرک صاحب نے کھڑے ہو کر انگریزی الفاظ میں بہت دیر تک بائیبل کی تعریف کی کہ یہ اتنی زبانوں میں ترجمہ ہوئی اور عیسائی مذہب تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ کہکر وہ بیٹھ گئے۔ تو مولانا صاحب نے ان کی تقریر کا جواب دیگر سابقہ اعتراضات کا جواب دینا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا جو کتابیں بائیبل میں بیان کی گئی ہیں ان کے مصنفین تک کا پتہ نہیں ہے۔ جو مصنفین اُن سے منسوب کئے گئے ہیں۔ وہ اُن کے مصنف نہیں ہیں

دیکھو گنتی ۱۲ - باب ۳ -

وہ مرد مومن سارے لوگوں سے جو روئے زمین پر تھے۔ زیادہ حلیم تھا۔

یہ آیت چیخ چیخ کر پکار رہی ہے کہ میں موسیٰ کا کلام نہیں ہے۔ کوئی متکبر بھی اپنی ایسی تعریف نہیں کریگا۔

چہ جائیکہ جناب حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

یسوع کی کتاب کے مصنف کی بھی یہی کیفیت ہے۔ اس کے زمانہ اور نہ اُس کے مصنف کا پتہ ہے۔ کتاب قاضیان کے مصنف بعض سیموئیل علیہ السلام کو ٹھہرا کر پہلے ایوب کا کسی نا معلوم الاسم شخص کو مولف قرار دیتے ہیں روت کی کتاب کے بارے میں علماء مسیحیہ خیالی پلاؤ پکا رہے ہیں اور یقین نہیں بلکہ خیال سے سیموئیل کو مصنف بتاتے ہیں۔ متی کے مصنف کا بھی یہی حال ہے۔ بعض فضلاء اور کملاء مسیحیہ کا یہ خیال ہے کہ،

علاوہ ان انجیلوں کے کوئی علیحدہ اصل انجیل تھی اور انجیل لکھنے والوں نے اُسے پڑھ لیا تھا۔ اور اُن کی بعض باتیں اپنی انجیلوں میں درج کی تھیں لے (بائیبل مطبوعہ لندن کے حاشیہ پر، لندن سوسائٹی ۱۸۶۶ء)

اس کے علاوہ مولانا صاحب نے بہت سی آیتوں کے انجیل میں نہ ہونے کے حوالے دئے اور روفس کو کا

کرتے ہوئے فرمایا:-

"اب بھی آپ کو معلوم ہوا کہ قرآن شریف کے نازل ہونے کی کتنی اہم ضرورت تھی - نبوت اور رسالت کے ثبوت میں کتاب استثنار ۱۸ باب آیت پڑھی - اس صاف دلیل سے حضور اقدس کی پیش گوئی ثابت کی - مناظرہ تقریباً ۶ گھنٹے تک وقفہ لینے کی صورت میں جاری رہا - پادری صاحب کو تسلیم کرنا پڑا کہ
"ہم جناب مولوی صاحب کی اس دریافت پر آفریں نہیں بلکہ صد آفریں کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب میں ایسی تحقیق اور دسترس پہنچائی ہے - ہماری بڑی خوش نصیبی ہے کہ ایسا ماہر اور جامع شخص ہمارے غازی پور تشریف لایا - ہم میں اتنا علم اور اتنی لیاقت نہیں کہ جناب مولوی صاحب سے مقابلہ کرسکیں اور آپکی ہر بات کا جواب دے سکیں -

عمادالدین کا مولانا باری سے مناظرہ کرنے سے فرار

پادریوں کی مناظرہ کے بارے میں یہ پالیسی ہوگئی تھی کہ جہاں تک ہوسکے مسلمانوں کے مناظرہ سے بچا جائے - جہاں پھنس جاتے تھے اور کسی ذمہ دار کا اثر علاقہ یا معزز مسلمان شخصیت کا اثر پڑجاتا تھا تو جبراً قہراً یہ مصیبت برداشت کرتے تھے - کسی سیدھے سادے اور نئے عالم یا مناظر کو دیکھتے تو صاف انکار کردیتے تھے - بعض پادری اپنی سخت طبیعت اور شرارت بھرے مزاج کی وجہ سے موقع و محل دیکھ کر وعدہ تو کرلیتے تھے - لیکن چند مہمل اور غیر مہذب طریقوں سے بعد میں چھٹکارا حاصل کرلیتے تھے - ان پادریوں میں پادری عمادالدین پہلا درجہ رکھتے ہیں - چنانچہ اس نے آگرہ کی مخالف فضا دیکھ کر پادری دین صاحب سینٹ جونس کالج آگرہ کو آگرہ میں مناظرہ کرنے کے لئے بلوایا - جس کی غرض یہ تھی کہ مولانا رحمت اللہ کے مناظرے کے اثر اور علماء کے رعب و دبدبے کو ختم کیا جائے - مناظرے کے لئے مولانا عبدالباری سے گفتگو کا سلسلہ چلا - کوئی تاریخ مقرر نہ ہوسکی تو تحریری بات چیت ہوئی - مولانا عبدالباری صاحب نے یکم مئی ۱۸۷۶ء مطابق ۶ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ کو پادری دین کو لکھا - جس میں ان کو وعدہ یاد دلایا کہ آپ نے پادری عمادالدین کے ساتھ مناظرہ کرنے کے بندوبست کا ذکر کیا تھا - اب کیا ارادہ ہے ؟

یہ خط پادری دین نے پادری عمادالدین کو دے دیا - پادری عمادالدین نے مولانا کو جواب دیا کہ دوستانہ اور محققانہ باتیں کرنا مناسب ہے - مخالفانہ علمی طاقت کے لئے بحث کرنا شیطانی کام ہے - اس لئے آپ میرے گھر پر یا میں آپکے گھر پر آجاؤں گا - وقت اور تاریخ سے مطلع کیجئے -

مولانا صاحب نے اس کی صورت یہ پیش کی کہ چونکہ بعض ذی علم اور رؤسا شہر اس بحث میں شامل ہونے کا اشتیاق رکھتے ہیں اس لئے کہیں اور نہ سہی سینٹ جونس کالج میں یا کسی گرجا گھر کے قریب مباحثہ کرلیا جائے - باہمی گفتگو لایعنی سی بات ہے - مناظرہ ذی علم اور معزز حضرات کی موجودگی میں بے حد مفید ثابت ہوگا -

اس خط کا جواب پادری صاحب اپنی مشہور قلم سے مخصوص انداز میں فرماتے ہیں:

"آپ کو مباحثہ کا بہت اشتیاق ہے۔ بہت جوش میں معلوم ہوتے ہیں۔ ہم ہر ایک سے مباحثہ کے دنگل نہیں لگاتے۔ میں ولایتی پادری نہیں ہوں۔ آگرہ کے گاؤں میں کھیلا ہوں۔ سب سمجھتا ہوں۔ پہلے میری چند باتوں کا جواب دیجئے۔

(۱) میں آپ سے واقف نہیں ہوں اور نہ یہ جانتا ہوں کہ آپ عوام میں سے ہیں یا خواص میں سے۔ خواص سے میرا معرکہ ہوتا ہے۔ عوام سے صرف اظہار حق کے لئے تیار ہوں۔

(۲) رؤسا کی خواہش ہے تو میرے پاس پہلے وہ ایک تحریر بھیج دیں کہ میاں عبد الباری ہمارے منتخب عالم ہیں ہم عیسائیوں کے مقابلہ کے لئے انھیں بھیجتے ہیں۔ اس کے بعد میں دیکھوں گا کہ اس پر کس کس کے دستخط ہیں

اس کے جواب میں مولنا نے لکھا کہ:-

"میں تیلی تمولی نہیں ہوں جو میرا حال آپ کو معلوم ہوسکے۔ لکھنؤ، رام پور، مراد آباد، بدایوں، جون پور اور میرٹھ وغیرہ کے علماء فضلا اور عمائد سے میرا حال آپ پر ظاہر ہوگا۔ اگر اس پر بھی اطمینان نہ ہو تو پال صاحب ماسٹر رامچندر، پادری ہاسکن جو ضلع بدایوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جہاں کا میں باشندہ ہوں اور جو میرے شاگرد ہیں۔ اُن سے دریافت کیجئے۔ پادری دین صاحب کو، انھوں نے جو چٹھی لکھی ہے۔ وہ دیکھئے اگر آپ کے زعم میں وہ بھی لغو ہیں تو آپ کے اطمینان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ میرے شاگردوں کو آپ سبق دیں اور اُن کے اعتراضات و شکوک کو رفع کردیں تو آپکو قابل سمجھونگا۔ اور مناظرہ نہیں کروں گا۔

۳ رمئی ۱۸۷۶ء

اس خط کا چار دن تک جواب نہیں آیا۔ تو مولنا صاحب نے پادری دین صاحب کو تمام خط وکتابت کی تفصیل لکھی اور تحریر کیا کہ کیا اس ٹال مٹول سے آپ بھی متفق ہیں اور ہم یقین کرلیں کہ پادری لوگ اپنے عقائد کے اظہار کرنے سے عاجز ہیں اس لئے مناظرہ کے میدان سے بھاگے ہیں۔

۶ رمئی ۱۸۷۶ء

اس خط کا جواب پادری عماد الدین کی جانب سے یہ دیا گیا کہ:-

"ہمیں مباحثہ کرنے کی فرصت نہیں ہے اور نہ ارادہ ہے اور ہم سے کوئی نہیں سمجھتے۔ ہم دوسرے کاموں میں مصروف ہیں۔ دوستانہ ملاقات کے لئے تیار ہیں"

اس خط وکتابت سے صاف ظاہر ہے کہ ابتدا میں جب علماء نے پادریوں کو قابل توجہ نہیں سمجھا اور سکوت اختیار کیا تو اس وقت پادریوں نے بہت بڑھ چڑھ کر مناظروں کے چیلنج کئے اور جب علماء نے اس طرف توجہ دینی شروع کی اور پادریوں کی قابلیتوں کو آشکارا کیا تو پادری مباحثوں کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ پادری دین صاحب کا یہ خیال ہے کہ جو مناظرہ آگرہ میں مولوی رحمت اللہ صاحب سے ہوا ہے اس کی بدنامی دور کی جائے اور مناظرہ کرکے علماء اسلام کو شکست دی جائے۔ اس کام کے لئے پادری عماد الدین کو جو مولانا رحمت اللہ کے مناظرہ کے علاوہ امرتسر دہلی کے

کے مناظروں کو دیکھ چکا تھا۔ اور امرتسر کے مناظرہ میں یہ کہنے پر مجبور ہوا تھا :۔

"میری تقریر و گفتگو پر کوئی صاحب یہاں اعتراض و کلام نہ کریں۔ جس کو سننا ہے وہ رہے ورنہ چل دے۔"

وہ خوب جانتا تھا کہ اب مناظروں کے دن نہیں رہے۔ اس لئے پادری دین کو تمام حقیقت سے آگاہ کیا کہ مناظرے اب نقصان دہ ہیں۔ چنانچہ پادری دین صاحب جنہوں نے پادری عمادالدین کو بلایا تھا وہ بھی مولانا عبدالباری کو یہ لکھنے پر مجبور ہوگئے کہ مناظرہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے[۱]

مولنا قاسم اور پادری نولس کا مناظرہ

پادری نولس صاحب حلقہ شاہجہاں پور کے پادری اور منشی پیارے کبیر سکنہ موضع چاندا پور نے مل کر ۱۸۷۶ء میں ایک "میلہ خدا شناسی" چاندا پور میں جو شہر شاہجہاں پور سے پانچ چھ کوس کے فاصلہ پر لب دریا واقع ہے، مقرر کیا۔ میلہ کی تاریخ ۷ مئی مقرر ہوئی۔ اس میلہ کا مقصد اشتہار میں شائع کیا گیا۔ جس کا مضمون یہ تھا :۔

"میلہ کے نام سے آپکو میلہ کی غرض و غایت معلوم ہوگئی۔ مگر مزید وضاحت کے لئے عرض ہے کہ اصل غرض تحقیق مذہبی ہے اور اشتہار کا منشا یہ ہے کہ میلہ میں ہر مذہب کے آدمی آئیں اور اپنے دلائل سنائیں۔ قواعد کی تفصیل آئندہ طے ہوگی۔"

اس اشتہار کے شائع کرنے کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی کے بعد مولوی محمد منیر صاحب مدرس مدرسہ سرکار، بریلی مولوی الٰہی بخش عرف مولوی سنگین بریلوی کی طرف سے جو ردِ نصاریٰ میں شب و روز مصروف رہتے تھے، نے مولانا محمد قاسم صاحب کو اطلاع دی کہ آپ کا آنا انتہائی ضروری ہے اور ساتھ میں مولوی ابوالمنصور کو لائیں۔ پادریوں کو اپنے مذہب اور یسوع مسیح کے نام پر بڑا اعتقاد ہے۔ خاص طور پر ان عیسائیوں کے پادری نولس صاحب کو جو بڑے لسان و طرار اور حاضر جواب ہیں یہ دعوے کہ دینِ عیسوی کے مقابلہ پر دینِ اسلام کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس اطلاع کے بعد ۵ مئی کو بعد نمازِ عشاء مولوی فخرالحسن گنگوہی و مولوی محمود حسن دیوبندی، مولوی رحیم الدین بجنوری، مولوی ابوالمنصور صاحب دہلوی مولوی سید احمد علی صاحب دہلوی و میر حیدر علی صاحب دہلوی کے ہمراہ مولانا محمد قاسم صاحب شنبہ کو بعد نمازِ عصر شاہجہاں پور پہنچے۔

صبح ہوئی۔ مولانا نماز پڑھ کر چاندا پور پہنچے۔ وہاں منشی پیارے رئیس چاندا پور نے میلہ کے کھانے پینے اور خیمہ وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ خیمہ لگے ہوئے تھے۔

مولوی محمد طاہر صاحب عرف موتی میاں رئیس و آنریری مجسٹریٹ شاہجہاں پور جو مولوی مدن صاحب کی اولاد میں جن کا شمار مشاہیر علماء ہند میں ہوتا ہے۔ وہ مہتمم میلہ اور میر مجلس سرکار کی طرف سے مقرر ہوئے۔ بڑے خیمہ میں مجلس

---

[۱] رسالہ بدم الاغوی ملقب بہ فتح المبین علی امدادالدین ص ۱۶۴، مصنفہ مولانا عبدالباری۔

شکل یہ تھی کہ درمیان میں ایک میز رکھی گئی اور اس کے دونوں جانب کرسیاں وغیرہ بچھ گئیں۔ ایک طرف پادری صاحب اور مقابل میں علمائے کرام بیٹھ گئے۔ صفوں کے درمیان میز کے سامنے میر مجلس موتی میاں صاحب قلمدان و کاغذ لے کر بیٹھ گئے۔ پہلے قواعدِ مناظرہ طے کئے۔ مختصر سے سوال و جواب کے بعد بعض دیگر امور طے ہوئے۔ جن کو میر مجلس نے قلم بند کیا۔ جو شرائطِ مناظرہ طے ہوئے وہ یہ تھے

(۱) ہر ایک فریق اپنا وعظ اپنے مذہب کی حقانیت و صداقت کھڑے ہو کر بیان کرے۔ اس کے بعد فریق ثانی اس پر اعتراض کرے۔

(۲) مدتِ مناظرہ پہلے سے ۲ روز مقرر تھی۔ لیکن مناظرہ شروع ہونے سے قبل کچھ گھنٹہ قبل مولانا محمد قاسم اور پادری نے منشی پیارے لال کی منظوری سے تین روز کا مناظرہ طے کر لیا تھا

(۳) مدت وعظ ۱۵ منٹ اور سوال و جواب کے ۱۰ منٹ قرار پائے اور جب تک کہ ایک شخص اپنی تقریر پوری کر کے بیٹھ نہ جائے۔ تب تک دوسرا شخص تردید میں کچھ نہ بولے اور اعتراض نہ کرے۔

فریق مناظرہ تین قرار پائے۔ مسلمان، ہندو، عیسائی۔ لیکن مناظرہ دراصل مسلمانوں اور عیسائیوں میں ہی ہوا۔

مختصراً پہلے منشی پیارے لال صاحب کبیر پنتھی جو مجلس کے بانی تھے۔ کھڑے ہوئے اور ایک تحریر پڑھی۔ جس کا خلاصہ یہ تھا:۔

میاں کبیر نے کنول کے پھول میں جنم لیا اور ان کے پنتھ میں جاگتے سوتے برابر سانس چلتا رہتا ہے۔ شاید یہ مقصد ہوگا کہ ہر دم ذکر جاری رہتا ہے۔ اس تقریر پر کچھ چون و چرا ہوئی۔ اس کے بعد پادری نولس کھڑے ہوئے۔ جو یوروپین تھے۔ انھوں نے اپنے مذہب کی حقیقت اور انجیل مصادق ہونے پر ایک طویل تقریر کی تھی۔ جس کا ماحصل یہ تھا۔

"خدا ایک، اس کا دین بھی ایک ہونا چاہیئے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دین سب تک پہنچایا جائے اور اس کے قوانین و احکامات کا علم سب کو کرایا جائے۔ کیونکہ سلطانی احکام تمام قلمرو کے لئے ہوتے ہیں اس لئے اشتہار ہر گلی کوچہ میں لگائے جاتے ہیں اور منادی ہر ایک کو سنائی جاتی ہے۔ مگر یہاں دیکھتے ہیں تو سوائے انجیل و کتب مقدسہ کے کسی کتاب کی اشاعت دیکھنے میں نہیں آتی کہ سب تک پہنچے انجیل کا دو سو ڈھائی سو زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے مذہب میں مسلمانوں کی طرح بزورِ شمشیر شامل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ پیار محبت سے، لطف سے نرمی سے اپنی طرف کھینچتے ہیں"

اس کے بعد پادری صاحب بیٹھے ہی تھے کہ ایک ساٹھا پاٹھا ساٹھ برس کی عمر کا ظریف و خوش طبع مولوی اشفا نام نعمان خان ابن نعمان قندھاری تھا۔ سرکارِ لکھنؤ میں وکیل سرکار تھے۔ تقریر غضب کی چٹخارے دار دلچسپ ارشاد ہوا۔

در دینِ محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے — نہ آئے آتشِ دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
معاذ اللہ فرزندِ خدا کہتے ہو عیسیٰ کو! — تو داوا کون ہے ان کا بتلائے جس کا جی چاہے

آپ نے فرمایا کہ یہ تبلیغ و اشاعتِ دینِ محمدی اور قرآن مجید کی حقانیت و سچائی کا فیض ہے کہ پادری ہنری نارمن صاحب جن کی جوشِ بیانی و علمی فضیلت کی دھوم تھی۔ بتوفیقِ یزدانی مسلمان ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو کر امریکہ میں بجائے انجیل کے قرآن مجید و فرقانِ حمید کی منادی کر رہے ہیں۔

جو انجیل بقول نبیل اعلام سے نیست و نابود ہو گئی اور گم شدگی کی حالت میں اس کے بارے میں ہے اور نیست و نابود ہو چکی ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ اس کے ترجمے ہیں۔ البتہ یہ معجزہ قرآن پاک کا ہے کہ آج تک مکمل طور سے محفوظ ہے۔

کسی کتاب کی اشاعت ترجموں کی کثرت سے نہیں مانی جا سکتی۔ بلکہ اس کے پیروکاروں کی تعداد سے اس کی اشاعت و مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ مسلمانانِ عالم ہیں تمام قوموں کے مقابلہ میں ہر سو پھیلے ہوئے ہیں۔ دوسری قومیں اتنی نہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سے قرآن مجید کی اشاعت کا اندازہ لگا لینا چاہیئے۔

مولانا نے فقرہ بھی پورا نہیں کیا تھا کہ پادری صاحب بوکھلا اٹھے۔

پادری:- ہنری نارمن مسلمان ہو گئے تو کیا ہوا۔ تمام انگلستان عیسائی ہے۔ جو شخص انجیل کے ناپید ہونے کا قائل ہے۔ وہ ملحد و بے دین ہے۔ اس کو تو ہمارے نزدیک ملحد و بے دین ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی صاحب نے دریافت کیا۔ آپ اس واقعہ کو تسلیم نہیں کرتے۔

پادری نے کہا۔ نہیں۔

اس کے بعد ابو المنصور صاحب اٹھے اور فرمایا۔ کہ کتاب آسمانی اور دین آسمانی کے لئے یہ ضروری ہے کہ عالم عالم میں شائع ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول غلط ہو گا کہ میں فقط بنی اسرائیل کے گم شدہ بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔

پادری صاحب نے جواب دیا:-

"ہاں یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاص بنی اسرائیل ہی کے لئے آئے تھے۔ مگر جہاں خاص ہوتا ہے۔ وہاں عام بھی ہوتا ہے۔ اور ہاتھ کی لکڑی کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ دیکھو یہ لکڑی ہے اور لاٹھی بھی ہے لکڑی عام اور لاٹھی خاص۔ بولنے والے کے ساتھ دوسرے پادری صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ بولے یہ بات تو شرح تہذیب میں بھی لکھی ہے۔

پادری صاحب کے جواب پر مولانا قاسم نانوتوی نے فرمایا کہ آپ کی تہذیب دانی تو آپ کو کوئی دم میں معلوم ہوئی باقی ہے۔ اہل فہم کو دعوے اور دلیل کے مقابلہ سے ہی یہ بات تو واضح ہو گئی ہو گی کہ پادری صاحب جواب نہ دے سکے۔

مولوی احمد علی صاحب نگینوی وکیل عدالت شاہجہانپور واعظ رد نصاریٰ کے بعد مولانا ابوالمنصور کھڑے ہوئے اور فرمایا۔

اگر انجیل کے آسمانی ہونے کی دلیل ترجموں کی کثرت ہے۔ تو یوں کہنا چاہیے کہ اٹھارھویں صدی سے قبل انجیل کتاب آسمانی نہ تھی۔ اٹھارھویں صدی میں یہ عزت و شرف انجیل کو حاصل ہوا۔ کیونکہ اٹھارھویں صدی میں ترجموں کی کثرت ہوئی۔ اگر انجیل شروع سے ہی آسمانی ہے تو ہر کتاب کے بارے میں یہی تصور ہونا چاہیے۔

اس کے جواب میں پادری صاحب بولے۔

ہاں ترجموں کی کثرت تو اٹھارھویں صدی میں ہی ہوئی ہے۔ پھر اٹھارھویں صدی سے پیشتر بھی کسی قدر ترجمے تھے۔

مرزا موحد جالندھری کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ ختم ہوا۔ اس کے بعد وعظ کا وقت آگیا ہے۔ پہلے مسلمانوں کو وقت دیا گیا۔ مسلمانوں کی جانب سے مولانا قاسم نانوتوی مقرر ہوئے۔ آپ نے حضرت عیسیٰ کی الوہیت کی حقیقت اور شفاعت محمدی کا فلسفہ بیان کرنے کے بعد فرمایا۔

حضرت عیسیٰ کا کفارہ ہو جانا ممکن نہیں۔ یعنی یہ بات جو عیسائیوں کے اعتقادات میں ہوئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کی طرف سے ملعون بنا ہے نعوذ باللہ اور تین دن تک ان کے بدلے جہنم میں رہے۔ یہ گر قرین عقل نہیں ہے۔ کیونکہ محبوب وجہ محبت اور عدو میں عداوت کا سبب چاہیے۔ محبوب میں باعث رحمت اور ملعون میں موجب لعنت ضرور ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حسن تو کسی میں نظر آئے اور محبوب کسی کو پائے۔ اطا تو کسی میں نظر آئے اور کسی رحمت کسی کے دامن آئے۔ اور ناخوشی کی باتیں تو کوئی اور کرے اور لعنت اس پر ہو۔ یعنی ناخوش اس سے ہو جائیں جو ہر طرح مطیع ہو۔

پندرہ منٹ کے بعد مولانا کی تقریر ختم ہوئی۔ اس کے بعد پادری مولوی داد خاں نامی نے تقریر شروع کی۔

کہ مسلمانوں کے نبی نے جیسے دعوے کیا۔ بھنگیوں کا لال گرو بھی ایسا ہی کہتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا ہے کہ میرے بعد جو آئیں گے۔ چور اور بٹ مار ہونگے۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی ہادی نہیں آئے گا۔

مولانا ابوالمنصور نے اس کے جواب میں فرمایا۔

واہ پادری صاحب خوب رہی۔ ساری عمر انجیل پڑھی۔ پھر بھی یہ خبر نہیں کہ انجیل میں کیا ہے۔ انجیل میں نہیں کہ جو میرے بعد آئیں گے۔ چور اور بٹ مار ہونگے۔ بلکہ انجیل میں یوں ہے کہ جو مجھ سے پیشتر آئے وہ چور اور بٹ مار تھے۔"

پادری اپنے قول پر مصر ہوا تو مولانا ابوالمنصور نے انجیل منگوائی۔ انجیل آنے لگی تو پادری نوٹس صاحب

بجائے سے غلطی ہوئی۔ مولوی صاحب صحیح فرماتے ہیں۔ مگر جس لفظ کا یہ ترجمہ ہے۔ وہ بہ منزلہ مضارع دو معنی کے لئے آتا ہے۔ قبل اور بعد دونوں اس کے معنی ہوتے ہیں۔

مولانا ابو المنصور نے فرمایا کہ اگر دو معنے بھی ہوں تو ہم کو دیکھنا پڑے گا کہ سیاق و سباق سے کیا معنی سمجھنے چاہئیں۔ سیاق و سباق سے صاف ظاہر ہے کہ قبل مراد ہے۔

اس بے وقوفی کے بعد میں پادری مولوی داد خاں خاموش ہو گئے۔ پادری صاحب بھی نہیں بولے۔ دونوں طرح ان کی مصیبت تھی۔ ایک صورت میں پہلے انبیا کی نبوت سے انکار، اور دوسری صورت میں حواریوں کی رسالت سے انکار۔

جلسہ صبح ۹ بجے شروع ہو کر دو بجے ختم ہوا۔

دن بھر تمام میلے میں ہندو مسلمانوں نے پادریوں کی تقریروں اور فقروں کا مذاق اُڑایا۔ مجمع نے یہی نتیجہ نکالا کہ مسلمان غالب رہے۔ چنانچہ اس چرچے سے دوسرے دن کا اشتیاق لوگوں کو بڑھ گیا۔

۸ مئی دوشنبہ ۱۸۷۶ء کو تو صبح ہی سے خیمہ لگ گیا تھا۔ کرسیوں کی ضرورت ہوئی مزید ڈھائی سو کرسیوں کا بندوبست کیا گیا۔ لیکن پھر بھی بہت سے لوگ خیمے کے گوشوں اور کرسیوں کی قطاروں میں کھڑے اور بیٹھے ہوئے تھے۔ خیموں کی قناتیں علیحدہ کرائی گئیں۔ تو جگہ وسیع ہو گئی۔ اور بہت سے لوگ اس میں کھڑے ہو گئے۔ لیکن پھر بھی باہر کثرت سے آدمی کھڑے رہے۔ شوق مناظرہ میں نہ دھوپ کی تپش کا خیال نہ لو کا گمان۔ غرض مگن۔ مجلس کی کارروائی شروع ہوئی۔

پادری نولس نے باہمی معاہدہ کے مطابق بیان کیا کہ آج ہر فریق کی طرف سے گفتگو کے لئے پانچ پانچ آدمی منتخب ہوئے ہیں۔ کل کی طرح عام اجازت تقریر کی نہیں۔ کل چونکہ باہمی بے لطفی پیدا ہو گئی۔ اس لئے آج احتیاطاً یہ صورت اختیار کی گئی۔

مسلمانوں کی طرف سے مولانا ابو المنصور، مولوی سید احمد علی اور مرزا موحد۔ یہ تین بحیثیت ماہر فن مناظرہ رد نصاریٰ لئے گئے۔ اور علماء میں سے دو۔ مولوی سید احمد حسن صاحب امروہوی، دوسرے حضرت علامہ مولانا قاسم ؒ۔

ہندوؤں میں یہ خواہش کی گئی کہ ہمارے یہاں فرقے زیادہ ہیں۔ اس لئے ہر فرقہ کے پانچ پانچ نمائندے لینے چاہئیں۔ چنانچہ اس خواہش کو پورا کیا گیا اور ان کے ہر ایک فرقہ کے پانچ پانچ آدمی لئے گئے۔

قاضی میر جواد علی صاحب شاہجہانپوری جو کبھی بڑے رئیس تھے۔ غدر میں گرفتار ہو گئے تھے۔ علمی اور فن مناظرہ میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ انھوں نے بولنے کی کوشش کی۔ لیکن حسب فیصلہ پادری تیار نہ ہوا۔ اس کے بعد مولانا ابو القاسم نے فرمایا۔ نبوت کے لئے نہ معجزات کی ضرورت ہے۔ نہ اعمال صالحہ کی بلکہ منجملہ بناء نبوت اخلاق حمیدہ کے دلائل پر ہے جب ہم نے غور سے دیکھا تو اخلاق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔ آپ کے

اخلاق کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے جو مخالفین کے نزدیک ایک عمدہ تہذیب عالم کے لئے سامان اور الحاد وفتنہ وشرک کے رفع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ جو بے لشکرِ جرار ممکن نہیں ہے۔ لیکن یہ لشکر جرار جس نے روم وشام عراق وایران؟ مصر ویمن کو زیر وزبر کیا۔ آپ کو کیوں کر میسر آیا۔ بظاہر دنیاوی لشکر کے لئے سامان فراہم کرنے کے دو ہی ذریعہ ہیں مال ودولت یا حکومت کے ظلم وجبر، جو آپ میں دونوں نہیں تھے۔ آپ کہیں کے بادشاہ نہ تھے۔ بادشہ زادے نہ تھے۔ تاجر نہ تھے۔ جاگیر دار نہ تھے۔ تعلقہ دار نہ تھے۔ جو یہ کہا جاتا کہ لشکر وفوج تنخواہ پر رکھی اور یہ کارنمایاں کر دکھایا ظالم نہ تھے۔ جابر نہ تھے۔ جو یہ الزام لگایا جاتا کہ ہر گھر سے دو دو آدمی بلا بھیجے۔ یہ معجزہ کیا بجز اخلاق کے اور کیا چیز تھی۔ جس نے یہ تسخیر کی اور برابر کے بھائیوں کو ایسا مسخر کر دیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرائیں۔ پھر یہ بھی نہیں کہ ایک دو روز کا ولولہ تھا جو ہو چکتا۔ عمر بھر یہی کیفیت رہی۔ آپ ہی کے پیچھے گھر سے بے گھر ہوگئے۔ زن وفرزند کو چھوڑا۔ گھر بار سب پر خاک ڈالی۔ مونس واقربا سے لڑے۔ ان کو مار بھگایا۔ اُن کے ہاتھوں سے مارے گئے۔

یہ آپ کے اخلاق اور آپ کی محبت نہ تھی اور کیا تھا۔ غرض ملک عرب جیسے بے پیروں اور خودسروں کو ایسا مطیع میں لیا کہ کسی سے آج تک ایسی تسخیر نہ ہو سکی۔ ایسے اخلاق کوئی بیان تو کرے تو سہی کہ حضرت آدم میں تھے، حضرت نوح میں تھے یا حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ میں تھے یا کسی اور میں تھے۔ انصاف کریں۔ کوئی صاحب بتلائیں تو سہی۔ اس قسم کے اخلاق کا مالک کوئی شخص ہوا ہے۔

یہ تقریر ہو رہی تھی اور لوگوں پر ایک کیفیت طاری تھی۔ ہر شخص ہمہ تن گوش بنا ہوا تھا اور مولانا قاسم صاحب کی جانب تک رہا تھا۔ کسی کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ کوئی مجسم حیرت بنا ہوا تھا۔ پادری بھی بے حس وحرکت بیٹھے ہوئے تھے۔ آخر مولانا کا وقت ختم ہوا۔

پادری نولس صاحب کھڑے ہوئے، فرمایا۔

۔ واقعی مسلمانوں میں توحید بہت عمدہ ہے۔ کاش اس کے ساتھ تثلیث کے بھی وہ معتقد ہوتے۔ اس کے بعد عہد عتیق کی کتاب کا حوالہ دیکر کہا۔

اس سے بھی تثلیث ثابت ہوتی ہے۔ ہم ایک کا ہندسہ لکھتے ہیں اور اس میں طول بھی ہوتا ہے۔ عرض بھی ہوتا ہے۔ عمق بھی ہوتا ہے۔ وہ ہندسہ ایک ہے۔ لیکن بغیر ان باتوں کے موجود نہیں ہو سکتا۔ آدمی کی روح ایک ہے۔ مگر اس میں خواہش بھی ہے۔ قوت خیالیہ بھی ہے (ایک اور چیز بتائی)۔ دیکھو روح بھی ہے گویا انسان ان تین باتوں کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ دیکھو درخت ایک ہے۔ اس میں جڑ بھی ہے۔ شاخیں بھی ہیں پتے بھی ہیں۔ بغیر ان تین چیزوں کے درخت نہیں ہو سکتا۔ اس تقریر کے ساتھ کچھ عرصہ تقدیر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مولانا قاسم کا نمبر آگیا۔

مولانا قاسم نے جواب میں تثلیث کی حقیقت بیان کی۔ اور پادری صاحب کی دلیلوں کی ان الفاظ میں تردید کی۔

پادری صاحب کا دعویٰ اور کچھ ہے اور دلیل کچھ اور۔ دعوے تو یہ کرتے ہیں کہ جیسا ہمارا خدا واحدِ حقیقی ہے۔ ایسے ہی باوجود وحدتِ حقیقی کے کثیر بھی حقیقی ہے۔ یعنی حقیقت میں تین بھی ہیں۔ جو اس اجتماع وحدۃ حقیقی اور کثرت حقیقت کے لئے پادری صاحب نے دلیلیں بیان کی۔ تو وہ جس سے کثرتِ حقیقی اور وحدت اعتباری کا اجتماع ثابت ہوتا ہے نہ اصل مطلب کا اثبات۔ پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان کی ہیں۔ سب اسی قسم کی ہیں۔

اگر یہی اتحاد وحدت ہے تو ایسا اتحاد و وحدت تو اور اعداد میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی ہی کیا خصوصیت ہے کہ تثلیث کا تو اعتقاد ہے اور تربیع تخمیس وغیرہ سے انکار، پادری صاحب نے جتنی مثالیں بیان فرمائیں انھیں پر غور کیجئے تو تین سے زیادہ معلوم مجتمع ہیں۔ ایک کا ہندسہ اگر لکھتے ہیں تو سوائے طول وعرض و عمق کے اس میں سیاہی اور سیاہی کی چمک۔ اور خوبصورتی وغیرہ بھی پائی جاتی ہے۔ ایک جان میں کتنی صفات اور احوال ہوتے ہیں۔ ایک پادری صاحب میں کس قدر اخلاق حمیدہ ہیں اور ایک خدائے تعالیٰ میں کتنی صفات ہیں۔ ایک درخت میں ہزاروں پتے اور ہزاروں پھل اور پھر ہر شاخ و برگ و پھل میں کس قدر رنگیں اور رنگتیں ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس یہ ایک خیمہ ہے۔ اس میں کتنی چوبیں ہیں۔ کتنے آدمی ہیں۔ ایک ہندسہ میں یہ سب کچھ ہے۔ پھر ایک روح انسانی میں سب کچھ ہے۔ پھر ایک کی ایک ذات خداوندی میں غیر متناہی صفات ہیں۔ پھر ایک کا ایک ہی اجتماع کثرتِ حقیقی اور وحدتِ حقیقی ہے۔ تو پادری صاحب نے تثلیث پر کیوں قناعت فرمائی۔ تربیع تخمیس بلکہ تسدیس، تسبیع وتثمین بلکہ تاسیع کا اعتقاد بھی پادری صاحب کو کرنا چاہئے۔

مولانا کی تقریر کے بعد ہندوؤں کی جانب سے چند پنڈت بولے۔ اور اس اعلان کے ساتھ کہ کل مجلس نہیں ہوگی۔ جلسہ ختم ہوا۔

دہلی کا تاریخی مناظرہ } جس موضوع تحریف انجیل پر ۱۰ اپریل ۱۸۵۴ء کو آگرے میں مولانا شرف الحق صاحب کے ساتھ اور محترم معظم مولانا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ میں لاجواب کیا۔ اسی موضوع پر آپ نے ۲۳ دسمبر ۱۸۹۱ء میں دہلی کی فتحپوری مسجد کے اندر لارڈ بشپ جے۔ اے۔ لیفرائے مشن کالج دہلی سے مناظرہ کیا۔

دہلی اور دہلی کے اضلاع میں، اس مناظرے نے ایک ہلچل مچادی تھی۔ جس کی خاص وجہ یہ تھی کہ پادری اور آپ میں یہ طے پایا تھا کہ جو شخص مناظرہ میں ہار جائے گا وہ مجمع عام میں اپنی شکست کا اعتراف تحریری کریگا۔ اور شکست نامہ لکھ کر دیگا۔ نیز ہارنے والا مقابل کے مذہب کو اختیار کریگا۔

اس مناظرہ میں آگرہ، علی گڑھ، میرٹھ، دیوبند اور سہارنپور کے معززین و مشاہیر اور علماء کرام مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خانصاحب، مولانا عبدالحق محدث دہلوی، مفسر تفسیر

...قتانی، ڈپٹی سید ہادی حسن، سید سلطان مرزا مجسٹریٹ وغیرہ نے شرکت کی۔ عیسائی حضرات بھی اس اطلاع ...ے آئے تھے۔

تین دن مناظرہ ہوا۔ ان ایام میں مناظرہ کے دنوں میں مجمع بیس پچیس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بحث چھ سات ...گھنٹے پہلے دن جاری رہی لیکن ناتمام رہی۔ دوسرے دن پھر ہوئی۔ پہلے روز کی عالمانہ و فاضلانہ بحث نے شہر میں ادراک ...لگا دی تھی۔ دوسرے روز مناظرے میں قریب قریب تمام شہر اُمنڈ آیا۔ مناظرہ شروع ہوا۔ ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ ...یصلہ ہوگیا اور مولانا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مدمقابل لیفرائے کو شکست فاش دی۔ اس جم غفیر میں اُس ...نے اپنے مذہب کو نہ بدلا۔ لیکن تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوئی ہے۔ تحریر کی حسب ذیل عبارت ...تھی:-

"میں اقرار کرتا ہوں لوقا کی انجیل شریف کے ترجمے اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں، رطبکیوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی وہ آیتیں ان میں نہیں ہیں۔ لہٰذا وہی اصلی انجیل کی باتیں بھی مانتا ہوں۔ چند مستشرقین شعراء کے قول اصل انجیل شریف میں ملے ہوئے ہیں۔

دستخط، پی۔ اے۔ لیفرائے (انگریزی)

یہی وہ تاریخی اور معرکتہ الآرا مناظرے ہیں۔ جن کے بے پناہ اثرات نے پادریوں کی ہمتوں کو توڑ دیا۔ جس کی بناء پر مسلسل ناکامیوں کے بعد پادریوں نے مناظرے کرنے سے گریز کیا۔ چنانچہ مناظروں کا سلسلہ بند ہوا۔ اور پادریوں کی تبلیغی وبا ختم ہوئی۔ سنہ ۱۳۰۰ھ کے بعد پادری بالکل ٹھنڈے پڑ گئے۔ گرجے کم ہونے لگے۔ مشنری بھی نظر نہیں آتے تھے۔ بلکہ انگریز مسلمان بننا شروع ہوگئے تھے۔

مشنریوں کی ناکامی

چنانچہ مشنریوں کا حامی عیسائیت کا شیدائی اور دلدادہ گارسان دتاسی اپنے آخری خطبہ میں یورپین کے مسلمان ہونے پر کیسے تعجب کا اظہار کر رہا ہے اور اپنی جھینپ کو مٹا رہا ہے:-

"یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ ہندو لوگ زمرہ اسلام میں شامل ہو رہے ہیں۔ لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بعض عیسائی نہ معلوم کیوں اسلام قبول کر رہے ہیں۔ اردو کے اخبار "چشمۂ علم" میں ان یورپینوں کے اسلام قبول کرنے کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ یہ لوگ مدراس کی ایک مسجد میں جمع ہوئے اور مسلمان ہوگئے اور نماز میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوئے۔

ایک سوئزرلینڈ کے باشندے نے کمال کیا نہ صرف یہ کہ اس نے اسلام قبول کیا۔ بلکہ اب مشرقی لباس زیب تن کئے ہوئے بندیلکھنڈ میں تبلیغ کرتا پھر رہا ہے۔ مجمعوں میں تقریریں کر رہا ہے اور قرآن مجید کے مطالب اردو میں بیان کر رہا ہے۔" (گارسان دتاسی ص۸۱)

خاص طور پر یہی تثلیث کا دیوانہ گارسان دتاسی علمائے کرام کی جدو جہد کو صاف الفاظ میں تسلیم کرتا ہے اور ان کی قابلیت و لیاقت کا سکہ مانتا ہے اور اپنے خطبہ ۷ر دسمبر ۱۸۶۳ء میں ص۲۰ میں لکھتا ہے :۔

"ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے۔ جنھوں نے دین مسیحی قبول کیا ہو۔"

یہ عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا سلسلہ صرف مدراس یا حیدر آباد میں نہ تھا۔ بلکہ ہر جگہ ردِ نصاریٰ کرنے والے علماء نے عیسائیوں کو اپنے دلائل و براہین کے زور پر اسلام قبول کرایا۔ مولانا ابوالمنصور نے سب سے زیادہ تر میں عیسائیوں کو مسلمان کیا [1] مولانا عبدالحلیم لکھنوی مرحوم نے بہت سی انگریز میموں کو مسلمان کیا [2] مولانا شرف الحق مرحوم نے بھی بہت سے عیسائی مسلمان بنائے اور ان عیسائیوں کو جو بڑے بڑے پادریوں کی صحبت میں عرصۂ دراز سے رہتے تھے۔ ان کو عیسائیوں سے نفرت پیدا کرائی [3] عیسائیوں کا مسلمان بننا روزانہ مسلمان کے اخبارات میں شائع ہوتا تھا اور خاص طور سے منشور محمدی [4] دیکھئے۔ اس میں کافی لسٹ ایسے یورپینوں کی ملے گی جو بخوشی مسلمان ہوئے تھے۔

---

[1] مین الیقین ص۳۵ [2] خوارق مولانا عبدالحلیم ص۷، [3] مناظرہ حیدر آباد دکن [4] منشور محمدی ۱۸۷۶ء

سکول، یتیم خانے، انجمنیں اور اخبارات و رسائل

کالجوں اور یتیم خانوں اور اخبار کی پالیسیوں کے دو دور رہے ہیں۔ پہلا دور انگریز کی (آغاز) ابتدار کا ہے۔ جب وہ
ہندوستان پر چھا جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ہندوستانی خوف و ہراس اور پریشانی و مصائب کا شکار تھے حکمران
تھے کہ کل ہندوستان کو عیسائی بنا لیا جائے۔
طبقہ اور عام سرکاری ملازم اس زعم میں
دوسرا دور وہ ہے جب کچھ ہندوستانیوں میں اس بات کا احساس جاگ اٹھا تھا کہ وہ کس ذلت میں مبتلا کئے
جا رہے ہیں۔ اب وہ اپنی سمجھ بوجھ سے کچھ کر سکتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے حکومت کے رعب و دبدبہ، طاقت و قوت
کی پرواہ نہیں کی اور اپنے آپ کو ان کے قبضہ و اقتدار کے ہاتھوں میں دینے سے انکار کر دیا اور اپنے مفاد کو مقدم
سمجھا۔ چاپلوسی کے مقابلہ میں خودداری کو ترجیح دی۔ اپنے پر اعتماد کیا۔

چنانچہ پہلے دور کے مدرسے دہلی کالج اور اینگلو انڈین کالج، جے نرائن کالج بنارس، ہندو
پہلا دور } کالج پونہ، آگرہ کالج، کلکتہ مدرسہ، کلکتہ سنسکرت کالج، علی گڑھ کالج وغیرہ ہیں۔
چنانچہ ان کالجوں کا مقصد کیا تھا۔ انگریزی پرچار کی غرض کیا تھی۔ وہ آپ لارڈ میکالے کے خط میں جو انھوں نے اپنے
والد ماجد کو لکھا تھا۔ ملاحظہ کیجیے۔

"اس تعلیم کا اثر ہندوؤں پر بہت زیادہ ہے۔ کوئی ہندو جو انگریزی داں ہے۔ کبھی اپنے مذہب پر
صداقت کے ساتھ نہیں رہتا۔ بعض لوگ مصلحت کے طور پر ہندو رہتے ہیں۔ مگر بہت سے یا تو موحد
ہو جاتے ہیں۔ یا مذہب عیسوی پر عمل درآمد کر لیتے ہیں۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اگر تعلیم کے متعلق ہماری
تجاویز پر عمل درآمد ہو تو تیس سال بعد بنگال میں ایک بت پرست بھی باقی نہ رہے گا۔"

(تاریخ التعلیم از میجر باسو صفحہ ۱۰۵)

۱۸ مارچ ۱۸۵۳ء کو دارالامراء کے سامنے سر چارلس ٹریویلین آئی سی ایس نے جو شہادت دی ہے
اس سے ہندو کالج کی حقیقت کا پتہ چل جاتا ہے کہ ہندوستانیوں کی تعلیم کے نام پر ہندو کالج عیسائی بنانے کا ایک

مشین تھی۔ ان کے الفاظ یہ تھے۔

"میرا خیال ہے کہ انجیل کی شرح مصنفہ منٹ اور دیگر شرحیں بھی گورنمنٹ کالجوں میں رکھی جاتی ہیں۔ اُن میں انجیل کے حوالے ہیں۔ جس کی وجہ سے طلبا انجیل کو پڑھتے ہیں۔ اُستادوں کو اجازت ہے کہ وہ اپنے طلبہ سے انجیل کے مضامین پر گفتگو کریں۔ بعض مضامین ایسے پڑھائے جاتے ہیں۔ جن میں مذہب عیسوی اختیار کیا گیا ہے اُن کی تعداد ہندو کالج اور دوسرے گورنمنٹ کالجوں سے نکلی ہوئی اتنی ہی ہے۔ جتنی کہ عیسائیوں کے کالجوں سے نکلی ہے۔" (تاریخ تعلیم سید محمود صفحہ ۶۶-۶۷)

آخر علمائے کرام بیدار ہوئے اور ان کی شبانہ روز کی تقریروں اور تحریروں نے اس صورت حال کو بدلا۔

دوسرا دور جس طرح عیسائی مشنری سرمایہ اور حکومت ہند کے زعم اور نشہ پر طوفان اور سیلاب کی طرح چل پڑے تھے۔ اور ہندوستانیوں کو مجموعی طور پر نصرانیت کے پھندے میں پھنسانا چاہتے تھے۔ اسی طرح کچھ عرصہ مشنریوں کی یہ تگ و دو دیکھ کر مسلمانوں میں ردِ نصاریٰ کی ایک منتقمانہ لہر دوڑ گئی۔ وہ بھی کمربستہ ہوئے اور مقابلہ کے لئے نکل گئے۔ ہر صوبے، ہر ضلع اور ہر قصبہ میں ہر پڑھا لکھا مسلمان مناظرہ کرنے کے لئے انجیل پڑھنے لگا۔ اور مولانا رحمت اللہ اور مولانا آل حسن کی تصنیفات کا بڑے شوق و ذوق سے مطالعہ کیا جانے لگا۔ اور بازاروں، گلی کوچوں میں مناظرے ہونے لگے پادری اور عیسائی مشنری گھبرائے۔ ایک مرتبہ کے بعد دوبارہ مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ اس وقت جبکہ علمائے کرام ان کو قائل تو نہیں سمجھے تھے۔ یہ بڑے اکڑ کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کرکے چیلنج کرتے تھے اور رکیک و کمینہ حملے کرکے ہندوستانیوں پر رعب جماتے تھے۔ لیکن جب مقابلہ ہوا۔ تو مناظرہ کو بے کار اور تضیع اوقات قرار دینے لگے اور تبادلۂ خیال کرنے کو بھی گناہ سمجھا جانے لگا۔

چنانچہ مسلمانوں نے بھی مقابلہ کرنے کے لئے وہی طریقہ اختیار کئے جو عیسائی مشنریوں نے اپنائے تھے۔ ہر صوبے ہر ضلع اور ہر قصبہ میں انجمنیں مردانہ اور زنانہ سکول کالج اور یتیم خانے قائم کئے۔ لٹریچر، اخبارات اور رسالے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر گھروں، دوکانوں اور دفتروں میں تقسیم کرائے۔ جابجا لائبریریاں کھولیں اور مبلغین ردِ نصاریٰ شہروں، قصبوں اور بازاروں میں اسلام کی حقانیت اور ابطالِ تثلیث کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ مسلمانوں کو یہ تلقین کی کہ تم بھوکے مر جاؤ۔ مگر اپنا مذہب تبدیل نہ کرو۔ اپنے گھروں میں نصرانی عورتوں کو مت داخل ہونے دو۔ مشنری سکولوں اور کالجوں میں اپنے معصوم بچوں کو مت پڑھاؤ۔ سرمایہ داروں کو غریبوں کی مدد کرنی چاہیئے۔ تاکہ وہ اپنا محبوب مذہب نہ چھوڑیں۔

اس نازک دور میں جب کہ عیسائیوں کو "نصاریٰ" کہنے پر پھانسی دی جاتی تھی۔ ردِ نصاریٰ جیسا خوفناک جرم کرنے کے لئے مختلف جماعتوں نے مدارس، یتیم خانے، انجمنیں اور اخبارات و رسائل جاری کئے۔ یہی جماعتیں اور ادارے تھے جنہوں نے علماء کرام کی ہدایتوں پر عمل کرکے مسلمانوں کو مشنریوں سے مقابلہ کرنے کے لئے بیدار اور آمادہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند یہ دارالعلوم ہندوستان بلکہ دنیائے اسلام میں ایک ممتاز و بے مثل درسگاہ ہے۔ جس کی علمیت و لیاقت اور مذہبیت و خودداری کا سکہ اس کے ہر مخالف

دشمن نے مانا ہے۔ اس کا تعارف کرانا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ وہ چاردانگ عالم میں مشہور ہے اور اس مجاہد کے دل کی آواز ہے۔ جس کا نام نامی قطب الاقطاب حضرت مولانا سید احمد بریلوی ہے۔ اُن کا قدم جب سرزمین دیوبند پر رکھا گیا تو آپ نے خوش ہو کر فرمایا۔ یہ سرزمین دنیا میں سورج کی طرح علم کی روشنی پھیلائے گی۔ اس سرزمین سے علم کی جھلک آتی ہے۔ خدا کے محبوب بندے کی خواہش کیوں نہ پوری ہوتی۔ ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں اس کی بنیاد پڑی۔ جس نے مصر و مدینہ منورہ، فلسطین و روس و ایران و چین کے باشندوں کو علوم سے مستفید فرمایا۔ ہر سمت سے طالبانِ علم کھنچے چلے آتے تھے۔

مدرسے کی ابتدا کی شان نرالی ہے۔ قصبہ کے کنارے پر ایک پرانے وقت کی بنی ہوئی چھتہ کی مسجد میں مختصر سے مکتب کی شکل میں قائم ہوتا ہے۔ قسمت دیکھئے جہاں معلمی کے لئے ملا محمود صاحب پندرہ روپے کے مشاہرہ پر مدرس اوّل مقرر ہوتے ہیں۔ فوراً دنیا میں علم پھیلانے والے اکیس طالب علم اس مکتب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ سال ختم نہیں ہوتا کہ استاد حضرت العلامہ مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس اول اور مولانا سید احمد صاحب دہلوی مدرس دوم اور ملا محمود صاحب مدرس سوم مقرر ہو گئے۔ زمام اہتمام بالآخر شاہ عبدالغنی کے خلیفہ راشد مولانا رفیع الدین صاحب کے دستِ مبارک کو سونپی گئی۔ سرپرستی حضرت الشیخ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے منظور فرمائی۔ پھر کیا تھا۔ بنارس، پنجاب، کابل، بنگال سندھ اور دہلی سے طلباء کا تانتا بندھ گیا۔ امتحان کے زمانہ میں طلباء کی تعداد ۷۸ تھی۔ طلباء کی کثرت ہوئی تو مسجد قاضی کے متصل ایک بڑا مکان کرایہ پر لیا گیا۔ اور ۱۲۹۲ھ میں جہاں اب مدرسہ ہے۔ وہاں بنیاد رکھی گئی۔ اول پتھر جناب مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا اور اس کے بعد حضرت مولانا قاسم صاحب اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا مظہر صاحب نانوتوی نے ایک ایک اینٹ رکھی اور خواجہ حکیم محمد یوسف صاحب رئیس علی گڑھ نے اسی وقت مدرسہ کی تعریف فرمائی اور اس کے قیام و استحکام کی ضرورت ظاہر کی۔ جب تعمیر مدرسہ کی سنگ بنیاد رکھا جا چکا تو سب بزرگوں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت گڑگڑا کر مدرسہ کی کامیابی کے لئے دعا کی اور حضرت مولانا قاسم صاحب نے فرمایا کہ عالم مثال میں اس مدرسہ کی شکل ایک معلق ہانڈی کی ہے یعنی جب تک اس کا مدار توکل اور اعتماد علی اللہ پر رہیگا۔ یہ مدرسہ ترقی کرتا رہیگا۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نے تعمیر مدرسہ کی تاریخ اشرف عمارات نکالی تھی۔

(روئداد مدرسہ ۱۲۹۳ھ)

چنانچہ اس علوم و فنون کے منبع و مخزن نے وہ چشمے جاری کئے۔ جس نے اطراف و اکناف عالم کے تشنگان کتاب اللہ کو سیراب کر دیا۔ اور دنیا کی کوئی نعمت باقی نہیں رہی۔ جہاں اس کا فیض نہ پہنچا ہو۔

اس مدرسہ کا نصیب دیکھئے اس کے اولیں فارغ التحصیل علم دین کے شیدائی شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب ہوئے اور ۱۲۸۴ھ میں کنز الدقائق میبذی، و مختصر معانی کا امتحان دیا۔ ۱۲۸۵ھ میں ہدایہ مشکوٰۃ اور مقامات وغیرہ اور ۱۲۸۶ھ میں کتب صحاح ستہ اور بعض دیگر کتب اپنے فخر زمانہ استاد مولانا قاسم صاحب سے پڑھی اور آخر فارغ ہو کر ۱۲۸۸ھ میں اسی مدرسہ کے معین المدرسہ بنے۔ ۱۲۹۰ھ کو آپ کی دستار بندی ہوئی۔ ۱۲۹۲ھ میں آپ مدرس چہارم مقرر
مولانا محمد یعقوب صاحب ۱۹ ذیقعدہ کی وفات کے بعد مولانا سید احمد صاحب جو خاص طور پر فنون ریاضیہ میں امام وقت تھے

چالیس روپے کے مشاہرہ پر مدرس اول مقرر ہوئے اور ملا محمود صاحب مدرس دوم۔ اس وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ تیس روپے کی تنخواہ پر مدرس سوم مقرر ہوئے اور آپ کی جگہ مولوی عبدالعلی مدرس چہارم بنائے گئے۔ ۲ سال کے بعد ملا محمود کی وفات پر حضرت مولانا مدرس دوم مقرر ہوئے۔ مگر اسباق آپ کو صحاح ستہ اور بڑی کتابوں کے سپرد ہوئے۔ ۱۳۰۵ھ میں مولانا سید احمد صاحب بھوپال تشریف لے گئے تو متفقہ طور پر حضرت شیخ الہند کو صدارت پر بٹھا دیا گیا اور مولوی عبدالعلی صاحب مدرس دوم بنائے گئے۔ تین سال گزرنے کے بعد مولوی عبدالعلی صاحب بھی چلے گئے۔ تو امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے مولانا خلیل صاحب کا انتخاب فرما کر آپ کو بریلی سے بلا لیا۔ اور ۱۳۰۸ھ میں مدرس دوم بنا گئے۔ پہلے آپ کی تنخواہ نہیں تھی۔ ربیع الاول ۱۳۰۹ھ تینتیس ۳۳ اور محرم ۱۳۱۴ھ سے پینتیس ۳۵ روپے کردی گئی۔

اہتمام

ابتداء میں اہتمام کی باگ ڈور حضرت حاجی عابد حسین صاحب مرحوم کے ہاتھ میں رہی اور پھر تھوڑے عرصہ کے بعد مولانا رفیع الدین صاحب کے ہاتھ میں آئی۔ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کی ہجرت مدینہ منورہ کے بعد پھر جناب عابد حسین نے اہتمام کی ذمہ داری اپنے ذمہ لی۔ مگر ان کی قبولیت عامہ اور خلق اللہ سے زیادہ تعلق وخدمت کے جذبہ نے بہت جلد ان کو مجبور کر دیا کہ وہ محض مجلس شوریٰ کے ممبر رہیں اور کار واہتمام کسی دوسرے کے سپرد کردیں۔ چنانچہ منشی فضل حق صاحب مرحوم اور ان کے بعد مولانا محمد منیر صاحب مرحوم تھوڑے ہی عرصہ میں مسندِ اہتمام پر مامور ہوئے۔ لیکن ان کی بیرونی وجاہت وشہرت نہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم کو نمایاں ترقی نہیں ہوئی۔ ۱۳۱۳ھ میں زمانہ کی ضرورتوں اور مدرسہ کی حالت نے حضرت قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سرپرست دارالعلوم کو مجبور کیا کہ وہ خود دیوبند تشریف لائیں اور دارۂ اہتمام کی ذمہ داری کسی مناسب اور لائق ہستی کے سپرد کردیں۔

آخر کار حضرت گنگوہی دیوبند تشریف لائے۔ نواب محمود علی خانصاحب آف چھتاری، مولانا کاندھلوی، حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری اور بہت سے اہل باطن اور اہل ظاہر اس وقت ظاہر ہوئے۔ نشیب وفراز پر غور کیا گیا مختلف مجالس کی گئیں۔ پورے غور وفکر کے بعد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ اور دوسرے اکابر نے یہی بہتر سمجھا کہ جناب حافظ احمد صاحب کے ہاتھ میں اہتمام کی ذمہ داری سونپ دی جائے۔ اس وقت مدرسہ کے مہتمم مولانا طیب صاحب ہیں جو بحسن وخوبی انتظام کر رہے ہیں۔

مجلس شوریٰ

ابتدائی مجلس شوریٰ ان افراد پر مشتمل تھی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی، حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی، مولوی مہتاب علی دیوبندی، شیخ نہال احمد دیوبندی ۱۲۹۰ھ کی مجلس شوریٰ، مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی، منشی فضل حق دیوبندی ۱۲۹۰ھ کی مجلس شوریٰ میں ایک نام کی تبدیلی کے علاوہ وہی نام رہے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ شامل کئے گئے۔ جبکہ مولوی مہتاب علی اس مجلس شوریٰ میں نہیں لئے گئے۔

مدرسہ دیوبند کی شاخیں

دور رس نگاہیں اور مخلص دل تاڑ گئے کہ دیوبند کا مدرسہ مقبول عالم ہوگا۔ اسلئے

انھوں نے اپنی سعادت سمجھی کہ وہ مختلف اضلاع و قصبات میں دیوبند کے مدرسہ کے نقشِ قدم پر مدارس قائم کر کے مدرسہ دیوبند سے اپنے مدرسہ کو منسلک کر دیں۔ چنانچہ حافظ عبد الرزاق صاحب ساکن تھانہ بھون نے اپنی امداد سرپرستی میں تھانہ بھون کے اندر ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔ جس میں مولوی فتح محمد صاحب مدرس فارسی و عربی مقرر تھے۔ حافظ صاحب موصوف نے تھانہ بھون کے مدرسہ عربی کے جملہ اخراجات کفیل بناتے ہوئے پچیس روپے سالانہ مدرسہ عربی کے لیے مقرر فرمائے۔ اور ۱۲۹۰ھ میں تھانہ بھون کے اس مدرسہ کا انتظام و نگرانی حافظ صاحب نے مدرسہ دیوبند کو سپرد فرمائی۔ جس کا انتظام مہتمم دیوبند کے ذمہ کر دیا گیا۔

مدرسہ ترقی پر ترقی کر رہا تھا۔ یوں بالعموم تمام عربی مدارس حکومت کی نظروں میں مشتبہ تھے۔ مگر دیوبند کی طرف حکومت برطانیہ کی کبھی مہربانی کی نظر نہیں رہی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ہمدردوں میں متعدد اصحاب وہ تھے۔ جن کی نسبت حکام وقت کا یہ خیال تھا کہ انھوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں حصہ لیا تھا اور وہ مسلمانوں میں مذہبی جوش قائم کر رہے ہیں۔ مدرسہ کے بانیوں میں سے کئی علماء ایسے تھے۔ جنھوں نے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں تحصیل شاملی ضلع مظفر نگر پر قبضہ کر لیا تھا۔ جسے انگریزوں نے پھر واپس لے لیا تھا۔ اس کے ساتھ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس مدرسے نے نہ کبھی سرکاری امداد لینی پسند کی اور نہ ڈپٹی انسپکٹروں کو اپنے ہاں آنے کا موقع دیا۔ جو انھیں سرکاری امداد لینے اور وفاداری کرنے پر مائل کرتے۔ بلکہ انھوں نے شرعِ محمدی کی تعلیم کو مقدم رکھا۔ جس کو حکام وقت عتاب کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ خاص طور پر مدرسہ دیوبند کے بانی نہ صرف حکومت بلکہ امراء کے تعلقات سے احتراز کرتے تھے۔ بدقسمتی سے مسلمان عہدہ داروں کی ایک جماعت نے جسے انگریزی تعلیم کی اشاعت میں غلو تھا۔ اس کی مخالفت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا۔ تاہم اس کے مخلص اور صاحبِ بصیرت بانی خالص مذہبی علوم خصوصاً حدیث شریف کے تحفظ اور اُن کی تعلیم و اشاعت کرنے میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ اُن درسگاہوں کے سند یافتہ نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان، حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک میں درس و تدریس اور تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ردِ نصاریٰ اور دیگر اوہام باطلہ کے ازالہ میں مصروف رہے۔ خود مدرسہ کے مبلغین ردِ نصاریٰ اور تبلیغ کرنے پر بھی مامور تھے۔ جو ہر صوبہ اور اضلاع میں دورے کرتے تھے۔

مدرسہ کی ابتدائی حالت یہ ہے کہ ۱۹ سال کے بعد ۱۹۳۳ء میں کیا حالت تھی وہ ملاحظہ کیجیے۔ اس وقت صدر مدرس شیخ الہند مولنا محمود الحسن ہیں۔ مدرس دوم مولنا سید انور شاہ صاحب ہیں اور مولوی غلام رسول صاحب مدرس سوم ہیں اور عربی کے اعلیٰ تعلیم کے معلم یہ حضرات ہیں۔ مولنا شبیر صاحب، مولنا اعزاز علی صاحب، مولوی رسول خاں صاحب، حضرت مولنا سید اصغر حسین صاحب اور مولنا محمد ابراہیم صاحب اور مولنا عبد السمیع صاحب۔

ابتدائی تعلیم عربی کے معلم مولوی عبد السمیع (مدرس اول محمد امین صاحب (مدرس دوم) مولوی مینہ حسن صاحب مدرس سوم تھے۔ چنانچہ مولنا انور شاہ صاحب ترمذی، علم شریف متن، مولنا شبیر احمد صاحب (مسلم) پڑھاتے تھے۔ صحاح ستہ میں سے باقی کتابیں نسائی شریف، ابن ماجہ، اور موطا، طحاوی شریف، شمائل ترمذی۔ یہ کتب وسطی ان دونوں مذکورہ اصحابوں میں سے کسی کے ہاں یا مولوی غلام رسول اور مفتی عزیز الرحمن اور مولنا سید اصغر حسین کے یہاں ہوتی تھیں

اسی طرح دورہ ختم ہوتا۔ ابو داؤد، مولانا سید اصغر حسین کو دی گئی۔ اور بقیہ کتابوں میں سے حسب دستور قدیم بعض کتب مولوی شبیر صاحب اور بعض غلام رسول اور مولوی اعزاز علی صاحب وغیرہ دوسرے مدرسین کے سپرد ہوئیں۔

ابتدائی کتب صرف میر نحو میر، پنج گنج، شرح مأتہ عامل منشعب، علم الصیغہ، اقال اقول، مرقات، الفصول اکبری، منیۃ المصلی، نفحۃ الیمن، شرح تہذیب، نور الایضاح، قدوری وغیرہ، مولوی عبدالسمیع، مولوی محمد امین، مولوی نبیہ حسن کے سپرد تھیں۔

مدرسہ کی تعلیم کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ حیثیت وقابلیت کا معلم ہے اور کتنا تجربہ رکھتا ہے۔ اس نے کہاں تعلیم پائی ہے اور کس استاد سے پڑھا ہے۔ تاہم ہم ان مدرسین کی جو مدرسہ میں طلباء کو تعلیم دے رہے ہیں۔ استعداد اور پوزیشن بیان کر دیتے ہیں۔ جس سے آپکو خود اندازہ دارالعلوم کی وسعت وتعلیم سے ہو جائے گا۔

(۱) مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری مدرس دارالعلوم قائمقام صدر مدرس دارالعلوم

مولانا سات سال سے دارالعلوم میں مقیم ہیں اور طلبا کو علوم حدیث کا مستقلاً درس دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر فنون کی ہر قسم کی کتابوں کا وقتاً فوقتاً داخلی وخارجی اوقات میں درس دیتے رہتے ہیں۔ طلباء رات دن میں ہر قسم کے استفادے آپ سے کرتے رہتے ہیں۔ آپ بحمد للہ جامع علوم ہیں۔ ہر فن میں اس درجہ تجربہ حاصل ہے کہ اس فن کا امام کہدیا جائے۔ سیرتاً وصورتاً آپ اپنے سلف کے نمونہ وسچے جانشین ہیں۔

آپ نے اس وقت تک دارالعلوم سے مشاہرہ لینے کو پسند نہیں فرمایا۔ آزادانہ و درویشانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ دارالعلوم کی جانب سے بمشکل اتنا قبول کرتے ہیں۔ جس سے متفرق ضروریات پوری ہو جائیں۔ کبھی غلہ، کبھی روپے، کبھی ۲۰ عدد بقدر حاجت پیش کر دئے جاتے ہیں اور آپ اصرار کے بعد اس کو قبول کرتے ہیں۔ مولانا کا عزم تھا کہ حرمین شریفین کا قیام اختیار فرمائیں۔ اور اسی لئے چھ سال تک دارالعلوم کا قیام غیر مستقل رہا۔ لیکن حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم اور اس ناچیز خادم کے اصرار پر آپ نے یہاں کا ارادہ فرما لیا۔ والحمد للہ علی ذلک۔

(۲) مولانا عزیز الرحمن صاحب دیوبندی مدرس ومفتی دارالعلوم [مولوی ... صاحب]

دارالعلوم کے نہایت قدیم فارغ التحصیل ہیں۔ ۱۲۹۸ھ کی دستار بندی میں آپ کو سند و عمامہ فضیلت حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے دست مبارک سے عطا ہوا ہے۔

یہ وہ وقت ہے کہ حضرت مولانا قاسم العلوم والخیرات کی وفات کو ایک ہی سال گزرا تھا۔ باقی سب حضرات بزرگان مدرسہ موجود تھے۔ مولانا رفیع الدین صاحب قدس سرہ مہتمم دارالعلوم تھے۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب قدس سرہ مدرس اول اور حضرت مولانا سید احمد صاحب دہلوی قدس اللہ سرہ مدرس دوم اور باقی سب ارکان دیانات دارالعلوم موجود تھے۔

مولوی عزیز الرحمٰن صاحب نے بعد فراغت تحصیل علوم ایک زمانہ تک بطور معین المدرسین دارالعلوم میں درس دیا اور حضرت مولٰنا محمد یعقوب صاحب کی نگرانی میں افتاء کا کام بھی کیا۔ اسی زمانہ میں آپ کو داعیہ طریقت پیدا ہوا۔ خاندانِ نقشبندیہ میں حضرت مولٰنا رفیع الدین صاحب خلیفۂ خاص حضرت شاہ عبد الغنی دہلوی قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چند سال کی ریاضات و مجاہدات کے بعد اجازت سلسلہ حاصل ہوگئی۔ چند سال تک میرٹھ کے مدرسہ اسلامیہ واقع اندرکوٹ میں مدرس رہے۔ اور اس زمانہ میں آپ حج کر چکے تھے۔۔ اس سفر میں آپ کو حج کے ساتھ یہ بھی مقصود تھا کہ حضرت شیخ المشائخ جناب حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں قیام فرماہوں۔ چنانچہ تقریباً ڈیڑھ سال آپ کا اس سفر میں صرف ہوا۔ اور حضرت حاجی صاحب نے بھی آپکو مجاز فرمایا۔ شوال ۱۳۰۵ھ میں تشریف لے گئے تھے اور صفر ۱۳۰۷ھ میں واپس تشریف لائے۔ ۱۳۰۹ھ میں آپ میرٹھ سے دیوبند بلائے گئے۔ اور اس وقت سے برابر دارالعلوم کی خدمات میں مصروف ہیں۔ آپ اس وقت مستقلاً مفتی مدرسہ ہیں۔ لیکن حدیث تفسیر و فقہ کے چند سبق بھی آپ کے متعلق رہتے ہیں۔

(۳) مولوی غلام رسول صاحب

ضلع ہزارہ دارالعلوم کے قدیمی تعلیم یافتہ۔ تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع متبحر۔ بالخصوص علوم منطقیہ، فلسفیہ، ریاضیہ میں استادِ کامل، امام فن ہیں۔ آپ اُن علماء اساتذہ میں ہیں جن پر دارالعلوم کو بجا فخر حاصل ہے اور آپ اس وقت ہندوستان کے مشاہیر و بے نظیر علماء میں ہیں۔ ۱۳۰۸ھ سے اس وقت تک آپ برابر مدرس ہیں اور اپنی خدمات نہایت جانفشانی عرق ریزی اور انہماک سے انجام دیتے ہیں۔

(۴) مولوی حکیم محمد حسن صاحب دیوبندی

آپ حضرت مولانا محمود حسن صاحب صدر مدرس دارالعلوم کے برادرِ خورد ہیں۔ دارالعلوم کے قدیم فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ تحصیل علوم کے بعد آپ نے دہلی قیام فرماکر جناب حکیم عبد المجید خانصاحب کے یہاں کتب طب اور ساتھ ہی ساتھ مطب حاصل کرکے سند طب حاصل کی۔

دارالعلوم میں ایک ایسے عالم فاضل کی ضرورت تھی کہ علوم درسیہ کے علاوہ طب کی تعلیم بھی دے سکیں۔ اور حسب ضرورت مدرسہ کے طلبہ کی مداواۃ بھی کریں۔ حضرت مولٰنا رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم نے اس ضرورت کو محسوس فرماکر، حکیم محمد حسن صاحب کا انتخاب فرمایا۔ ۱۳۰۲ھ میں آپ کا تقرر ہوا۔ اور اس وقت سے برابر آپ ہر قسم کی کتب درسی کے درس میں مشغول ہیں اور اس کے ساتھ تعلیم طب و مطب کی خدمت بھی انجام دیتے رہتے ہیں۔

آپ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے اصحاب و خدام خاص میں سے ہیں اور طریقۂ سلف پر علماً و عملاً قائم ہیں۔ دارالعلوم کے وسعت پذیر ہوجانے پر طلبہ کے اجتماع میں بیش از بیش ازدیاد کی وجہ سے کتب طب کی تعلیم کا مشغلہ بھی زیادہ ہوگیا اور مطب و مداواۃ مرضیٰ کا دائرہ بھی وسیع ہوگیا۔ اس لئے چند سال ہوئے کہ آپ کو مستقلاً طبیب مدرسہ

کا عہدہ تفویض کردیا گیا۔ کتب طب کی تعلیم اور مداواۃ طلبہ آپ کا مستقل کام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی علم حدیث و فقہ و تفسیر کی کسی بڑی جماعت کا درس بھی آپ کے متعلق رہتا ہے۔

(۵) مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی } مولوی صاحب موخر طبقہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ماشاء اللہ ان نوجوان اہل علم میں سے ہیں جنکو علوم اکابر کا حامل قرار دیا جائے۔ تمام علوم معقول و منقول میں کامل استعداد رکھتے ہیں۔ تقریر و تحریر میں بے مثل ہیں۔ خصوصاً علم حدیث میں ایسا ملکہ ہے جو معمر اور تجربہ کار مشائخ حدیث کو ہوتا ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ یہ نوجوان اپنے علم و صلاحیت اور ہر قسم کی قابلیت سے دار العلوم کے شاندار امتیازات میں ہونے کے ساتھ اپنے سلف کے سچے خلف ہونگے۔

مولوی صاحب موصوف اُس زمانہ میں بھی جب کہ خود تحصیل علم میں مشغول تھے۔ طلباء کو درس دینے میں اپنا بہت سا وقت صرف کرتے تھے۔ منتہی طلبہ تمام علوم کی کتابیں آپ سے بے تامل پڑھتے تھے۔ ۱۳۲۶ھ میں آپ مدرسہ فتحپوری دہلی کے مدرس اول مقرر ہو کر گئے۔ ۱۳۲۸ھ تک وہاں رہے۔ ممبران مدرسہ کو یہ امر پسند نہ تھا کہ ایسے لائق اور کار آمد شخص کو دار العلوم سے جدا رکھا جائے۔ اس لئے ۱۳۲۸ھ میں دیوبند بلا لئے گئے اور اس وقت سے دار العلوم کی خدمت درس اور ہر قسم کی خدمات نہایت خوبی سے انجام دیتے ہیں۔ مولوی صاحب کے بیانات اور تقریروں کا ملک میں عام اثر ہے۔ اس بناء پر اکثر مشہور جلسوں میں آپ کو باصرار بلاتے ہیں۔ مگر بوجہ خیال نقصان تعلیم سوائے مخصوص مقامات کے اکثر جگہ عذر لکھدیا جاتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم اس نوجوان کے علم اور عمر میں برکت فرمائے۔ آمین

(۶) مولوی اعزاز علی صاحب } مولوی صاحب موصوف طبقہ وسطی و اخروی کے درمیان فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ بعد فراغت تحصیل اچھی جگہ مدرس رہے۔ آخر میں آپ مدرسہ پوربنی ضلع بھاگلپور میں مدرس تھے۔ وہاں سے دیوبند بلائے گئے۔ آپ ایک نوجوان با استعداد صاحب صلاح و تقویٰ عالم ہیں۔ صورتاً و سیرتاً اپنے سلف کی یادگار ہیں۔ علوم میں استعداد تام رکھتے ہیں۔ خصوصاً علم و ادب میں خاص مہارت ہے۔ ابھی آپ نے حماسہ کا تحشیہ کیا ہے۔ جو مطبع قاسمی میں طبع ہو کر ملک میں شائع ہو چکا ہے۔ اور اس کے بعد آپ کنز کا تحشیہ کر رہے ہیں۔ اس سے قبل دیوان متنبی کا تحشیہ کر چکے ہیں۔ جو عنقریب مطبع قاسمی میں طبع ہونے والا ہے۔ آپ دار العلوم کے درجۂ وسطیٰ میں درس دیتے ہیں اور علم و ادب کے اکثر اسباق آپ کے پاس ہوتے ہیں۔ طلبہ کو عربی کی تحریر کی مشق بھی آپ کراتے ہیں۔ خوش تقریر ہیں طلبہ آپ سے نہایت مانوس ہیں۔ آپ کے علم و عمل میں اللہ برکت عطا فرمائے۔

(۷) مولوی محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مولوی صاحب موصوف بھی مولوی شبیر احمد صاحب کے ہمعصر ہیں۔ دار العلوم سے تحصیل علم کرنے کے بعد مدرسہ فتحپوری دہلی میں مدرس رہے۔ وہاں سے مدرسہ عمری ضلع مراد آباد میں مدرس مقرر ہو کر گئے اور ۱۳۳۱ھ میں دیوبند بلا لئے

گئے۔ مولوی صاحب موصوف نوجوان صالح، تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں۔ درجہ متوسطہ کے مدرس ہیں۔ معقول وفلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں۔ فلسفہ منطق وکلام کے انتہائی اسباق صدر شمس بازغہ قاضی احمد اللہ امور عامہ کے علاوہ وہ کتابیں بھی جو داخل نصاب نہیں ہیں۔ مثل شرح مطالع شرح اشارات وغیرہ کے پڑھاتے ہیں اور طلبا کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے۔ نہایت خوش تقریر ہیں۔ غرض یہ ایک نہایت قابلِ قدر اور جلد شہرت و وقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں۔

(۸) مولوی رسول خاں صاحب ہزاروی } مولوی صاحب زمانۂ وسطیٰ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ بعد فراغت تحصیل علوم چند مدارس میں مدرس رہے۔ اب آخر میں چند سال سے میرٹھ صدر بازار کے عربی مدرسہ میں مدرس تھے۔ اور آپکی وجہ سے مدرسہ نہایت ترقی پر تھا۔ اسی سال یعنی ۱۳۳۳ھ میں ان کو یہاں بلایا گیا۔ مولوی صاحب ایک جامع معقول اور تجربہ کار با استعداد صالح ومتدین شخص ہیں۔ سب علوم مستحضر ہیں۔ تقریر نہایت صاف اور طرز بیان موثر و دل آویز ہے۔ طلبہ اُن سے بہت خوش رہتے ہیں۔ غرض دار العلوم کے ممتاز مدرسوں میں سے ہیں۔

(۹) مولوی سید اصغر حسین صاحب دیوبندی } مولوی صاحب دیوبند کے مشہور خاندان کے بزرگ ہیں۔ آپ کا خاندان تقدس وبزرگی میں مسلم وممتاز ہے۔ آپ نے تمام علوم دار العلوم میں حاصل کئے۔ زمانۂ وسطیٰ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد جونپور کی مسجد اٹالہ میں مدرس ہوئے۔ وہاں چند سال رہے۔

جونپور میں آپ کے علم وتقدس کی بہت کچھ وقعت تھی۔ ۱۳۲۵ھ میں جب رسالہ القاسم کے اجراء کا فیصلہ ہوگیا تو مولوی صاحب موصوف کو اس کی علمی خدمات کے لئے دیوبند بلایا گیا۔ چند سال آپ اس کی خدمت کرتے رہے۔ اسی مد سے آپکو تنخواہ ملتی رہی۔ لیکن ساتھ ہی سلسلۂ درس جاری رہا۔ اب ۲-۳ سال سے مولوی صاحب موصوف کو درجہ تعلیم میں منتقل کر لیا گیا ہے۔ مولوی صاحب موصوف کو علوم دینیہ، حدیث و تفسیر فقہ فرائض وغیرہ میں اعلیٰ درجہ کی لیاقت واستعداد حاصل ہے۔ آپ صاحبِ تصنیف بھی ہیں۔ فرائض میں ایک مستقل کتاب آپکی ملک میں شائع ہو چکی ہے۔ دار العلوم کی جانب سے آپ کو دورۂ حدیث کی ایک جماعت اور تفسیر و فقہ کی کوئی اوپر کی کتاب مثل جلالین شریف ودرِ مختار وغیرہ ملتی رہتی ہیں ان کے علاوہ دیگر فنون کے اسباق بھی پڑھاتے ہیں۔ غرض آپ ایک صاحب تقویٰ عالم باعمل اور سلف کے نمونۂ خلف ہیں۔ حق تعالیٰ برکت عطا فرمائے۔

(۱۰) مولوی احمد شیر صاحب } زمانۂ آخر کے فارغ التحصیل ہیں۔ تحصیل علوم سے فراغت کے بعد بنگال کے ایک عربی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے چند سال

(۱۱) مولوی سراج احمد میرٹھیؒ — مولوی صاحب نے دارالعلوم کی شاخ مدرسہ اسلامیہ واقع اندکوٹ میرٹھ میں تحصیل کی۔ مولانا عزیزالرحمٰن صاحب مفتی مدرسہ، جناب مولانا ناظر صاحب حال مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ سے سب علوم حاصل کئے اور بعد فراغت مختلف مدارس عربیہ میں مثل مدرسہ مولوی عبدالرب صاحب دہلی، اولدن ضلع میرٹھ اور بالآخر مدرسہ سردھنہ ضلع میرٹھ میں مدرس رہے۔ حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ کے خاص اصحاب میں سے ہیں۔ دیوبند میں جب جمعیۃ الانصار قائم ہوئی۔ تو آپ اس کے انتظام کے لئے سردھنہ سے دیوبند بلائے گئے۔ اور اس کے بعد رسالہ القاسم والرشید کی علمی خدمات آپ کے سپرد کرکے معتمد المدیر مقرر کر دئے گئے۔ اس کے ساتھ مولوی صاحب موصوف درس کی خدمات بھی انجام دیتے ہیں۔ دو تین گھنٹہ یومیہ درس میں مشغول رہتے ہیں۔ متوسط درجہ کے اسباق آپ کے سپرد کئے جاتے ہیں۔ آپ ایک نہایت صالح دیندار متقی عالم ہیں۔ علوم دینیہ میں پوری مہارت واستعداد حاصل ہے۔

(۱۲) مولوی گل محمد خاں صاحب — آپ زمانۂ وسطیٰ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ فراغتِ تحصیل کے بعد مدرسہ منگلور کے معتقد حضرات جو مولوی صاحب سے زیادہ مانوس تھے۔ دوبارہ ان کو منگلور لے گئے۔ لیکن چونکہ دارالعلوم میں اُن کی ضرورت تھی۔ پھر کچھ زمانہ کے بعد پھر اُن کو بلا لیا گیا۔ اور عرصۂ طویل تک مولوی صاحب نے درجۂ ابتدائی کو سنبھالا۔ بعد ازاں درجۂ ابتدائی کا انتظام منتقل کیا گیا۔ اور اس کے لئے تین مستقل مدرس تجویز کئے گئے۔ تو مولوی صاحب کو انکی نہایت مستعدی اور ہمدردی کی وجہ سے مینغۂ راز انتظامیہ میں منتقل کرکے دارالعلوم کی انتظامی خدمات ان کے متعلق کر دی گئیں۔ لیکن سلسلۂ درس سے بھی آپ علیحدہ نہیں ہوئے۔ علوم فرائض میں آپ کو خاص ملکہ ہے۔ یہ فن ان ہی کے سپرد رہتا ہے۔ فرائض کے مسائل بھی اکثر آپ ہی لکھتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف شب و روز دارالعلوم کی خدمات میں مصروف و منہمک رہتے ہیں

(۱۳) مولوی عبدالسمیع صاحب دیوبندی — مولوی صاحب کا ذکر بھی اوپر کرنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب، مولوی شبیر احمد صاحب مولوی محمد ابراہیم صاحب وغیرہ قدیم مولوی سید اصغر حسین صاحب کے معاصر ہیں۔ مگر آپ درجۂ ابتدائی کے مدرس ہیں اور درجہ ابتدائی کے مدرسین کا تذکرہ آخر میں رکھا گیا۔ اس لئے آپ کے ذکر کو بھی موخر کیا گیا۔ مولوی صاحب تحصیل علم سے فراغت کے بعد فتحگڈھ ضلع فرخ آباد میں کئی سال تک مدرس رہے۔ بعد ازاں مدرسہ اسلامیہ رڑکی میں اس کے بعد مدرسہ فتحپوری دہلی میں جب درجہ ابتدائی کا انتظام مستقل کیا۔ تو مولوی صاحب کو ۱۳۲۸ھ کے آخر میں دیوبند بلایا گیا۔ اور اسی وقت سے اس وقت تک آپ نہایت خوبی سے مفوضہ خدمات کو انجام دے رہے ہیں۔ آپ

طلبا ان کے طرزِ تعلیم سے خوش رہتے ہیں۔

(۱۵) مولوی نبیہ حسن صاحب دیوبندی مولوی صاحب آخری طبقہ کے فارغ التحصیل حضرات میں ہیں۔ فراغتِ علمی کے بعد آپ کسی جگہ نہیں گئے بلکہ
دیوبند ہی میں طلبہ کو بطور معین المدرسین درس دیتے رہے۔ کارکنانِ مدرسہ نے ان کی لیاقت، صلاحیتِ تحصیل کا
اندازہ کرکے مناسب سمجھا کہ اُن کو درجہ ابتدائی کا مدرس سوئم بنا دیا جائے۔ الحمد للہ کہ مولوی صاحب کو جس کام کے
لئے منتخب کیا گیا تھا۔ اُس کے پورے اہل ثابت ہوئے۔ آپ نہایت ہونہار اور جلد ترقی کرنے والے نہایت محنتی و
کش مدرس ہیں۔ طلبہ اُن سے بہت خوش ہیں۔

یہاں تک ہم نے اُن حضرات کا ذکر کیا ہے۔ جو دار العلوم میں بعہدہ مدرسی مقرر ہیں۔ لیکن یہ امر بھی قابلِ
(۱۶) ہے کہ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مدظلہ العالی مہتمم دار العلوم جن کے زمانہ میں ان کی
مساعیٔ جمیلہ و توجہات ظاہری و باطنی سے دار العلوم نے اتنی ترقی کی ہے جو برای العین مشاہد ہے۔ باوجود اس
قدر مشغولی اور انہماک کے کہ شب و روز دار العلوم کی فکر کے سوا اور کوئی فکر ہی نہیں۔ آپ
واقف حضرات خوب جانتے ہیں کہ آپ اپنے ذاتی معاملات کی طرف کچھ بھی توجہ نہیں فرماتے۔ جو کچھ فکر ہے۔ جتنی
مشغولیت ہے، جتنا انہماک ہے وہ مدرسہ کے معاملات ہی میں ہے۔ مگر بایں ہمہ آپ نے خدمتِ درس کو بھی
ترک نہیں کیا۔ آپ طبقہ ثانیہ کے فارغ التحصیل حضرات میں سے ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب اور
آپ کا زمانہ ایک ہی ہے۔ آپ نے اپنے والدِ ماجد حضرت قاسم العلوم والخیرات قدس سرہٗ و صدر دوم
سے بھی چند سبق مختصر معانی وغیرہ کے پڑھے ہیں۔ چند ماہ آپ نے حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہی مدرس اول
مدرسۃ الغربا مراد آباد کے پاس بھی تعلیم حاصل کی ہے۔ آخر میں حضرت قاسم الخیرات کا ارادہ یہ تھا کہ آپ کو خود
تعلیم دیں لیکن اسی سال مولانا کی وفات ہوگئی اور یہ خیالِ مکنون پورا نہ ہوا۔ بعد وفات حضرت قدس سرہٗ آپ نے
دار العلوم ہی میں تمام علوم کی تکمیل کی۔ اور حدیث میں مشکوٰۃ شریف کو تمام کرکے ترمذی شریف بھی دیوبند میں حضرت
مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہٗ کے یہاں شروع کردی۔ مگر سنہ ۱۳۰ھ کے ماہ صفر میں حضرت قطب العالم حضرت
مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ حج سے واپسی کے وقت دیوبند میں تشریف لائے تو آپ نے حضرت
مولانا سے عرض کیا کہ اُن کی خواہش ہے کہ حدیث کی کتابیں گنگوہ رہ کر پوری کریں۔ حضرت نے اس امر کو منظور فرمایا
اور بماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۰ھ آپ گنگوہ حاضر ہوئے اور وہاں ایک سال سے زائد مقیم رہے۔ وہاں
صحاح ستہ بیضاوی شریف جلالین شریف پڑھیں۔ جناب مہتمم صاحب کی بدولت محمد احقر کو بھی یہ شرف حاصل
ہوا کہ حضرت قاسم العلوم والخیرات کے یہاں چند سبق پڑھ کر بلا واسطہ تلامیذ کے سلسلہ میں داخل ہوں اور
گنگوہ بھی آپ ہی کے ہمرکاب حاضر ہوا اور آخر تک آپ کے ساتھ رہ کر کتبِ مذکورہ کی تحصیل کی۔

حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہٗ کے یہاں اس وقت تک دورۂ حدیث کی جماعت اس شان سے قائم نہ ہوئی

بل ازیں جو طلبہ حاضر رہتے تھے - اُن کے اسباقِ حدیث اور دیگر علوم کے متفرق طور پر رہتے ہیں - مثلاً مولٰنا مولوی محمد حسن صاحب مراد آبادی، مولوی حکیم احمد حسن صاحب دیوبندی مدرس و طبیب دارالعلوم مولٰنا حافظ عبدالرحمن صاحب قدس سرہٗ خلیفہ خاص حضرت مولٰنا مولوی الطاف الرحمٰن صاحب مرحوم ہمشیرزادہ حضرت مولٰنا مولوی اللہ رکھا صاحب مرحوم ساکن انبیٹھہ نے اسی طرح آپ کی خدمت میں اکثر علوم حاصل کئے - قبل ازیں حضرت مولٰنا قدس سرہٗ نے علاوہ کتب دینیہ فقہ حدیث و تفسیر کے معقول کی کتابیں بھی پڑھائیں - لیکن اس سال ایک رویا صالحہ دیکھنے کے بعد حضرت قدس سرہٗ کی توجہ صرف تعلیم علم حدیث کی طرف مبذول رہی اور اس کی ابتدا حضرت مولٰنا حافظ محمد احمد صاحب سے ہوئی - ابتداً بماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۰۰ھ ترمذی شریف شروع ہوئی - اس وقت کل سات طلبہ تھے - علاوہ حضرت مہتمم صاحب کے یہ احقر اور حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی، مولوی ممتاز علی صاحب نگینوی، مولوی محمد علی صاحب غزنوی، مولوی کمال الدین صاحب پنجابی، مولوی حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی شریک تھے - لیکن ہر سال جماعت بڑھ کر تیس ۳۰، پینتیس ۳۵ تک نوبت آگئی - اور پھر تو ساٹھ ستر طلبہ کا مجمع ہونے لگا - اس وقت سنہ ۱۳۱۲ھ تک ہر سال دورۂ حدیث بڑی بڑی جماعتوں کا ہوتا رہا - ان بارہ تیرہ سال میں کئی سو تشنگانِ علوم حدیث تمام اقطار و امصار کے سیراب ہو کر گئے - اور ممالک قریبہ و بعیدہ میں علمِ حدیث کا سلسلہ ان کے ذریعے سے قائم ہو گیا - سنہ ۱۳۰۱ھ کے آخر میں مہتمم صاحب اور یہ احقر گنگوہ سے دیوبند حاضر ہوئے - چونکہ حضرت مولٰنا کے یہاں رہ کر حدیث کا حاصل کرنا اسی درجہ میں تھا کہ خود دارالعلوم میں رہ کر حاصل کرتے - اس لئے حضرت مولٰنا رفیع الدین صاحب قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم نے ہم دونوں کو دارالعلوم کے امتحان سالانہ میں شریک کیا -

(ملاحظہ ہو روداد سنہ ۱۳۰۱ھ)

اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب نے بقیہ کتب دارالعلوم میں رہ کر پوری کیں اور بعد ازاں مدرسہ تھانہ بھون ضلع منظفر نگر میں بجائے مولوی انوار احمد صاحب کے مدرس ہو کر تشریف لے گئے - وہاں سے واپس ہو کر سنہ ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم کے مدرس مقرر ہوئے - دس سال یعنی سنہ ۱۳۱۳ھ کے ماہ جمادی الاول تک برابر مدرس رہے اور تمام فنون معقول و منقول کی کتابیں مکرر پڑھائیں - نہایت محنت و جانفشانی سے کام کیا - طلبا آپ کے طرزِ تفہیم سے عموماً خوش رہتے تھے - سنہ ۱۳۱۳ھ میں حضرت مولٰنا گنگوہی قدس سرہٗ نے آپکو دارالعلوم کا مہتمم مقرر فرمایا - لیکن آپ نے زمانۂ اہتمام میں بھی سلسلۂ تعلیم کو چھوڑا نہیں - ایک دو گھنٹہ برابر اس میں مشغول رکھا - اور سوائے اس زمانہ کے کہ آپ کو بضرورت سفر پیش آیا یا خاص ضروریات مدرسہ میں مشغول رہے - برابر یہ سلسلہ جاری رکھا - کبھی دورۂ حدیث کا کوئی سبق مسلم شریف وابو داؤد شریف یا مشکوٰۃ شریف یا فقہ کا کوئی سبق مثل ہدایہ کے یا تفسیر کا سبق مثل جلالین شریف کے متعلق رہا - غرض سلسلۂ تعلیم بھی آپ کے ساتھ وابستہ رہا اور اس وجہ سے علاوہ مہتمم دارالعلوم ہونے کے آپ شمار مدرسین دارالعلوم میں بھی رہا ہے - اور اسی وجہ سے ہم نے آپ کا تذکرہ بھی اس موقع پر کرنا مناسب سمجھا -

معین المدرسین درجۂ عربی } علاوہ حضرات مدرسین مذکور الصدر کے مسائل زیر بحث ہیں حضرات ذیل بطور اعانت درس دینے میں مشغول رہے۔ یہ وہی حضرات ہیں جن کو بعد فراغت تحصیل علوم دارالعلوم میں قیام کی اجازت دی گئی۔ اور کارِ درس ان کے سپرد کردیا گیا۔ ان میں سے اکثر حضرات کی دارالعلوم کی جانب سے بمد اعانت خدمت بھی کی جاتی ہے۔

(۱) مولوی محمد صدیق صاحب نجیب آبادی } چند سال رہ کر دارالعلوم میں درس دیا اور ۱۳۳۳ھ میں ان کو مدرس مقرر کرکے گنگوہ بھیجا گیا اور آج کل خانقاہ رشیدی میں بمقام گنگوہ مدرس ہیں۔

(۲) مولوی محمد ادریس صاحب سکروڈوی } چند سال سے خدمت معین المدرسین انجام دیتے ہیں اور ہنوز دارالعلوم میں یہی خدمت انجام دیتے ہیں۔

(۳) مولوی محمد اسماعیل صاحب ساکن کمرلا ملک بنگال } آپ نے کچھ عرصہ تک دارالعلوم میں رہ کر درس دیا۔ نہایت مستعد و فہمیدہ ہیں۔ اب آپ اپنے ملک میں ہیں۔

(۴) مولوی محمد اسماعیل صاحب بارہ بنکی } آپ بھی کئی سال سے یہ خدمت انجام دیتے ہیں۔ اور اب بھی دارالعلوم میں مقیم ہیں۔

(۵) مولوی خلیل الرحمن صاحب ہزاروی } نہایت لائق، مستعد، خاص علم ہیئت اور ریاضی میں کامل دستگاہ رکھتے ہیں۔ دارالعلوم میں خدمت معینی انجام دیتے ہیں۔ اُن کو مدارس اسلامیہ گلاؤٹھی، راندیر وغیرہ میں معقول تنخواہ پر بلایا گیا۔ مگر دیوبند سے جدا ہونا پسند نہیں کیا۔ دارالعلوم نے بھی ان کو علیحدہ کرنا نہیں چاہا اور ۱۳۳۴ھ میں ان کو جدید مدرسین میں لے لیا گیا۔

یہاں تک ہم نے درجۂ عربی کے مدرسین و معین کا ذکر کیا ہے۔ لیکن دارالعلوم کی تعلیمی حالت کو ظاہر کرنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے درجات کے مدرسین کا تذکرہ بھی کردیا جائے۔

درجۂ قراءۃ و تجوید } دارالعلوم میں زمانۂ دراز تک اس خاص فن اور تعلیم کی مشق کا اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم کو دارالعلوم میں ایسے نہایت ضروری فن کی ترویج و تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ سنہ ۱۳۲۱ھ میں یہ درجہ قائم کیا گیا۔ مولوی حافظ قاری عبدالوحید خاں صاحب تلمیذ خاص جناب حافظ قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی مدرس مدرسہ عالیہ برادر خورد و شاگرد جناب حافظ قاری عبداللہ صاحب مکی مدرس مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً اس درجہ کے مدرس قرار دئے گئے۔ قاری صاحب موصوف اس فن میں نہایت باکمال ہیں۔ آپ جس وقت دارالعلوم میں مدرس درجہ تجوید میں مقرر ہوئے تو کتب درسیہ آپکی ناتمام تھیں۔ دارالعلوم کی جانب سے ۲ گھنٹے آپ کو اس غرض کے لئے دئے گئے کہ درجۂ تجوید کے طلبار کو تعلیم دینے کے ساتھ اپنی تحصیل کو پورا کریں۔ چنانچہ کئی سال میں آپ نے درسی

کتب سے فراغت حاصل کی۔ اور اس وقت سے سارا وقت درجۂ تجوید کی تعلیم میں صرف فرماتے ہیں۔

دارالعلوم میں درجۂ تجوید کے قائم ہونے سے اس فن کا چرچا بہت زیادہ ہوگیا۔ اکثر مدارس اسلامیہ میں یہ درجہ کھل گیا۔ بہت سے مدارس میں دارالعلوم کے تعلیم یافتہ مدرس مقرر ہو گئے۔ یہاں تک کہ علی گڑھ کالج میں بھی یہ درجہ کھل گیا۔ اور وہاں بھی دیوبند کے تعلیم یافتہ حافظ قاری محمد میاں مدرس ہیں۔

مدرسین درجہ فارسی و ریاضی } درجۂ فارسی و ریاضی ابتدائے قیام سے قائم ہے اور اس سے زیادہ تر مقصود قصبہ کے باشندوں کو تعلیم دینا ہے۔ خواہ وہ اسی درجہ کی تعلیم پر قناعت کریں۔ یا اس کے نصاب کو پورا کرکے درجہ عربی میں داخل ہو جائیں۔ اس درجہ کی خواندگی اس انداز پر رکھی گئی ہے کہ فارسی میں پوری استعداد ہونے کے ساتھ ریاضی و ہندسہ کی تعلیم بھی اس حد تک ہو جائے کہ پرائیویٹ طور پر مڈل اُردو کا امتحان دے سکیں۔ چنانچہ بہت سے طلبہ اس درجہ کے امتحان دیکر سند اُردو مڈل حاصل کر چکے ہیں۔

اس درجہ میں دو مدرس ہیں۔ ایک مدرس فارسی، دوسرے مدرس ریاضی۔

(۱) مولوی محمد یٰسین صاحب مدرس اول درجہ فارسی و ریاضی } مولوی صاحب موصوف قدیم تعلیم یافتہ دارالعلوم کا نصاب حاصل کئے ہوئے بااستعداد شخص ہیں۔ فارسی و ریاضی میں مہارت تامہ رکھتے ہیں۔ تقریباً تیس ۳۰ سال سے اس درجہ میں مدرس ہیں

(۲) منشی منظور احمد صاحب مدرس درجہ ریاضی } آپ بھی دارالعلوم کے تعلیم یافتہ، مدرس اول درجہ فارسی کے برادرِ خورد ہیں۔ ریاضی و ہندسہ میں پورے ماہر ہیں۔ طرزِ تعلیم بہت اچھا ہے۔ ۲۵ سال سے اس مدرسہ کے مدرس ہیں۔

درجۂ فارسی و ریاضی میں زائد مدرسین کی ضرورت ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب ایک یا دو مدرس کا تقرر عمل میں آئے گا۔

درجۂ حفظِ قرآن مجید } یہ درجہ بھی دارالعلوم کے ساتھ ساتھ جاری ہوا اور اس عرصہ پچاسی سال میں کئی سو حافظ اس درجہ میں تیار ہوئے۔ اس میں بھی بالفعل دو مدرس ہیں۔

(۱) حافظ نامدار خاں صاحب } حافظ صاحب موصوف بڑے معمر بزرگ اور نہایت عمدہ حافظ ہیں۔ آپ کی تعلیم میں خاص برکت ہے۔ آپ ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں کے رہنے والے ہیں۔ نوعمری میں آپ کا قیام تھانہ بھون میں رہا۔ اور اس زمانہ میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب قدس سرہما کا فیض صحبت حاصل کیا۔

دیوبند کے چند بزرگوں نے اپنی اولاد کی تعلیم کی غرض سے آپکو دیوبند بلایا اور کئی بزرگوں نے آپ سے قرآن مجید حفظ کیا پھر جب دارالعلوم کی بنیاد قائم ہوئی تو آپ اس میں مدرس مقرر ہوئے اور بحمداللہ ابتک ہیں۔ دیوبند کا اکثر حصہ آپ کا یا آپ کے شاگردوں کا شاگرد ہے

(۲) حافظ نور محمد خاں صاحب ساکن گمتھلہ ضلع انبالہ آپ نے رائے پور ضلع سہارنپور کے مدرسہ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ اور ۱۳۲۷ھ میں مدرس دوم دارالعلوم میں مقرر ہوئے۔ آپکا طرز تعلیم نہایت عمدہ ہے۔

واعظین ردِّ نصاریٰ تعلیم کے ساتھ دوسرے شعبوں کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دارالعلوم کی جانب سے اس کے مدرسین و واعظین نے ملک کے دوردراز حصوں میں جاکر اپنے مواعظ سے خلق خدا کو مستفیض کیا اور ردِّ نصاریٰ کر کے دینِ الٰہی کی حقیقت بتاکر ہندوستانیوں کو اپنے دین اور دھرم کے بدلنے سے روکا۔

دارالعلوم کے مناظرین میں حضرت مولنا قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی بھی ہے۔ جنھوں نے ہندوستانیوں کو آزادی کا سبق دیا اور انگریزوں کے ہتھکنڈے سے بچانے کے لئے عیسائیوں سے مناظرے کئے۔ دارالعلوم کے مناظرین میں دو ہستیاں اور بھی مشہور ہیں۔ حضرت العلامہ مولنا اعزاز علی صاحب اور مولنا سراج احمد صاحب دیوبندی ایڈیٹر القاسم والرشید۔ اور یوں تو آج تک ہزاروں علماء جو دیوبند سے نکلے۔ انھوں نے انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ نیز انگریز کے مذہبی جنون کا علاج قلم اور تلوار دونوں طریقوں سے کرنے میں کامیاب ہوئے۔ مولنا اشرف الحق مولنا ثناءاللہ پانی پتی، اور مفتی کفایت اللہ بھی اسی مدرسہ کے کامیاب مناظر ہیں۔ اسی مدرسہ کے اساتذہ کے طفیل مجاوری پادریوں سے معرکے لئے۔ اور اُن کو سرمحفل قائل کیا اور منوایا کہ انجیل میں تحریف ہوئی۔

بچوں کا گھر دارالعلوم میں عرصہ سے یہ طریقہ ہے کہ جو یتیم بچہ آیا اس کی حفاظت ونگرانی کی اور بچوں کو مہتمم مدرسہ یا مدرسین کے انتظام میں دیدیا اور اب تو ہر مقام اور ہندوستانی بچے ہی نہیں بلکہ بیرونِ ہند کے بچے بھی داخل ہونے کے لئے آتے ہیں اور اس کا معقول انتظام ہے۔

رسالے دارالعلوم کے پروپیگنڈہ کرنے اور اس کے کارناموں کو عوام کے سامنے لانے کے لئے دو رسالے جاری ہوئے (۱) القاسم (۲) الرشید ـــــ[1] رسالہ القاسم دیوبند ـــــ[2] رپورٹ دارالعلوم دیوبند ۱۳۴۳ھ)

القاسم اور الرشید، دونوں کے ایڈیٹر مولنا حبیب الرحمٰن صاحب تھے۔ جو قاسمی پریس دیوبند میں چھپتا تھا رسالہ القاسم ۱۳۲۸ھ میں نکلا اور دس بارہ سال تک چلا۔ الرشید ۱۳۳۵ھ میں نکلا اور پانچ چھ سال سے زیادہ نہیں چل سکا۔ القاسم مولنا قاسم کی یادگار تھا۔ جس کے سرپرست حضرت حکیم الامت مولنا اشرف صاحب مرحوم تھے۔ الرشید مولنا رشید احمد گنگوہی کے اصول وخیالات پھیلانے کا مدعی تھا۔ مولنا عبدالرحیم صاحب، حافظ محمد ابراہیم صاحب مہتمم مدرسہ اس کے سرپرست تھے۔

یہ دونوں پرچے علمی، مذہبی، اخلاقی، تاریخی، تنقیدی مضامین شائع کرتے تھے۔ زیادہ تر مولانا اعزاز علی اور مولانا شبیر علی آپ کے مضامین ان میں شائع کئے جاتے تھے۔

مولوی مناظر حسن صاحب اور مولانا سید اصغر علی صاحب رسالہ الرشید کے مدیر کے مددگار تھے۔ منشی انعام الحق اور کالے خان اس دفتر کے محرر اور ملازم تھے۔ (روداد ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۶)

مولانا محمد احمد صاحب ان رسالوں کے مقاصد حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد علمی فیض کی تکمیل ہے۔ کیونکہ وہ طلبا جو علم حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم نہیں آسکتے اور نہ ان کو اس کا موقع ملتا ہے کہ صحیح مسائل یا صحیح معلومات حاصل کرسکیں۔ ان کے لئے اپنے مقامات پر بیٹھے ہوئے یہ رسالے ایک معلم اور عالم کا کام دیتے ہیں۔ ان دونوں رسالوں میں امر کا التزام کیا جاتا ہے کہ کوئی مسئلہ اہل سنت کے مسلک کے خلاف نہ لکھا جائے۔ تاریخی حالات بھی وہی درج کئے جائیں جن سے اسلامی طبقہ کی معلومات میں قابل قدر اضافہ ہونے کے ساتھ اسلام کی حقیقی محبت اور مستحکم رسوخ ہوجائے۔ (روداد ۱۳۳۳ھ)

کُتب خانہ ۱۳۳۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کو جتنی کتابیں اس سال ملی ہیں۔ سابقہ کئی سال کے اندر ایسی قابل مطالعہ اور نادر کتابیں کتب خانہ میں داخل نہیں ہوئیں۔

دیوبند میں وہ لوگ کتابیں زیادہ داخل کرتے ہیں۔ جو خاندان میں فرد واحد ہوں۔ اور ان کی اولاد نہ ہو۔ ایسے لوگ یقیناً سمجھداری اور دانشمندی سے کام لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی وفات کے بعد دیکھا گیا ہے کہ نااہل رشتہ دار اس کو ضائع کردیتے ہیں۔ یا ان کتابوں کو کوڑیوں کے بھاؤ، ردی سے بھی کم قیمت پر فروخت کردیتے ہیں۔ چنانچہ مرزا حیرت کے کتب خانہ کی بھی یہی درگت بنی۔

مدرسہ کی گزشتہ رودادوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عابد حسین صاحب مرحوم رئیس جونپور، مولانا سکندر علی صاحب خالص پوری، کنور لطافت علی خانصاحب رئیس سعد آباد، شاہ احسان اللہ صاحب رئیس غازی پور، مولوی نظام الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر پنشنر رئیس مچھلی شہری اور محمد جمال شاہ صاحب تحصیلدار مرحوم اپنے بیش بہا علمی ذخائر مدرسہ کے کتب خانہ میں داخل کرچکے ہیں۔

۱۳۳۱ھ میں دو حسب ذیل کتابیں کتب خانہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کو حاصل ہوئے تھے۔

(۱) جناب مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری کا کتب خانہ باعتبار جامعیت فنون اور باعتبار کتب نادر قلمی و مطبوعہ درسی وغیرہ کامل و مکمل ہیں۔ یہ مولانا کا خاندانی کتب خانہ ہے۔ لیکن آپ نے اپنے زمانہ میں ہزارہا روپیہ خرچ کرکے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ مصری و غیر مصری کتابیں جہاں سے جس قیمت پر ملیں خرید لیں۔ اس میں بعض قلمی کتابیں ایسی نادر ہیں جو ہزاروں جتن کرنے کے بعد بھی دستیاب نہیں ہیں اور کتب طب کا تو عجیب ہی ذخیرہ اس میں ہے۔ الغرض آپ کا کتب خانہ ہر طرح مکمل تھا۔ مولانا کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولوی حکیم جمیل صاحب نے اس تمام کتب کو دارالعلوم کے کتب خانہ کے حوالے کردیا۔ یہ کتب خانہ جس میں ایک ہزار چھ سو کتابیں اور

اور جلدیں ہیں۔ معہ چھ سو عدد الماریوں کے رمضان المبارک ۱۳۳۰ھ میں پہنچ گیا تھا۔

(۲) مولوی محمد جمال الدین صاحب مقیم بمبئی نے وصیت فرمائی کہ اُن کا عام کتب خانہ جس میں تقریباً تین سو کتابیں ہیں دارالعلوم کو بھیج دی جائیں۔ (روداد دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۰ھ صفحہ ۴۴)

دارالکتب

۱۳۲۲ھ میں نواب یوسف علی خاں نے دارالعلوم میں ایک وسیع مکان کتب خانہ کیلئے تیار کرایا تھا اور اس کے بعد دو کمرے اور بھی تیار ہوئے۔ ایک منشی رحمت اللہ صاحب خورجوی اور دوسرا شیخ ضیار الحق رئیس راجپور کی توجہ سے تعمیر ہوئے۔ لیکن کتب خانہ کی روز افزوں ترقی کی وجہ سے یہ سب مکانات کتب خانہ کے لئے کافی نہیں ہیں۔ دارالکتب کی عمارات کی توسیع کی ضرورت ہے۔
(روداد ۱۳۳۶ھ صفحہ ۲۵)

۱۳۳۲ھ میں مولوی احمد حسن صاحب مرحوم لکھنوی ڈپٹی انسپکٹر مدارس پنشنر عطیہ صاحبزادگان موصوف مولوی محمد اسحاق صاحب و منشی سید صادق حسین صاحب نے پانچ سو کتب منجانب مولوی عطار الحق صاحب مرحوم ساکن کاندھلہ تحصیل باغپت ضلع میرٹھ نے ڈیڑھ سو اور مولوی حافظ ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعت العلوم حیدرآباد دکن نے پچاس جلدیں دارالعلوم کو نذر کیں۔ ڈیڑھ سو کے قریب اور دس دس بیس بیس کتابوں کی شکل میں دارالعلوم کو دی گئیں۔

۱۳۳۲ھ میں بیس ہزار کتب تھیں۔ ۱۹۴۲ء میں پچاس ہزار سے زائد کتابیں کتب خانہ میں موجود تھیں۔ آج جبکہ ۳۳ سال گزر چکے ہیں۔ دیوبند کے کتب خانہ میں کتنی کتابیں ہونگی۔ اس کا اندازہ مشکل ہے۔

ان کتابوں کو کتب خانہ کے اندر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) وہ کتابیں جو طلبہ کو مستعار دی جاتی ہیں۔ وہ اُن کو لے کر پڑھنے کے بعد واپس کر دیتے ہیں۔ ان مستعار لینے والوں کے لئے کوئی شرط نہیں۔ مدرسہ سے جب کسی طالب علم کو کسی کتاب کے پڑھنے کی اجازت مل جاتی ہے تو وہ اس کتاب کو لے سکتا ہے۔ ان کتابوں کی تعداد بھی ہزاروں ہے۔

(۲) وہ مطبوعہ کتابیں جو درسیات کے شرح و حواشی ہیں یا اسکے علاوہ دوسرے سلسلہ کی کتابیں جس سے اساتذہ دارالعلوم وغیرہ بصورت مطالعہ و مراجعت مستفید ہوتے ہیں۔

(۳) قلمی کتابیں بھی جو نہایت قیمتی اور سلف کی یادگار ہیں اُن کو شیشے کی الماریوں میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ قلمی کتابیں شکستہ حالت میں کتب خانہ کے اندر آتی ہیں تو ان کو انکی اہمیت کے اعتبار سے عمدہ جلدوں میں محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس صورت میں سلف کی وہ یادگاریں باقی رہ جاتی ہیں جو بیشتر اوقات پسماندہ کی ناداری یا دیگر وجوہ سے بہت جلد ختم ہونے کی حالت میں ہوتی ہیں تو ان کتابوں کو بجز خاص خاص صورتوں کے کتب خانہ سے باہر نہیں دیا جاتا۔

تعدادِ طلباء

تعدادِ طلباء کی دو سال ۱۳۳۲ھ اور ۱۳۴۴ھ کے نقشوں سے اندازہ لگا لیجئے کہ مدرسہ نے کتنی جلد ترقی کی ہے۔

تعداد طلباء ۱۳۴۳ھ

نام درجہ تعلیم	اہل دیوبند	بیرون جات	میزان
عربی	۲۴	۳۸۵	۴۰۹
فارسی	۵۳	۴۰	۹۳
کلام مجید	۴۵	۸	۵۳
قرائت تجوید	۲	۵	۷
میزان	۱۲۴	۴۳۸	۵۶۲

تعداد طلبا ۱۳۴۴ھ

نام درجۂ تعلیم	اہل دیوبند	بیرون جات	میزان کل
درجہ عربی	۲۲	۵۶۲	۵۸۴
درجہ فارسی و ریاضی	۴۶	۱۵	۹۷
درجہ قرآن شریف	۷۶	۳۴	۱۱۰
فن تجوید و قراۃ	۲	۴	۶
میزان کل	۱۴۶	۶۴۹	۷۹۵

طلباء کے ساتھ سلوک } ۱۳۴۳ھ کے سنہ کو چھوڑ کر صرف سنہ ۱۳۴۴ھ کے سنہ کے سلوک سے اندازہ لگائیے کہ مدرسہ کے ذمہ دار حضرات طلباء کے ساتھ کیسا سلوک کرتے تھے۔

مدرسہ میں آخر سال پر کل (۷۹۵) طلباء ہر قسم کے موجود تھے۔ ان میں سے (۴۱۳) طلبا کو مدرسہ سے کھانا ملتا ہے (۱) طلباء کو اہل شہر کھانا دیتے ہیں (۳۴) کو نقد وظیفہ خوراک کے لئے مدرسہ سے دیا جاتا ہے (۱۴۶) طلباء دیوبند کے ہیں۔ وہ خود اپنے گھروں میں کھاتے پیتے ہیں۔ باقی طلباء اپنے کھانے اور مصارف کا بطور خود انتظام کرتے ہیں۔

تمام خوراک پانے والے طلباء خواہ ان کو اہل شہر سے کھانا ملتا ہو یا مطبخ مدرسہ سے یا نقد وظیفہ ملتا ہو۔ ان سب کو سال بھر میں ۴ جوڑے پارچہ تیار شدہ معہ کلاہ و کمربند اور ایک چادر اور دو جوڑے جفت پاپوش اور موسم سرما میں ایک صدری، ایک لحاف مدرسے سے تیار کر کے دیا جاتا ہے۔ اور ہر ماہ پارچہ کے لئے روغن سر دیا جاتا ہے۔ بیمار طالب علم کا علاج مدرسہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ طلباء کی اکثر ضروریات کا انتظام مدرسہ کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً موسم سرما میں گرم پانی کرانا وغیرہ (روداد ۲ ۱۳۴ھ ص ۳۷، ۳۸)

دار العلوم کی شاخیں

مدارس اسلامیہ کی معقول تعداد جس کا تعلق دار العلوم دیوبند سے ہے۔ نظم و نسق امور انتظامیہ کے سالانہ امتحان حضرات مدرسین دیوبندی لیتے ہیں اور ایسے امتحان ماہ رجب اور بعض اوائل شعبان میں ممتحن صاحب متعلقہ خطوط لکھتے ہیں اور سالانہ امتحان کے دوران میں ممتحنوں کی روانگی کی تاریخیں مقرر کی جاتی ہیں اور ممتحن حضرات اور متعلقہ مدارس کو بھی اطلاع دے دی جاتی ہے۔

ریاست بھوپال سے کتب امتحان کی فہرست آجاتی ہے اور یہاں سے سوالات مرتب کرکے روانہ کردیے جاتے ہیں۔ وہاں سے جوابات آجاتے ہیں۔ حضرات مدرسین دار العلوم دیوبند انکو دیکھ کر نمبر دیتے ہیں۔ بعض مدرسین ایسے بھی ہیں۔ جن کے ذمے سوالات تحریر کرنا، انکو طبع کرانا ہر ایک کتاب کے سوالات کو جدا کیے جاتے ہیں۔

بھاشا اور سنسکرت کی تعلیم

۱۶ر ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۲ھ سے مولنا مولوی ابو رحمت حسن میرٹھی کو پچاس روپے ماہوار تنخواہ اور کھانے پر مامور کیا گیا کہ وہ دار العلوم کے طلباء کو بھاشا کی تعلیم دیں۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے اس سلسلہ تعلیم کو شروع کیا۔ کچھ دنوں کے بعد ہی یکم محرم سنہ ۱۳۴۲ھ سے مولنا غلام محمد صاحب سیتاپوری کو بھاشا کی تعلیم کے لیے رکھا گیا۔ آپ بھاشا کی تعلیم انگریزی مدرسہ سے مڈل تک حاصل کرچکے ہیں۔ آپ مدرسہ دار العلوم کے فارغ التحصیل بھی ہیں۔

اول الذکر افسوس سنہ ۱۳۴۲ھ میں فوت ہوگئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر غلام جو سنسکرت کے ماہر تھے۔ ۲۱ر ذی الحجہ کو انھیں ساٹھ روپے ماہوار پر بھاشا پڑھانے کے لیے رکھا گیا۔ طلباء کی تعداد (۱۰۰) سے زائد ہوگئی تھی۔ مذکورہ حضرات نے پوری توجہ دی۔ جس میں کامیابی حاصل ہوئی۔

اس کے علاوہ ۳ر محرم سنہ ۱۳۴۲ھ کو دار العلوم دیوبند کے دو فارغ التحصیل جناب مولوی سید احمد صاحب دیوبندی اور جناب مولوی محمد اشفاق صاحب سنبھلی سنسکرت کے حصول کے مدرسہ کے مصارف پر ڈھاکہ میں مولنا شہید اللہ کے ہاں بھیجا (روداد سنہ ۱۳۴۲ھ ص ۹)

دار العلوم مدرسہ اشرفیہ عربیہ اسلامیہ راندھیر

جبکہ عیسائیوں کو ہندوستان پر غلبہ حاصل ہونے لگا۔ اور اسلامی تعلیمات اور اقتدار کے ماہ منور کو گھن لگنا شروع ہوگیا اور ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر انگریز مسلط ہوگیا اور ماہ منور بالکل غروب ہوگیا۔ اب کوئی روشنی باقی نہ رہی۔ جس کے ذریعہ ہدایت کا نور پھیلایا جاتا۔ یہ حالت پورے ہندوستان میں تھی۔ جس میں گجرات بھی شامل تھا۔

انگریز ہندوستان کے تمام مذاہب کو ختم کرنے اور عیسائی مذہب کو فروغ دینے میں مستغرق ہوگیا تھا۔ اسلامی تعلیم کو ختم کرنے کے درپے ہوگیا تھا۔ کثرت کے ساتھ مدارس و مکاتیب اور خانقاہیں جو شاہانِ مغلیہ کے زمانہ سے ہندوستان میں موجود تھیں اُن کو مٹانا اور برباد کرنا شروع کردیا تھا۔

ان حالات کو علمائے اسلام کی فراست ایمانی نے بھانپ لیا۔ اس کے لئے انھوں نے طے کیا کہ مسلمانوں کے دینی مدارس قائم کئے جائیں۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے زمانہ میں دارالعلوم مدرسہ اشرفیہ عربیہ اسلامیہ راندھیر کی بنیاد ڈالی گئی۔ جس کے بانی جناب حاجی اسماعیل صاحب ابن حاجی محمد اشرف صاحب تھے۔ انھوں نے اس مدرسہ کی کفالت کے لئے خود اپنی جائیداد کو وقف کر دیا۔ تاکہ تعلیمات اسلامی کی یہ میگزین اپنے کام میں کسی اور کے گولی بارود کی محتاج نہ رہے۔ گویا کہ انگریزی اقتدار کا آفتاب جبکہ ٹھیک نصف النہار پر تھا اور اس کی جانب کوئی نظر اٹھانے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ یہ مدارس اس سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے

مدرسہ اشرفیہ کی تعلیم کو صحیح طور پر چلانے کے لئے مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری نے سب سے پہلے اپنے تلمیذ رشید مولانا برکت اللہ سورتی شیخ الحدیث منتخب کر کے متعین کیا۔ گجرات میں دورِ آخر کا یہی سب سے قدیم مدرسہ ہے جو مشنری طاقت اور اُن کے باطل ہتھکنڈوں سے ٹکر لینے کے لئے وجود میں آیا اور اپنی آغوش تعلیم و تربیت سے ایسے ایسے فعال افراد پیدا کئے۔ جنھوں نے پورے گجرات میں جہل نادانی کی جگہ علم وعرفان کی شمعیں روشن کیں۔ اگر اس مدرسہ کی خدمات کو سامنے رکھکر گجرات کا مجدد کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ دورِ آخر میں مولانا حافظ محمد اسماعیل صاحب اور مولانا غلام محمد صادق کو گجرات کا مجدد مانا گیا ہے۔ الحمد للہ ان دونوں حضرات نے ابتدائی اور متوسط تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی اور بعد میں یوپی بھوپال اور دہلی جاکر اکابر علماء سے تکمیل کی۔ جنھوں نے پورے گجرات میں تجدید احیائے دین کا بہترین شرف حاصل کیا۔

قاضی سید راندیری، صوفی صاحب لاجپوری، سید طٰحٰین لاجپوری مولانا وصی احمد صاحب راندیری اور سید سعد اللہ کولہاپوری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔ جن کی ابتدائی اور متوسط تعلیم کا شرف اسی مدرسہ اشرفیہ کو حاصل رہا۔ ان حضرات کی خدمات دینی گجرات و بیرونی میں جو ہوئیں۔ وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ انھوں نے دشمنان اسلام پادریوں کی طاقت کو پاش پاش کیا اور ہر میدان میں اُن کا مقابلہ کر کے انکو شکست فاش دی۔ یہ مدرسہ ابتک جاری ہے۔ ابتداء سے لیکر اس میں خالص مذہبی و دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ ہزاروں تشنگان علوم فضلائے کرام اس مدرسہ سے فارغ ہو کر مذہبی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ، عربی، فارسی، منقولات، اردو، حفظِ قرآن، ناظرہ کی شب و روز تعلیم دی جاتی ہے۔ تجوید کا انتظام بھی خصوصی طور پر ہے۔ دارالاقامہ میں سو سے زیادہ طلباء رہتے ہیں۔ خورد و نوش کا انتظام ضروریات کا مدرسہ ہی متکفل ہوتا ہے۔ شہری و بیرونی طلباء جن میں افریقہ تک کے طلباء شامل ہیں۔ تقریباً تین سو پچاس طلبا تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مدرسہ کا ماہانہ خرچہ ساڑھے تین ہزار روپے کا ہے۔ کتب خانہ بھی نہایت وسیع پیمانہ پر قائم ہے۔ جو قدیم و جدید مطبوعہ و غیر مطبوعہ قلمی کتابوں پر مشتمل ہے۔ مدرسہ میں ایک تبلیغی شعبہ بھی قائم ہے۔ اطراف و اکناف کے دیہاتوں میں مدارس و مکاتیب قائم کئے گئے ہیں۔ جنکی تعداد تیس ۳۰ تک ہے۔ وقتاً فوقتاً گجراتی زبان میں کتب و رسائل شائع کئے جاتے ہیں۔ جن سے عوام و خواص دونوں مستفید ہو رہے ہیں۔ ضرورت کے وقت مدرسین و علمائے کرام دیہاتوں میں وعظ و تذکیر، نیز مدارس کے امتحانات کے لئے سفر کرتے ہیں اور ان کے جوابات بھی دیتے

جاتے ہیں۔ ان علماء کرام کی کوششوں کی وجہ سے کافی عیسائی مسلمان ہوئے اور عیسائیوں کے پھندے میں پھنسنے والے مسلمانوں کو اپنے دین پر قائم رکھا

مدرسہ علوم اسلام لاہور

یہ مدرسہ ۱۸۸۸ء میں مسجد بیگن خاں موچی دروازہ میں قائم ہوا۔ اس مدرسہ میں ہر روز اور اتوار کو صبح اسلام تعلیم دی جاتی ہے۔ اس میں لائق اور قابل استاد مقرر ہیں اور اس میں اس وقت ۵۰ا سے زیادہ طلباء پڑھتے ہیں۔ اس کے مہتمم منشی عبداللہ ٹونکی ہیں۔

اس انجمن نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ لاہور کے سینٹرل موڈل اسکول کے مسلمان طلباء کو (جن کے بارے میں شک کیا جاتا تھا کہ وہ اپنے مذہب سے منحرف ہو رہے ہیں) انجمن دینی تعلیم دے۔ چنانچہ انجمن نے ڈائریکٹر تعلیم پنجاب کو اسی غرض کے ماتحت حسب ذیل درخواست ۱۴ ر مئی ۱۸۹۴ء کو دی۔

(۱) یہ انجمن عرصہ سات سال سے لاہور میں مسلمانانِ پنجاب کی دینی اور اخلاقی حالت درست کرنے کے لئے قائم کی گئی ہے۔

(۲) اس غرض کو حاصل کرنے کے لئے انجمن نے ۱۸۸۸ء سے ایک مدرسہ جاری کر رکھا ہے جس میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ (رپورٹ انجمن مذکور ۱۸۹۴ء۔ ص ۳۳)

(۳) انجمن نے ارادہ کیا ہے کہ دینی تعلیم کے فوائد سے مسلمان طلباء سینٹرل موڈل اسکول لاہور کو بھی حسب منشا نمبر ۴۴۹ و نمبر ۱۶۰۰، ایجوکیشن کوڈ پنجاب و نیز دفعہ ۲۶ ر گورنمنٹ پنجاب و نیز ریزولیوشن ۱۴ مورخہ ۲۵ جولائی ۱۸۸۸ء جو گورنمنٹ گزٹ مورخہ ۲ ر اگست صدر کے صفحہ ۵۳۳ پر مندرج ہے مستفید کرے۔

(۴) انجمن نے ان طلباء کے لئے جو تعلیم کی تجویز کی ہے۔ وہ نہایت سادہ ہے۔ اس کام کے لئے انجمن اپنے استاد رکھے گی۔ اور ہر قسم کے متعلقہ اخراجات کو خود ادا کرے گی۔

(۵) انجمن صرف اس قدر چاہتی ہے کہ وہ طلباء کو اوقاتِ مقررہ پر دینی سبق لینے کیلئے حاضر ہونے کی تاکید کر دیں۔

(۶) انجمن چاہتی ہے کہ انکو مجوزہ تعلیم کے جاری کرنے کی اجازت دی جائے اور مہتممان مدرسہ کے نام ضروری احکام جاری کئے جائیں۔

اس چٹھی کا جواب مسٹر جے سائیم صاحب ڈائریکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب نے ۲۳ ر اپریل کو حسب ذیل دیا ہے۔ جس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

"آپ کا خط ملا، جواب یہ ہے

تجویز زیر بحث نمبر ۴۴۹ پر مبنی ہے۔ کسی بورڈ سکول میں مذہبی تعلیم نہیں دی جا سکتی ہے۔ سوائے خارج

وقت کے اگر اسکول کے وقت کے بعد مدرسہ کے مکان کے احاطہ میں مذہبی تعلیم دی جائے گی تو ضرورت ہے کہ یہ تعلیم قواعد مرتبہ لوکل باڈی کے بموجب ہوگا اور لوکل باڈی ایسا انتظام کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ جس سے تمام فرقے رضامند رہیں۔ بورڈ اسکول کے کسی طالب علم کو مدرسہ کے احاطہ میں ایسی تعلیم نہیں دی جائے گی علاوہ اس صورت کے کہ طلبا کے والدین یا سرپرست صاف طور پر اس کی خواہش ظاہر کریں۔ یہ لازمی ہے کہ بورڈ اسکول کے کسی طالب علم کو جب تک خود اس کی مرضی نہ ہو۔ مذہبی تعلیم دینے کے لئے نہیں کہا جائے گا۔ اور نہ کوئی خرچ پبلک فنڈ سے مذہبی تعلیم کی وجہ سے دیا جاسکتا ہے۔"

مذکورہ خط کا جواب سررشتہ تعلیم کے ڈائرکٹر کو انجمن نے حسب ذیل دیا:۔

انجمن کو اس امر کے تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ سینٹرل ماڈل سکول میں علاوہ اوقات مدرسہ کے اور سرکاری مدرسے بغیر مذہبی تعلیم کا جاری کرنا حکومت کی مذہبی بے تعلقی کی پالیسی میں حارج ہوگا۔ ۱۸۸۲ء کے ایجوکیشن نے آپکی فرمائی ہوئی پالیسی پر کبھی غور نہیں کیا۔ اس نے صرف اسپر توجہ دی کہ آیا یہ مناسب ہے کہ انگریزی مدارس میں معمولی تعلیم کے ساتھ اوقات مدرسہ میں دینی تعلیم کو جاری کیا جائے۔

(دیکھئے دفعات ۵-۶ (س) از چٹھی آف انڈیا نمبر $\frac{1}{286}$ مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۸۸۷ء)

گورنمنٹ نے اس تجویز کو ناکافی سمجھ کر اسی چٹھی کے حصہ بارہ میں اور باتوں کے یہ تجویز ہوئی کہ اوقات مدرسہ کے خارج وقت میں سرکاری مدارس میں بھی مذہبی تعلیم کے بارے میں کچھ نہ کچھ ہوسکتا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تجویز بلاشبہ ایسی ہے کہ اس سے مذہبی بے تعلقی بھی قائم رہتی ہے اور گورنمنٹ اسکول کے لئے طلبا دینی تعلیم بھی حاصل کرسکتے ہیں۔

طلبا کے والدین کی رضامندی حاصل کرنے کے بارے میں یہ گزارش ہے کہ سینٹرل ماڈل اسکول کے بہت سے طلبا کے والدین اس انجمن کے حامی ہیں اور یہ انھیں کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ طلبا کے والدین کی مرضی کے بغیر انجمن نے یہ درخواست ارسال کی ہے۔

یہ خط وکتابت بالکل بے کار گئی۔ حکومت کی جو پالیسی تھی وہی قائم رہی۔ حالانکہ وہ اپنے مدارس میں دینی تعلیم یعنی عیسوی تعلیم دے رہی تھی

مدرسہ امینیہ دہلی

یہ مدرسہ مولوی امین الدین صاحب نے ۱۸۹۹ء مطابق ۱۳۱۵ھ میں دہلی کی کوتوالی کے قریب سنہری مسجد میں قائم کیا۔ جس کی تاریخ گلزار رضواں ہوتی ہے۔ سنہری مسجد کی کوتوالی کے حصہ میں مولوی کرامت اللہ کے داماد مولوی حنیف بچوں کو پڑھاتے تھے۔ جب انھوں نے مدرسہ کا نام سنا تو ان کو اپنی فکر ہوئی۔ مولوی امین کو طرح طرح سے پریشان کیا اور مدرسہ کی مخالفت کی۔ وہ سمجھتے تھے کہ میرا حق چھین رہے ہیں اور چونکہ بچوں کو پڑھانے کے ساتھ امامت بھی کرتے تھے۔

سمجھے کرامات بھی گئی۔ مولٰنا امین الدین اور حاجی محمد اسحاق حاجی الف خاں سپاہی والے اپنا مدرسہ بنانے کے پاک مقصد میں منہمک تھے۔ انھوں نے اس جھگڑے میں پڑنا پسند نہیں کیا اور کشمیری گیٹ تھانہ کے پاس مسجد پانی پتیاں میں چاروں طرف مسجد کی وقف زمین پڑی ہوئی تھی۔ وہاں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اس جگہ مدرسہ قائم ہوا۔ اس مدرسہ کا بورڈنگ البتہ آخر تک (چار سال ہوئے سنہری مسجد سے اٹھالیا گیا تھا) وہیں رہا۔ مدرسہ کے پہلے صدر مدرس مولٰنا انورشاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ تھے۔ بعد میں مولانا امین الدین صاحب شاہجہانپور سے مفتی صاحب کو لے آئے تھے جبکہ شاہ صاحب چلے گئے تھے۔ مدرسہ عین العلم میں مدرس تھے۔ مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب کی ماہوار تنخواہ بیس روپے تھی۔ ۱۳۳۶ھ میں مولوی امین الدین صاحب بانی مدرسہ امینیہ کے انتقال کے بعد مفتی صاحب مدرسہ امینیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ آپ پر یہ ذمہ داری مقدس ہاتھوں نے یعنی حضرت شیخ الہند مولٰنا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ نے سونپی تھی۔ اس وقت سے لیکر آپ نے آخر تک جس کو تقریباً ۳۵ سال ہوئے بحسن و خوبی انجام دیا اس مدرسہ کا انتظام بڑی دیانت داری سے اپنے ہاتھ میں رکھ رکھا ہے۔ مدرسہ کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ یہ مدرسہ دنیائے اسلام میں مفتی صاحب کی فتوٰی نویسی کی وجہ سے مقبولیت کا سہرا حاصل کئے ہوئے ہے۔ مفتی صاحب کا دم ہے کہ اس معمولی مدرسہ کو ایک بڑا مدرسہ بنا دیا ہے جو اسلام کی بڑی خدمت کر رہا ہے۔

ردِّ نصاریٰ — مدرسہ امینیہ کے اُستاد مولوی خدا بخش ردِّ نصاریٰ میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ پادری احمد مسیح آپ سے مناظرہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا۔ آپ کو عیسوی سے بڑی واقفیت ہے۔ اسی طرح مفتی صاحب بھی مدرسہ امینیہ کے فارغ التحصیل عالم مولٰنا احمد سعید کے مناظروں کے لئے تیاری کراتے تھے اور مناظرہ میں مدد فرماتے تھے۔ مولٰنا احمد سعید نے پادریوں اور پنڈت رام چندر آریہ سماجی سے کافی مناظرے کئے۔ آپ دہلی کے بہترین مناظر شمار کئے جاتے تھے۔

مدرسہ وزخانی کوئٹہ

ہندوستان میں جیسے جیسے انگریزوں نے قدم جمانے شروع کئے۔ ان کی تبلیغی کارروائیاں تیز ہوتی چلی گئیں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد تو مشنریوں نے آزادی کے ساتھ اپنے پیر پھیلانے شروع کر دئے تھے۔ بلوچستان میں بھی اس قسم کی حرکتیں شروع کی گئیں۔ بائیبل سوسائٹی قائم کی۔ اس کے اہتمام میں پنجابی، بلوچی اور دیرہی زبانوں میں یوحنا کا ترجمہ شائع کیا۔ صرف اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ وہاں بڑے شد و مد کے ساتھ عیسائیت کی تبلیغ بھی جاری کی۔ یہ عیسائی مشنریوں کی منظم سازش تھی اس کا جواب بھی تنظیمی شکل اور اجتماعی طریقہ سے ہی ممکن تھا۔

ان حالات نے بلوچستان کے غیور، مذہب سے سرشار باشعور قبائل سرداروں کو جھنجوڑ دیا اور علماء کے طبقہ کے لئے لمحۂ فکریہ پیدا کر دیا۔ بہت غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا کہ بائیبل سوسائٹی کے کاموں کا سدباب کرنے

کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے۔ جس میں خالص اسلامی تعلیم دی جائے اور اس میں اسلام کے غازی تیار ہوں، اور جو بھی مسلمانوں کے خلاف عیسائی مشنری سازش کریں اُس کا منہ توڑ جواب دیا جائے۔

درخان جو ڈھاڈر کے قریب ایک بستی ہے اس میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا گیا۔ جو اس بستی کے نام پر رکھا گیا اس مدرسہ کے صدر مدرس اور مؤسس مولانا فاضل رئیسانی درخانی مقرر کئے گئے۔ قبیلہ رئیسانی میں موجودہ نواب غوث بخش رئیسانی سابق وزیر خزانہ حکومت بلوچستان کے والد اس وقت باہمت و باشعور حضرات میں تھے۔ انھوں نے عیسائی مشنریوں کے ناپاک ارادوں کو دیکھ کر اس مدرسہ کی ہر طرح سے اعانت کی۔

بلوچی زبان کی نشوونما کا باضابطہ اہتمام بھی مدرسہ درخانی کے اساتذہ نے کیا۔ مولانا درخانی اس مدرسہ کے روح رواں اور شمع ہدایت تھے اور اُن کے جانشینوں میں ایک سے ایک ثابت و سیار تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام کا جذبہ اور بلوچوں کی اصلاح مقصود تھی۔ انھوں نے درس و تدریس کے لئے بلوچی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا۔ اور رشد و ہدایت کے لئے بھی بلوچستان کی عوامی زبان کی سرپرستی فرمائی۔ مدرسہ درخانی نے پہلا بلوچی قاعدہ مرتب کیا اور طریقہ املا وضع کیا۔ اگرچہ یہ بلوچی قاعدہ اور طریقۂ املا عربی سے مستعار لیا گیا ہے۔ لیکن اس قدر سائنٹیفک ہے کہ بلوچی اصوات کی جُملہ نزاکتوں کی بخوبی نمائندگی کرتا ہے اور اسی املا میں انھوں نے بلوچی ادب کا قابلِ قدر ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ جس میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی شامل ہے تفسیر بھی ہے اور فقہ کے مسائل بھی ہیں۔ پند و نصائح بھی ہیں اور شعر و سخن۔ قرآن مجید کا براہوی زبان میں بھی ترجمہ کیا، اور بلوچی میں بھی۔ بلوچی ترجمہ مولانا حضور بخش جتوئی نے فرمایا۔ جو مدرسہ درخانی نے شائع کیا۔ مدرسہ درخانی کے علماء نے عیسائی مشنریوں کے مقابلہ اور اسلام کے دفاع میں جو اسلامی ادب تیار کیا اور دین کی جو خدمات انجام دیں۔ وہ تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی۔

مدرسہ درخانی کے ادیبوں، شاعروں، مفسروں اور مورخوں نے بلوچی زبان میں محض کتابیں ہی نہیں لکھیں بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ کارنامہ انجام دیا ہے کہ انھوں نے کتاب پڑھنے والوں کا ایک بہت بڑا حلقہ پیدا کر لیا اور اشاعتِ تعلیم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مدرسہ درخانی کی کتابیں مستقل شائع ہوتی رہی ہیں اور گزشتہ ستر اسی برسوں میں ایک کتاب کے بیس بیس ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مدرسہ درخانی کے اساتذہ نے وہ کام کر دکھایا جس کی ان سے توقع تھی اور سب سے بڑھ کر اس مدرسہ نے بلوچی زبان پر جو احسانات کئے ہیں۔ بلوچی زبان اور بلوچی علماء ان احسانات کا بدلہ چکانے سے قاصر ہیں۔ ان احسانات کی بدولت مدرسہ درخانی کو جب تک بلوچی زبان ہے، یاد رکھا جائے گا۔

مدرسہ درخانی کے علماء فضلا نے دینی اور ادبی خدمات کے علاوہ سیاسی میدان میں بھی خدمات انجام دی ہیں۔ تحریکِ خلافت میں اس مدرسہ کے بیشتر اساتذہ شامل تھے۔ انھوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے میں حصہ لیا[1]۔

---

[1] مجلہ علم و آگہی کراچی، علمی ادبی اور تعلیمی ادارے۔ خصوصی شمارہ مضمون پروفیسر اویس خان گوہر ص ۲۶۴

انجمن اسلامی دہلی

انجمن اسلامی دہلی میں ۱۸۷۳ء مطابق ۱۲۹۰ ہجری کو قائم ہوئی۔ اس کے میر مجلس حضرت ابوالمنصور صاحب، صدر حاجی قطب الدین صاحب، سکریٹری خواجہ احمد علی خاں احراری اور اسسٹنٹ سکریٹری سید اصغر علی صاحب ریویو کارک نہر دہلی اور منشی نجم الدین صاحب مدرس مدرسہ منتخب ہوئے۔

ممبران ورکنگ کمیٹی میں حسب ذیل اشخاص تھے۔

شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی، مولوی الفت حسین مدرس مدرسہ عربی، مولوی محمد شاہ مدرس مدرسہ انجمن، حاجی غلام اولیاء صاحب، حکیم ظہیر الدین خاں صاحب میونسپل کمشنر، خواجہ شرف الدین مودودی، منشی غلام حق صاحب، حافظ محمد اکبر صاحب، منشی محمود الحسن صاحب، سید قاسم علی منشی انجمن، مولوی عبدالمجید خاں صاحب وغیرہ۔

اس انجمن کا اصل مقصد عیسائی مشنریوں کا زور توڑنا، اُن کے مقابلے میں واعظین ردِ نصاریٰ کو تیار کرنا تھا۔ اور اُن واعظین ردِ نصاریٰ کو تنظیمی شکل میں لانا تھا۔ چنانچہ یہ انجمن اسی بات پر زور دیتی تھی کوئی بھی ردِ نصاریٰ والعتا ہو۔ اس کو ردِ نصاریٰ کرنے کے لئے اس انجمن سے اجازت لینی چاہیئے۔ اور اس کو بغیر اجازت کے ردِ نصاریٰ (مناظرہ) کرنا نہیں چاہیئے۔ چنانچہ اس پر عمل ہوا۔ اور بہت سے واعظین ردِ نصاریٰ نے اس انجمن سے اجازت لی۔ اس کام کے لیے ایک علیحدہ شعبہ انجمن نے اداراتمت کا قائم کیا۔ جو اُن لوگوں کی اصلاح درستگی اور مناظرے کے طریقے سکھانے کی کوشش کرتا تھا تاکہ واعظین چالاک پادریوں کے داؤں پیچ میں نہ آئیں ان کو شکست دینے اور مناظرہ کرنے کے طور طریقے سیکھیں اور ناواقفیت کی بناء پر شرمسار ہونے کی کوفت اور مذہب کی بدنامی سے بچ جائیں۔ چنانچہ حسب ذیل واعظین ردِ نصاریٰ مختلف مہینوں اور سالوں میں مقرر ہوئے اور اُن کو ردِ نصاریٰ کرنے کی اجازت دی گئی۔

۸ رجب ۱۲۹۳ ہجری۔

(۱) محمد عبدالمجید دہلوی (۲) قاضی سراج الدین احمد جیل پور (۳) سید حیدر علی دہلوی (۴) مرزا موحد جالندھری امیر الواعظین طبقہ اول (۵) محمد سعادت یار خاں فرخ آبادی امیر الواعظین طبقہ ثانی (۶) نیاز اللہ غزنوی رئیس الواعظین طبقہ اول (۷) حافظ شیخ رحیم الدین ابن حافظ خدابخش رئیس رڑکی افتخار الواعظین طبقہ اول۔

۲۵ رمضان ۱۲۹۳ ہجری۔

(۸) مولوی سید اکرام حسین ابن سید محمد حسین کاکوروی، اشرف الواعظین طبقہ اول۔

۱۵ شوال ۱۲۹۳ ہجری

(۹) محمد حسین ابن محمد بخش دہلوی، انیس الواعظین طبقہ ثالث (۱۰) سید سرفراز علی ابن فیاض علی گنگوہی، عمدۃ الواعظین طبقہ اول (۱۱) سید حافظ علی ابن میر بشارت علی دہلوی، افضل الواعظین طبقہ اول۔

۱۲ محرم ۱۲۹۵ ہجری

(۱۲) شیخ علی بخش عرف مولوی رنگین ابن شیخ قادر بخش بریلوی، عمدۃ الواعظین۔

۶ ربیع الثانی ۱۲۹۵ھ۔

(۱۳) محمد عبدالعزیز ابن شیخ نجم الدین عرف جیون بخش، شریف الواعظین طبقہ دوم۔

۲۵ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ

(۱۴) محمد حفیظ اللہ خاں ابن عبدالرحمٰن خاں شاہ جہاںپوری، شمس الواعظین طبقہ اول

۱۰ ربیع الثانی ۱۲۹۶ھ

(۱۵) محمد قطب الدین خاں ابن انور علی خاں شاہجہانپوری، ناصر الواعظین طبقۂ ثانی

(۱۶) محمد تفضل حسین ابن شیخ غلام غوث شاہجہانپوری، معین الواعظین طبقہ ثانی

ہر ہفتہ انجمن کی میٹنگ ہوتی تھی۔ جس میں مولانا ابوالمنصور صاحب علمی تبلیغی رد نصاریٰ کے عنوان پر مضمون پڑھتے تھے۔ چنانچہ ۲ اپریل ۱۸۷۶ء کی میٹنگ میں جو حاجی قطب الدین صاحب صدر انجمن کے مکان اور ان کی صدارت میں ہوئی تھی۔ اس میں مولانا ابوالمنصور صاحب کا مضمون "فضیلت دعوۃ اسلام" منشی نجم الدین صاحب اسسٹنٹ سیکریٹری انجمن نے پڑھا۔ سید اصغر علی قائم مقام سکریٹری نے اس کا شکریہ ان الفاظ سے کیا۔

"چونکہ مضمون لطف و متانت عبارت کے علاوہ اثر بخش ہونے میں بھی بے نظیر ہے اور حرارت اسلام کو تقویت دینے والا ہے۔ اس واسطے سب حاضرین جلسہ اس کے سننے سے نہایت خوش ہوئے۔ اور امام صاحب کی اس بے ریا ہمت اور دلیری کے انجمن تہ دل سے مداح و ثناخواں ہوئی۔ فی الواقع ہمارے شہر میں ایسے آفتاب علم رہنمائے دین محمدی کا ہونا ہم لوگوں کی بڑی خوش طالعی ہے بلکہ گروہ مسلمانان کی باعث فخر ہے۔ آئندہ بھی اس قسم کے مضامین ہدایت آگیں منشی نجم الدین صاحب لا کر انجمن میں پڑھا کریں تو نہایت بہتر ہے اور بذریعہ ارسال نقل روئیداد جناب امام صاحب مکرم سے یہ درخواست کی جائے کہ آپ منظر الطاف اپنے مضامین وعظ انجمن میں ارسال فرمایا کریں۔ تاکہ انجمن یہی دولت ہدایت سے سرمایہ اندوز سعادت ابدی ہوا کرے۔"

عام طور پر واعظین رد نصاریٰ کا دستور تھا کہ عیسائی مشنریوں کی طرح بے ترتیب و انتظام، جو جی میں آتا، وعظ میں کہہ دیا کرتے تھے۔ مولوی ابوالمنصور صاحب نے دارالامامت میں بازار کے واعظوں کے لئے یہ طریقہ مقرر کیا کہ جب تقریر شروع کریں تو پہلے مختصر خطبہ حمد و نعت اس کے بعد قرآن مجید کی آیت سے ابتدا کریں اور حسب ذیل مختصر دعا کے ساتھ ختم کریں۔

اللّٰہم انصر من نصر دین محمد وجعلنا منہم واخذل من خذل دین محمد صلعم ولا تجعلنا منہم۔

واعظین رد نصاریٰ اکثر عیسائی اور یہودیوں کے انبیاء کی شان میں کچھ کہہ جاتے تھے ان کو اس کے بارے میں صلاح و مشورہ دیا جاتا تھا تو جان چھڑانا مشکل ہو جاتا تھا۔ مولانا ابوالمنصور صاحب نے دارالامامت میں اپنے انداز سے ایسے لوگوں کو سمجھایا تو مان گئے اور انبیاء پر نکتہ چینی بند کر دی۔

انجمن کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا ابوالمنصور کے ہاتھوں بہت سے عیسائی مشرف بہ اسلام ہوئے خاص

طور پر فتح گڑھ مشن کے حسب ذیل پادری مسلمان ہوگئے تھے۔

فیلڈ یو مسیح :- یہ ایڈیٹر نجم کا داماد تھا اور فتح گڑھ کی گرجا کی خدمت پر سرفراز تھا۔ جامع مسجد چوک الہ آباد پر نماز جمعہ کے بعد شرف اسلام سے مستفید ہوا۔ عبد العزیز اس کا نام رکھا گیا۔

عبد اللہ پسر مولوی مراد علی اپنے باپ کی زندگی میں عیسائی ہوگیا تھا۔ عیسائیوں کی طرف سے وعظ کہا کرتا تھا۔ عرصہ بعد مسلمان ہوگیا۔ عیسائی مذہب کی تردید میں بلا ناغہ روزانہ بازار میں وعظ کہتا تھا۔

دلاور خاں :- جو معہ زن و بچہ مشن فتح گڑھ میں عیسائی ہوا تھا۔ ایک مدت دراز تک پادری صاحبوں کی خدمت میں اور مشن کی خدمتوں پر ممتاز رہا۔ پادری کہلاتا تھا۔ ایک دن بہ صدق دل مسلمان ہوگیا۔

ڈاکٹر افضل علی اکبر آبادی :- جو فتح گڑھ میں پادری سکاٹ کے ہاتھوں عیسائی ہوا تھا۔ مشنریوں کے ساتھ وعظ کہنے لگا تھا۔ پادری مشہور ہوگیا تھا۔ عرصہ کے بعد عیسائی مذہب کو ترک کر کے مسلمان ہوا اور اسلام کی تبلیغ میں منہمک ہوگیا تھا۔

انجمن اسلام کے بانیوں میں ایسے مقبول عوام لوگ تھے کہ جس مقام پر اس انجمن کے قیام کی اطلاع پہنچی وہاں سے اس کا خیر مقدم ہوا اور ملک کے مشہور علماء اور اسلامی انجمنوں نے اس کی تائید میں مولانا ابو المنصور صاحب کے
۲۹۰ نام خطوط آنے لگے۔

ہندوستان کے مشہور عالم ردِ نصاریٰ اور ندوۃ العلماء کے بانی حضرت مولانا محمد علی مونگیری نے ۱۳ ذیقعدہ کو حافظ محمد اکبر خاں رکن انجمن اسلام دہلی کو حسب ذیل چٹھی روانہ کی۔

"بالفعل سنا گیا ہے کہ ایک انجمن اسلامی دہلی میں قرار پائی ہے۔ آپ اور مشفقی مولوی عبد المجید صاحب وغیرہ اس کے ممبر ہیں اور عمدۃ المتکلمین امام المناظرین جناب مولوی سید ابو المنصور صاحب میر مجلس ٹھہرے ہیں یہ سنکر طبیعت نہایت خوش ہوئی۔ خداوند کریم اس مجلس کو مع اس کے حامیوں کے قیامت تک قائم رکھے اور گمراہوں کا رہنما بنائے۔"

انجمن اسلامیہ لکھنؤ کی طرف سے مولوی محمد چراغ علی صاحب ڈپٹی منصرم، منشی محمد عنایت علی صاحب، داروغہ اعظم صاحب، محمد نعمان صاحب اور منشی نظیر علی صاحب نے ۱۲ رمضان المبارک ۱۲۹۱ھ میں حسب ذیل خط مولوی محمد ابو المنصور صاحب کو ارسال کیا۔

"چند حضرات لکھنؤ جناب کی حقیقت حال لیتے توکل بخدا یا کہیں کچھ تعلق۔ مستفسر ہیں اور انشاء اللہ اگر اس انجمن کی کوئی عمدہ صورت ظہور میں آئی تو سب اہل انجمن کو متفق کر کے ایک نائب صدر انجمن یہاں رہے اور جناب کو صدر انجمن قرار دیا۔ آمد و خرچ یہاں کا صرف، جناب افسر ہیں۔"

انجمن حمایت اسلام

انجمن کے مقاصد ہی صاف طور پر ظاہر کر رہے ہیں کہ یہ ردِ نصاریٰ کے لئے قدرتی طور پر بنائی گئی ہے چنانچہ جب

مقاصد سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) مخالف مذہب مقدس اسلام کے جواب تحریری و تقریری تہذیب کے ساتھ اور اس غرض کے واسطے واعظوں کی تقرری اور رسالے کے اجرار وغیرہ وسائل کو عمل میں لانا۔

(۲) مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کی مذہبی تعلیم کا انتظام کرنا تاکہ وہ غیر مذہب کی مذہبی تعلیم کے بُرے اثر سے محفوظ رہیں۔

(۳) اہلِ اسلام کو اصلاحِ معاشرت و تہذیب اخلاق اور تحصیل علوم دینی و دنیوی اور باہمی اتحاد و اتفاق کا شوق دلانا۔

انجمن نے اپنے مذکورہ مقاصد کا پروپیگنڈہ کرانے اور ردِ نصاریٰ کو کامیاب کرنے کے لئے حسب ذیل مناظر و واعظ ملازم رکھے تھے۔ جن کے اسمار گرامی یہ ہیں۔

(۱) مولانا سید احمد علی صاحب دہلوی
(۲) منشی شمس الدین صاحب سکریٹری انجمن
(۳) مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی
(۴) مولانا غلام محی الدین صوفی
(۵) مولوی عبداللہ دہلوی
(۶) مولانا محمد ابراہیم صاحب
(۷) میاں اللہ دیا صاحب
(۸) سید محمد شاہ صاحب گیلانی
(۹) خلیفہ عبدالرحیم صاحب لاہور
(۱۰) مولوی مبارک علی صاحب
(۱۱) مولوی اللہ دین واعظ مو ردِ نصاریٰ۔

مولوی سید احمد علی صاحب

واعظ ردِ نصاریٰ نے انجمن کے قائم ہوتے ہی اس کی خدمت کرنی شروع کردی۔ آپ مدت سے اپنے دلی شوق کے ساتھ وعظ کرتے ہیں۔ اور غیر مذاہب خاصکر عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات دینے اور ان کے عقائد کے بطلان میں بڑی مہارت رکھتے ہیں ۱۸۸۱ء میں جبکہ انجمن اپنے ابتدائی دور سے گزر رہی تھی۔ اس وقت آپ نے انجمن کی اشاعت کے لئے لاہور شہر کے ہر حصہ میں ردِ نصاریٰ کیا۔ انار کلی میں ہر ہفتہ پادریوں کے اعتراضات کے جوابات کے لئے مقرر تھا۔

محمڈن ڈیبیٹنگ کلب کی طرف سے اس میں جو ہفتہ واری جلسے ہوتے تھے۔ آپ نے اپنی تقریر دلپذیر سے اس کی شان دوبالا کرتے تھے۔ آپ نے اس کلب کے اغراض و مقاصد یہ بتائے کہ یہاں اسلام کی موجودہ اور گزشتہ حالت کا خاکہ کھینچکر بتایا جاتا ہے۔ جن ضروری باتوں سے مسلمان دینی و دنیاوی عزت حاصل کرسکتے ہیں۔ ان کی ترغیب دی جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ نوجوانوں کو عام مجمعوں میں بولنے اور خیالات ظاہر کرنے کا بہت کم موقع ملتا ہے۔ اس جلسہ میں فاضل اشخاص تحریراً یا تقریراً مستفید کرتے ہیں اور انھیں مضمون لکھنا، تقریر کرنا سکھاتے ہیں۔

مولانا نے انجمن میں ۵-۶ سال کام کیا اور شب و روز یہی پیغام دیا کہ مسلمانوں، نادار یتیم، لاوارث بچوں کا خیال کرو جو ماں باپ کی تربیت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ جن کے پالنے والے انھیں بیکسی کی حالت میں چھوڑ جاتے ہیں اور

جو آخر کار پادریوں کے دامنِ تربیت میں پل کر اپنے باپ دادا کے مذہب کے مخالف بنکر وعظ کہتے پھرتے ہیں۔ ان کو اپنا گ
اُن کو زکوٰۃ کا حصہ دو۔

مشن کی ایسی عورتیں میمیں اور نیٹو ڈولیوں میں بیٹھ کر گلی گلی کوچہ بکوچہ گھروں میں آتی ہیں۔ کہیں دستکاری کا بہانہ بناتی ہیں۔ کہیں تعلیم دینے کا ترانہ دیتی ہیں۔ کہیں مفلس و غریب کی خیر خواہی جتا کر انھیں روپیوں سے مدد دیتی ہیں۔ کہیں یوروپ کی عجیب و غریب چیزیں اور نفیس نفیس تصویریں دکھاتی ہیں اور ایسے ہی ذریعوں سے مسلمانوں کے گھروں میں پہنچ جاتی ہیں۔

اے رسول کے امتیو! اس کی صداقت پہ گواہی دینے والے راست بازو! جانتے ہو عورتوں میں راہ پا کر انھیں کیا سکھاتی ہیں اور کیا کچھ بتاتی ہیں۔ وہ ان عورتوں کو جنھیں اسلام نے پردے کا اچھا طریقہ بتایا۔ آزادی کی ترغیب دیتی ہیں پردے کو قید خانہ اور انھیں قیدی بتاتی ہیں۔ کبھی ان کو خدا کے سچے مذہب اسلام سے پھیرتی ہیں اور اُن کے دلوں میں گمراہی کے خیال بٹھاتی ہیں۔ کبھی کلام اللہ کی بے حرمتی کرتی ہیں۔ کبھی ہمارے مقدس پیشوا پر بناوٹی عیب کبھی بزرگانِ اسلام کی توہین، کہیں ارکانِ اسلام کی تحقیر، غرض جس صورت سے بنتا ہے اُن کے دلوں سے اسلام کی بیخ کنی کرتی ہیں۔

(۲) منشی شمس الدین صاحب عرصہ سے دہلی دروازہ وغیرہ مقامات پر ردِ نصاریٰ فرماتے ہیں۔ یہی وہ صاحب ہیں۔ جو ہر شام شہر کی کسی نہ کسی مسجد میں ردِ نصاریٰ فرماتے ہیں۔ اور مختلف برادریوں میں جا کر اسلام کی موجودہ حالت اور اس کی اصلاح کے طریقے نہ بتاتے ہوں۔ یہی وہ صاحب ہیں جنھوں نے گرمی کے موسم میں عین دوپہر کے وقت ریلوے کارخانے میں جا کر پادریوں کی شرارت سے آگاہ کیا۔ اُن سے وعدہ لیا کہ اپنے محلوں میں نسوانی مدرسہ بنائیں گے۔ اور مشن کے مدرسوں سے اپنی لڑکیوں کو اٹھا لیں گے۔ یہی وہ صاحب ہیں جنھوں نے انارکلی کی جامع مسجد میں ماہ رمضان کے دنوں میں روزے کی حالت میں کھڑے ہو کر یتیموں کی بے بسی اور ان کے عیسائی بن جانے کی داستانیں سنائیں، نمازیوں کو رُلایا، اور آپ بھی روئے۔ یہی وہ صاحب ہیں جنھوں نے انجمن کے ہفتہ وار جلسوں میں "اسلام تلوار سے پھیلا ہے"۔ "قرآن مجید الہامی کتاب نہیں ہے"۔ "حضور کی ازواج زیادہ کیوں ہیں"۔ پادریوں کے ان اعتراضات کے مدلل اور دندان شکن جوابات دیے اور ثابت کیا کہ یہ سب غلط اور مہمل اعتراضات ہیں۔

(۳) مولانا عبدالمجید دہلوی ۱۸۸۵ء میں ہفتہ وار جلسوں میں تعلیم نسواں پر بھی آپ کے وعظ ہوئے اور اس میں مستورات کی موجودہ تعلیم پر بحث ہو کر یہ قرار پایا کہ شاہی مسجد میں ایک عام جلسہ کیا جائے اور اس میں لاہور کے مسلمانوں کو کثرت سے شامل کر کے مستورات کی تعلیم کی موجودہ حالت کو بیان کیا جائے۔ چنانچہ مئی ۱۸۸۵ء میں شاہی مسجد میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا۔ اس میں انجمن کے واعظوں کے علاوہ دہلی کے مشہور مناظر، دہلی کے پادریوں کو لاجواب کرنے والے ہر دلعزیز واعظ مولانا عبدالمجید

دہلی نے اس مضمون پر ایک نہایت موثر تقریر دلکش انداز میں فرمائی۔ کہا جو نقصان عیسائی عورتوں سے مسلمانوں کے گھروں میں آنے سے ہوتا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے لاہور کے مسلمانوں کو تدارک کرنا چاہیئے اور اس کا صحیح تدارک یہ ہے کہ ان کو اپنے گھر میں نہ گھسنے دو۔ اور دوسرا قدم تدارک یہ اٹھائیں کہ اپنے خرچ سے اپنی لڑکیوں کے واسطے مدرسے قائم کریں۔ جو انہی کے محلوں میں ہوں۔

مئی ۱۸۸۵ء جبکہ تعلیم نسواں کے بارے میں خاص تحریک کے ذریعہ عملی قدم اٹھایا تو اس وقت بھی مولانا عبدالمجید صاحب مناظر نے ایک نہایت مفید تجویز اپنی مختلف تقریروں میں بیان فرمائی کہ ہر ایک مسلمان کو خواہ وہ کسی حیثیت ہی کا کیوں نہ ہو۔ گھر میں اس بات کی تاکید کر دے کہ آٹا گوندھتے وقت آٹے کی ایک مٹھی ایک ڈبہ میں ڈال دے۔ ہفتہ یا مہینے کے اندر وہ آٹا یا اس کی قیمت انجمن کو دیدے۔ انجمن اس سرمایہ سے آپ کے محلے کے اندر ہی نسوانی اسکول کھولے گی۔ اس سے دو مفید نتائج برآمد ہوں گے۔ ایک یہ کہ محلہ کی جو لڑکیاں مشن کے اسکولوں میں جاتی ہیں۔ وہ اپنے محلے کے اسکولوں میں جائینگی تو لازماً ان کے مدرسے ٹوٹ جائیں گے۔ اور وہ خطرناک وبا محلہ سے ختم ہو جائے گی۔

(۴) مولانا غلام محی الدین صوفی } آپ انجمن حمایت الاسلام کے ممبر ہیں اور ردِ نصاریٰ اور انجمن کے کاموں میں بہت حصہ لیتے ہیں۔ ۱۸۸۵ء میں آپ نے مشن کی شرارتوں اور انجمن کے اغراض اور اس کے مقاصد پر مختلف مقامات پر دن رات جلسے کئے اور اپنی موثر تقریروں سے لاہور کے مسلمانوں کو انجمن کی کارروائیاں سنائیں۔ جو انھوں نے یتیموں کو پادریوں کے پھندے سے نکالنے کے لئے کی تھیں اسی طرح جو مسلمان نصرانی بن گئے تھے یا جو عورتیں مشن والوں کے قبضہ میں چلی گئی تھیں۔ انکی دردناک داستانیں سنائیں اور انکو کس طرح مسلمان کیا۔ کیا کیا دقتیں پیش آئیں۔ اس کو تفصیل سے بیان کیا۔ ۱۸۸۶ء میں بھی اسی طرح کام کر رہے ہیں۔ بلکہ اس سال انھوں نے لاہور سے نکل کر بیرونجات میں بھی انجمن کے مقاصد بیان کئے۔ اور تثلیث و کفارہ مسیح کی پول کھولی۔ کئی دن تک مختلف مقامات پر انجمن کے مقاصد بتائے۔ انھیں مسلمانوں نے پسند کیا اور تقریباً ساڑھے چار سو روپے کی رقم ملی۔ اس کے بعد آپ جالندھر اور کپور تھلہ تشریف لے گئے۔ وہاں کے لوگوں کو نسوانی مدرسہ بنانے کی تلقین کی۔ چنانچہ آمادہ ہوگئے۔ انھوں نے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ انجمن کی امداد کیواسطے بھی چندہ ہو رہا ہے۔

شملہ میں انجمن اسلامیہ کی خواہش تھی کہ یہاں ایک مناظر بھیجا جائے جو پادریوں سے مناظرہ کرے۔ چنانچہ صوفی صاحب کو شملہ بھیجا گیا۔ انھوں نے شملہ میں جا کر وہاں کی مختلف مساجد میں تقریریں کیں۔ انجیل میں تحریف کرنے اور بہت سی کتابوں کے انجیل سے نکال دیئے جانے کی حقیقت پر سیر حاصل اور مدلل بحث کی۔ کتاب مقدس کے حوالوں سے ثابت کیا۔ پادری لوگ مقابلے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ مسلمانوں نے آپکی تقریر کو بہت پسند کیا اور اچھی خاصی چندہ میں رقم دی۔ ماہ شعبان میں شیخ صاحب ملتان تشریف لے گئے وہاں کے مسلمانوں کو مدرسہ بنانے کی صلاح دی۔ اس کے فوائد بتائے۔ مشن کے پادریوں اور میموں کی حرکات اور ہتھکنڈوں کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ انجمن کے اغراض بتلائے۔ انھوں نے پسند کئے۔ چندہ دینے کے ساتھ

وعدہ کیا کہ ہم ملتانیں جلد مدرسہ قائم کریں گے۔

(۵) مولوی عبداللہ دہلوی } ماہ شعبان ۱۳۰۳ھ میں مولوی عبداللہ صاحب دہلوی نے ماہ شعبان سے شوال تک لاہور میں جابجا ردِ نصاریٰ کیا۔ انجمن کے دو جلسوں میں شریک ہوئے اور وعظ فرمایا۔ یہ دونوں جلسے بڑے بارونق تھے۔ آپ نے ان جلسوں میں پادریوں کے اعتراضات "اسلام تلوار سے پھیلا" "قرآن الہامی کتاب نہیں ہے" اس کی تردید کی۔ نیز دلائل سے ثابت کیا کہ یہ الزام قرآن پر نہیں ہوتا بلکہ انجیل میں بہت سی آیتیں داخل کی گئی ہیں اور انجیل کے بہت سے حصے الہامی نہیں ہیں۔

(۶) مولٰنا محمد ابراہیم } ۲۹ر جنوری ۱۸۹۷ء کو انجمن حمایت الاسلام کا جلسہ ہوا اس میں مولنا ابراہیم نے تقریر فرمائی۔ مولانا ابراہیم انجمن حمایت الاسلام گوجرانوالہ اور ردِ نصاریٰ ہیں آپ نے اپنی تقریر میں سورہ صف کا اول رکوع پڑھا جس میں جناب رسالتمآب علیہ السلام کی تشریف آوری کی نسبت حضرت عیسیٰ نے پیش گوئی کی تھی اور پہلے کتب سماوی اور چند دیگر انگریزی کتب کے حوالوں سے حضور اقدس کی نبوت کا ثبوت دیا۔ اثنائے تقریر میں مولنا صاحب نے ان مناظرہ اور مباحثہ کا ذکر کیا جو انکے اور ڈیرہ غازیخان کے پادریوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے باب میں ہوا۔ جس میں مولنا صاحب غالب آئے۔

(۷) میاں اللہ دیا } آپ لدھیانہ میں جلد سازی کا کام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مولنا کی حسن مولنا رحمت اللہ کی تصنیفات کا فضل ہے کہ مسلمانوں نے خواہ کسی درجہ کا ہو، پادریوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ ایک مثال میاں اللہ دیے کی ہے۔ انجمن حمایت الاسلام کی سالانہ رپورٹ ۳۱ر جنوری ۱۸۸۶ء میں سیکریٹری صاحب اپنے رسالے ردِ نصارے کے مضامین کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"اس رسالے میں جو مضامین عیسائیوں کے اعتراضوں کی تردید یا اُن کے عقائد پر نکتہ چینی کرنے کے متعلق چھپے ہیں۔ ان میں سے سوائے ایک کے سب میاں اللہ دیا صاحب جلد ساز ساکن لدھیانہ کے قلم سے لکھے ہوئے ہیں۔ ایک مضمون مولوی غلام نبی صاحب (مناظر) تاجر کتب امرتسر کی تالیفات سے ہے۔"

(۸) سید محمد شاہ گیلانی } آپ یکم دسمبر ۱۸۸۶ء میں انجمن حمایت الاسلام میں ملازم ہوئے۔ آپ اس سے بیشتر ممالک میں مختلف مقامات پر ردِ نصاریٰ فرماتے تھے۔ انجمن نے آپکو اپنا واعظ مقرر کیا ہے۔ آپ قاری بھی ہیں۔

(۹) مولوی محمد مبارک } سیالکوٹ میں جب پادری صاحبان نے زور پکڑا تو وہاں کے معزز لوگوں نے استدعا کی کہ اس علاقہ میں مستقل طور پر ایک ردِ نصاریٰ واعظ مقرر کیا جائے۔ جو دیہات میں پھر کر اسلام کی حمایت کریں اور موجودہ دین عیسوی کے عقل اور قیاس سے باہر مسائل کی قلعی کھول کر ناواقف لوگوں کو جو دھوکے میں آکر اپنے مقدس مذہب سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، بچا دیں۔ انجمن نے اس کام کے لئے مولوی مبارک کو مقرر کیا۔ جنھوں نے اپنے فرائض بخوبی اور سرگرمی کے ساتھ انجام دئے انھوں نے

پسرور تحصیل اور ریعید کے بہت سے گاؤں میں دورہ کیا۔ وہ جب موضع بیڈ میں تشریف لے گئے تو وہاں پادری کنگ صاحب کا ڈیرہ لگا ہوا تھا۔ مولانا موصوف نے ان سے مناظرہ کرنے کی خواہش کی۔ مگر وہ نہیں مانے۔ مولانا نے ایک بڑے جلسہ میں بڑے شد ومد کے ساتھ ردِ نصاریٰ کیا۔ جس پر پادری صاحب اپنا ڈیرہ اٹھا کر لے گئے۔

ماہوار رسالہ } رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۲ھ سے اس انجمن نے ایک ماہوار رسالہ نکالنا شروع کر دیا ہے جس میں غیر مذاہب کے اعتراضوں کے جواب دینے، اُن کے عقائد پر تہذیب کے ساتھ نکتہ چینی کرنے، اہل اسلام کو اصلاح طرزِ معاشرت اور اخلاق کی اصلاح کی۔ ترغیب دینے کے مضمون اور انجمن کی کارروائی درج کی جاتی ہے۔

یہ رسالہ انجمن کے ممبروں، پنجاب کی اسلامی انجمنوں، ہندوستان کے اکثر مسلمان ایڈیٹروں کی خدمت میں بلا قیمت بھیجا جاتا ہے۔ پہلے یہ رسالہ چھوٹی تقطیع پر چھپتا تھا۔ لیکن ماہ رجب سے اب اس کا سائز بڑا کر دیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں ماہ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ و سنہ ۱۳۰۴ھ یعنی ایک سال میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان کی تفصیل اس نقشہ سے ظاہر ہوتی ہے۔

ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ	انجمن کی سالانہ رپورٹ
جمادی الاول "	انجمن کے سالانہ جلسے کی روداد
جمادی الثانی "	مسلمانوں کی ترقی کا وسیلہ جہالت اور مسلمان، مشنری اور انجمن کی کارروائی کی کیفیت۔
رجب المرجب "	اسلامی یتیم خانے قائم کرنے کی ضرورت۔
شعبان المعظم "	قرآن کا یہ دعویٰ کہ انجیل میں آنحضرت کی خبر دی گئی ہے، صحیح ہے۔
رمضان المبارک "	مضمون مندرجہ قرآن کا وزن الخ شعبان کا حصہ، عورتوں کے لئے پردہ کی ضرورت۔
شوال المکرم "	عیسائیوں کے پاس ایسی کوئی دلیل نہیں۔ جس سے حضرت مسیح کا آسمان پر جانا ثابت ہو۔
ذیقعدہ و ذی الحجہ "	انجمن کی کارروائی کی کیفیت۔
ربیع الاول، ربیع الثانی "	مضمون مسئلہ جہاد نیز انجمن کی کارروائی۔

اس رسالے کے مضمون مسلمانوں نے پسند کئے۔ ان سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا۔ خاص طور پر پردہ کے مضمون نے مسلمان عورتوں پر کافی اثر کیا۔ علاوہ مولانا غلام نبی کے مضمون کے رسالے میں رد نصاریٰ پر جو مضمون لکھے گئے ہیں وہ اللہ دیا صاحب نے لکھے ہیں۔

انجمن حمایت الاسلام لاہور حقیقی معنوں میں ۱۸۸۴ء کو وجود میں آئی۔ ان کے عہدیداروں، مناظروں واقفین کی شب و روز کی جدوجہد کا ثمرہ ہے کہ ۱۸۸۶ء تک تک دو سال کے بعد دس زنانہ اسکول قائم ہو گئے ہیں۔

مدارسِ نسوانی } ان نئے جاری شدہ مدرسوں میں ایک مدرسہ ایسا ہے۔ جس میں انجمن کا کوئی خرچ نہیں ہوتا۔ اس مدرسہ کا نمبر ۱۰ ہے۔ حکیم محمد علی صاحب مالک فیاضی شفاخانہ

کی زوجہ محترمہ اس کا خرچ اٹھاتی ہیں۔ انھیں کے دولت کدہ میں یہ مدرسہ کھلا ہے۔ جون ۱۸۸۵ء میں ایک مدرسہ موچی دروازہ میں جاری کیے گئے۔ جن میں مدرسہ نمبر ۱، خلیفہ حمید الدین کی نگرانی میں جاری ہوا۔ دوسرا جون ۱۸۸۶ء دوسرا مدرسہ مولوی غلام کی سرگردگی میں کر دیا گیا۔ اگست ۱۸۸۵ء میں ایک مدرسہ جس کا نمبر ۳ ہے، شیخ فتح بخش صاحب نے اپنے گھر میں کوچہ تیرگال میں جاری کیا۔ خرچ لینا پسند نہیں کیا۔ دوسرا مدرسہ جس کا نمبر ۴ ہے۔ اہل محلہ کی رضامندی پر خلیفہ عبدالرحیم کی زیر نگرانی انکے گھر میں جاری ہوا۔ جس میں انجمن معمولی اخراجات دیتی ہے۔ مدرسہ نمبر ۵، اکتوبر ۱۸۸۵ء کے شروع میں کچی دروازہ کے مسلمانوں کی ہمت اور کوشش سے خصوصاً میاں افتخار الدین صاحب پریس میں مطبع کوہ نور کی سرگردگی سے جاری ہوا اور اس مدرسہ کا اہتمام میاں فتح الدین صاحب کے سپرد ہوا۔ مدرسہ ۶ مارچ ۱۸۸۶ء میں محلہ چوڑیوالان میں محلہ والوں نے کیا۔ مدرسہ نمبر ۷ کوچہ شاہنواز میں شوال سے جاری ہے۔ جو سید فیض شاہ صاحب کی مردانہ ہمت کا ثمرہ ہے۔ مدرسہ نمبر پہلے شاہنواز میں تھا بعد میں بارود خانہ میں منتقل کر دیا گیا۔

مدرسہ نمبر ۹ جس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس مدرسہ کا اجرا سب مدارس سے زیادہ قابل قدر ہے اور انجمن کے لئے بھی باعث فخر ہے اور اس کی کامیابی کا بین ثبوت ہے۔ کیونکہ اس مدرسہ کی معلمہ پہلے مشنریوں سے تنخواہ پاتی تھی اور یہ مدرسہ عیسائیوں کا تھا۔ جب اس محلہ کے مسلمانوں کو مدرسہ کی خرابیوں کا علم ہوا تو انھوں نے اپنی لڑکیوں کو مدرسہ میں بھیجنا بند کر دیا۔ آخرکار معلمہ نے درخواست کی کہ میں مجبوراً اس کام کو کر رہی تھی۔ میرا گزارہ اسی آمدنی پر تھا۔ اگر انجمن میری مدد کرے تو خوشی قبول کرونگی اور وہ گناہ جو مجھ سے اپنے گھر میں دین عیسوی کی اشاعت کی وجہ سے ہوا۔ اس سے تائب ہوتی ہوں۔ چنانچہ اس کی یہ درخواست منظور ہو گئی۔

ان نسوانی مدرسوں کے جاری کرنے کا مقصد انجمن کا یہی تھا کہ محلوں میں پادریوں کا زور ٹوٹے اور محلوں میں مشن کے مدرسے بند ہوں۔ چنانچہ مدرسے ٹوٹے۔ دو مدرسے ٹوٹنے کی اطلاع آچکی ہے۔ انجمن کے مدرسوں سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا۔ کیونکہ پادریوں کے روز افزوں مدارس کی تعداد بڑھنے سے کم ہو گئی تھی۔ اگر توجہ نہ دی جاتی اور انجمن کے مناظرہ رد نصاریٰ نہ کرتے تو آج لاہور کی ایک گلی کوچہ بلکہ کوئی گھر ایسا نہ رہتا۔ جس میں مشن کا اثر نہ پہنچتا۔ ذیل میں نسوانی مدرسوں کی رپورٹ درج کی جاتی ہے۔ جس سے ہر ایک مدرسہ کا مفصل حال معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم کا کیا حال ہے کس قدر لڑکیاں اُن میں تعلیم پاتے ہیں۔

(سالانہ رپورٹ نسوانی مدارس ۱۳۸۵ھ، انجمن حمایت الاسلام لاہور)

مدرسے کہاں ہیں انکا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
واقع کوچہ ڈھل زیر نگرانی	۳	۹	۲۰	۷	۸	۳	۱۰	۱۱	۵	۱	۰	۴	۵۱	۰	۱	۴
خلیفہ حمید الدین صاحب					۸	۳	۸	۱	۰	۱	۰	۴	۱	۰	۴	۰

۴ لڑکیاں قرآن شریف [illegible] چکی ہیں اور اُردو کی کتابیں پڑھتی ہیں۔ اس مدرسہ کی پڑھائی بہت اچھی ہے۔ کیونکہ ۳۲ میں صرف ۲ طلبا ناکامیاب [illegible] ہیں۔ بڑی لڑکیوں کو کاڑھنے اور جالی بنانے کا کام سکھایا جاتا ہے اور ان کو نماز بھی پڑھائی جاتی ہے۔ چھوٹی لڑکیاں نماز سیکھتی ہیں۔ جماعت ششم کی لڑکیاں گن بھی سکتی ہیں۔ یہ مدرسہ ۲۱ اگست [illegible] سے جاری ہوا۔

مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
واقع عقب مسجد [illegible] خاں زیر نگرانی مولوی [illegible] صاحب [illegible]	۳۰	۱۳	۱۶	۹	۱۰	۶	۱	۳۰	۲	۱	۲	۱	۰	۰	۴	۳
	۰	۰	۰	۰	۱۰	۶	۰	۰	۲	۱	۲	۱	۰	۰	۴	۳

جماعت ششم کے طلبا قرآن شریف ختم کر چکے ہیں اور چار کتابیں بھی پڑھ چکی ہیں۔ گنتی بھی کر سکتی ہیں۔ نماز بھی پڑھتی ہیں۔ چھوٹی لڑکیوں کو نماز سکھائی جاتی ہے۔ جماعت ششم میں لڑکیاں ازار بند بنانے کا کام سیکھتی ہیں۔ اس مدرسہ کے چار طلبہ فیل ہوئے۔ پڑھائی اچھی ہے۔ یہ مدرسہ ۱۵ اگست [illegible] سے قائم ہے۔

(۳) مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
واقع کوچہ پیر [illegible] زیر نگرانی میاں شیخ بخش صاحب	۲۶	۱۶	۱۸	۱۳	۳	۷	۱۰	۱۰	۲	۴	۹	۱	۱	۲	۰	۲
	۰	۰	۰	۰	۳	۱۴	۴	۵۲	۲	۱۲	۰	۱	۱	۲	۰	۲

جماعت ششم کے لڑکے قرآن ختم کر چکے ہیں اور کتابیں پڑھتے ہیں۔ جماعت پنجم کے طلبا چھبیسواں (۲۶) پارہ پڑھتی ہیں اور اُردو کی پہلی کتاب بھی۔ ان کو جرابیں بنانی سکھائی جاتی ہیں۔ طلبا کی تعداد اس مدرسہ میں زیادہ ہے۔ یہ مدرسہ ستمبر [illegible] سے جاری ہوا۔

۴ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت پنجم		جماعت ششم		جماعت ششم	
	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
واقع کوچہ پیر [illegible] زیر نگرانی	۱۷	۶	۱۶	۵	۶	۲	۹	۲	۰	۱	۰	۰	۱	۱	۱	۰
حافظ عبدالرحیم صاحب	۰	۰	۰	۰	۶	۲	۶	۱	۰	۰	۰	۰	۱	۱	۱	۰

جماعت ششم کی لڑکی قرآن شریف کتابیں پڑھ چکی ہیں۔ گلوبند وغیرہ بنانے بھی جانتے ہیں۔ جماعت پنجم کے طلبا ۲۶ ویں پارہ پڑھتی ہیں اور اُردو کی پہلی کتاب پڑھتی ہیں۔ چار طالب علم فیل، پڑھائی اچھی۔ دستکاری سب سے [illegible] یہ مدرسہ ۱۵ ستمبر سے جاری [illegible]

مدرسے کہاں ہیں (۵) اس کا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے
واقع مکی دروازہ زیر نگرانی میاں فتح الدین صاحب	۲	۳۰	۱	۲۷	۱	۱۶	۹	۱۵	۱۰	۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰
	۰	۰	۰	۰	۱	۱۶	۰	۶	۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰

اس مدرسہ میں ابھی تک صرف تین جماعتیں قائم ہوئی ہیں - جس کی پڑھائی اچھی ہے - صرف تین لڑکیاں امتحان میں ناکامیاب ہوئی ہیں - جو لڑکیاں بڑی ہیں ان کو نماز بھی سکھائی جاتی ہے اور گنتی بھی اور جرابوں کا کام سیکھتی ہیں - یہ مدرسہ ۲ ستمبر ۱۸۸۵ء سے قائم ہے -

۶ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے
واقع بلاڑے موری زیر نگرانی میاں وارث الدین صاحب	۱۵	۱۸	۸	۱۶	۴	۶	۶	۹	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰
	۰	۰	۰	۰	۴	۲	۵	۸	۲	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰

ایک لڑکی قرآن شریف ختم کر چکی ہے اور پہلی کتاب پڑھتی ہے - گنتی جانتی ہے - جرابوں اور ازار بندوں کا کام سیکھتی ہیں - بڑی لڑکیاں بھی دستکاری سیکھتی ہیں - نماز بھی پڑھتی ہیں - ۶ طلبا رفیل، اچھی پڑھائی ہے - یہ مدرسہ ۱۸۸۶ء سے جاری ہے -

۷ مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے
واقع طویلہ شاہنواز زیر نگرانی سید فضل شاہ صاحب	۰	۱۸	۰	۱۵	۰	۲	۰	۲	۰	۲۵	۰	۳	۰	۲	۰	۴
	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۱	۰	۵	۰	۴	۰	۲	۰	۴

۴ لڑکیاں قرآن شریف ختم کر چکی ہیں اور کتابیں پڑھتی ہیں جالی کا کام بھی سیکھتی ہیں - پڑھائی اچھی ہے صرف دو لڑکیاں ناکامیاب رہی ہیں - یہ مدرسہ ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا ہے -

۸ مدرسے کہاں ہیں اسکا پتہ	کل تعداد طلبا		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے	لڑکیاں	لڑکے
واقع بارود خانہ زیر نگرانی منشی اللہ دلو صاحب																

یہ مدرسہ بارود خانہ میں جاری ہوا تھا۔ مگر معلمہ کی کثیر غیر حاضری سے ۲۲ر دسمبر ۱۸۸۶ء سے بند ہے۔ بعد ملاحظہ انسپکٹر کے پھر جاری ہوا ہے۔

(۹) مدرسے کہاں ہیں اس کا پتہ	کل تعداد طلبار		اوسط حاضری		جماعت اول		جماعت دوم		جماعت سوم		جماعت چہارم		جماعت پنجم		جماعت ششم	
	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو	عیسائی	ہندو
واقع کوچہ سادھوواں زیر نگرانی	۰	۱۲	۰	۹	۰	۱	۰	۱۱	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰
ڈاکٹر محمد الدین صاحب	۰	۰	۰	۰	۰	۱	۰	۵	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰	۰

یہ مدرسہ ۱۵ر اکتوبر ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا ہے۔ پڑھائی معمولی ہے۔ چونکہ یہ مدرسہ چند روز سے قائم ہوا ہے اس واسطے صرف دو جماعتیں قائم ہوئی ہیں۔ اس مدرسہ میں لڑکیاں چھوٹی ہیں۔ اس لئے ان کو کام نہیں سکھایا جاتا۔

یہ دسواں مدرسہ بھی یکم دسمبر سے جاری ہوا ہے۔ ۵ بچے ابھی آئے ہیں۔ پڑھائی معمولی ہے۔ تھوڑے عرصہ سے قائم ہوا ہے۔ اس واسطے کوئی کام شروع نہیں کرایا گیا ہے۔

دسوں اسکولوں میں طالب علموں کی کل تعداد ۲۲۷ ہے۔ لڑکیاں ۱۶۹ اور لڑکے ۵۸ ہیں۔

مدرسۃ المسلمین } ۱۸۸۶ء میں لڑکوں کے لئے ایک مدرسہ انجمن نے قائم کیا۔ جس میں پرائمری کی تعلیم دی جائیگی۔ اس مدرسہ کے جاری کرنے کے واسطے ایک جلسہ حویلی سید محمد شاہ بڑن واقع چوہٹہ مفتی باقر میں منعقد ہوا۔ جس میں بہت سے مسلمان شامل تھے۔ جنھوں نے عالی ہمتی اور حوصلہ کا ثبوت دیا۔ انھوں نے ساڑھے چھ سو روپے لکھوائے۔ غرض یکم محرم ۱۳۰۴ھ کو مدرسہ کا افتتاح ہوگیا۔ ابتدا میں تیس کے قریب لڑکے داخل ہوئے مدرس اُن کے واسطے مقرر کئے گئے۔ مگر تھوڑے عرصہ کے بعد طلبار کے زیادہ داخلے پر لوئر پرائمری کی تینوں جماعتیں قائم کی گئیں۔ مکان جس میں مدرسہ جاری کیا گیا تھا، کافی نہ رہا۔ مکان بدلتے بدلتے آخر سکندر خاں کی حویلی میں مدرسہ منتقل کیا گیا۔ طالب علم اس قدر ہوگئے تھے کہ ۶ ماسٹر اور ایک مانیٹر مقرر کرنا پڑے۔ اس مدرسہ میں فارسی، اردو، انگریزی، جغرافیہ، حساب وغیرہ کے ساتھ کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی ہے اور جمعہ کے روز جامع مسجد میں طلبار کی نماز کی حاضری لی جاتی ہے۔ آخر دسمبر ۱۸۸۶ء میں اس کی پانچوں جماعتوں میں ۱۹۱ طلبار تھے۔ آخر دسمبر ۱۸۸۷ء تک ۲۷۸ طلبا ہوئے اور شروع دسمبر میں موچی دروازہ کی مشن کا برانچ سکول ٹوٹ کر اس میں شامل ہوگیا۔ شروع سال ۱۸۸۸ء کو مدرسہ کی جماعتوں کو مڈل تک کر دیا گیا۔ آخری دسمبر ۱۸۸۸ء کو مدرسہ میں ۳۷۳ طالب علم داخل ہوئے۔ سال گزشتہ تک مدرسہ میں ہائی ڈیپارٹمنٹ کی صرف ایک جماعت ۱۸۸۹ء میں دوسری جماعت کھل گئی۔ ہوتے ہوتے ۱۸۹۲ء میں جبکہ مدرسہ اور اس کی شاخوں کے طالب علموں کی تعداد ۶۵۳ تھی کالج کھول دیا گیا۔ دوسرے سال سیکنڈ ایئر کلاس بھی کھول دی گئی۔ ۱۸۹۶ء تک مدرسہ

کالج کے امتحانات کے نتیجے یہ تھے:-

الف اے میں ۱۶ میں سے دس پاس ہوئے۔ انٹرنس میں ۵۲ میں سے ۲۸ مڈل میں ۲۵ میں سے ۱۲ پاس ہوئے۔ پنجاب کے کالجوں کے مقابلے میں اسلامیہ کالج کا نتیجہ الف اے تیسرے نمبر پر رہا۔ انجمن ہذا کی طرف سے ۴۴ وظائف طلبہ اسکول و کالج کو ۱۸۹۶ء میں دیے گئے۔ جن میں ایک ہزار بارہ روپے خرچ ہوئے۔ ۷۶ طلبہ کو سامان تعلیم اور ۱۱۹ کو فیس کی مدد دی گئی۔ جس کا میزان سالانہ گیارہ سو چھہتر (۱۱۷۶) روپے ہوتے ہیں۔ کالج کے ساتھ بورڈنگ کا بھی انتظام تھا۔

یتیم خانہ ۱۸۸۴ء میں پادری اسلام کے خلاف جو کارروائیاں کر رہے تھے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا رہے تھے اس میں ایک بے جا حرکت ان کی یہ تھی کہ وہ غریب و مفلس لوگوں اور لاوارث یتیم بچوں کو اپنے قبضہ میں لے لیتے تھے۔ اُن کی پرورش کرتے تھے اور آخر میں انکو عیسائی بنا لیتے تھے۔ مسلمان سرمایہ دار اُن کی مدد نہیں کرتے تھے۔ تو لاچار بہت سے غریب معاش کی تنگی کی وجہ سے عیسائیوں کے پاس جا کر روٹی کے بدلے ایمان فروخت کر دیتے تھے۔ کچھ لاوارث اور یتیم بچے اُن کو اس لئے پیش کیے جاتے کہ کوئی مسلمان انکی پرورش کا کفیل نہیں ہوتا تھا اس لئے انھیں بھی پادری عیسائی بنا لیتے تھے اور ہر روز صبح و شام اپنے باپ دادا کے پاک مذہب کی وہ توہین کرتے پھرتے تھے۔

انجمن نے یہ حالت دیکھ کر انجمن کے ابتدائی زمانہ سے یتیم خانہ بنوانے کی کوشش کر رکھی تھی۔ یتیم خانہ کے لئے کافی سالوں تک معقول چندہ نہیں ملا۔ ۱۸۸۵ء میں صرف چالیس روپے یتیم خانہ کی مد کے ملے۔ آخر دسمبر تک ایک سو تیس روپے سوا تو آنے ملے۔ ۱۸۸۶ء میں قربانی کی کھالوں سے ستانوے روپے پونے پندرہ آنے ملا کر ۴۶۹ روپے جمع ہوئے۔ ۱۸۸۷ء میں اغراض کی تکمیل کے لئے قدم بڑھا دیا اور یتیم خانہ قائم کر لیا۔ اس سال یتیم خانہ کو ۲۰۰ روپے صرف دینا پڑا۔ ۱۸۸۸ء میں یتیم خانہ کے لئے کل آمدنی ۶۵۰۹/ ہوئی۔ ۱۸۸۹ء میں یتیم خانہ میں چھتیس لڑکے داخل ہوئے خرچ پانچسو اکیاسی روپے سالانہ ہوا۔ ۱۸۹۵ء میں یتیم، مفلس و ناداروں کی تعداد ۱۱۸ تھی۔ فنڈ سے وظیفہ فیس باتفاق تعلیم کی مدد دی گئی۔ بڑھتے بڑھتے ۱۸۹۶ء میں یتیموں کی تعداد ۵۴ تھی۔ اس سال یتیم خانہ کے لئے مکان بھی خریدا گیا۔

تصنیف و تالیف انجمن نے کتب کی تصنیف کا بھی سلسلہ شروع کر دیا۔ اس زمانہ میں سرکاری مدارس میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اس میں سوائے معلومات دنیا کے دین کی معلومات نہ تھی۔ ان میں اخلاق اور دینی تعلیم کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مگر مسلمانوں کے اس خطرناک زمانہ میں دوم کی تعلیم جس میں مذہبی بھی ہو۔ دنیا ضروری ہے۔ اس لئے انجمن نے ضروری سمجھا کہ ایسی کتابیں تالیف کر کے شائع کرے۔ جس میں دنیاوی معلومات بھی ہوں تاکہ مسلمان بچے جس طرح دنیا کے کاروبار سے واقفیت حاصل کریں۔ اسی طرح دین کی خوبیوں سے بھی آگاہ ہوں۔ اور اس کے احکام کے پابند ہونے کے لائق بنیں چنانچہ انجمن نے ۱۸۸۵ء میں اردو کی پہلی کتاب شائع کی۔ دوسرے سال اردو کا قاعدہ چھاپا۔ اسی طرح بتدریج کتب شائع کیں۔ چنانچہ

۱۸۹۶ء میں انجمن حسب ذیل کتب شائع کر چکی تھی۔

(۱) اردو کا قاعدہ
(۲) اردو کی پہلی کتاب لڑکیوں کے واسطے
(۳) " " "
(۴) " دوسری کتاب "
(۵) " تیسری کتاب "
(۶) " چوتھی کتاب "
(۷) حصہ نظم اردو کی پانچویں کتاب "
(۸) اردو میں دینیات کا پہلا رسالہ
(۹) " " دوسرا "
(۱۰) " " تیسرا "
(۱۱) صرف اردو کا ابتدائی رسالہ "
(۱۲) فارسی کی پہلی کتاب "
(۱۳) " دوسری "
(۱۴) " تیسری "
(۱۵) " چوتھی "
(۱۶) صرف فارسی کا ابتدائی رسالہ
(۱۷) عربی میں دینیات کی پہلی کتاب
(۱۸) " دوسری کتاب
(۱۹) " تیسری کتاب
(۲۰) " چوتھی
(۲۱) انگریزی کا قاعدہ
(۲۲) عربی دینیات کی پانچویں کتاب
(۲۳) منیۃ الراغب
(۲۴) عوامل عربیہ
(۲۵) کتاب الصرف
(۲۶) کتاب النحو
(۲۷) انگریزی انگلش پرائمر
(۲۸) " فسٹ ریڈر
(۲۹) " سیکنڈ "
(۳۰) " گرامر
(۳۱) ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جواب
(۳۲) ابطال الوہیت مسیح علیہ السلام
(۳۳) اثبات اصول اسلام
(۳۴) قرآن شریف کی دنیا کو ضرورت
(۳۵) تقدیس الانبیاء
(۳۶) ازالۃ الشبہات
(۳۷) فطرۃ اللہ
(۳۸) لیکچر گفت و شنید
(۳۹) توحید پر لیکچر
(۴۰) آٹے نامہ
(۴۱) اسرار التنزیل
(۴۲) پنجابی نظم
(۴۳) دائمی جنتری
(۴۴) مسلمانوں کا نصاب تعلیم
(۴۵) لیکچر
(۴۶) انگریزی بول چال
(۴۷) تحریف قرآن کا جواب

کتب خانہ اور لائبریری کتب خانہ لائبریری بنانے کی خواہش انجمن کو شروع سے رہی۔ مگر جب اس کو ۱۸۸۹ء میں منشی گلاب سنگھ مالک مطبع مفید عام پبلشر گورنمنٹ نے اپنے مطبع کی اکثر کتاب اور نقشہ کی ایک ایک جلد انجمن کو دی۔ جس سے اُن کی ہمدردی اور بے تعصبی کا پتہ چلتا ہے، کتب خانہ کی بنیاد پڑی۔

۱۸۹۱ء میں لائبریری اور کتب خانہ میں ترقی ہوئی۔ گذشتہ سالوں سے زیادہ کتب و اخبار آئے۔ تبادلہ میں اخبارات حسب ذیل آتے تھے۔

رفیق ہند، صحیفہ قدسی، اسلام، سراج الاخبار، الصدیق، رسالہ اشاعۃ السنۃ، حامی ہند، الواعظ، انگریزی اخبار، ہیرالڈ مدراس۔

صبح سے ۸ بجے تک کتب خانہ باقاعدہ کھلا رہتا ہے۔ جس سے ہر مذہب وملت کے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کتب خانہ میں ۱۸۹۲ء میں مختلف زبانوں کی تعداد ۱۳۰۵ اور اخباروں کی تعداد ۴۱ تھی۔ ۱۸۹۳ء میں ۱۴۶۲ کتابیں ہوگئیں تھیں۔ درجہ بدرجہ لائبریری اور کتب خانہ نے ترقی کی ۱۸۹۵ء میں ۱۷۶۶ کتابیں ہوگئیں اور ۵۴ اخبار آتے رہے۔ (اب تو یہ لائبریری ایک شان دار لائبریری ہوگئی ہوگی)

یتیم بچوں اور عورتوں کو پادریوں کے پھندے سے نکالنا

علاقہ لدھیانہ کے دیہات کی ایک بال بچے والی عورت مفلسی کے ہاتھوں تنگ آکر کسی کو اپنا کفیل ومددگار نہ پاکر پادریوں کے پاس چلی گئی۔ وہاں گیا تھا جھٹ عورت کو بچوں سمیت بپتسمہ دیا گیا۔ وہاں کے مسلمانوں میں سے مولنا عبدالقادر صاحب لدھیانوی نے عورت کو سمجھانا شروع کیا۔ مولنا کی نیک نیتی کی وجہ سے قدرت نے انکی مدد کی اور وہ عورت پھر مسلمان ہوگئی۔ اُس نے پادریوں سے اپنے بچے مانگے۔ انھوں نے ان کو دینے سے انکار کیا۔ مولنا موصوف نے مقدمہ دائر کیا۔ لدھیانہ کی عدالتوں میں مولنا کی نہیں چلی اور وہ کامیاب نہ ہوئے۔

مسلمانوں نے جو اس مقدمہ کے لئے چندہ کیا تھا وہ خرچ ہوگیا۔ اب چیف کورٹ میں جانے کے لئے روپیہ نہ تھا۔ مولنا نور احمد صاحب مدرس مدرسہ حقانی نے انجمن کو ان حالات کی اطلاع دی اور امداد کی درخواست کی چنانچہ انجمن نے اس کو ضروری سمجھا اور عدالتِ عالیہ کے واسطے جو اخراجات کی ضرورت تھی، انھیں دے دی۔ خدا کا شکر ہے کہ مولنا فتحیاب ہوئے اور چیف کورٹ نے اس عورت کے بچوں کو اُسی کے سپرد کردینے کا حکم صادر کردیا۔

اجراء ڈگری کے واسطے جب مولنا عبدالقادر صاحب نے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں درخواست دی۔ تو پادری نیوٹن نے عذر کیا کہ میں اس مقدمہ میں درحقیقت مدعا علیہ نہیں ہوں۔ نہ بچے میرے پاس ہیں۔ میں قانون کی ناواقفیت کی وجہ سے مقدمہ کی پیروی کرتا رہا۔ مجھ پر ڈگری کی تعمیل نہ کرائی جائے۔ ڈسٹرکٹ جج نے اس عذر پر وہ فیصلہ چیف کورٹ میں بھیج دیا۔ چیف کورٹ نے اپنے سابقہ فیصلہ کو برقرار رکھا۔ چنانچہ دو بچے عیسائیوں کے قبضہ سے ملے۔ تیسرے لڑکے کی بابت انھوں نے کہہ دیا کہ وہ کہیں چلا گیا۔ ان یتیم بچوں کی حالت زار کا نقشہ جبکہ وہ پادری نیوٹن کے قبضہ میں تھے، یتیم بچوں کی زبان میں نذیر علی لکھنوی شاعر نے کھینچا ہے، ملاحظہ ہو۔

کھلی ہے قیدِ مشن میں میری زبان، نیوٹن
میں ظلمہائے مشن کیا کروں بیاں، نیوٹن

دکھائی قیدِ مشن ہم کو آب و دانہ نے
وگرنہ باپ کہاں، ماں کہاں کہاں، نیوٹن

ترے مشن کے نہ آتا میں زینہار قریب
نہ ہوتا باپ اگر خاک میں نہاں، نیوٹن

نہ جبر سے ہیں عیسائی کر خدا سے ڈر!!
نہ رہا جب ایماں تو جاں بھی جائے
اپیل سے ہیں چھوڑا ہے چیف جسٹس نے
پھریں گے دینِ محمدؐ سے ہم نہ تادمِ مرگ
خدا کا خوف تمہارے نہیں دلوں میں ذرا

نہیں پسند ہم کو روٹیاں، نیوٹن ہٹ
زمیں سے ہم کو اٹھائے اب آسماں نیوٹن
نہ کر غرور ہمیں چھوڑ مہرباں نیوٹن
تمہاری جائیگی محنت یہ رائیگاں نیوٹن
جو اس فساد پہ باندھی کمر میاں نیوٹن

چھڑا دے قیدِ دشمن سے تو اے خدا ہم کو ہٹ
ہے ماں کے قدموں کے نیچے بستاں جناں نیوٹن

(۲) ایک غریب و مفلس اور نادار شریف بیوہ سید زادی جو اپنے متعلقین کی طرف سے کافی گزارہ نہ ملنے کے باعث عیسائی ہو گئی تھی۔ اُس کے بارے میں ہوشیار پور سے درخواست آئی اگر انجمن اسے مالی امداد دے تو وہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ پھر اسلام قبول کرے گی۔ انجمن نے بڑی خوشی سے یہ درخواست منظور کرلی۔ وہ عورت پڑھی لکھی قابل تھی۔ اس کو لاہور آنے پر نسوانی مدرسوں کی نگرانی پر مامور کر دیا اور اس کے بچوں کو پانچ روپے ماہوار دیا گیا۔ مکان بھی یتیم خانہ میں اس کو دیا گیا۔

(۳) شروع میں ۱۸۹۰ء میں کابل کی دو شہزادیوں کو جو پہلے عیسائی ہو گئی تھیں اور پھر انجمن کے ذریعہ مسلمان ہوئیں۔ دونوں کو دس روپے ماہوار وظیفہ ملتا رہا۔ آخر سال ایک کا نکاح ہو گیا۔ اس لئے اس کا وظیفہ بند کر دیا گیا۔ دوسری شہزادی کو برابر وظیفہ مل رہا ہے۔

انجمن کی شاخیں یوں تو انجمن حمایت الاسلام کی ہندوستان بھر میں سینکڑوں شاخیں ہونگی۔ لیکن جو ہمارے علم میں مستند طور پر ہیں وہ یہ ہیں۔ جو ۱۸۹۲ء تک مرکز سے ملحق ہوئیں۔ انجمن پٹیالہ، انجمن امرتسر، انجمن گوجرانوالہ، انجمن ہرک دو بالاں، انجمن برما، انجمن حیدر آباد دکن۔

لیورپول مسلم انسٹی ٹیوٹ مولانا محمد علی مونگیری نے اس سوسائٹی کا ذکر اپنی کتاب پیغام محمدی میں حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:-

"یہ کہیے کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں وہ مذہب عنایت کیا ہے۔ جو اپنی ذاتی عمدگی کی وجہ سے مثل آفتاب چمکتا ہے۔ یہ اس کی سچائی اور عمدگی کی کیسی روشن دلیل ہے کہ جس مقام پر اس کے مخالفوں کی شان و شوکت ظاہری کا دریا موجزن ہے۔ وہاں بھی سچے دلوں میں یہ اپنا اثر دکھا رہا ہے اور اپنی خوبیوں سے اُن کے دلوں کو بے تاب کر رہا ہے۔ لندن وغیرہ میں عیسائی مسلمان ہوتے جاتے ہیں۔ بعض ڈرتے ہیں مگر بعضوں کے دلوں میں ایسا جوش ہوا کہ انھوں نے اعلان کر دیا ہے۔ چنانچہ لیورپول میں انھیں پر جوش نونہال مسلمانوں نے ایک انجمن قائم کی ہے۔ جس کا نام لیورپول مسلم انسٹی ٹیوٹ Liverpool Muslim Institute ہے۔ اس انجمن کی غرض، اشاعت اسلام، تعمیر مسجد، تعلیم فارسی، عربی، ترکی،

ہندوستانی، عبرانی، موئید اسلام کتابوں کا مشتہر کرانا، ایک کتب خانہ مہیا کرنا، غریب مسلمانوں کی مدد کرنا ہے۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہمت و مستعدی سے اس انجمن میں شریک ہوں۔ اس کی مدد کریں۔ اس انجمن کے میر مجلس مولوی رفیع الدین صاحب سابق میر مجلس انجمن اسلامی بمبئی ہیں اور مسٹر جی لسٹر صاحب آنریری سکریٹری ہیں۔ جو صاحب چاہیں اُن سے خط و کتابت کریں۔" (پیغام محمدی مطبوعہ ۱۳۰۶ھ ۶ ص ۳۲۳)

انجمن خادم علوم اسلامیہ

انجمن حمایت الاسلام کی کامیابی کے بعد تین سال کے عرصہ میں یہ خادم علوم انجمن قائم ہوئی۔ پنجاب کے مسلمانوں میں ہمت پیدا ہوئی۔ تو انجمن اسلامیہ پشاور، انجمن اسلامیہ امرتسر، انجمن اسلامیہ بٹالہ، انجمن اسلامیہ شملہ اور پنجاب کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں انجمنیں بنیں مثلاً انجمن اسلامیہ اجمیر، انجمن اسلامیہ احمد آباد، انجمن اسلامیہ مراد آباد ۱۸۸۸ء میں موجود تھیں۔

انجمن خادم علوم کے مقاصد تقریباً وہی ہیں جو انجمن حمایت الاسلام کے تھے۔ عورتوں کو تعلیم دینا، انکو دستکاری سکھانا، اور مسلمانوں کے جو علوم ہیں ان کو زندہ رکھنا اور یتیموں کی پرورش کرنا، تاکہ وہ عیسائیوں کے قبضہ میں نہ چلے جائیں۔ انجمن حمایت الاسلام لاہور اور مذکورہ انجمن کے اصولوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ مذکورہ انجمن بھی چاہتی ہے کہ مسلمانوں کے بچے اسلامی تعلیم پائیں۔ اُن کے لئے ایسے مدرسے قائم ہوں اس کے بعد خواہ وہ انگریزی مدرسہ میں چلے جائیں اُن پر اسلامی اثر ہوگا۔ اور وہ مشن معلموں کے اثر میں نہیں آسکیں گے۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ جو مسلمان طلباء سنٹرل موڈل سکول میں تعلیم پا رہے ہیں وہ ساتھ ہی اسلامی تعلیم بھی پائیں۔ جن کو انجمن کا مدرسہ علوم اسلامیہ دے۔ چنانچہ مذکورہ انجمن کے اغراض و مقاصد یہ ہیں:-

انجمن کے اغراض و مقاصد

(۱) مسلمانوں کے اخلاق و معاشرت کو درست کرنا۔

(۲) علوم عربیہ اسلامیہ کو جو اس ملک (ہندوستان) میں کالعدم ہوگئے ان کو زندہ کرکے سرسبز کرنا۔ جس کے لئے بالفعل ایک اعلیٰ دینیاتی تعلیم کا مدرسہ جاری کیا جائے۔

(۳) اس مدرسہ میں اعمال شرعیہ کی تعلیم دینا۔ ان کی پابندی کرانا (۴) لڑکیوں کی دینی ابتدائی تعلیم کا انتظام کرنا دستکاری سکھانا، مثلاً کشیدہ کاری، ہوزری کا کام کی اور دستاری بافی و موزہ و دستانہ اور گلوبند اور اونی و سوتی اور ہر ایک طرح کے سلائی کا کام۔

مدرسہ میں تعلیم کس نوعیت کی ہوگی۔ اس کی تشریح بھی ۱۱ نومبر ۱۸۹۴ء کے جلسہ انجمن میں حسب ذیل تجویز سے کردی گئی تھی:-

"فی الحال ایک مدرسہ ابتدائی تعلیم کے لئے رکھا جائے۔ طلباء قرآن خواں کو ابتدائی تعلیم اسی طریقہ سے دی جائے کہ قرآن شریف کے ختم اور ابتدائی دینیاتی تعلیم پڑھائے جانے کے بعد اگر ان کے رشتہ دار ان کو کسی انگریزی مدرسہ میں داخل کرانا چاہیں۔ تو وہاں مناسب جماعت میں داخل ہو سکے۔ چنانچہ ایسی تعلیم کی ابتدا ۱۸۹۵ء سے کردی گئی ہے۔

یتیموں کا انتظام

یکم مارچ ۱۸۹۴ء کے انجمن کے اجلاس میں یہ طے ہوا کہ خاص طور پر یتیم مسلمان

بچوں کی کفالت خود انجمن کرے۔ جو یتیم بچے اُن کو لیں ۔ دینیات کی اعلیٰ تعلیم دلوا کر انکو قوم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ تاکہ وہ رد نصاریٰ کر سکیں۔ چنانچہ ۱۸۹۴ء میں ۴۴ بچے انجمن کے ذریعہ پرورش ہو رہے ہیں اور تعلیم پا رہے ہیں۔ انجمن ہی انکی خوراک اور پوشاک دیتی ہے۔ اس سے قبل شروعِ زمانے میں حاجی شیخ چراغ الدین نے اور حافظ چراغ دین اور حکیم مفتی سلیم اللہ خان کے اخراجات کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے رکھی تھی چونکہ یتیموں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے تو اس کے لئے (دارالاقامہ) بورڈنگ کی ضرورت ہے۔

(رپورٹ انجمن مذکور ۱۸۹۴ء ص۸)

واعظ ورد نصاریٰ } واعظ رد نصاریٰ مولنا مفتی سلیم اللہ اور حافظ چراغ دین لاہور میں بھی گلی کوچے تبلیغ کرتے اور پادریوں کو شکست دیتے پھرتے تھے۔ ان کا کام یہ بھی تھا کہ وہ اور دوسرے صوبوں میں وعظ اور رد نصاریٰ کرتے اور انجمن کے لئے زیادہ سے زیادہ چندہ لاتے تھے۔

چنانچہ وہ اپنی تقریروں میں صاف صاف یہ کہتے تھے کہ مسلمانوں کے بچوں کو انگریزی تعلیم دینے سے قبل ابتدائی اسلامی تعلیم دینا ضروری ہے۔ نیز علماء اور رد نصاریٰ کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ جن کا وجود ختم ہوتا جاتا ہے اور قوم کی توجہ انگریزی کی طرف ہو گئی ہے۔ اس واسطے انتہائی ضرورت اس بات کی ہے کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینیات کیلئے مدارس کھولے جائیں اور قوم کو اس طرف متوجہ کیا جائے۔ انگریزی تعلیم کا انصرام کوئی قومی کام نہیں ہے جس کو عمل میں لایا جائے۔ قومی کام مذہبی اعلیٰ تعلیم ہے۔ اس کو رائج کرنا مسلمانوں کا فرض ہے۔

انجمن تبلیغ اسلام حیدر آباد دکن } یہ انجمن تبلیغ اسلام یعنی مذہب اسلام کو پھیلانے کی حامی ہے۔ اس انجمن کے اغراض و مقاصد بھی اسی اصول پر ہیں چنانچہ ملاحظہ ہوں :-

(۱) غیر مسلموں میں بذریعہ تقریر و تحریر کے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرنی۔

(۲) نو مسلموں کے لئے تعلیم فرائض و سنن اسلامی کا بندوبست مسلموں کے ذریعہ سے کرانا۔

(۳) نو مسلموں کی حسب ضرورت دستگیری کرنا۔

تشکیل مجلس انتظامی }

جناب مولنا شاہ عبدالرحیم قادری میر مجلس	جناب حاجی مولنا میر انوار اللہ نائب میر مجلس
جناب سید مرتضیٰ صاحب قادری معتمد خازن	جناب مولوی غلام احمد صاحب شریک معتمد
جناب حاجی مولوی صفی الدین شریک معتمد	جناب مولوی سید احمد صاحب مہتمم
جناب مولوی شرف الحق صاحب دہلوی (ممبر)	جناب مولوی قمرالدین صاحب (ممبر)
جناب مولوی سید احمد صاحب قادری (ممبر)	جناب مولوی سید ابراہیم صاحب (ممبر)

واعظ رد نصاریٰ } یہ واقعہ ہے کہ حیدر آباد جیسی جگہ میں ردِ نصاریٰ یا مناظر کا ملنا مشکل ہے۔ انجمن

کے نومسلین دو آدمی مقرر تھے۔ ان کو مولنا ہادی مبلغ و ردّ نصاریٰ کے ماتحت کردیا۔ دو آدمی جو مقرر ہوئے ایک رحمت علی مرہٹی داں اور دوسرے محمد حسین تلنگی داں تھے۔ ان کا تقرر تین ماہ کے لئے ہوا۔ انجمن نے انکے لئے طے کیا کہ یہ ایک وقت مقررہ اسلامی اور عیسوی معلومات کا امتحان دیں تاکہ معلوم ہو کہ یہ کس قدر مناظرہ اور تبلیغ و ردّ نصاریٰ کے لئے موزوں ہیں۔

نومسلموں کی خبرگیری کے لئے غلام محمد نامی نومسلم مقرر ہوئے تاکہ وہ نومسلموں کے خیالات سے وقتاً فوقتاً کو اطلاع کردے۔ انجمن کے قیام کو ابھی چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ۱۳۰۶ھ میں قائم ہوئی تھی۔ یہ خیالات ہم اس وقت کے لکھ رہے ہیں۔ انجمن کی طرف سے فی الحال ایک واعظ ردّ نصاریٰ مولوی عبدالہادی اور ایک محمد حسین صاحب کارآموز واعظ و ردّ نصاریٰ مقرر ہیں۔ ان کے علاوہ عبدالقادر صاحب بھی دعوتِ اسلام دینے میں ہمہ تن معروف رہا۔

اور اس مدت میں دہلی کے مشہور ردّ نصاریٰ مولنا شرف الحق صاحب بھی دہلی سے حیدرآباد تشریف فرما ہوئے ان کو انجمن کے بانیوں میں سے سمجھنا چاہیے۔ انھوں نے اپنا تمام وقت انجمن کے پروپیگنڈے اور ردّ نصاریٰ کرنے میں لگا رکھا تھا۔ حیدرآباد کے کوچہ کوچہ میں اُن کے وعظ ہوتے تھے۔ پادریوں کا ناک میں دم تھا۔ پادری گولڈاسمتھ جو حیدرآباد مشن کے انچارج تھے وہ ان کا نام سنکر بہت پریشان ہوتے تھے۔

اینڈاپار کے مسلمانوں نے انجمن سے واعظ و مناظر طلب کئے۔ مولوی عبدالہادی وہاں روانہ کئے گئے۔ انکے وعظ و نصیحت سے بہت سے لوگ مسلمان ہوگئے۔ اُن کے وعظ وہاں [illegible] ہوئے۔

اضلاع نلگنڈہ اور ورنگل میں چونکہ پادریوں کا زور تھا اور وہاں کے ہندوستانی اکثر عیسائی بنائے جاتے تھے۔ اس لئے واعظ اور ردّ نصاریٰ مولنا عبدالہادی کو اسلام کی حقانیت اور تثلیث کے ابطال کے لئے بھیجا گیا انھوں نے اپنی تقریروں میں فرمایا۔ لاکھ لاکھ شکر ہے خدائے ذوالجلال والاکرام کا کہ اس نے ہم کو اس کی اُمت شمار کئے جانے اور اس کے پیروکار ہونے کا اعزاز بخشا ہے۔ جس کی نسبت خود ہی فرمایا ہے۔ (وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْن) یعنی رحمۃ اللعالمین۔ رسولِ خدا جسپر ہمارا دل قربان اور ہماری جان فدا۔ جس نے ہم کو پاک دین کی جانب رہبری کی جو خدا کا دین ہے۔ یعنی اسلام۔ خداوند رب العزت نے فرمایا کہ (اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ) وہ دین جسپر آپ اور اپنی اولاد قائم رہنے کے لئے حضرت اسماعیل علی نبینا نے ان الفاظ میں دعا مانگی (ربنا وجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک) وہ دین جس کی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہ جتلا کر، یہی دین ہے۔ جس کو خدا نے تمہارے لئے پسند کردیا ہے۔ اسی طرح ان الفاظ میں نصیحت کی (ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون) وہ پاک مذہب جس کے خدا نے ابراہیم سے (اسلم) اور ابراہیم نے جواب میں کہا کہ (اسلمت لرب العالمین) وہ دین جسپر رہنے کے لئے حضرت عیسیٰ کے مقدس حواریوں نے خداوند تعالیٰ پر

ایمان لانے کے بعد اس طرح گواہی دی (واشھد بانا مسلمون) وہ دین جس نے توحید کا سبق دیا۔ اور تمام عالم میں چرچا کیا۔ وہ دین جس نے شرک کی بیخ کنی کی۔ ایسے دین کا پھیلانا اور اس کے لئے مصائب جھیلنا اسی برگزیدہ ہستی کا حصہ تھا۔ جو خاتم النبین تھا اور رحمت اللعالمین کا لقب پایا تھا۔ جس کو خدا نے اپنے بندوں کی دینی اور دنیوی بھلائی کے لئے مامور فرمایا۔ جس نے قل ھو اللہ احد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد ؐ کا سبق پڑھایا اور صاف آیات اللہ سے ثابت کیا کہ حضرت عیسی خدا کے بیٹے نہیں ہیں اس کے پیروکاروں پر اس کی سنت کا اتباع لازم ہے۔ چنانچہ تبلیغ الاسلام بھی ایک مہتم بالشان عمل ہے جو انسانی ہمدردی کے مترادف ہے۔ بقول شیخ ہادی کے (خیر الناس من ینفع الناس) اور نفع بھی کیسا۔ دینی اور دنیوی، لازوال اور دائمی - ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تبلیغ کرے اور تبلیغی جماعتوں کی اعانت میں حصہ لے۔ اسی مبارک و مقدس کام کے لئے اور رد نصاریٰ کرنے کے لئے انجمن تبلیغ الاسلام حیدرآباد قائم ہوئی ہے۔ مشن کے پادریوں سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ تم انجمن کے ممبر بنو اور جو پروگرام انجمن رد نصاریٰ کا بتائے۔ اس کو رائج کرو۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اپنے گھروں میں میموں اور مسوں کو داخل کروگے۔ تو تمہاری عورتوں کا دین سلامت نہیں رہ سکتا۔ اُن سے بچو اور اُن کو اپنے گھروں میں داخل مت ہونے دو۔

مولوی عبدالہادی صاحب شہر میں بھی سر راہ رد نصاریٰ اور وعظ فرماتے تھے۔ مولنا عبدالقادر سب سے زیادہ لائق تعریف ہیں۔ انجمن کو آپکی ذات سے بہت فائدہ پہنچا۔ اس عرصہ ششماہی میں جو نو مسلم ہوئے۔ ان میں بہت بڑا حصہ آپکی ہی تلقین و مناظرہ کا نتیجہ ہے۔

تعداد نو مسلمین } مولنا شرف الحق، مولنا عبدالہادی، مولنا عبدالقادر صاحبان کی کوششوں، عملوں اور مناظروں سے ۶ ماہ میں جو مسلمان ہوئے اس کا گوشوارہ حسب ذیل ہے۔

مسافرین		جہال		جملہ		کل	کیفیت
مرد	عورت	مرد	عورت	مرد	عورت	۱۳۶	
۷۵	۳۱	۱۸	۱۲	۹۲	۴۳	۲۶	
۴	۴	۷	۱۱	۱۱	۵	۴۱	
۰	۹	۱۲	۱۲	۲	۲۱	۰۷	
۰	۰	۳	۴	۳	۴	۷	
جملہ	۸۷	۴۴	۴۰	۳۹	۱۲۷	۲۱۰	

اس گوشوارہ میں ۹۔ انگریز اور اٹھارہ کرسٹان اپنے مذہب کو بدلکر مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن نو مسلموں میں بعض انتہائی مشہور خاندان کے فرد ہیں۔ یہاں انکا ذکر کرنا ضروری ہے۔

مسٹر سنتو } اسلامی نام حامد، اس پرجوش نومسلم سے اشاعت اسلام میں بہت مدد ملی ہے۔ تلاش معاش میں حیدرآباد آگیا ہوا ہے۔ لیکن خاموش نہیں بیٹھا۔ محاسن اسلام اور رد نصاریٰ پر انگریزی مضامین شائع کر رہا ہے۔ یورپین لوگوں کو اسلام کی دعوت دے رہا ہے۔

فضل مسیح } اسلامی نام محمود، ایک پنجابی مسلمان ہے۔ مذہب اسلام کی لاعلمی اور پادریوں کے حسن سلوک کے دام میں آکر مرتد ہوگیا تھا۔ حیدرآباد دکن مشن کے انچارج پادری گولڈسمتھ کا یہ بہت مددگار اور بڑا حامی تھا۔ حامیان اسلام پادری گولڈسمتھ سے جو مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اس اسلامی حقانیت نے اس کے دل میں جگہ کی اور اپنے باطل عقیدہ سے توبہ کرکے مشن کی تنخواہ پر لات مار کر پھر مشرف بہ اسلام ہوگیا۔

مسٹر انتونی } یہ شخص بھی پادری فضل مسیح کی طرح پادری گولڈسمتھ کا مددگار تھا۔ اس نے اپنا بچپن مرہٹواڑہ میں گزارا۔ مرہٹی زبان سے بخوبی واقف ہے۔ یہ تثلیث کے فلسفہ سے بیزار ہوکر مسلمان ہوگیا تھا۔

مس کرولن مس کیٹی آدم } یہ دونوں بہنیں ہیں۔ انگریزی میں قابل ہیں۔ اردو زبان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان سے محمد حسن، محمد حسین نومسلموں کا نکاح پڑھوادیا گیا ہے۔ مسائل اسلامی کی واقفیت بھی اچھی ترقی کی ہے۔ عبادت الہٰی میں مصروف رہتی ہیں۔

کیخسرو، فیروز شاہ } یہ دونوں بھائی ہیں۔ قوم پارسی، دادا بھائی رستم جی نامی کے فرزند ہیں۔ ان کے والد ایک مشہور سیٹھ کہلاتے ہیں۔ ان کی عمر ۲۰ - ۲۲ سال کی ہے۔ محمد حسن اور محمد حسین ان کا نام رکھا گیا۔ علاوہ گجراتی کے انگریزی اور اردو کی نوشت وخواندگی آزادی کے ساتھ کرسکتے ہیں ۲۷ رمضان کو ان کے والد نے ان کے حالات سے واقف ہونے کے بعد ان کو اپنے مکان سے نکال دیا۔ یہ بے چارے حیران وسرگرداں تھے کہ ایک باحمیت انجمن کے رکن نے ان کو مع ان کی بیویوں کے اپنے مکان میں لا رکھا۔ پھر معتمد انجمن نے ان کے تمام امداد کے لئے انجمن کے ارکان سے چندہ لیا۔ سردست ماہانہ پچاس روپے ان کو دئے جاتے ہیں۔

اس ۶ ماہ میں نومسلموں کی تعلیم اور سکونت کا ہنوز کوئی انتظام نہیں ہوسکا۔ بعض معتمد صاحب کے پاس رہتے ہیں اور وہیں ان کی مذہبی تعلیم بھی ہوتی ہے اور بعضوں کی تعلیم کے فرائض مسجدوں کے پیش امام پوری کرتے ہیں۔ محمد حسن، محمد حسین، مولوی محمد غوث صاحب سعید کے پاس قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔

نومسلموں کو ٹھیرانے اور تعلیمی درسگاہیں قائم کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔ جس کے رکن مولانا اشرف الحق صاحب دہلوی، مولوی عزیز مرزا، مولانا محمد عبدالغفور صاحب، مولوی سید احمد قادری اور مرتضیٰ قادری ہیں اور مولوی غلام احمد شریک معتمد مقرر ہوئے۔

وکلاء کو مقرر کیا گیا۔ اشتہارات پروپیگنڈہ چھاپے گئے۔ حساب وکتاب کے رجسٹر منگائے گئے۔
چندہ دہندوں کی تعداد بڑھ گئی ہے۔ وصولیابی کے لئے ایک چپراسی ہے۔ وہ چندہ دہندگان کے پاس وقت پر نہیں جا سکتا اور وصول کنندہ کا اضافہ کیا جا رہا ہے۔
جناب مولوی محمد عبدالکریم ناظم پیشہ نے بکمال حمیت جوش اسلامی اپنی مملوکہ زمین واقع کنڈ گوشہ محل سے زمین تخمیناً قیمتی دو ہزار روپے عطا کئے۔ انجمن نومسلموں کی بود و باش کے لئے وہاں پر ایک وسیع مکان اور ایک مسجد بھی بنائے گی۔ یہ عطیہ انجمن کے لئے ایک دائمی یادگار ہے۔

انجمن موئید الاسلام دہلی

دہلی کے غیور، خیر اعلیٰ و اصلاحی طبقے نے ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو دہلی میں انجمن موئید الاسلام قائم کی۔
یہ انجمن کیوں قائم کی گئی۔ اس لئے کہ دہلی کے مسلمانوں کے پاس مسلمان یتیم بچوں اور بچیوں کے لئے پرورش و نگرانی کرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ جس کی وجہ سے عیسائی مشنری ان کو اپنے قبضہ میں لے لیتے تھے اور انکی پرورش کر کے عیسائی بنا لیتے تھے۔ اس زمانہ میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم پر کم توجہ دی جاتی تھی اور عیسائی عورتیں گھروں میں گھس کر سینا پرونا سکھانے کے بہانے اپنے ساتھ لے جاتی تھیں۔ انکا مذہب بدلکر عیسائی مذہب میں داخل کر لیتی تھیں۔ مسلمانوں کی غفلت کا یہ عالم تھا کہ لاوارث مسلمانوں کی میتیں بغیر کفن اور بغیر نماز جنازہ پڑھائے گڑھے میں ڈالدی جاتی تھیں انکی نعشوں کو گیدڑ اور کتے کھاتے اور خراب کرتے تھے۔ اس انجمن کی تشکیل ہونے کے بعد اس کے حسب ذیل اغراض و مقاصد مقرر ہوئے:۔

(۱) مسلمانوں کے لاوارث لڑکوں اور لڑکیوں کی پرورش کرنا اور انکو دینی و دنیاوی و اخلاقی تعلیم دینے کے لئے یتیم خانہ اور اسکول کا قیام۔

(۲) نومسلموں کی نگرانی کرنا اور انکی ضروریات کو پورا کرنے کی سعی کرنا۔

(۳) مسلمان لاوارث محتاج میتوں کی تجہیز و تکفین کرنا۔

(۴) ویران مسجدوں کو آباد کرنے میں حتی الامکان کوشش کرنا۔

چنانچہ انجمن موئید الاسلام کے دوسرے اجلاس میں ۱۸۹۳ء میں مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی نے اپنی تقریر میں ان اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔
انجمن نے چار پانچ کاموں کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اول یتیموں کی پرورش اور انکی تعلیم۔ اس مجلس میں اکثر صاحب اولاد ہونگے۔ پھر کوئی تھوڑی دیر کے لئے یہ تصور کرے کہ خدانخواستہ میں دنیا سے اٹھ جائیں اور ساتھ ہی بیوی اور دیگر اقارب بھی چل بسیں اور گھر در بھی کچھ نہ رہے۔ صرف چھوٹے چھوٹے بچے رہ جائیں۔ جو پیار سے تمہارے گلوں میں ہاتھ

ڈال کر چنے اور ناز کرتے ہیں اور تم ان پر مکھی بیٹھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ پر وہ ہائے ابا ہائے اماں کہکر روئیں اور پولس ان کو لے جاکر پادری صاحب کے حوالے کردے اور پادری صاحبان انکو عیسائی بنائیں اور تمہاری پیاری بچی جوان ہوکر کرسٹانوں کے پھندے میں پھنسے۔ اگر مسلمان یتیم بچوں کے کرسٹان بنانے کے عذاب میں خدائے تعالیٰ ہم کو سب کو پکڑلے تو ہم کیا عذر کرسکتے ہیں۔ جب ہی تو دن بہ دن تنزلی، ذلت و افلاس کے گڑھے میں ہم لوگ گرتے جارہے ہیں۔

دوسرا کام اس انجمن نے اپنے سر لیا ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم اسلامی قاعدے سے کرائی جائے اور پادریوں کے پھندے سے بچایا جائے۔ آپ اس بلا سے واقف نہیں کہ تمہارے گھروں میں کب سے یہ میمیں گھسی پڑی ہیں اور ان کے کیسا کیا برے نتائج ظہور میں آئے اور خدانخواستہ اور کیا ظاہر ہونگے۔ یہ میم صاحبہ جو بھولی بھولی صورت بنائے گاڑی میں سوار آپکے گھر پر سینا پرونا اور لکھنا پڑھنا سکھانے نہیں آتیں بلکہ کرسٹان بنانے آتی ہیں۔ سانپ کا ڈنگ انکی گفتار اگر پورا پڑگیا تو کام تمام ہوگیا۔ ورنہ کچھ نہ کچھ زہر تو چڑھا ہی جاتی ہیں۔"

ابھی کا تازہ واقعہ ہے کہ کوئی آزاد خانم خاوند سے ناراض تھیں۔ طلاق چاہتی تھیں۔ مشن کے نان پاؤ کا مزہ چکھ چکی تھیں۔ خاوند تھا غیور۔ وہ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ مس صاحبہ سے اس خانم نے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کیا بات ہے تم مشن چلی آؤ۔ تمہارے خاوند کی کیا مجال کہ جو مشن کے احاطے کے اندر پاؤں بھی رکھ سکے۔ ہم پولس کو کہدینگے کہ وہ آئے تو گرفتار کرلے۔ چٹی چمڑی کا اثر پولس پر بھی چلتا ہے۔ حکومت گھر کی ہے۔ پادری صاحب بھی حاکم ضلع کے بھائی ہیں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔ وہ کئی کنواری لڑکیوں کو لے بھاگیں۔ اسی قسم کی بہت ہی شرمناک باتیں ہیں۔ جن کا ذکر مناسب نہیں۔

تیسرا کام نو مسلموں کے کھانے پینے رہنے کا سامان و انتظام، پھر اُن کو کسی کام پر لگانا ہے۔

چوتھا کام فرض کفایہ ہے۔ جس کے ترک کرنے سے آج تک تمام شہر گنہ گار ہورہا تھا۔ شفاخانوں میں لاوارث مسلمانوں کی میتوں کو بے غسل و کفن اور بغیر نماز جنازہ گڑھے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر کیا اس کی تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ تمام مسلمانوں پر فرض نہ تھی۔ اور اس کے ترک کرنے سے تمام شہر عالم و جاہل، امیر و غریب خدا کے تعالیٰ کے قہر کے سزاوار نہیں ہوتے ضرور ہوتے ہیں۔ غیرت کرو کہ تمہارا بھائی بیکسی کی حالت میں شفاخانہ پہنچا۔ وہاں ڈاکٹر صاحب نے اپنا تجربہ حاصل کرنے کے لئے مسلمان میت کو چیر پھاڑ ڈالا اور پھر بسڑیل کپڑے میں بلکہ وہ بھی نہیں ہوتا کسی گڑھے میں ڈال دیتے ہیں۔ گیدڑ، کتے اس کی لاش کو کھاتے اور خراب کرتے ہیں اور یہ سب کچھ ہونے پر بھی ہم خواب خرگوش میں پڑے ہوئے ہیں۔

یوں تو اس انجمن کے بانیوں میں جناب منشی کرم اللہ خانصاحب، مولوی عبدالمجید صاحب، مولوی حسن علی صاحب، حاجی عبدالغنی صاحب، خان بہادر ڈپٹی محمد الٰہی بخش صاحب اور مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی وغیرہ تھے۔ لیکن انجمن کے کاموں میں زیادہ وقت دینے والے اور انجمن کے پروگراموں کو کامیاب کرنے والے منشی کرم اللہ خاں صاحب

ہی تھے ۔ انہی کو انجمن کا بانی سمجھنا چاہیے ۔
چنانچہ انجمن کے دوسرے اجلاس میں جو ۱۳۱۱ھ میں ہوا تھا ۔ منشی محمد حسین صاحب مہتمم مدرسہ نسواں ان
کے بارے میں فرماتے ہیں :۔

" بالخصوص محسن القوم خانصاحب منشی محمد کرم اللہ خانصاحب کا مشکور ہوں کہ ہر وقت اس دھن میں لگے ہوئے ہیں ۔ یہ جو کچھ پھل پھول ہیں ۔ ان کا ہی خلوص ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس کا اجرِ عظیم ان کو دیوے اور ان کو زندہ سلامت رکھے (۱۶) ۔

اسی دوسرے اجلاس میں انجمن کے سکریٹری خان بہادر ڈپٹی محمد الہی بخش صاحب نے منشی محمد کرم اللہ خانصاحب کا ذکر اسی انداز سے کیا ہے ۔

"جناب منشی محمد کرم اللہ خانصاحب کی توجہ دلی کی کوشش کا تذکرہ کرنا ضروری ہے ۔ خانصاحب موصوف اس انجمن کے روح رواں ہیں ۔ تمام صحت اور قوت کو انجمن کے کاموں میں وقف کردیے ہیں میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں ۔ جو میں انکی سعی و کوشش کو بیان کروں " ۔

آثارِ دھلی ، یادگارِ دھلی اور واقعات دارالحکومت دھلی میں بھی منشی صاحب کو انجمن مؤیدالاسلام کا با
مبانی لکھا ہے ۔ چنانچہ صاحب آثارِ دھلی آپ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں :۔

" آپ سراپا اخلاق ہمہ تن اشفاق ، صاحب الرائے ، اولوالعزم ، ہمدردِ قوم اور بزرگان دہلی میں سے ہیں یتیم خانہ انجمن مؤیدالاسلام کے بانی مبانی آپ ہی ہیں " (۲۳)

انجمن کا ہر ممبر فعال تھا ۔ چنانچہ ہر ممبر کو ایک علاقہ سونپ دیا گیا تھا ۔ جو اپنے علاقہ میں انجمن کے پروگراموں
کو کامیاب کرنے اور چندہ فراہم کرنے کا کام انجام دیتا تھا ۔ چنانچہ انجمن کی دوسرے سال ۱۳۱۱ھ کی رپور
میں اس کا ذکر ہے ۔

" علاقہ نمبر ۲-۳ میں حاجی انعام اللہ صاحب نے اپنی قدم فرسائی سے انجمن کی اچھی امداد کی ہے ۔ علاقہ نمبر
میں حافظ عبدالغفار صاحب نے اپنی کوشش سے بے دریغ توجہ فرمائی ۔ علاقہ نمبر ۵ میں محمد اسماعیل صاحب
انجمن کے کاموں میں رات دن مصروف ہیں ۔ علاقہ نمبر ۶ ، ۷ ، ۸ اور ۹ میں جناب حکیم اجمل خانصاحب حک
احمد سعید خانصاحب اور حاجی عبدالغنی صاحب نے اپنی حسن سعی سے انجمن کی طرف سے معالجہ بہت خوب
کیا اور خصوصاً حکیم احمد سعید خانصاحب نے جس ذوق و شوق سے وصولی چندہ میں محنت کی ہے ۔ وہ لائق ش
گزار ہیں ۔ علاقہ نمبر ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ میں حکیم ظہیرالدین احمد صاحب ، حکیم رضی الدین احمد خانصاحب اور منش
محمد حسین صاحب نے بڑی محنت و جانفشانی سے کام کیا ہے ۔ علاقہ نمبر ۱۳ - ۱۵ میں شیخ محمد الدین صاحب نے ماہ م
رمضان شریف سے جو کام شروع کیا ۔ روز بروز ترقی پر ہے اور چرم قربانی کی وصولی میں سب پر سبقت لے گ
علاقہ نمبر ۱۶ - ۱۷ - ۱۸ میں منشی کرم اللہ خانصاحب نے تنہا اپنے کام کو بڑی سرگرمی سے انجام دیا ہے

علاقہ نمبر ۲۳ بیرونی شہر پہاڑ گنج میں مرزا آقا قادر بخش صاحب شاہزادہ جس قدر بحالت پیری وضعیفی میں بھی حسن سعی ادا کر رہے ہیں۔ اس انجمن کے صدر مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی، جنرل سیکریٹری خان بہادر ڈپٹی محمد الٰہی بخش خان تھے۔ اور خازن کا کام کوٹھی حاجی علی جان بتوسط حاجی عبدالغفار صاحب انجام دیتی ہے۔ ورکنگ کمیٹی کے ارکان حسب ذیل تھے:۔

حاجی شیخ محمد انعام اللہ صاحب سکنہ گلی چابک سواران، شیخ محمد اسماعیل صاحب سکنہ چتلا گیٹ، حکیم اجمل خاں صاحب، حکیم احمد سعید خاں صاحب، حاجی عبدالغنی صاحب، محمد قطب الدین صاحب سکنہ کوچہ رحمان، حکیم ظہیر الدین صاحب، حکیم رضی الدین صاحب، مولوی محمد حسین سکنہ کوہ زینت محل، نواب فیض احمد خاں صاحب، سید احمد صاحب امام جامع مسجد، شیخ محمد الدین صاحب سکنہ محلہ چوڑیوالان، نواب غلام محمد حسن خانصاحب سکنہ محلہ مٹیا محل، شیخ نور الٰہی صاحب سکنہ باڑہ ہندو راؤ، نواب نصیر محمد صاحب سکنہ باڑہ ہندو راؤ، صاحب عالم مرزا قادر بخش صاحب سکنہ پہاڑ گنج، حاجی محمد اسحاق صاحب سکنہ صدر بازار، مولوی عبدالمجید صاحب سکنہ سوئیوالان حاجی نور بخش صاحب سکنہ بلیماران۔

انجمن کے عہدہ دار اور ممبران ورکنگ کمیٹی تبدیل ہوتے رہے۔ چنانچہ ایک وقت میں انجمن کے حکیم اجمل خانصاحب صدر اور مولوی عبدالاحد صاحب جنرل سیکریٹری منتخب ہوئے۔

اس انجمن نے ایک یتیم خانہ اور لڑکے و لڑکیوں کے لئے اسکول قائم کیا۔ زیادہ توجہ یتیم خانہ پر دی جاتی تھی۔ یتیم خانہ کے انتظامات کو چلانے کے لئے انجمن کے ذمہ دار لوگ جہاں روپے اور قربانی کی کھالیں وصول کرتے وہاں آٹے کی ایک چٹکی بھی وصول کرتے تھے۔ آٹے کی چٹکی کی وصولیابی کے لئے گھر گھر برتن رکھدیا جاتا تھا۔ ان برتنوں کو رکھنے والے دہلی کے معزز اور مقتدر حضرات ہوتے تھے۔

چنانچہ منشی محمد حسین نے ۱۳۱۱ھ کی سالانہ رپورٹ میں اس آٹے کی چٹکی کا ذکر کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔
"جس وقت آپ کے گھر میں کھانا پکایا جائے۔ صرف ایک چٹکی آٹا ظرف یتیم خانہ میں ڈال دیا کریں۔ اس سے بہت کچھ امداد ہو جائے گی۔ کوئی گھر کا آدمی بھوکا نہ رہے گا۔ اس کار خیر میں جن حضرات نے حصہ لیا انکے نام یہ ہیں:۔

خواجہ فرحت اللہ نے یہ مدد فرمائی کہ اپنے محلے میں پچاس ظروف اپنے ہاتھ سے رکھدئے۔ سید نذیر حسین صاحب سررشتہ دار کمیٹی نے چار کرتے ماہوار خود دینا مقرر کیا اور بیس عدد ظروف اپنی گلی اور قرب و جوار میں رکھ دئے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن خانصاحب نے اپنے قریب کے کوچے میں ۶۴ ہنڈیاں تقسیم فرمائیں۔ حاجی محمد قاسم نے عیدگاہ کہنہ تک آٹا و گندم وصول کیا۔ عیدگاہ کہنہ میں متعدد گھر ۲۰-۲۵ غریب لوگوں کے ہیں۔ جن کی اوقات ۳ روپیہ آنے روپیہ کی ہے۔ وہ ماہوار آٹا و گندم اور پیسہ خوشی سے دیتے ہیں اور یتیم بچوں کی دعوت بھی کرتے ہیں۔
یتیم خانہ کی دوسرے سال یہ حالت تھی کہ بیس بچے یتیم خانہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اٹھارہ لڑکے اور دو لڑکیاں

تھیں۔ اُن میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ڈپٹی کمشنر دہلی نے بھیجی تھی اور لکھا تھا کہ آئندہ جو بھی لاوارث مسلمان بچے آئیں گے۔ یتیم خانہ میں بھیج دیے جائیں گے۔

ان یتیم بچوں کو صبح سات بجے سے گیارہ بجے تک دینی اور دنیاوی تعلیم دی جاتی تھی۔ گیارہ بجے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ایک بجے تک چھٹی رہتی تھی۔ ایک بجے سے چھ بجے تک کام سکھایا جاتا تھا۔ رات کے آٹھ بجے دوسرے وقت کا کھانا دیا جاتا تھا۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھائی جاتی تھی۔ عید کے دن غسل کرانے کے بعد لباس پہنا کر بچوں کو نماز عید کے لئے جامع مسجد دہلی بھیجا جاتا تھا۔ نماز عید کے بعد یتیم خانہ میں مہتمم صاحب وعظ فرماتے تھے جس میں نماز روزہ اور ارکان اسلام بتاتے تھے۔ بیمار بچوں کا علاج ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب ڈاکٹر رام سنگھ، حکیم اجمل خانصاحب، حکیم رضی الدین خانصاحب فرماتے تھے اور ضرورت پڑنے پر کتنی بیش قیمت دوائی ہو وہ خرید کر بچے کو دی جاتی تھی۔

روزمرہ کے لباس میں کرتا، پجامہ اور ٹوپی ہوتی تھی۔ جاڑے کے موسم میں مرزئی، رضائی، لحاف اور توشک دی جاتی تھی۔ ایک چادر بستر میں رہتی تھی۔ اس کے علاوہ ہر بچے کے واسطے دو جوڑے جمعہ اور شادی وغیرہ کے لئے رہتے تھے۔ اس میں کرتا پجامہ، صدری چغہ، ٹوپی، عمامہ اور رومال ہوتا تھا۔ تقریباً چھ مہینے انکو نئی جوتیاں پہنائی جاتی تھیں۔

انجمن کے قائم ہونے کے دوسرے سال مدرسہ نسواں میں ۲۷ لڑکیاں داخل ہوئیں۔ جو تعلیم پاتی تھیں ان بچیوں کو صبح سات بجے کہار جو مدرسہ کے ملازم تھے۔ گھروں میں سے ڈولی میں لاتے تھے۔ اور شام کو ان کے گھروں میں پہنچا دیتے تھے۔ ان لڑکیوں کو تعلیم کے علاوہ سینا پرونا بھی سکھایا جاتا تھا۔ پردے کی بڑی احتیاط کی جاتی تھی اور نماز کی تاکید کی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے لڑکیوں کو نماز کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ اپنے گھر پر بھی برابر نماز پڑھتی تھیں۔

لڑکوں کی تعلیم کے لئے مدرسہ فیض عام عرصہ سے جاری تھا۔ سنہ ۱۳۱۱ھ میں حاجی عبدالغنی صاحب نے انجمن مؤیدالاسلام کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ جس میں ستر بچے زیر تعلیم تھے۔ اس مدرسہ میں قرآن شریف، حساب و کتاب، تعلیم مالابد تک دی جاتی تھی۔"

انجمن حمایت الاسلام پشاور

صوبہ سرحد قدیمی طرز تعلیم، مکتب اور مدرسہ سے وابستہ تھا۔ چھوٹی عمر میں بچوں کو مسجدوں میں تعلیم کے لئے بھیجا جاتا تھا۔ جہاں وہ قرآن شریف کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بعض مدرسوں مسجدوں میں تختی پر مشق کرائی جاتی تھی۔ قرآن ختم کرنے کے بعد جو لڑکے دینی تعلیم حاصل کرنی چاہتے تھے۔ ان کو گلستان، بوستان، اخلاق محسنی، اخلاق جلالی وغیرہ

کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔ خالص مذہبی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لے مختلف مقامات پر مشہور علمار کرام نجی طور پر گھروں میں تعلیم دیتے تھے۔ زیادہ زور صرف و نحو پر ہوتا تھا۔ اسی کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، علم کلام اور فقہ و تفسیر بھی پڑھائی جاتی۔ علم حدیث اور علم منقول و معقول کی تکمیل دیوبند، دہلی، لاہور، لکھنؤ وغیرہ کے مدارس اور وہاں کے نامور علمار سے کرتے تھے
ابتدائی عمر میں لڑکے لڑکیاں ایک جگہ مسجدوں میں تعلیم پاتی تھیں۔ جب لڑکیاں ہوشیار ہو جاتیں۔ تو ان کا مسجدوں میں جانا بند ہو جاتا تھا۔ ان کو گھروں میں پڑھایا جاتا۔ ایسے گھروں کو "بی بی کا گھر" کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید کی تعلیم پانے کے بعد لڑکیوں کو چند کتابیں، نور نامہ، پکی روٹی وغیرہ پڑھائی جاتی تھیں۔ لیکن بچیوں کے ہاتھ میں قلم دینا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ گویا لڑکیوں کو پڑھنے کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن لکھنا نہیں سکھایا جاتا تھا۔

صوبہ سرحد میں انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد عیسائیت کی تبلیغ کی جاتی۔ تاکہ پٹھان عیسائی مذہب قبول کرکے انگریزی حکومت کے حامی اور خیر خواہ بن جائیں۔ چنانچہ ہربرٹ ایڈورڈ نے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ حکومت کو اپنے عیسائی حکومت ہونے کے اعلان کے ساتھ مدارس میں انجیل کی تعلیم لازمی قرار دینے کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ اس اسکیم کے تحت پشاور میں پہلا عیسائی مشن چرچ مشنری سوسائٹی کے نام سے ۱۸۵۵ء میں قائم ہوا۔ اور میجر ڈبلیو جے مارٹن نے ایک ہزار پونڈ کی رقم عیسائیت کی تبلیغ کے لئے پیش کی۔ صوبہ سرحد میں عیسائیت کو پھیلانے کے لئے پادری گنٹنگ، پادری کلارک، پادری اسٹون، پادری ٹاٹ، مسز ایلیٹ اور مس نارمن نے اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ اس مشن نے انجیل کا پشتو میں ترجمہ کیا۔ جو پادری لوونتھل کے نام سے ۱۸۶۳ء میں مکمل ہوا۔ اس پادری کو ایک پٹھان نے اپنی گولی سے ۲۷ر اپریل ۱۸۶۴ء کو ہلاک کر دیا۔ اس مشن کے اہتمام میں کوہاٹی دروازہ کے قریب ایک گرجا گھر تعمیر ہوا اور پھر عیسائی مشن نوشہرہ، مردان، کوہاٹ، بنوں اور ہزارہ وغیرہ میں بھی قائم ہو گئے بعد میں عیسائی مشن نے ہسپتال بھی کھولے اور عوام کو متوجہ کرنے کے لئے ایک کتب خانہ اور دار المطالعہ بھی جاری کر دیا۔

پادری رابرٹ کلارک کی سرکردگی میں ایک مشن اسکول بھی جاری ہوا۔ جس کو ۱۸۶۸ء میں ہائی اسکول بنا دیا گیا۔ اس کے بعد اس مشن اسکول کی ایک برانچ چیپل اسکول کے نام سے محلہ ریتی میں کھولی۔ پھر صدر پشاور میں ایڈورڈ مشن کالج قائم کیا۔ بعدہ مشن نے ۱۸۸۴ء میں لڑکیوں کا پہلا پرائمری اسکول کھولا۔ جو بعد میں ہائی اسکول بنا دیا گیا۔ تعلیم کی آڑ میں حکومت عیسائی مشن کی اعانت کرتی رہی لیکن جب پبلک نے احتجاج کیا تو مجبوراً حکومت نے یہ طریقہ بدلا۔ ۱۸۸۸ء میں پہلا سرکاری میونسپل ہائی اسکول پشاور میں قائم ہوا۔ ۱۹۰۰ء میں بلدیہ نے اس اسکول کے لئے ایک خوبصورت عمارت بنوائی۔ جو آج بھی کچہری دروازہ کے اندر قائم ہے۔ اب یہ گورنمنٹ اسکول کہلاتا ہے۔

انگریزی سرکار نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے صوبہ سرحد میں ایسا طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جس کے تحت عیسائی اسکولوں کو زیادہ سے زیادہ امداد ملتی رہے۔ چنانچہ ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۰ء تک کے اعداد و شمار پر نظر ڈالی جائے

توپچاس سال کے عرصہ میں دو تین سے زیادہ ہائی اسکول نہیں کھلے اور ابتدائی مدارس کی تعداد ۱۸۴۹ء سے ۱۸۷۹ء تک ۸۸ سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔

پشاور کے مسلمان عیسائیوں کی حرکتوں سے تنگ آچکے تھے۔ جب پشاور کے رئیس مفتی فدا محمد خاں تعلیم حاصل کرنے کے بعد بیرسٹری کی سند لیکر پشاور آئے تو مسلمانوں میں مذہبی تعلیم پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔ جس میں جدید تعلیم کو بھی شامل کیا۔ پشاور کے ٹھیکہ دار بابو غلام حیدر، میاں عبدالکریم اور اُن کے دوسرے دوستوں نے انکا ساتھ دیا۔ تو انجمن حمایت الاسلام قائم کی۔ اس کے اہتمام میں ایک پرائمری مدرسہ قائم کیا جو ترقی کرکے ۱۹۰۲ء میں اسلامیہ ہائی اسکول بن گیا۔ انجمن حمایت الاسلام کے سرگرم کارکنوں نے اس اسکول کی عمارت محلہ خداداد قصہ خوانی میں تعمیر کرائی اور کابلی دروازہ کے باہر اسلامیہ کلب کی عمارت بنوائی۔ جس کی بالائی منزل میں اسکول کے طلبا کے لئے ہوسٹل بنا دیا گیا۔ نیچے کے حصہ میں ایک اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ اور دارالمطالعہ قائم ہوا۔ الغرض اس انجمن کے قائم ہونے کے بعد عیسائی مشنری کی بڑھتی ہوئی طاقت و شرارت کا خاتمہ ہوا۔[۱]

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۸۶ء میں سرسید نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی۔ محمڈن کالج کی حالت جب کسی قدر اطمینان کے قابل ہوگئی تو سرسید کو خیال آیا کہ اگر بالفرض یہ کالج ہر طرح مکمل ہوگیا تو بھی اس سے قومی تعلیم کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا اور ایک کالج ۶ کروڑ مسلمانوں کی تعلیم کی کفالت نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ مسلمان قوم جو ہندوستان کے دور دراز حصوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ وہ سب ایک دوسرے کی حالت سے محض بے خبر ہے اور کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے کہ مختلف صوبوں اور اضلاع کے لوگ کسی موقع پر آپس میں ایک جگہ جمع ہوں۔ اپنے اپنے خیالات قومی تعلیم اور قومی ترقی کی نسبت ایک دوسرے پر ظاہر کریں۔ ہر حصہ ملک کے مسلمانوں کی ترقی پر رہا۔ تنزل کا حال تمام قوم کو معلوم ہو اور مسلمان جو باوجود ایک قوم ہونے کے بمنزلہ مختلف قوموں کی طرح ہو رہے ہیں۔ ان میں قومی یگانگت اور ہمدردی پیدا ہو۔ اسی بنا پر جیسا کہ سرسید نے پہلے اجلاس میں بیان کیا تھا۔ یہ کانفرنس قائم کی گئی ہے۔ اور اس کا پہلا اجلاس ۲۷ دسمبر ۱۸۸۶ء کو علیگڑھ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں منعقد ہوا۔

اغراض و مقاصد کانفرنس میں حسب ذیل ریزولیشن پاس ہوئے مثلاً :-
(۱) قرآن مجید کی تعلیم کو ترقی دینا (۲) مسلمانوں کے اوقاف کی طرف حکومت کی توجہ دلانا، عیسائی مشنریوں کے ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کو بچانا۔
(۳) تمام شہروں اور قصبوں میں مقاصد کانفرنس کی تائید کے لئے کمیٹیاں قائم کرنا۔

---

[۱] برگ گل مضمون اللہ بخش یوسفی صفحہ ۲۶۵

(۴) اور اسلامی انجمنوں سے اس کی تائید کی خواہش کرنا۔
(۵) تمام اسلامی انجمنوں کا اس بارے میں کوشش کرنا کہ مسلمان طلبہ کی وظیفوں سے امداد کی جائے۔
(۶) سرکاری مدرسوں میں مسلمانوں کو مذہبی تعلیم کا موقع دینے کی گورنمنٹ سے درخواست کرنا۔
(۷) تعلیم نسواں کے لئے مذہب اسلام اور طریقہ شرفائے اسلام کے مطابق مدرسہ جاری کرے۔
(۸) یورپ کے مورخوں نے جو غلط الزام مسلمانوں پر لگائے ہیں ان کی غلطیاں دور کرنے کے لئے رسائل لکھے جائیں۔
(۹) مسلمان بادشاہوں کے قدیم فرامین جمع کرنے، ان کو محفوظ رکھنے کے لئے چھپوانا۔
(۱۰) صاف اور سلیس اردو میں اخلاقی رسالے، اور کتابیں لکھنا جو لڑکوں کی تعلیم میں کام آسکیں۔
(۱۱) مسلمانوں کی قدیم اور مستند کتابوں کا جو نادر الوجود ہیں پتہ لگانا، حتی المقدور ان کو فراہم کرنا۔
(۱۲) جو علوم مسلمانوں نے یونان وغیرہ ملکوں سے حاصل کئے تھے۔ ان پر کس قدر اضافہ انھوں نے خود کیا ہے
غیرہ وغیرہ۔

۱۸۸۶ء سے لغایت ۱۸۹۶ء تک اس کے اجلاس برابر ہوتے رہے۔ مگر دوسرے سال گزشتہ سرکاری وک ٹوک کے سبب جو طاعون کے انسداد کے لئے ریل کے مسافروں کے ساتھ جابجا کی جاتی تھی۔ اس کا اجلاس وقوف کیا گیا، منجملہ گیارہ کے۔ اول کے پانچ اجلاسوں میں پنجاب اور شمالی مغربی اضلاع کے مختلف قامات کی چھوٹی بڑی ۳۵ رپورٹیں اسلامی انجمنوں اور خاص خاص اشخاص نے لکھ کر کانفرنس میں ھیجیں یا خود آکر پیش کیں۔

ہر سال اجلاس کی تمام کارروائی ایک کتاب کی صورت میں چھپ کر ممبروں کو تقسیم ہوتی رہی تھیں۔ جس یں کیفیت انتظام کانفرنس فہرست ممبران و وزیٹروں کی تعداد، زر چندہ، رپورٹ سیکرٹری متضمن ساب جمع و خرچ زر چندہ وکیفیت، تعمیل عدم تعمیل تجویزات۔ سال گزشتہ ریزولیشن جو اجلاس یں پیش ہو کر پاس ہوئے۔ اور ان کے متعلق ممبروں کی تقریریں اور مباحثے ومناظرے رپورٹیں جو مختلف ضلاع سے پیش ہوئیں۔ وغیرہ وغیرہ درج ہوتی تھیں۔

کانفرنس کے فوائد

کانفرنس سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ بھی امید اور توقع سے کہیں زیادہ تھے۔

(۱) سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ہر سال مسلمانوں کی ایک جماعت کثیر جس کی تعداد بعض اضلاع میں ہزار ہزار سے تجاوز ہو گئی۔ نہ کسی سیر اور تماشہ کی غرض سے۔ نہ کسی حاکم کے حکم سے اور نہ کسی ذاتی منصب کے لئے بلکہ محض اس خیال سے کہ جو اجتماع قوم کی فلاح و بہبود کے لئے ہو رہا ہے اس میں شریک ہوں دور دراز سفر کی تکلیف اور آمد و رفت کا خرچ برداشت کر کے کانفرنس کے جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ ایک جگہ کھانا کھاتے تھے ایک جگہ رہتے تھے۔ قومی معاملات پر گفتگو کرتے تھے۔

بنتے اور بولتے تھے۔ ناواقفوں سے تعلق پیدا ہوتا تھا۔ دوستوں میں خلوص بڑھتا تھا۔ اور اس طرح ایک مردہ اور پراگندہ قوم کے اجزا میں روز بروز قوت پیدا ہوتی تھی۔

(۲) اس کے علاوہ جب سے کانفرنسیں ہوئیں۔ مسلمانوں میں تعلیم کا خیال زیادہ ہو گیا تھا۔ جس شہر میں کانفرنس کا اجلاس ہوتا وہاں کے باشندوں پر اور بھی زیادہ اثر ہوتا تھا۔ اور عیسائی مشنریوں کا زور ٹوٹتا تھا۔

(۳) کانفرنس کی بدولت گزشتہ برسوں میں غریب مسلم طلبا کی بہت زیادہ امداد ہوئی۔ کانفرنس کے چندہ میں سے جس قدر روپے اخراجات سے بچتے۔ وہ وظائف میں صرف ہوتا تھا۔

(۴) پنجاب کی انجمنوں نے کانفرنس کے مشورہ سے بہت سے طالب علموں کی مدد کی۔

مسلم مشنری سوسائٹی — یہ سوسائٹی مشنریوں کے مقابلہ کے لئے ۱۸۶۲ء میں بنی تھی۔ جس کا مدعا یہ تھا کہ وہ مسلمانوں میں اصلاحی کام کریں اور عیسائیوں کی کتابوں کے جواب میں کتابیں شائع کریں۔ ان کے بازاری پروپیگنڈہ کا مناظرہ عام کر کے جواب دیں۔

سائنٹفک سوسائٹی — سر سید نے علمی اور تاریخی کتابیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کرنے کے لئے یہ سوسائٹی بنائی تھی جس کے ممبر انگریز اور ہندوستانی دونوں ہی ہو سکتے تھے۔ یہ سوسائٹی ۱۸۶۳ء میں غازی پور میں قائم ہوئی۔ تمام قواعد مرتب کئے۔ ڈیوک آف آرگائل جو اس وقت وزیر ہند تھے انھوں نے سوسائٹی کا پیٹرن ہونا منظور کر لیا اور ڈرمنڈ صاحب لیفٹیننٹ گورنر شمال مغرب اور لیفٹیننٹ گورنر پنجاب مسٹر میکلوڈ وائس پریسیڈنٹ قرار پائے اور بہت سے صوبوں کے رئیس لائق و فاضل ذی عزت ہندو مسلمان نے اس کی ممبری قبول کی۔

مدرسہ کا قیام — اسی سنہ میں انھوں نے غازی پور میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے لئے جب چندہ کی مقدار ستو ہزار تک پہنچ گئی تو اول مدرسہ کے لئے ایک مکان کی تعمیر کی منظوری ہوئی۔ ۱۸۶۴ء تک مجمع عام میں ہندوستان اور تمام ضلع کے حکام شریک تھے۔ اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور تعمیر شروع ہو گئی۔ راجہ ہردیو نرائن سنگھ اس کے پیٹرن مقرر ہوئے۔ متعدد کمیٹیاں اس کے انتظام کے لئے قرار پائی تھیں۔ انگریزی، اردو، فارسی، عربی، سنسکرت پانچ زبانوں کی تعلیم کا اس میں انتظام کیا گیا تھا۔ یہ مدرسہ آج تک وکٹوریہ اسکول کے نام سے غازی پور میں جاری ہے اور ہائی اسکول تک پڑھائی اس میں برابر ہوتی ہے۔

سوسائٹی کا دفتر — ۱۸۶۴ء میں سر سید غازی پور سے تبدیل ہو کر علیگڑھ آئے وہاں علیگڑھ کے جج مسٹر ولیم جیکشن بریلی سوسائٹی کے صدر بنے۔ ہندوستانی اور یورپین ممبروں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور سوسائٹی کے لئے ایک مستقل مکان بننے کی تجویز ہوئی۔ اس وقت ایک عالی شان عمارت دلکشا چمن اور وسیع احاطہ کی صورت میں موجود ہے۔ تیس ہزار روپے اس کی تعمیر پر خرچ ہوئے۔ بنیاد کا پتھر آنریبل ڈائنڈ لفٹیننٹ گورنر نے کیا۔ ۱۴ فروری ۱۸۶۶ء کو مسٹر ولیم کمشنر میرٹھ کے ہاتھ سے اس کی افتتاح کی

سم ادا ہوئی۔ (حیات جاوید)

اس مکان میں ہر مہینے متعدد جلسے ہوتے تھے۔ اور مختلف مضامین خاص طور پر ردِّ نصاریٰ پر لکچر دیے جاتے تھے ڈاکٹر کلکلی ایک لیکچر نیچرل سائنس پر دیتے تھے اور علمی آلات جو سوسائٹی میں موجود تھے۔ اسکے تجربے کرائے جاتے تھے۔ مترجم، مولوی، پریسمین، چپراسی اور مالی وغیرہ پانچ سو روپے کے تنخواہ دار ملازم تھے۔

ترجمہ کے عملہ کو ۲۴۵ روپے اور عملہ مطبع کو ۲۳۴ روپے اور روشنی انتظام مکان کے لئے ۱۰ روپے ماہوار مقرر تھا۔ (سوسائٹی اخبار ۱۳؍ستمبر ۱۸۶۷ء جلد ۲ ص ۸۲)

چند برس میں بہت سی کتابیں سوسائٹی نے انگریزی سے ترجمہ کر کے چھاپیں۔ مثلاً الفنسٹن کی تاریخ ہند، روم کی تاریخ، مصرِ قدیم، تاریخ یونانِ قدیم، اسکاٹ برلن کا رسالہ، علم فلاحت، سیرل کا رسالہ سیاست مدن، سر جان میلکم کی تاریخ ایران، ریورنڈ ایکیوس کی تاریخ چین کا فارسی ترجمہ وغیرہ، تبئین الکلام چھاپنے کے لئے سرسید نے اپنا ذاتی پریس خریدا تھا۔ سوسائٹی کی تمام روئدادیں اور تمام انگریزی اور اردو کاغذات ابتدا سے اسی پریس میں چھپتے تھے۔ جب تبئین الکلام کی چھپائی موقوف ہو گئی تو کل سامان پریس کا ایک عام جلسہ میں سرسید نے سوسائٹی کو مفت دے دیا تھا۔

۱۸۶۶ء میں سرسید نے "سائنٹفک سوسائٹی" کے نام سے اخبار نکالا۔ جو انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے نام سے ان کے آخر دم تک جاری رہا۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار نکلتا تھا۔ پھر ہفتہ میں دوبار نکلنے لگا۔

اول سرسید زیادہ تر اس میں پولیٹکل مضامین اور نوٹ لکھتے تھے۔ اس اخبار کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کا ایک کالم انگریزی میں اور ایک اردو میں ہوتا تھا۔ اور بعض مضامین اردو میں الگ چھاپے جاتے تھے۔ اس سے انگریز اور ہندوستانی سبھی فائدہ اٹھاتے تھے۔

اس میں سوشل اخلاقی، علمی اور پولیٹکل ہر قسم کے مضامین ہوتے تھے۔ اس کی سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ انگریزی داں طبقہ بھی اردو کا شائق بنے۔ اس کی باقاعدگی کا یہ حال تھا کہ وہ بتیس برس تک جاری رہا۔ اس عرصہ میں شاید ہی کوئی نمبر ایسا ہوگا جو اپنی تاریخ معینہ پر نہ نکلا ہو۔ سوسائٹی کئی ہزار کی مقروض ہو گئی تھی۔ مگر سرسید نے جس طرح ہو سکا۔ اخبار کو بند نہ ہونے دیا۔

(حیات جاوید)

ردِّ نصاریٰ کرنیوالے اخبارات

عیسائی مشنریوں نے جہاں اسکول، کالج، و یتیم خانے نصرانیت کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے تعمیر کئے تھے۔ وہاں کتابوں کے ساتھ اخبارات و رسائل کے ذریعہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے تھے۔ اسی طرح

مسلمانوں نے بھی ردِ نصاریٰ کرنے اور ان کی توہین آمیز اور بے بنیاد الزامات کے جوابات دینے کے لئے اخبارات جاری کئے۔ بعض اخبارات اس کام کے لئے مخصوص تھے، اور بعض حسبِ ضرورت پادریوں کے جوابات دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔ ہر ایک اخبار کسی نہ کسی طریقے سے ان کی مخالفت کرنا ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ جن اخباروں نے خاص طور پر یہ فرض ادا کیا ہے۔ وہ حسبِ ذیل ہیں:-

دہلی اُردو اخبار } یہ اخبار ہفتہ وار دہلی سے نکلتا تھا۔ یہ پہلا اُردو کا اخبار ہے۔ جو ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا محمد حسین آزاد کے والد دہلی کے ہر دلعزیز عالم علامہ باقر تھے۔ یہ اخبار مولانا کے ذاتی پریس میں چھپتا تھا۔ جس کا نام اُردو پریس تھا۔ یہ وہ اخبار ہے۔ جو انگریز اور نصرانیت کے خلاف حقارت اور نفرت کے جذبہ کو بڑی ہوشیاری اور دانشمندی کے ساتھ ابھارتا تھا۔ اور اس مکر و فریب کو جو ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی کے نام پر کیا جا رہا تھا۔ اس کو بڑی خوبصورتی سے بے نقاب اور طشت ازبام کرتا تھا۔ جس سے عیسائیوں کے مشنری حلقوں میں ایک تلاطم برپا ہو جاتا تھا۔ خاص طور پر مشنریوں کا سردار ٹیلر، جو دہلی کالج کا پرنسپل تھا۔ اور جس نے اپنے شاطرانہ اخلاق اور محبت سے اپنے چند طالب علموں کا مذہب تک بدلوا دیا تھا۔ اس جادوگر کو مولانا کی تحریر بہت کھٹکتی تھی۔ وہ اس تحریر کو اپنے مشن کے لئے انتہائی نقصان دہ سمجھتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مولانا ایسے مضامین لکھنا چھوڑ دیں۔ مولانا ایک اصول پرست باوضع ہستی تھی۔ وہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ وہ اپنے خیالات کو دبائیں اور اعلاء کلمۃ الحق نہ فرمائیں۔ ٹیلر کا دشمن بننا تھا وہ بنا۔ اس کی دشمنی رنگ لائی۔ غدر ہو گیا اور اس قتل و خونریزی کے زمانہ میں ٹیلر کا بیرہ انکو اُن کے گھر لے آیا۔ محلہ والے بگڑے۔ مولانا نے ان کی مخالفانہ رُخ دیکھا تو ٹیلر صاحب کو بچانے کے لئے ہندوستانی لباس پہنا کر گھر سے روانہ کر دیا۔ وہ راستے میں شناخت ہونے کی وجہ سے قتل کر دیا گیا۔ مولانا پر آفت آئی۔ ہمدردی کو دشمنی پر محمول کیا گیا۔ سازش قتل کے الزام میں مولانا کو پھانسی دیدی گئی۔ گویا حق گوئی اور نصرانیت کی بیخ کنی کا انتقام قتل ٹیلر کے ذریعہ لیا گیا۔

(۲) سید الاخبار } یہ اخبار بھی دہلی سے نکلتا تھا اور اس کو سرسید احمد خاں کے بھائی سید محمد نکالتے تھے۔ یہ بھی لگ بھگ ۱۸۳۸ء میں نکلا ہے۔ یہ اخبار بھی اس زمانہ کی رفتار کے مطابق چلتا تھا۔ اس دور میں ردِ نصاریٰ کرنا لازمی امر تھا۔ اس لئے کہ انگریز لوفاق طور پر ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے پر تل گئے تھے۔ یہ اخبار بھی مجبور تھا کہ ردِ نصاریٰ کرے اور عیسائی مشنریوں کے زور کو توڑنے۔ مولانا سید محمد اس دور کی قابل و فاضل شخصیت ہیں آپ کی علمیت کا معترف ہر ایک شخص تھا۔

(۳) سراج الاخبار } یہ اخبار ۱۸۳۹ء میں نکلنا شروع ہوا ہے۔ وتاسی ۱۸۵۳ء میں لکھتا ہے:- یہ اخبار دہلی کا پرانا اخبار ہے۔ یہ بھی ردِ نصاریٰ میں مشہور اخبار ہے۔

اس کے ایڈیٹر و مالک مولنا فقیر محمد تھے۔ یہ اخبار انجمن حمایت الاسلام کے مقاصد کا بہترین طریقہ پر پروپیگنڈہ کرتا تھا۔

(۴) **قطب الاخبار** قطب الاخبار آگرہ سے نکلتا تھا۔ جس میں مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی جاتی تھی اور رد نصاریٰ کیا جاتا تھا۔ اس میں احادیث، انبیاء، شہداء نیز اولیاؤں کے حالات شائع کیے جاتے ہیں اور قدیم مصنفین کی کتابوں کے اقتباسات بھی درج کیے جاتے ہیں (خطبات گارسان دتاسی)

(۵) **بنارس اخبار** دتاسی لکھتا ہے کہ سنا ہے کہ راجہ نیپال سے اس کو مدد ملتی ہے۔ بہر حال اس اخبار کے دو ایڈیشن نکلتے ہیں۔ ایک ہندی دیوناگری میں اور دوسرا اردو میں۔ دونوں اخبار کا ایڈیٹر ایک پرجوش ہندو ہے۔ جو دونوں اخباروں میں عیسائی مشنریوں کے خلاف ہندو مذہب کی حمایت کرتا ہے۔

(۶) **شملہ اخبار** شملہ سے شائع ہوتا ہے۔ بہت اچھا اخبار ہے۔ جسے شیخ عبداللہ مرتب کرتے ہیں جو انگریزی اور اردو کے ماہر ہیں۔ یہ بھی مشنریوں کی اچھی خبر لیتا ہے۔

(۷) **نور علی نور** یہ مشہور دشمن نصاریٰ تھا۔ لدھیانہ سے نکلتا تھا۔ اس کو مولنا محمد حسین نے جاری کیا تھا۔ مولنا محمد حسین ایک اچھے مذہبی شاعر ہیں۔ احادیث رسول کو نظموں میں بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ سے انکی زیادہ عزت اور شہرت ہے۔

(۸) **مارتنڈ اخبار** ۱۸۴۶ء میں کچھ دنوں سے مولوی نصیر الدین یہ اخبار شائع کرتے رہے ہیں۔ جس کے پانچ کالم ہوتے تھے۔ یہ پانچ زبانوں میں شائع ہوتا تھا۔ ہندی، اردو، بنگالی، فارسی، انگریزی۔ اس کی غرض یہ تھی کہ اس زبانوں سے لوگوں کو شوق ہو اور مشنریوں کے الزامات کی تردید کرنے میں ان کو مدد ملے۔

(۹) **منظور الاخبار** یہ اخبار سورت سے مئی ۱۸۶۶ء سے شائع ہوا تھا۔ یہ ہفتہ وار اخبار ہے۔ اس کے ایڈیٹر منظور ہیں۔ یہ مطبع قادری میں چھپتا ہے۔ اس اخبار کی تقطیع چھوٹی ہے۔ بارہ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر اتوار کو شائع ہوتا ہے۔ دتاسی لکھتا ہے کہ اس کے سرورق پر اس مضمون کا ایک شعر ہوتا ہے۔ "منظور الاخبار" معلومات کا آئینہ اور وعظ و ارشاد کا چمن ہے"۔ اس میں ہندوستان کی مختلف صوبوں اور مشرقی ممالک کی خبریں ہوتی ہیں اور دلچسپ تاریخی اور جغرافیائی مضامین ہوتے ہیں۔ رد نصاریٰ میں بھی مضامین لکھتا ہے۔

(۱۰) **امین الاخبار** الہ آباد سے مولنا عزیز الدین کے زیر ادارت نکلتا ہے۔ موصوف مشہور واعظ اور رد نصاریٰ ہیں اور ہندو مسلمانوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

(۱۱) **کشف الاخبار** بمبئی کا ہر دل عزیز اخبار ہے ۱۸۶۲ء سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ ہر جمعہ کو شائع ہوتا ہے۔ چھوٹی تقطیع پر آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ایڈیٹر میر امان لکھنوی ہیں۔ اس کے ہر ایک نمبر میں پہلے صفحہ پر ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے۔ جس میں اس نمبر کا پروگرام ہوتا ہے۔ یہ بھی رد نصاریٰ کے لیے مشہور ہے۔ مسلمانوں کا اچھا ناصح اللہ مددگار ہے۔

(۱۲) **پنجابی اخبار** ۱۸۶۵ء سے لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار کے مدیر محمد عظیم ہیں۔ ان کے اخبار میں

انجمن حمایت الاسلام کے اغراض و مقاصد پر تبصرہ کئے جاتے ہیں۔ پادریوں سے بچانے کے لئے یتیم خانہ کے قیام کی اہمیت پر اس اخبار نے بہت مضمون لکھے ہیں اور مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ انجمن حمایت الاسلام کے یتیم خانے کے بنانے میں مکمل طور پر امداد دیں۔

(۱۴) **قاسم الاخبار** } بنگلور سے بڑے بڑے چار ورق پر نکلتا ہے۔ کاغذ اور خط و کتابت عمدہ ہے۔ یہ اخبار اسلامی مدارس میں خوب چلتا ہے۔ اس کے مالک و ایڈیٹر محمد قاسم ہیں۔ منشی صاحب ذکی و بیدار مغز اور ایک اچھے شاعر ہیں۔ یہ اخبار پندرہ سال پہلے یعنی ۱۸۶۱ء سے نکلتا ہے۔ سب مدراسی اخباروں سے یہ اخبار بہتر ہے۔ اس کا ایڈیٹر مولینا قاسم کا شاگرد ہے۔ اس اخبار میں مشنریوں کی چالاکیوں کا بھی ذکر ہوتا ہے کہ وہ کس طرح یتیم بچوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ (ناصر الاخبار ۱ فروری ۱۸۹۶ء)

۱) **نیر المواعظ** } یہ ہفتہ وار اخبار اُردو میں دہلی سے ۸ صفحے پر نکلتا ہے۔ اس کے پیش نظر یہ مقصد ہے کہ اصول اسلام کی نشر و اشاعت اور مسیحی عقائد کا رد کرے۔

۱۵) **مفید انام** } یہ ہفتہ وار اخبار فتح گڑھ سے اُردو میں نکلتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر شنکر سروپ ہیں۔ اس اخبار میں عورتوں کو مسیحی مذہب قبول کرنے سے باز رکھنے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں اس غرض سے ایک انجمن قائم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے چنانچہ چالیس ہزار روپے انجمن کے لئے جمع بھی ہو گئے ہیں (خطبات گارساں دتاسی)

۱) **رہبر ہند** } یہ اخبار لاہور سے ہفتہ وار ۱۸۸۰ء سے جاری ہوا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر سید نادر علی شاہ صاحب سیفی ہیں۔ جو نہایت قابل آدمی ہیں اور اصولِ اخبار نویسی سے بخوبی واقف ہیں پہلے آپ اتالیق ہند نکالتے تھے جو اب بند ہو گیا ہے۔ اس اخبار میں اچھے مضامین ہوتے ہیں۔ عبارت نہایت سلیس اور کاغذ کتابت بھی عمدہ ہے۔ مشنریوں اور عیسائی کتابوں کے جوابات دینے میں بہت ماہر ہے۔

صر الاخبار } یہ اخبار ۱۸۷۲ء میں دہلی سے جاری کیا گیا تھا۔ جو مہینے میں تین بار نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر ردِ نصاریٰ کی کثیر کتابوں کے مصنف مولنا نصرت علی صاحب ہیں۔ اس اخبار میں مولینا النصور کے ردِ نصاریٰ کے سلسلے کے مضامین درج ہوتے ہیں۔ ایڈیٹر موصوف مولینا کے صاحبزادے ہیں۔ جن کا پریس نصرت المطابع فراشخانہ میں ہے۔ اس میں یہ اخبار چھپتا ہے۔ اس اخبار میں بے لاگ تنقیدیں اخبارات کی جاتی تھیں اور بہت کم اخبارات کو اچھا لکھا جاتا ہے۔

۱) **مہر درخشاں** } یہ اخبار پادریوں اور مشنریوں کے حامی اخبار ہفتہ وار نور افشاں کا جواب ہے۔ نور افشاں وہ اخبار ہے جو تعصب پھیلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا۔ ہندو مسلمانوں سے ہی بات پہ الجھتا تھا۔ حتیٰ کہ مشن لکھنؤ بھی اس سے نالاں تھے۔ مہر درخشاں کی طرح ردِ نصاریٰ میں ایک اخبار نصر الاسلام نکلتا تھا۔ جو ایسے معقول جواب اور اعتراض کرتا تھا کہ اس کا جواب مخالف نہیں دے سکتا تھا

(نصرت الاخبار یکم دسمبر ۱۸۷۳ء)

(۱۹) فتنہ } یہ ہفتہ وار اخبار حکیم برہم کی ادارت میں گورکھپور سے نکلتا تھا۔ حکیم صاحب امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ آپ قصبہ فتحپور ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ علوم عربی کی فراغت کے بعد آپ
نے حکیم شیر محمد صاحب سے طب پڑھی۔ آپ شاعری اور انشاء پردازی میں مشہور عالم ہیں۔ ہندوستان کے
متعدد اخبارات میں آپ کے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ آپ چند مشہور کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ بھوپال
میں ایک عہدہ پر مامور بھی ہو چکے تھے۔ آپ فتنہ اور عطر فتنہ آب و تاب سے شائع کرتے تھے۔ آپ کا سلسلہ
قندھاری افغانوں سے ملتا ہے۔ آپ ایک بہت اچھے واعظ اور ردِ نصاریٰ بھی تھے (تاریخ التواریخ صہ ۱۲)

(۲۰) دبدبۂ سکندری } یہ ہفتہ وار اخبار زیر ادارت مولوی فاروق حسن رامپور سے شائع ہوتا تھا
اس اخبار کو مولوی محمد حسن مرحوم نے اپنے اہتمام و ادارت میں جاری کیا
تھا۔ ان کے جد امجد شاہ محمد خاں مہند کو نواب رامپور نصیر اللہ خاں افغانستان سے اپنے ہمراہ لائے تھے۔
جب رامپور آباد کیا گیا ہے تو آپ کے نام کا ایک محلہ آباد کرنے کی اجازت دی تھی۔ چنانچہ گھیر شاہ محمد خاں کے نام
ایک محلہ موجود ہے ان کے صاحبزادے نور محمد خاں اور نور محمد خاں کے فرزند مولوی محمد حسن خاں تھے۔ انھوں نے
۱۸۶۶ء میں رامپور کے اندر مطبع حسینی جاری کیا۔ ۱۲۸۳ھ کو نواب کلب علی خاں کی فرمائش سے دبدبہ
سکندری جاری ہوا۔
۱۷ شوال ۱۳۱۲ھ یوم دوشنبہ کو مولوی صاحب ممدوح نے ۴۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ اس کے بعد شاہ حسین
محمد حسین خاں صاحبزادہ مولینا موصوف دبدبۂ سکندری کے مہتمم اور ایڈیٹر قرار پائے۔ انھوں نے ۲۹ شعبان
۱۳۱۲ھ کو انتقال کیا تو مولنا محمد فاروق حسن صابری نے ایڈیٹری کے فرائض انجام دئے۔ آپ اخبار کو اسی شان
سے چلا رہے تھے۔ جیسے ابتدا سے نکل رہا تھا۔ سرکار رامپور اس اخبار اور مطبع کو بہ نظر اعزاز دیکھتے تھے۔
یہ اخبار ردِ نصاریٰ کا حامی تھا اور مشنریوں کے پنجوں اور جالوں سے یتیموں کو بچانے کے لئے اس اخبار
نے بہت سے آرٹیکل لکھے تھے۔ چنانچہ انجمن حمایت الاسلام لاہور اپنی رپورٹ ۱۸۸۶ء میں لکھتی ہے کہ دبدبۂ
سکندری نے بھی کمال مہربانی سے اس انجمن کے مقاصد کو اپنے اخبار میں شائع کیا۔ یہ اخبار بے حد شکریہ کا
مستحق ہے

(۲۱) صحیفہ } یہ بجنور سے مولوی فیض الحسن کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس میں مناسب اور سنجیدگی کے ساتھ
مذاہب پر بحث کی جاتی تھی - اس کے ایڈیٹر لائق و فاضل اور باوضع انسان تھے۔

(۲۲) ضیاء الاسلام } یہ رسالہ ماہنامہ ہے جو لاہور سے شیخ فضل الدین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس میں ن
انداز میں سنجیدگی کے ساتھ مذاہب پر بحث کی جاتی تھی اور پُر زور دلائل سے ردِ نصا
بھی کیا جاتا تھا۔

(۲۳) مسلم کرانیکل } یہ اخبار انگریزی میں ہفتہ وار کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی عبد ال
خاں صاحب رئیس شیرکاؤں (ضلع ملاقت آباد) کے صاحبزادے تھے۔ جو لارڈ
کے زمانہ میں میر بخشی کے عہدہ پر مامور تھے۔ ۱۸۵۸ء۔ کلکتہ کے اندر پیدا ہوئے۔ ایم۔ اے تک تعلیم پائی۔ ڈپٹی مجسٹ

کی جگہ ملی۔ لیکن صحافت نگاری کو اسیر مقدم سمجھ کر ملازمت سے علیحدہ ہوئے۔ آنریبل جسٹس سید امیر نے آپکو ایڈیٹر مقرر کیا۔ آپ نے اخبار کو معراجِ کمال پر پہنچا دیا تھا۔ مضامین بہت دلچسپ نکلتے تھے۔ اس کی آواز کو مسلمانوں کی آواز سمجھا جاتا تھا۔ بڑے بڑے انگریزی اخبارات لنڈن ٹائمز جیسے اس کے مضامین پر آرٹیکل لکھتے تھے۔ آپ کی علمی قابلیت اور دیگر فطری اوصاف ہر ساتھی کی زبان پر ہوتے تھے۔

اس اخبار کے دوسرے ایڈیٹر و منیجر سید عثمان علی مقرر ہوئے۔ جنوری ۱۸۷۸ء کو قصبہ بلیا ضلع ۲۴ پرگنہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خاندانِ ساداتِ عظام سے ملتا ہے۔ ایڈیٹر ہونے سے قبل آپ ریاست خیرپور کے نواب کے پرائیویٹ سکریٹری تھے۔ انگریزی میں آپکو ید طولیٰ حاصل ہے (تاج التواریخ ص۱۴۲)

(۲۴) **المستنصر** } یہ اخبار سید مستنصر علی دہلی سے ہفتہ وار نکالتے تھے۔ اس میں مشہور رد نصاریٰ کے مناظر مولانا ابو المنصور کے مضامین ردِ نصاریٰ اور تفسیر قرآن بھی شائع ہوتی تھی۔ اس کے مضامین مختصر اور دلچسپ ہوتے تھے۔

(۲۵) **حبل المتین** } یہ اخبار فارسی زبان میں سید جلال الدین ادیب ایرانی کی ادارت میں کلکتہ سے شائع ہوتا تھا۔ حکومتِ برطانیہ کی مشتری نواز پالیسی پر سخت نکتہ چینی کرتا تھا۔ سید صاحب موصوف جہاں فارسی دانی میں ملکہ رکھتے ہیں۔ وہاں عربی کے بھی ماہر تھے۔

(۲۶) **انجمن افتخار الاسلام** } یہ ماہوار رسالہ انجمن افتخار الاسلام جاورہ سے نکلتا ہے۔ جو انجمن افتخار الاسلام کو حسب ذیل مقاصد کی اشاعت کے لئے جاری کیا گیا:۔

(۱) مسلمان بچوں کی ذہنی اور دنیوی تعلیم کا انتظام کرنا (۲) مفلس یتیم ولاوارث بچوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا تاکہ وہ عیسائی پادریوں کی دستبرد سے محفوظ رہ کر اپنے قدیمی، جدی، آبائی مذہب پر قائم رہیں (۳) مسلمانوں کو تحصیلِ دینی اور دنیوی علم کا شوق دلانا (۴) معترضین اسلام (یا پادریوں) کے جوابات دینا

اسی طرح انجمن حمایت الاسلام کے نام انجمن کا رسالہ نکلتا ہے۔ جس کا ذکر انجمنوں کے عنوان کے ماتحت علیحدہ طور سے کر دیا گیا ہے۔

(۲۷) **اخبار الاخیار** } یہ ہفتہ وار اخبار دہلی سے ۱۸۷۰ء میں منشی محمد دین کی ادارت میں نکلتا تھا تقطیع سائز ۲۰×۳۰ پر چھپتا تھا۔ منشی محمد دین دہلی کی مشہور تاجر برادری پاپوش فروشاں کے موقر اور بااثر لوگوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کا ایک علمی و صحافی حلقہ تھا۔ مولانا عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی اس حلقہ کے روحِ رواں تھے۔ دوسرا طبقہ ناصر الاخبار کے ایڈیٹر مولوی نصرت علی کا تھا جس کا سرغنہ اور رہنما مولانا ابو المنصور تھے۔ ان دونوں حلقوں کی علمی نوک جھونک ہوتی تھی جو بہت دلچسپ ہوتی تھی۔

ناصر الاخبار اور اخبار الاخیار کو پڑھکر ایک لطف محسوس ہوتا ہے۔

منشی محمد دین بڑی جرات اور ہمت کے مالک تھے۔ یہی وہ ہستی تھی۔ جس نے بے باکانہ طور پر جامع مسجد کی منتظمہ کمیٹی کی بدعنوانیوں کو اپنے اخبار میں طشت از بام کیا۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ جامع مسجد کی منتظمہ کمیٹی حکومت کی نگاہوں میں بڑی عزت رکھتی تھی۔ اس کے اشارہ پر حکومت ہر کام کرتی تھی۔ مشہور تھا کہ وائسرائے اگر غسل کرتا ہوتا تھا۔ تو امام جامع مسجد کو اپنے پاس بلا کر ان سے ضرورت دریافت کرتا اور تکمیل کے لئے حکم دیتا۔ ایسے نازک اور خطرناک زمانہ میں منشی صاحب نے اخبار میں ہی آواز نہیں اٹھائی۔ بلکہ منتظمہ کمیٹی کی بدعنوانیوں کے خلاف شیخ ذکاراللہ ایڈووکیٹ کے ذریعہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت سے حساب فہمی طلب کرنے کی درخواست کی۔ یہ مقدمہ منشی جی نے مستقل مزاجی کے ساتھ تین سال تک لڑا۔ ہائیکورٹ تک پہنچے۔ کبھی کسی وقت ہمت نہ ہارے۔ یہ اخبار جہاں غنڈوں کی پول کھولتا تھا۔ وہاں حکومت برطانیہ کے نظام پر آزادانہ تبصرہ کرتا تھا۔ نثر بھی بلا کی تھی۔ نظم بھی آتش فشاں تھی۔ غرض اس تنقیدی میدان کے مرد نے جس طرف رُخ کیا۔ بڑے سے بڑے راز کا پردہ چاک کر دیا۔ نظم کا حصہ ملاحظہ ہو۔

ایک مشاعرہ روس، انگلینڈ اور ہندوستان کا اس زمانہ میں منعقد کیا جاتا تھا ہے۔ جبکہ غدر ہو چکا ہے اور ہندوستان انگریزوں کا غلام ہو چکا ہے اور روس ہندوستان کی طرف آنکھیں لگائے بیٹھا ہے۔ اس وقت کا منظر اس اخبار کے شاعر نے غزلوں کی زبان میں کھینچا ہے

غزل روس

توکل پر پڑا ہے ہند کی جانب قدم میرا
ہے ہمسر چرخ اعظم کی بلندی پر علم میرا

میری فوجوں کی جھگٹ ہند کی سرحد پہ پہونچی
دکھا دوں گا کوئی دم میں اگر باقی ہے دم میرا

یہ فال نیک پائی میں نے انجیل مقدس سے
عرب اسلام کا حصہ ہے، حصہ ہے عجم میرا

اگرچہ نام میرا زار ہے، لیکن وہ رستم ہوں
ہٹا سکتا نہیں صاحب قرآن بھی اک قدم میرا

غزل انگلینڈ

جما ہے سرزمین ہند پر جب سے قدم میرا
نہیں اوج فلک سے کم بلندی پہ علم میرا

جسے کہتے ہیں جادو ہے وہ حکمت عملی
جہاں میں سیف کے جوہر دکھاتا ہے قلم میرا

رئیس ہندوستاں کے تابع محکوم ہیں میرے
مخالف بھی میرے اقبال سے بھرتے ہیں دم میرا

میری انصاف کے میزان کے پلے یوں برابر ہیں
جو کالوں پر ستم میرا، تو گوروں پر کرم میرا

غزل ہندوستان

غنیمت جانتے ہیں سب وفاداری میں دم میرا
وہ تسلیم سے باہر ہوا ہے اب قدم میرا

میں پابند وضعداری، تہذیب ستی میں اتنا ہوں
قیامت تک رہیگا قوم فاتح پر کرم میرا!

مجھے غمگین کرتی ہے ہمیشہ میری غم خواری
کرم کرتا ہوں لیکن حصہ ہوتا ہے ستم میرا

میرا غمگین خوار کوئی بھی نہیں دنیا میں اے ہمدم
میں غم کا ناشتہ ہوں رزق ہے عالم میں غم میرا

ہزاروں مٹ گئے بن بن کے نقشے سامنے میرے
ہوا کی طرح اڑتا ہی رہا نقشِ قدم میرا

میرے آباد گلشن کا عجب ایک پھوٹ میوہ ہے
کیا برباد جس نے سب کا سب جاہ و حشم میرا

سیہ بخت ازل ہوں نام میرا ہند ہے ہمدم
کرم غیروں کی قسمت میں ہے حصہ ہے الم میرا

نظم میں یوں چٹکیاں لیں۔ نثر میں بھی اسی طرح حکومت اور اُن کے حکام پر ان کی بداعمالیوں کیوجہ سے بوچھاڑ کرتے تھے۔ چنانچہ اس اخبار کے ایک آرٹیکل میں جس کا عنوان ہے "غافل حکام کے لئے عبرت" اس میں دھڑلے کے ساتھ انھوں نے ان کی خبر لی ہے"۔ ہائے افسوس ہمارے بعض حکام کو کیا ہوگیا ہے۔ وہ اپنے فرائض منصبی کو کیا انجام دیتے ہیں۔ وہ تو بیکار پھرتے ہیں۔ ہم جہاں تک ایسے حکاموں کی خراب حالتوں کے سبب دریافت کرتے ہیں۔ وہ دو صورتوں سے خالی نہیں معلوم ہوتی۔ یا تو وہ عیش پرست بے پرواہ اپنی ڈیوٹی سے ناواقف محض غافل ہوتے ہیں۔ یا حرام مال سے جیبیں بھرتے ہیں اور حفاظت کرنے کے عوض ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں"۔
(اخبار الاخیار، یکم ستمبر ۱۸۸۶ء)

یہ پرچہ مجموعی طور سے قوم کا سچا نمائندہ تھا۔ اس کی آواز پر قوم بھی توجہ دیتی تھی اور اس کے انتظار میں رہتی تھی۔ یہ پرچہ تقریباً دس سال تک چلا۔

(۲۷) دلگداز ۱۸۸۷ء میں جاری ہوا۔ اس میں ادبی تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔ خاص طور پر یہ رد نصاریٰ میں اور رسالوں کے مقابلہ میں سب سے پیش پیش تھا۔ انجمن حمایت اسلام کے مقاصد کا پروپیگنڈا کرنا، اس کے یتیم خانوں کی سکیم کی تائید کرنا اس کے رد نصاریٰ کے بارے میں جو بیانات ہوتے تھے۔ اس کو شائع کرنا وہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔ اس رسالے کے ایڈیٹر مولانا عبدالحلیم شرر تھے۔ جو ایک مشہور افسانہ نگار بھی تھے۔ اُن کی ایک تصنیف فلورا فلورنڈا، ردِ نصاریٰ میں ایک کامیاب تصنیف ہے۔

(۲۸) نور الاسلام شہر سیالکوٹ سے شائع ہوتا ہے۔ مہینہ میں ۲ مرتبہ نکلتا ہے۔ اس سالہ کا مقصد رد نصاریٰ کرنا اور اسلام کی حقانیت ظاہر کرنا ہے۔ چنانچہ

ں کا مقصد اس کے ٹائیٹل پر لکھا ہوا ہے۔ یہ رسالہ سنہ ۱۹۰۰ء سے جاری ہوا۔

(۲۹) **منشورِ محمدی** } یہ اخبار عشرہ وار اردو میں بنگلور سے مولوی شریف کے اہتمام میں نکلتا تھا اور الفیض کے پریس بحر الاسلام میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار ۱۸۷۱ء مطابق سنہ ۱۲۸۷ھ سے جاری ہوا۔ سنہ ۱۸۸۶ء میں پندرہ سال کے عرصہ میں بند ہوگیا۔ اس اخبار کے ٹائیٹل پیج کی پیشانی پر یہ رباعی لکھی ہوئی تھی۔

منشور رسولاں ہمہ محتاج بخاتم　　باخاتم و مہر آمدہ منشور محمدؐ

توریت بلا توریت انجیل و تبجیل　　گویا صفت و سیرت مبرود محمدؐ

اور اسی پیشانی کے نیچے لکھا ہوا ہے۔ یہ اخبار عشرہ وار بمضامین تردید مذہب عیسوی چھپتا ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ اس اخبار نے بڑی خستہ حالی میں عیسائیوں کے رد میں اپنے آپ کو کمربستہ کیا۔ اس نے شہنشاہیت کے لے لک مشنریوں کے چھکے چھڑا دیئے۔ اس کے مضامین عیسائی دنیا میں تہلکہ مچا دینے والے ہوتے ہیں۔ یہ اسی کا کام تھا کہ اس نے جہلا کو عیسائیت کی رو میں بہنے سے بچایا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا موحد کے اس اخبار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے بہت سی وہ کتابیں جن کے مصنف غربت کی وجہ سے چھاپ نہیں سکتے تھے اپنے ہاں قسط وار شائع کیں اور ان کو محفوظ کردیا۔ نیز اس کے مضامین بھی مدلل اور محققانہ ہوتے تھے۔ اگر ان کو چھاپا جائے تو ایک ایک مضمون کی خاصی ایک ایک کتاب بن سکتی ہے۔ ایسے مضامین نام ذیل میں درج کرتے ہیں:-

صیانۃ الایمان، ترجم القرآن الٰہی، ترجیحا اصل الشرک والطیقال لمقیاد۔

رابرٹش ری ٹن سس نامی انگریز نے سب سے پہلے متولی خانقاہ کلکتی جرمن کی استدعا پر اور رمائی نس ڈالماٹا و لنڈ نیز سنہ ۱۱۳۲ھ میں قرآن مجید کا لاطینی میں ترجمہ کیا۔ یہ سنہ ۱۸۳۳ء بال میں چھاپا گیا۔ اس کے ساتھ قرآن مجید کی تردید بھی شائع کی گئی۔ اس ترجمہ کے خلاف ہفتوں مذکورہ عنوان کے ماتحت جوابات لکھے گئے۔

زینب و زید اور حضور کا معاملہ } ۲۲ ستمبر ۱۸۸۶ء کے نور افشاں نمبر ۳۸ جلد ۱۴ میں آنحضرت کی شان میں گستاخیاں اور زید و زینب زوجۂ محترمہ کے سلسلہ میں خرافات بکی گئی۔ اس مضمون کا جواب "زید و زینب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ" کے عنوان کے تحت قسط وار کئی ہفتہ تک شائع ہوا ہے۔ ۳۶ صفحات پر چھپی ہے۔

تنویر الایقان لصاحب وجہ الایمان۔ ایک پادری نے لدھیانہ کے پریس میں ایک رسالہ حضور کی نبوت کے ابطال میں نکالا تھا۔ اس کے جواب میں مولانا محمد غفور نے مندرجہ بالا عنوان کے ماتحت جواب دیا۔ یہ جواب بھی اگر چھپتا تو ایک رسالہ بن سکتا تھا۔

دفع الاغالیط فی تحقیق فارقلیط

ایک پادری نے اپنے مضمون میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فارقلیط سے حضرت عیسیٰؑ مراد ہیں۔ اس پر مذکورہ عنوان کے تحت قسط وار مضمون شائع ہوا ہے۔

ازالۃ الاوہام ترجمہ واقع الاقسام } مولانا نور محمد مہتمم حقانی لدھیانہ نے مولانا رحمت اللہ کتاب کا جو ۱۲۶۹ء فارسی زبان میں شائع ہو چکی تھی۔ ترجمہ کیا ہے اس کو منشور محمدی نے قسط وار چھاپا تھا۔ اس ترجمہ کا نام مترجم موصوف نے واقع الاقسام رکھا تھا۔

جواب شمہ از لٹھ } منشی عنایت اللہ گاسپل پریو عیسوی نے ایک پرچہ مطبع پیٹنٹ مشن پریس کلکتہ میں شائع کر کے تقسیم کیا۔ جس کا عنوان تھا "شمہ از لٹھ عیسوی"۔ جس کا جواب عبدالعظیم صاحب نے دیا ہے۔ جو کافی طویل مضمون ہے۔

اثبات نبوت آنحضرت میں خلیل الرحمٰن عیسائی سے گفتگو

۱۲ اگست ۱۸۸۶ء سے ۵ اگست تک خلیل الرحمٰن عیسائی سے گفتگو، اثبات نبوت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر مولوی تفضل حسین نے جو بحث کی اور اس بحث کے نتیجہ میں خلیل الرحمٰن عیسائی مسلمان ہوا۔ وہ بحث بڑی دلچسپ اور معلومات دلائل سے پُر ہے۔ وہ منشورِ محمدی میں بالاقساط شائع ہوئی تھی۔

ریویو رسالہ عدم ضرورت قرآن

یہ ریویو بہت طویل ہے۔ پادری ٹھاکر داس صاحب کی کتاب پر ہے۔ جس نے قرآن مجید کے بارے میں اپنی کتاب میں یہ ثابت کیا ہے کہ انجیل کی موجودگی میں قرآن کی ضرورت نہیں تھی۔ منشور محمدی میں اس پر ۱۵ رجمادی الاول سے بالاقساط لکھنا شروع کیا اور ۵ شوال ۱۳۰۵ھ میں ختم ہوا۔

جواب نور افشاں نمبر ۴۵، ۴۹، جلد ۱۲ } اخبار نور افشاں نمبر ۴۵، ۴۹، جلد ۱۲۔ مسٹر ڈیوڈ محی الدین نے ایک مضمون نا تمام مذہب آزادی اور کانشنس کے حقوق درج کیا تھا۔ جس میں انھوں نے مذہب اسلام پر گستاخانہ حملے کئے تھے۔ اور باوجود ادعائے تہذیب کے تہذیب کے دائرے سے باہر قدم رکھا تھا۔ جس کا دندان شکن جواب منشور محمدی نے دیا تھا۔ دس بارہ قسطوں میں یہ مضمون ختم ہوا۔ جب یہ اخبار بند ہوا ہے تو مسلمانوں کے تمام اخباروں نے اس کا افسوس کیا اور خاص طور پر مناظرین کے طبقہ میں اس کا ماتم کیا گیا۔ چنانچہ علامہ عبدالحق حقانی نے اس اخبار کے بند ہوتے ہی حسب ذیل توجہ نما اپیل شائع کی کہ روسا کو اس کی امداد کرنی چاہیئے۔ اس اپیل کا اقتباس یہ ہے:۔

"یہ ایک دینی اخبار ایک فرضِ کفایہ کو ادا کر رہا تھا۔ اسی نے اس پُر آشوب زمانہ میں اس سچے اسلام کے آفتاب کے سامنے سے (جس نے فاران کی چوٹیوں پر طلوع ہو کر تمام عالم کو ظلمات سے نجات دی تھی) مخالفین کے شکوک و شبہات کے گرد و غبار کو ہٹا رہا تھا۔ مخالفینِ اسلام کے بے شمار دینی اخبا[ر] کا سینہ سپر ہو کر مقابلہ کر رہا تھا۔ تقریباً چودہ پندرہ برس تک یہ شمع روشن رہی۔ مگر جب مسلمانوں نے اپنی امداد اور ہمت تو کیا، اس کے واجب الادا روپے کا اس کے سر پر فانوس رکھا تو حوادث دہر کی بادِ صرصر سے یہ مشعل ٹمٹما کر گل ہو گئی۔ جس سے دشمنانِ اسلام کا دل ٹھنڈا ہوا اور سچے مسلمانوں کے دل میں غم کا شعلہ بھڑکنے لگا۔"

کہاں ہیں وہ خیر خواہانِ اسلام جو ہر ایک کارِ خیر میں سبقت فرما کر سعادت دارین حاصل کیا کرتے ہیں۔ ان کو اس شمع ہدایت کے دوبارہ روشن کرنے سے اور کون سا امر خیر اہم باشان دکھائی دیتا ہے۔ جو ادھر توجہ نہیں فرماتے۔ عیسائیوں کی ہمت کی طرف نظر کرو کہ ان کے ایسے پرچے ہندوستان کی مختلف ریاستوں میں کتنے نکلتے ہیں۔ جنہیں صرف مذہب عیسوی کی تائید اور دیگر مذاہب اور خصوصاً اسلام کا رد سپرا ہوتا ہے۔ جاگو! خوابِ خرگوش سے، باز آؤ۔ اپنے دینی کاموں خصوصاً اخبار منشور محمدی کے اجرا میں دامے، درمے، قدمے، کوتاہی نہ کرو۔"

حسن — یہ رسالہ ۱۸۹۰ء میں حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ یہ ماہنامہ مطبع حسن ہی میں چھپتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر بھی محمد محسن ہیں۔ اس کے صفحات اسی (۸۰) ہوتے ہیں۔ اس میں علمی اور تاریخی مضامین اور ردِ نصاریٰ پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔ اس کی جلد چہارم نمبر ۴ ماہ جولائی ۱۸۹۱ء میں ایک محققانہ مضمون "واعظانِ مسیحی کی ناکامیاں" کے عنوان سے ایک غیر مسیحی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ جس میں مسیحی تبلیغ پر تبصرہ کرتے ہوئے مشورہ دیا ہے کہ مشنری ممالک میں آپ اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اس لئے یہاں اپنا مشن اور تبلیغ کو ختم کر دو۔

مواعظِ حسنہ اور خیر المواعظ کا دوسرا دور

سید مولانا عبداللہ دہلوی ایڈیٹر رسالہ خیر المواعظ یکم صفر ۱۳۱۲ھ میں اپنے اخبار کے اجرا کی وجہ حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔ جس میں ان دونوں اخباروں کی حیثیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ "عرصہ چند مدت کا گزرا کہ دہلی میں پادری صاحبان کی طرف سے ایک پرچہ مواعظِ عقبیٰ اسلام کے رد کے لئے نکلا۔ جس کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے الطاف حسین نے مواعظِ حسنہ اور مولانا ہاشم نے پرچہ خیر المواعظ بھی ماہانہ جاری کیا تھا۔ پادری صاحبان نے مقابلہ نہیں کیا اور سکوت و خاموشی اختیار کی تو مولانا الطاف حسین نے مباحثہ حسنہ بند کر دیا۔ لیکن مولانا ہاشم پرچہ خیر المواعظ میں پادری عماد الدین کی کتاب تحقیق الایمان کے جوابات ایک مدت تک لکھتے رہے۔ لیکن اب چند روز سے دہلی میں عیسائیوں کی طرف سے پھر چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی ہے۔ جس کا جواب دینا ضروری ہوا کہ جواب اور شہر کے ہر معترض عیسائی کے جواب میں یہ رسالہ خیر المواعظ جاری کرتے ہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ تھا۔ مطبع اکمل المطابع میں زیرِ نگرانی محی الدین
کی چھپتا تھا۔ اس کے پہلے پرچے میں بحث اثبات نبوت حضرت محمد رسول اللہؐ ہے اور ان اعتراضات کا جواب ہے
جو کتاب میزان الحق اور رسالہ دلائل نبوت اور رسالہ تحقیق الایمان میں کئے گئے ہیں۔
(رسالہ نیر المواعظ دہلی ص۳)

(۳۰) **نسیم آگرہ** } یہ ہفتہ وار اخبار آگرہ سے نکلتا ہے۔ پرانا اخبار ہے ۱۸۹۶ء سے نکلتا تھا۔ اپنی روش پر
قائم رہا۔ کبھی بدلا نہیں اور آگرہ کے مشنریوں کے لئے عذاب جان بنا رہا۔

(۳۱) **نور الانوار** } ۱۸۹۵ء میں نکلتا تھا اور اس قدر معقول تھا کہ تمام اخبارات تقریباً اس کے دلچسپ
تاریخی، مذہبی اور ردِ نصاریٰ کے مضامین نقل کرتے تھے۔ کانپور سے یہ ہفتہ وار
اخبار ۱۶ صفحات پر نکلتا تھا۔

(۳۲) **قیصر اخبار** } یہ رامپور سے ہفتہ میں ایک بار نکلتا تھا۔ قیصر پریس میں چھپتا تھا۔ مشنریوں کی خوب
خبر لیتا تھا۔ اور ان کو بے کار محض ثابت کرتا تھا۔ مسلمانوں کو مشورہ دیتا تھا۔ بار
بار اسی پر زور دیتا تھا کہ اپنی لڑکیوں کو مشنری سکولوں میں مت داخل کراؤ۔ یتیم خانے اپنے بناؤ۔ تاکہ یتیموں پر
عیسائی قبضہ نہ کر سکیں۔

(۳۳) **برقِ خاطف** } بمبئی سے ۱۸۶۸ء میں زیرِ ادارت مولوی مظفر حسین جاری ہوا۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔
ردِ نصاریٰ کرنے والے عالموں کا حامی اور مشنریوں کا مخالف تھا۔ چنانچہ اس
نے مولنا ابو المنصور کی ردِ نصاریٰ کی خدمات کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"مولوی ابو المنصور مناظر جن کا ذکر پیشتر اخبار میں کیا جا چکا ہے۔ یہ مولنا موصوف وہ ہستی ہیں۔
جنھوں نے مہینوں تک الہ آباد میں رہ کر عام اعلان کیا کہ کوئی عیسائی عالم میرے سوالوں کا ایسا
جواب دیگا۔ جو کہ عام پسند ہو۔ اس کو فی سوال دس روپے دونگا۔"

اس اعلان کے بعد پادریوں نے مناظرہ کرنے کا رُخ تک نہیں کیا۔ پادری ڈیوڈ جب مولنا سے مناظرہ کرنے آئے
تو دو روز کے بعد پادری صاحب نے فرمایا کہ میں سال بھر اسی طرح آپ کے پاس حاضر ہو سکتا ہوں۔
(۲۲ ستمبر ۱۸۶۹ء)

(۳۴) **مفید الانام** } یہ اخبار ۱۸۵۶ء میں جاری ہوا۔ یہ ہفتہ وار تھا۔ ۱۰ اس کا سائز ۲۰×۳۰/۸ تھا۔
یہ اخبار بھی ردِ نصاریٰ کے لئے جاری ہوا تھا۔ چنانچہ اخبار مورخہ ۹ ستمبر ۱۸۶۸ء جلد ۱ عدد ۳۶، میں
ان عیسائیوں کا تذکرہ ہے۔ جو دولت اسلام سے مستفید ہوئے تھے۔

۱۔ علیم مسیح جو ایلڈر مسیح کا داماد ہے اور فتح گڑھ کے گرجا کی خدمت میں سرفراز تھا۔ جامع مسجد چوک
میں بعد نماز جمعہ مسلمان ہوا۔ اس کا نام عبد العزیز رکھا گیا۔

(۲) عبداللہ پسر مراد علی صاحب عیسائی عرف مولوی عبداللہ واعظ عیسائی اپنے باپ کی حیات میں بلکہ یومسیح کے مسلمان ہونے کے چند روز بعد مسلمان ہوگیا۔ اب وہ روزانہ بلاناغہ عیسائیت کی تردید سربازار کرتا ہے۔

(۳) دلاور خاں جو معہ زن و فرزند، مشن فتح گڑھ میں عیسائی ہوا تھا اور ایک مدت تک پادریوں کی تربیت میں رہا۔ اور مشن کی خدمتوں میں ممتاز تھا۔ وہ بھی مسلمان ہوگیا۔

(۴) فضل علی ٹیکہ لگانیوالا ڈاکٹر اکبرآبادی جو فتحگڑھ میں ڈاکٹر سکاٹ کے پاس بہت عزت کے ساتھ عیسائی ہوا تھا۔ وہ عیسائی مذہب کو ترک کرکے مسلمان ہوگیا ہے۔

(۳۸) **اخبارات ردِ نصاریٰ** } اسی طرح کوہِ نور ۱۸۷۶ء میں سید نادر علی شاہ سیفی کی ایڈیٹری میں اور سیفی بمبئی ۱۸۷۵ء میں اور لوحِ محفوظ، مراد آباد سے ۱۸۷۴ء میں مولوی مہدی حسن کی ایڈیٹری میں اور روزگار مدراس ۱۸۷۶ء میں جاری ہوئے۔ یہ سب کے سب ردِ نصاریٰ کے مضامین شائع کرتے تھے اور اسی غرض کے لئے نکلتے تھے۔

(۳۹) **اخبار انجمن پنجاب** } یہ اخبار ہفتہ وار ہے۔ اور ۱۸۶۵ء میں شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ اس میں زیادہ تر مضامین بیوہ عورتوں کی شادی کی حمایت کے اور ردِ نصاریٰ کے تھے۔ اس میں تاریخی، ادبی، علمی مضامین شائع ہوتے تھے اور خبریں بھی غیر ممالک اور ہندوستان کی دی جاتی تھیں۔

(۴۰) **راجپوتانہ** } یہ ہفت روزہ اخبار ۱۸۶۴ء سے جاری ہوا۔ اس کے قابل و لائق ایڈیٹر مولانا محمد علی مراد ہیں۔ جو بہت اچھے مناظر اور واعظ ہیں۔ یہ بڑی تقطیع پر نکلتا تھا۔ اس اخبار میں ۱۸۷۶ء میں دو تبدیلیاں ہوئیں۔ ایک ایڈیٹر وزیر علی صاحب مقرر ہوئے اور یہ اخبار ناگری اور اردو میں علیحدہ علیحدہ شائع ہونے لگا۔ (ناصر الاخبار، یکم مارچ ۱۸۷۶ء)

(۴۱) **خیرخواہ عالم** } یہ رسالہ دہلی سے ماہانہ نکلتا تھا۔ پرانا اخبار تھا۔ جو ۱۸۶۱ء میں سے نکلنا شروع ہوا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی امیر حسن صاحب تھے۔ چھ روپے سالانہ چندہ تھا۔ اس میں نصاریٰ کے خلاف لکھا جاتا تھا اور مضامین اور خاص طور پر ریاستوں کی خبریں نکلتی تھیں۔

(۴۲) **روہیل کھنڈ** } بریلی سے ناگری میں ہفتہ وار نکلتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر منشی عبدالعزیز ہیں۔ جنکو صحافت نگاری کا اچھا تجربہ ہے۔ یہ اخبار ۱۸۶۵ء میں جاری ہوا۔

(۴۳) **آگرہ اخبار** } یہ پرچہ ہفتہ وار ہے۔ اس کے ایڈیٹر خواجہ صدیق حسین صاحب مولوی خواجہ یوسف علی پروفیسر عربی آگرہ اور مالک آگرہ اخبار کے تیسرے فرزند ہیں۔ مولوی صاحب موصوف اکبرآباد کے ایک مشہور بزرگ اور مشرقی علوم کے عالم تھے۔ صدہا گریجویٹ، جس میں سرسید بڑے بڑے عہدہ دار انگریز شامل ہیں، اُن کے شاگرد ہیں۔

احمد خاں کے جواب میں رسالہ تیرھویں صدی بھی جاری کیا - جن میں مشہور سخن طرازوں اور مشہور و مقبول انشاء پردازوں کی مضامین شائع ہوتے تھے - ۱۸۹۷ء میں مولنا فوت ہو گئے - اس وقت سے ان کے صاحبزادے خواجہ صاحب موصوف آگرہ اخبار کے ایڈیٹر اور مطبع آگرہ کے مالک ہیں - یہ اخبار ۱۸۷۱ء میں جاری کیا - لکھائی چھپائی بحیثیت مجموعی بہت اچھی ہے - اس اخبار کا نظریہ یہ ہے کہ انگریزی پڑھنے سے بہت سے نوجوان لاپرواہ ہو جاتے ہیں - اس نظریہ کے مطابق ہی اس اخبار میں مضامین چھپتے ہیں اور ردِ نصاریٰ کیا جاتا ہے -

(۴۴) میو گزٹ، اخبارِ نوبہار } میو گزٹ ۱۸۷۲ء میں جاری ہوا - اور اخبار نوبہار ملتان سے ۱۸۷۲ء میں شائع کیا - دونوں پرچے ہفتہ وار ہیں - اور بڑے سائز پر نکلتے ہیں - (عین الیقین صـ۴۰)

(۴۵) چشمۂ علم } یہ اخبار مدراس سے نکلتا ہے - اور ہفتہ وار ہے - بڑی تقطیع پر شائع ہوتا ہے اس میں عیسائیوں کے مسلمان ہونے کی خبریں برابر شائع ہوتی ہیں - یہ مولنا شرف الحق کا بہت مداح ہے - ان کے علمی کارناموں اور ردِ نصاریٰ کی انتھک کوششوں پر روشنی ڈالتا ہے

(۴۶) کارنامۂ ہند } یہ اخبار رکوہنہ ضلع گوڑگانواہ سے نکلتا ہے - اس کے قابل و لائق ایڈیٹر اور واعظ و مناظر ایڈیٹر خواجہ محمد ہاشم تھے - ۱۸۶۶ء میں یہ اخبار نکلا تھا -

(۴۷) ریاض الاخبار } یہ اخبار گورکھپور سے نکلتا تھا - اس کے سرورق پر لکھا رہتا تھا - "ریاض الاخبار میمنت اساس" - یہ اخبار ہفتہ وار تھا - چھوٹی تقطیع پر سولہ صفحات پر نکلتا تھا - اس کے ایڈیٹر عربی، فارسی کے ماہر حضرت ریاض خیر آبادی تھے -

(۴۸) جامع الاخبار } مدراس سے یہ اخبار ہر دوشنبہ کو نکلتا تھا - اس کے صفحات ۱۲ ہوتے تھے - ہر صفحہ دو کالم کا ہوتا تھا - اس کے ایڈیٹر مولوی رحمت اللہ تھے -

(۴۹) احسان الاخبار } یہ اخبار ہفتہ وار تھا - بریلی سے نکلتا تھا - بڑی تقطیع پر - ایڈیٹر کا نام مولوی احسان محمد ہے جو بریلی کے مشہور ادیب اور مورخ ہیں - (دتاسی)

(۵۰) مظہر العجائب } یہ اخبار اردو میں رڑکی سے نکلتا تھا - یہ ہفتہ میں ایک مرتبہ شائع ہوتا تھا اس کے ایڈیٹر مولنا نجف علی صاحب ہیں - جو رڑکی میں قابلِ عزت سمجھے جاتے تھے -

(۵۱) مطلع خورشید اور مجمع البحرین } اس کے ایڈیٹر محمد شفیع صاحب تھے جن کا ذاتی پریس انکے نام پر تھا - اس میں یہ اخبار مطلع خورشید چھپتا تھا - کراچی سے شائع ہوتا تھا - مجمع البحرین لدھیانہ سے نکلتا تھا اور اس کے ایڈیٹر محمد نامی خاں اور ملک محمد شاہ تھے جونپور سے نسیم جونپور شائع ہوتا تھا - اس کے ایڈیٹر سید منظر الدین، واعظ و مناظر تھے -

(۵۴) اخبارِ حیدری، اخبارِ حسینی } دونوں اُردو کے اخبار ہیں۔ پہلے کے ایڈیٹر مرزا علی حسینی حیدری تھے اور دوسرے کے مولوی سید حسین علی تھے جو دہلی کالج کے پروفیسر تھے اور جنھوں نے الف لیلیٰ کا ترجمہ کیا ہے۔

(۵۵) جامِ جمشید } یہ اخبار قاضی جمشید علی کی ایڈیٹری میں ہفتہ وار مراد آباد سے نکلتا ہے۔ آپ مراد آباد کے سید ہیں۔ جن کا نسب حضرت امام رضا علیہ السلام سے ملتا ہے۔ آپ کے مُورثِ اعلیٰ مولانا محمد صالح بادشاہ عالمگیر کے اتالیق تھے۔ جن کو سلطان نے پرگنہ حسن پور ضلع مراد آباد میں سات آٹھ مواضع دیے تھے جاگیر کا رقبہ ایک بیگھے کے قریب تھا۔ بغاوت کے الزام میں ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ نے ضبط کر لیا۔

(۵۶) ذوالقرنین } یہ اخبار ہفتہ وار بدایوں سے مولوی نظام الدین حسین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس میں رد نصاریٰ پر دلچسپ اور معلومات سے پُر مضامین شائع ہوتے تھے اور دیگر مضامین نئے طرز اور انوکھی روش کے لکھے جاتے تھے۔ (تاج التواریخ)

(۵۷) سُرمۂ روزگار } یہ اخبار سید عزت حسین رضوی کے اہتمام سے آگرہ سے ہر ہفتہ نکلتا تھا۔ مضامین کا انتخاب اور اسپر فاضلانہ نوٹس، ایڈیٹر کی قابلیت، لیاقت کا اظہار کرتے ہیں۔

(۵۸) مخبرِ دکن } یہ اخبار سید عبد القادر کی ایڈیٹری میں مدراس سے شائع ہوتا ہے۔ یہ پرچہ مسلمانوں کی ہمدردی میں شائع ہوتا ہے۔ بڑے فاضلانہ آرٹیکل اس کے قابل و فاضل ایڈیٹر ہر عنوان پر لکھتے ہیں۔ اچھے مناظر ہیں۔

(۵۹) ہمدرد } یہ اُردو کا سہ ماہی رسالہ شیخ جمال احمد کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ یہ پرچہ مسلمانوں کے قومی ہمدردی میں شائع کیا گیا تھا۔ اس میں ممتاز اہل قلم کے مضامین چھپتے تھے جو قوم اور قومی امور سے دلچسپی رکھتے تھے۔

(۶۰) وطن } یہ اخبار لاہور سے ہفتہ وار مولوی انشاء اللہ خاں نے جاری کیا تھا۔ آپ ہی اس کے ایڈیٹر تھے۔ آپ کے آبا و اجداد شیخ صدیقی تھے۔ عہد ہمایوں میں ہندوستان آئے۔ اکثر بزرگ اسی خاندان ہی میں اتالیقی کی خدمت پر مامور تھے۔ آپ مولوی انعام اللہ ڈسٹرکٹ انسپکٹر گوجرانوالہ کے خلف اکبر ہیں۔ ولادت ۱۸ اپریل سنہ ۱۲۷۷ھ میں ہوئی۔ سنہ ۱۸۹۵ء سے لیکر آخر سنہ ۱۹۰۰ء تک وکیل اخبار کے ایڈیٹر رہے۔ اس کے بعد اخبار وطن شائع کیا۔ جو کثیر الاشاعت اور مقبول پرچہ تھا (تاج التواریخ)

(۶۱) رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور } یہ ماہوار رسالہ انجمن نعمانیہ لاہور کی جانب سے نکلتا تھا اور افوادِ محمد پریس لاہور میں چھپتا تھا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں جاری ہوا۔ اس رسالہ میں علاوہ مدرسہ کی رپورٹ کے، پادریوں کے رسالے، کتابوں، مضامین اور اعتراضات کے جوابات بھی مدلل شائع ہوتے تھے۔ چنانچہ جلد دوم ۵ کے صفحہ ۲ تا ۱۹ تک لارڈ بشپ لاہور کے مضمون نبی معصوم

کا جواب جو مولوی شفیق الرحمٰن نے دیا تھا، چھپا ہے۔ اسی طرح اس رسالہ کی جلد دوم ۱۹۰۹ء میں اعجاز قرآن مولوی ابوالفیض کا ایک عالمانہ مضمون ہے۔ جس میں قرآن مجید کی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ اس کے اور رسالوں میں "اسلام کی حقیقت"، نبوت، ضرورت علم و ادب، علمائے اسلام کے فرائض جیسے عنوانات پر مضامین شائع ہوتے تھے۔

(۶۲) رفیقِ ہند } یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔ جو منشی محرم علی صاحب چشتی کی ادارت میں لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ چشتی صاحب پنجاب کے بااثر علماء میں سے تھے۔ جن کی زندگی کا تمام وقت قوم کی خدمت میں گزرا تھا۔ اسی وجہ سے یہ اخبار پنجاب میں خاص شہرت کا مالک تھا۔ اور تثلیث، عیسیٰ ابن اللہ کے عقائد کی مکمل تردید کرتا تھا۔ تحریف انجیل پر بھی اس میں مضامین شائع ہوتے تھے۔

(۶۳) رسالہ عصمت دہلی } مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری ۱۸۶۸ء میں دہلی میں پیدا ہوئے آپ کے جدِ اعلیٰ مولانا ابوالخیر خیر اللہ صاحب شاہجہاں کے زمانے میں عرب سے دہلی آئے تھے اور اسی وجہ سے وہ اپنے نام کے ساتھ "خیری" کا لفظ لکھا کرتے تھے اور سارا خاندان بھی خیری لکھا کرتا تھا۔ آپ کے پر دادا مولوی عبدالخالق صاحب تھے۔ جن کا ذکر سر سید احمد خاں صاحب نے اپنی مشہور کتاب آثار الصنادید میں لکھا ہے (منادی ۷، فروری ۱۹۳۶ء)

"مولانا راشد الخیری صاحب شمس العلماء مولانا نذیر احمد مرحوم کی بیوی کے سگے بھتیجے تھے۔ مولانا لڑکپن کے زمانہ سے ہی سایۂ پدری سے محروم ہو گئے تھے۔ مولانا اس وقت دہلی کے عربی سکول میں تعلیم پاتے تھے۔ باپ کا سایہ اٹھنے پر مولانا کے چچا جو، اورئی ضلع جالون میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔ یتیم بھتیجے کو اپنے ساتھ لے گئے اور گورنمنٹ سکول میں داخل کرا دیا۔ شفیق چچا نے باپ کا غم بھلا دیا اور مولانا ہمیشہ آپکی شفقت اور محبت یاد کرتے تھے۔ ضلع جالون سے ضلع اناؤ میں تبادلہ ہوا۔ تو مولانا ساتھ آئے۔ اور یہاں بندوبست میں انگریزی دفتر میں معقول تنخواہ پر ملازم ہو گئے اور یہیں مولانا نے اپنی پہلی تصنیف صالحات کی ابتداء اور تکمیل کی۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو ملازمت کے لئے پیدا نہیں کیا تھا۔ دہلی میں شیخ عبدالقادر صاحب بیرسٹری پاس کر کے آئے تھے اور رسالہ مخزن بھی دہلی لے آئے۔ مولانا اس رسالہ کے جوائنٹ ایڈیٹر اور پھر ایڈیٹر ہو گئے اور شیخ صاحب "مخزن" مولانا کے حوالے کر کے لاہور چلے گئے۔ مولانا کو "مخزن" سے خاص لگاؤ تھا۔ ان کے سامنے عیسائی مشنریوں کے میموں کی حرکتیں تھیں وہ معصوم اور بھولی بھالی عورتوں کو آزادی کے نام پر اور پردے کو لعنت بتا کر مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں۔ جب کچھ لڑکیاں ان کے پھندے میں پھنس گئیں۔ تو مولانا نے ایک مدرسہ "تربیت گاہِ بنات" کی بنیاد ڈالی۔ چنانچہ آپ نے رسالہ "عصمت" کو اپنے سعادت مند صاحبزادے رازق الخیری کے سپرد کر دیا۔ جس نے رسالے کو چار چاند لگا دیے۔ یہ رسالہ بھی مولانا نے مشنری عورتوں

کے فریب سے مسلمان لڑکیوں کو بچانے کے لئے نکالا تھا۔ عورتوں کی اصلاح کرنے اور تعلیم نسواں پر زور دینے کے لئے آپ کے بزرگ شمس العلماء مولانا نذیر احمد نے مراۃ العروس، بنات النعش وغیرہ تصانیف فرما کر درماندہ قوم کی مستورات کی تعمیر کی بنیاد رکھی۔ مذکورہ کتابوں کے بعد ملک اور قوم کو مفید تصانیف کی ازحد ضرورت تھی جس کو علامہ راشد الخیری نے پورا کیا۔

شب زندگی، شام زندگی، صبح زندگی اور طوفان حیات جیسی تصانیف اور عروس کربلا جیسے دلچسپ ناول لکھے۔ بیوہ کا لال اور آمنہ کا لال جیسی کتابیں لکھیں۔ آپکے مفید اور اصلاحی کتابوں کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے۔

آج خواتین ہند کو آپکی جواہر ریز تصانیف پر ناز ہے۔ وہ مطمئن ہیں کہ سالہا سال تک کے لئے یہ کتابیں آئندہ اور موجودہ نسلوں کی اصلاح کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد بہت سے خاندان تباہ ہونے سے بچے۔ بہت سے میاں اور بیویوں کے تعلقات خوش گوار بنے اور بیوی میاں کی ضدیں اس کتاب کی فرزِ تحریر نے ختم کیں۔ ان کتابوں کا اثر یہ ہے کہ بڑے سے بڑا سنگدل انسان اُن کو پڑھنے کے بعد آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ کتابیں ماں باپ اپنی بچیوں کے پڑھانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں اور تقریباً یہ کتابیں ہر گھر میں نظر آئیں گی اور ہر عورت کی زبان پر ان کتابوں کے افراد کا ذکر پایا جائے گا۔

استاذی مولانا علیہ الرحمۃ نے ۳ فروری سنہ ۱۹۳۶ء کو میرے والد ماجد مولنا شرف الحق کی وفات کے بعد انتقال فرمایا۔ ایک صدمہ کے بعد دوسرا صدمہ، ایک سرپرست کے بعد دوسرے سرپرست کا اٹھنا بہت شاق ہوا۔

ہندوستان بھر میں مولنا کی وفات پر ماتم کیا گیا۔ ہر اخبار نے آپکا نوحہ لکھا۔ نظم کی صورت میں مرثیے لکھے شاعروں نے جہاں نظمیں لکھیں۔ وہاں نسوانی دنیا کی شعر و شاعری کی دنیا میں کھلبلی مچ گئی۔ چنانچہ خواتین دہلی کے ماتمی جلسے منعقدہ ۱۲ فروری سنہ ۱۹۳۶ میں محترمہ رابعہ صاحبہ نے یہ درد انگیز نظم سنائی۔ جس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:-

یا الٰہی یہ کیسی خبر — ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے قلب و جگر!
راشد الخیری دریغا حسرتا — ہو گئے رخصت محو دارالبقا
لٹ گئی باغ وطن کی پھر بہار — ہو گیا تاریک صحن لالہ زار!
پھر چمن پر آ گیا دورِ خزاں — ہو گیا برباد ویراں گلستاں!
آہ خالی ہو گئی بزم سخن — غم سے ہیں بیتاب اہل علم و فن
درد میں ڈوبا ہوا تھا ہر کلام — سوز سے لبریز تھا جس کا پیام
طبقۂ نسواں ہے ممنونِ کرم — محسنِ اعظم تھے اسکے محترم

مجاہدینِ ردِ نصاریٰ کے حالاتِ زندگی

متفرقے

۱۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی
۲۔ مولانا آلِ حسن موہانی
۳۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی
۴۔ ڈاکٹر وزیر خاں صاحب اکبر آبادی
۵۔ مولانا شرف الحق صاحب صدیقی
۶۔ مولانا محمد علی صاحب مونگیری
۷۔ مولانا ابوالمنصور صاحب دہلوی
۸۔ مولانا ابوالقاسم صاحب نانوتوی
۹۔ سرسید احمد صاحب
۱۰۔ شمس العلماء مولانا الطاف حسین صاحب حالی
۱۱۔ علامہ سید امیر حسن
۱۲۔ مولانا سید عبدالباری
۱۳۔ مولانا محمد علی صاحب تحصیلدار
۱۴۔ مولانا عبدالحلیم صاحب شرر
۱۵۔ مولوی حکیم محمد حسن صاحب
۱۶۔ مولوی حافظ ولی اللہ صاحب
۱۷۔ مولوی حکیم عبدالرشید صاحب
۱۸۔ سید محمد حامد علی صاحب
۱۹۔ مولوی فقیر محمد صاحب جہلمی
۲۰۔ مولانا عبدالوہاب صاحب
۲۱۔ مولانا عنایت رسول صاحب
۲۲۔ مولوی امان علی احمد آبادی
۲۳۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب
۲۴۔ مرزا غلام احمد قادیانی صاحب
۲۵۔ مولوی اکرام اللہ اکبر آبادی
۲۶۔ محمد جہانگیر خاں صاحب
۲۷۔ مولوی نواب مرزا اکبر آبادی
۲۸۔ مولوی سید محمد صاحب
۲۹۔ مولانا سید محمد موید الدین خانصاحب
۳۰۔ مولانا مظفر علی صاحب
۳۱۔ ڈاکٹر محمد نفیس صاحب
۳۲۔ چودھری مولا بخش صاحب
۳۳۔ مولوی سلیم اللہ صاحب
۳۴۔ مولانا غلام نبی امرتسری
۳۵۔ مولوی عبید اللہ صاحب
۳۶۔ مولوی محمد علی مراد آبادی
۳۷۔ مولوی محمد فیروز الدین صاحب
۳۸۔ مولوی محمد شاہ لکھنوی
۳۹۔ مولوی غلام دستگیر قصوری
۴۰۔ مولانا احمد الدین لاہوری
۴۱۔ مولانا احمد علی صاحب
۴۲۔ حکیم مرزا مغل بیگ صاحب
۴۳۔ خواجہ عبدالعزیز محدث لکھنوی
۴۴۔ حاجی مولوی محمد یوسف راندیری
۴۵۔ مولوی اشرف علی سلطانپوری
۴۶۔ مولوی رحم الٰہی منگلوری
۴۷۔ مولوی سید احمد حسین
۴۸۔ مولوی محمد غوث گورکھپوری
۴۹۔ مولوی شیخ احمد صاحب

مولٰنا شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی

آپ کی ولادت ۱۱۵۹ھ میں دہلی میں ہوئی۔ آپ کا نسب نامہ چوبیس واسطوں سے جناب خلیفۂ دوم حضرت فاروق اعظم جناب عمر ابن الخطاب تک سلسلہ وار پہنچتا ہے۔ رسم زمانہ کے موافق آپ کے والدِ ماجد نے اول قرآن شریف کی تعلیم شروع کروائی۔ چونکہ قدرت نے ازل سے ہی آپ کو بلا کا ذہین اور طباع پیدا کیا تھا بہت تھوڑے عرصہ میں کلام الٰہی کی تعلیم سے فارغ ہو گئے۔

آپ نے اپنے والد شاہ ولی اللہ جیسے مقدس اور متبحر عالم و فاضل متبع شریعت کی آغوش میں پرورش و تعلیم پائی۔ آپ کی تعلیم کے لئے کوئی خاص انتظام نہ تھا۔ آپ کی کم عمری کے لحاظ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ جو وقت جناب مولٰنا مدرسہ سے فارغ ہو کر گھر پر تشریف لاتے تو نہایت فرطِ محبت سے اپنے لختِ جگر کو اپنی گود میں بٹھا کر دینی مسائل بتایا کرتے تھے۔ چونکہ آپ نہایت ذکی اور فہیم اور زود فہم تھے۔ جو کچھ پدرِ بزرگوار سے سنتے تھے۔ سب یاد کر لیا کرتے تھے۔ جب آپ کو کچھ شرعی احکام اور مسائل اس طرح معلوم ہوئے۔ تب شاہ صاحب نے آپ کی باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ اور خلفاء میں سے ایک ذہین و عقیل نکتہ رس شخص کا انتخاب کر کے صاحبزادے کو اس کے سپرد کر دیا۔ تھوڑے عرصہ میں جملہ کتب فقہ و اصول و منطق کلام و عقائد وغیرہ کے ماہر ہو گئے۔ جب آپ مختلف علوم میں کامیابی حاصل کر چکے۔ تب اپنے والدِ بزرگوار کی درسگاہ میں تشریف لے جانے لگے۔ روزمرہ آپ کا یہی شعار رہا کہ نمازِ صبح سے فارغ ہو کر درس گاہ میں تشریف لیجاتے اور دیگر طلباء کے ساتھ حدیث کا سبق لیا کرتے تھے۔ جب آپ نے والدِ بزرگوار سے سندِ علمیہ حاصل کر لی۔ تب درس و تدریس کی طرف شوق پیدا ہوا۔ اکثر طلباء کو آپ پڑھایا کرتے تھے۔ والد ماجد کی موجودگی میں یہ جرات نہیں کرتے تھے۔ لیکن ان کے انتقال کے بعد مجبوری آپ کو پدرِ بزرگوار کی درس گاہ کو آباد کرنا تھا۔ آپ عبرانی بھی جانتے تھے۔ جو آپ نے ایک عبرانی عالم سے پڑھی۔ چنانچہ شاہ صاحب نے اپنے ملفوظات میں خود ہی لکھا ہے۔ "فاضلے از اکابرِ علماء از تحقیق توریت بلسان عبرانی می کردم"[1]

جس روز آپ نے پدرِ بزرگوار جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے بعد طلباء کی خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ دیگر امور کے انجام دہی کی بہت کم فرصت ملتی تھی۔ دن کا بہت کم حصہ فتاویٰ اور وعظ وغیرہ کے لئے مقرر تھا۔ ملاقاتیوں سے ملاقات کا موقع کم ملتا۔ آپ کی علمیت کا سکہ بھی آپ کے والدِ ماجد کی طرح دُنیائے اسلام نے مان لیا تھا۔ بیرونجات کے اکثر علماء فخریہ آپ کے شاگردوں میں داخل ہوئے۔ کسی مخالف مذہب والے کو جرات نہ تھی کہ آپ کے سامنے

---

[1] ملفوظاتِ عزیزیہ، ۲۷

کسی قسم کی چون و چرا کر سکے یا کسی عقلی و نقلی دلائل پر لب کشائی کرے۔ آپ کی حاضر جوابی کا سکہ تمام مخالفین کے دلوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ آپ کا سحرِ بیان ایسا موثر تھا کہ ہر مخالف و موافق سرِ تسلیم خم کر دیتا تھا۔

آپ ہمیشہ متمول اور مالدار لوگوں سے متنفر رہے۔ کبھی اُن کی صحبت کو اپنے لئے مفید نہ سمجھا۔ بلکہ جہاں تک ہو سکا۔ ان سے اجتناب کیا۔ اکثر اوقات آپکی مجلس میں متمول اصحاب زیادہ شامل ہوتے تھے۔ مگر آپ سوائے معمولی بات کے جو ضروری معاملات سے متعلق ہو، کوئی اور بات نہیں کرتے تھے۔

صرف آپکا ایک ہی کام تھا اپنے والدِ ماجد شاہ ولی اللہ صاحب کی جماعت کو منظم کر کے، اس کے اصول و مقاصد کو پھیلانا۔ اس کے لئے شاہ ولی اللہ نے ۵ رمئی سنہ ۱۸۳۱ء کو جو جماعت بنائی۔ اس کا نام جمعیتہ مرکزیہ یعنی سنٹرل کمیٹی تھا اور اس کے مقاصد یہ تھے۔

(۱) خدا پرستی (۲) انصاف (۳) تربیت نفس (۴) ضبطِ نفس۔

اس جماعت کی بہت سی شاخیں قائم کی گئیں۔ ان شاخوں میں نجیب آباد کا مدرسہ، بریلی میں شاہ علم اللہ کا تکیہ اور سندھ میں ٹھٹھہ میں ملا محمد معین کا مدرسہ خاص تھا۔ ان شاخوں کے ذریعہ سارے ملک میں شاہ ولی اللہ کے خیالات کی تبلیغ ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کے خاص کارکن مولانا محمد حسین قلتی و مولانا نور اللہ بڈھانوری اور مولانا محمد امین کشمیری تھے۔ تبلیغ کی ذمہ داری خود لے رکھی تھی۔ کچھ مسلمانوں نے یہ سوال اٹھایا کہ جب سکھ اور مرہٹے مسلمان حکومت پر حملہ کر رہے ہیں اور انھوں نے ایک مذہبی جنگ چھیڑ رکھی تھی۔ اس وقت حکمراں کی مخالفت کہاں تک درست ہے

اس اعتراض کا جواب شاہ صاحب نے یہ دیا۔ کوئی بھی حکومت صرف اس لئے اسلامی حکومت نہیں ہو جاتی کہ اس کا بادشاہ مسلمان ہے۔ اس کے برخلاف انصاف کے سہارے چلنے والی کوئی حکومت اسلامی حکومت ہو سکتی ہے جس کا بادشاہ مسلمان ہو۔ آہستہ آہستہ یہ نظام اس قدر مضبوط ہو گیا تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی کے لفظوں میں کہ شاہ صاحب کی اس جماعت نے باقاعدہ ایک عارضی حکومت قائم کر لی تھی۔ اس وقت شاہ صاحب کے شاگردوں نے حکومت سے جنگ کرنے کی تلقین کی۔ تو شاہ صاحب نے منع فرمایا اور سمجھایا کہ جس طرح حضرت محمدؐ نے تیرہ سال تک عدم تشدد پر عمل کیا۔ اسی طرح ہمیں خاموش رہ کر اپنی تنظیم کو مضبوط کرنا چاہیے۔ اس احتیاط کے باوجود حاکم وقت نجف خاں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ شاہ صاحب کے پہنچے اتروا لئے۔ دونوں بیٹوں یعنی شاہ عبد القادر اور شاہ عبد العزیز کو جلاوطن کیا۔

اس جماعت کے عملی اصول جن کو وہ چلانا چاہتے تھے، تین تھے۔

پہلا یہ کہ وہ ہندوستان کو ایشیا کا ایک طاقتور ملک بنانا چاہتے تھے۔ اُن کی رائے میں یہ جب ہی بن سکتا تھا۔ جب یہ پورا ملک کسی ایک حکومت کے ماتحت ہو۔ انھوں نے اپنی کتاب ... میں لکھا ہے کہ ملک میں چھوٹے چھوٹے خود مختار راجے کیوں نہ ہوں۔ لیکن ان کا ایک فیڈریشن ہونا چاہیے۔ جس سے کسی بھی مسئلے پر پورے ہندوستان کا فائدہ و نقصان نگاہ میں رکھکر غور کیا جا سکے۔ فیڈریشن کے لئے انھوں نے ... لفظ استعمال کیا ہے۔ انھیں اکبر کے زمانہ کا ہندوستان اچھا لگتا تھا۔ لیکن ان کا منشاء اکبری سامراج کو پھر

سے زندہ کرنا نہیں تھا۔ وہ سارے ملک میں ایک الٰہی جمہوری حکومت چاہتے تھے۔ جس میں چھوٹے بڑے امیر و غریب سب برابر حصہ لے سکیں۔

دوسرے وہ تمام ہندوستان کے لئے ایک ہی قسم کا قانون چاہتے ہیں۔ جس کی پابندی ہر مذہب کے لوگ کریں۔ انھوں نے ایک جگہ لکھا ہے۔ اس کو نکاح کی مثال سے سمجھنا آسان ہوگا۔ نکاح کی رسم کا مطلب یہ ہے کہ سماج کو ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان شوہر اور بیوی کا تعلق پیدا ہو جانے کا پتہ چل جائے یا کسی قاضی کے سامنے رسم پوری کی جائے۔ نکاح کا مقصد دونوں ہی طرح سے پورا ہو جاتا ہے رواج کو اس کی پابندی سے مطلب یہ ہے۔ پہلی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

تیسری بات جس پر انھوں نے زیادہ زور دیا ہے۔ یہ تھی کہ جنم کے مزدور پیشہ اور کاریگر لوگوں کو ان کے صحیح حق دلائے جائیں اور ان پر کم سے کم بوجھ رکھا جائے۔ وہ ایسی حکومت کے حامی تھے۔ جس میں کبھی بھی آدمی کو اپنی زندگی کی ضروریات کے لئے محتاج نہ رہنا پڑے۔ انھوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے۔ الغرض انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لئے اقتصادی توازن ایک ضروری چیز ہے۔ ہر انسانی جماعت کو ایک ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہوتی ہے جو لوگوں کی سب ضرورتوں کا کفیل ہو۔ جب لوگوں کی اقتصادی ضرورتوں سے اطمینان نصیب ہوتا ہے تو پھر کہیں وہ اپنے خالی وقت میں جو، ان کے مابین کسب معاش کے بعد بچ جاتا ہے۔ زندگی کے ان شعبوں کی ترقی اور تہذیب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو انسانیت کے اصلی جوہر ہیں۔

سو سال پہلے جب کمیونسٹ مینی فیسٹو وجود میں بھی نہیں آیا تھا اور نہ کارل مارکس ہی پیدا ہوا تھا اور نہ سوشلزم کی تحریک چلی تھی جمعیتِ مرکزیہ کے بانی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ان خیالات کا اظہار کر کے اپنی جماعت کی بنیاد رکھی تھی۔

اگر کسی قوم میں دولت کی لگاتار ترقی جاری رہے تو اس کی صنعت و حرفت اعلیٰ کمال کو پہنچ جاتی۔ اس کے بعد اگر حکومت کرنے والی جماعت آرام و آسائش اور زینت و تفاخر کی زندگی کو اپنا معمول بنالے تو یہ بوجھ قوم کے کاریگر طبقات پر اتنا پڑ جائے گا کہ سوسائٹی کا بڑا حصہ حیوانوں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگا۔ انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں۔ جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے۔ اس لئے لوگ گدھوں اور بیلوں کی طرح صرف روزی کمانے کے لئے کام کریں گے اور جب انسان پر ایسی مصیبت آجاتی ہے تو خدا انسانیت کو اس خلقت سے نجات دلانے کے لئے کوئی راستہ ضرور اختیار کرتا ہے۔ یعنی ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کرکے قوم کے سر سے اس غلط حکومت کا بوجھ اتار دے۔

جلاوطنی کی مدت ختم کرنے کے بعد شاہ صاحب پھر دہلی آگئے۔ یہاں مسلمانوں کی اخلاقی حالت بہت گری ہوئی تھی۔ نااہل لوگ پیری مریدی کے ذریعہ لوٹ رہے تھے۔ دہلی میں انگریزی ریذیڈنٹ کا راج تھا۔ جو من مانی کارروائی کرتا تھا۔ بادشاہ انتہائی کمزور ہو چکا تھا۔ کمپنی لوگوں پر ظلم کرتی تھی۔ لاکھوں مظلوم انسان ان کی ہوس پرستی کا شکار ہوتے تھے۔ تمام ریاستوں کا انگریزی حکومت کی طرف جھکاؤ تھا۔ خوشامدی ٹوٹے ہوئے تھے۔ یہ حالت ناقابل برداشت

تھی۔ عمل کا وقت تھا۔ شاہ صاحب نے اپنا فرض پورا کیا۔ اور جہاں جہاں اسلامی شعائر کی بے حرمتی ہو رہی تھی۔ اُن اُن مقامات کو دار الحرب قرار دیا۔ اس کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہاں کے رہنے والے مسلمان یا حکومت کے خلاف تلوار اٹھائیں یا ہجرت کریں۔ شاہ صاحب نے یہ صرف زبانی حکم ہی نہیں دیا۔ بلکہ انقلابی فوج بنانے کی تیاری کی۔ ایک بورڈ کی تشکیل ہوئی۔ جس کے صدر شاہ صاحب کے شاگرد رشید حضرت مولٰنا سید احمد بریلوی اور قائم مقام شاہ صاحب کے بھتیجے شاہ اسمٰعیل اور شاہ صاحب کے داماد مولٰنا عبد الحئی بنائے گئے۔ اس بورڈ ولی اللہی تحریک کے اغراض و مقاصد بیان کرتے کے لئے ملک بھر کا دورہ کیا اور فوج کی بھرتی کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا۔ چونکہ یہ بزرگان دین خود علم جہاد لیکر نکلے تھے۔ جوق در جوق فوج کی بھرتی ہوئی۔ سپاہی اُن کے مُرید ہو جاتے تھے اور اُن کے ہاتھ پر جان دینے کی بیعت کرلیتے تھے۔ گشت لگاتے لگاتے یہ بورڈ رامپور پہنچا۔ سید احمد کو اطلاع ملی کہ سکھ انگریزوں سے مل کر مسلمانوں پر ظلم توڑ رہے ہیں۔ سید صاحب سکھوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ نتیجہ ظاہر تھا۔ جنگ ہوئی اور اسی جنگ میں سید احمد شہید ہو گئے۔ جماعت بددل ہو کر منتشر ہو گئی۔ اسی سال ۱۸۲۴ء میں شاہ عبد العزیز صاحب کا بھی انتقال ہو گیا۔ شاہ عبد العزیز نے شاہ اسحاق صاحب کو اپنا جانشین بنایا۔ جو کہ اس جماعت کے تیسرے امام کہے جاتے ہیں[1]

آپ اپنی عمر کا تمام حصہ تعلیم و تلقین و تربیت کتب میں صرف فرماتے تھے۔ آپ کے علم کے فیض کا ڈنکا تمام اسلامی دنیا میں بج رہا ہے۔ آپ کے شاگردوں میں مولٰنا شاہ رفیع الدین حقیقی برادرِ خورد، شاہ محمد اسحاق مہاجر حقیقی نواسہ، مفتی صدر الدین، مولٰنا رشید الدین خانصاحب دہلوی، حضرت مولٰنا شاہ غلام علی صاحب، مولٰنا مخصوص اللہ، فرزند شاہ رفیع الدین صاحب اور آپ کے حقیقی بھتیجے مولوی عبد الحئی صاحب اور مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی، مولٰنا حق علی صاحب، مولٰنا حسین احمد صاحب ملیح آبادی وغیرہ ہیں۔

آپ کا علم و فضل و تبحر مسلم تھا۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ جو شخص عالم و فاضل و متبحر ہو وہ ذہین و متین و حاضر جواب بھی ہو۔ مگر آپ میں یہ خوبیاں بدرجہ اتم بیک وقت موجود تھیں۔

دہلی کے باہر شادی کی تقریب میں مولٰنا کی دعوت تھی۔ دو گاڑیاں منگا کر تشریف فرما ہوئے۔ ایک گاڑی میں سید حسن علی عرف شاہ جی صاحب اور حضرت مولٰنا صاحب سوار تھے، اور دوسری گاڑی میں بڑے بڑے فاضل بے بدل۔ چنانچہ اس میں ایک مولٰنا حیدر علی رام پوری بھی تھے۔ اس گاڑی کا گاڑی بان ہندو تھا۔ اُس نے ان چار فاضلوں سے سوال کیا کہ حضرت خدا ہندو ہے یا مسلمان۔ کیونکہ ہندو اس کو ہندو کہتے ہیں اور مسلمان اس کو مسلمان کہتے ہیں۔ لیکن صحیح حال نہیں معلوم ہوتا۔ ان فاضلوں نے کہا۔ "ارے بیوقوف یہ کہتا ہے۔ خاموش ہو تجھ کو ان باتوں سے کیا کام"

یہ گفتگو کہیں مولٰنا صاحب نے سنی۔ فرمایا۔ وہ تو اچھی بات پوچھتا ہے۔ اس کو جواب دینا چاہیئے۔ نہ کہ جھڑ

---

[1] نیا ہند، الہ آباد، اکتوبر ۱۹۴۷ء (۳۲۷)

سنکر پھر گاڑی بان نے کہا۔ مولنٰا صاحب آپ ہی بتا دیجئے۔ اس کی بات سنکر مولنٰا اپنی گاڑی سے اتر کر
اس گاڑی میں تشریف لائے اور گاڑی بان سے فرمایا۔ بھائی خدا مسلمان ہے۔ اس کی دلیل ہم سے سنو۔ کہ
تمہارے ہاں گائے کا پاپ کیسا گنتے ہے۔ گاڑی بان نے کہا۔ ہمارے یہاں اس سے بڑا کوئی کام نہیں ہے۔ تب مولانا
صاحب نے فرمایا۔ کہ دیکھو خدا ہندو ہوتا تو گائے کا پاپ نہ ہونے دیتا۔ یعنی گائے کا ذبح کرنا اور مرنا بالکل موقوف
کر دیتا۔ پس اب اس سے معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہے۔ یہ سنکر وہ گاڑی بان بہت خوش ہوا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز کے زمانہ میں انگریز نئے نئے آئے تھے۔ ہندو مسلمانوں میں اُن کا خوف بعید و بے انتہا
ہوتا تھا۔ عیسائی نصرانیت کا پروپیگنڈا اور تبلیغ کرنے میں بے لگام تھے۔ کسی کو جرأت نہ تھی کہ فرنگیوں کے
آگے بول سکے۔ چنانچہ مولانا موصوف کا ہی جگرہ تھا کہ وہ منہ توڑ جواب دیتے تھے اور اُن کے بعض عقائد کی
تردید کرتے تھے۔ تاریخی اعتبار سے انگریز فرنگی کے اہل اعتراضات کا مدلل و معقول جواب دینے کے لئے مولانا موصوف
ہی ہیں۔ فرنگیوں کے حاکمانہ دور میں انھوں نے ہی عیسائیوں سے بے باکانہ طریقہ سے مناظرہ کیا اور اُن کے رعب و دبدبہ
سے مرعوب نہیں ہوئے۔ چنانچہ ہم مناظرین کا تذکرہ آپ کے ہی نام نامی سے شروع کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں

اور وہ مناظرے و مقابلے جو مولانا موصوف سے پادریوں اور عیسائیوں سے ہوئے ہیں اُن کو بیان کرتے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں

پادری سے دو ہزار جیتنا

مسٹر مٹکاف کے پاس ایک پادری دہلی میں مولانا سے مباحثہ کرنے
آیا۔ گورنر نے کہا۔ یہ مولوی بڑا فاضل ہے۔ تم اس سے کبھی نہ جیت
سکوگے۔ اس نے کہا کہ میں ضرور لاجواب کر دونگا۔ گورنر نے کہا۔ اچھا شرط مقرر کرو۔ جو شخص دونوں میں ہار
جائے گا۔ اس سے دو ہزار روپیہ لئے جائیں گے۔ اگر مولوی صاحب ہار گئے۔ تو میں اس کی طرف سے دوں گا۔ کیونکہ
شرط تو مقرر ہوئی اور پادری کو حضرت مولنٰا کی خدمت میں لایا۔ اور سب حال بیان کیا۔
بعدہٗ پادری نے کہا۔ ہم سوال کرتے ہیں اور جواب اس کا معقول چاہتے ہیں۔ منقول نہ ہو۔ جب یہ بات
طے ہو گئی تو پادری نے سوال کیا کہ تمہارے پیغمبر حبیب اللہ ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پادری نے کہا۔ تمہارے
پیغمبر صاحب نے بوقت قتلِ حسین علیہ السلام فریاد نہ کی۔ حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ خدا ضرور
اپنے محبوب کی سُنتا۔
مولنٰا صاحب نے فرمایا کہ ہمارے پیغمبر صاحب فریاد کے لئے تشریف لے گئے تو خدا نے فرمایا کہ تمہارے
نواسہ پر اشقیاء نے ظلم کرکے شہید کر ڈالا۔ لیکن اس وقت ہم کو اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھایا جانا یاد آ رہا
ہے۔ یہ سن کر ہمارے پیغمبر صاحب خاموش ہو گئے۔ کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرے نواسے نہیں
ہو سکتے۔ جب بیٹے کی مدد خدا نے نہیں کی تو میرے نواسے کی مدد کیوں کریگا۔ پادری قائل ہو گیا اور دو ہزار
روپیہ شرط کے ادا کئے۔

دھلی کے عیسائی ریذیڈنٹ کو دندان شکن جواب {سٹین ریذیڈنٹ

دہلی مولانا کی ملاقات کو آیا۔ بعد التذکرہ بیان کیا کہ ایک بات پوچھتا ہوں کوئی اس کا جواب نہیں دیتا۔ کہ مثلاً ایک مسافر راستہ چلتے چلتے بھول گیا۔ اور راہ میں ایک شخص سوتا اور ایک بیٹھا ہے۔ تو یہ راہ گم کردہ راستہ کس سے پوچھے۔ مولانا نے فرمایا کہ راستہ تو چلنے کے واسطے ہے نہ بیٹھنے کے واسطے۔ اس تیسرے شخص کو لازم ہے کہ وہ بھی بیٹھے۔ جب وہ سونے والا جاگے تو دونوں راستہ پوچھکر چلے جائیں۔ یہ سُنکر ریذیڈنٹ بہت خوش ہوا۔ کیونکہ اس کی مراد بیٹھے ہوئے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سوتے ہوئے سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے[1]

ایک فرنگی اپنے خانساماں سے کہا کرتا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام خدائے تعالےٰ کے بیٹے ہیں اور یہ بات بہت ہی آشکارا ہے۔ مگر تم مسلمانوں کو اس کا اعتقاد نہیں ہے بلکہ انکار کرتے ہیں۔ وہ خانساماں غریب بے علم مسلمان سُنکر چپ ہوجاتا تھا۔ کیونکہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکتا تھا۔ ایکدن مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ ایک انگریز اس طرح کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم اس سے کہو کہ مجھے کو علم نہیں۔ جو تم سے بحث کروں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ہمارے محاورے میں تین قسم کے بیٹے ہوتے ہیں۔ پوت، سپوت، کپوت۔ پوت وہ ہے جو کمالات میں باپ کے ہمسر ہو اور سپوت وہ ہے۔ جو کمالات میں باپ سے بڑھکر ہو اور کپوت وہ ہے جو ابتر ہو کہ باپ اس کا ناراض رہے۔ اب بتاؤ کہ تمہارے اعتقاد کے مطابق عیسیٰ کس قسم کے بیٹے ہیں۔ اگر پوت ہیں تو بتاؤ کہ خدائے تعالیٰ نے تو یہ زمین و آسمان اور چاند و سورج پیدا کئے ہیں۔ عیسیٰ کے پیدا کئے ہوئے چاند اور سورج کہاں ہیں اور جو سپوت ہیں تو یہ دکھاؤ کہ خدا نے تو ایک چاند اور ایک سورج پیدا کیا ہے۔ انھوں نے دو دو یا تین تین پیدا کئے ہونگے۔ تو دکھاؤ کہاں ہیں۔ اگر کپوت ہیں تو ہم اُن سے راضی نہیں۔ کیونکہ خود خدائے تعالیٰ اس کا جب خوش نہ ہو تو ہم کس طرح ان کو مانیں۔ اس خانساماں نے چند روز کے بعد جب اس فرنگی نے پھر سوال کیا تو اس کو یہ جواب دیا۔ سُنکر چکرا گیا۔ اور نہایت شرمندہ ہوا کہ ایک جاہل خانساماں نے خاموش کردیا۔

مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں ایک انگریز آیا اور سوال کیا کہ جناب ہماری قوم کے سو دو سو آدمی کسی جگہ پر جمع ہوتے ہیں تو سب ایک رنگ کے سرخ و سفید ہوتے ہیں۔ برخلاف آپ لوگوں کے کہ ہر ایک نئی طرح کے رنگ کا، کوئی کالا، کوئی گورا ہوتا ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ایک طرح کا ہونا کوئی بزرگی اور فخر کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ سو گدھوں کو ایک جگہ جمع کیجئے تو سب ایک ہی رنگ کے جمع ہونگے برخلاف گھوڑوں کے کوئی کمیت، کوئی سُرنگ، کوئی سبزہ، کوئی نقرہ، کوئی سمند ہوتا ہے اعدان کی خوبیاں بھی مختلف

---

[1] حکایات صالحات از عبداللہ نقشبندی ۳۶۳

ہی ہوتی ہیں - طاقت و جوانمردی، دلیری و ملک گیری، یہ کمال گدھوں میں کہاں ہیں - انگریز یہ جواب سنکر بہت شرمندہ ہوا کر خوب گدھے بنے۔

تصنیفات

تفسیر فتح العزیز، اس تفسیر کی دو جلدیں ہیں - اول جلد میں الحمد شریف سے لیکر سیقول کے ربع پارہ تک کی تفسیر ہے دوسری جلد میں سورہ ملک سے آخر قرآن مجید تک پچھلے دو پاروں کی تفسیر ہے۔

تحفہ اثنا عشریہ، اس کتاب میں اہل تشیع کے عقائد باطلہ کی قلعی کھولی گئی ہے - آج تک شیعہ علماء اس کا جواب نہ دے سکے

بستان المحدثین، اس کتب میں تمام کتب حدیث اور اس کے مصنفین و مولفین کے مشرح حالات درج

سر الشہادتین، یہ کتاب عربی زبان میں ہے - اس میں کربلا کے تمام درد انگیز واقعات کا بیان ہے۔

میزان البلاغتہ، یہ کتاب علم بلاغت میں ہے - اس میں دریا کو کوزہ میں بھرا گیا ہے۔

ملفوظات شاہ عبد العزیز، اس میں آپ کے ملفوظات ہیں - جن کو آپ کے ایک مُرید نے جمع کیا ہے [1]

آپ کا انتقال ۱۲۳۹ھ ساتویں شوال صبح یکشنبہ کو واقع ہوا - ایک قطعۂ تاریخ جس کے چند اشعار یہ ہیں - حکیم مومن خاں مومن نے کہا ہے [2]

انتخاب نسخۂ دیں مولوی عبد العزیز
بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل
جانب ملک عدم تشریف فرما کیوں ہوئے
آگیا ہے کہیں مُردوں کے ایماں میں خلل
دستِ بے دادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دیں، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل ۱۲۲۹ھ

لہ حکایات صالحات از عبداللہ نقشبندی ۳۶۴ — [2] تذکرہ عزیزیہ

اِمام فنِ مناظرہ مولانا رحمت اللہ مرحوم

مولانا محمد دربار کلاں قصبہ کیرانہ ضلع مظفر نگر میں رہتے تھے۔ کیرانہ قدیم مردم خیز خطہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ شیخ عبدالرحمٰن گازرونی تھے۔ جو سلطان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آئے اور پانی پت میں مقیم ہوئے۔ وفات بھی وہیں ہوئی۔ زیرِ قلعہ مدفون ہوئے۔ چند پشت کے بعد اسی خاندان میں کبیر الاولیاء حضرت مخدوم جلال الدین پیدا ہوئے۔ اُن کے صاحبزادے کا نام عبدالکریم عرف شیخ ہنا تھا۔ وہ کتاب خلاصہ مناقب کے مولف تھے۔ اکبر بادشاہ کے مقرب تھے۔ اُن کا خطاب شاہی شیخ الزماں تھا۔ اُن کا مقبرہ بھی پانی پت میں ہے۔ شیخ صاحب کے فرزند کلاں مقرب خاں تھے۔ جن کو جہانگیر کے دربار میں رسائی تھی۔ بمبئی کے صوبے دار بنائے گئے تھے۔ انھوں نے دانشمندی اور حکمتِ عملی سے سات جہاز جو سالہا سال سے غرق تھے، سمندر سے برآمد کیے۔ علاوہ ان چیزوں کے ان جہازوں میں، ستون کسوٹی بھی تھا۔ جب برآمدگی اشیاء کی اطلاع جہانگیر کو ہوئی تو اُس نے تمام سامان اُن کو دے دیا۔ اس کے بعد مقرب خاں نے اپنے رہنے کے لئے مکان بنوایا۔ جس میں دو تالاب پختہ بنوائے۔ تالاب کے وسط میں ایک بنگلہ تعمیر کرایا۔ اس پر چبوترہ بنوا کر ستون کسوٹی لگوائی۔ ایک گھڑی بنوائی۔ دکھن سے بیج منگوا کر پانچ باغ لگائے۔ سولھویں جلوس میں جہانگیر کیرانہ آیا۔ چنانچہ تزکِ جہانگیری میں جہانگیر لکھتا ہے:-

"مخلص و عمدہ محب علی الخصوص یارِ وفادار مقرب خاں ملتجی تھا کہ میں اس کے ہاں آؤں۔ میں نے اس گھر کو قدوم میمنت لزوم سے رشک کے قابل بنا دیا اور اس خیر خواہ قدیم کو اسباب قیمتی جواہرات، تین لاکھ روپے ایک باغ اور ایک وسیع مکان دیا۔"

بہادر شاہ کے عہد تک یہ اشیاء مقرب خاں کے قبضہ میں رہیں۔ لیکن سنہ ۱۲۷۴ھ کو انگریزوں نے اس کو اپنی ضرورت کے واسطے نیلام کر دیا۔ یہ جگہ محلہ نواب زادہ کے نام سے پکاری جاتی ہے لہ۔

ایک معتبر راوی بیان کرتا ہے کہ ایک روز جہانگیر بادشاہ سے کسی نے کہدیا کہ مقرب خاں کے پاس ایک شے ایسی ہے جو حضور کے پاس بھی نہیں ہے۔ دریافت کیا وہ کیا چیز ہے۔ عرض کیا کہ "ستون کسوٹی" حکم ہوا۔ لکھو کر، "حضور کی خدمت میں بھیجدو۔" مقرب خاں کے وکیل نے اُسی وقت اطلاع دی۔ مقرب خاں نے ستون مذکورہ کو اپنے مکان سے اکھڑوا کر راتوں رات پانی پت کی خانقاہ میں لگوا دی۔ تیسرے روز فرمانِ شاہی آیا۔ انھوں نے

لہ تذکرۂ اولیاء جلد دوم

جواب دیا۔ آپ کا فرمان آنے سے قبل کسوٹی خانقاہ کے لئے بھیج دی ہے۔ اگر حکم ہو تو وہاں سے اکھڑوا کر بھیجدوں۔ فرمان آیا۔ ضرورت نہیں ہے۔ کسوٹی جلدی میں لگ گئی تھی۔ اس لئے اس پر کچھ لکھوا نہیں سکے تھے۔ مقرب خاں کے صاحبزادے رزق اللہ نے اس پر ذیل تاریخی کتبہ لگوایا۔

مظہر نور جمالست و جلال!
ہم چوں عیسیٰ مردہ بخشندہ رواں!!

بو علی چوں بو علی سینا تش کرد
زاں سبب گیتست آں ارسطوئے عرفاں

تابنا فرمود ایواں چوں خلد!
ہر ستون سنگ فلک در زیر آں!!

از خرد جستم غبار رسال!!
چوں طلائی کیمیا کرد عیاں!

سال و تاریخ ابنائش در حساب!
سعد بوانا جاہ رزق اللہ خاں

۱۰۷۴ء

جو مسجد سرخ خانقاہ میں موجود ہے۔ وہ بھی رزق اللہ نے تعمیر کرائی ہے۔ اور اس میں سرمایہ رزق اللہ خاں ہی کا لگا ہے۔ انھوں نے کسی سے چندہ وغیرہ نہیں لیا تھا۔

جہانگیر کے دربار کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک تاجر ایک انگوٹھی دربار میں لایا۔ اس نے جہانگیر کو دکھائی کوئی شناخت نہ کر سکا کہ کیا بھید ہے۔ ہر ایک یہی سمجھا تھا کہ سالم انگوٹھی ہے۔ مقرب خاں نے دیکھ کر عرض کی کہ پانی میں ڈالی جائے۔ پانی میں ڈالی گئی تو آریزہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ ثابت ہوا کہ وہ معمولی سفید پتھر سے تراشی گئی تھی۔

برادر دوم دیوان عبدالرحیم پسر شیخ حسنا کا مکان محلہ نواب زادہ میں ہے۔ پچاس برس سے وہی اس کا کرایہ بحکم شاہ جہاں لیتے ہیں اور دیوان خانہ نامزد عدل گڑھ میں ہے۔ جس کو عوام تاول گڑھ کہتے ہیں۔ اپنی زندگی میں انہوں نے مکان اور ویرا ابن شیخ حسینی اور اللہ دیا کو دے دیا۔ اور اپنے رہنے کے لئے دوسرا مکان بنوایا اور اس کا نام دربار کلاں رکھا۔ اور شیخ فضل پسر سوئی کے ساتھ اس میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد شیخ فضل مع اجان درگاہ شاہی میں رہنے لگے۔ چنانچہ مسجع مہر یہ تھا۔

ع فضل شد بدل و جان غلام شاہجہاں۔

شیخ عبدالرحیم معروف شیخ قطب الدین کے خلف شیخ حبیب اللہ تھے۔ حبیب اللہ کے فرزند نجیب اللہ اور نجیب اللہ کے صاحبزادے خلیل اللہ، اور خلیل اللہ کے بیٹے مولنا رحمت اللہ تھے۔ مولنا جمادی الاول ۱۲۳۳ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت سے قبل مولنا رحمت اللہ کی ہمشیرہ نے یہ خواب دیکھا کہ تیرے ہاں مثل چاند کے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کی روشنی عالم میں پھیلے گی۔

آغاز طفولیت میں صلاحیت کا اظہار ہونے لگا۔ مولنا رحمت اللہ نے بارہ برس کی عمر ہی میں فارسی کی درسی کتابیں پڑھ لی تھیں اور علوم حاصل کرنے کے لئے اپنے خالہ زاد بھائی شیخ فریدین سکنہ قصبہ جھرولی ضلع مظفر نگر اور احمد علی کیرانوی کے ہمراہ شاہجہاں آباد گئے تھے۔ مدرسہ مولوی حیات میں مقیم ہوگئے اور مولنا حیات سے تعلیم حاصل کرنی شروع کردی۔ ۱۲۵۰ھ میں آپ کے والد ماجد نے راجہ ہندو راؤ بہادر مرہٹہ کے ہاں منشی گیری پر ملازم

ہوئے اور ترولین گنج بیرون لاہوری دروازہ جانب غرب متصل پہاڑی دھیرج مقیم ہوئے۔ جب مولانا کے والد ماجد یہاں آگئے تو آپ انہیں کے ساتھ رہنے لگے۔ دن میں مدرسہ مولانا حیات میں تعلیم پاتے تھے اور رات ڈاکیر نامہ راجہ کو سناتے۔ اُن کی بھی تنخواہ مقرر کردی۔ چند ماہ کے بعد راجہ نے مولانا کے والد کو موقوف کردیا مگر مولانا کو اپنے پاس خطوط نویسی کے لئے رکھا۔ جلد جواب نہیں دیا۔ زاں بعد تین چار مہینے کے بعد مولانا کو بھی موقوف کردیا۔

ملازمت سے علیحدگی کے بعد آپ نے لکھنؤ کی شہرت سُنی تو علم کے حصول کے لئے چند طلباء کے ساتھ روانہ ہوئے۔ وہاں آپ نے مفتی سعد اللہ صاحب سے مسلم الثبوت میر زاہد پڑھی۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن پراز چلے آئے۔

مولانا محمد حیات جن کا تذکرہ سر سید مرحوم نے لکھا ہے۔ اُن سے اور مفتی سعد اللہ سے ابتدائی تعلیم پائی اور حسب ذیل حضرات سے بقایا کتب کا درس لیا اور تلمذ کی عزت حاصل کی۔

(۱) مولانا علی احمد صاحب ساکن ضلع منٹگمری جو آخر میں ریاست پٹیالہ میں وزیر ہوگئے تھے۔

(۲) مولانا حافظ عبدالرحمن چشتی جو علاوہ فاضل بے بدل ہونے کے صاحب دل اور صاحب عمل بزرگ تھے لہ حضرت مولانا رحمت اللہ کے استاد عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن صاحب چشتی استاد شاہ وقت تھے۔ جو تمام علوم پڑھاتے تھے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کے ہم سبق تلامذہ میں مولانا عبدالرحمن پنجابی اور مولانا سید محمد علی صاحب بھی تھے۔ جو اپنے وقت کے فاضل اور صاحب فیض بزرگ مانے جاتے تھے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحمن چشتی کے استاد مولانا محمد حیات تھے۔ جو علوم ظاہری و باطنی اور علوم شریعت و طریقت کے جامع بزرگ گزرے ہیں۔ یہ دونوں استاد و شاگرد زبدۃ الاولیاء حضرت شاہ سلیمان صاحب تونسوی رحمۃ اللہ کے خلیفہ تھے۔ دونوں بزرگوں کے پختہ مزارات بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی میں موجود ہیں۔

سر سید مرحوم نے مولانا حیات کے متعلق جو اظہارِ خیال کیا ہے۔ وہ یہ ہے۔

"آپ پنجاب کے رہنے والے ہیں انہی مقامات پر تحصیلِ علم کیا۔ کچھ عرصہ ہندوستان میں تعلیم پائی اور پھر شاہجہاں آباد (دہلی) میں تشریف لائے اور شاہ سید صابر علی معروف بہ شاہ صابر بخش رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں مقیم ہوئے۔ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے۔ طلباء کو پڑھانا شروع کیا۔ چونکہ آپ کا علم و فضل قابلِ مثال اور لائق رشک تھا۔ اس لئے طلباء اطراف و اکناف سے علم حاصل کرنے کے لئے خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی تعلیم کے فیض سے بڑے رتبہ پر پہنچے آپ کا معمولی طالب علم اس وقت کے فضلاء سے بہتر و برتر مانا جاتا تھا۔ آپ کے چند شاگرد آپ کے فیض سے یکتائے زمانہ ہوگئے۔ خصوصاً حافظ عبدالرحمن صاحب"

لہ تذکرۃ الاولیاء جلد دوم

لہ تذکرۃ الاولیاء جلد دوم

"آپ کے علم وفضل کی تعریف حیز مقال اور حیطۂ گفتگو سے باہر ہے۔ باوجودیکہ یہ بزرگ نابینا ہیں۔ آنکھوں کی بصارت جا چکی ہے۔ جب بھی علم ہیئت اور ہندسہ اس بے باکی کے ساتھ پڑھاتے ہیں۔ اگر موجودہ اس فن کے ماہرین ہزارہا آنکھوں سے شب و روز، تو جیسی انھوں نے اس فن پر قدرت حاصل کی۔ وہ کبھی حاصل نہیں کر سکیں گے اور جس طرح وہ طلبا کو ذہن نشین کرا دیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے شاگرد کو نہیں کرا سکتے۔ ایک ترک تجربات فرماتے آپ کے مزاج پر قبضہ رکھتا تھا۔ اس کو آپ نے اس قابل کر دیا تھا کہ ان علوم پر وہ درس دے سکے اور طلبا کو اچھی طرح سمجھا سکے۔"[لہ]

آپ نے درس وتدریس کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ذکر واشغال کی طرف مائل کیا اور اکمل فقراء اور عظماء مشائخ سے فیض باطن اور کسب معنوی حاصل کیا اور سفر کی تکلیف کو برداشت کر کے پاک پٹن شریف پہنچے اور حضرت تیا شریف کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی صحبت سے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب حاصل کی۔ اور رخصت کی اجازت لے کر پھر شاہجہاں آباد تشریف لے آئے۔ ان ایام میں خانقاہ صابر بخش میں قیام نہیں کیا۔ بلکہ ایک اور مسجد میں قلعۂ مبارک کے قریب ہے۔ سکونت اختیار کی اور آج تک وہیں تشریف فرما ہیں۔ آپ کے قدم کی برکت سے اس مسجد کی ہر سال مرمت ہو جاتی ہے۔ ایسی آباد ہو گئی ہے۔ اس کو عبادت کی کثرت کی وجہ سے خیر المساجد اور افضل المعابد کہا جاتا ہے۔

آپ کی عمر تقریباً ستر سال کی ہے۔ خدائے عزوجل آپ کی عمر دراز کرے کہ طالبان صادق کو آپ کے فیض سے کثیر فائدے اور ہدایات موفورہ حاصل ہوں۔

ان اساتذہ کے علاوہ حسب ذیل اساتذہ سے بھی آپ نے فارسی، ریاضی اور طب پڑھی۔

۵۔ مولوی امام بخش صہبائی سے ۔۔۔۔ فارسی

۶۔ مصنف لوکارنم سے ۔۔۔۔۔۔ ریاضی

۷۔ حکیم فیض محمد صاحب سے ۔۔۔۔ طب

حکیم فیض محمد کا اس زمانہ میں مشہور و معروف مقبول باکمال اطبا میں شمار ہوتا تھا۔

ہندوستان میں حضرت مولانا کے درس وتدریس کا خانہ بہت محدود ہے۔ زمانہ کی گوناگوں مشکلات اور ہندوستان میں مسیحیت کے بڑھتے ہوئے اقتدار کو روکنے کے فکر میں حضرت مولانا کو اس کا موقع نہ ملا کہ جم کر علوم و فنون اور درس وتدریس کا فیض جاری ہوتا۔ ۱۲۷۰ھ میں اکبر آباد اور آگرہ کے فیصلہ کن اور عظیم الشان مناظرے سے قبل مولانا نے کیرانہ میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ اس مدرسہ کے سینکڑوں تلامذہ میں سے تحقیق وجستجو کے بعد جس قدر نام معلوم ہوئے ان میں سے چند خاص اصحاب کے نام یہ ہیں۔ ان میں وہ نام بھی ہیں۔ جنھوں نے ہندوستان سے جا کر مکہ معظمہ میں فیض حاصل کیا۔

لہ آثار الصنادید جلد دوم ص ۲۱ تا ۲۳۔

۱۔ مولنا شرف الحق صدیقی (مکہ معظمہ)

۲۔ مولنا عبدالسمیع رامپوری، مصنف تمد باری۔

۳۔ مولنا شاہ ابوالخیر صاحب مکہ معظمہ تشریف لے گئے وہاں علوم حاصل کئے

۴۔ مولنا احمد الدین چکوالی ۵۔ مولنا نور احمد امرتسری۔

۶۔ مولوی قاری شہاب الدین نے علوم و فنون کی مکہ معظمہ میں جا کر تکمیل کی۔

۷۔ مولنا حافظ الدین صاحب دوخانوی

۸۔ مولنا امام علی عثمانی کیرانوی، مولنا کے پاس مکہ معظمہ میں انتقال ہوا۔

۹۔ مولنا عبدالوہاب صاحب

۱۰۔ مولنا بدر الاسلام کیرانوی، مہتمم کتب خانہ شاہی استنبول۔

مولنا محمد سعید صاحب صاحب ناظم اول دار العلوم مدرسہ صولتیہ مکہ میں مولنا کی خدمت میں رہ کر تکمیل علوم کے ساتھ مولنا مرحوم کے فیض تربیت سے بھی بہرہ ور ہوئے اور مولنا کے آپ جانشین قرار پائے۔

مسجد حرم میں حضرت مولنا کا حلقۂ تدریس سینکڑوں طلباء اور علماء وقت پر مشتمل ہوتا تھا۔ مکہ معظمہ حضرت مولنا کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ جن میں بعض خاص تلامذہ کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ شریف حسین ابن علی سابق امیر حجاز و بانی حکومت ہاشمیہ۔

۲۔ شیخ احمد نجار صاحب مرحوم، قاضی طائف۔

۳۔ مولنا قاری عبداللہ صاحب مدرس شعبۂ تجوید القرآن دار العلوم صولتیہ مکہ معظمہ۔

۴۔ شیخ القراء حضرت مولنا قاری عبدالرحمن صاحب الہ آبادی۔

۵۔ مولنا عبداللہ غازی صاحب مرحوم مہتمم کتب خانہ دار العلوم حرم صولتیہ مکۃ معظمہ

۶۔ مولنا حکیم اسمٰعیل نواب صاحب افغانی مرحوم، مکہ معظمہ کے مشہور طبیب و عالم۔

۷۔ شیخ محمد حسین خیاط مرحوم، بانی مدرسہ خیریہ مکہ معظمہ

۸۔ شیخ احمد ابوالخیر صاحب مرحوم مفتی احناف مکہ معظمہ و شیخ العلماء

۹۔ شیخ عبدالرحمن دہلان صاحب مرحوم، صدر مدرس مدرسہ دار العلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ

۱۰۔ شیخ اسعد دہان صاحب، قاضی مکہ و مدرس مسجد حرم۔

۱۱۔ شیخ عبدالرحمن سراج صاحب مرحوم، شیخ الائمہ و مفتی احناف مکہ معظمہ

۱۲۔ شیخ محمد حامد الجلادی مرحوم، قاضی جدہ

۱۳۔ شیخ محمد سعید احمد صاحب ابوالخیر مرحوم، مدیر اوقاف محکمہ سقوف۔

۱۴۔ شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرحمن سراج صاحب مرحوم قاضی القضاۃ و مفتی احناف و وزیر اعظم۔

۱۵۔ مولوی عبدالسبحان صاحب مرحوم بنگالی ، حکومت ہاشمیہ (حجاز)

۱۶۔ مولوی عبدالرحمان صاحب بنگالی ، مکہ معظمہ میں بقیدِ حیات ہیں اور گوشہ نشین ہیں متبحر عالم ہیں۔

۱۷۔ عبداللہ ابن احمد ابوالخیر صاحب مرحوم ، قاضی مکہ معظمہ و مدرس مسجد حرم محترم۔

۱۸۔ شیخ حسب اللہ صاحب مرحوم مدرس مسجد حرم و از مشاہیر علمائے طائف۔

۱۹۔ شیخ محمد علی ابن زین العابدین صاحب مرحوم مدرس مسجد حرم محترم۔

۲۰۔ شیخ صالح کمال صاحب مرحوم از مشاہیر علمائے طائف۔

۲۱۔ شیخ محمد علی کمال مرحوم از مشاہیر علماء طائف۔

۲۲۔ شیخ درویش عجیمی صاحب مرحوم ، امین الفتوٰی مکہ معظمہ و مدرس مسجد حرم۔

۲۳۔ سید عبداللہ زواوی صاحب مرحوم ۔ مفتی شافعی مکہ معظمہ و مدرس مسجد حرم محترم۔

۲۴۔ سید عبداللہ دحلان صاحب مرحوم ، مدرس مسجد حرم و مدارس عالیہ جزائر مشرقی ہندوستان

۲۵۔ شیخ حسن دحلان صاحب مرحوم از مشاہیر علماء حرم۔

۲۶۔ محمد جمیل صاحب مرحوم از مشاہیر علماء حرم و مسجد حرم محترم۔

۲۷۔ محمد عابد صاحب مالکی مرحوم ، مفتی مالکی مکہ معظمہ و مدرس حرم محترم۔

۲۸۔ شیخ سلیمان حسب اللہ صاحب مرحوم مدرس مسجد حرم محترم۔

۲۹۔ مولانا فیض اللہ صاحب خراسانی مرحوم (حضرت مولانا سے فیضیاب ہو کر چند سال مکہ معظمہ میں مشغول درس و تدریس کے لئے حجاز چلے گئے)

۳۰۔ مولانا نذیر احمد صاحب مرحوم بنگالی مہاجر حضرت مولانا کے خاص تلامذہ میں تھے۔ تمام عمر خانہ نشین رہے مطالعہ کتب میں عمر صرف کی۔ انتقال سے قبل اپنا کتب خانہ دارالعلوم حرم صولتیہ مکہ معظمہ کو دیدیا۔

۳۱۔ مولوی عبدالخالق صاحب اسلام آبادی مرحوم ، بانی مدرسہ اسلامیہ مکہ معظمہ۔

۳۲۔ شیخ محمد صالح مرحوم خانہ نشین رہے ۔ شریف عون مرحوم امیر مکہ کو ان سے دلی تعلق تھا اور بہت قدر کرتا تھا تاریخ مکہ پر بڑی نظر تھی۔ مطالعہ بہت وسیع تھا اور کتابیں جمع کرنے کا بڑا شوق تھا۔

مولانا نے سنہ ۱۲۵۶ھ میں اپنی خالہ کی لڑکی سے شادی کی۔ سنہ ۱۲۵۷ھ میں پھر راجہ نے مولانا اور ان کے والدِ ماجد کو اپنی جائداد کی دیکھ بھال کے لئے کابل بھیجدیا اور مولانا کو خطوط نویسی کے لئے مقرر کرلیا۔ اسی اثناء میں سنہ ۱۲[illegible]ھ کے اندر مولانا کا ایک سالہ لڑکا فوت ہوگیا اور لڑکے کے فوت ہونے کے عرصہ بعد مولانا کی زوجہ محترمہ بعارضہ دق مبتلا ہوکر انتقال فرماگئیں۔ دوسری شادی کے لئے اقربا نے اصرار کیا۔ چند سال تک نہیں کی۔ ایک مصیبت اور سانحہ سے چھٹکارا نہیں ملتا تھا کہ دوسری مصیبت سر پر آکر پڑگئی۔ والدِ ماجد

لہ تذکرۃ الاولیاء جلد دوم صفحہ ۱۶۰ تا ۱۷۲

کا انتقال ہوگیا۔ آپ نے اپنی جگہ پر اپنے چھوٹے بھائی منشی محمد خاں کو ملازم رکھ کر ملازمت سے علیحدگی اختیار کرلی اور مولوی حیات سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ وہ بھی فوت ہوگئے۔ وطن کی راہ لی۔ کیرانہ پہنچکر رد نصاریٰ میں مصروف ہوگئے اور طلباء کو پڑھانے کا سلسلہ شروع کر دیا آپ نے شاہ عبدالغنی ساکن خانقاہ غلام علیشاہ کی فرمائش پر ازالۃ الاوہام لکھنی شروع کردی۔ ابھی یہ کتاب مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مولٰنا بیمار پڑگئے اور ایسے بیمار ہوئے کہ بیٹھنے اٹھنے اور چلنے پھرنے کے قابل نہیں رہے۔ چارپائی پر ہی اشاروں سے نماز ادا کرتے تھے۔ ایکدن نماز پڑھنے کے بعد رونے لگے۔ ایک بھائی یہ سمجھے کہ زندگی سے مایوس ہونے کی وجہ سے رو رہے ہیں۔

آپ نے کہا۔ بھائی بخدا کوئی علامت صحت کی نہیں ہے۔ لیکن انشاءاللہ صحت ہوگی۔ رونے کی وجہ یہ ہے کہ خواب میں آنحضرت تشریف لائے ہیں اور آپ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرمارہے تھے۔ یافتی الزاجی هکذا رسول اللہ تعالیٰ کذا اکذا۔ اے جوان خوشخبری ہو تیرے حق میں رسول نے کہا۔ ایسا ایسا" اگر تالیف ازالہ اوہام مرض کی وجہ ہے تو وہی باعث شفا ہوگی"۔ میں رنجیدہ نہیں مسرور ہوں مسرت میں یہ آنسو نکل گئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں آپکو صحت ہوگئی اور اپنے منتشر ازالہ اوہام کے ورقوں کو ایک جگہ کرکے سات ماہ کے بعد لکھنا شروع کردیا۔ مکمل ہونے پر کے بعد آپ نے مولٰنا آل حسن کی کتاب استفتا کو چھاپا۔

مولٰنا نے دیکھا کہ ہندوستان مسیحی علماء کا اڈہ اور مرکز بنا ہوا ہے۔ مذہب اسلام کے خلاف کتابیں شائع کرکے پادری شہروں میں عام لوگوں کو تقسیم کرتے ہیں۔ تقریروں میں اسلام اور بانی اسلام کا تمسخر اور مخول اڑاتے ہیں۔ اور عوام میں خوف وہراس پھیلاتے ہیں تب آپ نے بیڑا اٹھایا کہ وہ اس شیطانیت کا جواب دیں گے۔ چنانچہ آپ کے دور میں پادری فنڈر تھا۔ جس نے اپنی تصنیف میزان الحق اور اپنی تقریروں سے اودھم مچا رکھی تھی مولٰنا مرحوم نے اس پادری کا زور توڑنے کے لئے مناظرہ کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ آپ نے اس سے خط وکتابت کی جس میں طے پایا کہ مسلمانوں کی جانب سے مولٰنا رحمت اللہ اور ان کے مددگار ڈاکٹر محمد وزیر خانصاحب اور عیسائیوں کی جانب سے پادری فنڈر اور اس کے معاون پادری فرنچ مناظرہ کریں۔

مولٰنا نے دعویٰ کیا جس مذہب کی طرف تم دنیا کو بلا رہے ہو۔ اور جس کتاب کو تم آسمانی کہہ رہے ہو وہ کتاب اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے اور تم اپنے پیشوایان مذہب عیسوی نے اپنی کتاب انجیل میں بہت کچھ تحریف کردی ہے۔ اس لئے آج دنیا میں دین عیسوی کی بنیاد کھوکھلی ہے۔

مناظرہ میں یہ شرط خاص اہمیت رکھتی تھی کہ اگر مولٰنا مرحوم پادری فنڈر کے ان اعتراضات کا جو صداقت اسلام پر عائد کریگا۔ جواب نہ دے سکے تو مولٰنا مرحوم مذہب عیسوی اختیار کرلیں۔ اور اسی طرح پادری فنڈر مولٰنا کے

سوالات کا جواب نہ دے سکے تو وہ مسلمان ہو جائے گا۔

موضوعِ بحث میں جو معرکۃ الآرا مسائل مولانا مرحوم کے ذمہ تھے۔ وہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ثابت کرنا، اور کلامِ پاک کا آج تک بلا تحریف وتغیر سے بالکل محفوظ اور آسمانی کتاب ہونا اور ابطالِ تثلیث کے ساتھ تحریفِ انجیل کا مدلل ثبوت پیش کرنا تھا۔ اس کے مقابلہ میں پادری فنڈر کو اثباتِ تثلیث کے ساتھ یہ امر ثابت کرنا تھا کہ موجودہ انجیلیں جو آج کل پادریوں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہی صحائف آسمانی ہیں جو حضرت عیسٰی علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور ان میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

مولانا پہلے ہی سے مذہبِ عیسوی کی کتب ازبر یاد کئے ہوئے تھے۔ اُن کا اصول تھا کہ اُسی کی ڈھال سے اُسی پر وار کرتے تھے۔ اسی کے ساتھ چند ایسے سراپا درد و اخلاص مخلص و معاون مل گئے۔ جنہوں نے اس مہم میں مولانا مرحوم کا ہاتھ بٹایا۔ یعنی ڈاکٹر محمد وزیر خان صاحب موصوف جو آگرے کے بڑے انگریزی شفاخانہ میں ایک اچھے عہدے پر مامور تھے۔ انگریزی کی اعلیٰ قابلیت کی وجہ سے ترجمہ میں مولانا مرحوم کے بازو بن گئے۔ جس کا خود مولانا مرحوم کو اعتراف تھا کہ وہ اُن کے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے۔

ان تمام ابتدائی مراحل طے ہو جانے کے بعد مناظرہ تین روز نہیں بلکہ صرف دو روز پیر و منگل ۱۰، ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء، صبح کے وقت کٹرہ عبدالمسیح اکبرآباد میں ہوا[2]، جو مذہبِ اسلام و عیسائیت کی صداقت کے درمیان فیصلہ کن اور تاریخِ ہندوستان میں سب سے پہلا واقعہ اور عظیم الشان مناظرہ ہے اس مناظرہ میں مسٹر اسمتھ صدر دیوانی، مسٹر کرسچن صدر بورڈ، مسٹر ولیم و مجسٹریٹ علاقہ فوج مسٹر ایڈلی و جناب مفتی حافظ ریاض الدین، جناب مولوی فیض احمد سررشتہ دار صدر بورڈ، مولوی امیر اللہ مختارِ کار راجہ بنارس، جناب مولوی فخر الاسلام خطیب امام جامع مسجد آگرہ نے شمولیت فرمائی[3]۔ جس میں عوام نے بے حد دلچسپی لی اور اس مناظرہ کے نتیجہ کا تمام ہندوستان میں گھر گھر چرچا ہوا۔

مولانا مرحوم نے اپنی خداداد قابلیت اور تبحرِ علمی سے دو روز کے جلسے میں اس امر کو ثابت کر دیا کہ موجودہ انجیل جس پر آج عیسائیوں اور پادریوں کو ناز ہے وہ تحریف شدہ ہے[4]۔ فاضل مسیحی پادری نے اس عام جلسہ میں اقرار کیا۔ لیکن تبدیلیٔ مذہب کے لئے تیار نہ ہوا جلسہ برخاست ہوا۔ اس کے بعد اسی دن ۱۱ اپریل کو پادری مذکورہ نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مولانا رحمت اللہ کو خط لکھا۔ کہ آپ نے مناظرہ میں جن عبارتوں کے حوالے دئے۔ آپ کے کہنے پر میں نے سمجھ لیا کہ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن میں حل الاشکال بھیج رہا ہوں۔ اس میں وہ مقصد نہیں ہے۔ جو جناب نے بیان کیا ہے۔ مولانا مرحوم نے اس گرز کا مدلل جواب دیا یہ خط و کتابت مولانا مرحوم اور پادری موصوف کی ۲۳ اپریل ۱۸۵۴ء تک جاری رہی۔ اس کے بعد ۱۵ مئی ۱۸۵۴ء

۱۔ اظہار الحق مصنفہ مولانا رحمت اللہ ۲۔ البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف ۳۔ مناظرہ آگرہ ۱۸۵۴ء
۴۔ ندائے عام۔

ے تحریری مناظرہ درمیان ڈاکٹر وزیر محمد خاں صاحب و پادری فنڈر کے ساتھ ہوا۔ خط و کتابت آگرہ میں ہوئی اس مناظرہ کی پوری کیفیت البحث الشریف فی اثبات النسخ والتحریف کے نام سے وزیر الدین ابن شرف الدین صاحب نے مرتب کی۔ جو حافظ عبداللہ صاحب کے اہتمام سے ۱۲۷۰ھ میں فخر المطابع شاہجہان آباد میں کتاب کی شکل میں چھپی۔ مولانا رحمۃ اللہ، میزان الحق عربی کے حاشیہ صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں۔

"ولی عہد مرزا فخر الدین ابن سراج الدین بہادر شاہ سلطان دہلی کے حکم سے چھپی اور انھیں کے حکم سے ہندوستان کے اطراف و اکناف میں اشاعت پذیر ہوئی ہے۔ یہ کتاب صرف مناظرہ اکبر آباد آگرہ اور مولانا مرحوم اور پادری فنڈر کے آخری خطوط کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب $\frac{18 \times 22}{8}$ کے سائز پر ۱۹ سطر کے ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

اس مناظرہ کو چھوٹی تقطیع پر حصہ اوّل مباحثہ مذہبی اور دوسرا حصہ مباحثہ مذہبی کے نام سے سید عبداللہ اکبر آبادی نے منشی محمد امیر کے اہتمام میں مطبع منتعیہ محلہ چھیلی اینٹ اکبر آباد ۱۲۷۰ھ میں چھپوایا۔ پہلا حصہ زبانِ فارسی میں روئیدادِ مناظرہ تقریری اور مناظرہ کے بعد تحریری مناظرہ کا ہے۔ ۱۰۸ صفحات ہیں۔ دوسرا حصہ مناظرہ مابین اسسٹنٹ سرجن محمد وزیر خاں صاحب اور پادری فنڈر صاحب کے تحریری خطوط کا ہے۔ یہ حصہ اردو زبان میں ہے۔ اس کے صفحات ۱۰۲ ہیں۔"

ان مناظروں اور کتب مشتری سے مولانا کو انگریزوں سے خوب واقف کرا دیا تھا۔ جوں جوں انگریزوں کے حربے تیز ہوتے جاتے تھے، ویسے ویسے زندہ دل لوگ بھی تیار ہونے لگے تھے۔ چنانچہ جب ایام غدر میں تحصیل شاملی لٹی۔ جو کیرانہ کے بالکل قریب ہے تو مولانا کو اور ایک تھانہ بھون کے عالم کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ مولانا مرحوم اس کے قائل نہیں تھے کہ چھپ یا بچا جائے۔ آپ کا وارنٹ ہوا۔ آپ تیار ہو گئے مجاہدانہ و مردانہ وار گرفتار ہونے کے لئے۔ لیکن آپ کے بزرگوں نے منع کیا۔ چنانچہ کیرانہ کے قصبہ گاؤں پنجیٹھ میں آپ کو روانہ کر دیا۔ اُن گاؤں والوں نے اس وقت جبکہ باغی کو حفاظت میں رکھنا گولی کا نشانہ اور موت کا لقمہ بننا تھا، آپ کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ مولانا مرحوم اس حالت میں بھی کبھی جاٹ و اہیر مویشی چرانے والوں کے وساتھ کیرانہ آجاتے تھے۔ مولانا گرفتار نہ ہوئے تو آپ پر فوجداری کا مقدمہ چلایا گیا۔ آپ کو مفرور قرار دے کر آپ کی گرفتاری کے لئے انعام مقرر کیا اور آپ کی اور آپکے چچا (تایا) شیخ امین الدین شیخ ولی اللہ شیخ شکر اللہ کی جائداد پانی پت ضلع کرنال (جسمیں حسب ذیل سات آٹھ سرائیں اور قطعات تھے) کو مخبر کمال الدین کی شناخت پر قرق کر کے نیلام کر دیا۔ جائداد کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر کرنال نے ۲۰ جنوری ۱۸۶۲ء میں کیا۔ (۱) سرائے کھجور جسکی قیمت سرکاری طور پر ڈپٹی کمشنر کرنال کے کاغذات میں پانچسو روپے ہے۔

(۲) سرائے چوراہے " " " " " "

(۳) سرائے معروف شیخ فضل الٰہی (۴) سرائے قصابان (۵) سرائے نوآباد (۶) سرائے مالیان
یہ سب سرائیں اور قطعات کل ۱۴۲۰/- روپے میں نیلام ہوئیں۔ جن کی لاکھوں روپے قیمت تھی۔ سرائیں کن کن
ولیوں پر چھوٹیں۔ وہ بھی ملاحظہ ہوں۔

سرائے کھجور	۴۲ روپے	سرائے نوآباد	۱۵ روپے
سرائے چوڑے	۵۶ روپے	سرائے قصابان	۱۴ روپے

چنانچہ ان کا تعزات جائیداد نیلام شدہ میں انڈیکس مشمولہ کا یہ عنوان ہے۔ جس میں مولانا رحمت اللہ کو باغی
خطاب مل گیا لہ

انڈیکس مشمولہ مثل فوجداری مقدمہ عرضی کمال الدین ساکن کیرانہ حال پانی پت، مولوی رحمت اللہ
باغی۔ اسی زمانہ میں جبکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی جیسے
باغی ہجرت فرما رہے تھے۔ اسی دوران میں حضرت مولانا مرحوم بھی بے پور، جودھپور کے مہیب و خطرناک جنگلوں
کو پاپیادہ طے کرتے ہوئے سورت پہنچے۔ سورت سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا۔ ریلیں اور پختہ سڑکیں،
دخانی جہازوں اور وسائل راحت کا نام ونشان نہ تھا۔ بادبانی جہاز چلا کرتے تھے۔ سورت سے جدہ تک
تین مہینہ کی مدت میں بحری سفر طے ہوا کرتا تھا اور سال بھر میں صرف ایک جہاز ہوا کی موافقت کے زمانہ میں سورت
جاتا اور اسی طرح جدہ سے آیا کرتا تھا۔ ایک خط کا محصول چار روپے تھا۔ جو لوگ ہجرت کے ارادہ سے ترک
وطن کرتے وہ ساتھ ہی دنیاوی تعلقات اور باہمی علائق کو زندگی میں ہی دل سے نکال دیا کرتے تھے۔ ان
بزرگوں کا ہی جگرہ تھا۔ جو انھوں نے یہ سفر برداشت کئے ۲ہ مولانا کس درجہ کے باغی تھے۔ یہ مولانا
... کار اللہ سے سنیئے!

"سب سے اول مولوی رحمت اللہ کیرانہ سے تو وہیں آئے۔ دہلی میں جہاد کی کیا صورت ہے۔ وہ بڑے
عالم فاضل تھے۔ عیسائی مذہب کے رد میں صاحب تصنیف تھے۔ وہ قلعہ کے پاس مولوی محمد حیات کی
مسجد میں اترے۔ اس دانش مند مولوی کے نزدیک دہلی میں جہاد کی کوئی صورت نہ تھی بلکہ ایک
ہنگامہ فساد برپا تھا۔ وہ یہ سمجھکر اپنے وطن چلے گئے۔"

مولانا رحمت اللہ علیہ کا علماء کرام کی نظر میں کیا درجہ تھا۔ وہ ایک واقعہ سے معلوم ہو جاتا ہے۔ جو حضرت
مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا۔

"غدر کے زمانہ میں ایک مجذوب صاحب تھانہ بھون میں تھے۔ جب مولوی رحمت اللہ صاحب کی
گرفتاری کا حکم ہوا اور انکا ارادہ ہجرت کا ہوا تو لوگوں نے کہا کہ مجذوب صاحب سے ذرا مشورہ لینا
چاہیئے۔ چنانچہ ان کی خدمت میں گئے اور عرض کیا۔ انھوں نے کہا: جاؤ، کچھ نہیں ہوگا۔"

لہ تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند ۶۷۵ ، ۲ہ رسالہ ندائے عام

اس کے بعد مزید اطمینان کے لئے مولوی رحمت اللہ صاحب اُن کے پاس آئے۔ تب مجذوب صاحب نے فرمایا۔
چلا جا۔ یہاں نہیں رہ سکتا فاضل ہوکر، اور اپنے والد کا نام لیکر تین روپے اُن کی طرف سے اور چھ روپے میری
طرف سے پیچھے ملتے رہیں گے۔ عجب ہے مولوی رحمت اللہ صاحب نے ہجرت کا قصد کیا۔ اس تاریخ سے دس روپے
ماہوار اُن کو برابر ملتے رہے۔ اس میں کبھی فتور واقع نہیں ہوا۔ (تذکرۃ الرشید، حصّہ دوم)

پادری فنڈر ہندوستان سے انگلینڈ گیا۔ وہاں سے وہ قسطنطنیہ پہنچا۔ سلطان عبدالعزیز کا عہد تھا۔
ٹرکی اور انگلستان کے تعلقات نہایت خوش گوار تھے۔ اس نے سلطان سے بیان کیا کہ ہندوستان میں
میرا ایک مسلمان عالم سے مذہبی مناظرہ ہوا۔ جس میں عیسائیت کی فتح اور اسلام کی شکست ہوئی۔ سلطان
عبدالعزیز کو مذہبی معاملات سے کافی شغف تھا۔ اُن کی خواہش ہوئی کہ پادری کے اس قول کی واقعیت اور صحت
معلوم کریں۔ اس لئے انھوں نے شریفِ مکہ کے نام فرمان روانہ کیا کہ اس سال زمانۂ حج میں ہندوستان
سے علماء اور باخبر حجاج جو مکہ معظمہ آئیں۔ اس مناظرہ کی کیفیت وحقیقت معلوم کرکے اطلاع دیں۔ شریف
مکہ کو اس مناظرہ کی پوری کیفیت بذریعہ رئیس العلماء معلوم ہو چکی تھی۔ اس لئے مولانا پر بہت مہربان تھے۔
اس فرمان کے صادر ہونے پر امیر مکہ نے فوراً بارگاہِ شاہی میں مناظرہ کی مختصر کیفیت کے ساتھ اطلاع دی کہ وہ عالم
حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی جن سے پادری فنڈر کا مناظرہ آگرہ میں ہوا تھا۔ ہندوستان سے ہجرت کرکے مکہ معظمہ
میں مقیم ہیں۔ جب یہ اطلاع سلطان عبدالعزیز صاحب کو پہنچی۔ تو انھوں نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ کو مکہ معظمہ سے شریف
مکہ کی معرفت قسطنطنیہ طلب کیا۔ مولانا مرحوم خاص اعزاز و اکرام کے ساتھ سرکاری طور پر مکہ
مکرمہ سے قسطنطنیہ گئے اور شاہی مہمان کی حیثیت سے وہاں ٹھہرائے گئے۔ سلطان بکمال التفات شاہانہ روزانہ بعد
نمازِ عشا مولانا کو شرفِ باریابی عطا فرماتے رہے۔ اس خاص وقت میں خیرالدین پاشا تونسی صدرِ اعظم اور شیخ الاسلام
وغیرہ اکابرِ سلطنت بھی شریکِ صحبت رہے۔

فاضل مسیحی کو جب مولانا کی آمد کی اطلاع ہوئی تو وہ قسطنطنیہ سے چلا گیا۔ سلطان نے ان ملاقاتوں میں مناظرہ
کے پورے حالات نہایت دلچسپی کے ساتھ سُنے اور نتیجہ سے بے حد خوش ہوئے۔ مولانا صاحب کی اس جلیل القدر دینی
خدمت کی یہ قدر افزائی فرمائی کہ واپسی کے وقت خلعتِ فاخرہ کے ساتھ تمغۂ مجیدی درجہ دوم اور گرانقدر وظیفہ
کی امداد سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح دوسری مرتبہ سلطان عبدالمجید خاں مرحوم نے قسطنطنیہ میں طلب فرمایا۔ تمغہ مذکور کے
ساتھ مرصع تلوار، اور علمی مرتبہ "پایۂ حرمین" عطا فرمایا۔

خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالعزیز خاں کی خواہش اور امام المحدثین سید احمد بن زینی وحلان کی تحریک[1]
پر پادری فنڈر سے اکبر آباد آگرہ میں مناظرہ کی کیفیت اور تمام مسائل کا نہایت بسط و تشریح کے ساتھ کیا۔ قسطنطنیہ
میں لکھی ۱۲۸۰ھ میں سب سے پہلے قسطنطنیہ میں چھپی صدرِ اعظم موصوف کے حکم سے ایک ترک عالم نے عربی سے

---

[1] اظہار الحق

ترکی میں اس کا ترجمہ کیا اور "اظہار الحق" کے نام سے مکمل ترکی ترجمہ شائع ہوا۔ نیز یورپ کی متعدد زبانوں میں حکومتِ عثمانیہ کی طرف سے اس کے ترجمے شائع کیے گئے۔ جسے پادریوں نے خاص اہتمام اور کوشش سے تلف کیا۔ مصر میں متعدد بار طبع ہو چکی ہے۔ مولوی سلیم اللہ صاحب مرحوم نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔ جس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ مولوی غلام محمد صاحب کبانجاراندی نے بڑی محنت و جانکاہی سے گجراتی میں ترجمہ شائع کیا جو شائع ہو چکا ہے آج سے پینسٹھ سال قبل کا ذکر ہے کہ اظہار الحق کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے بعد ٹائمز آف انڈیا نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہیں گے تو دنیا میں مذہب عیسوی کی اشاعت و ترقی بند ہو جائے گی۔

قسطنطنیہ سے مکہ معظمہ واپسی کے بعد مولانا نے اسلام کے اس دینی مرکز میں اہم ضرورتوں پر غور کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ ایک ایسے دار العلوم کی سنگِ بنیاد رکھی جائے۔ جس میں درس و تدریس ضابطہ میں انجام پائے۔ مخصوص نصاب تعلیم ہو۔ جس سے طلباء میں قابلیت پیدا ہو۔ آپ نے وہاں کی تعلیم میں سب سے بڑا نقص یہ پایا کہ اساتذہ خود ہی کتاب کی عبارت پڑھتے تھے اور خود ہی اس کا مطلب سمجھا دیتے تھے۔ تلامذہ کا استاد سے سوال کرنا یا کچھ سمجھنا بے ادبی پر محمول کیا جاتا تھا۔ نیز باوجود نحو، فقہ، تفسیر، حدیث پڑھنے کے بعد کوئی قابلیت ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ غضب خدا کا تفسیر جلالین سات سال میں ختم کرائی جاتی تھی۔ الغرض تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا اور نہ قیام و طعام اور دیگر ضروریاتِ تعلیم کی کوئی صورت تھی۔

ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد مولانا مرحوم نے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مٹی ہوئی درسگاہ کا زمینِ حرم پر پھر احیاء کا ارادہ کیا۔ شب و روز اپنے اس ارادہ اور خیال کی ادھیڑ بن میں رہتے تھے کہ ۱۲۹۱ھ میں کلکتہ کی ایک بیوہ مگر عالی ہمت اور مخیر خاتون صولت النساء اپنے بھائی کی معیت میں بارادۂ حج مکہ معظمہ حاضر ہوئیں اور کسی ذریعہ سے مولانا کے حالات اور ارادہ کا علم ہوا۔ چونکہ ازل سے علمِ الٰہی میں یہ سعادت اور فخر اس بیوہ خاتون کے حصہ میں تھا۔ اس لئے صولت النساء بیگم مولانا سے ملیں اور مکان مدرسہ کی تعمیر کے لئے تیس ہزار روپے جو اس وقت ان کے پاس تھا۔ مولانا کے سامنے پیش کر دیا۔ جس سے مدرسہ کی قدیم عمارت مکہ معظمہ میں خدا کے گھر کے زیرِ سایہ تیار ہوئی۔ مولانا مرحوم نے اس مخیر خاتون کے نام پر مدرسہ کا نام "مدرسہ صولتیہ ھندیہ" رکھا۔

مولانا مرحوم کو ابتداء میں علاوہ مالی مشکلات کے (جو اس قسم کے کاموں میں ہر ایک کام کرنے والے کو آتی ہیں) دو نئے امر سدِ راہ ہوئے۔ جن کا وہم و گمان بھی آپ کو نہ تھا۔

اول انگریزی کونسل متعینہ جدہ آپ سے خوفزدہ رہا کہ مولانا پر بھی دوسرے علماء کی طرح بغاوت اور غیر وفاداری کا الزام لگایا گیا تھا اور اس کی وجہ سے ترکِ وطن کر کے مکہ معظمہ آئے۔ مبادا کہیں مولانا اس درسگاہ کی آڑ

میں انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ اور باغیانہ سازش نہ کرتے ہوں - اس لئے مدرسہ کے قیام میں اس نے ہر ممکن رکاوٹ پیدا کرنے میں دریغ نہ کیا۔

دوسری طرف حجاز کے مقامی ناواقف حکام کو اندیشہ دامنگیر ہوا کہ زمینِ حرم پر مدرسہ کی ابتدا ہندوستان کے مسلمانوں کی کوشش سے ہورہی ہے - ایسا نہ ہو کہ یہ درسگاہ انگریزی اقتدار کے ساتھ بیرونی مداخلت کا کسی وقت میں ذریعہ نہ بن جائے - اس میں شک نہیں کہ ترکوں کا بدگمان ہونا ایک حد تک درست تھا کیونکہ وہ اپنے ملک میں مشن اور پادریوں کے خیراتی اور رفاہِ عام کے کاموں کا تلخ تجربہ کرچکے تھے - باوجود ان تمام مشکلات اور زبردست مخالفوں کے بانی مدرسہ نے ہمت و پامردی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا اور اُن کا مقابلہ کیا - کچھ عرصہ کے بعد ان شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے اور مولینا مرحوم نے اپنے خلوص و استقلال کی بدولت آئندہ کے لئے راستہ صاف کرلیا -

اس وقت مدرسہ میں چوبیس مدرس، بارہ دیگر ملازمین ہیں جن کا تعلق مدرسہ کے انتظامی اور دفتری شعبوں سے ہے - مدرسہ کی طرف سے پچاس لائق اور ہونہار طلبہ کو وظائف امداد لیاقت دئے جاتے ہیں - سنہ ۱۳۵۰ھ سے مدرسہ میں ... کی تعداد چھ سات سو کے درمیان ہوگئی تھی -

صولتہ النساء بیگم کی مالی اعانت سے مدرسہ کی سب سے پہلی عمارت سنہ ۱۲۹۱ھ میں تیار ہوئی - وہ زمانہ کی محدود ضروریات کے مطابق پانچ بڑے کمرے اور تین چھوٹے کمروں پر مشتمل تھا - مدرسہ کی نئی عمارت ... نظام دکن کے پچیس ہزار روپے سے مدرسہ کے ہال کی تعمیر ہوئی - جس کا نام سلطان العلوم ہال رکھا گیا - اس ... سلطان العلوم ہال کے علاوہ پندرہ کمرے ... مدرسہ کا بورڈنگ ہے مدرسہ کے دارالطلباء ... علوم طلباء کے رہنے اور قیام کی کافی گنجائش ہے - اس مدرسہ کا کتب خانہ ہے - اس میں اس وقت تقریباً آٹھ ہزار کتابیں مختلف علوم و فنون کی موجود ہیں - سنہ ۱۳۵۷ھ میں دار المطالعہ کا افتتاح ہوا جو طلبا اور عوام کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے -

اس مدرسہ کا مالی انتظام تاحیات مولینا کے ہاتھ میں رہا - مولینا مرحوم اپنے اثر و رسوخ اور اپنی ذاتِ خاص سے مدرسے کے اخراجات پورے کیا کرتے تھے -

مدرسہ کے کام کے بعد مولینا ردِ نصاریٰ کو انتہائی اہم اور ضروری فریضہ سمجھتے تھے اور اس کام میں اس قدر منہمک رہتے تھے کہ دنیائے اسلام کے علاوہ ممالکِ یورپ بھی آپ کی نگاہ میں تھی - آپ نے مکہ معظمہ سے بیٹھکر ممالک یورپ اور ہندوستانی ملکوں پر پورا کنٹرول کر رکھا تھا اور آپ کی تصانیف ہر چہار طرف پھیلی ہوئی تھیں - آپ کا ہر مقام سے تعلق تھا اور ہر جگہ کے واقعات و حالات سے باخبر رہتے تھے - جہاں آپ ہندوستان کے ہر گوشہ سے واقف تھے - وہاں نیو یارک وغیرہ کا پورا نقشہ آپ کے سامنے رہتا تھا - کتنا تبلیغی کام کہاں ہوا ہے - اس سے اور مشنریوں کے اعمال سے بھی آگاہ رہتے تھے - چنانچہ مولنا محمد سعید صاحب عزیز قریبی مولنا رحمت اللہ علیہ مولنا اشرف الحق صاحب مرحوم کو خط لکھتے ہوئے حضرت مولنا کے ارشاد کا ذکر کرتے ہیں -

ابھی چند روز ہوئے - میں نے ایک اخبار میں آپکی نیویارک کی روانگی کا حال پڑھا تھا - مجھے اب تک مولینا

لنا رحمت اللہ علیہ کے وہ کلمات یاد ہیں - جو بوریوں کے نومسلموں اور وہاں کی اشاعتِ اسلام کی نسبت فرمایا کرتے تھے۔
مولنا کا انتقال رمضان المبارک سنہ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۹۱ء میں ہوا - آپکا مزارِ مبارک جنت المعلیٰ میں
ہے - آپ کے ہم پہلو حضرت حاجی امداد اللہ شاہ مہاجر مکی کا مزارِ مقدس بنا - جن کا انتقال ۱۲ یا ۱۳ جمادی الاول
۱۳۱۷ھ کو مولنا مرحوم کے ڈیڑھ سال کے بعد ہوا - یہاں بھی دونوں مخلصوں نے ساتھ نہ چھوڑا۔
مولنا کے انتقال کے بعد حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ کے سرپرست
ائے گئے اور مدرسہ کے مالی وحسابی ونگرانی کی خدمت حاجی صاحب قبلہ کے برادر زادے حافظ احمد حسین مرحوم
ین الحجاز کے سپرد کی گئی نظامت کی ذمہ داری مولنا مرحوم کے بعد حکیم اکبر کے پوتے مولنا محمد سعید نے انجام دی۔
کل مولنا محمد سعید کے صاحبزادے مولنا محمد سلیم نظامت کے فرائض ادا کر رہے ہیں۔ مدرسہ کے ہندوستانی
تر کے معتمد عمومی مولنا مرحوم کی حقیقی ہمشیرہ کے نواسے اور مولنا کے حقیقی چچا کے پوتے مولنا ضیاء الدین صاحب
ہیں۔ اور رسالہ ماہواری ندائے حرم قرولباغ دہلی سے نکالتے تھے۔ تقسیم ہند کے زمانہ میں جب دہلی
میں فسادات کا سلسلہ زوروں پر تھا اور لوٹ مار ہو رہی تھی - یہ دفتر بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہا
اور کافی نقصانات اُٹھانے کے بعد کراچی منتقل ہوگیا - چنانچہ رسالہ اب کراچی سے ہی نکلتا ہے۔ اور مولنا
ضیاء الدین صاحب ہی اس رسالہ کے ایڈیٹر ہیں۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں سنہ ۱۳۱۰ھ میں کیا خدمات
انجام دے رہا تھا - اس کا تذکرہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے خط مورخہ ۱۴ رجب سنہ ۱۳۱۰ھ میں
جو حضرت مولنا اشرف علی صاحب کو لکھا گیا تھا - ان الفاظ میں فرماتے ہیں :-

"اکثر احباب یہ دریافت فرماتے ہیں کہ عزیزم مولوی قاری احمد مکی صاحب کا مدرسہ کس قسم
کا ہے۔ اس لئے لوگوں کی اطلاع کے لئے یہ تحریر لکھی گئی - یہ مدرسہ جناب مولوی رحمت اللہ
صاحب کی شاخ ہے۔ جناب مولنا مرحوم کی ہمت اور توجہ سے یہ مدرسہ قائم ہوا اور اس
کا اہتمام قاری حافظ احمد مکی صاحب موصوف کے ذمہ کیا گیا - اس میں علوم دینیات پڑھائی
جاتی ہیں - لیکن مدرسہ میں مولنا مرحوم کی زیادہ تر توجہ علم تجوید اور حفظ قرآن کی طرف ہے
کیونکہ علم تجوید کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں بہت کم ہے۔ ماشاء اللہ
ان مدرسوں سے فائدہ عظیم ہوگئے ہیں۔ ہندیوں کو اس فن میں عرب وغیرہ بہت حقیر سمجھتے تھے
بلکہ بعض عرب ہندی علماء کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ مگر بفضلہ تعالیٰ ان مدارس کے
کے ذریعہ سے بہت سے کامل قاری ہو کر نکلے ہیں اور حرمین شریفین میں بعض ہندی قاری تعلیمیافتہ
ان مدرسوں کے اب استاد عرب ہیں - قاری حافظ احمد مکی صاحب کا مدرسہ محلہ جیاد میں ہے -
پینسٹھ طلباء بالفعل عربی، ترکی، ہندی وغیرہ مختلف قوموں کے پڑھتے ہیں۔ حافظ صاحب نے جب

---

[1] مکتوبات امدادیہ مرتبہ مولنا اشرف علی صاحب صفحہ ۶

ایمانی وتدین وتورع کی وجہ سے اس کا انتظام بہت عمدگی کے ساتھ کر رکھا ہے۔ بالفعل اس میں ایک قاری اور ایک حافظ ہیں اور مولوی حافظ صاحب موصوف خود ایسی مستعدی سے دینیات اور علم تجوید پڑھاتے ہیں۔ جو کئی مدرسہ کے برابر ہے۔ ہر مسلمان پر مدد دینی فرض ہے۔ خصوصاً تعلیم قرآن مجید جو اصل دین اسلام ہے۔ خاص کر مکہ معظمہ میں مقدس مقام ہے جو دین کا مرکز مسلمان ہے۔ جہاں کی خیرات میں ایک لاکھ نیکیوں کا ثواب ہے اور مکہ معظمہ میں علم دین کی مدد دینے کا کچھ حد و حساب نہیں ہے۔ مسلمان آخرت کے واسطے پیدا ہوئے ہیں۔ تھوڑا سا خرچ کرکے بے حساب منافع آخرت اور زاد عقبیٰ حاصل کریں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اظہار الحق } عربی زبان میں سنہ ۱۲۹۰ھ کے اندر قسطنطنیہ اور سنہ ۱۲۹۴ھ میں دو مرتبہ مصر میں اور چوتھی مرتبہ سنہ ۱۳۰۵ھ میں استنبول، فرانسیسی، جرمنی، انگریزی، ترکی زبانوں میں ترجمہ ہو کر یورپ میں شائع ہوا۔ اس کتاب کا ابھی تک کسی نے جواب نہیں دیا۔ ازالۃ الاوہام، یہ کتاب فارسی زبان میں سنہ ۱۲۶۹ھ میں بڑی تقطیع پر دہلی میں چھپی ہے۔ رد نصاریٰ کے اکثر مباحث کا مسکت جواب ہے۔ اس کتاب میں پادری فنڈر کے میزان الحق کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات بھی ہیں۔

ازالۃ الشکوک } یہ کتاب عیسائیوں کے انتالیس سوالوں کا جواب ہے۔ جو سنہ ۱۲۶۹ھ میں تصنیف ہوئی اور دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور جس میں نبوت محمدی اور تحریف بائیبل کے مدلل ثبوت ہیں۔ کل ۱۰۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولانا مرحوم کے شاگرد رشید مولانا عبدالوہاب صاحب ویلوری بانی مدرسہ باقیات الصالحات مدراس نے اپنے اہتمام اور صرفہ سے مدراس میں پہلی جلد چھپوائی تھی۔ دوسری جلد مولانا موصوف کے خلف ارشد مولوی ضیاء الدین صاحب مہتمم مدرسہ مذکور نے اپنی نگرانی میں طبع کرائی ہے۔

اعجاز عیسوی المقلب بمقعلہ تحریف } اس کتاب میں مولانا مرحوم نے کامل طور پر انجیل کا غیر معتبر ہونا ثابت کیا ہے۔

چند سو صفحوں پر پہلی بار آگرہ کے مطبع رضوی میں طبع ہوئی۔ اس پر اول پادری عماد الدین نے کچھ یاوہ سرائی کی تھی۔ جسے خود عیسائیوں نے نہایت ناپسند کیا۔ اس کی تاریخ "ذالک ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء" سے ۱۲۷۱ھ نکلتی ہے۔

اصح الاحادیث فی ابطال التثلیث[1] } یہ رسالہ جس میں دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے تثلیث کو باطل ثابت کیا ہے۔ مطبع رضوی دہلی میں ۶۴ صفحات پر سنہ ۱۲۹۲ھ میں چھپا ہے۔

---

[1] انوار العاشقین ۸۶

بروقِ لامعہ } رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا مدلل اثبات اور براہین ساطعہ سے خاتم المرسلین پر ختم رسالت کو ثابت کیا ہے۔ (غیر مطبوعہ)

معدل اعوجاج المیزان } یہ کتاب میزان الحق پادری فنڈر کا جواب ہے۔ پادری صفدر علی نے نور افشاں نمبر ٣٠ جلد ١٢ مطبوعہ ٢٤ رجولائی ١٨٨٤ء میں بیان کیا۔ اس کتاب کا اصلی نسخہ اُن کے پاس ہے۔ (غیر مطبوعہ)

تقلیب المطاعن) تحقیق دین حق مصنف پادری لاسمنڈ کارد کا جواب۔ (غیر مطبوعہ)

معیار التحقیق) کتاب تحقیق الایمان مولفہ پادری پادری صفدر علی کا دندان شکن جواب[1]

---

[1] نداۓ عام (١٨-١٩)

حضرت مولانا آلِ حسن موہانی

آپ کا نیشاپور کے خاندانِ سادات سے تعلق ہے۔ سید محمود نیشاپوری آپ کے جدِ اعلیٰ موہانہ میں متقیم ہو گئے۔ کئی پشتوں کے بعد سید وجیہہ الدین تشریف لے گئے۔ یہ تمام خاندان شیعہ تھا۔ لیکن سید وجیہہ الدین کا رجحان صوفیت کی طرف ہونے کی وجہ سے وہ دہلی کے مشہور و معروف ولی سید حسن رسولنما کے مرید ہو گئے اور سُنّی طریقہ اختیار کیا۔ محنت و جفاکشی عبادت گزاری کی بدولت پیر نے اپنی خلافت کی سند عطا کی۔ سُنّیوں میں بھی آپ تفصیلی عقائد کو پسند کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے رسالہ رد تبرئی کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ کی افضلیت میں بھی رسالہ لکھا۔ آپ کا نظریہ یہ تھا کہ خلافت دو حصوں پر مشتمل تھی۔ عمارت اور امامت۔ امامت کے اعتبار سے حضرت علی افضل تھے۔ لیکن عمارت اور امارت دونوں کے لحاظ سے ہر سہ حضرات ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ موزوں اور افضل تھے۔

نام وخاندان

آلِ حسن نام خلف مولوی سید غلام سعید خاں صاحب، منصب دار سلطنت اودھ قصبہ موہان ضلع اناؤ، ملک اودھ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد بعہد نواب سعادت علی خان بہادر شاہ اودھ تمامی عدالتوں کے افسرِ اعلیٰ تھے اور مقربینِ خاص شاہِ اودھ موصوف تھے۔ جس کی وجہ سے آپکا قیام خاص لکھنؤ میں تھا۔ عالمِ جوانی اور اسی عہد سلطنت میں مولوی سید غلام سعید خاں کا انتقال ہو گیا۔ خان صرف خطاب تھا۔

مولوی غلام سعید خاں کے والد کا اسمِ گرامی حضرت سید شاہ وجیہہ الدین ہے اسی طرح نسب حضرت امام علی موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اس سلسلے سے پہنچتا ہے۔ مولوی سید آل حسن بن مولوی سید غلام سعید خاں بن مولوی سید شاہ وجیہہ الدین محمد بن سید محمد حنیف بن سید غلام علی بن سید عبدالرؤف بن سید جمال بن سید حافظ بن سید سعداللہ بن سید گدن بن سید اللہ داد عرف سید اوہن بن سید منتجب ولایت نژاد بن السید محمود نیشاپوری بن السید محمد بن السید احمد بن سید حسین بن سید ابابکر سید یحییٰ بن السید عبدالعزیز بن السید ابراہیم بن السید محمود بن السید زید بن السید عبداللہ

بن[22] سید یعقوب بن[23] سید احمد بن[24] سید محمد بن[25] سید احمد نام اول [26] سید محمد تقی نام دوم [26] بن سید ابو الفضل موسیٰ الرفع بن[27] سید ابو الفضائل امام علی نقی بن[28] حضرت سید ابو جعفر امام محمد تقی سید واسط بن[29] حضرت امام علی موسیٰ رضا بن[30] حضرت امام موسیٰ کاظم بن[31] امام جعفر صادق بن[32] حضرت امام محمد باقر بن[33] حضرت امام زین العابدین علی اوسط بن[34] حضرت سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ بن حضرت سیدتنا فاطمہ و سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما۔ سید محمود صاحب نیتا پور سے ترکِ وطن کر کے قصبہ موہان میں آکر متوطن ہوئے۔ مولانا مرحوم کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں۔ قیاسی سنہ ولادت ۱۲۰۲ھ مطابق ۱۷۸۷ء ہے۔

بوقت وفات مولوی غلام سعید خاں صاحب مولانا کی عمر صرف دس سال کی تھی اور آپ سے چھوٹے بھائی مولوی اوصاف حسن صاحب کی عمر چار سال کی تھی۔ عبد اللہ نامی ایک پروردہ کے سپرد گھر اور کل مال اسباب رہتا تھا۔ ایک عالیشان مکان موہان میں تعمیر ہو رہا تھا، تعمیر بند ہو گئی۔ جملہ مال و اسباب عبد اللہ و دیگر ملازمین لے کر معلوم نہیں کہاں چمپت ہو گئے۔

عہدِ طفلی

ابتداءً بزمانہ قیام لکھنؤ معلوم نہیں سلسلۂ تعلیم کس طرح شروع ہوا اور اس کا پتہ معلوم نہیں کہ یتیمی کے بعد جبکہ اور کوئی ذریعۂ معاش بھی نہیں رہا تھا۔ نیز والدہ اور چھوٹے بھائی کا بار مستزاد تھا۔ تعلیم کس طرح اور کہاں حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں شادی قصبہ کسمنڈی ضلع لکھنؤ میں ہوئی اور بعد عقد زیادہ تر قیام کسمنڈی میں رہنے لگا۔ وہیں آخر میں مولوی جعفر علی صاحب کسمنڈوی سے بھی کچھ پڑھنے کا سلسلہ قائم رکھا۔ سنا ہے لڑکپن میں دماغ میں چوٹ لگنے سے ذہن اچھا نہ تھا۔ ایک روز عالمِ رؤیا میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چوٹ کے مقام پر اپنا لعابِ دہن لگایا۔ جس کے بعد ہی ذہن برق ہو گیا کہ کوئی طالب علم مقابلہ نہیں کر سکا۔ اساتذہ میں سوائے مولوی جعفر علی صاحب کے دیگر اصحاب کے نام تک معلوم نہ ہو سکے۔

ملازمتِ انگریزی

کچھ عرصہ کے بعد نوکری کی تلاش میں الہ آباد گئے کہ وہاں اس زمانہ میں صدر عدالت دیوانی و دیگر محکمہ جات کے مقرر ہوئے۔ معلوم نہیں کہ کس محکمہ میں۔ لیکن وہیں الہ آباد کے کسی دفتر میں محرر کی نوکری مل گئی۔ جس کی تنخواہ بہت قلیل تھی۔ اس کے بعد ترقی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ والدہ اور گھر کے لوگوں کو بھی وطن سے لے جا کر وہیں الہ آباد میں قیام کیا۔ چھوٹی صاحبزادی نیز مولوی انوار الحسن صاحب و مولوی لطف حسن صاحب وہیں الہ آباد میں تولد ہوئے۔ چھوٹے بھائی موہان میں ہی اقامت گزیں رہے۔ آپ اُن کی خرچ سے مدد کرتے رہے۔ والدہ کا وہیں الہ آباد میں انتقال ہوا۔ اسی سلسلہ میں مولانا منصف بمشاہرہ سو روپے مقرر ہوئے۔ تعیناتی جہان آباد نواح فتح پور ہسوہ میں ہوئی۔ وہیں چھوٹے صاحبزادے مولوی احمد سعید صاحب تولد ہوئے۔ دیگر صاحبزادے موہان ہی میں تولد ہوئے۔

کئی سال کے بعد جہان آباد سے قصبہ بندکی میں تبادلہ ہوا اور تین چار سال وہیں قیام رہا۔ اسی زمانہ میں

وہاں بعض دوست احباب پر جوزمرۂ وکلا ہائیکورٹ نیز ملازمین سرکار تھے ۔ کچھ مقدمات رشوت ستانی وغیرہ
ے قائم ہوگئے ۔ مولٰنا سے سراغ ملنے کی اُمید تھی ۔ لیکن مولٰنا دوستی کے پکے تھے ۔ باوجودیکہ مولٰنا پر بہت سختی کی
ی ۔ مسٹر موکسن ایک انگریزی عہدہ دار پادریوں کے مباحثات سے مولٰنا سے خاص پرخاش رکھتے تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ
ولٰنا پر سختی کے باعث وہی تھے ۔ مولٰنا منصفی سے معطل کئے گئے ۔ لیکن مولٰنا نے دوستوں کے خلاف کوئی بیان
ہیں دیا ۔ چند وکلاء وغیرہ سزایاب ہوئے ۔ بالآخر مولٰنا دس ماہ کی معطلی کے بعد بے قصور ثابت ہو کر بری ہوئے معطلی
کی تنخواہ سرکار سے یکمشت ملی ۔ بری ہو کر جہان آباد آگئے ۔ وہاں سے مستعفی ہو کر تینوں لڑکیوں کے عقد سے فراغت
اصل کی ۔ تقریباً ۴ سال وطن اور زیادہ تر گستنڈی ہی میں بحالتِ بے کاری مقیم رہے ۔ سسرالی کچھ جائداد
قسم آراضی وباغ تھے ۔ اس میں بدقت تمام نہایت عسرت کے ساتھ بسر کی ۔ بحالتِ بے کاری بمبئی کے شیخ
بداتاجر نے کبھی کبھی روپے سے مدد دی ۔ آخر میں باصرار سر سید احمد خاں مرحوم دہلی و مُراد آباد میں چند روز
ن کے پاس وکالت کی ۔

علمی و مذہبی خدمات

مولٰنا کو مذہبی مناظروں میں خاص ملکہ حاصل تھا ۔ لیکن چونکہ آپ کو غصہ بہت جلد آجاتا تھا ۔ لہٰذا زبانی مناظروں سے محترز رہتے تھے ۔
شہور مناظرہ مسیحی و اسلام آگرہ میں جس میں مسلمان کامیاب اور مسیحی ناکام رہے تھے ۔ مسیحیوں کی طرف سے
دری فنڈر صاحب اور مسلمانوں کی طرف سے مولٰنا آل حسن صاحب مناظرہ کے روح رواں تھے ۔ اگرچہ مسلمانوں
رف سے مناظرہ زبانی مولٰنا رحمۃ اللہ علیہ مرحوم فرماتے تھے ۔ مولٰنا کی زیادہ تر تصانیف مناظرہ ہی میں ہیں ۔ جن میں
ب استفسار و استبشار خاص شہرت رکھتی ہیں ۔ یہ کتابیں ہندوستانی مسیحیوں کے مقابلہ میں اب تک
ثل ولاجواب ہیں ۔

گرفتاری

عیسائی مولٰنا کو رد نصاریٰ کی وجہ سے اپنا دشمن اور اپنے دین کا مخالف سمجھتے تھے ۔ اس مذہبی مخالفت کو بغاوت سے تعبیر کرتے تھے ۔ کوئی معقول ثبوت ہاتھ نہ لگا تو بلا الزام
رفتار کر کے جیل میں ڈال دیا ۔ ہزار جتن کئے ۔ قانونی شکنجے میں کسنے کی بے حد کوشش ہوئی ۔ لیکن
رت ناکام و نامراد ہوئی اور کوئی معقول و غیر معقول ثبوت مہیا نہ کر سکی ۔ آخر ڈیڑھ ماہ بعد حکومت مولٰنا
رہا کرنے پر مجبور ہوئی ۔ (بقول مولٰنا حسرت موہانی)

سرکار نظام کی مُلازمت

مذہبی خدمات کے باوجود ڈاک اور تار کے انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اسی زمانہ میں مولٰنا کا شہرہ تمام
دوستان میں ایک کونے سے لیکر دوسرے کونے تک ہو گیا تھا ۔ سرکار نظام حیدر آباد میں نواب محمد یار خاں
بی الدولہ اول کا ، بعہد نواب افضل الدولہ بہادر مرحوم نظام خامس خاص اقتدار تھا ۔ نظام الملک
مرحوم کے مزاج میں محبی الدولہ مرحوم کا سب سے زیادہ اثر و رسوخ تھا ۔ انتہا یہ ہے کہ سر سالار جنگ

اول تک کو اُن کی مزاج داری کرنی پڑتی تھی۔ محی الدولہ مرحوم ایک مذہبی آدمی تھے۔ علماء و صلحا کے بڑے قدرداں تھے۔ مولنا کی شہرت سُنکر کوشش کی کہ مولنا حیدرآباد آجائیں۔ سفر خرچ کے لئے اپنے پاس سے ایک معقول رقم موہان بھیجی۔ اور بہت اشتیاق کے ساتھ حیدرآباد آنے کی ترغیب لکھی۔ شاید بُعدِ مسافت کی وجہ سے مولنا نے باوجود عُسرت سفر خرچ شکریہ کے ساتھ واپس کردیا۔ نواب صاحب موصوف نے دوبارہ سفر خرچ بھیجکر بہت اصرار سے اشتیاق ظاہر کیا۔ اس زمانہ میں مولنا کا دہلی میں وکالت کا شغل تھا۔ اس نوبت پر دوستوں کی رائے سے حیدرآباد کے لئے دہلی سے قصبہ کسمنڈی آئے اور کسمنڈی سے حیدرآباد گئے۔ حیدرآباد میں مولنا نواب محی الدولہ ہی کے مہمان رہے اور بہت جلد بمشاہرہ ماہوار ملازم ہوگئے۔ اس کو ایک سال کا عرصہ گزرا تھا کہ وطن میں مولنا کے گھر کے لوگوں اور ایک صاحبزادی اور صاحبزادہ مولوی انوارالحسن کا انتقال ہوگیا۔ جن کو نواب صاحب موصوف نے سفر خرچ بھیجکر زمرۂ اطبا میں ملازمت کے لئے طلب کیا تھا۔ مولنا پریشان ہوکر حیدرآباد چھوڑ کر وطن میں واپس آگئے۔ چند دنوں موہان میں رہنے کے بعد نواب صاحب موصوف نے تیسری مرتبہ سفر خرچ بھیجکر مولنا کو طلب کیا۔ مولنا ناظم صدارت العالیہ حیدرآباد بہ مشاہرہ ۶۰ روپیہ مقرر ہوئے۔ مولنا بہت جلد کسی بہت ہی جلیل القدر عہدہ پر مقرر ہونے والے تھے اور بہت بڑی جاگیر ملنے کو تھی کہ دفعتاً بعارضہ تپ و لرزہ نواب محی الدولہ بہادر کا انتقال ہوگیا۔ مولنا خدمت متذکرہ صدر ہی پر آخر تک رہے۔ ایک زمانہ کے بعد بوجہ پیرانہ سالی ملازمت ترک کرکے مولنا موہان ہی میں آکر رہنے لگے۔ اور وہیں بتاریخ ۱۷ ربیع الثانی ۱۲۸۷ھ تخمیناً بعمرہ ۸۵ سال بعارضہ فالج انتقال فرمایا اور قصبہ موہان ہی میں خاندانی قبرستان میں بمقام محلہ نکپرا مدفون ہوئے۔

حُلیہ پیشانی کشادہ گورا رنگ بہت کھلا ہوا۔ بہت بڑی بڑی نہایت خوبصورت آنکھیں، بھنویں گھنی۔ لیکن بیچ میں فاصلہ تھا۔ بینی بلند اور دراز کسی قدر آگے کو جھکی ہوئی، ڈاڑھی بڑی اور گھنی بھی، قد متوسط، ہاتھ پیر چھوٹے گداز، بہت ہی خوبصورت و نرم، آنکھوں کا ایک خاص وصف تھا کہ عاشقِ رسول و آلِ رسول تھیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم یا اہلِ بیت کے نام لینے پر فوراً اشکبار ہوتیں دل ہمیشہ اسی محبت میں سوزاں و گداز رہا۔

خصائص مولنا بالکل بھولے بھالے تھے۔ خانگی امور میں شاید اس وجہ سے کہ خیالات اعلیٰ علمی اور مذہبی امور کی طرف رکھتے تھے۔ بالکل توجہ نہ تھی۔ گھی اور تیل میں امتیاز نہ کرسکتے تھے۔

حکایت مولوی احمد سعید کی پیدائش کے بعد ایک انّا دودھ پلانے کو رکھی گئی قوم کی ہندو راجپوت تھی۔ قد و قامت بمقابلہ عام عورتوں کے زیادہ تھا۔ مولنا گھر میں آئے پوچھنے لگے۔ یہ کون ہے۔ گھر کے لوگوں نے کہا کہ دودھ پلانے کو ملازم رکھی گئی ہے۔ مولنا لڑکیوں سے کہنے لگے

راس عورت پر مجھے شبہ ہے کہ یہ مرد نہ ہو اور یہاں عورت کے بھیس میں آئی ہو۔ لڑکیوں کو اس سے احتیاطاً پردہ
نا چاہیئے۔ گھر کے لوگوں نے کہا کہ حضرت دودھ پلا رہی ہے۔ ایسا شبہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لاحول پڑھکر
نے لگے کہ اس کا خیال ہی نہ کیا۔

مولنا کی طبیعت کا خاص خاصہ تھا کہ بدصورت اور سیاہ فام آدمیوں سے نفرت تھی۔ راقم الحروف کے
الد جب جہان آباد میں پیدا ہوئے تو والد کا رنگ سانولا تھا۔ لڑکے کو دیکھ کر برسوں افسوس کرتے
ہے کہ میرا لڑکا کالا پیدا ہوا۔ مولنا کے سامنے کھانے کے وقت یکایک بدصورت شخص آجاتا تو مولنا کو فوراً
ستفراغ ہو جاتا

مولنا وفورِ محبت اہل بیت میں آخر میں بالکل ہی اہلبیت کے لئے رہ گئے تھے۔ کسی بزرگ سے اہل بیت کا نام
سنتے ہی مولنا کی بڑی بڑی خوبصورت (نرگس شہلا) آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا جاری ہو جاتا۔ باوجود انتہائی
د و تقویٰ عشرۂ محرم میں اختیار سے کسی قدر باہر ہو جاتے۔ تعزیہ کو رکھنا بدعت و گناہ سمجھتے تھے۔ لیکن تعزیہ
یکھکر اختیار میں نہ رہتے تھے۔ قصبہ کسمنڈی میں نویں محرم الحرام کو عوام الناس کا گروہ ایک تعزیے سے
رے تعزیہ پر ماتم کرتا ہوا نکلتا تھا۔ بہت سے آدمی ان کے پاس کھڑا ہی ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ لیکن مولنا
شب اس گروہ کے پیچھے زار و قطار روتے ہوئے ان کے ساتھ پھرتے تھے۔

مولنا کی تصانیف میں ایک کتاب ذکر ولادت حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کتاب
ور اس شعر سے شروع ہوتی ہے ؎

امر زشاہ شاہاں مہماں شدہ است مارا　　جبریل با ملائک درباں شدہ است مارا

اکثر مجالس میلاد میں مولانا اپنی کتاب پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں یہ حال ہو گیا کہ اپنے گھر میں سال میں
مرتبہ ضرور مجلس میلادِ نبوی منعقد کرتے اور خود ہی منبر پر پڑھتے بیٹھتے۔ متذکرہ بیت کے پہلے ہی
مصرع میں ہچکیاں لگ جاتیں۔ اور گھنٹوں رہتیں۔ مولنا پڑھنے سے مجبور ہو جاتے اور پھر کسی دوسرے
شخص کو پڑھنا پڑتا تھا۔

مولنا کو بیعتِ ارادت مولنا نور الحق قدس اللہ سرہٗ لکھنوی فرنگی محلی سے تھی۔ جن کو آپ "میاں"
لفظ سے یاد کرتے تھے۔

تصانیف } آپ کی تصانیف بقول مولنا حسرتؔ موہانی کثیر تعداد میں زیادہ تر عقائد میں ہیں
بقیا یا ردِ نصاریٰ میں ہیں۔ ردِ نصاریٰ میں آپکی مشہور تصنیف استفسار ہے۔
کے معقول دلائل نے عیسائیت اور پادریوں کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا اور اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا تھا
ملاحظہ کیجئے "اسلام کا جہاد" کے عنوان میں تفصیلات کتاب کے بارے میں پڑھیئے۔

اس کے علاوہ آپکی تصنیف جس میں عیسائیت کا کیریکٹر کا نام مرزا بیگ اور مسلم کیریکٹر کا نام سنجیدہ بیگ

رکھکر سوال وجواب میں عیسائیت کے پرخچے اڑائے تھے۔ بے انتہا دلچسپ کتاب تھی۔ حاضر جوابی کا شاہکار اس کو کہنا چاہیئے۔

مناظرہ مراسلات

خطوط کے ذریعہ پادری فنڈر سے مولنٰنا نے جو مناظرے کئے۔ وہ پادری فنڈر نے اپنی کتاب حل الاشکال کے آخری حصہ کے ساتھ شائع کئے تھے۔ مولنٰنا حیات الحسنین نبیرہ مولینا موصوف نے جو کتابیں مولنٰنا کی جمع کی تھیں۔ یہ تھیں :۔

۱۔ کتاب مرغوب درماخذ جوابات بہ نصاریٰ۔ ۲۔ رسالہ اردو وحدت وجود ۳۔ تقریر در بحث اثنا
۴۔ مولدنامہ مصطفوی ۵۔ دامغہ علویہ ۶۔ انتخاب ترجمہ ارشادات عیسویہ ۷۔ تنقیح العبادات
۸۔ مجمع النورین، دربیان الوہیت ورسالت ۹۔ رسالہ نجات اخروی ۱۰۔ استغفار ۱۱۔ استبشار
۱۲۔ تذکرہ شہادت سید الشہداء، تذکرۃ الموالی ۱۳۔ فوائد مثنوی مولنٰنائے روم
۱۴۔ تذکرہ آیات قرآنی درباب اعتقادات ۱۵۔ ابحاث مختلفہ (تنقیح العبادات کے)

ڈاکٹر محمد وزیر خاں

ڈاکٹر صاحب کے والد کا نام شرف الدین تھا۔ جو شرفائے اکبر آباد پٹنہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں آپ نے فارسی، عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ سنہ ۱۸۳۲ء میں ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے انگلینڈ چلے گئے۔ انگلینڈ جانے کا مقصد ڈگری کے ساتھ انجیل کی معلومات اور اس کے متعلق تحقیقی لٹریچر حاصل کرنا بھی تھا۔ چنانچہ آپ عیسائیت کے سلسلہ میں بہت سی کتابیں اپنے ساتھ لائے اور اسسٹنٹ سرجن کی سند بھی حاصل کی۔ آپ نے وہیں یونانی زبان بھی سیکھی۔ یہ سفر گورنمنٹ کے خرچہ اور گورنمنٹ کے ایماء پر کیا گیا۔ چنانچہ انگلینڈ سے آنے کے بعد آپ محلہ کاغذیان تاج گنج آگرہ میں رہے۔ وہاں ڈسپنسری کے انچارج مقرر کئے گئے

۱۸۳۵ء سے سنہ ۱۸۴۲ء تک رد نصاریٰ کے لئے مواد فراہم کیا اور مولانا رحمت اللہ مرحوم کو نصاریٰ کے انگریزی لٹریچر سے واقفیت کرائی۔ چنانچہ آپ ہی کی وہ ذات گرامی ہے۔ جو اس تاریخی مناظرہ میں ۱۸۵۴ء میں آگرہ کے اندر پادری فنڈر سے ہوا۔ مولانا موصوف کے مشیر و شریک کار تھے اور پادری فنڈر کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ آپ نہ بول سکیں۔ چنانچہ آگرہ کے مناظرہ میں پادری نے آپ کو تین چار مرتبہ بولنے سے روکا۔ اس مشہور مناظرہ کے بعد ۱۵ مئی ۱۸۵۵ء کو پادری فنڈر نے اسپرنگر صاحب کی تصانیف جنمیں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اور احادیث نبوی کے بارے میں غیر مناسب اتہام اور ناروا بہتان لگا کر، ڈاکٹر صاحب کے پاس بھیجیں۔ اس سے قبل ڈاکٹر صاحب سے پادری کے مابین کوئی خط و کتابت نہیں تھی۔ اس چھیڑ خانی کو برداشت کرتے ہوئے انھوں نے اس سے گریز کرنا چاہا اور اس کو کتابیں واپس کیں اور پادری صاحب کو ان کتابوں کے مطالعہ کی فرمائش کی جو تامس بائین اور ڈاکٹر استراس صاحب کی تصنیف کردہ ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن میں عیسائیوں کے عقائد کا ابطال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے موخر الذکر اعتراضات پادری کو لکھ کر بھیجے۔ جس میں متی کے باب اول کی غلطیاں بیان کی گئی تھیں۔ ان اعتراضات کا پادری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اور حواریوں کی غلطیاں ظاہر کیں۔ وہ اس پر چراغ پا ہو گیا۔ چنانچہ آخری خط میں جز بز ہو کر لکھتا ہے:۔

"میں نے اپنے آخری خط میں اس بات کا اشارہ کیا اور اب صاف لکھتا ہوں کہ نہ کوئی آپکا خط قبول کرونگا اور نہ لکھ کر بھیجونگا۔ کیونکہ آپ غیر مناسب لکھنے سے دستبردار نہ ہوں گے بلکہ

ملعن وبہتان سے کام لیں گے۔ اس لئے آپ اس لائق نہیں کہ آئندہ سے خط وکتابت جاری رکھیں لہذا آپکے خط کو بے پڑھے بے کھولے واپس دیتا ہوں۔ آپ میرے پاس خط نہ بھیجیں کیوں کر میں قبول نہیں کرونگا۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہتے ہیں تو لکھ کر چھپوادیں اگر جواب کے لائق ہوگا تو وہ بھی چھاپے کی راہ سے جواب دونگا۔

کیتھش فانڈر، ۱۲ راگست ۱۸۵۴ء[۱]

یہ تحریری مناظرہ کئی ماہ تک ہوتا رہا۔ پادری کے گیارہ خط اور ڈاکٹر صاحب کے ۱۴ خط ایک شاندار فاضلانہ مناظرہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علی الخصوص ڈاکٹر صاحب کے خطوط ایک معلومات کا ذخیرہ اور رد نصاریٰ میں بے مثل مواد یہ مجموعہ فارسی میں اور اردو میں سید عبداللہ صاحب اکبرآبادی نے درمیانی تقطیع پر ۱۲۷۰ھ میں مسلم چھپلی اینٹ اکبرآباد میں چھاپا ہے۔ فارسی کے صفحات ۱۸۸ ہیں اور اردو کے ۲۰۴ ہیں۔

ان جراتوں کو حکومت نے گستاخی اور بغاوت پر محمول کیا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے دارگیر میں شریک ہونے کا الزام لگایا۔ آپ کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کئے گئے۔ آپ وہاں سے فرار ہوکر مع مولوی فیض احمد بدایونی پیشکار دہلی آئے۔ بادشاہ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

اسی زمانہ میں جنرل بخت کا دور دورہ تھا۔ انھوں نے ڈاکٹر صاحب کو اودھ کا گورنر مقرر کیا۔ بادشاہ ظفر نے اس کی منظوری دی۔ ڈاکٹر صاحب اس کے بعد سے تمام سیاسی تحریکوں میں شامل رہے۔ چنانچہ شمس العلماء مولانا ذکاءاللہ لکھتے ہیں:۔

"اودھ کا صوبہ دار ڈاکٹر وزیر خاں کو مقرر کیا تھا جو آگرہ کا سب اسسٹنٹ سرجن اور باغی ہوکر دہلی میں گیا تھا۔ اور بخت خاں کا بڑا دوست تھا۔"[۲]

ڈاکٹر وزیر خاں مردانہ وار نکل آئے۔ آگرہ میں جو فوج فدائیوں کی آئی۔ اس کی سرپرستی ڈاکٹر صاحب نے کی انگریز قلعہ بند ہوگئے۔ یہ مولوی فیض احمد بدایونی کو ساتھ لے کر دہلی پہنچے۔

دہلی کی جامع مسجد میں جہاں بعد نماز جمعہ علامہ فضل خیرآبادی نے علماء کے مجمع میں تقریر کی اور فتویٰ جہاد پیش کیا۔ وہاں ڈاکٹر اور بخت خاں بھی موجود تھے اور اسی مجلس میں سید مبارک شاہ خاں آزردہ بدایونی مولوی عبدالقادر، قاضی فیض اللہ دہلوی، مولانا فیض احمد بدایونی کے ساتھ اس فتویٰ جہاد پر دستخط کرنے والوں میں آپ بھی تھے۔ اس فتوے کے شائع ہونے سے شورش ہوگئی تھی۔ اور دہلی میں نوے ہزار سپاہی جمع ہو گئے تھے۔

جنرل بخت خاں نے ۱۴ ستمبر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی میں مرزا مغل کی بے وقوفیوں کی بنا پر فوج کی حالت ناقابل اعتماد دیکھی اور آخر انگریزوں کا جب قبضہ ہوگیا تو اس وقت جنرل بخت دہلی سے چل دئے۔ اسوقت

[۱] دوسرا حصہ مناظرہ ڈاکٹر وزیر خاں مابین ڈاکٹر فنڈر [۲] تاریخ ہند ذکاءاللہ ۵۷

اُن کے ساتھ مولوی فیض اللہ و ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہم تھے (تحریک الہند مولانا شاہد)

یہ سب لوگ لکھنؤ پہنچ کر احمد اللہ شاہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ مقابلہ ہوا جس کی روئداد یہ ہے۔ لکھنؤ کے عالم باغ پر جبکہ انگریزوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ اس وقت ۲ دسمبر کے وقت ہندوستان کے باغیوں کے مشہور و معروف اور ہر دلعزیز انقلابی رہنما مولوی احمد اللہ شاہ اور ڈاکٹر وزیر خاں وغیرہ نے اپنی دانشمندانہ تدبیروں سے حملہ کیا کہ انگریزی فوج کے قبضہ کا خاتمہ ہو جائے۔ ایک طرف لشکر کے قریب توپیں لگا کر لشکر گولے پھینکے۔ دوسری طرف ۲۲ دسمبر کو چار ہزار پیدل اور چار سو سوار اور چار توپیں گھاس اور ملاپ کے راستہ سے بنی بھیجیں تاکہ کانپور سے انگریزوں کی آمد و رفت بند ہو جائے۔

انگریز یہ کوشش کرتے رہے کہ عالم باغ اُن کے قبضہ سے نہ نکلے اور کانپور کا راستہ بھی مسدود نہ ہو چنانچہ کانپور جو مختصر سی فوج اور چھکڑے جا رہے تھے وہ گئے اور باغیوں کی فوج اسکو روک نہ سکی۔ ۱۲ جنوری کو تیس ہزار کے قریب باغیوں نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ انگریزوں کے پاس زیادہ توپیں نہ ہوتیں تو باغی کامیاب ہو جاتے۔ لیکن کم توپوں کی وجہ سے مسلسل حملہ نہ کر سکے اور ۱۵ فروری کو لڑنے کا قصد کیا اس کے بعد کئی حملے کئے۔ ۲۷ جنوری کو باغیوں کے لشکر کی کیا قوت تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

۲۷۔ رجمنٹس آئینی سپاہ ہوئی	۲۷۵۵۰
۱۴۔ رجمنٹس بیرتی کی	۵۸۰۰
۱۰۶۔ رجمنٹس	۵۵۱۵۰
۲۶۔ رجمنٹس سواروں کی	۷۱۰۰
ساانڈلی سواروں کی رجمنٹ	۸۰۰
کل میزان	۹۶۰۰۰

پہلی آئینی سپاہ تیس ہزار تھی۔ مگر دہلی کے فتح ہونے کے بعد دگنی ہو گئی۔ یہ لشکر عالم باغ پر چاروں طرف سے حملہ کرتا تھا۔ عرصہ تک حملے ہوتے رہے۔

۶ مارچ کو انگریزوں نے گومتی کے بائیں کنارے توپوں سے مشرقی اور شمالی مورچوں سے حملہ کرنے کے لئے فوج متعین کی۔ اور دو پلوں کے پار پیدلوں اور سواروں کو اور توپوں کے بیٹریوں کو بھیج دیا۔ جہاں انھوں نے پیدلوں کو رسیوں سے باندھ کر دو تین دن میں تختے لگا کے پل بنائے اور چند دن کے بعد باغیوں پر حملہ کیا۔ غرض کہ سکندر باغ انگریزوں نے فتح کیا۔ بیگم کی کوٹھی پر سخت مقابلہ ہوا۔ آٹھ تو گھنٹے تک گولہ زنی رہی تو ایک دراڑ پڑی۔ جس کی وجہ سے شورش کر کے اس کو لے لیا۔ غرض ۱۲ مارچ کو قیصر باغ انگریزوں نے فتح کیا

میں ہوس وتار کی کوٹھی (موتی محل چتر منزل) کو انگریزوں نے اپنے قبضہ میں کیا۔ اس میں نو سو انگریز مجروح اور مقتول ہوئے اور ہوسٹن صاحب بھی دوسری دنیا کو سدھارے۔

ابھی انگریزی فوج چین بھی نہ لینے پائی تھی کہ ۲۱ مارچ کو مولانا احمد اللہ شاہ صاحب معہ اپنے ساتھیوں کے پھر لکھنؤ آگئے اور شہادت گنج میں مقیم ہوئے۔ انگریزی فوج انکو نکالنے کے لئے بھیجی گئی۔ باغی فوج نے بڑی بہادری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ کافی انگریز واصل جہنم کئے اور بہت سے انگریزوں کو سخت زخمی کیا۔ دبدبے بالکل باہر تھے۔ چھ میل تک انکا تعاقب کیا گیا۔ لیکن ہاتھ نہیں آئے۔ فوج کی تعداد چار ہزار تھی۔ پھر باغیوں کی فوج نے کرسی میں جو فیض آباد کی سڑک پر لکھنؤ سے ۲۵ میل کے فاصلے پر تھی۔ قیام کیا۔ مقابلہ کیا کامیاب نہ ہو سکے۔ مگر قبضہ میں نہ آئے۔

ان حضرات نے پھر اپنا ہیڈ کوارٹر باڑی میں جو لکھنؤ سے ۲۹ میل کے فاصلے پر تھا بنایا۔ انگریزی فوج ۱۱ اپریل کو لکھنؤ سے مقابلہ کے لئے چلی۔ یہ پہلے ہی انگریزی فوج کے حالات سن چکے تھے۔ انھوں نے انگریزوں کے عقب پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس میں چھ ہزار چھکڑے بار برداری کے ساتھ آئے تھے۔ اس میں نگران سواروں نے جب انگریزوں کے مقدمۃ الجیش کو دو توپوں کے ساتھ دیکھا۔ تو انھوں نے ان توپوں کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس سے انگریز بہت پریشان ہوگئے۔ دو مرتبہ مقابلہ ہوا آخر فوج نے باڑی کو بلا ایک گولی چلائے بغیر خالی کر دیا۔ انگریز دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے (تاریخ ذکاء اللہ)

شاہ جہانپور کے محلہ میں ۶ مئی کو جب خان بہادر خان نے شکست پائی تو انگریزوں نے سنا کہ مولوی شاہ احمد اللہ کے ماتحت جن میں نانا صاحب ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی عظیم اللہ، شاہزادہ فیروز شاہ ہیں۔ ایک بڑا لشکر شہر کے چار میل کے فاصلہ پر آگیا ہے۔ جیل خانہ میں کرنل ہیل اپنے خیمے لگائے ہوئے تھے۔ اس وقت انھوں نے خیموں کے اکھیڑنے کا حکم دیا۔ اور سارا اسباب اپنے دمدمے میں لے گئے۔ باغیوں نے کھنوٹ ندی عبور کر کے جیلخانہ پر گولہ باری شروع کر دی (غدر دہلی ذکاء اللہ)

سر کولن نے شاہجہانپور کی خبر سنتے ہی حکم دیا کہ وہ سفر کر کے ہیل صاحب کو بچائیں۔ جونش صاحب تین دن سفر کر کے ۸ مئی کو ندی کے کنارہ پر پہنچے۔ باغیوں کی فوج سواروں کے اترنے کو روکنے کے لئے پہلے سے موجود تھی۔ انگریزی فوج نے گولے برسائے تو سپاہ مقابلہ نہ کر سکی اور شہر میں ہلچل پڑ گئی۔

لیکن ان حضرات کو نئی کمک جمع کرنا مشکل کام نہ تھا۔ کیمپ میں پہلی لڑائیوں کے بھاگے ہوئے باغی اور بہت سے زمیندار اور لکھنؤ کی بیگم اور مرزا فیروز شاہ کے آدمی نانا کے بھیجے ہوئے سپاہی جمع ہوئے۔ ۱۵ مئی کو اس فوج نے ایک بڑا حملہ کرنے کا قصد کیا۔ انھوں نے انگریزی فوج پر حملہ کیا۔ دن بھر لڑائی ہوتی رہی۔ انگریز ایک انچ زمین بھی نہ لے سکے۔ ۲۲ مئی تک مولانا انگریزوں کے قبضہ میں

نہیں آئے۔ لیکن ۲۴ مئی کو توپوں کے شدید حملہ نے فوجوں کو اس مقام کو خالی کرنے پر مجبور کر دیا۔ جس میں باغیوں کی فوج نے وہاں کی شاندار عالی شان عمارتوں کو غارت کر دیا اور اودھ میں واپس چلے گئے۔ یہی کام انھوں نے قلعہ کچیکی میں کیا۔

مولانا اس اثنار میں گرفتار ہو گئے۔ شکست پر شکست ہو رہی تھی۔ جمعیۃ منتشر، بقایا لوگ نیپال چلے گئے۔ جنرل بخت خاں لاپتہ ہو گئے۔ لیکن ڈاکٹر صاحب ایران ہوتے ہوئے حجاز پہنچ گئے۔ مکہ معظمہ جاکر مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کے پاس مقیم ہو گئے۔ وہیں اپنا مطب کھولا۔

وہاں آپ کی ایک سردار عبداللہ اسپینی سے ملاقات ہوئی۔ جس کی بیوی بیمار تھی۔ اس کا علاج کیا تو وہ تندرست ہو گئی۔ جسکی بنار پر وہ آپکا بہت احسانمند ہوا۔ اُس نے چاہا کہ آپکو انعام واکرام دے۔ لیکن آپنے منظور نہیں کیا اور کہا کہ میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ تھوڑے عرصہ بعد سلطان عبدالحمید سے حکومت برطانیہ نے ڈاکٹر صاحب کو طلب کیا کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے باغی ہیں۔ انکو گرفتار کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ انھوں نے شریف مکہ کو لکھا۔ شریف مکہ سے آپ کے تعلقات تھے۔ وہ آپکی قابلیت ولیاقت کا مداح تھا اور نصرانیت کا سخت دشمن۔ اُس نے ڈاکٹر صاحب کو بلا کر طلبی سے آگاہ کیا اور مشورہ دیا کہ میں تو کچھ نہیں کر سکتا اور میرا کچھ کرنا بھی کچھ زیادہ مناسب ومعقول نہ ہوگا۔ بلکہ آپ اُس عرب سردار سے مشورہ کریں جس کی بیوی کا آپ نے علاج کیا ہے۔ آپ عرب سردار سے ملے اور واقعہ سے آگاہ کیا۔ عرب سردار بے چین ہو گیا۔ اُس نے کہا کہ یہ عرب کے دستور کے خلاف ہے کہ کوئی مہمان کسی کے سپرد کیا جائے۔ جب تک میرے بیس ہزار افراد کا قبیلہ کٹ نہیں جائے گا۔ ڈاکٹر نہیں جا سکتا۔ اس کو کوئی نہیں لے جا سکتا۔ اس جواب سے عرب سردار نے شریف مکہ کو مطلع کر دیا۔ چنانچہ شریف مکہ نے یہی جواب حکومت ہند کو بھیج دیا کہ میرا کوئی دخل نہیں ہے۔ عرب قبیلہ میں بدامنی اور قتل وخونریزی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اس لئے ڈاکٹر صاحب کو نہیں بھیجا جا سکتا۔

سلطان کی جانب سے جب حکومت برطانیہ کے پاس یہ جواب پہنچا تو لاچار ہو کر خاموش ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے زندگی کا آخری حصہ مکہ شریف میں اپنے ساتھی مولانا رحمت اللہ مرحوم کے ساتھ گزارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے (غدر کے چند علمار)

حالاتِ زندگی

مولانا شرف الحق صاحب صدیقی

شرف الحق نام، والد کا نام قاری حافظ جلال الدین احمد جن کو غدر میں انگریزوں نے باغیوں کا سرغنہ سمجھ کر گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن آپ موقع پا کر بیچ بچا کر نکل آئے اور اس وقت تک روپوش رہے جب تک وہ پُر آشوب زمانہ ختم نہ ہو گیا۔ آپکے دادا مولوی عبد الغنی اور پردادا شیخ عبد الکریم تھے۔ اُن کے والد شیخ بدھن سرہند شریف (پٹیالہ) میں رہتے تھے۔ دربارِ پٹیالہ میں خاص رسائی تھی۔ کچھ ناچاقی ہونے کی وجہ سے وہ معہ اپنے خاندان کے سرہند شریف کو خیرباد کہکر لاہور آ گئے۔ کچھ عرصہ وہاں رہنے کے بعد ہی دہلی چلے آئے۔

شجرۂ خاندانی } آپ نسلاً شیخ صدیقی ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ شجرۂ خاندانی حسب ذیل ہے۔

شیخ بدھن ابنِ شیخ داؤد ملتانی، ابنِ شیخ ابو موسیٰ ابو المکارم ملتانی ابن شیخ عبد الوہاب کرمانی ابن شیخ ابی سعید کرمانی، ابن علی بن اسمٰعیل، ابنِ یوسف، ابنِ یوسف بغدادی، ابن عبد الواحد ابنِ عبد العزیز، ابن احمد، ابن اسمٰعیل، ابن عبد اللہ مکی ابن قاسم، ابن عبد الجبار، ابن خالد، ابن عبد الرحمٰن، ابنِ شہاب الدین، ابن موسیٰ ابن ابراہیم، ابنِ سفیان ثوری، ابن عیینہ، ابن ابی القاسم احمد، ابن عبد الرحمن، ابن محمد صدیق ابن قاسم، ابن عبد الرحمٰن، ابن امیر المومنین عبد اللہ کنیتہ ابوبکر صدیق، ابن عثمان کنیۃ ابی قحافہ رضی اللہ عنہم اجمعین[1]

آپ بچپن میں انتہائی شوخ تھے۔ تین برس کی عمر ہوگی کہ آپکے والد کے دوست دہلی کے کوتوال، والد کی دوکان واقع چاوڑی بازار میں ملنے آئے وہ غریب کچھ لنگ کرکے چلتے تھے۔ آپ اُن کو دیکھتے ہی لنگڑے بن کر چلنے لگے۔ والد نے دیکھا تو ڈانٹا۔ خفت میں مارنے دوڑے تو کوتوال نے آگے بڑھ کر گود میں اٹھایا اور پیار کیا۔

ولادت } آپ کی ولادت ۱۸۶۷ء میں گلی جوتے والی، محلہ چوڑی والان میں ہوئی۔ آپ

[1] تاریخ تنویر الاخیار فی ملوک الاخیار۔

دو برس کی عمر سے ہی صاحب دل اور بابرکت مقدس ہستی حضرت مولنا شاہ رحیم بخش رحمت اللہ علیہ سے روحانی فیض حاصل تھا۔ شاہ صاحب موصوف حضرت شاہ ابو الخیر کی خانقاہ چتلی قبر میں سکونت رکھتے تھے۔ جہاں اب شاہ موصوف کا اسی خانقاہ میں مزار ہے۔ شاہ موصوف نے ہی آپکی پرورش فرمائی۔

تحصیل علوم ظاہری

آپ کی والدہ ماجدہ مولنا رحیم بخش سے بیعت تھیں۔ پیر روشن ضمیر کے ہاں حاضر ہوا کرتی تھیں۔ ایک مرتبہ آپکے لئے دعا کرائی۔ دم کرایا تو آپ نے فرمایا کہ بچہ کی پرورش احتیاط سے کرنا اور صبح وشام میرے پاس بھیج دیا کرو۔ چنانچہ پانچ برس کی عمر تک یہ طریقہ جاری رہا۔ اس کے بعد سارا وقت شاہ صاحب کی خدمت میں کٹنے لگا۔ شاہ صاحب نے ہی قرآن مجید پڑھایا۔ اردو لکھنی پڑھنی سکھائی اور شاہ صاحب کے معتقد، پنڈت درگا پرشاد نے ہندی وسنسکرت میں تکمیل کرائی۔

سنہ ۱۸۷۷ء میں اینگلو عربک اسکول دہلی میں داخل ہوئے۔ مڈل پاس کیا اور انگریزی کے مضمون میں فرسٹ نمبر آئے۔ سنہ ۱۸۸۰ء میں مولنا الطاف حسین حالی پانی پتی سے فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مولنا حالی کو جب کسی شاگرد پر غصہ آتا تھا تو وہ اس کو "کودن" کہہ کر خطاب فرمایا کرتے تھے۔ یہ انتہائی غصہ کی حالت میں آپکا تکیۂ کلام تھا۔ سنہ ۱۸۸۳ء میں فتحپوری مدرسہ کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونی ورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں بیٹھے اور سارے پنجاب میں اول رہے۔ منشی کے امتحان سے فارغ ہو کر عربی کی ابتدائی تعلیم صرف و نحو مدرسۃ الاسلام دہلی میں حاصل کی۔

اس زمانہ میں مذہبیت کا زور تھا۔ محلہ در محلہ گلی در گلی پادری نصرانیت کی تبلیغ کرتے پھرتے تھے۔ محکوم ہندو اور مسلمان قوموں کو اپنے مذہب کی فکر تھی۔ وہ بھی پوتھیاں دبائے گلوں میں حمائل ڈالے ہوئے اپنے دھرم اور اپنے مذہب کی عظمت کا ڈنکا بجانے میں مستغرق نظر آتے تھے۔ کوئی دن ایسا گزرتا ہوگا جس میں باہمی بدکلامی یا مناظرہ نہ ہو جاتا ہو اور ایک دوسرے پر پھبتیاں نہ کسی جاتی ہوں۔ ہر روز لسانی اکھاڑے جمتے تھے۔ ہزاروں کا مجمع کسی مناظرہ میں ہونا معمولی بات تھی۔

جس کی حکومت ہوتی ہے۔ اسی کے مذہب کو عروج ہوتا ہے۔ یہ بات عام ہے۔ حکومت اپنے ہم مذہب مبلغین کو سہولتیں بہم پہنچاتی ہے۔ جو آسانیاں ان کو حاصل ہوتی ہیں وہ حکومت کے غیر مذہب والوں کو حاصل نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ یہی شکل عیسائی پادریوں کی تھی حکومت انکا خاص خیال رکھتی تھی۔ محکوم قومیں ان مراعات سے بدکتی تھیں اور ہر وقت مذہبی خدمات کے لئے مستعد رہتی تھیں۔

پادریوں سے جھڑپ

اس ماحول نے آپ پر بھی اثر کیا۔ مناظرہ کا شوق ہوا۔ جس کا آغاز اس طرح سے ہوا۔ گھنٹہ گھر دہلی پر ایک پادری صاحب مذاحیہ اور تمسخرانہ لہجہ میں فرما رہے تھے کہ مسلمانوں کے پیغمبر جو حبیب اللہ کہلاتے ہیں۔ لیکن جب ان کے پیغمبر کے نواسوں کو مخالفین نے قتل کیا تو اس وقت پیغمبر صاحب نے خدائے تعالیٰ سے فریاد نہ کی۔ حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے۔ اگر پیغمبر صاحب

فریاد کرتے تو خدائے تعالیٰ ان کی ضرور سنتا۔

آپ بھی اس مجمع میں پادری کی تقریر سن رہے تھے۔ جب اس نے یہ کہا تو آپ سے برداشت نہ ہو سکا۔ تقریر سے کبھی واسطہ نہ پڑا تھا۔ شاہ عبدالعزیز کا جواب یاد تھا۔ آپ سیدھے سادے الفاظ میں پادری سے مخاطب ہوگئے اور کہا کہ آپ غلط کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ سے پیغمبر صاحب نے فریاد نہیں کی، فریاد کی اور ضرور کی۔ نواسوں پر ظلم ہوئے۔ ان کو تمام و کمال بیان کیا۔ مگر جواب ملا۔ بیشک تمہارے نواسے کو مخالفین نے شہید کر ڈالا اور ان پر نہایت ظلم ہوئے ہیں۔ لیکن اس وقت مجھے اپنے اکلوتے بیٹے یسوع مسیح کا صلیب پر چڑھنا یاد آرہا ہے اور اس نے بے چین کئے ہوئے ہے۔ اس جواب سے پیغمبر صاحب خاموش ہوگئے کہ واقعی اکلوتے بیٹے سے بڑھ کر میرا نواسہ نہیں ہو سکتا۔ جب بیٹا نہ بچ سکا تو میرا نواسہ کس گنتی میں ہو سکتا ہے۔ اس جواب سے مجمع میں جان پڑ گئی اور خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ ہندو ہو خواہ مسلمان، سب مسرور ہوگئے۔

اس واقعہ کے بعد سے مناظرہ کا شغل بڑھتا گیا۔ وقت کافی خرچ ہونے لگا اور تعلیم میں فرق پڑنے لگا تو مولانا الطاف حسین حالی نے آپ کو مشورہ دیا کہ پہلے تعلیم کی تکمیل کرو۔ اس کے بعد مناظروں میں الجھنا مناسب ہے۔ چنانچہ مولانا نے دہلی کو خیرباد کہا اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند میں جاکر داخل ہوگئے۔ وہاں عربی کی درمیانی کتابیں پڑھیں۔ جب دورے کا زمانہ آیا تو اس وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی قابلیت و علمیت کا چرچا تھا اور خاص طور پر کتب احادیث کے اسباق مولانا کے ہاں بڑے معرکے ہوتے تھے۔ بڑا شہرہ تھا۔ دیوبند کے طلبا گنگوہ کھنچے چلے جا رہے تھے۔ آپکو بھی شوق ہوا اور گنگوہ تشریف لے گئے اور دورہ میں شرکت کی۔

سال بھر میں کتب صحاح ستہ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی، ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مولانا گنگوہی سے پڑھیں اور سند حاصل کی۔

مناظرہ کا شوق پھر شروع ہوا۔ اس مرتبہ مولانا گنگوہی کا حکم تھا کہ رد نصاریٰ کر کے تبلیغ اسلام کرو۔ چنانچہ رد باطل مذاہب و عقائد کی بیخ کنی میں مصروف ہوگئے۔

عبرانی و یونانی کا حصول

پادریوں سے مناظرے ہونے لگے۔ طبیعت نے محسوس کیا کہ ان سے مناظروں کے لئے عبرانی و یونانی جاننا ضروری ہے۔ چنانچہ آپ نے عبرانی و یونانی حکیم عبدالحمید خاں مرحوم کے زیر علاج ایک عالم سے پڑھی۔ اس نے آپکو تحریری سند دی۔ یہ تحریری سند عبرانی زبان میں ہے۔ جس کے نیچے اس کا اردو ترجمہ حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے بھی عبرانی میں اس یہودی عالم کے تصدیقی دستخط ہیں۔ پشتو آپ نے مولانا عبدالحکیم افغانی سے پڑھی اور ترکی مولانا ابوالخیر سے سیکھی۔

الغرض آپ ۳۰ سال کی عمر میں عربی، فارسی، انگریزی، سنسکرت، عبرانی، یونانی، پشتو، ترکی وغیرہ آٹھ زبانوں کے ماہر ہوگئے تھے۔

ان تمام علوم کے باوجود آپکو ایک کامل فن مناظرہ کی تلاش تھی۔ آپ کے کان مولانا رحمت اللہ مہاجر مکی بانی مدرسہ صولتیہ کا نام نامی سن چکے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۳۰۶ھ میں آپ عازم حج بیت اللہ ہوئے اور مکہ معظمہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کی زیارت بابرکات سے فیضیاب ہوئے اور تین ماہ شب و روز خدمت میں حاضر رہے اور مختلف مسائل کو سمجھا اور بہت سے شبہات دور کئے چنانچہ مولانا رحمت اللہ صاحب نے آپکی خداداد قابلیت کو دیکھ کر مناظرہ کرنے کی عام اجازت مرحمت فرمائی مکہ معظمہ میں قیام وطعام کا انتظام اپنے ہاں رکھا - دوسری جگہ کھانے نہیں دیا۔ رخصت ہوتے وقت مولانا نے آپکو اپنا ایک بناتی پاجامہ، جو سلطان عبدالحمید خاں نے خلعت میں دیا تھا اور اپنی تصانیف اظہار عیسوی ازالۃ الشکوک اور اظہار حق، عربی و فارسی فرانسیسی تبرکاً عنایت فرمائیں اور ردِ نصاریٰ کی اجازت فرمائی - جو حسب ذیل ہے:-

"میرے پاس عالم و فاضل، ماہر و کامل مولوی شرف الحق صاحب، قاری جلال الدین صاحب دہلوی کے فرزند تشریف لائے - مجھ سے اجازت طلب کی - حالانکہ میں اس لائق نہیں ہوں اور اس سے بہت دور ہوں کیونکہ مجھ جیسا شخص اہل عرفان کی موجودگی میں اس قابل نہیں کہ اس سے اجازت کا سوال کیا جائے، نیز یہ کہ وہ علماء اور مشاہیر فضلاء کی اجازت سے پہلے ہی آراستہ و پیراستہ ہیں اور اُن کے علوم کے سائے میں پناہ گزیں اور اُن کے لطائف کے پھولوں کو چنے ہوئے ہیں۔ خاص کر دو صاحبان علم و فضل جو موجزن سمندر ہیں - اور عالم ظاہر و باطن کے جامع ہیں اور جن کی شہرت و نیکنامی کے ساتھ ہر ملک میں ضرب المثال ہے - یعنی حضرت فقیہ و محدث قاری و مولوی عبدالرحمٰن اور حضرت فقیہ و محدث مولوی رشید احمد صاحب، مگر چونکہ ان کو میرے ساتھ حسن ظن ہے تو میں نے ان کی درخواست قبول کرلی اور اُن کی خواہش کو پورا کیا اس اُمید پر کہ ان علماء کے سلسلے میں، میں بھی منسلک ہو جاؤں - سو میں کہتا ہوں کہ رحمت اللہ ابن خلیل الرحمٰن کو میں نے ہر اس چیز کی روایت کی اجازت دی - جس روایت کی مجھکو روایت حاصل ہے جو کچھ میں نے اپنے شیوخ سے (اللہ تعالیٰ اُن کو اجر عطا فرمائے) روایتاً یا درایتاً حاصل کیا ان شروط پر جو علماء حدیث کے نزدیک معتبر ہے - نیز چونکہ مولوی صاحب مذکور کو دیکھا کہ وہ نصاریٰ کے فریب سے واقف و آگاہ ہیں اور اس کے اسرار سے آشنا ہیں - اس لئے میں نے ان کو اجازت دی کہ وہ اس کے متعلق تہذیب و شائستگی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے وعظ کرتے رہیں اور نصرانیت کی تردید فرماتے رہیں اور یہ کہ وہ مجھے اپنی نیک دعاؤں میں خواہ جلوت یا خلوت میں ہوں مجھے نہ بھولیں اور اللہ سے التجا کرتے رہیں کہ میرا بھی اور انکا بھی نیک اعمال پر خاتمہ ہو اور اُمیدوں میں کامیاب کرے - وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین -

رحمت اللہ ۱۳ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۶ھ

علومِ باطنی کا حصول آپ نے جہاں مکہ معظمہ میں علوم ظاہری کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا وہاں آپ نے علم باطنی کی بھی راہ طے کی اور حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی و مدنی سے وہیں بیعت ہوگئے۔ حضرت حاجی صاحب نے آپکو خرقۂ خلافت عطا فرمایا اور سلسلۂ چشتیہ وصابریہ میں مرید کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

سلسلۂ نقشبندیہ کی اجازت حضرت مولانا انوار اللہ، ابن مولوی شجاع الدین نقشبندی اور حضرت مولانا محمد سلیم مکی نے مرحمت فرمائی

طریقہ قادریہ و ہاشمیہ کی اجازت حضرت سید صالح محمد مرتضٰی الجیلانی سجادہ نشین درگاہ حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی

طریقہ مجددیہ کی اجازت حضرت فدا احمد صاحب نے مرحمت فرمائی۔

طریقہ شاذلیہ و ظاہریہ کی اجازت حضرت شیخ علی ابوالحسن طاہر مکی نے عطا فرمائی۔

شادی آپ کی پہلی شادی ۲۰ برس کی عمر میں ہوئی۔ دوسری شادی ۳ راگست ۱۹۰۲ء مطابق ۲۸ جمادی الاول ۱۳۰۲ ھ میں حضرت حاجی امداد صاحب مہاجر مکی کے مشہور مرید حاجی شجاعت علی صاحب رئیس جوالاپور کی صاحبزادی سے ہوئی۔ پہلی بیوی سے ایک لڑکی اور دوسری بیوی سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا یہ راقم الحروف ۲۵ ر ذیقعدہ ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۱۴ء بروز جمعہ بوقت علی الصبح تولد ہوا۔

تین حج آپ نے ۱۳۰۵ھ میں کیا اور دوسرے حج کے لئے ۱۳۲۱ھ میں روانہ ہوئے اور دوسرے حج کے بعد ڈیڑھ سال تک ممالک اسلامیہ قسطنطنیہ، قاہرہ، قونیہ، طرابلس، شام، حمص بعلبک، بیروت، یافہ، بیت المقدس، مصر، بصرہ، کوفہ، نجف اشرف، کربلا، دمشق، بغداد اور فلسطین کی سیاحت کی۔

جب آپ پہلے حج کے لئے تشریف لے گئے تو آپکی مصروفیات فرائض حج کے علاوہ حضرت حاجی صاحب اور مولانا رحمت اللہ مرحوم و مغفور کی خدمت و صحبت میں رہنے کے اور کوئی نہ تھیں۔ چنانچہ آپکی اس دلچسپ مصروفیات کی کیفیات سفرنامۂ حج کے اوراق میں ملاحظہ کیجئے۔

قبلہ حاجی صاحب کی محفل مکہ میں اترتے ہی ہماری یہ رائے قرار پائی کہ پہلے حضرت حاجی صاحب کے حضور میں حاضری دو۔ اگر وہاں گھر کا بندوبست ہوگیا تو خیر، ورنہ اور کہیں تلاش کرلیا جائے گا۔ محمد امین دلال کے ہمراہ میں حاجی صاحب کے مکان پر پہنچا۔ خطوط پیش کئے۔ اپنا حال عرض کیا۔ حاجی صاحب ہم سے مربیانہ خوش خلقی کے ساتھ پیش آئے بعد میں داخل سلاسل اولیاء اللہ ہوا۔ یعنی حضرت حاجی صاحب کا غلام مرید ہوا۔ حضرت حاجی صاحب

نے تبرکات بھی عنایت فرمائے۔ ایک کپڑا، دوسرا حضور کے بیٹھنے کا غالیچہ، جانماز اور کرتا۔"

مثنوی کا درس

"میں نے اندازہ لگایا کہ حاجی صاحب اپنے زمانہ کے کامل صوفی ہیں۔ مثنوی واقعی میں مکہ میں کیا، دنیا میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ ایسی تسکین کرتے ہیں کہ جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور ہر شعر کے لئے آیت وحدیث سند پیش کرتے ہیں۔ یہی نہیں کہ زبانی جمع خرچ ہو۔ بلکہ صاحب حال وارد کر کے بھی سمجھا دیتے ہیں۔ کمترین نے کم ازکم دس اسباق میں حضرت کے ہاں شرکت کی ہوگی۔ میں نے بھی کوشش کی کہ میرا بھی سبق شروع ہوجائے۔ لیکن کثرتِ مریدین کی آمد کی وجہ حضرت کو فرصت نہیں لینے دیتی تھی۔ بیسیوں خطوط روزانہ ہندوستان سے آتے۔ بہت سے عالم وفقیر خدمت میں حاضر ہوتے، کوئی اپنی امانت رکھتا۔ کوئی کسی کا دیا ہوا کسی معرفت کے واسطے روپیہ دیتا۔ (۱۷)"

حضرت حاجی صاحب کو مثنوی شریف سے انتہائی لگاؤ ہے۔ میرے پاس مولوی نوراللہ صاحب مرحوم شارح مثنوی کا ایک نسخہ تھا۔ حاجی صاحب کو دکھایا تو حضرت نے دیکھنے کے واسطے رکھ لیا اور اس کی بہت تعریف کی۔ جب کمترین مکہ معظمہ سے رخصت ہونے لگا۔ وہ نسخہ حضرت کی نذر کر دیا۔ اس لئے کہ وہ ہی اس کے اہل تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی مثنوی کا یہ درس عرصہ سے جاری ہے۔ اور اس کے کئی دورے ختم ہو چکے ہوں گے۔ میں حاجی صاحب کے ہاں مثنوی کے درس میں جو صبح شروع ہوتا تھا۔ مستقل شریک ہوتا۔ حاجی صاحب کے علاوہ حضرت کے ہاں مولنا محمد صدیق بھی مثنوی شریف کا درس دیتے تھے۔ اسی طرح ظہر کے بعد مولنا رحمت اللہ علیہ کے ہاں جو ازالۃ الاوہام اور اظہار الحق کا درس دیئے جاتے تھے۔ اس میں بھی برابر شرکت کرتا تھا۔ اس کے علاوہ حج سے پہلے اور بعد میں چند روز یہ ناچیز مصلی حنبلی کے پاس جہاں حاجی صاحب بیٹھتے ہیں، وہاں بیٹھا اور اکثر حاجی صاحب کی خدمت میں مغرب و عشاء کے وقت حاضری دیا کرتا تھا۔

حاجی صاحب کا یہ دستور ہے کہ وہ ایام گرما میں مصلی حنبلی کے پاس آکر حرم شریف میں بیٹھتے ہیں اور موسم سرما میں عصر کے وقت، وہاں بھی علماء کرام اور فقراء کا جمگھٹا رہتا ہے اور آپ سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ میں نے مصر کے چند علماء کو دیکھا کہ وہ ضیاء القلوب عربی زبان میں مسودہ لینے آئے۔ حضور نے اُن کو دیا۔ حضرت کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ سلسلہ میں بھی داخل ہونے کی اجازت لے گئے۔ مکہ سے چلتے وقت بھی کمترین نے حضرت حاجی صاحب کے حضور میں ایک مصری عالم کو دیکھا۔ جس کا مقصد ردِ نصاریٰ کے سلسلہ میں نصرانیوں کے طبقہ فرامشن کے خلاف ایک رسالہ لکھنا تھا اس نے بتایا کہ فرامشن کے پادریوں نے مصر میں بہت زور بڑھا لیا ہے۔ (۲۱)

مولنا رحمت اللہ کے ہاں اظہار الحق کے درس

حاجی صاحب نے حافظ عبداللہ سے فرمایا۔ مولوی شرف الحق کو مولوی رحمت اللہ کے ہاں پہنچا دو۔ اُن کے ہمراہ مولوی صاحب کے مدرسہ میں پہنچا۔ مولنا ایک چھوٹے سے تہہ خانہ میں بیٹھے تھے۔ پہلے سلام کیا۔ خط دیا۔ مولنا نے پڑھوایا۔ بہت مہربانی اور شفقت سے پیش آئے اور خط شکر فرمایا کہ تم اپنا

اسباب یہاں لے آؤ۔ میں نے عرض کیا کہ میرے ہمراہ اور لوگ ہیں۔ غرض اس روز کھانا مولانا کے ہمراہ ہی کھایا۔"

" مولانا رحمت اللہ کے ہاں بھی لوگ حافظ عبداللہ کی معرفت امانتیں رکھتے تھے۔ مولانا کی بصارت جا چکی تھی اس لئے یہ کام سے معذور رہے۔ کتب ردِّ نصاریٰ ہندوستان سے بڑی تعداد میں اُن کے پاس پہنچتی تھیں۔ مولانا محمد علی مونگیری کی دو کتابیں میرے سامنے آپ کے پاس آئی تھیں۔ مولانا رحمت اللہ مغفور کتب ردِّ نصاریٰ کے بے حد شائق تھے۔ مجھ سے اُن کتب کے بعض مقامات مولانا نے سُنے تھے۔ مولوی دین خان صاحب اور حاجی احسان اللہ نے ازالۃ الاوہام شروع کر رکھی تھی۔ وہ تہ خانہ میں پڑھائی جاتی تھی۔ اظہار الحق بھی مولانا کے ہاں ہوتی تھی۔ اکثر واقعہ آگرہ کے مناظرے خوب وضاحت اور تفصیل سے فرماتے تھے اور مولانا صاحب اپنے پوتے کو بھی سبق دیتے تھے۔ ان صاحبزادے کا نام سعید ہے۔ وہ صرف نام کا ہی سعید نہیں بلکہ افعال میں بھی سعید ہے۔ اپنے ماں باپ کا ایک ہی لڑکا ہے مشن کے مدرسہ انبالہ میں پڑھتا تھا۔ مولانا کے بھائی کا بیٹا ہے۔ مولانا نے مشن کے اثر نصرانیت کی تعلیم سے بچانے کے لئے ہند سے حجاز بلا لیا ہے۔ محنتی اور نیک بخت ہے۔ خدا اس کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔"

" کتب اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام کا سبق مولانا کے ہاں صبح و شام ہوتا تھا۔ علمی گفتگو ہوتی تھی۔ میں بھی اُن کے کلام سے مستفید ہوتا تھا۔ مسلمانوں کی بہتری کی باتیں ہوتی تھیں۔ مولانا ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ ہندوستان میں یہ کام یعنی مناظرہ و نصیحت کرتے ہوئے کبھی کسی وقت حاکمِ وقت کی مخالفت مت کرنا۔ حاکم اور اُس کے رعیہ کا کوئی مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ تم ایسا کرو گے تو مسلمانوں کو اس سے فائدہ کے بجائے نقصان ہوگا۔ میں نے اس بات کو پلے میں باندھا۔ علاوہ ردِّ نصاریٰ مولانا کی اور علوم پر بھی تقریریں ہوتی تھیں اور مجھ پر مولانا کی ایک خاص عنایت تھی۔ خدا اُن کو خوش رکھے۔"

" مولانا صاحب اب بھی کتب ردِّ نصاریٰ کے مشتاق ہیں۔ اگر اُن کی بصارت پھر آجائے تو وہ اب بھی ایک جامع کتاب لکھنے کو تیار ہیں۔"

" میں بعض اوقات مدرسہ میں سوتا۔ حج سے پہلے دن کا کھانا مولانا ہی کے ہاں کھایا تھا۔ خانہ کعبہ میں اکثر جب تک میں رہا۔ مولانا صاحب کے حضور میں رہا۔ مولانا رحمت اللہ نے تو میرے کھانے کے واسطے گھر میں کہلوا رکھا تھا کہ دونوں وقت کا کھانا شرف الحق کے لئے تیار رہے۔"

" مکہ معظمہ سے چلتے وقت جو راتیں گزریں وہ مولانا کے ہاں گئیں۔ مولانا کے ہاں چند روز پہلے اسباب لے گیا تھا اور مولانا کے پاس ہی بستر لگتا۔ مولانا چارپائی کے واسطے اصرار فرماتے تھے۔ میں اُس کو سوءِ ادبی سمجھ کر قبول نہیں کرتا۔"

معرکۃ الآرا مناظرے } یوں تو آپ نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں بیسیوں نہیں بلکہ سیکڑوں مناظرے ہندوستان کے چیدہ چیدہ پادریوں، بشپ فرنچ، پادری پیٹر ونیرہ، پادری ڈیوڈ حق، پادری ہومرہ، پادری ویکٹ، پادری ٹریون، پادری وِکار لائف سے کئے

لیکن دسمبر ۱۸۹۱ء میں پادری ایم۔ جی۔ گولڈاسمتھ سے حیدرآباد میں اور ۸ر فروری ۱۸۹۲ء میں پادری جے سموئیل سے پونہ میں اور ۸ر مارچ ۱۸۸۳ء میں پادری روفس صاحب اور پادری مرگ سے غازی پور میں جو مناظرے ہوئے۔ وہ آپکی جامع قابلیت کے بین ثبوت ہیں اور خاص طور پر دہلی اور غازی پور کے لائق یادگار اور تاریخی مناظروں نے آپکی علمیت کا سکہ تمام ہندوستان میں بٹھا دیا تھا۔

جس موضوع ، تحریف انجیل پر یکم اپریل ۱۸۵۴ء میں آپکے استاد مولنٰا رحمت اللہ نے پادری فنڈر کو مناظرہ میں لاجواب کیا تھا۔ اسی موضوع پر آپ نے ۱۸۹۱ء میں دہلی کی مسجد فتحپوری کے اندر لارڈ بشپ جے اے لیفرائے سے مناظرہ کیا۔

دہلی اور دہلی کے اطراف اضلاع میں اس مناظرے نے ایک ہلچل مچا دی تھی۔ جس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ پادری صاحب اور آپ کے درمیان یہ طے ہوا تھا کہ جو شخص مناظرے میں ہار جائے گا۔ وہ مجمع عام میں اپنی شکست کا اعتراف کرے گا اور شکست نامہ لکھکر دے گا۔ نیز ہارنے والا مقابل کے مذہب کو اختیار کرے گا۔

اس مناظرہ میں آگرہ ، علی گڑھ ، میرٹھ ، دیوبند اور سہارنپور کے معززین اور مشاہیر علماء مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب اور اُن کے خاندان کے بزرگ حکیم احمد سعید خاں صاحب ، حکیم غلام محمود خاں صاحب ، مولنٰا عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف تفسیر حقانی ، ڈپٹی سید ہادی حسین خاں صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ، سید سلطان مرزا ، مجسٹریٹ آنریری ، حافظ عزیز الدین ایڈوکیٹ وغیرہ نے شرکت کی۔ عیسائی حضرات بھی ان اضلاع سے آئے۔ مناظرہ تین دن ہوا۔ مناظرہ کے ان ایام میں مجمع ۲۰۔ ۲۵ ہزار سے کسی طرح کم نہ تھا۔ بحث ۶۔ ۷ گھنٹہ جاری رہی۔ لیکن ناتمام ، دوسرے دن پھر ہوئی۔ پہلے روز کی عالمانہ و فاضلانہ بحث نے شہر میں اور آگ لگا دی تھی۔ دوسرے روز مناظرہ میں قریب قریب سارا شہر امنڈ آیا تھا۔ ایک گھنٹہ مناظرہ شروع ہوئے نہ ہوا تھا کہ فیصلہ ہوگیا اور مولنٰا رحمت اللہ کے شاگرد رشید نے اپنے مقابل لیفرائے کو شکست فاش دی۔ اس جم غفیر میں اُس نے اپنے مذہب کو نہیں بدلا۔ لیکن تسلیم کیا کہ واقعی انجیل شریف میں تحریف ہوئی ہے اور حسب ذیل تحریر لکھ کے حوالے کی۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ لوقا کی انجیل شریف کے ترجمے اور علاوہ اس کے اصلی نسخوں میں جو اس وقت موجود ہیں۔ چند آیتیں غلط ہیں اور بھول سے داخل کی گئی ہیں۔ یہ بات سب سے قدیم نسخوں و ڈیکوں کے ملانے سے معلوم و ظاہر ہوئی وہ آیتیں اُن میں نہیں۔ لہٰذا میں وہی اصلی انجیل کی باتیں سچی مانتا ہوں۔ چند مستشرقین شعراء کے قول انجیل شریف میں ملے ہیں۔

دستخط جی۔ اے۔ لیفرائے

غازیپور مشن اسکول میں ۸ر مارچ ۱۸۸۵ء یکشنبہ کو دن کے تین بجے پادری روفس سے مباحثہ ہوا۔ پادری صاحب نے تین گھنٹہ کی بحث کے بعد لاجواب ہوکر آخر میں تین ہزار کے مجمع میں اعتراف شکست ان الفاظ میں کیا کہ۔

ہم میں اتنا علم اور لیاقت نہیں ہے کہ مولنا صاحب سے مقابلہ کر سکیں۔ مولنا صاحب سے ہمارے

مذہب میں ایسی تحقیق اور وسیع معلومات حاصل کی ہیں کہ اس پر مولانا صاحب کو صد آفریں ہے۔

مناظرہ کا ڈھنگ

آپکا مقابل کو شکست دینے کا یہی طریقہ تھا کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں مقابل کی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں اور اسی کی ڈھال کو اسی کے لئے خطرناک بنا دیتے تھے۔ جس سے اس کا عاجز ہونا لازمی تھا۔

آپ کے لیکچر اور مناظرے عامیانہ رنگ سے بالکل پاک صاف ہوتے تھے اور ایک محققانہ اور عالمانہ شان رکھتے تھے۔ آپ کی قابلیت ولیاقت کی تعریف وتوصیف میں غیر مذاہب کے ذمہ دار اور سنجیدہ اور متین حضرات نے بھی حصہ لیا ہے۔ اور جنھوں نے آپ کے لیکچر سنے ہیں۔ انھوں نے بھی آپ کی ذہانت کا سکہ مانا ہے اور اُن کی قلم ان کی مداحی و تعریف کرتی تھی۔ چنانچہ مولانا کے بارے میں حکومت کے سول اور ملٹری گزٹ کے افسروں کی جو رائے ہے۔ وہ ملاحظہ ہو:۔

(۱) گورنمنٹ آف انڈیا کے فارن سیکریٹری ایچ۔ ایس۔ باٹیس فرماتے ہیں:۔
"مجھے مولانا شرف الحق جو اسلامی مبلغ ہیں۔ اُن سے گفتگو کرکے انتہائی مسرت ہوئی وہ ایک دلچسپ اور ہر دلعزیز عالم ہیں۔ اور اپنے تبلیغی کام میں ہر وقت مستعد و منہمک رہتے ہیں۔" (۳۰ر نومبر ۱۹۰۱ء)

(۲) گورنمنٹ آف انڈیا کے ملٹری ڈیپارٹمنٹ کے رجسٹرار نے مولانا کی تقریر سننے کے بعد حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا:۔
"میں نے مولوی شرف الحق کی تقریر شملہ کے سیکریٹریٹ کی بلڈنگ میں ۲۸ر ستمبر ۱۹۰۱ء میں سُنی۔ اس جلسہ میں ۳ - ۴ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ بڑی خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ تقریر سُن رہا تھا۔ مجمع پر خاص اثر تھا۔ مولانا کا وعظ بہت پسند کر رہا تھا۔ اس مجمع میں یوروپین حضرات بھی تھے۔ جنھوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ یہ مذہبی کام مسلمانوں کے لئے بہت مفید ہے۔ وہ ہندوستان کے کثیر علاقوں میں کام کرتے ہیں۔"

(۳) چھوٹے ناگپور کے راجہ مولانا سے ملاقات کے شائق ہوتے ہیں اور مولانا کے متعلق حسب ذیل رائے کا اظہار فرماتے ہیں:۔
"مولانا شرف الحق دہلوی کے بارے میں جب میں نے یہ سُنا کہ بہت اچھے عالم و فاضل ہیں اور لوہردگا اور رانچی میں تقریر کر رہے ہیں۔ تو میں نے اُن سے ملاقات کرنے کی خواہش کی۔ وہ تشریف لائے۔ تبادلۂ خیالات کے بعد میں نے اندازہ لگایا کہ وہ فاضل و قابل مولوی ہیں۔ وہ اپنے مافی الضمیر کو سنسکرت، عربی، فارسی، عبرانی میں بخوبی ادا کر سکتے ہیں۔ وہ ان زبانوں کے ماہر ہیں۔ مولانا صاحب نہ صرف یہ کہ ایک اعلیٰ خاندان کے ہیں بلکہ ایک معزز شہری ہیں اور ایک شریف انسان ہیں۔" (۲۲ر دسمبر ۱۸۹۹ء)

(۴) شملہ کے سی۔ ایم۔ جی۔ بے، او، آئی مسٹر ڈبلیو اے، بلیمی جنھوں نے آپ کی تقریر سُنی۔ جلسہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔
"مولانا شرف الحق ایک مشہور اسلامی مبلغ ہیں۔ جن کو میں نے گورنمنٹ آف انڈیا کے سیکریٹریٹ میں جلسہ کرنے کی اجازت دی۔ میں ان کے جلسہ میں شریک ہوا۔ جلسہ میں رات کے ایک بجے تک رہا۔ سامعین کی تعداد

تین چار ہزار کے قریب تھی۔ جس نے ہوں تک نہیں کی اور خاموشی کے ساتھ تقریر سنتے رہے۔ اس جلسہ میں مسلمانوں کے علاوہ یورپین حضرات بھی شامل تھے :۔

(۵) رڑکی کے میجر آر۔ ای مسٹر ایف جے بونڈ تحریر فرماتے ہیں :۔

" مولنا شرف الحق ایک وسیع معلومات کے مالک ہیں۔ ان کی زبان میں اس قدر تاثیر ہے کہ اہر دل و ذہن پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اُن کے سمجھانے کی زبان بڑی سہل اور سادہ ہوتی ہے۔ بڑے مقصد کو بڑے موثر انداز سے دل میں اُتار دیتے ہیں "

(۶) سنبھل پور کے کپتان ۴۳ ۔ ایم۔ اَیَ۔ مسٹر آر۔ پی جیکسن کی رائے ہے :۔

" میں مولنا حاجی مولوی شرف الحق صاحب دہلوی سے گفتگو کر کے بہت خوش ہوا۔ وہ تبلیغ اسلام کے لئے ملک کے اندر دورے کر رہے ہیں۔ وہ اعلیٰ قابلیت کے مالک ہیں اور ایک روشن خیال عالم ہیں۔ جو کونہ کونہ میں وحدانیت کو پھیلا رہے ہیں۔"

(۷) ایس۔ بی۔ پی۔ مسٹر ایچ۔ ایچ مسٹر بکرم پرکاش راجہ نابھ کے ارشادات۔

" مولوی شرف الحق نابھ کے لوگوں میں چند ماہ سے تبلیغ کا کام کر رہے ہیں انھوں نے کافی لیکچر اُن لوگوں میں دیئے ہیں ان مجلسوں میں بڑے بڑے افسران بھی شامل ہوئے ہیں۔

(۸) اے ایلاٹڈ اسسٹنٹ کمشنر کسولی لکھتے ہیں :۔

" کسولی میں کچھ عرصہ مولنا شرف الحق نے اسلام کی تبلیغ کی ہے۔ آپ کی تبلیغ کا کسولی میں بہت اثر ہوا ہے۔ وہ غلط فہمیاں جو اسلام کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں تھیں۔ آپ نے ان کو دور کیا۔ تبادلہ خیالات کرنے کے بعد میری یہ رائے کہ آپ بہت معزز خاندان کے فرد اور قابل و لائق شریف ہستی ہیں "

سلطان محمد خاں پریذیڈنسی مجسٹریٹ کی رائے :۔

" مولوی شرف الحق مبلغ اسلام نے مدراس کے اندر تین ماہ رہکر تقریریں کر کے اسلام کی حقانیت ثابت کی۔ ان جلسوں میں ہندوستان کے تقریباً ہر مذہب کے لوگ شامل ہوئے۔ انھوں نے دلچسپی کے ساتھ ان کی تقریر سنی۔"

جگن ناتھ ناظم جے پور، فرماتے ہیں :۔

" مولوی شرف الحق صاحب دہلوی جے پور میں چند دنوں سے تبلیغ اسلام کر رہے ہیں۔ وہ ایسے انداز سے تقریر کرتے ہیں کہ ہر مذہب کا آدمی انکی تقریریں باوجود اعتراضات کے سنتا ہے اور کچھ نہیں بولتا۔"

تبلیغ اسلام کا

آپ مناظروں کے ساتھ مسلمانوں کی اخلاقی حالت کو بھی درست کرتے اور ان کو شرع بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ آپ نے پنجاب، سندھ، بہار، بنگال، یو۔ پی کا کوئی ضلع نہیں چھوڑا جہاں آپ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم نہ دی ہو اور احیاء شریعت نہ کی ہو۔ سینکڑوں ایسے دیہات تھے۔ جن میں خدا کا لیوا تک نہ تھا اور بہت سے ایسے گاؤں تھے جو خدا کے گھروں سے خالی تھے۔ ان میں مسجدیں تعمیر کرائیں اور پنجگانہ با… نمازی پیدا کئے۔ اور مشرع کر کے نصرانیت کے پھندوں سے بچایا اور بھٹکے ہوؤں کو…

نصرانیت کے پھندے سے ایک دوشیزہ کو چھٹکارا دلانا

بڑے بازار ہزاری باغ میں ایک دو منزلہ مکان پر پہلی منزل میں عبدالغنی بنگالی رہتے تھے۔ دوسری منزل پر پادریوں کے مشن کا دفتر تھا۔ عبدالغنی کی لڑکی قمرالنساء بیگم کی عمر اس وقت بارہ سال تھی۔ قرب کی وجہ سے پادریوں سے تعلیم پانے لگی۔ پادریوں نے اپنا رنگ چڑھایا اور پانچ، چھ، برس تک اس کے ذہن پر نصرانیت کی فوقیت جمائی۔ نوعمر لڑکی تھی۔ پھندے میں پھنس گئی۔ جب پادریوں نے دیکھا اب شکار جال میں آگیا ہے تو انھوں نے اس کو اس کے گھر سے نکال کر گرجا میں پہنچا دیا۔

عبدالغنی کو جب اس شرارت کا علم ہوا تو انھوں نے اپنے ہمسائے اور جگری دوست پوسٹ ماسٹر عباس بہاری سے ذکر کیا انھوں نے پولس میں اطلاع کرائی۔ اس وقت مسٹر گاڈ فری سمیتھ، سپرنٹنڈنٹ پولس تھا۔ جو پادریوں کی مشنری کاموں سے دلچسپی اور ہمدردی رکھتا تھا۔ اس نے اس رپورٹ پر کوئی عملی کارروائی نہیں کی۔

عبدالغنی کو کسی نے بتایا کہ اٹکی میں مولانا شرف الحق صاحب آئے ہوئے ہیں۔ جن کے نام سے پادریوں کی اور عیسائی مشن کی روح قبض ہوتی ہے۔ انکو بلا لاؤ۔ وہی لڑکی کو پادریوں کے قبضہ سے نکال سکتے ہیں۔

عبدالغنی اٹکی گیا۔ اس کی درخواست مولانا نے منظور کی۔ مولانا ہزاری باغ آئے۔ سیدھے گرجا گھر پہنچے۔ وہاں ڈاکٹر ہیرل، مس میری اور مس جیلٹ مشنری کام کی انچارج تھیں۔ اُن سے ملے اور ان کو اس زیادتی پر تنبیہ کی اور اس بات پر آمادہ کیا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم کو بھی اپنے مذہب میں شامل کرو۔ ورنہ مذہب اسلام میں داخل ہو۔ اس فیصلے کے لئے مناظرہ ہوا۔ طے پایا کہ لڑکی بھی مناظرہ سنے گی۔

مناظرہ ہوا۔ ہزاری باغ کے ہزاروں عیسائی مسلمانوں کے جلسے میں آگئے۔ آخر دلائل سے مجبور ہو کر پادریوں کو لاجواب ہونا پڑا اور ماننا پڑا کہ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ اس فضا سے لڑکی کو بھی کچھ جرأت ہوئی۔ اس نے اپنی خیال کے مطابق سوالات کئے۔ جوابات اطمینان بخش ملنے کے بعد وہ بھی اس جلسہ میں مسلمان ہوگئی۔

مسلمان ہونے کے بعد شادی کا مسئلہ سامنے آیا۔ اس وقت وہ ۱۸، ۱۹ سن کی تھی۔ قرعہ اندازی ہوئی۔ جس میں ایک شخص کریم الدین احمد لائن کانسٹبل ہزاری باغ کا نام بھی دوستوں نے مذاقاً دیا تھا۔ قدرتی بات اسی کا نام قرعہ میں آگیا۔ شادی ہوگئی۔۔

یہ تمام کارروائی دو دن اور دو رات میں ہوئی۔ آخری دوسری رات کو تین بجے پادری نے ہار مانی الحمد یہ عقد ہوا۔ اس وقت کریم الدین احمد کے والد مولوی مدار بخش تھانہ مانڈو ضلع ہزاری باغ میں جمعدار تھے۔ مسٹر گاڈ سپرنٹنڈنٹ پولس کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ صبح کو تھانہ مانڈو کے ملاحظہ میں آیا اور سخت روش اختیار کی۔ بس نہ چلا تو ملاحظہ میں اُن کے خلاف ریمارکس کر گیا۔ یہ بھی نہیں چوکے انھوں نے کلکتہ پولیس ہیڈ آفس کو تمام واقعہ سے آگاہ کیا۔ جس کے نتیجہ میں دونوں کا تبادلہ دور دراز مقامات پر ہوگیا۔

اللہ رب العزت کو یہ رشتہ اتنا پسند آیا کہ گھر پر رحمت واکرام کی بارش ہونے لگی۔ کانسٹبل سے تھوڑے ہی

والد میں ہیڈ کانسٹبل، سب انسپکٹر، سب انسپکٹر سے انسپکٹر بنائے گئے۔ اس وقت کریم الدین اور قمر النسا کا انتقال ہو چکا ہے لیکن ان کی اولاد میں معین الدین، امین الدین دو لڑکے ہیں اور سارہ خاتون لڑکی حیات ہیں۔ معین الدین رانچی میں کاروبار کرتے ہیں اور امیر الدین پرولیا میں۔ یہ واقعہ سنہ ۱۹۰۰ء کا ہے۔ کریم الدین مولنا کا محبوب مرید انتہائی عقیدت مند تھا۔

لوہر دگہ ضلع رانچی میں محمد علی صاحب عرف ممدو اور اُن کے صاحبزادے منشی عبد القادر صاحب ایک معزز و متمول حیثیت کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ یہ زمانہ سنہ ۱۹۰۰ء ہی کا ہے۔ مولنا کے لوہردگہ میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ اور امر بالمعروف نہی عن المنکر کی تلقین شروع کر رکھی تھی۔ آپ کی جادو بھری اور والہانہ مدلل اور مربوط تقریروں کا پورے قصبہ میں چرچا تھا محمد علی صاحب موصوف نے اپنے صاحبزادے کو ہدایت کی تھی کہ وہ بھی مولنا کا وعظ اپنے ہاں کرائے۔ مولنا کو دعوت دی گئی آپ نے جب منظور فرمایا تو واقف کار اور معتمد لوگوں نے آگاہ کیا کہ جس کے ہاں دعوت اور وعظ ہے۔ وہ کلال کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں اور ضلع بہار کی شراب کی بھٹیوں کا ٹھیکہ دار ہے۔

مولنا دعوت میں پہنچ تو گئے اور وعظ شروع کیا۔ لیکن جب منشی عبد القادر صاحب عطر کی شیشی لے کر مولنا کے لگانے کے لئے بڑھے اور چاہتے تھے کہ عطر اُن کے لگائیں۔ ارادہ ہی کیا تھا ہاتھ کی جنبش ہی ہوئی تھی کہ مولنا نے پرجلال اور رعب دار لہجہ میں کہا۔

"خبردار ہاتھ آگے مت بڑھاؤ۔ عطر کی صورت میں میرے لباس کو شراب کی غلاظت سے ملوث کرنا چاہتے ہو۔"

ان فقروں سے جلسہ گاہ میں حیرت و تعجب کا عالم چھا گیا۔ منشی عبد القادر صاحب اور ان کے والد خاموش ہو گئے۔ دو منٹ کے بعد ان لوگوں نے توبہ کی۔ مولنا اور حاضرین نے مسرت و شادمانی کے ساتھ عطر لگایا۔ اسی وقت محمد علی صاحب نے شراب کی بھٹیوں کو توڑنے کا حکم دیا۔ تین ماہ ٹھیکے کی مدت تھی۔ جس میں آمدنی نفع ہی نفع تھا، ٹھوکر ماری اور اس کے بعد آجتک اس فعل شنیع و قبیح کی طرف رُخ نہیں کیا۔

آپ کا آجکل چمڑے کا کاروبار ہے۔ عبد القادر صاحب اپنی جمعیۃ العراقین برادری کے صدر ہیں۔ لوہردگہ میں بڑی قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ آنریری مجسٹریٹ بنائے گئے اور لوہردگہ میونسپل کمیٹی کے پچاس سال تک چیرمین رہے۔ لوہردگہ کی مشہور و معروف انجمن کے بھی مسلسل پچاس سال تک صدر منتخب ہوئے۔

قصبہ اٹکی کی پوری آبادی بھی کلال پورہ بنی ہوئی تھی۔ ہر مسلمان شراب فروخت کرتا تھا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتا اور تن پوشی اسی روزی اور کمائی سے کرتا تھا۔ مولنا وہاں پہنچے تو آپ نے تلقین کی۔ جس کا خاطر خواہ اثر ہوا اور تمام قصبہ نے توبہ کی اور ہر ایک آدمی نے بھٹیوں کو توڑا اور حلال کاروبار کی طرف توجہ دینی شروع کی۔ چنانچہ اس وقت وہاں تقریباً جتنے گھر ہیں وہ سب مولنا کے مرید ہیں اور تقریباً متشرع ہیں۔

موضع پنڈول کا ایک دیہاتی ایک مشہور بے نمازی تھا جس نے مسجد میں اپنے بیل گھسنے پر ملاجی سے کہا تھا کہ "ملاجی یہ سُسرا بیل بڑا باؤلا ہے جو مسجد میں گھس آیا۔ بھلا تو نے ہمیں بھی کبھی مسجد میں دیکھا ہے۔"

وہ الڑھ اور اُجڈ دیہاتی اگر کسی کے قبضہ میں آیا تو بچے - جھکا تو آپ کی تعلیم سے کہ گئے - اور ایسا پابند صوم وصلوٰۃ ہوا کہ مسجد کا ہو گیا مرتے مرتے مر گیا مگر مسجد کی دو وقتی جماعت، پنج وقتی اذان اور نماز نہ چھوڑی - لوگ اس کو "باوا بیل" کہکر چھیڑتے تھے اور وہ یہ سنکر ہنستا ہوا مسجد میں گھس جاتا تھا -

ایک دوسرے تاجرانہ ذہنیت والے دیہاتی سے آپکا واسطہ پڑا - جن کے بارے میں مشہور تھا کہ کسی دن آپنے نماز پڑھوا لی تھی - رمضان کا مہینہ تھا روزہ بھی رکھوا لیا تھا - قضائے خدا اسی دن اس کی بھینس کی کٹڑی مر گئی - تب بیٹے نے اطلاع دی تو بولے :-

"لے رے ہم ہی روجہ رکھیں اور نماج پڑھیں اور ہماری ہی کٹڑی ماردی" یہ کہکر روزے میں گنے کی پوری منہ میں لیکر چوس لی :- لے رے یہ تیرا روجہ رہا اور سام کو تجھے نماج پڑھواؤنگا"

چنانچہ جب یہ ذات شریف آپ کی صحبت میں کچھ دن رہے - تو نماز پڑھنے کی جوش میں آگئے - اپنی غلطی پر نادم ہوئے - توبہ استغفار کی، حج کو گئے - حاجی کہلائے اور گاؤں میں بہت سی بیوہ عورتوں کی شادی اپنے خرچ پر کرادی اور گاؤں میں ایک شاندار کنواں بھی کھدوایا - آپ کو دیہاتی اپنی زبان میں "مولوی لطف" کہتے تھے - آپ کا دستور تھا کہ پہلے گاؤں کے چودھری کو نمازی بناتے تھے - چون وچراں کرنے پر گوشمالی اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے بھی باز نہ رہتے تھے -

پیری مریدی } آپ کے مریدوں کی ہندوستان میں تقریباً بیس پچیس ہزار کی تعداد تھی - جن میں کثرت سے اُجین، اندور، رانچی، حیدرآباد سندھ، بلسکرا، ہزاری باغ، انکی ضلع رانچی، کشن گنج، اجمیر، ناگپور، دہرہ دون، سہارنپور، رڑکی وغیرہ کے باشندے تھے -

آپ کے ممالکِ اسلامیہ میں بھی کثرت سے مرید تھے - علی الخصوص اُن مریدوں میں کثرت سے علماء کا طبقہ تھا - مثلاً مولوی محمد سعید، تکیہ مولویہ، مولانا شیخ ابوالخیر نائب مدرس مکتب اسلامیہ، مولانا سعید محمد نظام الدین آفندی گیلانی صاحب سجادہ حماہ شریف، مولانا الحاج محمود ہاشمی الحلبی، مولانا ادیب آفندی گیلانی، مولانا شیخ محمد امین آفندی دمشقی وغیرہ وغیرہ -

آپ اپنے ارادے کے مضبوط اور حق بات کہنے میں بیباک تھے - ظالم کے سامنے اس کے ظلم کو رکھنے میں کسی قسم کی جھجک محسوس نہ کرتے تھے - کٹھن سے کٹھن بات کو بغیر پریشانی کے طے کر لیتے تھے - آپ نے ۱۸۸۸ء میں ہر کی پیڑی ہردوار پر جہاں اب کسی مسلمان کا پر مارنا محال ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے وہاں آپ نے دھڑلے سے اپنا لیکچر دیا -

حکومت کی نظرِ عنایت } آپکا دیوبندی حضرات سے تعلق تھا - جن کے بارے میں مشہور تھا کہ سرحد پار کی ایک پارٹی ہے اور ان کو علاوہ دیگر ممالک کے ہندوستان سے بھی مدد ملتی ہے - اس پارٹی کے سرگرم معاون حضرات مولانا رشید احمد گنگوہی رح اور حضرت مولانا قاسم العلوم رح اور روحِ رواں حاجی امداد اللہ شاہ رح مہاجر مکی خیال کیے جاتے تھے -

اسی طرح مولانا رحمت اللہ مرحوم مہاجر مکی بھی حکومت کی نظروں میں کھٹکتے تھے ۔ جس کی بناء پر آپ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے اور یہی وجہ تھی جس نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو غدر کے زمانہ میں چھ ماہ حوالات میں مقید کرایا اور حضرت حاجی امداد اللہؒ اور مولانا قاسم العلومؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے ۔ جس کے بعد حضرت حاجی صاحب قبلہ بھی ہندوستان سے مراجعت فرما گئے ۔

آپ کا ان حضرات سے قریبی اور نزدیکی تعلق تھا ۔ بھلا حکومت کی نظروں میں کیوں نہ چڑھتے اور کھٹکتے ۔ حکومت نے سخت نگرانی کی ۔ سی ۔ آئی ۔ ڈی پیچھے پیچھے لگی ۔ عجب عجب اختیار انداز اختیار کئے ۔ کبھی مرید کی جون میں اور کبھی عالم کی شان میں گھر پر مہمان رہی ۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں بہار کے ایک صاحب مرید ہونے کے ناتے سے ٹاٹ کے کپڑے پہنے ، پرہیزگاروں کی شکل بنائے شغل و اذکار کے عادی بنے ہوئے گھر پر آئے ، مہمان ہوئے اور آپ کے گھر کے چھوٹے کمرے پر ٹھہرے ۔ آخری دنوں میں اتفاقیہ طور پر ان ٹاٹ پوش مرید کی غیر موجودگی میں راقم الحروف کا چھوٹے کمرے میں جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں کے بستر کے نیچے ایک ڈائری کا کونہ نظر آیا ۔ اٹھایا ، کھولا ، دیکھا تو والد مرحوم کے روزانہ کے قول و افعال قلمبند کئے ہوئے تھے اور جو لوگ والد صاحب کے ملاقاتی تھے ۔ ان کے نام بھی درج تھے اور ایک صفحہ پر یہ خاص ریمارک لکھا ہوا تھا :-

"مولانا خطرناک اور سازشی ہیں ۔"

یہ ڈائری میں نے اپنے قبضہ میں کی ۔ والد کو دکھائی تو آپ ہنس دیئے اور کہا رکھ دو ۔ جو کام اس کا ہے کرنے دو ۔ میں نے ارشاد کے مطابق وہ ڈائری وہیں بستر کے نیچے رکھ دی ۔ وہ حضرت کچھ دن اور رہے اور پھر چل دیئے اس کے بعد کوئی پتہ نہ لگا ۔

اسی طرح ایک دوسرے صاحب دراز ریش چرب زبان بنگالی آئے ۔ مناظر بن کر آپ کے ہمراہ رہے ۔ ان کا بھانڈا آپ کے ایک مرید انسپکٹر پولیس بنگال نے پھوڑا ۔ وہ جو آپ سے ملاقات کرنے آئے تو ان حضرت بنگالی کو دیکھ کر چونکے ہوئے اور علیحدگی میں آپ کو اس راز سے آگاہ کیا ۔

بعض مفسدوں نے یہ شکایت کی کہ حکومت ترکیہ سے مولانا رحمت اللہ کی معرفت آپ کی ساز باز ہے ۔ اور آپ ہندوستان میں حکومت ترکیہ کی خدمات انجام دیتے ہیں ۔

مقدمات میں پھانسنے کی کوشش

اس شکایت کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے خلاف دہرہ دون میں تقریر کرنے کے سلسلہ میں مقدمہ چلانے کی تجویز ہوئی تفتیش دہلی حکام نے کی ۔ معززین شہر کی کوششوں سے یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا اور مقدمہ پولیس نے واپس لے لیا ۔

اسی طرح مصر کے ایک جہادی وعظ پر کچھ بس نہ چلا تو دفعہ ۱۰۹ میں کارروائی کرنے کے لئے ہندوستان میں تفتیش کے واسطے کاغذات روانہ کئے ۔ دہلی پولیس کے ہاتھ میں جب یہ کیس آیا تو معلومات بہم پہنچائیں اور مستند حضرات کے بیانات قلمبند کئے گئے جن میں حکیم عبدالمجید خاں بھی شامل تھے ۔ تب دہلی پولیس نے یہ رپورٹ مرتب کی :-

چنانچہ یہ مقدمہ نذرفائل

مولانا پر ۱۰۹ کا مقدمہ کسی صورت میں نہیں چل سکتا۔ مولانا ایک خاندانی آدمی ہیں۔

ہوا اور مُفسدوں کو منہ کی کھانی پڑی۔

آپ تیز طبع، ذہین اور انتہائی خوددار تھے۔ سپاہیانہ، رندانہ اور آزادانہ وضع رکھتے تھے۔ عالمانہ شان بھی تمام تھی اور متصوفانہ رنگ بھی جما ہوا تھا۔ قد وقامت میں بلند وبالا، رنگ گورا، آنکھیں بڑی بڑی، نگاہ تیز اور چہرہ بھاری بھرکم اور کتابی تھا اور بقول خواجہ حسن نظامی مرحوم:-

"اُن کی خوش طبعی اور وعظ گوئی کی دھوم تھی۔ وہ جسامت کے اعتبار سے مولانا شوکت علی سے کم نہ تھے آواز بھی گرج دار تھی اور طرز بیان بھی فوجی تھا۔ جس طرح ایک فوجی افسر حکم دیتا ہے۔ اسی طرح وہ تقریر کیا کرتے تھے۔"

عالی حوصلگی

درگاہ حضرت سلطان غوری رحمتہ اللہ علیہ کا مرقد مہرولی سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جن کا عرس ہر سال ۸ ذیقعد کو ہوتا ہے۔ اس مزار پر مولانا شرف الحق مرحوم فاتحہ پڑھنے کے لیے گئے۔ راستہ بھول گئے اور ایسے راستوں پر پڑ گئے۔ جہاں سانپوں کا جنگل تھا اور زمین پر کثرت کے ساتھ سانپ چل رہے تھے۔ آپ اس راستہ سے اطمینان وسکون کے ساتھ گزر گئے اور کوئی پریشانی محسوس نہیں کی۔ مولانا عبدالسلام صاحب زندہ ہیں۔ اُن سے اس واقعہ کی اصلیت معلوم کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح لوہردگہ ضلع رانچی کا واقعہ ہے کہ آپ جنگل کا راستہ طے کر رہے تھے۔ نماز کا وقت تھا آپ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز پڑھنے بیٹھے۔ جب نماز ختم ہو چکی تو شیر جا چکا تھا۔ آپ نے اطمینان کے ساتھ وہ راستہ طے کیا اور ساتھیوں کی ہمت بندھائی۔ یہ واقعہ بھی میں نے لوہردگہ اور اُنکی ضلع رانچی کے ذمہ دار حضرات اور والد صاحب قبلہ سے سُنا۔

آخر میں آپ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ بڑھاپے نے عاجز کر رکھا تھا۔ پاؤں تنگ کرنے لگا تھا۔ بینائی میں بھی معمولی سا فرق آگیا تھا۔ لکھنے پڑھنے میں بہت دقت ہوتی تھی۔ مگر حافظہ اس قدر تیز تھا کہ ڈھائی تین ہزار کے کتب خانہ میں سے کوئی کتاب آپکے سامنے نکال کر رکھ دیجئے، یہ تک بتا دیتے تھے کہ فلاں صفحہ پر میں نے اس مضمون کا حاشیہ لکھا ہے:-

انتقال

انتقال سے ڈیڑھ سال قبل لقوہ کا حملہ ہوا۔ جسم کا نصف حصہ اس کی زد میں آیا۔ علاج معالجہ ہونے پر افاقہ ہوا اور تندرستی کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے۔ لیکن وہ سب وقتی تھے۔ حکیم نابینا صاحب، حکیم محمد احمد صاحب، حکیم ظفر احمد صاحب اور حکیم عبدالغنی صاحب کلکتہ والے سے خاص تعلقات تھے۔ وہ ادویات دیتے تھے مگر سب بے سود تھیں۔ پھر لقوہ ابھرا۔ ہوتے ہوتے تمام جسم پر چھا گیا۔ اعضا نے جواب دے دیا اور آخر ستر برس کی عمر میں ۲۸ جنوری ۳۶ء مطابق ۳ ذیقعد ۵۴ھ بروز منگل بوقت ۸ بجے شب گلی بدلیان محلہ چوڑی والان والے مکان میں جبکہ شاہ جارج پنجم کی وفات پر تمام ہندوستان میں ہڑتال تھی، آپ نے جہان فانی سے رحلت فرمائی

رسم تدفین میں مفتی محمد کفایت اللہ صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین جامعہ ملیہ، حکیم محمد احمد خانصاحب، حکیم ظفر احمد خانصاحب، مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری، مولانا عبدالرحمن صاحب پروفیسر مشن کالج دہلی، نواب سراج الدین احمد خاں سائل، وحید الدین صاحب بیخود دہلوی، مولانا احمد سعید صاحب و دیگر معززین شہر اور علماء و مشائخین و اہالیان دہلی نے حصہ لیا۔

تصانیف و کتب خانہ } انتقال کے وقت ڈیڑھ لاکھ روپے کی جائیداد، عبرانی، یونانی، پشتو، ترکی، انگریزی، عربی، فارسی، ہندی، اُردو کی ڈھائی تین ہزار قلمی و مطبوعہ کتابوں کا ذخیرہ اور (۱۱) حسب ذیل تصانیف چھوڑیں۔

(۱) دافع البہتان بہ تنزیہ الرحمٰن
(۲) استیصال دینِ عیسوی بمقابلہ دینِ محمدی
(۳) مناظرہ غازی پور۔
(۴) مناظرہ کالکا۔
(۵) مناظرہ حیدر آباد
(۶) مناظرہ پوٹنہ
(۷) مناظرہ غازی پور
(۸) دینی مناظرہ حیدر آباد دکن
(۹) مناظرہ دہلی
(۱۰) اسباق حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح

سفرنامہ حج } اس میں کئی سفرنامے مناظرے انگریزی زبان میں طبع ہو چکے ہیں۔ پہلے حج کا سفرنامہ بھی بالتفصیل لکھا ہوا قلمی موجود ہے۔ اب تک طبع نہ ہو سکا۔ طبع کرانے کی کوشش ہو رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کامیاب کرے۔

مولانا محمد علی مونگیری

آپ کی کنیت ابو احمد تھی۔ کانپوری مشہور ہوئے۔ لیکن دراصل صوبہ بہار کے ضلع مونگیر کے باشندے تھے۔ اور اصل خاندان محی الدین ضلع مظفر نگر کا تھا۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ آپکی والدہ اور والد، دادی، دادا، نانی، نانا، سب غوث پاک کی اولاد میں سے ہیں [۱]

آپ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

(۱) سید عبد العلی	(۲) بن سید غوث علی صاحب	(۳) بن سید راحت علی صاحب	(۴) سید امان علی صاحب
(۵) بن سید شاہ نور محمد صاحب	(۶) بن سید شاہ محمد عمر صاحب	(۷) بن شاہ عاشق محمد صاحب	(۸) حاجی الحرمین سید محمد
(۹) شاہ عتیق اللہ صاحب	(۱۰) شاہ قطب الدین	(۱۱) شاہ ابوبکر چرم پوش	(۱۲) شاہ بہار الحق مخدوم حبیب اللہ
(۱۳) سید حسن	(۱۴) سید یوسف	(۱۵) سید جمال الحق	(۱۶) سید ابراہیم
(۱۷) سید راجی حامد	(۱۸) سید موسیٰ احمد شبلی	(۱۹) سید علی	(۲۰) سید محمد
(۲۱) سید حسن ثانی	(۲۲) سید ابو صالح	(۲۳) سید عبد الرزاق	(۲۴) سید عبد القادر جیلانی

حضرت مولانا شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ جن کی شہرت ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ عرب و عجم تک تھی۔ آپ کو حضرت شاہ صاحب نے اپنا خلیفہ مقرر کیا تھا اور فرمایا کہ تم سے جو شخص مُ ہونے کی خواہش کرے اُسے مُرید کر لیا کرو۔

آپ کا شمار ندوۃ العلماء کو چلانے اور زندہ رکھنے والوں میں کیا جاتا ہے۔ آپ نے ایک عرصہ تک ندوۃ العلما کی مہتممی کے فرائض انجام دیے۔ مولانا کا ہی مرتب کردہ عربی نصاب ندوۃ العلماء میں رائج ہے۔ ندوۃ العلماء کی مہتممی سے قبل آپ مدرسہ فیضِ عام کانپور میں مدرس ہوئے۔

چودھری مولا بخش مولانا کے اسسٹنٹ سمجھے جاتے تھے۔ وہ مولانا کو انگریزی کتابوں کے ترجمے کر کے دیتے تھے۔ مناظرہ کرنے اور پادریوں کو لاجواب کرنے کے لئے مولانا نے منشی نذیر احمد نقشہ نویس لکھنوی کو جو بعد میں بھوپال میں مہتمم محکمہ جنگلات بنا دیے گئے تھے، مقرر کر رکھا تھا۔ منشی نذیر بڑے حاضر جواب تھے۔ پادری انکے جوابات سے چک

---

[۱] آداباتِ محمدیہ صفحہ ۴۴۔

جاتے تھے۔

مولانا نے آخر میں ردِ نصاریٰ کے زمانہ میں رسالہ احمدیہ کا اجرار کیا تھا۔ جس کے ایڈیٹر مولانا احسن بہاری تھے لہ

الزامِ بغاوت: ندوہ کے بعض سفرار کی وجہ سے مولانا پر حکومت ہند نے باغی ہونے کا الزام لگایا جس پر مولانا کو مجبور کیا گیا کہ آپ ہجرت فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے تین سال مکہ میں قیام فرمایا اور مونگیر تشریف لے آئے۔ جبکہ قادیانیت کی ابتدار بہار میں ہوئی تھی۔

تحریکِ خلافت:۔ تحریکِ خلافت میں آپ نے نمایاں حصہ لیا۔ چنانچہ خلافت کمیٹی کا صوبہ بھر میں خانقاہ مونگیر مرکز تھا۔ مولانا اُن لوگوں کو جو قومی کاموں میں حصہ لیتے۔ اُن کو انتہائی محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اُن کے کاموں کے بارے میں فرماتے تھے کہ یہ اللہ کا کام کرتے ہیں۔ مولانا نے کانپور میں جس قدر زندگی گزاری۔ وہ سب ردِ نصاریٰ سے پُر تھی۔ کانپور کا زمانہ مولانا نے ڈلارے کی مسجد کانپور میں گزارا۔

مولانا کو سرکاری نوکری سے نفرت تھی۔ سرکاری نوکر ہونا توہین سمجھتے تھے۔ چنانچہ جب آپ حیدر آباد دکن گئے تو عالمِ شباب تھا۔ آپ کو حافظ عبدالکریم مرحوم جن کو سرسالار بہادر نے ہندوستان سے بلا کر میر مجلس ہائیکورٹ دی تھی۔ اس وقت نئے نظام کے لئے منصفوں کی ضرورت تھی۔ اُن منصفوں کا تقرر حافظ صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ حافظ صاحب نے مولانا سے اس جگہ پر فائز ہونے کی درخواست کی اور چار سو روپے تنخواہ پیش کی اور کہا کہ یہ چھوٹا سا عہدہ اس لئے تجویز کیا جاتا ہے کہ آپ تجربہ حاصل کریں۔ بعد میں آپ کو جج ہائیکورٹ بنا دیا جائیگا۔ آپ نے اس نوکری سے انکار کیا۔

لہ بزبانی مولانا عبدالرزاق صاحب مصنف الامکہ۔

مولانا ابوالمنصور دہلوی

ناصرالدین آپ کا نام تھا۔ ابوالمنصور کنیت تھی۔ آپ کا خاندان سید آباد رائے پور میں قدیم سے رہتا تھا۔ جس میں پشت ہا پشت سے علم و فضل کا سلسلہ چلا آتا تھا۔ شجرہ نسب حضرت امام جعفر صادق سے ملتا ہے۔ آپ کے جد اعلیٰ قاضی القضاۃ قاضی سید عبدالغفور صاحب تھے۔ آپکے والد ماجد مولوی محمد علی ناظر ناگپور کی ریزیڈنسی میں میر منشی مقرر ہونیکے بعد نواب صدیق حسن خاں والئے بھوپال کے معتمدِ اعلیٰ بنے۔ یہ خاندان تمام کا تمام شیعہ تھا۔ لیکن آپکا گھرانہ سنی تھا۔ انکی خاندانی زمین بھی وہاں تھی۔

مولانا ابوالمنصور ۲۷ر رمضان المبارک ۱۲۳۰ھ شنبہ کے دن پیدا ہوئے۔ آپ نے اپنے والد عبد بزرگوار مولانا سید فاروق علی گیسوری سے دینی کتب کی تحصیل کی۔ اس کے بعد سات سال تک لکھنؤ میں اہلِ تشیع کی صحبت میں رہے اور کتابوں کا مطالعہ کیا اور حضرت مولانا شاہ رحیم بخش صاحب نقشبندی سجادہ نشین خانقاہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کی۔[1]

آپ نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے ایام میں دہلی کی طرف رُخ کیا۔ آپ کے ہمراہ دونوں بچے مولوی نصرت علی صاحب اور مولوی ناصر علی صاحب اور آپکی اہلیہ تھیں۔ ان سب نے پیدل سفر کیا۔ جب دہلی میں امن و امان ہوگیا تو مولانا نے میر مداری کی گلی میں ایک چھوٹا سا مکان کرائے پر لیا اور وہیں رہنے سہنے لگے۔ شروع میں تنگی و ترشی سے بسر کی۔ بعد میں مالی حالت سدھر گئی تھی۔[2]

آپنے انجیل کی تعلیم پادری جے۔ ایل۔ اسکاٹ اور پادری جان میر صاحب سے حاصل کی اور ۱۸۶۴ء میں سندلی۔ چنانچہ پادری آر۔ ایس۔ فلرٹن نے اپنے ایک خط میں اس بات کی تصدیق کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"میرے سامنے امتحان دیا۔ سید محمد ابوالمنصور صاحب نے توریت و انجیل میں جو اُس نے پڑھا تھا چند سال پادری اسکاٹ اور پادری جان صاحب وغیرہ سے۔ میں خوش ہوں۔ اس کی لیاقت و معلومات سے جو اس نے پاک کتابوں میں حاصل کی ہے اور مسلمانوں میں یہی پہلا شخص ہے جس نے ان کتابوں کو قدیم تواریخ و تفاسیر کے ساتھ سرگرمی سے پڑھا تھا۔"

مولوی سید ابوالمنصور صاحب عربی فارسی کے علاوہ ہندی سے بھی واقف تھے۔ معمولی سی انگریزی اور رومن کیتھولک لکھ

---

[1] عین الیقین ص ۱۷
[2] دہلی کی یادگار ہستیاں

پڑھ لیتے تھے۔ توریت و انجیل ہی کا نہیں بلکہ کل دینی کتابوں پر عبور تھا۔ چنانچہ پادری جے۔ ایل۔ اسکاٹ انکی علمی قابلیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:۔

"مولانا ابو المنصور صاحب نو برس سے میرے ساتھ ہیں۔ یہ شخص اچھا کامل، تحصیل علم میں اور میرا سرگرم متعلم اور اچھا مشاق متفرق زبانوں میں اور عمدہ عالم بائیبل کے علم میں، اور ہمیشہ ترقی کی امیں۔ اکثر خوبیاں جو کچھ میری تفسیر میں ہیں، اس کی سبب سے ہیں۔" (مرہ دون، ۱۲ رمارچ ۱۸۶۹ء

مولانا سے پادری لوگ بھی پڑھنے لکھنے میں مدد لیتے تھے۔ بلکہ ترجمہ کرنے میں مولانا اعانت فرماتے تھے۔ چنانچہ میزوایکف لکھتی ہیں:۔

"سید محمد ابو المنصور نے مددری مجھ کو ترجمہ کرنے میں، ایک مہینے تک کامل تسلی کی"۔

مولانا ابو المنصور صاحب نے دہلی میں انجمن اسلامیہ ۱۲۹۰ھ میں قائم کی۔ جس کا مقصد ردِ نصاریٰ اور اسلام کی افضلیت ثابت کرنا تھا۔ رد نصاریٰ کے سلسلہ میں مولانا نے ردِ نصاریٰ کے واعظین کی اصلاح و درستگی کرنے اور مناظرہ سکھانے کے لئے دارالامامت قائم کیا۔ جس کی غرض یہ تھی کہ ردِ نصاریٰ کے لئے واعظین تیار کئے جائیں۔ تاکہ پادریوں کے فریب میں نہ آئیں۔ دارالامامت کی طرف سے اعلان تھا کہ کوئی مسلمان واعظ و مناظر اس وقت تک ردِ نصاریٰ نہ کرے۔ جبتک وہ دارالامامت سے ردِ نصاریٰ کی سند حاصل نہ کرے۔ چنانچہ اس بات کے لئے انجمن کے ذمہ دار لوگوں نے مولانا ابو المنصور کی ردِ نصاریٰ میں امامت منوانے اور امام المناظر کے خطاب کو منوانے کے لئے ہندوستان کے علماء و مشائخ سے حسب ذیل فتویٰ طلب کیا:۔

"چہ می فرمایند علماء دین متین کہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں متعدد اشخاص رد نصاریٰ کا وعظ کرتے ہیں اور ان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں۔ چونکہ یہ کام دین و ایمان کا ہے۔ اکثر علماء جو لائق اور نالائق میں امتیاز نہیں کر سکتے نہیں جانتے کہ اس فن میں کس کے قول کا اعتبار کرنا چاہیے۔ اور ایسی حالت میں ان لوگوں کی کوشش جو اس فن میں زیادہ مداخلت رکھتی ہیں۔ صریح ضائع ہوتی ہے کہ علمائے وقت بے رو رعایت اس طرح پر کہ خدا کے حضور بھی یہی جواب دے سکیں۔ لیکن اپنی دلی یقین کے ساتھ بموجب صاف صاف ظاہر کردیں کہ ان واعظین ردِ نصاریٰ میں سے کس کی لیاقت اعتبار کے لائق ہے۔ بینوا توجروا"

اس سلسلہ میں حسب ذیل علماء نے مولانا کی امامت کو تسلیم کیا اور امام المناظر کے خطاب کی تصدیق کی۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عبد الباری فرنگی محلی، میاں سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی۔ مولانا عبد الرؤف صاحب بانی مدرسہ آسیہ دہلی، مولانا محمد حسین فقیر دہلوی، مولانا شرف الحق صاحب دہلوی صدیقی، مولانا عبد القادر متولی کلاں مسجد دہلی، مولانا محمد ابراہیم دہلوی، مولوی محمد شاہ، مولوی حفیظ الدین، مولوی محمد یعقوب، مولوی محمد عبید اللہ، مولوی محمد عمر اخوندجی، مولوی محمد صدیق، مولانا غلام اکبر خاں، افسر الاطباء حکیم اصغر حسین، میر عبد اللہ قاسمی سجادہ نشین خانقاہ شاہ صابر بخش دہلی، مولوی الفت حسین مدرس مدرسہ اینگلو عربک اسکول دہلی، مولوی ولی اللہ صاحب لاہوری،

مولوی عبدالحکیم، مولوی خواجہ محمد ضیاء الرحمٰن، مولوی محمد کریم اللہ، مرزا موحد جالندھری، مولوی سید محمد حسین شیعہ مدرس مدرسہ عمر لبرائے دہلی، مولوی عبدالمجید، مولوی محمد سبحان بخش، مولوی سید احمد حسن، مولوی محمد یوسف۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے مولانا ابوالمنصور صاحب کو اپنے ایک خط مورخہ ۳۰ محرم ۱۲۹۴ھ میں تحریر فرمایا ہے:۔

"پرسوں بندہ کمترین نواح بریلی سے لوٹ کر آیا۔ اور کل آپکا عنایت نامہ بعد واپسی یہیں مجھکو ملا۔ ممنون ہوں، اور مطالعہ سے مشرف ہوا۔ مہر درخشاں کے دونوں پرچے اور رسالہ بتیان آپکے عنایت کئے ہوئے بریلی میں رہ گئے مہر درخشاں کے پرچے تو مولوی محمد منیر صاحب نے رکھ لئے اور رسالہ مولوی رنگین نے مطالعہ کے لئے رکھ لیا۔ پر ہنگام معقد بریلی و دیوبند ہیں وہ دونوں پرچے میری نظر سے گزرے تھے۔ مضامین دلنشین دیکھکر میرے ساتھ ہوئے جہاں مجمع احباب دیکھا وہیں لے بیٹھا۔ اس کو سنایا جو سنتا محظوظ ہوتا تھا۔ مختصر یہ ہے کہ یہ مضامین خدائے تعالیٰ نے آپ ہی کے لئے رکھ چھوڑے تھے۔ پر افسوس یہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی قدرشناس نہیں۔ رسالہ بتیان بھی من اولہ الی آخرہ دیکھا گیا۔ یہ جواب آپ ہی سے دیکھے گئے یہ کام آپ ہی کا تھا۔ خداوند کریم قبول فرمائے اور جزائے خیر عنایت فرمائے"

مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی بھی مولانا ابوالمنصور کی خداداد قابلیت کے معترف تھے۔ رقمطراز ہیں:۔

"مولانا ابوالمنصور اپنے فن کے بادشاہ ہیں اور باب مناظرہ اہل کتاب ہیں ، ہندوستان میں اپنا نظیر نہیں رکھتے۔ ہر خواص و عوام پر انکی توقیر و تعظیم ضرور ہے اور ہر مسلمان پر قدردانی اور معاونت انکی لازم۔ بڑا احسان انکا یہ ہے کہ کسی طرف سے مخالفوں کی جوابدہی اور مقابلہ کرتے ہیں اور دین محمدی پر دشمنوں کا کوئی حرف نہیں آنے دیتے۔ ایسا آدمی ہر زمانہ میں کمیاب بلکہ نایاب ہے اور کسی بادشاہ کو بھی میسر نہیں آتا۔"

دارالامامت واعظین ردِ نصاریٰ کے لئے مختلف خطابات ممتاز الواعظین، رئیس الواعظین، شریف الواعظین، عمدۃ الواعظین، انیس الواعظین، معین الواعظین، اشرف الواعظین، افضل الواعظین، ناصر الواعظین، افتخار الواعظین، سراج الواعظین امیر الواعظین اور شمس الواعظین وغیرہ مقرر تھے۔ ان خطابات میں بھی اول، دوم اور سوم درجے مقرر تھے۔ اس دارالامامت کے امام فن مناظرہ مولانا ابوالمنصور صاحب ہی تھے۔ جو واعظین ردّ نصاریٰ کو پڑھا کر امتحان لیکر سند دیتے تھے۔

مولانا ابوالمنصور صاحب نے کافی عیسائیوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔ ان میں زیادہ تر قابل و لائق لوگ تھے۔ جن کو مولانا نے تبلیغ اسلام پر مامور کیا اور انھوں نے اپنی بقایا زندگی اسی نیک کام میں صرف کی۔

مولانا کی زندگی کا بیشتر حصہ ردّ نصاریٰ میں صرف ہوا۔ ۱۸۶۹ء میں الہ آباد میں پادریوں سے مناظرے ہوئے اور خاص طور پر پادری ڈیوڈ سے دو روز تک مناظرہ ہوا جو لاجواب ہوا۔ چنانچہ اس مناظرہ کی مختصر سی روئداد اخبار برق خاطف بمبئی مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی۔

"مولوی سید ابوالمنصور صاحب امام فن مناظرہ واعظ اسلامی کو جن کا ذکر بیشتر درج اخبار ہو چکا ہے اگرچہ

زندہ دلان غیرتمند اسلام، بیدار مغز بانگ و نام دور و نزدیک یعنی فیض آباد، لکھنؤ، بنارس، رام پور وغیرہ سے مولوی صاحب کا حال اسی وقت سے جبکہ وہ الہ آباد میں بمقابلہ منکرین اسلام سینہ سپر تھے۔ خوب معلوم کر چکے ہیں۔ لیکن اہل غفلت کو بھی کہ معلومات دینی اور دنیاوی کی طرف بہت توجہ نہیں رکھتے۔ اس بات سے واقف ہونا ضرور ہے۔ اور یہ وہ مولوی ہیں کہ جن کے اشتہار بدعویٰ ہل من مناظر اس وقت ہیں۔ جبکہ دور دور کے پادری بھی جمع تھے۔ مہینوں تک الہ آباد میں لگے رہے اور جنہوں نے بار بار سرعام یہ انعام مقرر کروایا کہ جو کوئی عالم عیسائی میری باتوں کا ایسا جواب دے کہ عام پسند ہو تو لکھ کر لائے۔ فی جواب دس روپے اسے دونگا اور جن کے وعظ کرتے وقت ایک طرف صف عیسائیوں کی اور دوسری صف یہودیوں کی۔ اپنے ہی مذہب کی تردید سنتے ہوئے حاضر ہوتے تھے۔ سبحان اللہ ایسا خوش کلام واعظ، دقیقہ سنج، ہر دل عزیز کہ انگریز بھی جس کے مباحثہ اور وعظ کی مداحی کرتے ہیں۔ ہندوستان میں کوئی دوسرا سُنا نہیں گیا۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ پادری ڈیوڈ صاحب وغیرہ ولایتی پادری۔ جبکہ مولوی صاحب سے مباحثہ کرنے کو آئے تو بعد دو روز کے اتمام حجت کی۔ اس قدر راضی و خوشنودگی کہ وقت برخواست مجلس کے سرعام پادری صاحب نے کہا کہ میں سال بھر اسی طرح آپ کے پاس حاضر ہو سکتا ہوں پس یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ لیاقت مولوی صاحب کے لئے خداداد ہے اور کوئی شخص اپنی کوشش اور تدبیر سے ایسی بات حاصل نہیں کر سکتا۔"

چاندپور ضلع شاہجہانپور میں میلہ خداشناسی میں ایک تاریخی و معرکتہ الآرا مناظرہ ہوا۔ جس میں مولانا قاسم نانوتوی، مولوی سید احمد حسن امروہوی، مولانا سید احمد علی، مرزا موحد، اور مولانا ابوالمنصور شریک ہوئے۔ اس میں مولانا قاسم اور مولانا ابوالمنصور کی تقریریں لاجواب ہوئیں۔ اور پادری جواب نہ دے سکا۔

مولانا ابوالمنصور نے لحن داؤدی جواب نغمۂ طنبوری مؤلفہ پادری عمادالدین، استیصال جواب مسیح الدجال مؤلفہ پادری رام چندر دہلوی اور قیمۃ الوداد جواب نیاز نامہ مؤلفہ پادری صفدر علی تحریر کیں۔ اور مولانا نے اعلان کیا کہ ان تینوں کتابوں کا جو جواب لکھے گا۔ فی کتاب دو دو سو روپے انعام دیے جائیں گے۔ اس انعام کا اعلان مسلمان اخبارات کے علاوہ عیسائیوں کے مشہور و معروف اخبار نور افشاں لدھیانہ مورخہ ۱۱ مارچ ۱۸۷۵ء میں شائع کرایا تھا۔

ان تینوں کتابوں کے جوابات کا فیصلہ کرنے کے لئے مولانا نے حسب ذیل پادری اور ہندوؤں کے نامور اشخاص کی حسب ذیل کمیٹی تشکیل کی۔

(۱) پادری صاحب مہتمم نور افشاں لدھیانہ (۲) پادری رجب علی (۳) مسٹر محمد عبداللہ عیسائی ایکسٹرا اسسٹنٹ انبالہ (۴) سید احمد خان صاحب (۵) مولوی غلام قادر صاحب گجرات (۶) رائے بہادر بہاری لال ایکسٹرا اسسٹنٹ (۷) کنہیا لال صاحب الکھدھاری (۸) سردار دیال سنگھ امرتسر (۹) ہر سکھ رائے صاحب مہتمم کوہ نور لاہور (۱۰) مہتمم پنجابی اخبار لاہور۔

اس کمیٹی کا اعلان مولانا نے پنجابی اخبار لاہور مورخہ ۲۷ مارچ ۱۸۷۵ء اور نور افشاں لدھیانہ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۷۵ء

ہیں طبع کرایا۔ لیکن کسی نے سالہا سال تک جواب نہیں دیا۔

اسی طرح مولانا ابوالمنصور صاحب نے اپنی تصنیف دولتِ فاروقی کا جواب دینے والے کو دس ہزار روپے کا انعام مقرر کیا۔ اور ایک سال تک کی مہلت دی۔ یہ اعلان بھی نور افشاں لدھیانہ مورخہ ۱۹ اپریل ۱۸۷۶ء اور نور افشاں لدھیانہ ۳ مئی ۱۸۷۶ء میں چھپوایا۔ اس کا جواب بھی عیسائیوں کی طرف سے وقتِ مقررہ تک نہیں دیا گیا۔ اور تب تک مقررہ مہلت کا وقت بھی نکل گیا۔

مولانا کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ فارسی میں ایسی مہارت تھی۔ جیسے کسی اہلِ زبان کو ہوتی ہے۔ آپ نے قرآن مجید کی ایک جامع تفسیر فارسی میں لکھی تھی۔ مولانا بشیر الدین صاحب مؤلف واقعاتِ دار الحکومت دہلی مولانا ابوالمنصور صاحب کی قابلیت ولیاقت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

آپ کی تصانیف صرف ردِ نصاریٰ میں سو سے کم نہ ہونگی۔ آپ کی کسی بھی کتاب کا عیسائی جواب نہ دے سکے۔ بارہا تمام پادریوں نے جمع ہو کر لکھنا چاہا۔ مگر عاجز آگئے۔ علاوہ مستقل تصانیف کے آپ نے بڑے بڑے پادریوں کے رد میں بہت سی کتابیں لکھیں۔ نہایت دلیر اور بے دھڑک بولنے والے تھے۔ حق گوئی کے مقابلہ میں کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ مخالفین اسلام کے ایسے دانت کھٹے کرتے تھے کہ وہ نام سنکر لرز جاتے تھے۔ جس دن چودھویں صدی کا آغاز ہوا۔ مرحوم نے دہلی کی سب سے بڑی شاہراہ پر ایک ایسا زبردست وعظ کہا تھا کہ سننے والے ابتک یاد کرتے ہیں۔" (۳۱۷)

مولانا ابوالمنصور صاحب حضرت مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے انتہائی عقیدت رکھتے تھے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلنے کی اپنے عقیدت مندوں کو تلقین کرتے تھے۔ بعض مرتبہ گھنٹوں سرحد کے مجاہدانہ کارنامے سُناتے تھے اسی مجاہدانہ جذبے کے تحت روس و ترکی کی جنگ کے زمانہ میں ترکی کی مدد کرنے کے سلسلہ میں آپ کو سلطان عبدالحمید خاں صاحب کی طرف سے تمغہ بھی ملا تھا۔

مولانا ابوالمنصور صاحب کے ڈپٹی نذیر احمد صاحب سے دیرینہ تعلقات تھے۔ عام طور پر ان کے خاندانوں میں جو شادی ہوتی تھی۔ اس کا دعوت نامہ ڈپٹی صاحب لکھتے تھے۔ چنانچہ مولانا صاحب کے صاحبزادے مولانا ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام دہلی کی شادی کا رقعہ ڈپٹی صاحب نے لکھا تھا۔ یہ رقعہ منظوم تھا۔ اس واقعہ کے راوی مصور غم علامہ راشد الخیری ہیں ؎

ہمہ داں حامیِ دیں مولوی ابوالمنصور — جن کے افضال سے آگاہ ہیں نزدیک و بعید
ان کا دولت کدہ ہے بزم گہِ عقدِ نکاح — کہ وہ خود جائے مبارک ہے مگر قابلِ دید
نہ مزامیر، نہ باجا، نہ سرود اور نہ رقص — اور نہ بدعت کے مراسم سے کوئی امر جدید!
عقد کے دوسرے دن ہوگا ولیمے کا طعام — جو میسر ہو وہاں نان و نمک آش و ثرید

آپ اگر لائیں گے تشریف براہِ شفقت
میں یہ سمجھوں گا کہ بے دام لیا مجھ کو خرید

مولانا ابوالمنصور صاحب کا انتقال ۱۳۲۰ھ میں ہوا اور کلو کے تکیہ میں مدفون ہوئے۔ آپ نے دو صاحبزادے مولوی سید ناصر علی ایڈیٹر صلائے عام دہلی اور مولوی نصرت علی صاحب ایڈیٹر نصرت الاخبار دہلی اپنی یادگار چھوڑے جو ہندوستان کے چوٹی کے ادیب تھے۔

آپ کی بہت بڑی تعداد میں تصانیف تھیں۔ جو زیادہ تر ردِّ نصاریٰ میں تھیں۔ جنمیں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

(۱) میزان المیزان } یہ کتاب پادری میزان الحق کا جواب ہے۔ نصرۃ المطابع دہلی میں ۱۲۹۴ھ میں جو ۱۶۰ صفحات بڑی تقطیع پر مشتمل ہے چھپی ہے۔

(۲) مصباح الابرار } یہ رسالہ پادری فنڈر کے مفتاح الاسرار کا جواب ہے۔ جو ۱۸۷۶ء میں نصرۃ المطابع دہلی میں ۶۴ صفحات بڑی تقطیع پر طبع ہوا۔

(۳) لحن داؤدی } پادری عمادالدین کی کتاب نغمۂ طنبوریہ کے رسالہ کا یہ رسالہ ۳۲ صفحہ کا جواب ہے۔ جو مطبع میئو میں بلاقید اس کے اہتمام سے ۱۲۸۹ھ میں چھپا۔

(۴) عقوبت الضالین } یہ رسالہ ھدایت المسلمین مؤلفہ پادری عمادالدین کا جواب ۱۲۹۶ھ میں دوبارہ ۱۷۶ صفحات پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا۔

(۵) رقیمۃ الوداد } یہ رسالہ منشی صدر علی صاحب کے نیاز نامہ کا مختصر جواب ہے۔ ۱۲۹۹ھ میں تیسری مرتبہ ۷۴ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا

(۶) استیصال مسیح الدجال } یہ جواب رسالہ مسیح الدجال مؤلفہ رام چند پادری کا ۱۲۹۱ھ میں ۶۷ صفحوں پر نصرۃ المطابع دہلی میں چھپا۔

(۷) افحام الخصام } یہ رسالہ جان راجرس صاحب کے رسالے تفتیش الاسلام کا جواب ہے۔ ۱۲۹۳ھ میں ۱۲۸ صفحات پر نصرت المطابع میں بڑی تقطیع پر طبع ہوا۔

(۸) تصحیح التاویل } یہ ۴۴ صفحات کا رسالہ تفسیر مکاشفات مصنفہ پادری عمادالدین کا جواب ہے۔ جو نصرت المطابع دہلی میں چھپا۔

(۹) انعام عام } یہ رسالہ آئینۂ اسلام مؤلفہ پادری رجب علی کا جواب ہے۔ اس میں عیسائیوں کی تمام برائیوں کا بیان ہے جو ۱۲۹۰ھ میں ۲۴ صفحات پر مطبع فاروقی دہلی میں طبع ہوا۔

(۱۰) اعزازِ قرآن :۔ یہ کتاب ماسٹر رامچندر عیسائی کے اعجازِ قرآن کا جواب ہے۔

(۱۱) سبیل نجات :۔ یہ کتاب پادری فنڈر کے طریق الحیات کا جواب ہے۔

(۱۲) حرزِ جان } یہ کتاب مسٹر عبداللہ آتھم کی کتاب اصلیت قرآن کا جواب ہے۔ جو ۱۸۷۶ء میں ۲۰ صفحوں پر نصرت پریس دہلی میں چھپی۔

(۱۳) لبیس القسیس } یہ جواب اصل افزائش وزوال دینِ محمدی کا ہے۔

(۱۴) دولتِ فاروقی } یہ کتاب بیت المقدس۔ اور سابقین کی تاریخ ہے۔

(۱۵) نویدِ جاوید } یہ عمدہ اور مبسوط تصنیف ۶۳۶ صفحات پر سنہ ۱۲۹۳ھ میں نصرۃ المطابع دہلی میں طبع ہوئی۔

(۱۶) تنقیح البیان } بجواب تفسیر القرآن مصنفہ سر سید احمد خانصاحب ۲۲۸ صفحات پر نصرت المطابع میں سنہ ۱۲۹۷ھ میں چھپی۔

مولوی واعظ الحق عظیم آبادی

مولانا پٹنہ (عظیم آباد) میں ۱۲۱۱ھ کو پیدا ہوئے۔ امین الحق ان کے والد ماجد اور دادا کمال الحق بن ملا غلام یحییٰ بن ملا غلام شرف الدین بن ملا عبدالعلی .... بن عبدالسلام بن ملا عبدالشکور تھے۔ ان کے اجداد میں شرف الدین بہاری تھے۔

مولانا واعظ الحق نے علم معقول و منقول تحصیل کئے۔ معقولات پر انھوں نے رسالے تصنیف کئے۔ پیارے لال سے دوزخ کے مسئلہ پر مناظرہ ہوا تھا۔ پھلواری شریف کے مشائخ سے بھی مناظرہ کیا۔ اس سلسلہ کی آپ کی تالیف ہے۔ پادریوں سے بھی مناظرہ کیا۔ جس پر آپ نے ایک کتاب تصنیف کی۔ پرگنہ کسمر کے قاضی مقرر ہوئے تھے۔ اس کے بعد ڈپٹی کلکٹری پر مامور ہوئے۔ سید احمد شہید جس زمانہ میں حج سے فارغ ہو کر عظیم آباد آئے اس وقت آپ اُن سے بیعت ہوئے۔ آپ دو حج کر چکے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں نمایاں حصہ لینے والے مولانا شاہ محمد حسین، مولوی احمد اللہ شاہ، مولوی واعظ الحق، مولوی مہدی، پیر علی کتب فروش، علی کریم اور شیخ گھسیٹا تھے۔ انکو جنگ کی ابتدا میں مسٹر ولیم ٹیلر کمشنر ضلع عظیم آباد نے مولوی محمد حسین، مولوی احمد اللہ اور مولوی واعظ الحق کو بغاوت کرنے والوں کا سرغنہ قرار دیا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۰ مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں بغاوت ہونے کے بعد ہندوستان بھر میں انگریزوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند ہوا۔ عظیم آباد میں بھی اس کی لپیٹ میں آیا۔ وہاں بھی جنگ کی چنگاری پہنچی۔ جب وہاں بغاوت کا خطرہ پیدا ہوا اور ۸ جون ۱۸۵۷ء کو اس کی اطلاع مسٹر ٹیلر کو پہنچی کہ ہندوستانی رجمنٹس دانا پور میں برانگیختہ ہو رہی ہیں اور اندیشہ ہے کہ وہ کسی رات کو بلوہ کر دیں۔ تو ٹیلر نے اپنے گھر کو حفاظت گاہ بنایا اور گھوڑے پر سوار ہو کر انگریزوں کی کوٹھیوں پر گیا اور اس نے بتایا میں نے تم لوگوں کی حفاظت کے لئے اپنی کوٹھی مقرر کر دی ہے۔ نازک وقت میں اس کوٹھی میں آ سکتے ہو۔ ٹیلر کو یہ پیغام پہنچائے ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہیں گزرا تھا۔ کہ پٹنہ کے چاروں طرف کے انگریز مرد اور عورتیں اس کوٹھی میں جمع ہو گئے۔ اسی روز مسٹر ٹیلر نے اپنے افسران کو دو خط لکھے۔ جن میں

کے سپاہیوں کو داناپور کے فوجیوں نے لکھا تھا کہ "ہم سب دفعتاً بغاوت کردینگے ہم چاہتے ہیں کہ تم خزانہ لیکر ہمارے ساتھ ہوجاؤ۔"

پٹنہ میں انگریزوں کے خلاف اس قدر جذبہ پیدا ہوگیا تھا کہ سکھ سپاہی جو انگریزوں کے حامی بنے ہوئے تھے پٹنہ کے کسی راستہ سے گزرتے تو لوگ اُن کو بُرا بھلا کہتے، طعنے کستے اور گالیاں تک دیتے اور اُن سے کہتے کہ تم قوم کا ساتھ دوگے یا کافروں کی حمایت کروگے۔ اگر یہ سکھ سپاہی گردوارہ میں داخل ہونا چاہتے تو ان کو گردواروں کے پنتھ گردواروں میں داخل نہیں ہونے دیتے تھے۔ غرض یہ سکھ سپاہی جہاں بھی نظر آتے، لوگ ان کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انگریزوں کو قتل کرنے، اُن کی کوٹھیوں میں آگ لگانے اور بغاوت کرنے کی سازشیں روز بروز تیز ہوتی جارہی تھیں۔ ہندوستانی فوجیں آپس میں بغاوت کرنے کے عہد و پیمان کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اِن سازشوں سے ٹیلر بھی واقف تھا۔ اس کو انگریزوں کی جانیں بچانے، خزانہ کے بتیس لاکھ روپے اور لاکھوں روپے کی افیم کا گودام بچانے کی فکر تھی۔ ان چیزوں کو بچانے کے لئے مسٹر ٹیلر نے مورخہ ۱۰؍جون ۱۸۵۷ء کو یہ اسکیم بنائی کہ ۱۹؍جون کو پٹنہ کے معززین اور تین مولویوں شاہ محمد حسین، مولوی احمد اللہ اور مولوی واعظ الحق کو یہ کہکر بلوایا جائے کہ شہر کے امن و انتظامات کے سلسلہ میں آپ سے گفتگو کرنی ہے۔ جب یہ لوگ آجائیں تو ان تینوں مولویوں کو جو بغاوت کی چنگاریاں لگارہے تھے ہیں۔ اُن کو نظر بند کردیا جائے اور باقی لوگوں کو چھٹی دے دی جائے۔ چنانچہ ۱۹؍جون کو اسکیم کے مطابق عمل کیا گیا۔ میٹنگ میں گفتگو کرنے کے بعد ان تینوں حضرات کو روک کر نظر بند کردیا۔ بقایا حضرات کو شکریہ کے ساتھ رخصت کردیا۔

اس سازش پر شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اپنی تالیف "تاریخ عروج سلطنت انگلیشیہ حصہ" میں روشنی ڈالی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"انھوں (ٹیلر) نے یہ امر خوب تحقیق کرلیا تھا کہ بدخواہ باشندوں کے سرغنہ وہابی مولوی جن میں سربرآوردہ تین مولوی شاہ محمد حسین، احمد اللہ، واعظ الحق ہیں۔ جن کے کہنے میں سارے وہابی چلتے ہیں۔ ان مولویوں کے معمولی طور پر گرفتار کرنے میں تو بلوہ کا اندیشہ ہے۔ جس میں جانوں کے جانے کا خطرہ تھا۔ اس لئے انھوں نے یہ حکمت کی کہ ۱۸؍جون کو اُن تینوں مولویوں کو اور چند معزز رئیسوں کو یہ کہکر اپنی کوٹھی پر بلایا کہ بعض انتظامی معاملات میں گفتگو کرنی ہے۔ ۱۹؍جون کی صبح کو انکی کوٹھی پر یہ سب رئیس جمع ہوئے۔ کمشنر صاحب مع ریڈی صاحب اور چند انگریزوں کے ملاقات کے کمرے میں آئے اور مولوی احمد اللہ نے شہر کی محافظت کے لئے چند معقول تدبیریں بتلائیں۔ پھر کچھ باتیں ہو، ہوا کر مجلس برخاست ہوئی اور ٹیلر صاحب نے حکم دیا کہ سوائے تین مولویوں کے، جن کے نام اوپر لکھے ہیں، سب رخصت ہوں۔ پھر وہ مولویوں کی طرف مخاطب ہوئے کہ میں مجبور ہوں۔ آپکو بطور خاص کے رکھتا ہوں۔ تاکہ آپ کے مریدین و معتقدین نیک چلن رہیں یہ کہہ کر مولویوں کو ریڈی صاحب کی حراست میں

حوالے کیا۔ اور انھوں نے سکھوں کے قریب ایک آسائش کے مکان میں رکھا۔ ٹیلر صاحب کی تدبیریں بڑی ہی کامیاب ہوئیں۔ بدخواہوں کے سرغنہ گرفتار ہوئے۔ جس کے سبب اہلِ شہر کو سرکشی کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ ہزارہا ہتھیار ضلع کے ساتھ لے لئے گئے۔ شب میں سازشیں کرنیکی مجلسیں بند ہوگئیں۔ اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ جج صاحب اور افیم کے گوداموں کے ایجنٹ اور بعض انگریز جو خوف کے مارے اپنے اپنے گھر چھوڑ کر افیم کے گھر گوداموں میں چلے گئے تھے۔ پھر اپنے گھروں میں آکر آباد ہوگئے۔ مسٹر ٹیلر کے ان احکام سے اور اضلاع میں بھی بدخواہوں کی تعداد کم ہوگئی "۔ (۲۶۰)۔

نظربندی سے رہا ہونے کے بعد مولوی واعظ الحق صاحب نے حجازِ مقدس میں ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں سکونت اختیار کی۔ مولوی واعظ الحق صاحب کے حالات معلوم کرنے کے لئے میں نے قاضی عبدالودود صاحب کو پٹنہ خط لکھا تھا جس کا انھوں نے ۱۲؍ نومبر ۱۹۶۹ء کے خط میں یہ جواب عنایت فرمایا۔

"آپ نے واعظ الحق صاحب کی داستانِ منظوم کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ جنکی وفات حجاز مقدس میں ہوئی۔ واعظ الحق قاضی اکرام الحق (میرے دادا کے والد کے حقیقی بھائی تھے) اور ان تین وہابی مولویوں میں تھے جو شورش ۱۸۵۷ء کے زمانہ میں نظربند ہوئے تھے۔ بعد کو حجاز چلے گئے اور غالباً وہیں ان کی وفات ہوئی۔ سنا ہے کہ انھیں ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ بھی ملا تھا۔ مگر ان کے بارے میں یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ شاعر تھے یا نہیں۔ ان کے اخلاف میں سے عبدالحق بہ جوشی اُردو کے شاعر تھے"۔

آپ حضرتِ اقدس مولانا رحمت اللہ صاحب بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ اور قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ کے عہد کے مہاجرینِ حرم میں سے تھے۔ ان دونوں بزرگوں سے بیحد تعلق تھا۔ زیادہ وقت مدرسہ صولتیہ میں علما کی خدمت میں اور کتب کے مطالعہ میں گزرتا تھا۔ بیحد مرنجان مرنج اور خاموش طبع انسان تھے۔ دیارِ کعبہ اور حرم پاک کے عشق میں ترک وطن کرنے والے اور دنیا کو خیرباد کہنے والے ہزاروں خاموش پروانے حجازِ مقدس پہنچے اور نام و نمود سے ہٹ کر گمنامی کے ساتھ حرم کی خاکِ پاک میں ہمیشہ کے لئے آسودہ ہوگئے۔ انھیں نفوس میں سے مولانا واعظ الحق بھی ہیں۔

فارسی اور اُردو ادب سے انکو بے حد لگاؤ تھا۔ خاص طور سے فارسی قصائد و اُردو میں ترجمے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ انکی ادبی کاوش ایک زندہ جاوید فسانۂ عجائب کا اُردو میں منظوم ترجمہ قلمی، مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جس کو انھوں نے سنہ ۱۲۸۰ھ میں پورا کیا بے حد خوشخط تھے۔ اپنے ہاتھ سے پورا منظوم ترجمہ لکھا ہے۔ ۱۵۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے شروع صفحہ پر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کی مہر ثبت ہے۔ کیونکہ مولانا واعظ الحق صاحب نے اپنا کتب خانہ، تمام بیاضیں اور سامان مدرسہ صولتیہ کو دے دیا تھا۔ فسانۂ عجائب مولانا نے اپنے ایک دوست کے اصرار پر منظوم ترجمہ کیا تھا۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

فسانہ کی تھی دل میں سب کے ہوس
فسانۂ عجائب تھا مشہور بس!

اسے دیکھ اک مشفقِ مہرباں!
اسی وقت اس طرح کھولی زباں!

ہمیں نظم ہونے کی ہے اس کی تاک
ہمیشہ ہوں اس فکر میں دردناک!

یہ کہکر انھوں نے بہت ہٹ کیا
یہی اپنی خواہش سبھوں سے کیا

نظر ان کی ہٹ پر کیا چند وعظ
نہ سمجھایا اُس عشاق کو پند و وعظ

مجھے پھر کہا آپ بہرِ الٰہ!
مرا پورا مقصد کرو خوامخواہ!!

یہ سنکر اُسی روز سے روز و شب
یہ قصہ کیا نظم اُردو میں تب!

اس ترجمہ کی ابتدا ان اشعار سے کی ہے

کہاں تاب و طاقت ہے انسان کی
جو کھولے زباں حمد یزداں میں

نہ لا احصی کی ہے تجھے کچھ خبر
کہ ارشاد کرتے ہیں خیر البشر

خدا نے کہا ہے یہ قرآن میں!
بہت تھوڑے ہیں شاکر انسان میں

تو اب شکر واجب ہے انسان پر
کرے اس کے ہر اک احسان پر

تو احساں کو بھولوں اور چپ رہوں
نہ کیوں حمد اس کی صفت پر کروں

داستان کی ابتدا اس طرح ہوئی ہے

ختن میں تھا ایک شہر مینو سواد
نہایت دلچسپ جنت نژاد!!

زمیں اس کی تھی رشکِ ارضِ عدن
گلی کوچہ گل زار مثلِ چمن

وہ بازار خجلت دہ گلستاں!
دوکانیں نفاست میں تھی بوستاں

خلائق وہاں کی تھی سب مہ جبیں
خجالت دہِ ماہرویانِ چیں!

اسے قسمت آباد کہتی تھی خلق
خوش و خرم آباد رہتی تھی خلق!

ہر اک نوع خلقت سے آباد تھی!
بڑا چھوٹا سب اُنکا دلشاد تھا

وہاں ایک تھا شاہِ ذی افتخار
بڑا صاحب عز و گردوں وقار

سکندر منش، شوکت کیقباد!
وہ حشمت میں کاؤس والا نژاد

سخاوت میں تھا حاتم روزگار
شجاعت و رستم و اسفندیار

فلک مرتبت، مالک تاج و تخت
اِسے کہتے تھے شاہِ فیروز بخت

وے باوجود ایں ہما کر و فر
نہ رکھتا تھا وہ شاہ کوئی پسر

مدام ان کو خواہش تھی دلبند کی
شب و روز کاہش تھی فرزند کی!

صبا و مساح، بوقت سحر
وہ کرتا خدا سے دعائے پسر

شادی کی چوتھی کا سماں ہے

غرض آئے وہ دونوں حمام میں! — جو محرم تھیں حاضر ہوئیں کام میں!
یہ رمز و کنایہ کے چلنے لگے! — کوئی دل ہی دل میں وہ جلنے لگے
کوئی شرم سے سر جھکائے ہوئے — حیا سے وہ آنکھیں چرائے ہوئے
عجب اس جگہ غمزہ، ناز تھا — نئی نوک جھونک اور انداز تھا
نہا دھو کے فارغ ہوئے جب وہاں — کیا خاصہ دونوں نے تب نوش جاں
لگی ہونے چوتھی کی پھر دھوم دھام — تجمل وہی اور وہی انتظام

(جمہوریت نمبر الجمعیتہ دہلی، ۲۶ر جنوری ۱۹۷۱ء

حضرت العلامہ مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاسم کا تاریخی نام خورشید حسن ہے۔ آپ شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ آپکے دوست مولانا محمد یعقوب (مصنف سوانحِ عمری مولانا محمد قاسم) فرماتے ہیں۔ مولانا کا سنِ پیدائش مجھ کو نام سے معلوم تھا اور مہینہ بھی یاد نہیں تھا۔ ربیع الثانی یا جمادی الثانی ذہن میں تھا۔ جن حضرات سے سمجھا تھا کہ ان سے معلوم ہو جائے گا۔ وہ بھی ناواقف نکلے۔ ایک صاحب نے پندرھویں شعبان کہا مگر یقین نہیں آیا۔ ایک نے ۱۹ رمضان اور ایک صاحب نے ۲۷ محرم تاریخ ولادت فرمائی۔ یہ بھی مجھے صحیح نہیں معلوم ہوئی۔

مولانا کے والدِ ماجد شیخ اسد علی صاحب، صاحبِ مروت و اخلاق و کنبہ پرور، مہمان نواز نمازی و پرہیزگار بزرگ تھے۔ تمام عمر کھیتی میں بسر ہوئی۔ شاہنامہ وغیرہ کتابیں پڑھی تھیں۔ زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔ ذاکر شاغل تھے۔ درویشوں کی خدمت کرتے تھے۔ تعبیرِ خواب میں یوسفِ ثانی تھے۔ اور بہت صحیح تعبیر بتانے میں مشہور تھے[1]

مولانا کا نسب نامہ بن ابی صدیق سے جا ملتا ہے۔ اس طرح محمد قاسم ابن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاؤ الدین بن فتح محمد بن مفتی بن عبد السمیع ابن مولوی ہاشم[2]

مولانا محمد شاہجہاں کے عہد میں مقرب بادشاہی ہوگئے اور نانوتہ میں مکانات کے مالک ہوگئے اور چند دیہات آپکی جاگیر میں تھے۔ مولانا کے اور کوئی بھائی نہ تھا اور چار پشت مولانا منفرد ہوئے۔ مولانا لڑکپن سے ہی ذہین طباع، جفاکش، بلند ہمت اور چست تھے۔ مکتب میں اپنے سب ساتھیوں سے ہمیشہ آگے رہتے۔ نظم کا شوق تھا۔ بعض قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے تھے۔ بچپن میں کتابوں کی جزبندی کتب سیکھی۔ اپنی کتابوں کی جلد خود باندھ لیتے تھے۔

مولانا نے تعلیم دیوبند میں حاصل کی۔ مولوی مہتاب علی سے عربی شروع کی۔ کچھ عرصہ کے بعد ۱۲۶۰ھ میں دہلی پہنچے۔ جہاں مولانا مملوک علی سے کافیہ پڑھی۔ میر زاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ ان کو حفظ یاد تھی۔ حدیث شاہ عبد الغنی صاحب سے پڑھی۔ اس کے بعد حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوگئے (تذکرہ علمائے ہند) اور خود

---

[1] سوانحِ عمری مولانا قاسم [2] تذکرہ علماء ہند فارسی ۲۱۰

اقلیدس کے مقالے مطالعہ کئے۔ اقلیدس میں آپ اپنے ساتھیوں میں اول نمبر تھے۔ منشی ذکاءاللہ نے نہایت مشکل سوال کئے۔ اس کا جواب آپ نے فوراً دیا۔ جس کی وجہ سے آپکے حساب کی شہرت ہوئی

پہلے آپ نے دہلی کے ایک انگریزی مدرسہ میں ملازمت کی۔ اس کے بعد آپ نے مطبع احمدی میں تصحیح کتب کا کام کیا۔ کچھ دن مولانا کوچہ چیلان میں آ رہے۔ پھر چھاپہ خانہ میں پھر دار البقا میں رہے۔ اس زمانے میں مولوی صاحب نے بخاری تحشیہ کا کام کیا۔ جسپر لوگوں نے حیرت کی اور قابلیت کا سکہ جم گیا۔

آپ انتہائی سادہ طبیعت تھے۔ اور انتہائی انکساری اور عجز کے طور پر زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ آپ فرماتے تھے۔ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کوئی بھی نہ جانتا۔ مسئلہ بتانے اور امامت کرنے سے گریز فرماتے تھے۔ وعظ بھی بمشکل تمام کہتے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی نے مجبور کیا۔ ورنہ اس سے انکار تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب آپکی علمیت کی انتہائی قدر کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ ایسے لوگ کبھی سابقہ زمانہ میں پیدا ہوتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں پیدا ہوتے۔ (سوانح عمری مولانا قاسم)

آپ کو دنیاداری سے خاص تعلق نہ تھا۔ آپ کے والد اسد علی نے جب شادی کے لئے کہا تو آپ نے انکار کر دیا۔ معاملہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قبلہ کے پاس پہنچا۔ اس حکم پر انکار ناممکن تھا۔ شادی ہوئی تو آپ نے پانچ روپے کی تصحیح کی خدمت مذکورہ پریس میں قبول کی اور درس و تدریس کا بھی سلسلہ جاری کیا۔ مثنوی مولانا روم پڑھانی شروع کی تو بہت سے دلوں کو بدل کے رکھ دیا۔

آپ کو اسی زمانہ میں غدر دیکھنا نصیب ہوا۔ گولیاں کھائیں اور بچے اور حملہ آوروں سے مقابلہ کیا۔ دشمنوں نے اس جرات و بہادری سے جل کر سرکار سے مخبری کر دی کہ آپ تھانہ بھون کی بغاوت میں شریک تھے۔ آپ کو اس الزام میں گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ تو پولس نے منہ کی کھائی اور مولانا پنجاب کی راہ پنجاب ہو کر سندھ کی طرف سے ہوتے ہوئے کراچی سے جہاز میں بیٹھ گئے اور جمادی الثانی ۱۲۷۷ھ کو سوار ہو کر آخری ذیقعدہ میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ مدینہ جا کر ربیع الاول کے آخر بمبئی آ گئے۔ جمادی الثانی تک وطن پہنچے۔ دوبارہ حج مولانا نے پھر ۱۲۸۵ھ میں کیا۔

غدر کی فضا درست ہوئی۔ منشی ممتاز علی نے شہر میرٹھ میں کارخانہ کھولا۔ مولانا کو اس میں دوبارہ ملازم رکھ لیا۔ اسی زمانہ میں مدرسہ دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی۔

ہندوستان سے حاجی صاحب نے جب ہجرت فرمائی تو شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ کی تحریک کی ذمہ داری مولانا محمد قاسم کو عنایت فرمائی۔

۱۸۵۷ء کا پر آشوب دور تھا۔ مولانا شاہ عبد العزیز کے انقلابی ساتھی عالموں کو لمبی لمبی سزائیں دیکر کالے پانی بھیج رہی تھی۔ اب جنگ کی تیاری کرنا میدان میں مقابلہ کرنا مشکل بن گیا تھا۔ چنانچہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی اسکیم کے مطابق مولانا قاسم نے دیوبند جیسی معمولی جگہ پر ایک مذہبی مدرسہ

۱۸۶۷ء میں قائم کیا۔ اس مدرسہ کو قائم کرنے میں حاجی صاحب کے خلیفہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا جو غدر میں حصہ لینے کے جرم میں پھانسی پر چڑھنے سے بچے بہت بڑا حصہ تھا۔ ان کے علاوہ مولانا مہتاب علی اور ان کے ساتھی مولانا ذوالفقار علی نے مولوی فضل الرحمٰن، حاجی محمد عابد نے اس کام میں پوری مدد کی۔ مولانا قاسم صاحب نے جب یہ مدرسہ قائم کیا۔ تب نہ اُن کے پاس پیسہ تھا اور نہ کوئی سرمایہ دار مددگار ہی تھا۔ عام لوگوں کا یہ حال تھا کہ وہ ان لوگوں سے باتیں کرتے ہوئے خوفزدہ ہوتے تھے۔ مدد کون کرتا۔ مدرسہ کے سب سے پہلے طالب علم مولانا محمود الحسن تھے۔

شروع میں درختوں کے زیر سایہ پڑھائی شروع ہوئی۔ اس وقت یہ کون جانتا تھا کہ یہ دو چار لڑکے ایک بوڑھے مولوی کے آگے بیٹھے ہوئے کلام پاک ہل ہل کر پڑھ رہے ہیں اور یہ مدرسہ جس میں دھوپ اور بارش سے بچاؤ کے لئے ایک چھت تک نہیں ہے۔ چند برسوں کے بعد ملک کی آزادی کے سپاہیوں کی ایک خاص چھاؤنی اور نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے اسلامی مدرسوں میں ایک خاص مدرسہ بن جائیگا۔

شروع زمانہ میں مولانا قاسم اور ان کے ساتھیوں کے خلاف کافی غلط فہمیاں پیدا کیں۔ انگریزی سلطنت تو ایک عرصہ سے ان کو وہابی سمجھتی تھی۔ اس کے ساتھ انگریزی حکومت کے ہندوستانی ٹوڈیوں، ان کو رجعت پسند، لکیر کے فقیر اور ملک و قوم کا دشمن، انگریزوں کی سلطنت کا باغی قرار دیتا تھا۔ لیکن مولانا اس پروپیگنڈہ سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ خاموشی کے ساتھ انھوں نے اپنا کام جاری رکھا۔ مدرسہ ترقی کرنے لگا۔ تمام ہندوستان اور بیرون ہندوستان سے بہت بڑی تعداد میں طلبا آنے لگے تو اب سرمایہ دار طبقہ نے اس میں حصہ لینا شروع کیا اور مولانا قاسم کو مشورہ دیا کہ اب مدرسہ کے لئے سرکاری امداد لینے کی بھی کوشش کی جائے۔ تاکہ مدرسہ کی مالی حالت مضبوط بنا دی جائے۔ مولانا قاسم اس چال کو بھانپ گئے۔ وہ کسی کو مدرسہ کے کاموں سے روک نہیں سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے چونکہ اپنے اصولوں کی تبلیغ بھی کرنی تھی۔ اس کو صرف بچوں کے پڑھنے کا مدرسہ نہیں بنانا تھا۔ اس لئے انھوں نے مدرسہ کے قواعد ترتیب دیئے جو اُن کے انقلابی خیالات کے ترجمان تھے۔

(۱) آزادیٔ ضمیر کے ساتھ موقع پر کلمۃ الحق کا اعلان کرنا۔ کوئی سنہری تمغوں اور مربیانہ دباؤ یا سرپرستانہ اکرامات سے دی ہوئی رعایتیں ان میں حائل نہ ہوں۔

۲۔ اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہو کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کر دے۔ جو اُن کو اسلام اور مسلمانوں کی شان پر قائم رکھنے میں معین ہو۔ اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں۔ تب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ اگر کوئی آمدنی یقینی ایسی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ، وہ ہاتھ سے جاتا رہے گا اور کارکنوں میں نزع پیدا ہو جائے گا۔ القصہ آمدنی و تعمیر وغیرہ میں ایک

نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے ۔

۳ ۔ سرکار کی شرکت وامرار کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے ۔ تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے ۔ جنکو اپنے چندے سے امور ناموری نہ ہو ۔ جس کی نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے ۔ مولانا قاسم نے عمر کے آخری حصہ تک مدرسہ کو کامیاب کرنے کیلئے کوشش کی ۔

سنہ ۱۲۹۲ھ میں بمقام چاندپور ضلع شاہجہانپور میں مسئلہ خداشناسی میں عیسائیوں سے جو مناظرہ ہوا۔[1] (مناظروں) کے باب میں اس مناظرہ کی تفصیل ملاحظہ ہو

سنہ ۱۲۹۴ھ میں ہندوستان سے ایک قافلہ تقریباً تیس علمار کرام زیارت بیت اللہ روانہ ہوا چونکہ اس کی قیادت مولانا رشید احمد گنگوہی فرما رہے تھے ۔ مولانا قاسم بھی تیسرے حج کے لئے تیار ہو گئے ۔ اس لئے کہ مولانا گنگوہی کی ہمراہی کی سعادت حاصل ہوگی ۔ واپسی پر جہاز میں آسائش نہ ملنے کی وجہ سے بخار ہو گیا ۔ روانہ ہونے اور جگہ کی قلت کی وجہ سے جہاز میں اموات کی روزانہ وارداتیں ہونے لگیں ۔ ایک دن آپکی حالت بھی ایسی غیر ہوئی کہ تمام حضرات نے سمجھا بس اب چل بسیں گے ۔ مگر ڈاکٹر کی توجہ سے وقتی طور پر حالت درست ہوگئی ۔ لیکن کھانسی ٹھہر گئی ۔ جس سے کبھی کبھی سانس کا دورہ ہونا شروع ہو گیا ۔ غرض اسی مرض نے دو تین سال میں جان لے لی ۔ چنانچہ ۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں جمعرات کے دن بعد نماز ظہر اچانک دم آخر ہو گیا ۔ اِنّا للّٰہ واِنّا الیہ راجعون ۔

تاریخ وفات بہت سے لوگوں نے لکھی ۔ مولانا یعقوب نے کہی ۔ "کیا چراغ گل ہوا" مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی نے " وفات سرور عالم کا نمونہ ہے ۔ تاریخ کہی ۔ سب سے زیادہ جو تاریخ پسند کی گئی وہ عبدالرحمٰن خانصاحب مالک مطبع نظامی کانپور کی ہے ۔ رضی اللہ عنہا دائماً ۔ اس کے بعد مولوی یعقوب نے بھی دوسری تاریخ فرمائی ۔ مصیبت پر مصیبت آئی ہے

اولاد } مولانا محمد قاسم علیہ الرحمۃ نے دو[2] صاحبزادے چھوڑے ایک مولانا احمد ، اور چھوٹے صاحبزادے محمد ہاشم تین صاحبزادیاں ہیں ۔ ایک اکرامن سب سے بڑی تھیں ۔ یہی مولانا کی پہلوٹھی کی اولاد ہیں ۔ انکا نکاح پیرجی مولانا عبداللہ سے کیا ۔ یہ شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی کی اولاد میں ہیں ۔ مولوی انصار علی صاحب کے بیٹے ہیں ۔ آپ مولانا ہاشم کے شاگرد بھی ہیں ۔ ان کی تین لڑکیاں ہیں ۔ بڑی لڑکی سے چھوٹی لڑکی رقیہ ہیں ۔ انکا نکاح مولانا محمد صدیق صاحب سے ہوا ہے ۔ یہ مولانا قاسم کے ماموں مولوی امین الدین صاحب کے نواسے ہیں اور حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں سے ہیں ۔ تیسری لڑکی عائشہ ہیں (سوانح مولانا قاسم)

تلامذہ } حضرت مولانا محمد قاسم کے ہزاروں علمار شاگرد تھے ۔ مشہور حضرت العلامہ شیخ الہند مولانا

---

[1] تذکرہ علمار ہند فارسی   [2] سوانح عمری مولانا قاسم ص۲۸

...ود الحسن رحمتہ اللہ علیہ، مولوی فخر الحسن گنگوہی، مولوی احمد حسن امروہوی تھے۔

تصانیف } مجموعہ رسائل قاسم العلوم، مصابیح التراویح، آب حیات، تقریر دلپذیر، مباحثہ شاہجہاں پور، ہدایۃ الشیعہ، حجۃ الاسلام (تذکرہ علماء ہند) ؟ اجوبہ اربعین، اسرار قرآنی، لطائف قاسمیہ، ...ق القرآن، قبلہ نما، مباحثہ رڑکی، تصفیۃ العقائد، تحذیر الناس، لطائف رشیدیہ؛

حضرت العلامہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن مرحوم نے مولانا قاسم نانوتوی مغفور کی شان میں جس میں مولانا ...شید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی شامل کیا ہے۔ ایک قصیدہ لکھا ہے۔ اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں۔ جس ...ان بزرگان دین کی باہمی محبت و عقیدت کا حال ظاہر ہوتا ہے ؎

جب ہوئی رحمت باری سوئے مُرسل منزل — اہل عالم کے لئے احمد و قرآں دونوں
رحمت حق کے لئے ہیں گے یہ اصل اصول — اور ہدایت کے لئے بھی ارکان دونوں!
ہاں نہ ہوں سائق و قائد خورشید و قاسم — ہم کو کیونکر ملے رحمتِ رحمان دونوں
کون سمجھائے ہمیں مطلب اللہ و رسول! — کون سکھلائے ہمیں سنتِ قرآن دونوں
کون بتلائے ہمیں علم و عمل کی باتیں — کون دکھلائے رہِ شبلی و نعمان دونوں
عارف قاسم ضراب رشید مرشد!! — قبلۂ دیں ہیں اور کعبۂ ایمان دونوں
خسروِ علم و عمل بادشہِ اہلِ طریق! — مسندِ فقر کے قیصر و خاقان دونوں
فخرِ دیں حجتہ اسلام محی السنت! — معدنِ علم و حلم ثانی لقمان دونوں
باغِ امدادِ الٰہی کے ہیں وہ سرو رواں! — شمع ہیں نور محمد کے درخشاں دونوں
نہیں تفضیل کا قائل نہ مساوات کا حامل — مجھ سے گمراہ کی ہدایت کو ہیں یکساں دونوں
میرے ہادی مرے مرشد مرے ماوا ملجا — میرے آقا میرے مولا میرے سلطان دونوں
بیکسوں پر شفیق اور غلاموں پہ فدا — عام ہیں سب کے لئے رحمتِ رحماں دونوں
بحرِ زخار ہیں لیکن نہیں ساحل کا پتہ — ابرِ رحمت ہیں مگر ہیں گوہر افشاں دونوں
عاقبت ان کے محبوں کی ہو یار محمود! — اور مخالف کو سدا ذلت و خسراں دونوں

۱؎ ان اشعار کا اقتباس ان قصیدوں سے لیا گیا ہے جو ایک رسالہ مولانا شرف الحق مرحوم نے سائز $\frac{20 \times 30}{16}$ کے بیس صفحات پر چھپوایا تھا۔ اس میں حسب ذیل قصیدے ہیں (۱) چھ قصیدے مولانا سید امیر حمزہ صاحب نے شاہ حاجی امداد اللہ کی شان میں لکھے ہیں۔ (۲) مولانا موصوف نے آخر میں ایک قصیدہ ۱۹۶ اشعار کا مولانا رشید احمد گنگوہی مرحوم کی تعریف میں قلم بند کیا ہے (۳) ایک مولانا محمود الحسن اور مولانا فضل الرحمن صاحب دیوبندی نے دو صد قصیدہ اردو میں مولانا قاسم اور مولانا رشید احمد گنگوہی کو مخاطب کیا ہے

سر سید احمدؒ

سید احمد خاں ۵ ذی الحجہ ۱۲۳۲ھ ، ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے وہ باپ کی طرف سے حسینی سید تھے۔ انکا سلسلہ نسب ۳۶ واسطوں سے آنحضرت صلعم تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ شجرۂ نسب مندرجہ خطبات احمدیہ سے پایا جاتا ہے۔ ان کے سلسلۂ نسب میں سب سے آخر میں امام تقی بن موسٰی رضا علیہ السلام ہیں اور اسی لیے وہ اپنے تئیں تقوی سید کہتے تھے۔

میر ہادی جو کہ سرسید کے دادا تھے ان کو عزیز الدین عالمگیر ثانی نے سنہ ۲ جلوس مطابق ۱۱۶۸ھ میں خطاب جواد علی خاں اور منصب ہزاری ذات پانصد سوار دو اسپہ و سہ اسپہ اور ان کے بھائی سید مہدی کو بھی وہی منصب اور جواد علی خاں کا خطاب ملا تھا۔

ان کی ننھیال خواجہ میر درد کے خاندان سے علاقہ رکھتی تھی۔ انھوں نے پہلے بسم اللہ ہونے کے بعد ایک عورت سے سارا قرآن ناظرہ پڑھا۔ قرآن پڑھنے کے بعد وہ باہر مکتب میں پڑھنے لگے۔ مولوی حمید الدین ایک ذی علم بزرگ ان کے نانا کے ہاں نوکر تھے۔ جنھوں نے ان کے ماموں کو پڑھایا تھا۔ ان سے معمولی کتابیں کریما، خالق باری، آمد نامہ وغیرہ پڑھیں۔ جب مولوی حمید الدین کا انتقال ہوگیا تو اور لوگ پڑھانے پر نوکر ہوتے رہے۔ انھوں نے فارسی میں گلستاں اور ایسی ہی ایک آدھ کتاب سے زیادہ نہیں پڑھی۔ مگر طالب علموں کی طرح نہیں۔ مگر نہایت بے پروائی اور کم توجہی کے ساتھ۔ پھر عربی پڑھنی شروع کی۔ عربی میں شرح ملا، شرح تہذیب، میبذی، مختصر معانی اور مطول دو آنا ، قلت۔ مگر طالب علموں کی طرح نہیں۔ بلکہ نہایت بے پروائی اور کم توجہی کے ساتھ۔ اس کے بعد ان کو اپنے خاندانی علم ریاضی پڑھنے کا شوق ہوا۔ جس میں ان کے ننھیال کے لوگ دہلی میں اپنا مثل نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے ماموں نواب زین العابدین خاں سے حساب کی معمولی درسی کتابیں تحریر اقلیدس کے چند مقالے ہیئات میں شرح چغمنی تک اور ایک آدھ رسالہ متوسطات کا (جو مجسطی سے پہلے پڑھائے جاتے ہیں) پڑھا۔ مگر تمام رسالے متوسطات کے نہیں پڑھے اور نہ مجسطی کے پڑھنے کی نوبت پہنچی۔ کیونکہ آلات رصد کا شوق زیادہ ہوگیا تھا۔ چنانچہ آلات رصد رجندی اور چند رسالے مثل اعمال کرہ، اعمال اصطرلاب وغیرہ اپنے ماموں سے پڑھیں۔ اسی زمانہ میں طب پڑھنے کا شوق ہوا۔ حکیم غلام حیدر خاں سے جو ایک خاندانی حکیم تھے۔ طب کی ابتدائی کتابیں مثل قانونچہ اور موجز وغیرہ پڑھنے کے بعد معالجات سدیدی شرح اسباب اور نفیسی امراض عین تک پڑھی اور چند ماہ تک ان کے پاس مطب بھی کیا۔ پھر پڑھنا چھوڑ دیا۔ جب انھوں نے پڑھنا چھوڑ دیا انکی

کی عمر اس وقت تک اٹھارہ انیس برس کی تھی۔ اس کے بعد مطالعہ کتب کیا۔ اور دہلی میں جو اہل علم فارسی دانی میں نام آور تھے۔ جیسے صہبائی، غالب اور آزردہ وغیرہ، اُن سے ملے اور علمی مجلسوں میں بیٹھنے کا موقع ملا۔ ۱۸۳۶ء میں جبکہ وہ فتحپور سیکری سے بدل کر دلی منصفی پر آ گئے۔ اس وقت انھوں نے کسی قدر تحصیل علم میں ترقی کی۔

سرسید کا عنفوان شباب نہایت زندہ دل اور رنگین صحبتوں میں گزرا تھا۔ وہ راگ رنگ کی محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔ باغوں کی سیر کے لئے دوستوں کے ساتھ جاتے تھے۔ خود ان کے ہاں خواجہ فرید کی قبر پر جو ہر سال(؟) میں جو بسنت کا میلہ ہوتا تھا اس میں وہ اپنے اور بھائیوں کے ساتھ منتظم و مہتمم ہوتے تھے۔

اس زمانہ میں خواجہ محمد اشرف ایک بڑے ولی تھے۔ ان کے گھر پر بسنت کا جلسہ ہوتا تھا۔ شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے۔ نامی نامی طوائف زرد لباس پہن کر وہاں آتی تھیں۔ مکان میں بھی زرد فرش ہوتا تھا۔ دالان کے سامنے ایک چبوترہ تھا۔ اس میں جھڑاں زرد پھول کھلے ہوتے تھے اور طوائف باری باری بیٹھ کر گاتی تھیں۔ بقول مولانا حالی سرسید کہتے تھے میں ہمیشہ وہاں جاتا تھا اور اس جلسہ میں شریک ہوتا تھا۔ سرسید جیسے بڑھاپے میں بذلہ سنج تھے۔ جوانی میں اس سے بھی زیادہ ظرافت اور حاضر جوابی انکی طبیعت میں تھی۔ دلی میں ایک مشہور طوائف شیریں جان نامی نہایت حسین تھی۔ مگر سنا ہے کہ اس کی ماں بھدی اور سانولے رنگ کی تھی۔ ایک مجلس میں جہاں وہ اپنی ماں کے ساتھ مجرے کے لئے آئی تھی، سرسید بھی موجود تھے اور وہیں ان کے ایک قندھاری دوست بھی بیٹھے تھے۔ وہ اس کی ماں کو دیکھ کر بولے۔ "مادرش بسیار تلخ است"۔ سرسید نے یہ مصرع پڑھا۔ "گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد۔"

نوکری

۱۸۳۸ء جبکہ سرسید کے والد نے انتقال کیا۔ انکی عمر بائیس سال کی تھی۔ قلعہ سے ان کے والد کی کئی جگہ سے تنخواہ تھی۔ چونکہ ان کے والد اور راجہ سوہن لال میں اَن بن تھی اور ان کی زندگی میں ہی ان کی تنخواہ میں کاٹ چھانٹ ہونے لگی تھی۔ اب انتقال کے بعد قدرے قلیل تو سرسید کی والدہ کے نام جاری رہا۔ باقی سب تنخواہیں بند ہو گئیں اور چند ملکیتیں جو معافی کی تھیں وہ بسبب حین حیات ہونے کے ضبط ہو گئیں۔ اس لئے سرسید کو نوکری کا خیال پیدا ہوا۔ ان کے خالو مولوی خلیل اللہ اس وقت دہلی میں صدر امین تھے۔ انھوں نے اپنی کچہری میں کام سیکھنے کی اجازت دے دی۔ چند ماہ کے بعد فوج داری کے خفیف مقدمات کے لئے سررشتہ دار مقرر ہو گئے۔ سرسید کو اس کام پر کچھ بہت دن نہ گزرے تھے کہ مسٹر رابرٹ دہلی میں جج ہو کر آ گئے۔ ان سے پہلے سے شناسائی تھی۔ جب دہلی میں آگرہ میں کمشنری کے دفتر میں گئے تو وہاں نائب منشی پر مامور کر دیا۔ ۲۴ر دسمبر ۱۸۴۱ء کو وہ مین پوری میں منصف مقرر ہو گئے۔ اس زمانہ میں سرسید نے جلاء القلوب بذکر المحبوب ۱۲۵۸ھ میں (۲) تحفۂ حسن ۱۲۶۰ھ (۳) تسہیل فی جر الثقیل ۱۸۴۴ء کے تین رسالے طبع کرائے۔

اسی زمانہ میں بہادر شاہ نے سرسید کو اُن کا موروثی خطاب عطا فرمایا۔ ۱۸۴۲ء میں حکیم احسن اللہ خاں نے اُن کے دادا کا خطاب جواد الدولہ لکھ کر پیش کیا تو بادشاہ نے اپنی طرف سے عارف جنگ کا لفظ اضافہ کر کے جواد الدولہ سید احمد خاں عارف جنگ کا خطاب سرسید کو عنایت کیا۔

سرسید کی تنخواہ صرف سو روپے تھی۔ خاندان کا ابا خرچ تھا۔ اس خیال سے سید الاخبار، جو اُن کے بھائی کا تھا۔ اس کو ترقی دینی چاہی کہ تنگی رفع ہو اور اسی کے ساتھ آثار الصنادید لکھنی شروع کی۔ جو ڈیڑھ برس کے اندر چھپ کر تیار ہو گئی۔ اسی زمانہ ۱۸۴۷ء میں مسٹر رابرٹس کلکٹر و مجسٹریٹ شاہجہان آباد ولایت جا رہے تھے وہ ایک نسخہ آثار الصنادید کا ساتھ لے کر گئے۔ وہاں جا کر اس کو رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں پیش کیا۔ ممبران سوسائٹی نے اس کو بے حد پسند کیا۔ لیکن فرمائش کی کہ اس کا ترجمہ انگریزی میں ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ یہ ایڈیشن بھی ۱۸۵۴ء میں چھپ کر تیار ہو گیا۔ مگر نہ اس ایڈیشن سے اور نہ پہلے ایڈیشن سے سرسید کو جیسا کہ خیال تھا، کچھ فائدہ پہنچا۔

دوسرے ایڈیشن کے تمام نسخے غدر میں تلف ہو گئے۔ ۱۸۶۱ء کے زمانہ میں اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کر کے فرانس کے مشہور موسیو گارساں دتاسی نے مشتہر کیا۔ اسی ترجمہ کو دیکھ کر لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے سرسید کو سوسائٹی کا آنریری ممبر مقرر کیا۔

اسی دور میں انھوں نے آثار الصنادید کے علاوہ سات کے قریب رسالے بھی لکھے۔ دہلی سے بجنور تبدیل ہوئے اور تاریخ بجنور تصنیف کی۔ دہلی کے ایام میں ضروری کام کے علاوہ انھوں نے آئین اکبری کی تصحیح بھی کی تھی۔ بجنور میں سرسید نے سوا دو برس گزارے۔ ۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو دہلی میں بغاوت ہوئی۔ ۱۲ر کو یہ خبر بجنور میں پہنچ گئی۔ وہاں اس وقت سرسید بیس یوروپین اور یوریشین عورتوں اور بچوں سمیت تھے۔ سرسید نے اس موقع پر اپنا پہلا فرض یہ قرار دیا کہ جب تک دم میں دم باقی ہے۔ ان بیس جانوں کے بچانے میں جہاں تک ممکن ہو کی جائے۔ جو واقعات اور مصائب وہاں پیش آئے وہ نہایت درد انگیز ہیں۔ بہر حال یوروپین افسروں نے اقرار کیا ہے کہ صرف سرسید کی حسن تدبیر، دانائی اور نیک دلی سے تمام یوروپین اور عیسائی مرد اور عورتیں اور بچے صحیح سالم وہاں سے نکل کر رڑکی میں بھیج دیے گئے۔

غدر میں سرسید نے حکومت کی کافی خدمت کی۔ جس کے صلہ میں گورنمنٹ نے خود ایک خلعت قیمتی ایک ہزار روپیہ اور دو سو روپے ماہوار کی پولٹیکل پنشن دو نسلوں تک مقرر کی۔

اپریل ۱۸۵۸ء میں وہ بجنور سے صدر الصدوری کے عہدہ پر ترقی پا کر مراد آباد گئے۔ وہاں انھوں نے تاریخ سرکشی بجنور لکھی۔ واقعات بیان کرنے میں مذہبی یا قومی تعصبات کو دخل نہیں دیا۔ اس کے بعد سید صاحب نے ایک فارسی مدرسہ ۱۸۵۹ء میں مراد آباد کے اندر قائم کیا۔ یہیں سرسید نے تاریخی رسالہ "اسباب بغاوت ہندوستان" لکھا۔ اس کے بعد رسائل موسوم بہ ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی لکھے۔

اس کتاب کا موضوع یہ قرار دیا تھا کہ اطراف ہندوستان میں جس قدر مسلمانوں نے گورنمنٹ کی خیر خواہیاں اور انگریزوں کی حمایت کے لئے جانبازیاں کی ہیں۔ ان میں سے ہر شخص کا حال مفصل اور مشرح نہایت صحت کے ساتھ قلم بند کیا جائے۔ اور ہر شخص کے متعلق گورنمنٹ حکام اور افسران کی تمام چٹھیاں اور سرٹیفکیٹ بھی بھیجے کہ اس سرگزشت کی ذیل میں نقل کی جاتی ہے اور جو کچھ ان کی خدمات کے صلہ میں گورنمنٹ نے جاگیر یا پنشن یا انعام انعامات وغیرہ عنایت کیا۔ وہ سب بیان کیا جائے۔ چنانچہ اس میں اپنی خاندانی اور خدمات کی تفصیل لکھی اور یہ کو واضح کیا۔

"جن مسلمانوں نے سرکار کی نمک حرامی اور بدخواہی کی میں ان کا طرفدار نہیں ہوں۔ میں اُن سے بہت ناراض ہوں اور ان کو حد سے زیادہ بُرا جانتا ہوں۔ کیونکہ یہ ہنگامہ ایسا تھا کہ مسلمانوں کو اپنے مذہب کی بموجب عیسائیوں کے ساتھ رہنا چاہئے تھا۔ جو اہل کتاب ہمارے مذہبی بھائی ہیں۔ نبیوں پر ایمان لائے ہیں۔ خدا کے دیئے ہوئے احکام اور خدا کی دی ہوئی کتاب اپنے پاس رکھتے ہیں۔ جس کا تصدیق کرنا اور جس پر ایمان لانا ہمارا عین ایمان ہے۔ پس اس ہنگامہ میں جہاں عیسائیوں کا خون گرتا وہیں مسلمانوں کا بھی خون گرنا چاہئے تھا۔ پھر جس نے ایسا نہیں کیا۔ اس نے علاوہ نمک حرامی اور گورنمنٹ کی ناشکری کے جو کسی حال میں جائز نہ تھی۔ اپنے مذہب کے برخلاف کیا۔ اس لئے بلاشبہ وہ اس لائق ہیں کہ زیادہ ان سے ناراض ہوا جائے۔ مگر عموماً اخباروں اور بغاوت کی کتابوں میں جو رائے ان کی نسبت چھاپی جاتی ہے۔ اس میں اور میری رائے میں اتنا فرق ہے کہ جو تمہید اور جو درجہ اور جو منشا کہ وہ لوگ ان کی نسبت منسوب کرتے ہیں۔ میں ان کو قبول نہیں کرتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ میں اپنی رائے کو بہت درستی اور انصاف سے کام میں لایا ہوں۔"

ردِ نصاریٰ

جب ۱۸۵۷ء سے پہلے دہلی و آگرہ وغیرہ میں مشنریوں کے کاروبار زیادہ وسیع طور پہ پھیلنے لگے اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے جابجا مباحثے ہونے لگے۔ اس وقت سرسید کو بھی یہ خیال ہوا تھا کہ اسلام کی حمایت میں مشنریوں کے اعتراضات کے جواب لکھے جائیں چنانچہ غدر سے پہلے بجنور میں انھوں نے کچھ بطور یادداشت کے لکھا بھی تھا اور اپنے بھتیجے سید محمد احمد خاں کو جو اس وقت صغیر سِن تھے۔ جو کچھ لکھتے تھے۔ بطور سبق کے پڑھاتے جاتے تھے۔ دفعتاً غدر ہو گیا۔ اور تمام یادداشتیں جاتی رہیں۔ غدر کے بعد جب اطمینان ہوا تو اس خیال نے دوسری صورت میں ظہور کیا۔ مگر ساتھ ہی یہ ذہن میں آیا کہ اس کام کے لئے اول عیسائی مذہب اور بائیبل کی حقیقت اور اس کی تاریخ اور جو کچھ بائیبل پر موافق مخالف پہلے لکھا گیا ہے۔ اس کی واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے۔ ان تمام باتوں کی تحقیقات اور تصنیف کے لئے بہت کچھ سامان درکار تھا۔ اتفاق سے انھیں دنوں میں غدر کے زمانہ کی چڑھی ہوئی تنخواہوں کا اور

تصنیف کے لئے بہت کچھ سامان درکار تھا ۔ جو اسباب بجنور میں لُٹ گیا تھا ۔ اس کے معاوضہ کا بہت سا روپیہ سرسید کو سرکار سے ملا ۔ اول اول انھوں نے عیسائی مذہب کی تمام ضروری کتابیں بائیبل کی تفسیریں اور لوبی اسٹریں مذہب کی کتابیں بھی خریدیں اور سب لا مذہبوں کی کتابیں جو بائیبل کے خلاف لکھی گئیں تھیں ۔ وہ بھی بہم پہنچائیں ۔ ایک انگریزی خواں ان کو کتابوں کیلئے ضروری مقالات کے ترجمے کرکے سُناتا تھا اور کتب احادیث و تفسیر بہم پہنچانے کے لئے ایک عربی داں عالم کو نوکر رکھا اور بائیبل کے متعلق جو عام واقفیت اور اطلاع مذکورہ بالا ذریعوں سے حاصل ہوئی ۔ اس کو اول دس مقدموں اور دو قسموں میں بیان کیا ۔ اس کے بعد بائیبل کی تفسیر لکھنے اور قرآن حدیث سے اس کی تطبیق کرنے کا ارادہ کیا ۔ مطلب یہ تھا کہ اصول اسلام اور اصول اہل کتاب جہاں تک ممکن ہو مطابقت ثابت کی جائے اور جہاں جہاں اختلاف پایا جائے وہاں اختلاف کی وجہ بیان کی جائے ۔ اسلام کی نسبت جو بدگمانیاں عیسائیوں کو ہیں وہ رفع کی جائیں ان کو بائیبل اور اس کی تفسیروں وغیرہ کے مطالعہ سے اس بات کا یقین ہوگیا تھا کہ بائیبل کی تفسیر بالکل حدیث اور قرآن کے مطابق ہو سکتی ہے ۔

یہ کام بہت مشکل تھا ۔ انھوں نے صرف اس تفسیر کو چھاپنے کے لئے کئی ہزار روپے کا پریس رُڑکی سے منگوایا ، اور اُردو ٹائپ کے علاوہ عبرانی اور انگریزی ٹائپ کے حروف منگوائے ۔ ابھی کام شروع ہونے نہیں پایا تھا کہ ان کی بدلی غازی پور ہوگئی ۔ وہ تمام سامان اپنے ساتھ غازی پور لے گئے ۔ اور وہاں اس کام میں نہایت سرگرمی و توجہ کے ساتھ مصروف ہوگئے ۔

غازی پور میں انھوں نے سالم نام کے ایک یہودی کو نوکر رکھا ۔ اور اس سے عبرانی پڑھنی شروع کی ۔ غازی پور ضلع میں مولوی عنایت رسول چریاکوٹی جو عربی اور عبرانی کے ایک بڑے عالم تھے ، ان کی اعانت سے سرسید کے ارادے کو بھی اور تقویت ہوئی ۔ الغرض عہد عتیق میں سے کتاب پیدائش کے گیارھویں باب تک اور عہد جدید میں سے انجیل متی کے پانچویں باب تک تفسیر اسی التزام کے ساتھ ، جس کا انھوں نے ارادہ کیا تھا ، لکھی گئی اور ساتھ چھپتی بھی گئی ۔ جو کچھ سرسید لکھتے تھے ۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں ایک یوروپین ، جس کو ۱۰۰ روپے تنخواہ دیتے تھے ، ہر روز دو گھنٹے ترجمہ کرتا تھا ۔ وہ ترجمہ بھی اُردو کے ساتھ چھپتا تھا ۔ ایک کالم میں عبرانی توریت کی عبارت عربی خط میں اور اس کا ترجمہ اور انگریزی ترجمہ اس کے نیچے لکھا جاتا تھا ۔ دوسرے کالم میں اسی مضمون کی کوئی آیت قرآنی یا حدیث اور اس کا ترجمہ اردو اور انگریزی اس کے نیچے لکھا جاتا تھا ۔ اس کے بعد تفسیر لکھی جاتی تھی ۔

اس کتاب میں تفسیر شروع کرنے سے پہلے سرسید نے دس مقدمہ ، جن میں اکثر بہت طولانی ہیں ۔ بڑی محنت اور تحقیق و تلاش سے لکھے ۔ جن میں مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے لئے نہایت مفید ، قیمتی اور عمدہ اطلاعیں درج ہیں ۔

خطباتِ احمدیہ

جب سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمدؐ چار جلدوں میں چھپ کر ہندوستان پہنچی جس کی نسبت عیسائیوں میں مشہور تھا کہ اُس نے اسلام کے استقلال میں تسمہ لگا نہیں

رکھا۔

اس وقت سرسید کی بے چینی اور جوش و خروش کا جو حال تھا۔ وہ مولانا حالی فرماتے ہیں۔ ہم نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ غالباً ۱۸۶۸ء میں سائنٹفک سوسائٹی کا سالانہ جلسہ تھا اور دلی سے منشی امیوجان مرحوم اور جہانگیر آباد سے نواب مصطفیٰ خاں مرحوم جو کہ اس وقت تک سوسائٹی کے ممبر تھے۔ علی گڑھ گئے تھے۔ نواب صاحب کے ہمراہ میں بھی گیا تھا۔ گو اس وقت تک میری سرسید سے جان پہچان نہ تھی۔ مگر چونکہ ہم انھیں کی کوٹھی میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ انکے خیالات معلوم کرنے کا اکثر موقع ملتا تھا۔ وہ جب کبھی اور کاموں سے فارغ ہو کر بیٹھتے تھے۔ اکثر سر ولیم میور کی کتاب کا ذکر کیا کرتے تھے اور نہایت افسوس کے ساتھ کہتے تھے کہ اسلام پر حملے ہو رہے ہیں۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں تمام اسلامی کتب خانے برباد ہو گئے ہیں اور جب جن کتابوں کی اس مضمون کے لئے ضرورت ہے۔ وہ یہاں دستیاب نہیں ہو سکتیں تو ان کو ولایت کا خیال ہوا۔ چنانچہ ایک ہی دو برس بعد جب سید محمود کا ولایت جانا طے ہوا تو وہ بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

سرسید کے بعض دوستوں نے اس کتاب کا جواب لکھنے سے باز رکھنا چاہا۔ لیکن انھوں نے اپنا ارادہ فسخ نہیں کیا۔ انھوں نے انڈیا آفس کے کتب خانہ سے کتاب کا جواب لکھنے سے یا۔ برٹش میوزیم کی لائبریری سے بہت سی اطلاعیں حاصل کیں۔ سیر کی عربی کتابیں جو مصر و فرانس اور جرمنی میں چھپی تھیں وہاں سے منگوائیں اور چند لیٹن اور انگریزی کی پرانی کتابیں جو نایاب تھیں، بہت گراں قیمت پر لندن کے بازار سے خریدیں۔ اور شب و روز کی لگاتار محنت سے بارہ ایسے خطبے یا مضمون لکھ کر ایک لائق انگریز سے انگریزی میں ترجمے کرائے اور لندن میں ہی خطبات احمدیہ کے نام سے اس کو چھاپ کر مشتہر کیا۔

اس کتاب کے لکھتے وقت جس قدر جوش سرسید کے دل میں تھا اور جو مالی مشکلات ان کو اس کے شائع کرنے میں پیش آئیں۔ انکا اندازہ اُن کے خطوط سے ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

> ان دنوں ذرا قدرے دل کو سوزش ہے۔ ولیم صاحب کی کتاب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ اس نے دل کو جلا دیا۔ اس کی نا انصافیاں اور تعصبات دیکھ کر دل کباب ہو گیا۔ مصمم ارادہ کیا کہ آنحضرت کی سیرت میں جیسا کہ پہلے سے ارادہ تھا کتاب لکھدی جائے۔ اگر تمام کتاب لکھدی جائے اور میں فقیر بھیک مانگنے کے لائق ہو جاؤں، تو بلا سے۔ میں نے فرانس اور جرمنی سے اور کتاب سیر منگانی شروع کردی ہیں۔ چٹھیاں روانہ ہو گئی ہیں۔ سیرت شامی مطبوعہ اور جدید کتابیں لیٹن کی خریدیں اور ایک آدمی مقرر کر لیا۔ جو لیٹن کا ترجمہ کر کے مضمون بتلا سکے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:۔

> آپ اس خط کے پہنچنے پر میر ظہور حسین کے پاس جائیے اور دونوں صاحب کسی مہاجن سے میرے لئے ہزار روپے قرض لیجئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سرسید اس کتاب کے لکھنے کو مذہبی فرائض میں سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ وہ سید مہدی علیخاں کو لکھتے ہیں :۔

۔ اگر میری یہ کتاب تیار ہوگئی تو میں لندن میں آنا وسل حج کے برابر سمجھوں گا۔ خدا قبول کرے۔

اس کتاب کے بارہ خطبات ہیں۔

پہلے چار خطوط میں تاریخی مقام جبل فاران کے متنازعہ فیہ مسئلہ کا کتب نصاریٰ سے حل کیا ہے اور زمانہ جاہلیت کی کیفیت، اُس دور کے مذاہب صابئین ابراہیم، صالح، اسمٰعیل، شعیب، یہود اور عیسوی کی تاریخ بیان کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عیسائیت کو اسلام نے فائدے پہنچائے ہیں۔

پانچویں خطبے میں مسلمانوں کی مذہبی کتب یعنی کتب حدیث کتب سیر تفاسیر اور کتب فقہ کی تصنیف کا منشا اور غرض اور ڈھنگ بیان کیا ہے۔ چھٹے خطبہ میں مذہب اسلام کی روایت کی کیفیت بتائی ہے۔ ساتویں خطبہ میں قرآن مجید کا نزول اس کی صورتوں اور آیتوں کی ترتیب، اس کی مختلف قرائتیں، آیات ناسخ و منسوخ کی اور اس کے جمع ہونے کا زمانہ بیان ہوا ہے۔ آٹھواں خطبہ کعبہ کے حالات، اس کی تاریخی اور جغرافیائی تحقیقات پر مشتمل ہے۔ نواں خطبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی تحقیقات پر ہے۔ اس خطبہ کے لکھنے کا منشا یہ تھا کہ سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں آنحضرت صلعم کے بنی اسمٰعیل ہونے سے انکار کیا ہے۔ دسواں خطبہ ان بشارتوں کے بیان میں ہے۔ جو توریت و انجیل میں آنحضرت صلعم کے نبی ہونے کی بابت مذکور ہیں۔ گیارھویں خطبہ میں معراج اور شق القمر کی حقیقت پر تحقیق یعنی نئی روشنی کے مطابق عام جمہورِ اسلام کے نظریہ سے بھی اختلاف کرتے ہوئے کی ہے۔ بارھواں خطبہ جو آنحضرت کی ولادت سے بارہ سال کی عمر کے حال معتبر اور صحیح روایتوں سے ثابت ہوتا ہے بیان کیا ہے اور جن کی سر ولیم میور نے اپنی کتاب میں جابجا تعریفیں کی ہیں اس خطبات احمدیہ" پر مولانا حالی مرحوم نے مبسوط تبصرہ کیا ہے۔ جو قابل دید ہے۔

جان ڈیول پورٹ کی کتاب لندن میں سرسید نے جان ڈیول پورٹ کی کتاب" اپالوجی فور محمد اینڈ قرآن" جو انھوں نے عیسائیوں کے برخلاف اسلام کی حمایت میں لکھی تھی، اپنے روپے سے چھپوائی اور اس کی کئی سو جلدیں ہندوستان بھجوائیں۔ یہاں اسکا اردو ترجمہ مولوی عنایت صاحب اور دوسرا مولوی ابوالحسن نے کیا۔

گاڈفری ہگنز کی کتاب انگلستان کے ایک اور ذی وقعت مصنف گاڈفری ہگنز کی جو کسی زمانہ میں مصنف مذکور نے اسلام کی تائید میں لکھی تھی اور اب نایاب ہوگئی تھی۔ ایک جرمن کتاب فروش کی مشہور دوکان سے جہاں ہر زبان کی پرانی اور نایاب کتابیں بکتی ہیں۔ سرسید نے دس گنی قیمت پر لندن میں خریدی۔

اصل مطلب اس کے خریدنے سے یہ تھا کہ خطبات احمدیہ کی تصنیف میں اس سے مدد لی جائے۔ مگر انھوں نے ہندوستان میں اگر ان لوگوں کے لئے جس کو مشنیریوں سے مذہبی گفتگو کرنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ پانچسو روپے خرچ کرکے اس کا اُردو ترجمہ مشہور عالم مولوی محمد احسن مرحوم پروفیسر دہلی کالج سے کرایا۔ جو حمایت الاسلام کے نام سے مشہور ہے۔ شائع ہوئی۔

ابطال غلامی

مسلمانوں پر عیسائی تو یہ طعن کرتے ہیں کہ غلام بنانے کا دستور نصف صدی سے مسلمانوں کے علاوہ اور کسی قوم میں باقی نہیں۔ اس کے جواب میں سرسید نے ایک مبسوط رسالہ ابطالِ غلامی لکھا اور ثابت کیا کہ جس طرح شراب خوری کو بتدریج موقوف کیا گیا۔ اس طرح غلامی کو اسلام میں مسدود کرنے کی بنیاد ڈالی۔ اول طرح طرح سے غلاموں کے آزاد کرنے کی مسلمانوں کو ترغیب دی۔ یہاں تک کہ بردہ آزاد کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جو غلام اپنی قیمت اپنی کمائی سے ادا کرنی چاہیں۔ اُن سے یہ اقرار نامہ لیکر چھوڑ دو۔ جن سے ان کے مالک اس طرح آزاد کرانے کا وعدہ کریں۔ اس کی خیرات یا چندہ سے مدد کرو۔ بیت المال میں سے مکاتب غلاموں کی آزادی کے لئے روپیہ دینا تجویز کیا۔ بعض صورتیں ایسی بتائیں کہ لونڈی غلام بغیر آزاد کئے مالک کے خود بخود آزاد ہو جائیں۔ اسی طرح، طرح طرح کی سبیلیں انکے آزاد کرنے کی نکالیں۔ مالک کو ان کے ساتھ رعایتیں کرنے کی نہایت تاکید کی کہ ان سے زیادہ خدمت نہ لیں۔ انھیں لونڈی غلام کہکر نہ پکاریں۔ انھیں مثل اپنے کھانا کپڑا دیں۔ ان کو ان کے رشتہ داروں سے ہرگز جدا نہ کریں، وغیرہ۔

(سرسید مرحوم کے مکمل حالات اور کتابوں میں تفصیل کے ساتھ چھپ چکے ہیں۔ خاص طور پر حیات جاوید میں پڑھیے۔ ردِ نصاریٰ کے سلسلہ میں ان کی جو خدمات تھیں وہ بیان کر دی گئیں)۔

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب مدظلہٗ

دہلی میں اب چند عالم باعمل اور واعظ جادو بیان ہستیاں رہ گئی ہیں - جن میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی ذات گرامی سبقت رکھتی ہے - آپ مفتی اعظم حضرت العلامہ مولانا محمد کفایت اللہ صاحب کے دست راست ہیں - دہلی کے فسادات کے زمانہ میں اور اس کے بعد امن و امان بحال کرنے میں جو مخلصانہ کوشش کی ہیں وہ تاریخی حیثیت رکھتی ہیں -

آپ جہاں بہترین اہل قلم اور مقرر ہیں وہاں آپ بہترین مناظر اور قادر الکلام شاعر ہیں اور خاص طور پر رد نصاریٰ میں مہارت تامہ رکھتے ہیں - آپ کے بزرگوں کو اکبر نے عرب سے کشمیر میں بلایا تھا - آپ کا عرب کے ایک باعزت خاندان سے سلسلۂ نسب ملتا ہے - شاہجہاں کے زمانہ میں اس کے دعوت دینے پر آپ کے خاندان والے آگرہ آئے اور آگرہ میں کچھ عرصہ رہ کر بادشاہ کی ایماء پر دلی کے کشمیری کٹرہ میں سکونت پذیر ہوئے آپ کے بزرگوں کو مغلوں کے دربار میں خاص رسائی تھی - آپ کے خاندان کو بادشاہ کی طرف سے خواجہ زادہ مغل کا خطاب عطا ہوا تھا - آپ کے دادا خواجہ نواب علی ولیؔ کے مشہور صوفی خدا پرست بزرگ تھے - آپ کے والد ماجد نواب مرزا بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے والے سعادت مند فرزند تھے - ہر وقت یاد الٰہی میں مصروف رہتے تھے -

مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم مولوی عبدالمجید صاحب اور شہزادہ انتظام الدین سے پائی اور علوم دینیہ کی مکمل تکمیل حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب سے فرمائی - آپ اپنے اندازِ خطاب کی وجہ سے ہندوستان میں سحبان الہند کہلاتے ہیں - ۱۹۳۹ء تک آپ جمعیۃ العلماء کے ناظمِ اعلیٰ رہے - کافی مرتبہ جیل گئے - ۱۹۲۲ء میں ایک سال میانوالی جیل ۱۹۳۰ء میں چھ ماہ گجرات جیل اور ۱۹۳۲ء میں ایک سال ملتان جیل میں رہے آپ شروع سے جمعیۃ علماء ہند ہی کے رکن رہے - لیکن جب جمعیۃ العلماء ہند نے آزادیٔ وطن کے لئے برادرانِ وطن سے اشتراک کا فیصلہ کیا تو آپ نے تمام مشترک تحریکات میں حصہ لیا - ایکبار آپ دلی کانگریس کمیٹی کے ڈکٹیٹر کی حیثیت سے بھی گرفتار ہوئے - آپ نے سلطان ابن سعود کے موتمر اسلامی میں بھی جمعیۃ العلماء کے رکن کی حیثیت سے شرکت کی تھی - آپ آج کل جمعیۃ العلماء صوبہ دہلی کے صدر اور جمعیۃ العلماء ہند کے نائب صدر ہیں -

آپ نے دہلی میں پادری احمد مسیح اور دیگر دلی کے پادریوں سے مناظرے کئے ہیں - آپ کے دلائلِ قاطعہ کے سامنے پادریوں کا ٹھہرنا مشکل ہوتا تھا - آپکی حاضر جوابی پادری کو خاموش کرنے پر مجبور کر دیتی تھی - سامعین کی داد

تحسین کی بلند آوازوں میں جواب دینے سے قاصر ہو جاتا تھا۔ مولانا موصوف بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں جنت کی کنجی، دوزخ کا کھٹکا، خدا کی باتیں، تقاریر سیرت، مشہور کتابیں ہیں۔ جو دلی کی ٹکسالی زبان میں ہیں۔

آپ کے چار صاحبزادے ہیں۔ ایک مولانا محمد سعید، جو اُردو بازار میں کتابوں کی تجارت کرتے ہیں۔ آپ نے مدرسہ امینیہ میں تعلیم پائی اور وہیں سے فارغ التحصیل ہونے کی سند لی۔ آپ بھی جیل یاترہ کر چکے ہیں۔ آپ اس سال دلی میونسپل کمیٹی کے ممبر نامزد کئے گئے ہیں۔ والدِ ماجد کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں۔ تقریر کرنے کا ڈھنگ بھی رہا ہے۔ دوسرے صاحبزادے منظہر سعید سیاسی میدان کے مرد ہیں اور وہ بھی جیل جا چکے ہیں۔ انتہائی آزاد منش اور ہر دلعزیز ہیں۔ ان کو دنیاداری چھو کی تک نہیں ہے۔ تیسرے صاحبزادے میونسپل کمیٹی میں ملازم ہیں۔ ماشاء اللہ ہر فرزند سعادتمند ہے۔

مولانا موصوف شاعر ہیں۔ لیکن انکی شاعری تک جیل تک محدود رہی ہے۔ اب کچھ ارشاد نہیں فرماتے۔ جیل میں جو شاعری کی۔ اس کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ اندازہ لگائیے کہ کلام میں کتنی پختگی اور فصاحت و بلاغت بھری ہوئی ہے۔

اپنی جو پرزے پرزے قبا ہو تو جانیئے!
اس طرح کچھ جنوں کا مزا ہو تو جانیئے!

قصے کہانیوں کا بہت شوق ہے اُسے!
محفل میں آج میری کتھا ہو تو جانیئے

کس طرح ہو نجات، کہ طوفان کا زور ہے
کشتی کا ناخدا کوئی ہو تو جانیئے

اٹھا ہے آج ابر بڑی شان سے مگر
میرے لئے بھی ایسی گھٹا ہو تو جانیئے!

ہر چند ہو چکی ہے مصیبت کی انتہا
کہتا ہے دل کہ اس سے سوا ہو تو جانیئے

احسان ترا دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں
طوفان میں بہتا ہوا گھر دیکھ رہے ہیں!

ہر پارۂ دل پر تری صورت ہے منقش
یاقوت کے ٹکڑوں میں گہر دیکھ رہے ہیں

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی

مولانا عبدالحلیم نسلاً شیخ ہاشمی وعباسی ہیں اور سلسلہ امین الرشید سے ملتا ہے۔ اُنکا خاندان دولتِ عباسیہ کے عہد میں عرب سے آکر عراق میں آباد ہوا۔ پھر ارضِ عراق چھوڑ کر ہرات میں آیا۔ اس کے بعد سلطنت محمد تغلق کے عہد میں ہندوستان میں اترا اور سلطنتِ مغلیہ کے دور میں اس کا تعلق اور رسوخ دربارِ شاہی سے ہوا۔ مولانا کے پردادا مولوی نظام الدین، کُرسی کے خطیب مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ خاندان لکھنؤ آگیا۔ یہاں مولانا کے والد حکیم تفضل حسین کی شادی قریبی رشتہ دار منشی فخرالدین کی صاحبزادی سے ہوگئی جو امجد علی شاہ اور واجد علی شاہ کے عہد میں ایک معزز خدمت پر مامور تھے۔

مولانا شرر ۱۸۶۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں اپنے نانا کے بھائی مولوی محمد حفیظ الدین سے حافظ الٰہی بخش اور اپنے والد بزرگوار شاہزادہ مرزا جہاں قدر اور سید حیدر طباطبائی سے ابتدائی کتابیں شرح وقایہ تک پڑھیں۔ مولوی محمد حیدر سے انگریزی اور حکیم محمد مسیح سے طب اور کتب درسیہ مولوی عبدالحئی سے پڑھیں اور مولوی سید نذیر حسین صاحب محدث سے صحاح ستہ ختم کیں۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش ہوئی۔ اودھ اخبار میں آپ نے مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ کچھ عرصہ آپ نے اس میں مضامین لکھنے کے بعد ملازمت اختیار کرلی۔ چنانچہ آپ اس کے اسسٹنٹ ایڈیٹر بنا دیے گئے۔

آپ کے مضامین نے ملک میں ہر طرف شہرت حاصل کی اور بڑے بڑے لکھنے والے حیرت میں رہ گئے۔ چنانچہ سرسید مرحوم تک نے اودھ اخبار کے مالک منشی نول کشور کو مولانا کے مضمون "روح" کی تعریف لکھکر بھیجی اور خواہش کی کہ یہ مضمون بہت مفید ہے۔ اپنی تفسیر میں اس کے چند خیالات لینا چاہتا ہوں۔" اس کے بعد مولانا نے "محشر" میں مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اسی اثنا میں آپ ناول نگاری کی طرف متوجہ ہوئے۔ پہلا ناول دلچسپ لکھا۔ جو مقبول ہوا۔ دوسرے درگیش نندنی نے بھی مقبولیت کو اور چار چاند لگائے۔ جس کی وجہ سے مولوی بشیرالدین صاحب مالک ایڈیٹر بشیر اٹاوہ آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ رسالہ دلگداز شائع کریں۔

جہادِ آزادی کے روشن چراغ

المعروف،

فرنگیوں کا جال

امداد صابری

قیمت قسمِ اعلیٰ پینتس ۳۵ روپے۔ قیمت قسم دوئم پچیس ۲۵ روپے

جہادِ آزادی کے رُوشن چراغ

المعروف،

فرنگیوں کا جال

امداد صابری

قیمت: قسمِ اعلیٰ پینتیس ۳۵ روپے۔ قیمت قسم دوئم پچیس ۲۵ روپے

آپ کے لیے ۷۵/ روپے ماہوار کا علمی وظیفہ مقرر کیا۔ ۱۳۰۹ھ میں جب مولانا حالی علیگڑھ ڈیپوٹیشن کے ساتھ (جس کو سرسید کی سرکردگی حاصل تھی) حیدرآباد گئے۔ اس وقت آپکا وظیفہ پچھتر روپے کے بجائے سو روپے مقرر کردیا گیا۔

غالب کا نام اردو شعراء کی فہرست میں "فلسفی شاعر" کے لقب سے لکھا جاتا ہے۔ غالب جیسے مردم شناس کی جب مولانا حالی پر نظر پڑی تو تاڑ گئے اور مولانا سے مخاطب ہوئے کہ "اگر تم شعر نہ کہو گے تو ظلم کروگے" غالب کا کہنا غلط نہ ہوا۔ شعر کہنا شروع کیا اور حضرت غالب کے شاگرد ہوئے۔ ابتداء میں آپ نے نواب شیفتہ سے اصلاح لی۔ جب شیفتہ غالب سے اصلاح لینے لگے تو آپ نے بھی ان کی تقلید کی اور غالب سے اصلاح لینی شروع کردی۔

مولانا اپنے طرز کے موجد، نیچرل اور قومی شاعری کے مجدد مانے جاتے ہیں۔ اس اعتبار سے انکا مرتبہ شعرائے اردو میں وہی ہے جو انگریزی میں گولڈ اسمتھ کا ہے۔ جس نے شاعری کو فضول گوئی اور مبالغہ آمیزی سے پاک کیا۔ اور حقیقت گوئی اختیار کی۔

کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر تعلیمات کو اردو سے بہت محبت تھی انھوں نے مشرقی علوم وفنون کو جو فروغ دیا ہے اس احسان کا بدلہ ہندوستان نہیں اتار سکتا۔ آپ نے ایک مجلسِ مشاعرہ بھی قائم کی تھی۔ اس میں جدت یہ تھی کہ بجائے مصرعہ طرح دینے کے ایک خاص عنوان شعراء کی طبع آزمائی کے لئے دیا جاتا تھا۔ مولانا آزاد نے بھی سب سے پہلے اسی گلشن میں جدت طرازی کے نغمے سُنائے تھے اور مولانا حالی کی نظمیں "برکھا"۔ "نشاطِ امید"۔ "مناظرہ رحم و انصاف"۔ "حبِ وطن" وغیرہ اسی مشاعرہ میں پڑھی گئی تھیں۔

ردِ نصاریٰ مولانا حالی کے علمی کارناموں میں، جن کا تعلق ان کی عمر کے اولیں حصہ سے ہے۔ ان کی دو کتابیں ہیں۔ جو قابلِ ذکر ہیں ۱۸۶۸ء (۱۲۸۵ھ) میں تریاقِ مسموم، انکے ہم وطن پادری عماد الدین کی "ہدایت المسلمین" کے جواب میں لکھی گئی۔ دوسری تصنیف ایک رسالہ پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے"۔ یہ کتاب ۱۸۷۲ء (۱۲۸۹ھ) کے بعد کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب مولوی خواجہ غلام الحسنین کے کتب خانہ میں ہے جو کہ نایاب ہے۔ اس میں پادریوں فلسفی اور غیر یوروپین کی رائے جو انھوں نے آنحضرت کے بارے میں دی ہے۔ اُسے نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا ہے۔

اسی طرح آپ نے تعلیم نسواں پر ایک کتاب لکھی۔ جس کے صلہ میں آپکو گورنمنٹ نے چار سو روپے انعام دیا۔ یہ کتاب پنجاب کے کورس میں داخل ہوچکی ہے۔ آپنے ان دو کتابوں کے علاوہ فرانسیسی زبان کی ایک کتاب "طبقات الارض" جس کا ترجمہ عربی میں مصر کے ایک عالم نے کیا تھا، آپ نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا۔ اس کے علاوہ مولانا کی مذکورہ تصانیف ہیں۔

(۱) حیاتِ سعدی (۲) مُسدّس حالی (۳) دیوانِ حالی اردو (۴) دیوان حالی فارسی (۵) یادگارِ غالب (۶) حیات جاوید (۷) سوانح عمری حکیم ناصر خسرو علوی (۸) مقدمہ شعر و شاعری (۹) مضامین حالی (۱۰) شکوہ ہند (۱۱) مثنوی تعصب و انصاف (۱۲) مثنوی رحم و انصاف (۱۳) مثنوی کلمۃ الحق (۱۴) قطعات (۱۵) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مع نمونۂ نثر فارسی (۱۶) مثنوی مناجات بیوہ۔

اخلاق و عادات کے اعتبار سے مولٰنا حالی ایک کامل انسان اور ایک صاف باطن ولی ہیں۔ کسی کی برائی ان کی زبان پر نہیں آتی تھی۔ ہر شخص کے عیب کی پردہ پوشی فرماتے تھے۔ عزیزوں پر جان چھڑکتے تھے۔ غریبوں کے بہی خواہ اور مددگار تھے۔ مذہبی معاملات میں غیر متعصب تھے۔ ان کے والدین شیعہ تھے۔ لیکن اساتذہ سنت والجماعت تھے۔ مسلمانوں کے اختلافات کو وہ نہایت مکروہ سمجھتے تھے۔ مروت و فیاضی میں اعتدال برتتے تھے۔

آپ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء کو انتقال فرما گئے۔

تاریخ وفات جناب مولوی محمد ارتضیٰ علی صاحب شررؔ علوی نے کہی ہے

سوگ تھا شبلی کا پائی حالی نے وفات — آج دُنیائے ادب خالی ہوئی صد حیف
ہے شررؔ مصرعۂ تاریخ کہا بے ساختہ — بعد شبلی رحلت حالی ہوئی صد حیف
۱۳۳۳

فارسی میں دوسری تاریخ قریشی علی میراں شاہ پلیڈر شاہ پوری نے فرمائی۔ ے

حالی چوں لقمان مقالش آمد — مشہور جہاں فضل کمالش آمد
الطاف حسین رحمت و والعزت — مغفور آید وسال وصالش آمد
۱۳۳۳

تیسری تاریخ شمس العلماء خان بہادر نواب عزیز جنگ بہادر نے قلم بند کی۔ ے

زمنزل طارم جناں یافت ۱۳۳۳ از الطاف حسین حالی
شد مور ور لطف عقل قدس ۱۹۱۴ از الطاف حسین حالی

چوتھی تاریخ دلگیر اکبر آبادی نے کہی ہے۔ جو سب سے زیادہ پسند کے قابل ہے۔

زباں مسوس ہے تنگ بالکل خموش صحرا ہے باغ دہلی
نہ کوئی ساقی نہ مئے باقی وہ گرمئی بزم داغ تک تھی — کباب کیسے شراب کیسی پڑا ہے خالی ایاغ دہلی
گرتھی پھر بھی تو کچھ کچھ کر شمع ریتی تھی دُود کچھ کچھ — اٹھے جو حالی صدا یہ آئی ”ہوا ہے اب گل چراغ دہلی
۱۳۳۳

(حیاتِ حالی از سید محمد فاروق)

مولانا الحاج غلام محمد راندیری

جناب غلام محمد صاحب راندیری کے رہنے والے تھے۔ آپکے والدِ ماجد حافظ صادق صاحب تھے۔ غلام محمد صاحب نے علوم دینی کی تحصیل ہندوستان کے مختلف شہروں دہلی، دیوبند، کانپور اور میرٹھ وغیرہ میں کی۔ آپ علماء ماہرین کاملین کی تلاش میں رہتے تھے۔ جہاں اہل کمال کا پتہ معلوم ہوتا۔ اس کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرتے تھے۔

آپ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے تلامذہ میں تھے۔ جب آپ راندیر تشریف لاتے تو مولانا غلام محمد صاحب کے ہاں مقیم ہوتے تھے۔ آپکو قدرت نے ذہنِ رسا عطا فرمایا تھا۔ تمام علوم میں آپکو کمال دستگاہ حاصل تھی۔ مسائلِ فقہ میں نہایت وسیع نظر رکھتے تھے۔ باوجود ان کمالات کے طبیعت میں سادگی تھی۔ انتہائی متقی اور پرہیزگار انسان تھے۔ صاف گوئی آپ کا وصف تھا۔ نہایت بلند ہمت، کریم النفس تھے۔

آپ حضرت مرشدِ کامل مولانا شاہ امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے اور آپکے خلفاء میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے تھے۔ مولانا بھی آپکی طرف خاص التفات فرماتے تھے۔ آپ دن میں دینی خدمات انجام دیتے تھے اور رات کو ریاضت و مجاہدہ عبادات میں گزارتے تھے۔ محنت وجفاکشی اور مشقت سے نہیں گھبراتے تھے۔ ہر نیک کام میں دوسروں سے آگے آگے رہتے تھے۔ لوگوں کے عقائد درست کرنے پر خاص توجہ فرماتے تھے اور اس کے لئے تدبیریں سوچتے تھے۔

عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مقابلہ و مناظرہ کرنے کا آپکو خاص شوق تھا اس میں آپکو بڑی مہارت حاصل تھی بڑے بڑے پادری اور پنڈت آپ سے مناظرہ کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ آپ نے امام المناظر حضرت مولانا رحمت اللہ مغفور کی مشہور تصنیف "اظہار الحق" کا ترجمہ گجراتی اور انگریزی زبانوں میں کیا ہے۔ انگریزی ترجمہ نایاب ہے لیکن میرے والدِ ماجد مولانا شرف الحق صاحب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

گجرات کے مسلمانوں پر آپ نے جو دینی احسانات کئے ہیں وہ ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ نے فقہ کی بہت سی کتابوں کا گجراتی زبان میں ترجمہ کرکے چھپوایا ہے۔ گجرات کے لوگوں کے عقائد اور اعمال کی اصلاح اور درستی مولانا کے گجراتی تراجم کی بدولت ہی ہوئی ہے۔ آپ دینی خدمات میں نہایت اخلاص وشوق کے ساتھ دن رات مصروف رہتے تھے۔ آپکی تالیفات کی مختصر فہرست یہ ہے۔

(۱) مشارق الانوار کا گجراتی ترجمہ تین جلدوں میں
(۲) تحفۃ الہند کا گجراتی اور انگریزی ترجمہ
(۳) تقویۃ الایمان کا گجراتی ترجمہ
(۴) ستیارتھ پرکاش رد گجراتی اور انگریزی زبان میں
(۵) بہشتی زیور کامل کا گجراتی ترجمہ۔
(۶) راہ نجات کا گجراتی ترجمہ۔
(۷) زبدۃ المناسک کا گجراتی ترجمہ
(۸) حقیقتِ جہاد گجراتی۔
(۹) مالابد کا گجراتی ترجمہ
(۱۰) نصیحۃ المسلمین کا گجراتی ترجمہ۔
(۱۱) نورِ ہدایت گجراتی۔
(۱۲) اصلاح الخیال کا گجراتی ترجمہ
(۱۳) الوعظ۔ اردو
(۱۴) ازالۃ الریب فی علم الغیب اردو

قرآن پاک کے گجراتی ترجمہ کرنے کی آپکی بڑی آرزو تھی۔ آپکی اس آرزو کو آپ کے صاحبزادے عبدالرحیم صادق رانڈیری نے پورا کیا۔ یہ گجراتی ترجمہ شائع ہوچکا ہے اور بے حد مقبول ہے۔

۲۷ مارچ ۱۹۱۶ء کو جمعہ کا دن تھا۔ آپ جمعہ کی نماز پڑھنے گئے اور نماز پڑھ کے واپسی پر بچوں کے لئے آئسکریم خریدی۔ مکان پر تشریف لائے۔ خاندان والوں کو کھلائی اور خود بھی دو چار چمچے نوش فرمائے۔ برف کھاتے ہی آپکے تمام بدن پر پسینہ آگیا تو لیٹ گئے۔ فرمایا۔ بس اب میرا وقت آخر ہے۔ یہ کہکر اللہ کی طرف لو لگائی اور سفرِ آخرت کے لئے تیار ہوگئے۔ برابر کلمہ پڑھتے رہے۔ اور تقریباً ۵۳ سال کی عمر میں انتقال فرماگئے [1]

---

[1] ابلاغ بمبئی کا تعلیمی نمبر، مضمون مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب۔

مولانا سیّد امیر حسن محدث

محدث صاحب ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں تعلیم کی طرف رجحان نہ تھا۔ شادی کے بعد خیال ہوا کہ علم حاصل کیا جائے۔ سہسوان سے نکل کر علیگڑھ کا راستہ لیا۔ وہاں علامہ محمد عبدالجلیل مجاہد اسرائیلی کی نظرِ انتخاب آپ پر پڑی۔ انھوں نے وقائع علوم کی راہیں کھولیں۔ تحصیل علم فرخ آباد میں مولوی بشیر الدین قنوجی اور لکھنؤ میں ابوالبرکات مولانا تراب علی فرنگی محلی سے کیا۔ اس سے پیاس نہ بجھی تو دہلی کا رُخ کیا اور مولانا مفتی صدر الدین کے حلقۂ درس سے استفادہ فرما کر شیخ الحدیث مولانا شاہ سید نذیر حسین اور مولانا شاہ عبدالغنی محدث مجددی اور مولانا شیخ عبدالحق بنارسی کی خدمت میں کتب صحاح کی سند حاصل کی۔

علم سے [illegible] کے بعد آپ نے علم کو پھیلانے کے لئے قدم اٹھایا۔ دہلی کے تجار و رؤسا کے اصرار پر آپ نے دہلی میں قیام کیا اور ارباب عمل سے تحریری و تقریری مباحثے کئے۔ جس میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں۔ آپ کو دوسرے مذاہب کے لوگوں کی کتابوں پر مکمل واقفیت حاصل تھی۔ قوتِ حافظہ کمال کا تھا۔ خوش بیان اس بلا کے بڑے بڑے سنگدل لوگوں کو مسخر کر لیتے تھے۔

مخالفین بھی آپ کے مواعظ دلچسپی سے سنتے تھے اور اپنے عقیدوں سے تائب ہو جاتے تھے۔ دہلی کی شہرت اور علم و فضل کا چرچا ہندوستان کے کونہ کونہ میں پھیل رہا تھا۔ میرٹھ کے علم دوست تجار جو دینی خدمات میں دلچسپی لینے میں پیش پیش تھے اور رئیس علی الخصوص رئیس تجار باوقار شیخ الٰہی مرحوم نے آپکو میرٹھ لے جانے اور مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کی استدعا کی۔ چنانچہ علم و فضل کو پھیلانے کا شیدائی تیار ہوگیا۔ اس کی دل کی مراد پوری ہوئی۔ خود اپنے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا اور اپنی ہی نگرانی و حفاظت میں مدرسہ چلانا شروع کر دیا۔ آپ اپنے ہمراہ ایک گروہ علم کو فروغ دینے والے حضرات کا میرٹھ سے لے گئے تھے۔ آپ نے اور ان حضرات نے انہماک سے کام کیا۔ نتیجہ شاندار نکلا۔ چنانچہ کچھ سالوں کے بعد رئیس الفضلاء مولانا حاجی سید عبدالباری، مولانا سید محمد نذیر، مولانا سید حاجی سبط احمد اور شمس العلماء مولانا سید امیر احمد جیسی ہستیاں فارغ التحصیل ہوئیں اور علماء زمانہ اور فخرِ دوراں ثابت ہوئے۔

آخر زمانہ میں میرٹھ کے مدرسہ کا انتظام بانیوں کے ہاتھ میں دیکر پابندی سے آزاد ہوگئے۔ میرٹھ میں کم اور علیگڑھ نیز وطن میں زیادہ قیام فرماتے تھے۔ وطن میں قرأۃ و حدیث کا درس اور خاص طور پر مناظرہ میں اپنا وقت صرف کرتے۔ مسجد غلام علی شاہ میں روزانہ درس ہوتا اور ہر جمعہ کو آپ صرف وعظ فرماتے اور جو بھی

عیسائی آتا۔ اس سے نہایت نرمی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس کے ہی مذہبی رنگ میں خیالات پیش کرتے اور تشفی کر دیتے۔ پادری ہاسکن جو بڑے محقق اور نصاریٰ کے مشہور مشنری تھے۔ ان سے بارہا بحث ہوئی۔ ان کو بھی آپ کی وسعت نظر اور تحقیق مذاہب کا اعتراف تھا۔ مصنف حیات العلماء کا کہنا ہے کہ۔

"پادری اسکاٹ نے جب ولایت میں آپکے انتقال کی خبر سنی تو انگلستان کے ایک مشہور انگریزی اخبار میں آپ کے متعلق طویل مضمون شائع کیا۔ جس میں آپکی علمی تحقیق فضیلت قوت کو دلائل و واقعات سے ثابت کرکے علماء ہند کا بے مثل و یکتا عالم تسلیم کیا۔"

یہ دور جہاں رد نصاریٰ کا تھا وہاں شیعہ حضرات کی بھی تردید کی جاتی تھی اور سنی شیعہ کے علماء کرام باہمی مناظرے کرتے تھے۔ ان مناظروں میں زیادہ شغف رؤسا اور امراء کا لیا جاتا تھا اور دلچسپ اکھاڑے لگا تا تھا۔ انگریزوں اور نصرانیوں کی مخالفت نہیں کرسکتا تھا۔ آقائے نامدار کا خوف تھا۔ اس لئے سرمایے کے زور پر ڈرپوک اور خوشامد پسند علماء کے طبقوں کی کشتیاں کراتا تھا۔ چنانچہ جب ریاست حیدرآباد دکن میں کتب شیعہ کی تردید جواب نویسی کا انتظام درپیش ہوا۔ اور والئی دکن نے ملک المناظرین حضرت مولانا سید رفیق آباد و تلمیذ رشید مولانا عبد العزیز محدث دہلوی مصنف منتہی الکلام اور ازالۃ الغین کو اس کا مہتمم بنایا تو آپ نے حضرت مولانا کو چار سو روپیہ ماہوار اور آئندہ ہزار روپے ماہوار تنخواہ کے وعدہ پر طلب کیا۔ احباب نے بھی ترغیب دی۔ آپ نے کہا کہ میں تقرب امراء اور عیش و تنعم اختیار کرنا نہیں چاہتا۔ ایک دیندار عالم کے لئے اس سے بڑھ کر فتنہ نہیں ہے۔

آخر میں آپکا رجحان عبادت اور ریاضت نفس کی طرف منتقل ہوگیا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ رحیم اللہ خاں سنبھلی خلیفہ و مرید حضرت خواجہ سید آل احمد شاہ سہسوانی کی خدمت میں سنبھل گئے۔ عام طریقہ پر اگرچہ مرید نہیں ہوئے۔ لیکن خاص تلب تحسین و ارادت چند روز مستفید رہے۔ واپس ہوئے تو شیخ کے کمال و کرامات کے بے حد مداح تھے۔ اسی حالت میں علیگڑھ تشریف لے گئے۔ اور وہیں معمولی ناسازی کے بعد دوشنبہ ۱۱ صفر المظفر ۱۲۹۱ھ کو انتقال فرماگئے۔

مولانا سید اعجاز احمد سلمہٗ نے آیت پاک "ورحمۃ ربک خیر" سے تاریخ وفات کہی۔

حیوۃ العلماء از مولانا سید محمد عبد الباقی سہسوانی

مولانا سیّد محمد عبدالباری

سیّد صاحب سنہ ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدّ امجد سید شاہ نظر محمد نقوی سہسوان کے مشہور عالم و بزرگ تھے۔ شاہ صاحب کے صاحبزادے مفتی سید احمد تھے۔ جنھوں نے شرح مسلم قاضی محمد مبارک اور بہشت بازغہ پر تعلیقات حواشی لکھے۔ ایک مثنوی گلشن عشق برنگ یوسف زلیخا نامی تصنیف کی۔

شاہ صاحب کے دوسرے صاحبزادے باری صاحب کے دادا آل احمد شاہ تھے۔ خصوص الحکم معہ شرح شیخ محب اللہ الہ آبادی ونقد النصوص مولٰنا جامی کی شرح بزبان عربی البیان المرصوص آپ کی ہی تصنیف ہے۔ آپ کی علم و فضیلت کا سکہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں تھا۔ ہزاروں علماء ہند نے آپ سے تلمذ حاصل کیا۔ آپکی تمام عمر درس وتدریس میں گزری۔

باری صاحب کے والدِ ماجد سراج احمد صاحب نقوی قصبہ کاکوری کے تحصیلدار تھے۔ آپ کو وکالت کی ترغیب اودھ کے ایک مجسٹریٹ نے کی اور ساتھ ہی وکالت کی سند بھی دی۔ تقریباً دو سال تک آپکا وکالت کا شغل رہا۔ سنہ ۱۲۷۲ھ میں حکام کی بیدادگری سے حکومت ہند کو مطلع کرنے کے بعد اور اصلاح کی اُمید نہ پاکر استعفٰی دے دیا۔ آپ نے بچپن کا بڑا حصّہ لکھنؤ وکاکوری میں گزارا۔ والد ماجد کے ساتھ وطن میں آنے کے بعد تعلیم پر توجہ دی۔ قوت حافظہ اور درک قابلِ رشک تھی۔ اس لئے صرف ونحو ومنطق وعربیت تھوڑی سی مدت میں حاصل کرلی۔ ابھی بارہ سال کی عمر ہی گزری تھی کہ پدرِ بزرگوار کا سایۂ عاطفت سر سے اُٹھ گیا۔ اور ذمہ داری کا بوجھ پڑگیا۔ لیکن آپنے اکتسابِ علم کا ارادہ ترک نہیں کیا۔ حضرت والدہ ماجدہ چھوٹے بھائی بہنوں کو تسلی وتشفی دیکر مولٰنا سید امیر حسن رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ وہ آپ کو میرٹھ لے گئے۔ جہاں چند سال علم کی تکمیل کی۔ مصنفات ابن تیمیہ شاہ ولی اللہ اور علامہ شوکانی اور حافظ اسقلانی پر پورا عبور تھا۔ تفسیر امام رازی گویا ازبر تھی۔ آپ اوائل عمر سے نڈر اور بے خوف تھے۔ کسی حاکم یا امیر کا رعب نہیں مانتے تھے۔ قوتِ تقریر میں یگانہ تھے۔ اس لئے اکثر مجالس و وعظ ومناظرہ میں حضرت آپکو فخر سے پیش کرتے تھے۔ اور آپ اپنا فرض خوبی سے انجام دیتے تھے۔

اسی نوعمری کے زمانہ میں آپ نے رسالہ ہدایۃ المسلمین ردشرک وبدعات تصنیف فرمایا جس کو میرٹھ کے امراء نے طبع کرایا۔ پھر آپ حضرت مولٰنا سے اجازت لیکر دہلی تشریف لے گئے اور اپنے استاذ الاستاذ شیخ الکل مولٰنا شاہ نذیر حسین محدّث سے کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ سُنا کر سند لی۔

حاجی علی جان صاحب دہلی کے مشہور معزز تاجر نے آپ سے قیام دہلی کی خواہش کی۔ چنانچہ ۵ ماہ وہاں قیام فرمایا۔ طلبار کو درس دیا اور شہر میں جابجا مجالس وعظ منعقد ہوئیں۔ بعض سربر آوردہ مسلمانوں کے اصرار سے آپ نے مسیحی پادریوں سے مناظرہ کیا اور مجمع عام میں ان کو شکست دی۔ کتب نصاریٰ پر آپ کی نظر وسیع تھی اور انکے مضامین پر مکمل عبور تھا۔ زبردست تردید کی۔ جسپر مسیحی علمار نے اپنی مغلوبیت کا اعتراف کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے وطن واپس آگئے۔ حضرت تاج الاولیار محمد تاج الدین حق رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی دختر کے ساتھ آپ کا عقد فرمایا پھر آپ بدایوں تشریف لے گئے۔ مدرسہ میں طلبہ کو علوم کا درس دیا۔

مدرسہ سے فارغ ہو کر آپ ردِ نصاریٰ وغیرہ میں مشغول ہو گئے۔ مشہور پادری ہاسکن سے تبادلۂ خیالات ہوا۔ آپ نے اس پادری سے عبرانی سیکھی، اور اس نے آپ سے عربی زبان کی تحصیل کی اور بحیثیت ضرورت کتب دین مسیحی کا مطالعہ کیا۔ آپ مناظروں میں تعصب و نفسانیت کو بہت بڑا عیب سمجھتے تھے۔

معاش کے لئے آپ جونپور کے مولوی حکیم محمد انور علی لکھنوی محشی کتب درسیہ (مصنف انوار الحواشی وغیرہ) سے آپ کا ربط ضبط زیادہ رہا۔ جس میں بعض اوقات فرصت میں آپ نے ان سے فن طب کے مسائل اور بعض مقامات مشکلہ اور مصطلحات طبیہ کلمات قانون شیخ الرئیس زبانی استفادہ فرماتے۔ اس کے بعد آگرہ میں عربی مدرسہ سرکاری میں ملازم ہوگئے۔ کئی سال وہاں تعلیم دی۔ ادب اور ریاضیات آپ کو تفویض ہوئی۔ حساب ہندسہ ہیئت میں آپ کو کامل دستگاہ تھی۔

اُس وقت آگرہ میں مسیحی پادریوں کا بڑا زور تھا۔ وہ عوام و خواص سے ہر موقع پر بحث کرتے تھے۔ آپ نے وہاں پہنچکر دینِ نصاریٰ کی تردید اور حقانیت اسلام پر پُر زور تقریریں کیں۔ اسپر پادری مناظرہ کے لئے تیار ہوئے اور مسیحی عالم پادری عماد الدین اس دور کا خاص پروپیگنڈسٹ تھا۔ انکے مناظرہ کے لئے منتخب ہوا۔ پادری ڈیو صاحب پرنسپل مشن کالج اس کے منتظم تھے۔ شرائط مباحثہ و انعقاد جلسہ انھیں کے ذریعہ طے ہوا۔ اور یوم موعود پر عمائد شہر ہندو مسلمان وعیسائی، حکام وقت امرار غربا شریک جلسہ ہوئے۔ باتفاق حاضرین کے اصرار پر مولنا نے تقریر کی۔

جوابی تقریر کا پادری صاحب سے تقاضہ کیا۔ مگر تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد پادری عماد الدین نے تقریری جواب کو فتنہ فساد کا موجب کہکر رخصت مانگی اور تحریری بحث کا اظہار کیا۔ اسی صورت میں جلسہ برخاست کیا گیا۔ پادریوں کے اس بے محل گریز سے تمام عیسائیوں کے دل بیٹھ گئے۔ اور ایک مدت تک انکی تقریروں کا بازار سرد ہوگیا۔ اس واقعہ کے مفصل حالات رسالہ فتح المبین علیٰ اعداء الدین مطبوعہ آگرہ ۱۲۹۴ھ میں درج ہیں۔

۱۸۷۷ء میں جبکہ روم اور روس کی جنگ ہو رہی تھی۔ آپ نے ترک سلطنت کی امداد کے لئے جابجا وعظ کہے دیہات میں دورہ کیا۔ لوگوں کو امداد کی ترغیب دی۔ جس سے ایک کثیر چندہ ترکی کو روانہ کیا گیا۔ مجاہدین کا جتھہ بھی بھیجا گیا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد لکھنؤ مولنا محمد عبد الحئی سے تعلقات ہونے کی وجہ سے فرنگی محل میں مقیم ہوئے

اتفاقاً منشی نولکشور سی ۔ آئی ۔ ایس سے ملاقات ہوئی ۔ انھوں نے آپکو مطبع میں تصحیح کتب عربی و فارسی کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ۔ یہاں آپ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے ۔ ملازمت سے مستعفی ہوکر لکھنؤ تشریف لے گئے ۔ وہاں ردِ نصاریٰ میں مصروف ہو گئے ۔ تبادلۂ خیالات ہونے پر ایک معزز نامور انگریز جوزف مائلِ اسلام ہوا ۔ ۱۲۹۵ھ میں آپ بھوپال پہنچے ۔ نواب بھوپال نے آپ کو اپنا متوسل و مشیر و ندیم اور معتمد ریاست مقرر کیا ۔ مباحثِ علمی میں جس طرح طاق تھے ۔ اسی طرح امور نظم و نسق ملکی میں جرأت کے ساتھ رائے دینے میں آزاد تھے ۔ اسی ملازمت پر آپ آخری عمر تک مامور رہے ۔

۱۳۰۲ھ میں آپ حج کے لئے تشریف لے گئے ۔ دوسرے سال ۱۳۰۳ھ میں تیرہ دن صاحبِ فراش رہنے کے بعد ماہ ذیقعدہ میں خاص یوم الحج پنجشنبہ کو بعد نماز مغرب آغازِ شب جمعہ میں عالمِ فانی سے رحلت فرما گئے ۔ مولوی سید اعجاز احمد نے آیتہ شریفہ وحلوا اساورہ من فضہ سے بصنعت ملفوظی یعنی بعد اسقاط الف جمیع تاریخ وفات مستنبط کی ۔ مولنا محمد سورتی نے دوخل الجنۃ بلاحساب تارکا اخراج کیا ۔ مولنا ذوالفقار نے " امیر المتقین مولنا سید اعبد الباری " تاریخ لکھی ۔ ۱۳۰۳ھ

(حیات العلماء ۸۸)

تصنیف آپ کی ضخیم ، بے مثل و بے نظیر تصنیف اعلام الاخبار والاعلام ان الدین عند اللہ الاسلام ہے ۔ جس میں تنقیدی اصول پر غیر مذاہب کو باطل اور اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے ۔

(حیات العلماء ۸۰ تا ۹۰)

مولوی محمد علی تحصیلدار

بچھراؤں ضلع مرادآباد وطن تھا۔ ۱۸۱۸ء (۱۲۳۳ ہجری) میں پیدا ہوئے۔ ملازمت کی ابتدا ۱۸۳۳ء میں سررشتہ داری صدرالصدور سے ہوئی صیغۂ ملازمت اور سررشتۂ داخل خارج میں رہے۔ حدود تحصیلات قائم کرنے پر مامور رہے۔ رجسٹرار دیوانی رہے ۱۸۶۳ء میں تھانہ بھون ضلع مظفرنگر میں تحصیلدار ہوئے۔ تبادلے ہوتے رہے۔ ضلع مرادآباد سے جون ۱۸۷۶ء میں پنشن پائی اور ۱۸۸۸ء میں رحلت فرمائی۔ مولوی عبدالرشید صاحب نے قطعہ تاریخ کہا۔

محمد علی حامیٔ دیں	معقول ومنقول فرد یگانہ
بگویم سن رحلتش با دلائل	مفسر، محدث، فقیہ زمانہ

مصرعہ تاریخ کے اعداد (۱۲۳۰ ہجری) میں دلائل کے اعداد ۷۵ جمع کرنے سے ۱۳۰۵ ہجری ۱۳۰۵ سال وفات نکلتا ہے۔

سرسید نے جب تفسیرِ قرآن کی اشاعت کا سلسلہ شروع کیا۔ اور معجزات، دوزخ وجنت، جن وملائک کے وجود سے انکار کیا اور تفسیر انجیل خوشامدانہ طریقے پر لکھی اور علماء جمہور کو ناواقف ہونے کے خطابات سرفراز فرمائے تو ردِ نصاریٰ کے حامیوں نے اسلام اور تبلیغ کوششوں کے لئے انتہائی نقصان دہ سمجھا اور اس کی مخالفت کو ایسا ہی ضروری سمجھا، جس طرح ردِ نصاریٰ کو۔ چنانچہ اس زمانہ کے مشہور ردِ نصاریٰ تحصیلدار صاحب نے سرسید کے دلائل کی بھی تردید کی۔ اور قریباً ڈیڑھ ہزار صفحوں کی جلدیں تصنیف کیں۔ یہ مجلدات "البرھان" کے نام سے مشہور ہیں۔ پورا نام البرھان علیٰ تجہل من قال العبد علم فی القرآن ہے۔

مولوی محمد علی صاحب بڑے عالم اور باخبر بزرگ تھے۔ ۱۸۷۳ء میں کانپور سے ایک رسالہ نور الآفاق ناظروں کے لئے جاری کیا۔ اس میں مولانا نے مضامین لکھے۔ آپ کی متعدد غیر مطبوعہ تصنیفات کے علاوہ مطبوعہ کتابیں یہ ہیں۔

(۱) ظفر مبین ۔ مسٹر اینڈرسن عیسائی کے اعتراضات کا جواب۔

سوط اللہ الجبار۔ یہ بھی مسٹر اینڈرسن کا جواب ہے۔

مولوی محمد علی نے اپنی تصنیف البرھان میں سرسید کی ہر قسم کی صرف، نحو، علم زبان، علم کلام وغیرہ کی غلطیاں بیان کی ہیں۔ اول لفظ قال کہہ کر سرسید کی تفسیر کا حصہ نقل کیا ہے۔ جو اس زمانہ کا دستور تھا۔

(داستان تاریخ اردو)

مولانا حکیم محمد حسن

آپ کے والد کا نام شیخ کرامت علی اور دادا کا نام شیخ رستم علی اور اُن کے والد کا نام یعنی آپ کے پردادا کا نام شیخ محمد حسن عرف موتی تھا۔ آپ ۱۲۴۹ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام خورشید الزماں ہے۔ عالم، طبیب، صوفی، خوش خلق، زاہد، عابد بزرگ تھے۔ فلسفۂ مشائیہ اور علوم عقلیہ میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ اور علوم نقلیہ حدیث و تفسیر، فقہ میں مفتی صدر الدین دہلوی سے تلمذ کیا تھا۔ علم طب حکیم امام الدین دہلوی سے حاصل کیا تھا۔ سلسلۂ تصوف میں حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کے مُرید حضرت نجم الدین سے شرف بیعت حاصل کیا تھا۔

ابتداء میں آگرہ کے اندر بسلسلہ ملازمت قیام تھا۔ اسی دوران میں منشی حاجی محمد خاں میر منشی سے ملاقات ہوئی۔ وہ اُن کو اپنے ساتھ کوہ آبو لے گئے۔ کچھ عرصہ ایک محکمہ میں اہلکار رہے۔ وہاں سے گورنمنٹ کالج اجمیر میں عربی فارسی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ کالج کے پرنسپل سے اختلاف ہوا۔ طویل رخصت لیکر کچھ عرصہ مہارانہ اودے پور میواڑ کے طبیب خاص رہے۔ ریاست مائن پور میں ملازمت کی۔ اس کے بعد پھر اپنی مستقل ملازمت پر واپس چلے آئے۔ تقریباً ۲۹ سال اجمیر میں قیام رہا۔ آخر میں ملازمت کی پابندیوں سے آزاد ہو کر اجمیر میں مطب کرتے رہے۔ عمر کے آخری چند سال وطن میں گزارے۔

توریت اور انجیل کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اجمیر کے قیام کے زمانہ میں نادر کتب کے مطالعہ کا موقع ملا۔ مطالعہ بہت وسیع تھا۔ تاریخ مذاہب اور جغرافیہ سے پوری واقفیت حاصل تھی۔ انجیل و زبور وغیرہ کتبِ سماوی میں جو اختلافات متراجم کی بنا پر ہوگئے ہیں۔ انھیں اپنی تصانیف میں واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتبِ سماوی کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ توریت، زبور عہدِ عتیق، انجیل عہد متوسط، قرآن مجید میں حضور سرورِ کائنات کے متعلق پیشین گوئیاں ثابت کی ہیں۔ مثلاً مکاشفات یوحنا کے چوتھے باب کی ساتویں آیت میں جو عبارت ہے۔ اس کو حضور سرورِ کائنات اور حضور کے چار اصحاب کے حالات سے منطبق کیا ہے۔ علاوہ انجیل، توریت و زبور کے ویدوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے متعلق پیشین گوئی ثابت کی ہے۔ آپ کے خیال میں کلنکی اوتار سے مراد حضور اقدس ہیں اور سنبل ریت کے معنی سرزمین عرب ہے۔

قرآن مجید میں حروف مقطعات کے معنی بحساب جمل اعداد نکال کر بیان کرتے اور ان کو توریت کی پیشین گوئی اور واقعاتِ عالم سے منطبق کرتے۔ آپکا اعتقاد تھا کہ حروف مقطعات کے یہی معنی ہیں جو اُن اعداد سے

سے برآمد ہوں۔

تحقیق انجیل اور مذہب عیسوی میں مولنا رحمت اللہ، مولنا آل حسن، مولنا شرف الحق کے ساتھ آپکا نام لیا جاتا ہے۔ آپ کی یہی خصوصیت یہ تھی کہ آپ مخالفین کی کتب سے اسلام کی عظمت و حقانیت ثابت کرتے تھے اور آپ حضور سرور کائنات اور مذہب اسلام کے متعلق ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر پیشین گوئیاں نکالتے تھے۔ بنوور انجیل نام مصطفیٰ۔ آپ کی مہتم باشان تفسیر القرآن عبارت مغلق ہونے کی وجہ سے زیادہ مقبول نہ ہو سکی۔ آپ کی تقریباً پندرہ تصانیف ہیں۔ چند کے نام یہ ہیں:-

معراج مسیحی، کواکب دریا، آفتاب عالمتاب، حقانیت اسلام اور ہشت کونسل معروف بدر بے بہا۔ مباحثہ کبھی نہیں کرتے تھے۔ جو لوگ آتے تھے انکو اپنے خیالات سُنا دیتے تھے۔ مطب کرتے تھے۔ علاج و معالجہ کے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔

آپکا انتقال ۱۹ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ میں ۸۷ سال کی عمر میں ہوا۔

(تاریخ امروہہ - ۳۰۲، ۳۰۵)

مولوی حافظ ولی اللہ

آپ عالم و فاضل فقیہہ متبحر مباحث و مناظر و واعظ، جامع علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر تھے۔ تردید نصاریٰ میں بڑے بڑے پادری آپ سے مقابلہ کرنے سے کتراتے اور چکراتے تھے۔ چنانچہ مولنا اپنی تصنیف صیانتہ الانسان میں لکھتے ہیں۔

"۱۸۶۷ء میں امرتسر کے اندر عماد الدین نے سر نکالا۔ تو چند علماء اور پادریوں کے سامنے مناظرہ ہوا۔ جس کی تفصیل مباحثہ دینی کے دیکھنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس وقت سے آج تک پھر کسی پادری نے دم نہیں مارا۔ چنانچہ بارہا لاہور کے پادری صاحبان مثلاً پادری فرنچ فورمن لیومن وغیرہ کے مکان پر جانے کا اتفاق ہوا۔ مگر کسی نے بحث کا نام نہیں لیا۔"

آپکا حافظہ مشہور عام تھا۔ کتاب کی سطر اور صفحہ تک یاد رکھتے تھے۔ آپ نے مولوی غلام رسول مرحوم قلعہ میہاں سنگھ، مولوی نور احمد ساکنہ کہائی کوٹلی اور مولوی احمد الدین بگوی سے علوم حاصل کئے۔ ہر جمعہ کو جامع مسجد لاہور میں آپکا وعظ ہوتا تھا تمام پنجاب میں آپ کی تقریر اور قادر الکلامی کی دھوم تھی۔

تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمان علی صاحب صد ۲۵۳

صاحب فتاویٰ تھے۔ مولوی فقیر محمد جہلمی مرحوم مصنف حدائق الحنفیہ (مالک وایڈیٹر مطبع واخبار سراج الاخبار) نزمانۂ میں آپ کے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۲ھ میں پادری عماد الدین سے امرتسر میں تحریری مباحثہ ہوا۔ ردِ نصاریٰ میں کئی کتابیں لکھیں۔ جمعہ کے روز ۴ جمادی الاول ۱۲۹۶ھ میں آپ نے لاہور میں انتقال کیا۔ تاریخ لاہور انگریزی (شمس العلماء سید محمد لطیف) میں لکھا ہے کہ حافظ ولی اللہ نابینا تھے لیکن لاثانی عالم تھے۔

(تذکرہ العلماء والمشائخ لاہور، محمد الدین فوق ایڈیٹر اخبار کشمیری لاہور ۶۰)

آپ کی دو مشہور تصنیفیں ہیں۔ ایک پادری عماد الدین کے رسالہ تحقیق الایمان کا جواب صیانۃ الانسان عن وساوس الشیطان ہے جو ۱۸۷۲ء میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپا ہے، اور $\frac{20\times30}{8}$ سائز/ ۴۸ ۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کی قطعہ تاریخ لاہور کے مشہور عالم مولوی فرید نے دافع شیطان صیانۃ الانسان کہی ہے۔ دوسری تصنیف ابحاث ضروری ۱۲۸۹ھ ہے جو اسم بامسمیٰ ہے۔ مناظرے کی ضروری باتیں اس میں درج ہیں۔ کتاب ۱۲۸۸ھ میں مطبع مصطفائی لاہور میں چھپی۔

مولوی حکیم عبدالرشید

آپ ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے مولانا سید امیر احمد شمس العلماء اور مولانا شیخ محمد بشیر محدث سے سہسوان اور آگرہ میں مولانا سعادت حسین مدرس مدرسہ آرہ سے آرہ میں مولانا ہدایت اللہ جونپور اور پھر مولانا محمد عبدالحئی فرنگی محلی سے تکمیلِ علوم کیا۔ کتب طب حکیم مظفر حسین خاں صاحب خلف حکیم مسیح الدولہ بہادر سے پڑھیں۔ اور حکیم سید محمد خاں موہانی سے مطب کیا۔ آپ انگریزی، ہندی فارسی کے ماہر تھے۔ عرصہ تک فرخ آباد میں گورنمنٹ ہائی اسکول میں ہیڈ مولوی رہے۔ تصنیف و تالیف اور مناظرہ کا انتہائی شوق رکھتے تھے۔ اکثر پادریوں سے آپ کے معرکۃ الآرا تحریری مناظرے ہوئے۔

آپ کی ردِ نصاریٰ کی کئی کتابیں تھیں۔ آپ کی تصانیف علمی و ادبی بہت ہیں۔ شاعری ہر شغف بے تکلف کرتے تھے۔ آپ طریقہ نقشبندیہ و قادریہ میں مولانا فضل الرحمان صاحب گنج مراد آبادی سے بیعت تھے۔

(حیاۃ العلماء ۱۱۸-۱۱۹)

سیّد محمّد علی

دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی کی کتابیں میر یار علی سے جلالین و مشکوٰۃ مولوی حفیظ اللہ خاں سے بقیہ کتب احادیث صاحبزادہ گرامی سید شریف حسین (خلف جناب میاں صاحب) سے پڑھیں اور آپکی مصاحبت سے بھی سرفراز ہوئے۔ مناظر ردِ نصاریٰ تھے۔ مناظرہ کی سند مولٰنا ابو المنصور امام فنِ مناظرہ سے حاصل کی۔ جو اس فن میں سند الوقت تھے آپ زاہد و پارسا تھے ہمیشہ قوتِ بازو سے کما کر کھایا۔ اگر فکرِ معاش سے فرصت ہوئی تو عبادت میں مصروف ہو گئے اس اکل و حلال اور انہماک فی العبادۃ کی وجہ سے ولایت الٰہیہ تک پہنچے۔ تعلیم و تدریس کا سلسلہ باقاعدہ نہ تھا۔ لیکن اگر کوئی طالب علم آ جاتا تو انکار نہ فرماتے۔ کوئی خاص تصنیف نہیں چھوڑی۔ البتہ عیسائیوں کی طرف سے "چند سوالات" نامی جو تحریر شائع ہوئی۔ اس کا جواب ایسا مدلل لکھا کہ آپ کے استاد مولٰنا ابو المنصور نے اپنے رسالہ کے ساتھ ملحق کر لیا۔ کثیر الاولاد تھے۔ جن میں سے سید عبد الرؤف صاحب مہتمم کتب خانہ نذیریہ اور سید عبد الغفور صاحب ناظم کتب خانہ نذیریہ) سے تھے۔ کلکتہ گئے تو وہیں ۳ ر صفر ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۳ ر اکتوبر ۱۸۸۶ء فوت ہو گئے۔

(تراجم علمائے حدیث ابو یحییٰ امام خاں ع ۱۶)

عبد الوہاب

قصبہ ہانسی ضلع بستی کے قدیم خانوادہ تھے۔ پورا نصاب نہیں پڑھا تھا۔ مگر کام وہ کر گئے کہ جس سے اکثر منتہی محروم رہ گئے۔ اطراف و اکناف کے رہنے والے اب تک مرحوم کو یاد کرتے ہیں اور روتے ہیں۔ وعظ میں شیرینی تھی۔ ہر ایک بشر سے مناظرے کئے۔ صلائے عام تھی۔ مسیحی مناظرین سے خاص طور پر صف آرا رہتے تھے۔ افسوس ہے کہ اس نوجوان نے باغ زندگی کی صرف ۳۲ بہاریں دیکھیں اور کنج لحد میں جا سوئے۔

تاریخِ وصال ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء ہے۔

(تراجم علمائے حدیث ہند ۴۶۶

مولوی عنایت رسول چڑیاکوٹی

چڑیاکوٹ اعظم گڑھ کا ایک شہر ہے۔ جو مشائخ و علمائے کرام کا مرکز شمار کیا جاتا ہے۔ اسی چڑیاکوٹ میں مولوی عنایت رسول ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ علمائے ہند مولانا کی شان میں فرماتے ہیں۔

"از علمائے فحول ماہر معقول و منقول واقف اسرار نفوس نافذ انظار فروع و اصول۔"

آپ کے والد کا نام علی اکبر اور دادا کا نام عطائے رسول تھا۔ یہ دونوں حضرات قاضی کے عہدہ پر مامور تھے۔ مولوی عنایت رسول نے ابتدائی زمانہ میں اپنے والد اور دوسرے بزرگوں سے صرف و نحو اور کافیہ مولوی احمد علی چڑیاکوٹی سے پڑھی۔ اس کے بعد مولوی نجم الدین سے ہندسہ حساب و مناظرہ علوم ریاضی اور حکمت تحصیل کی۔ کتب صحاح ستہ مولوی حیدر علی (ریاست محمد آباد ٹونک) نے پڑھائی۔ عبرانی سیکھنے کا شوق ہوا۔ تو کلکتہ تشریف لے گئے وہاں چند سال قیام کیا۔ یہودی علماء سے زبان سیکھی۔[1]

سرسید احمد خاں اس زمانہ میں عیسائی مشنریوں کے پروپیگنڈہ سے بہت متاثر تھے۔ وہ مشنیریوں کے تمام اعتراضات کے جوابات لکھنا چاہتے تھے۔ غدر کے زمانہ میں ان کے کاغذات جاتے رہے۔ اس لئے عیسائی مذہب اور انجیل کی حقیقت اور اس کی تاریخ، اور جو کچھ بائیبل پر موافق یا مخالف لکھا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کی تحقیقات کرنے کے لئے انھوں نے عیسائی مذہب کی تمام ضروری کتابیں، بائیبل کی تفسیریں اور یونی ٹیرین مذہب کی کتابیں خریدیں۔ اور نیز ان مذہبوں کی کتابیں جو بائیبل کے خلاف لکھی گئی تھیں وہ بہم پہنچائیں۔ جب یہ تمام سامان فراہم ہو گیا۔ تو سرسید احمد خاں کو ایک عربی داں جو عبرانی بھی جانتا ہو اور ایک انگریزی خواں کی ضرورت پڑی۔ اس وقت مولانا عنایت رسول چڑیاکوٹی کی عبرانی دانی اور عربی قابلیت کی دھوم تھی۔ سرسید مرحوم نے ان سے بائیبل کی تفسیر لکھنے میں (جس کی غرض قرآن و حدیث کی انجیل تطبیق کرنا تھی) مدد لی۔ وہ بائیبل کی تفسیر کس نوعیت کی تھی اور اس کا کتنا حصہ تیار ہوا اور مولانا عنایت صاحب کے بارے میں مولانا حالی کی کیا رائے تھی۔ وہ حیات جاوید اول ۹۷ میں ملاحظہ ہو۔

"غازی پور میں سرسید نے سالم نام کے ایک یہودی کو نوکر رکھا۔ اور اس سے عبرانی پڑھنی شروع کی۔ غازی پور کے ضلع میں مولوی عنایت رسول صاحب چڑیاکوٹی، جو ایک بہت بڑے عالم عربی اور عبرانی کے ہیں۔ ان کی اعانت سے سرسید کے ارادے کو اور بھی زیادہ تقویت ہوئی۔ الغرض عہد عتیق میں سے کتاب پیدائش کے گیارھویں باب تک اور عہد جدید میں انجیل متی کے پانچویں باب تک تفسیر

---

[1] تذکرہ علمائے ہند مولوی رحمان علی۔

اسی التزام سے جس کا انھوں نے ارادہ کیا تھا، لکھی گئی اور ساتھ کے ساتھ چھپتی بھی گئی۔ جو کچھ سرسید لکھتے تھے۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں ایک یوروپین جس کو دو سو روپے تنخواہ ماہوار دیتے تھے۔ جو ہر روز ۲ گھنٹہ کام کرتا تھا۔ وہ ترجمہ بھی اردو کے ساتھ چھپتا۔ ایک کالم میں عبرانی توریت کی عبارت عربی خط میں اور اس کا ترجمہ اردو میں اور انگریزی میں اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ دوسرے کالم میں اسی مضمون کی کوئی آیت قرآنی یا حدیث اور اس کا ترجمہ اور انگریزی اس کے نیچے لکھا جاتا تھا۔ اس کے بعد تفسیر لکھی جاتی تھی۔

مولوی فقیر محمد جہلمی

آپ کے والد ماجد حافظ محمد سفارش، جہلم شہر سے دو میل غرب کے فاصلہ پر موضع چتن پور میں رہتے تھے۔ آپ جمعرات کے روز سنہ ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ علوم کی تحصیل میاں قطب الدین ساکن نالیاں والا اور میاں غلام محمد ساکن موضع جادہ مولوی نور احمد ساکن موضع کوٹلی وغیرہ علماء سے کی۔ ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مفتی صدر الدین صاحب صدر الصدور سے فارغ التحصیل ہونے کی سند حاصل کی۔ وطن واپس ہوئے۔ رد نصاریٰ میں اپنی پوری زندگی گزاری۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں:-

(۱) ترجمہ تصدیق المسیح (۲) حاشیہ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان و حدائق الحنفیۃ تذکرہ علماء حنفی، وزندۃ الاقاویل فی ترجیع القرآن علی الاناجیل، آفتاب محمدی[1]

مولوی امان علی احمد آبادی

خلف حکیم شیر علی ساکن احمد آباد نارہ کے رہنے والے تھے۔ مولانا رحمان علی تذکرہ علماء ہند آپ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ نے مولوی ثابت علی سکنہ بھگا ضلع الہ آباد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ کتب مطولات مولوی محمد سعید رام پوری، و داماد مفتی شرف الحق سے تحصیل کیں علوم طب اپنے والد ماجد سے اکتساب کئے۔ تقویٰ و پرہیزگاری آپکا شعار تھا۔ فتحپور سے مہاراجہ بشناتھ سنگھ، فرمانروا ریوا نے آپ کی طلبی کا فرمان بھیجا اور ۲۴ ربیع الاول ۱۲۵۷ھ کو

---

[1] تذکرہ علمائے ہند فارسی مولٰنا رحمان ص ۱۶۵

شاہی طبیب کے منصب پر مامور کر کے ایک سو بیس روپے کا ملازم فرمادیا۔

اس زمانہ میں لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے مضافات اور ریوا کے مسلمان صوم وصلوٰۃ سے بالکل بے خبر تھے۔ آپ کے قدم رکھتے ہی نماز روزہ کے پابند ہو گئے۔ ۱۵ ر شوال ہفتہ کے روز ۱۲۵۸ھ کو مولانا عبد الباری فتحپوری خلیفہ رفیع الدین عرف مولوی ذوالفقار علی سے قادریہ، نقشبندیہ، مجددیہ کے سلسلہ میں بیعت ہوئے۔ بہت سے لوگ اس ریاست کے ان کے مرید ہوئے۔ ۱۸ ر ذی الحجہ ۱۲۷۲ھ میں آپکو پرمٹ کا انچارج بنا یا گیا۔ کل اختیارات کے حدود آپکو سونپے گئے۔ آخر عمر تک اسی عہدہ پر فائز رہے۔ ۲۴ ر ربیع الاول ۱۲۷۷ھ میں ریواں میں ہی رحلت فرماگئے۔ وہیں مدفون ہوئے۔ حکیم الوخاں نے تاریخ وفات میں نظم لکھی۔

صد افسوس حضرتِ امان علی   بجنت شدند از جہاں منتقل

کون سالِ رحلت چہ گویم تبو!   سرہوش رفت از غم دردِ دل!

آپ نے ردِ نصاریٰ میں اپنا بہت وقت صرف کیا۔ آپ کی مشہور تصنیف رد الوشتیہ ہے۔ اس کے علاوہ (۲) مثنوی پنجہ خورشید اردو میں (۳) عن البیان فی تفسیر الابان، موضح البدعات نیسیر الفیر فی تراکیب الاکاسیر، رسالہ مدع الکلاب، ورسالہ خواص سورۃ قرآنی بنظم اردو فارسی ترجمہ چہل حدیث۔

مفتی کفایت اللہ صاحب

ہندوستان کے مسلمانوں کی علماء کی جماعت جمعیۃ العلماء کے بانی جناب قبلہ حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تقریباً ۱۲۹۵ھ میں شاہ جہاں پور میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد کا نام شیخ عنایت اللہ تھا۔ سلسلہ خاندان اس طرح چلتا ہے۔ عنایت اللہ ابن فیض اللہ ابن خیر اللہ ابن عباد اللہ ، آپ کا شاہجہاں پور کی شیخ برادری سے تعلق ہے۔

مفتی صاحب چار بھائی ہیں۔ ایک آپ اور دوسرے مولانا حافظ قاری نعمت اللہ صاحب ہیں جو شاہجہاں پور میں اپنے زہد و تقویٰ اور عابدانہ زندگی کی وجہ سے اپنے معتقدین کا بہت بڑا حلقہ رکھتے ہیں۔ ان کا وقت رات بھر عبادت میں اور دن درس و تدریس میں گزرتا ہے۔

دوسرے بھائی قدرت اللہ ہیں۔ جو قصور میں رہتے ہیں۔ ان کی زندگی تمام تر سیاسی گزری۔ تین چار مرتبہ جیل میں جا چکے ہیں اور قصور کی تحریک ۱۹۴۲ء اور پچھلی تحریکوں میں ڈکٹیٹر شپ کی عزت ان کو سونپی گئی ہے۔ وہ عرصہ تک وہاں بھی کانگریس کے سیکرٹری رہے ہیں۔ آجکل آٹے کا مل چلا رہے ہیں۔

تیسرے بھائی حافظ سلامت اللہ شاہجہاں پور میں تجارت کرتے ہیں۔

محلے کے لڑکے جب مدرسہ جاتے تھے۔ ان کو دیکھ کر مفتی صاحب کو شوق ہوتا تھا کہ میں بھی مکتب میں جاؤں چنانچہ مفتی صاحب بھی مکتب میں آنے جانے لگے۔ اس میں خرچ کی ضرورت پڑتی۔ ان کے والد بہت غریب آدمی تھے تعلیم کا خرچ نہیں اٹھا سکتے تھے۔ یہ ٹوپیاں جو اونی، بیل بوٹے والی قسم کی ہوتی تھیں۔ رات کو بنتے تھے۔ دو تین راتوں کو بننے کے بعد دو روپے میں بازار میں بیچ آتے تھے۔ لاگت تقریباً سوا روپے کی آتی تھی۔ اس سے تعلیم کا سلسلہ چلتا تھا۔ اور یوں تعلیم حاصل کرتے تھے۔

کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ چند طلباء مل کر ایک جگہ کھانا کھاتے تھے۔ سالن خود پکا لیتے تھے۔ روٹی بازار سے بھٹیاری سے پکوا لیتے تھے۔ آٹا اندازہ لگا کر ساتھیوں کے اعتبار سے لے جاتے تھے۔ طریقہ یہ تھا کہ باری باری پکوانے جاتے۔ کچھ دن یہ ہوا کہ سب بھوکے رہ جاتے اور پیٹ نہ بھرتا۔ خیال آیا، کیا وجہ ہے۔ مفتی صاحب پر سب کو اعتماد تھا۔ انھوں نے کہا کہ آپ معلوم کیجئے۔ کیا بات ہے۔ جس دن ان کی باری آئی۔ وہ تاک لگا کر بھٹیاری کو دیکھتے رہے۔ جب وہ آٹے میں سے ایک ایک مٹھی بھر کر بھرتی سے آٹا نکال کر اپنی تھیلی میں ڈالتی۔ یہ بیٹھے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ جب اس نے ان کے آٹے میں سے مٹھی ڈالی۔ تو انھوں نے فوراً اس کا

ہاتھ پکڑا اور سب لوگوں کو دکھایا۔ اس کی تھیلی کو اس میں بہت سارا آٹا بھرا ہوا تھا۔ لوگوں نے بھٹیاری کو شرمندہ کیا۔ اس نے معافی مانگی کہ آئندہ ایسا نہیں کرونگی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم محلے کے مکتب میں پائی۔ عربی کی تعلیم آپ نے مدرسہ اعزازیہ اسلامیہ شاہجہانپور میں مولانا مولوی حکیم عبیدالحق صاحب سے شروع کی۔ اس کے بعد آپ مراد آباد میں مدرسہ اسلامیہ شاہی مسجد میں مولانا محمود الحسن صاحب سہسوانی، مولوی بشیر احمد صاحب مراد آبادی سے دو سال تک پڑھتے رہے۔ پھر دیوبند کے مدرسہ میں داخل ہو گئے اور وہاں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب اور مولانا محمد حسن صاحب دیوبندی اور مولانا عبدالعلی دہلوی سے درس احادیث حاصل فرمایا۔ اور دیوبند سے فارغ التحصیل ہو کر سند حاصل کی۔ آپ کے ہم سبق مولانا حسین احمد مدنی اور رنگون کے مشہور عالم مولانا عبدالخالق اور مولانا عبدالمجید شاہجہانپوری تھے۔

آپ انتہائی ذہین تھے۔ اپنے ہم سبقوں میں ہر امتحان میں آگے رہتے۔ مولانا حسین احمد مدنی فرماتے ہیں۔ کہ مفتی صاحب کا جب امتحان ہوتا۔ ہم سے زیادہ نمبر لے جاتے۔ حالانکہ ہم دن بھر کتابیں پڑھتے تھے اور سبق یاد کرتے۔ لیکن مفتی صاحب صرف اسباق لینے کے وقت کتاب دیکھتے تھے۔ میں نے بھی اس بات کی تیاری کی کہ مفتی صاحب سے زیادہ نمبر لے جاؤں۔ چنانچہ میں نے پرچہ کا جواب پورے وقت میں تین صفحوں میں لکھا۔ اور مفتی صاحب نے ڈیڑھ صفحہ میں جلدی سے لکھ کر رکھ دیا۔ امتحان کا نتیجہ دیکھا تو میرے نمبر زیادہ نہیں تھے۔ دونوں کے برابر نمبر نکلے۔

مدرسہ میں طالب علموں کو پڑھنے کے لئے رات کو تیل ملتا تھا۔ وہ اس سے اپنا دیا جلا کر سبق یاد کرتے تھے۔ لیکن مفتی صاحب اس تیل سے پکوڑیاں تل کر کھایا کرتے تھے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مفتی صاحب کو سیاست سے دلچسپی پیدا ہوئی۔ آپ مسلم لیگ میں ۱۹۱۸ء کے اندر داخل ہوئے۔ اس میں کافی عرصہ تک کام کیا۔ لیگ کانگریس سمجھوتہ ہونے کے بعد آپ بھی کانگریس میں شامل ہو گئے۔ نومبر ۱۹۱۹ء کے زمانہ کی بات ہے جبکہ ہندوستان کے مختلف گروہوں اور مختلف اقوام کی متحدہ انجمنیں قائم ہو چکی تھیں اور ہوتی جا رہی تھیں جو ملک اور قوم کی خدمت کر رہی تھیں اور فائدہ پہنچا رہی تھیں۔ لیکن اس وقت تک علماء ہند کی کوئی متفقہ جماعت یا انجمن قائم نہیں ہوئی تھی۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کہ علما اپنی ایک مضبوط اور مقتدر جمعیت قائم کریں جو صرف مشترکہ مذہبی و سیاسی امور میں عامہ اہل اسلام کی رہنمائی کا فرض ادا کرے اور وہ باقاعدہ منظم جماعت کی شکل میں ہو۔ چنانچہ وہ جماعت بنائی گئی اس کا نام جمعیتہ علماء ہند رکھا گیا۔ دسمبر میں امرتسر کے اندر مولانا کفایت اللہ صاحب کو عارضی صدر مقرر کیا گیا۔ اس میٹنگ میں ۲۴ علمائے کرام نے شرکت فرمائی۔ مخصوص حضرات کے نام یہ ہیں:۔

حضرت مولنا عبدالباری صاحب
جناب مولنا سلامت اللہ صاحب
جناب مولنا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب
جناب پیر محمد امام صاحب سندھی
جناب مولنا اسد اللہ صاحب سندھی
جناب مولنا سید محمد فاخر اللہ صاحب
جناب مولنا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی
جناب مولنا مفتی کفایت اللہ صاحب
جناب مولنا احمد سعید صاحب

سنہ ۱۹۲۶ء مطابق ۱۳۴۴ھ میں سلطان ابن سعود نے فتح حجاز کے بعد موتمر اسلامی میں تمام عالم اسلام کے علماء کو مدعو کیا تھا۔ اس میں جمعیۃ العلماء کی جانب سے ایک وفد مولنا مفتی کفایت اللہ صاحب مولنا انور شاہ صاحب، مولنا شبیر احمد صاحب عثمانی، مولنا نثار احمد صاحب کا حجاز جانا منتخب ہوا تھا۔ جس کے صدر حضرت مفتی صاحب قبلہ ہی تھے۔ آپ نے موتمر میں جو قابلیت کا سکہ جمایا۔ اس سے ہندوستان کے علماء کی شان دوبالا ہوگئی۔ ممالک اسلام کے علماء نے آپ کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

۲۱ر ستمبر ۱۹۲۶ء میں ترک موالات کا جو فتویٰ علماء نے دیا اور اس پر جو عملی تجویز پاس ہوئی وہ حضرت مفتی صاحب کی ہی بنائی ہوئی تھی اور یہ حضرت مفتی صاحب کو ہی شرف حاصل ہے کہ گاندھی جی اور مولنا محمد علی مرحوم کی موجودگی میں حضرت مفتی صاحب ہی کو تجویز بنانے کے لئے یہ حضرات مجبور فرمایا کرتے تھے۔

سنہ ۲۸ء ۲۹ء میں جب دہلی میں آل پارٹیز کانفرنس پریڈ گراؤنڈ میں، آغا خان کی صدارت میں ہوئی اس وقت سر ابراہیم اور علی برادران میں اختلاف اور کانفرنس میں دن کے ساڑھے بجے تک کوئی فیصلہ نہ ہوسکا اور بڑی نازک صورت پیدا ہوگئی۔ تو مفتی صاحب نے دیکھا کہ رنگ بگڑ رہا ہے۔ تو آپ نے خود کچھ دیر تقریر فرمائی اور نماز ظہر کے لئے کانفرنس ملتوی کردی۔ نماز کے بعد اجلاس ہوا۔ مفتی صاحب نے چند الفاظ کی تجویز میں تبدیلی فرمائی اور وہ تجویز سنائی تو مخالفین متفق ہوگئے اور وہ تجویز منظور ہوگئی۔

اسی طرح جامعۂ ازہر کا وفد ہندوستان آیا تو اس کو مدرسہ امینیہ کی طرف سے پارٹی دی گئی۔ جب پارٹی ختم ہوگئی تو مصر کے علماء فوٹو کے حق میں فتوے دیتے تھے۔ آپ نے ان کو معقول اور منقول

دونوں نظریوں سے ثابت کیا تو انھوں نے تسلیم کیا اور مانا کہ ہم غلطی پر تھے۔
ان وفود کے اراکین نے اپنی تقریر میں فرمایا "حجاز و شام مدینہ اور ممالک اسلامیہ میں مفتی صاحب کا علم و فن اور فنِ فتویٰ میں کوئی مثل نہیں۔ حضرت مفتی صاحب کی افتاء نویسی کچھ اس انداز کی ہوتی ہے کہ ہر مفتی کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ اور الجواب صحیح لکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی عمر کا بیشتر حصہ انگریز کی بغاوت میں گزرا ہے۔ چنانچہ آپ نے پہلی مرتبہ گجرات جیل میں ڈاکٹر انصاری، خان عبد الغفار خاں، علی گل خاں کے ساتھ جیل میں چھ ماہ کی قید بامشقت گزاری اور دوسری بار ۱½ سال بامشقت ملتان جیل میں بسر کی۔ یہاں لالہ دیش بندھو گپتا نے آپ سے گلستان پڑھی۔

مدرسہ امینیہ کے پہلے صدر مدرس مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ تھے۔ بعد میں مولانا امین الدین صاحب شاہجہانپوری، شاہجہانپور سے مفتی صاحب کو لیکر آئے تھے۔ جبکہ شاہ صاحب چلے گئے تھے۔ مدرسہ امینیہ سے قبل آپ شاہجہاں پور کے مدرسہ عین العلم میں مدرس تھے۔ مولانا اعزاز علی صاحب نے بھی وہیں تعلیم پائی شروع کردی تھی۔ مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب کی تنخواہ بیس روپے ماہوار تھی۔ جب اولاد ہوگئی اور ضروریات بڑھ گئیں تو مفتی صاحب نے رات کے وقت کے لئے انجمن ہدایت الاسلام میں پانچ روپے انجمن کا حساب کتاب لکھنے کے لئے ملازمت کرلی۔ مفتی صاحب نے حساب و کتاب لکھنے میں دقت محسوس کی کہ انجمن کے ارکان، انجمن کے سرمائے میں خرد برد کر رہے ہیں اور حساب غلط سلط لکھوا رہے ہیں تو آپ نے انجمن کی منشی گیری سے استعفیٰ دے دیا کہ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا کہ ایسی ملازمت کروں۔

اس زمانہ میں مفتی صاحب کے دوستوں کا حلقہ کافی وسیع تھا۔ لیکن خاص دوست حاجی احمد مرزا فوٹوگرافر اور اُن کے بھائی حاجی رشید مرزا اور مولانا عبد الغنی محلہ سوئی والان والے تھے۔ چنانچہ یہ سب ساتھ مل کر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے۔

ہندوستان اور ممالک اسلامیہ میں آپ کے سینکڑوں علماء شاگرد ہیں۔ بعد میں آپ ۱۳۳۸ھ میں مولوی امین الدین صاحب بانی مدرسہ امینیہ کے انتقال کے بعد مدرسہ امینیہ کے مہتمم مقرر ہوئے۔ آپ پر یہ ذمہ داری اُن مقدس ہاتھوں نے یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے سونپی تھی۔ اس وقت سے لیکر زندگی کے آخری لمحہ تک بحسن وخوبی انجام دیا۔ اس مدرسہ کا انتظام بڑی دیانتداری کے ساتھ اپنے ہاتھ میں رکھا اور مدرسہ کو چار چاند لگا گئے یہ مدرسہ دنیائے اسلام میں مفتی صاحب کے فتویٰ نویسی کی وجہ سے مقبولیت کا سہرا حاصل کئے ہوئے ہے۔ مفتی صاحب کا دم ہے کہ اس معمولی مدرسہ کو ایک بڑا مدرسہ بنا دیا ہے۔ جو اسلام کی بے حد خدمات انجام دے رہا ہے۔

آپ کے مشہور شاگرد مولانا اعزاز علی دیوبندی، مولانا احمد سعید، مفتی مہدی علی صاحب،

مفتی راندیر اور مولنا قاری محمد یسلین رائے پوری مہتم رائے پور وغیرہ ہیں۔

مولنا احمد سعید کی شاگردی کا واقعہ عجب ہے۔ مولنا احمد سعید فوارہ پر تقریر کر رہے تھے۔ مولنا یسلین کو اُن کی خوش بیانی پسند آئی اور سمجھنے لگے کہ مولنا بڑے قابل اور فاضل ہیں۔ چنانچہ انھوں نے کوشش کی کہ مولنا سے دریافت کروں کہ آپ نے کہاں پڑھا ہے۔ کئی مرتبہ پوچھنے کے لئے تیار ہوئے۔ مگر جرأت نہ ہوئی۔ مگر ایک دن ہمت کر کے پوچھ لیا۔ مولنا احمد سعید نے اپنے خاص انداز میں عاجزانہ طور پر کہا۔

"یار کہیں پڑھا ہو تو تم کو بتاؤں۔"

مولنا یسلین نے مولنا احمد سعید کو تلقین کی کہ پہلے آپ پڑھ لیجئے۔ مولنا کے سمجھ میں آگئی۔ رات کو مولنا یسلین سے میزان منشعب پڑھی۔ اس کے بعد مولنا یسلین نے مولنا احمد سعید کو مفتی صاحب کے سپرد کر دیا۔ انھوں نے پھر مفتی صاحب سے تعلیم حاصل کی۔

اس دور میں ردّ نصاریٰ کا بہت زور تھا۔ چنانچہ مفتی صاحب عیسائیت کے خلاف مواد اکٹھا کرتے تھے اور مولنا احمد سعید اُن کو بیان کرتے تھے۔ مناظروں میں بھی یہی ہوتا تھا۔ مناظرہ مولوی احمد سعید کرتے تھے، اور ان کے معاون مفتی صاحب ہوتے تھے۔

مفتی صاحب علمائے کرام کے طبقہ میں ایک بزرگانہ ہی نہیں عالمانہ شان کے مالک سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کے متعلق مولنا انور شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے معتقدین کو جو شرف ہمارے کفایت اللہ کو حاصل ہوا ہے۔ اس سے اسلام کی حقانیت ظاہر ہوتی ہے۔

اسی طرح شیخ الہند حضرت مولنا محمود الحسن رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ ہمارے معتقدین کو جو شرف ہمارے کفایت پر حاصل ہے۔ وہ تقدم زمانہ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ ہمارا کفایت علم میں ان سے کم نہیں۔

مفتی صاحب نے کوئی عالمانہ تصنیف ابھی تک نہیں فرمائی۔ لیکن دوسرا مقبولیت کے اعتبار سے بہشتی زیور یعنی تعلیم الاسلام کے چار رسالے تصنیف فرمائے۔ اس کو اس ڈھنگ سے تصنیف فرمایا کہ تمام علمائے دیوبند اور بریلوی اپنے مدرسوں میں پڑھاتے ہیں۔ یہی خصوصیت مفتی صاحب کے فتوے کی ہے۔ فتویٰ اسی طرح جس طرح دیوبندی مانتے تھے۔ اسی طرح بریلوی حضرات بھی اس کی عزت کرتے تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۵ء میں شریعت کانفرنس جو سرحد میں ہوئی تھی۔ جس میں سُنّی و شیعہ علماء شامل ہوئے اور ان کے آپس کے اختلاف اور مسائل متنازعہ تھے۔ آپ نے اُن کا فیصلہ کرایا۔ اور مفتی صاحب نے ان کو جو متعدد جوابات دئے۔ وہ انھوں نے منظور کئے۔ آپ کی ذہانت کا سکہ ہندوستان کے رہنما بھی مانتے ہیں۔ نیتاجی سوبھاش بابو کانگریس کے صدر ہونے کے بعد مدرسہ امینیہ میں مفتی صاحب سے ملاقات کرنے آئے۔ ۲ گھنٹہ تک مسلسل گفتگو رہی۔ آپ مفتی صاحب کی قابلیت اور ذہانت کے معترف تھے۔

مفتی صاحب کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولوی حفیظ الرحمن صاحب ہیں۔ کتب

خانہ رحیمیہ اردو بازار کے مالک ہیں۔ شعر و شاعری میں کمال رکھتے ہیں اور اچھے شاعر ہیں۔ سائل صاحب سے تلمذ رکھتے ہیں۔ اس رشتہ سے ہمارے پیر بھائی ہیں۔

دوسرے صاحبزادے خلیل الرحمٰن صاحب بی۔ اے ہیں۔ سکریٹریٹ میں ملازم ہیں۔

دو لڑکیوں میں سے ایک۔ لڑکی مولانا سمیع اللہ صاحب سے بیاہی ہوئی ہیں۔ مولانا سمیع اللہ دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں اور دہلی کے سرگرم لیڈر ہیں۔ طبیعت میں تجارت بھی ہے۔ کپڑے اور کتابوں کی تجارت کرتے ہیں۔ کتب خانہ عزیزیہ کے مالک ہیں۔ اُردو بازار میں دوکان ہے۔

دوسری صاحبزادی پروفیسر ضیاء الاسلام سے بیاہی گئی ہیں۔ آپ علی گڑھ کالج کے پروفیسر ہیں۔

مفتی صاحب جب جیل میں تھے۔ مشاعرے ہوتے اور احباب اصرار کرتے تھے تو کوئی اردو غزل فرمادیا کرتے تھے۔ یا جب کوئی رہا ہوتا اور دل پر اثر پڑتا تو فوراً رہائی پر فی البدیہہ نظم کہہ دیا کرتے تھے۔ عام طور پر اُردو میں آپ غزل گوئی یا شعر و شاعری سے پرہیز کرتے۔ لیکن عربی میں ضرور آپ قصیدہ اور اشعار فرماتے۔ عربی کے قصیدے عوام نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے انکا یہاں لکھنا بے سود ہے۔ وہ نظمیں جو مفتی صاحب نے حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا احمد سعید کی رہائی پر کہیں ہیں۔ ان کے منتخبہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری کی ۱۷ر رمضان ۱۳۵۱ھ کو جو رہائی ہوئی معلوم ہوا کہ ابھی جانے والے ہیں تو آپ نے فوراً قلم برداشتہ یہ نظم فرمائی۔

چل دیے کس کس کو قفس میں چھوڑ کر — رشتۂ اخلاص کو کس بے رخی سے توڑ کر

بیڈمنٹن ساتھ کس سے کھیلیں گے پیارے پریم — گوری شنکر کس کی اب کھینچیں گے باہیں موڑ کر

کس سے دل بہلائیں کھیل کر احمد سعید — مظہر و لدھیانوی بیٹھیں کہاں سر جوڑ کر

بادہ نوشوں اب لپیٹو عیش و عشرت کی بساط — کیونکہ ساقی چل دیا جام و صراحی چھوڑ کر

خیر کچھ پروا نہیں جاؤ خدا حافظ، مگر — بھول مت جانا ہمیں غیروں سے رشتہ جوڑ کر

ہوں مبارک تم کو آزادی کے اب لیل و نہار — فتح و نصرت پاؤ تم دشمن کی گردن توڑ کر

شیر حریت کی آزادی سے میں خوش ہوا — بزدلانِ قوم اب بھاگیں گے میدان چھوڑ کر

جسم گو زندانِ ملتان میں ہمارے ہیں اسیر

دل مگر جاتے ہیں تیرے ساتھ سینے چھوڑ کر

اس کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی ۲ر فروری ۱۹۳۳ء کو رہا ہوئے تو جناب مفتی صاحب نے فرمایا۔

اے صدیق محترم لدھیانوی — لو تمہاری بھی رہائی آگئی!!

اے شفیقِ قوم رحمٰن کے حبیب! / آ گئی تیری جدائی کی گھڑی!
دوستوں کو چھوڑ کر تو بھی چلا! / آہ کیسی شاق ہے فرقت تیری
تو رہا جب تک اپنی قید میں! / قید سمجھا ہی نہیں کوئی کبھی
جیل کیا تھا، محفلِ احباب تھا / اور تو ہی تھا اس کی رونق روشنی
تو گیا تو اس میں شک نہیں / رونقِ بزمِ اسیراں بھی ---- گئی
جب کبھی الجھا کسی کا کوئی کام / تو نے سلجھایا بہ لطفِ دوستی!
زیب دیتی ہے قیادت بھی اُسے / جو رہے زنداں میں بند لشکری
قیدیوں کی ہر طرح سے خدمتیں / تو نے کیں اے مستحقِ افسری
کچھ نہ سمجھا فرقِ خویش وغیرہ میں / سب کی یکساں دل سے خدمت تو نے کی
شیر و شکر ہو کے یوں ان میں رہا / رنج و راحت میں تیری شرکت رہی
سب ترے مداح ہیں ممنون ہیں / تیری فرقت سے پژمردہ ہیں سب ہی
اختلافِ رائے پر بھی دوست ہیں / کیونکہ سب سے تھی تیری بھی دوستی
تو فقیری میں بھی دل کا بادشاہ / تجھ پہ قرباں شوکتِ شاہنشہی
حق نے دی ہے تجھ کو جرأت بے نظیر / ہمت مردانہ اور عزم قوی!
ہر مصیبت ملک و ملت کے لئے / تو نے کامل خوش دلی سے جھیل لی
شیر پنجرے میں ہے جب بھی شیر ہے / لومڑی آزاد بھی ہے لومڑی!
اک طرف فرقت کا تیری ہے ملال / دوسری جانب خوشی بھی ہے بڑی
"قیدِ مظلومی" کہ تھی صبر آزما / ختم اطمینان و راحت سے ہوئی!
ہے یہ استقلال ہمت کا ثبوت / آن جیسی بھی تھی ویسی ہی رہی
ہے دعا میری بصدقِ دل سے یہی / اجرِ کامل دیدے اے ربِ غنی
ملک و ملت کے لئے قربانیاں / ہوں تیری مقبول باصد خرمی
حافظ و ناصر ترا اللہ ہو! / اور ترے ہر کام میں ہو بہتری
مال و زر اقبال ہوں تیرے غلام / کامیابی گھر کی لونڈی ہو تیری!
ہوں تیری اولاد صالح اور سعید / اور حامی ہو ترا ہر دم علیؑ
دے اے اللہ اپنے فضل سے / شوکتِ صدیقؓ و فاروقؓ و علیؓ

جہادِ آزادی کے رُوشن چراغ

المعروف،

فرنگیوں کا جال

امداد صابری

قیمت: قسمِ اعلیٰ پینتس ۳۵ روپے۔ قیمت قسم دوئم پچیس ۲۵ روپے

جہادِ آزادی کے روشن چراغ

المعروف،

فرنگیوں کا جال

امداد صابری

قیمت: قسمِ اعلیٰ پینتیس ۲۵ روپے۔ قیمت قسم دوئم پچیس ۲۵ روپے

مولانا محمد عثمان فارقلیط

آپ کا آبائی وطن پلکھوہ ضلع میرٹھ ہے۔ آپ کے پردادا مرحوم اطراف وجوانب میں ایک مشہور عالم تھے مسائلِ فقہ میں ان کی قلمی کتابیں اب تک موجود ہیں۔ آپ کے والد کا نام محمد احمد ہے۔ حج بیت اللہ فرمایا۔ حاجی کے لقب سے یاد کیے جاتے ہیں۔

مولانا موصوف سنہ ۱۹۰۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ کوچہ پنجہ بندان میں رہتے تھے۔ جس کو اب "کوچہ اُستاد داغ" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے مدرسہ حاجی علیجان (نئی سڑک) میں دہلی کے مشہور محدث وعالم مولانا عبدالرحمٰن اور مولانا احمد اللہ صاحب شیخ الحدیث سے درمیانی تعلیم تک کتب عربی پڑھیں اور کتب صحاح ستہ جناب ضمیر مرزا صاحب (رشتہ دار نواب لوہارو) سے تکمیل کیں۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سنہ ۱۹۲۳ء میں عیسائیوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے کیے۔ سنہ ۱۹۲۵ء میں عیسائیت کے خلاف انجمن اصلاح المسلمین کی بنیاد ڈالی۔ جس کی جانب سے پادری احمد مسیح، پنڈت رام چندر، دھرم بھکشو، پنڈت کالی چرن، پنڈت جگدیش وغیرہ سے دہلی، بلند شہر، پلکھوہ، حیدرآباد سندھ، دادو سندھ (دیول سندھ) وغیرہ مقامات پر مناظرے کیے۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں کراچی میں مقیم ہوئے اور شدھی سنگٹھن کے طوفان میں سندھ کے آریہ سماجیوں کا تعاقب کیا سندھ کے کارناموں کی تفصیل انجمن نے مسلمانان سندھ کی رپورٹ مرتبہ شیخ عبدالمجید صاحب سندھی میں درج کی ہے۔

سنہ ۱۹۲۹ء میں حوض قاضی کے گرجا میں پادریوں سے معرکۃ الآرا مناظرے ہوئے۔ ان مباحثوں میں ۱۲۵ سال کی عمر کا پادری جو ایس۔ پی۔ جی کے مشن کا انچارج تھا، صدارت کے فرائض ادا کرتا تھا اور ہندوستانیوں کے مباحثوں کے دلائل سُن کر تعجب کرتا تھا کہ انھوں نے کتنی ترقی حاصل کی ہے۔ خاص طور پر جب مولانا موصوف سے مناظرہ ہوتا تھا تو بحث سننے کے لیے آتا تھا اور بڑے غور سے بحث سنتا تھا۔ یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ پادری اور مشنری لوگ مردہ ہو چکے تھے اور مولانا موصوف دفنانے کا کام انجام دے رہے تھے۔ بہت سی مرتبہ پادری احمد مسیح جو نابینا تھے اور حافظ قرآن بھی تھے اور مسلمان سے عیسائی ہوئے تھے۔ وہ مولانا موصوف کے مدلل جواب کے بعد خاموش ہو جاتا تھا۔ مناظرہ کے بعد کہتا تھا کہ مولانا میں اب بھی مسلمان ہوں۔ پیٹ بھرتا ہوں۔ مجبوراً عیسائی بنا ہوں۔

پادری احمد مسیح کے علاوہ آپ نے دہلی، شاہدرہ میں پادری سلطان پال سے اور غازی آباد میں پادری عبدالحق سے مناظرے کئے۔

اسی زمانہ میں آپ نے جمعیتہ العلماء کے اخبار روزانہ الجمعیتہ میں سب ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ کچھ دنوں کے بعد آپ اخبار الجمعیتہ کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنا شروع کردیا۔ الجمعیتہ کے بعد اخبار مدینہ اور رسالہ قاردان کو ایڈٹ کرنے کے بعد پھر الجمعیتہ کے چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرنا شروع کردیا۔ الجمعیتہ کی حکومت دہلی نے ضمانت مانگ لی تو آپ نے لاہور کے مشہور اخبار زمزم کی ایڈیٹری اختیار کی اور وسط ۱۹۴۷ء تک کام کرتے رہے۔ دوران فساد میں اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے ہی واپس چلے آئے اور ملیکھوے میں مقیم ہوگئے ہر قسم کے مصائب برداشت کرکے ناظم اعلیٰ جمعیتہ العلماء کے حکم سے پھر ۲۳ر دسمبر ۱۹۴۷ء کو اخبار الجمعیتہ کی زمام ادارت سنبھالی۔ فسادات کے زمانہ میں امن عامہ قائم کرانے اور مسلمانوں کو مصائب سے بچانے کے سلسلہ میں آزادانہ آرٹیکل لکھے۔ جس کو دہلی کا عوام اور خواص پسند ہی نہیں کرتا بلکہ روزانہ اس کے پڑھنے کے انتظار میں رہتا تھا۔

آپ کے آرٹیکل حقائق سے پُر ہوتے تھے۔ واقعات پر اس انداز سے تبصرہ ہوتا تھا کہ ہر شخص سمجھ لیتا ہے۔ حکومت پر تنقید و نکتہ چینی بڑی متانت اور خوش اسلوبی کے ساتھ ہمدردانہ طرز پر فرمائی ہے۔ آپ کی صحافت نگاری کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے اور ایڈیٹروں کی طرح رنگ نہیں بدلے۔ اور ٹوڈیٹ پرست اور رجعت پسند اخبارات کی کبھی ایڈیٹری نہیں کی۔ آپ نے جن اخبارات میں کام کیا، اپنی آزادانہ قوم پرست پالیسی رکھی اور اسی کو آخر تک نباہا۔ اور مضبوطی کے ساتھ اسی پر قائم رہے۔

تصنیفات

ازبارقِ نصاریٰ میں آپکی مشہور و مقبول تصنیف ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد جو شخص اس کو ذہن نشین کرے تو ایک مناظر بن سکتا ہے۔ اور اس کو پادریوں سے مقابلہ کرنے کے لئے اس کتاب میں کافی مواد مل سکتا ہے۔

از بلا اُسپین کا تاریخی اور مذہبی افسانہ ہے۔ مگر اس کے ضمن میں تفصیلات کا بیشتر حصہ مولانا موصوف کی جدت آفرینی کا نتیجہ ہے۔ اس واقعہ میں اسلام کی صداقت اور مسیحیت کی بطلان پر جو دلائل پیش کئے گئے ہیں وہ وہی ہیں جو سلف میں عیسائی دنیا کے سامنے پیش کئے جاتے رہے ہونگے اور جس کا استعمال اسلامی مبلغین نے مشنریوں کے مقابلہ میں کیا ہوگا۔ مولانا موصوف کا مقصد بھی ان دلائل کے پیش کرنے کا یہی ہے کہ جن حضرات کو عیسائی مشنریوں سے سابقہ پڑتا رہتا ہے یا وہ مسیحی حلقوں میں تبلیغی فرائض انجام دیتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے ان تمام مسائل کے متعلق دلائل کا ذخیرہ ایک ہی جگہ فراہم کردیا جائے جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان ابتدائے اسلام سے بحث و نظر کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ جو شخص ان دلائل پر غیر جانبدارانہ طور سے غور کریگا۔ اس پر عیسائیت کا بطلان روزِ روشن

ی طرح واضح ہوجائے گا اور اسلام کی حقانیت اور اس کے دلائل کی پختگی کا اس کو اقرار کرنا پڑیگا۔

یہ تاریخی افسانہ اخبار الجمعیتہ میں قسط وار ایک عرصہ تک چھپتا رہا ہے۔ یہ کتاب سائز ۱۸x۲۲ پر جید برقی پریس بلیماران میں چھپی ہے۔ جو ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

ازیں کے علاوہ مولنا کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ رنگون کے پبلشر نے اس کو انگریزی میں چھاپا ہے اور بنگالیوں نے بنگالی میں اور مالابار کے لوگوں نے مالاباری زبان میں شایع کیا ہے۔

رہنمائے عقل، لاہور میں اخبار زمزم کی طرف سے شایع ہوئی۔ جس میں عقل کے صحیح استعمال کرنے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔

کلید خود شناسی :- یہ عملی نفسیات کی کتاب ہے جو بہت مقبول ہوئی اور عوام و خواص نے اس کو بہت پسند کیا۔ اس کو بھی لاہور کے مشہور اخبار نے شائع کیا۔

آپ کی دو لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں آپ کے نوجوان فرزند ارجمند محمد ایوب نے بعارضہ دق ۲۱ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ جس سے مولنا کو انتہائی صدمہ ہوا اور کمر بہت ٹوٹ گئی۔

مرزا غلام احمد قادیانی

مرزاجی پنجاب کے ایک مشہور مغل خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ شہنشاہ بابر کے زمانہ میں ایک شخص مرزا ہادی بیگ نامی علم دوست رئیس تھا۔ اپنے چند عزیزوں کے ہمراہ ہندوستان آیا۔ اس نے لاہور کے قریب ایک جنگل میں کیمپ ڈالا جس کا نام اسلام پور رکھا۔ حکومتِ دہلی نے ان کو اس علاقہ کا قاضی مقرر کردیا۔ اسی طرح مرزاجی کے پڑدادا مرزا فیض محمد کو شاہ فرخ سیر نے ۱۷۱۶ء میں ہفت ہزاری کا خطاب دیا۔ بادشاہ کے ہاں اُن کی بہت عزت تھی۔ چنانچہ خاندان کا سلسلہ چلا۔ مرزا فیض کے بیٹے مرزا گل محمد تھے۔ اور مرزا گل محمد کے صاحبزادے مرزا غلام احمد کے والد مرزا غلام مرتضیٰ تھے۔

مرزا ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی ولادت توام صورت میں ہوئی۔ جب آپ ۶ سال کے تھے۔ تو ایک فارسی خواں معلم گھر پر پڑھانے کے لئے نوکر رکھے گئے۔ جنھوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کی کتابیں پڑھائیں۔ جب دس برس کے ہوئے تو ایک عربی خواں مولوی صاحب مرزاجی کو پڑھانے اور تربیت دینے کے لئے مقرر ہوئے۔ جن کا نام فضل احمد تھا۔ مولوی صاحب موصوف ایک دین دار بزرگ تھے۔ انھوں نے مرزاجی کو قواعدِ نحو پڑھائے۔ سترہ برس کی عمر میں مرزاجی نے مولوی گل علی شاہ سے منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ حاصل کئے۔ بعض طبابت کی کتابیں انھوں نے اپنے والد سے پڑھیں۔

مرزاجی نے عالمِ شباب میں قدم رکھا تو حُرمت بی بی سے نکاح کیا۔ ان کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے اس بیوی سے مرزاجی کی نہ بنی۔ چنانچہ مرزاجی نے اس کو طلاق دے دی۔

مرزاجی نے ۱۸۶۴ء میں سیالکوٹ کے دفترِ ضلع میں سرکاری ملازمت اختیار کی۔ ۱۸۶۸ء میں آپکی والدہ کا انتقال ۱۸۷۶ء میں ہوا۔

۱۸۷۶ء میں آپ نے جب اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حکومت کے سایہ میں نہایت پُرزور مشنری کام کررہی ہے اور صلیبی مذہب ساری دنیا میں ایک طوفان عظیم کی طرح جوش مار رہا تھا۔ اس وقت مرزاجی نے "براہین احمدیہ" کتاب لکھی۔ جس کے ۴ حصے ہیں۔ اس کتاب کا ذکر حضرت مولانا محمد علی مُنگیری رحمۃ اللہ علیہ نے ردِ نصاریٰ کی فہرست میں ان الفاظ میں کیا ہے۔

اس عمدہ اور مبسوط کتاب میں دو طریقے سے مذہب اسلام کی حقانیت ثابت کی ہے۔ اول تو تین سو دلائل عقلیہ سے، دوئم ان آسمانی نشانیوں سے جو سچے دین کی سچائی ثابت کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اثبات حقیقت

اسلام میں یہ عمدہ کتاب ہے۔ یہ مولانا محمد علی مونگیری کا یہ تبصرہ اس وقت کا ہے۔ جب آپ نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

سنہ ۱۸۹۳ء میں مرزا جی کا مسٹر عبداللہ آتھم کے ساتھ امرتسر میں اسلام اور مسیحیت کے عنوان پر مناظرہ ہوا۔ جس میں عیسائیوں کو ہار ماننا پڑی۔

اس مناظرہ میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ پادریوں نے چند بیمار لڑکے چھپا رکھے تھے۔ درمیان مناظرہ میں وہ بیمار لڑکے مرزا صاحب مدعی مسیح موعود کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے۔ اور ان سے مطالبہ کیا کہ آپ مسیح موعود ہونے کے مدعی ہیں۔ یہ چند لڑکے بیمار ہیں۔ انھیں ہاتھ لگا کر اچھا کر دیجئے۔ مناظرہ میں بڑے قہقہے لگے۔ مرزا جی کھڑے ہوئے اور انھوں نے الزامی جواب حسب ذیل دیا۔ کہ مسیح ناصری نے یہ فرمایا ہے کہ۔

"اگر تم میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ہے تو تم قدرت کے خزانوں کے مالک بن سکتے ہو اور پہاڑوں کو حکم دیکر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاسکتے ہو اور کوئی بات تمہارے سامنے اَن ہونی نہیں ہونی چاہیئے۔"

(متی باب ۱۷ و لوقا ۱۷)

میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ مسیحی حضرات جو یہاں جمع ہیں اپنے مسیح پر ضرور ایمان رکھتے ہیں۔ آپ لوگوں کا ایمان رائی کے دانے سے تو بہر حال بڑا ہوگا۔ میں آپکا ممنون ہونگا کہ آپ ہی ذرا اپنا ہاتھ لگا کر زندہ کر دیجئے۔ پادری اسپر خاموش ہو گئے۔

تشحیذ الاذہان { سنہ ۱۹۰۵ء میں مرزا جی نے اپنی جماعت کے پروپیگنڈہ کے یہ رسالہ جاری کیا۔ جس میں عیسائیوں کے الزامات کے جوابات بھی شائع کئے جاتے تھے۔

مرزا جی نے وہ کتابیں جو انھوں نے خالص اسلامی نظریئے سے لکھی ہیں اور ردِ نصاریٰ میں ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) براہین احمدیہ، جلد چہارم، حصہ پنجم میں بھی صداقت اسلام اور معجزات کی حقیقت اور کمالات کے مدارج پر بحث کی ہے۔

(۲) اسلامی اصول کی فلاسفی :۔ اس میں مذہب کی بنیادی اصولوں پر اسلامی نکتۂ نگاہ سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۳) آئینہ کمالات اسلام :۔ اس کتاب میں اسلامی تعلیمات کی حکمت اور ملائک وغیرہ کے مسائل پر بحث ہے۔ اور تعلیم اسلامی کی اکملیت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۲۶ مئی سنہ ۱۹۰۸ء میں مرزا جی کا انتقال ہوا۔ آپ کے جنازہ کو قادیان میں مقبرہ بہشتی کے ساتھ رکھا گیا۔

مولوی چراغ علی

نواب عظیم یار جنگ بہادر مولوی چراغ علی کے آبا و اجداد کا اصلی وطن کشمیر تھا۔ وہاں سے انکا خاندان آیا۔ اور پھر میرٹھ چلا گیا۔ ان کے والد ماجد مولوی محمد بخش سہارنپور و میرٹھ میں پہلے ملازم ہوئے۔ پھر ۱۸۴۹ء میں پنجاب اور سرحد میں مہتمم بندوبست رہے۔ یہ منصب کلکٹر کے عہدے سے کم نہ تھا۔

مولوی صاحب ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ دس برس کے تھے کہ والد بچپنے ہی میں ۱۸۵۶ء میں فوت ہو گئے۔ مولوی صاحب کے تین بھائی اور تھے۔ آپ سب سے بڑے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت میرٹھ میں ہوئی۔ لیکن اردو، فارسی، انگریزی کی معمولی تعلیم ہو سکی۔ کوئی امتحان پاس نہ کر سکے۔ ابھی طالب علم تھے۔ کہ ضلع بستی میں خزانے کے منشی ہو گئے۔ بیس ۲۰ روپے تنخواہ ہوئی۔ چند سال کے بعد غالباً ۱۸۷۲ء میں ڈپٹی مترجم ہو گئے۔ اور پھر سیتاپور میں تبادلہ ہو گیا۔ مولانا صاحب کی طبیعت کا رجحان مذہب کی طرف تھا اور اسلام کی حقانیت عیسائی پادریوں کے سامنے پیش کرنے اور ثابت کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ سر سید سے آپ کے تعلقات ہو گئے انھوں نے سالار جنگ کے پاس مولوی صاحب کو بھیج دیا۔ وہاں ان کو معتمد مال گزاری کا عہدہ دیا گیا۔ چار سو روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ اس کے بعد سات سو روپے تنخواہ مقرر ہوئی۔ اس کے بعد ورنگل و گلبرگہ کے صوبے دار ہوئے اور معتمد فنانس ہوئے۔ یہ سب خدمات و محنت و قابلیت اور دیانت کے ساتھ انجام دیں جس کے صلے میں نواب اعظم یار جنگ کا خطاب ملا۔

مولوی چراغ علی نہایت مستقل مزاج صائب الرائے، بے لوث، غیر متعصب الرائے اور انتہا درجہ کے جفاکش آدمی تھے۔ جس زمانہ میں فنانشل سکریٹری تھے۔ خبر ملی کہ مسٹر کرالی کنٹرولر ہو کر آ رہے ہیں۔ مولوی صاحب نے فنانس پر انگریزی کی بہت اعلیٰ درجہ کی کتابیں منگائیں اور ایسا مطالعہ کیا کہ جب مسٹر کرالی سے ملاقات ہوئی اور اس موضوع پر گفتگو کا موقع آیا تو وہ ان کی قابلیت اور وسعت معلومات پر حیران رہ گئے۔

مولوی چراغ علی نے اپنی محنت سے اعلیٰ تعلیم کی کمی پوری کر لی تھی۔ عربی فارسی کے عالم تھے۔ لاطینی، یونانی زبانوں میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ انگریزی زبان پر تو ایسی قدرت حاصل تھی کہ بڑے بڑے انگریزی اخبارات کے ایڈیٹر اُن کی قابلیت کے معترف تھے۔

بے تعصب ایسے تھے کہ کسی فرقہ و مذہب سے کوئی پرخاش نہ تھی۔ یہاں تک کہ اسلامی فرقوں میں سے کسی سے تعلق نہ تھا۔ چنانچہ مردم شماری کے موقع پر فرقہ کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے شیعہ لکھ دیا اور اپنے بیٹوں اور اپنے نام کے آگے صفر لکھ دیے۔ ۱۵ جون ۱۸۹۵ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۱۲ ہجری میں انتقال ہوا۔ چراغ حق ۱۳۱۲ ہجری تاریخ ہے آپکی تصانیف میں تحقیق الجہاد، پادری عماد الدین کی تاریخ محمدی کا جواب (۲) قدیم مولویوں کی مختصر تاریخ۔

مولانا حکیم سید محمد غوث علی گورکھپوری

آپ نے بھی پادری ٹھاکرداس کے رسالہ سیرت المسیح والمحمد کے جواب میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام القول البلیغ فی المحمد المسیح ہے۔ یہ کتاب ۷۲ صفحات پر مطبع لطیف الاخبار گورکھپور میں چھپی ہے۔ حکیم صاحب گورکھپور کے مفتی اور مقبول واعظ اور مناظر ۔ غرباء پرور اور کتب کے شائق تھے۔

مولوی شیخ احمد

آپ قصبہ ٹانڈہ ضلع ہوشیارپور کے باشندے ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد حاجی شیخ محمد بخش حاجی مکہ معظمہ ہیں پنجاب کے مشہور عالم تھے۔ آپ جہاں بہترین شاعر اور واعظ ہیں۔ وہاں بہترین مناظر اور ردِ نصاریٰ ہیں۔ آپ اپنے ضلع میں پادریوں کے لیکچروں میں شامل ہوتے تھے اور ان پر اعتراضات کرتے تھے۔ جن کا وہ معقول جواب نہیں دیتے تھے۔

آپکا طریقہ یہ تھا کہ جس جگہ پر شام کو پادری جاتا۔ اسی جگہ پر آپ صبح کو جاتے اور وہ پھنسانے کا جو بھی جال بچھا کر آتا۔ اس کو پاش پاش کرتے اور ہندو مسلمانوں کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی تلقین کرتے۔ آپ کی مشہور تصنیف مثنوی احسنی بٹالوی ہے۔ اس میں آپ نے شاہ توکل علیہ الرحمتہ کے کرامات واشعار کو بیان کیا ہے۔ یہ کتاب مطبع بے نظیر سہارن پور میں ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں چھپی ہے۔

آپ ۲۵ صفر ۱۳۱۹ھ کو حالتِ سفر میں ریل میں گرے۔ وہاں سے آپکو لدھیانہ پہنچایا گیا۔ وہیں آپ نے انتقال فرمایا۔

مولوی اکرام اللہ گوموی ثم اکبرآبادی

مولوی اکرام اللہ بن مفتی انعام اللہ خاں بہادر بن مفتی محمد اسحاق نبیرۂ اعلم العلماء ملا وجیہ الدین مولفہ فتاویٰ عالمگیری، مفتی انعام اللہ محکمہ شریفہ دہلی سے ایک عرصہ تک منسلک رہے۔ پھر وکیل صدر نظامت ہوگئے۔ آخر میں مہتمم بندوبست ریاست ٹونک رہے۔

مولوی اکرام اللہ نے ابتدائی کتب فارسی عربی زیب النساء متخلص سے پڑھیں۔ متوسطات کو والد ماجد سے پڑھا۔ فارسی میں تکمیل اپنے عم مولانا غلام امام شہید امیٹھوی سے کی۔ اسباقِ حدیث مفتی ریاض الدین صاحب کاکوروی سے پڑھے۔ ڈاکٹری ڈاکٹر مکند لال سے اور قانون بابو بینی پرشاد وکیل صدر سے کچھ عرصہ بھوپال میں منشی احمد حسین پیش کار نواب سلطان جہاں بیگم کے نائب رہے۔ ان کی خوب صورتی و ہاں جان بنی۔ ترکِ ملازمت کرکے وکالت کا امتحان دیا۔ مختاری شغل رہا۔ اپنے ماموں افضل العلماء قاضی ارتضیٰ علی خاں قاضی القضاۃ کے مشورہ سے تصنیف و تالیف میں گم گئے۔ مولوی احمد شاہ مدراس کے مرید تھے۔ مسٹر جوزف فرانسیسی مشنری مولوی احمد اللہ شاہ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ یوسف علی شاہ نام رکھا۔ مولوی صاحب نے اُن سے انجیل پڑھی۔ اور فنِ مناظرہ حاصل کیا۔ پادری عماد الدین کی کتاب تعلیم محمدی کا جواب دیا۔ "ہفواتِ عمادیہ" نام رکھا۔ امیر المطابع میں شائع ہوئی۔ پادری فنڈر کے مناظرہ میں بھی شریک تھے۔ ڈاکٹر وزیر خاں ان کے والد کے احباب میں سے تھے۔ وہ مولوی صاحب پر بہت مہربان تھے۔ "تحریفِ اناجیل" ایک رسالہ لکھا۔ جو قلمی شعیب محمدیہ کتب خانہ میں موجود ہے۔ تصویر الشعراء ذکر العلماء، قواعد فارسی، اخبارِ واصلین، وغیرہ کثیر التعداد کتب تصنیف کیں۔ رسالہ منطق قلمی (پبلک لائبریری آگرہ) میں موجود ہے۔ رسالہ مساحت مفتی انتظام اللہ شہابی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ داستان تاریخ اردو میں آپکی نثر نگاری اور تصانیف کا تذکرہ ہے آپکے صاحبزادے صوفی اسلام اللہ متخلص صوفی اکبر آبادی تھے۔ جن کا تذکرہ خمخانۂ جاوید میں لالہ سری رام نے کیا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں منشی عبد الکریم کی سی ایس آئی ای وی او کے ساتھ دربار دہلی میں شریک ہوئے۔ عمائد شہر میں سے تھے۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔

جہانگیر خاں مناظرِ اسلام اکبرآبادی ریلوے میں گارڈ تھے۔ قومی کاموں میں دلچسپی تھی۔ عیسوی مذہب پر خاص نظر تھی۔ پادری رام چندر سے اکثر مناظرے رہے۔ بہتان جہانگیری، ردِ نصاریٰ وغیرہ آپ کی خاص یادگار ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں انتقال ہوا۔

مولوی نواب مرزا اکبر آبادی

مولوی نواب مرزا ابن مرزا وقار علی بیگ ڈپٹی کلکٹر ابن مرزا اکبر بیگ برلاس، اکبر بیگ کو مرزا طالب کی پھوپھی زاد بہن منسوب تھیں۔ نواب مرزا اہم استعداد بزرگ تھے۔ نائب تحصیلداری پر تقرر ہوا۔ بہت جلد تحصیلدار ہوگئے۔ علم کا ذوق رکھتے تھے۔ چند رسالے بھی آپ کی تصنیف ہیں۔ نصرانیت کے خلاف زیادہ لکھا کرتے تھے۔ ایک کتاب عیسوی مذہب اور جہاد پر لکھ رہے تھے۔ ان کے پیشکار غلام عباس نے کلکٹر سے جا لگائی ان پر مقدمہ قائم ہوا۔ ان کے والد کی دیرینہ خدمات کا لحاظ کر کے برخاست کردیا، دوسری سزا نہ دی۔ نواب مرزا صاحب تمام عمر دار الحرب ہندوستان کو سمجھا کئے۔ نماز جمعہ میں شریک نہ ہوتے۔ ظہر کی نماز جمعہ کو بھی ادا نہ کرتے۔ ۱۹۴۰ء میں بعمر ۸۵ سال انتقال ہوا۔

مولوی سید محمد، مدرس ہائی سکول علیگڑھ

وطن پھلیر تھا۔ والد پھلیر کے زمیندار تھے۔ بھرتپور کے علاقہ پر نجف خاں، ذوالفقار الدولہ کا قبضہ ہوا۔ وہاں کے جاٹ مسلمان ہوگئے۔ جن کا مسلک شیعہ تھا۔ مولوی صاحب کے بزرگ جعفری ہوگئے۔ ۱۹۱۰ء میں انتقال ہوا۔ تنزیہہ القرآن یادگار ہے۔

مولانا سید محمد موید الدین خانصاحب

آپ معتمد عدالت کوتوالی سرکار نظام عرصہ تک رہے۔ آپ کو مشنریوں کے سرگرم عمل ہونے سے خیال پیدا ہوا کہ میں بھی رد نصاریٰ میں ایک کتاب لکھوں۔ چنانچہ آپ نے عربی زبان میں (تاکہ ممالک اسلامیہ بھی اس سے فیض حاصل کریں) ایک کتاب "تشخیص المقال" رد نصاریٰ میں تصنیف کی۔ اس کا اردو ترجمہ آپکے صاحبزادے مولوی سید محمد محی الدین خان، جسٹس ہائیکورٹ سرکار نظام مولوی سید احمد خاں وکیل ہائیکورٹ نظام کی فرمائش پر کیا۔ جون ۱۹۰۰ء میں مطبع نولکشور لکھنؤ میں بڑی تقطیع پر ۱۸۲ صفحات پر چھپا۔ ترجمہ کا نام مترجم

نے "اثبات الحق" رکھا۔

یہ کتاب ردِ نصاریٰ میں ایک مکمل تردید کی حیثیت رکھتی ہے۔ فاضل مصنف نے اس میں مشنریوں کے کل اعتراضات پر مدلل جوابات دیئے ہیں۔ جن کا آجتک مشنریوں کی بیسیوں سوسائیٹوں میں سے کہیں ایک نے بھی جواب نہیں دیا۔

مولانا مظفر علی

ابن قاضی مجتبیٰ علی خاں، قاضی القضاۃ مدراس ابن مولوی مصطفیٰ علی خاں صاحب، صاحب تذکرۃ النساء نے پادری عماد الدین کی تعلیمات محمدی کے جواب میں نفائس ارتضائیہ فوائدِ سعدیہ نامی کتاب مطبع نولکشور میں شائع کی۔ آپ کے اُستاد برادر افضل العلماء قاضی ارتضیٰ علی خاں قاضی القضاۃ مدارس تھے۔

ڈاکٹر محمد نفیس

ڈاکٹر محمد نفیس برادر ڈاکٹر محمد لقین صاحب خلف محمد کامل برادر محمد معظم اُستاد مرزا غالب غدر سے پہلے سکندرہ سے عیسائی اسلام کے خلاف کتاب نکالتے تھے۔ آپ کا کام یہ تھا کہ اس کتاب کے مسودے کاغذات پریس سے منگواتے یا کتاب چھپتے ہی آپ کے پاس پہنچ جاتی۔ آپ مارکیٹ میں جانے سے پہلے اس کا جواب چھپوا کر مارکیٹ میں بھیج دیتے تھے۔

چودھری مولا بخش

لکھنؤ کی مشہور برادری کے چودھری ہیں۔ نیز آپ مولانا محمد علی منگیری کے ساتھی ہیں۔ آپ ہی وہ قابل شخصیت ہیں جو مولانا صاحب کو نصاریٰ کی انگریزی کتابوں کے ترجمے اور خلاصوں کا ترجمہ کر کے دیتے تھے۔ آپ کی ردِ نصاریٰ میں ایک مشہور تصنیف مراسلات مذہبی ہے (پیغام محمدی صہ ۳۱۴)

مولوی سلیم اللہ

آپ نے ردِ نصاریٰ میں کثیر تصنیفات فرمائی ہیں۔ آپ کے مناظرے کامیاب اور موثر ہوتے تھے۔ اپنے

مقابل کو لاجواب کر دیتے تھے۔ چنانچہ منشی صاحب نے مسیحیت کو خیرباد کے مشنری تھے ان سے آپ کا مباحثہ ہوا۔ جس پر منشی صاحب نے مسیحیت کو خیرباد کہا۔ اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ مناظرہ کتابی شکل میں ہے۔ انظہار الاسلام اس کا نام ہے۔

مولوی سلیم اللہ کی مشہور کتب صداقتِ قرآنی از کتب ربانی، انصاف الدفع الاختلاف ہیں۔ مولنا رحمت اللہ صاحب کی مشہور کتاب اظہار الحق کا اردو ترجمہ آپ نے ہی فرمایا تھا۔ مگر وہ طبع نہ ہو سکا۔

مولوی غلام نبی

مولنا پنجاب کے مشہور مناظر اور ردِ نصاریٰ کی کتب کے مصنف تھے۔ آپکی تصنیف عصمت الانبیاء عیسائیوں کے رسالہ "نبی معصوم" کا جواب ہے۔ اس میں قابلیت کے ساتھ انبیاء کا معصوم ہونا ثابت کیا ہے آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں۔ تصدیق الاسلام، تحقیق الاسلام، حقیقت جہاد، معجزاتِ محمدیہ۔

مولوی عبید اللہ

آپ نے مدرسہ صولتیہ کی مدرسی میں تمام زندگی صرف کی۔ آپ عربی، فارسی، انگریزی، عبرانی وغیرہ متعدد زبانیں جانتے تھے۔ نصاریٰ کی کتب کا آپنے مذکورہ زبانوں میں مطالعہ کیا ہے۔ آپ کی معرکتہ الآرا تصانیف یہ:

(۱) شق القمر المعجزۃ سید البشر (۲) السیف الہندی (۳) ارشاد النبی اے اسم النبی۔

مولنا محمد علی مراد آبادی

آپ کی تصانیف بھی مشنریوں کے لئے مہلک اور مضر ثابت ہوئیں۔ مشہور عیسائی محبوب مسیح نے ۲ رسالے صوراۃ القرآن، تحفہ الاعم شائع کئے تھے۔ اس کے جواب میں آپ نے تائید الفرقان اور کشف الاوھام کتابیں شائع کیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ محبوب مسیح عیسائی نہیں رہے اور ان کو عیسائی مذہب چھوڑنا پڑا۔ پادری مذکورہ جوابی کتابوں کی اشاعت کے سخت مخالف تھے۔ انھوں نے اس کے دوبارہ چھپنے پر اعتراضات کئے اور کافی اودھم مچایا۔ اسی طرح مولنا نے پادری عماد الدین کے رسالے تحقیق شریف لنبتیین" کا جواب شہادت النبین برسالہ سید المرسلین شائع کیا۔ جس کا جواب دینے کی کسی سوسائٹی نے ہمت نہیں کی۔

مولوی محمد فیروز الدین ڈسکوی

آپ شاعر بھی ہیں اور فیروز تخلص رکھتے ہیں۔ آپ سیالکوٹ کے ڈسٹرکٹ اسکول کے صدر مدرس

بھی رہے ہیں - آپ نے پادری عماد الدین کے ان ناپاک خیالات اور فاسد الزامات کا، جس کا نام انھوں نے تواریخ محمدی رکھا ہے، جواب دیا ہے - یہ جواب عام طور پر غیر قوموں کے مصنفین کی کتابوں سے جمع کیا گیا ہے - اس کتاب کا نام "فضائل الاسلام فی ذکر خیر الانام المعروف تبادیخ محمدی ہے - ابیغام محمدی ۳۰۶)

مولنا محمد شاہ لکھنوی

آپ نے عیسائیت کے خلاف تین کتابیں لکھیں ہیں (۱) غایۃ الشعور بحج الحج المبرور ہے - یہ عالمانہ کتاب اسرار حج کے بیان میں ہے، عیسائیوں کے شبہات کا بہترین جواب ہے - اول مرتبہ سنہ ۱۲۸۳ھ میں چھپی (۲) اجوبہ عجیبہ ہے - یہ تحقیقی تصنیف جواب ہے، کثرت ازدواج وطلاق پر غلط الزامات کا (۳) فیض معظم، آپ کی تیسری کتاب ہے - جس میں بہشت کی نعمتوں کا ذکر ہے اور معترضین کے اعتراضات کا جواب ہے -

ہر ہندوستانی عیسائیت کے عروج اور ترقی کو اپنے مذاہب کے لئے بربادی سمجھتا تھا - اس لئے جو کتابیں ردّ نصاریٰ میں چھپتی تھیں - ان کو ہندو و مسلمان سب پڑھتے تھے - پڑھتے ہی نہیں تھے بلکہ اپنے پریسوں میں چھپوا کر اسکی اشاعت کرتے تھے - چنانچہ شاہ صاحب کی مقبولِ عام کتاب "غایۃ الشعور بحج الحج المبرور" منشی نول کشور نے سنہ ۱۲۹۰ھ میں چھپوائی -

---

کنگھی والے مناظر

مولنا احمد سعید صاحب کی زبانی معلوم ہوا کہ دہلی میں ایک کنگھی والے مناظر بھی تھے - جو بارہ دری شیر افگن خاں بلیماران میں رہتے تھے - یہ مناظر صبح سے شام تک شہر کے مختلف مقامات حوض قاضی، فوارہ، گھنٹہ گھر، بارہ ٹوٹی، باڑہ ہندو راؤ، سبزی منڈی، جامع مسجد کی سیڑھیوں پر ردّ نصاریٰ کرتے تھے - انکو مولنا شرف الحق، مولنا رحمت اللہ اور مولنا ابو المنصور کے مناظرے اور کتابیں ازبر تھیں - یہ ان کے دلائل کو بڑی شد ومد کے ساتھ بیان کرتے تھے - ان کا خود بھی مطالعہ کافی تھا -

---

حافظ احمد دین لاہوری

آپ نے بھی اثباتِ نبوی سرورِ عالم پر ایک کتاب احسن الکلام فی رد مخالف الاسلام لکھی ہے جو ۲۶ صفحات پر مطبع معینِ عام لاہور میں چھپی ہے۔

مولوی احمد علی

آپ دہلی کے رہنے والے ہیں۔ لاہور میں مقیم تھے۔ مشہور واعظ اور مناظر تھے۔ آپ نے اپنے رسالہ حقوق الحق جس کے کئی حصے ہیں۔ کفارہ مسیح کا بطلان کیا ہے۔ اس کا نمبر ۵ مطبع گلشن رسدی و ۶ نمبر مطبع گلزار محمدی لاہور میں چھپا ہے۔

حاجی مولوی محمد یوسف رانذیری

دعوۃ اسلام آپکی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔ نصرۃ المطابع دہلی میں چھپی۔ یہ کتاب عالی ہمت مصنف نے مفت تقسیم کیں۔ پھر اس کا ترجمہ انگریزی میں چھپواکر یورپ کو روانہ کیا۔

مولوی اشرف علی سلطانپوری

نیرِ اعظم میں آپ نے اسلام کی حقیقت اور محمد مصطفیٰ کی نبوت کے دلائل بیان کئے ہیں۔ یہ کتاب کپورتھلہ میں ۱۳۰۳ھ میں چھپی ہے۔

مولوی رحم الٰہی بنگلوری

مولٰنا نے بشارتِ محمدی میں عہدِ عتیق اور جدید کی بشارت سے آنحضرت کے بہت سے خصوصیات کو ثابت کیا ہے۔ یہ مطبع لٹریری سوسائٹی بریلی میں ۲۸۲ صفحات پر دوسری مرتبہ چھپی۔

مولوی حاجی سید احمد حسین عظیم آبادی

آپکی بھی ردِ نصاریٰ میں ایک کتاب اظہار عیسوی ہے۔

جناب مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری

آپ کا آبائی وطن کشمیر تھا۔ آپ کے والد ماجد خضر علاقہ ڈورو، تحصیل اسلام آباد ضلع سرینگر میں رہتے تھے اور کشمیری براہمنوں کے منٹو نامی گوت سے تعلق رکھتے تھے۔ پشمینہ کی تجارت کرتے تھے۔ تجارتی کاموں کے سلسلہ میں امرتسر گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔

مولانا ثناء اللہ صاحب ۱۸۶۸ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ابھی عمر کی سات منزلیں بھی طے نہ کر پائے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ صاحبہ اور بڑے بھائی کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ چودہ سال کی عمر میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ مولانا کے تین بھائی اور ایک بہن تھی۔ دو بھائی بے اولاد فوت ہوئے۔ چودہ سال کی عمر میں مولانا صاحب کو تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ ابتدائی کتب فارسی پڑھکر حضرت مولانا احمد اللہ صاحب رئیس امرتسر کے پاس پہنچے۔ وہاں پر رفوگری کا کام کرتے اور ان سے سبق بھی لیتے۔

اس طالب علمی کے زمانہ میں مولوی صاحب گرجا گھر، بیرون دروازہ رام باغ امرتسر میں شام کے وقت جاکر پادری کی تقریروں پر اعتراضات کرتے۔ جن کو عوام دلچسپی کے ساتھ سنتے تھے۔ مولانا صاحب نے شرح جامی اور قطبی تک ان سے تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں کتب حدیث پڑھ کر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۸ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔ بعدہٗ شمس العلماء حضرت مولانا سید نذیر حسین کے پاس دہلی پہنچے۔ سند دکھا کر سند تدریس حاصل کی۔ یہاں سے سہارنپور گئے، پھر دیوبند پہنچے۔ وہاں کتب معقول میں قاضی مبارک، میر زاہد، صدرا اور شمس بازغہ وغیرہ اور منقولات میں ہدایہ توضیح تلویح اور مسلم الثبوت وغیرہ تحصیل کیں اور دورۂ حدیث میں بھی شریک ہوئے۔ پنجاب کے اساتذہ کے درس حدیث اور دیوبند کے درس میں جو فرق تھا۔ بقول مولوی صاحب، اس سے میں نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ دیوبند پر بھی مولانا کو بہت فخر تھا۔ مدرسہ دیوبند میں ان دنوں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب صدر مدرس تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مولانا احمد حسن صاحب کان پوری کا معقولات میں بہت شہرہ تھا۔ آپکو بھی شوق ہوا کہ مولانا کان پوری سے فیض حاصل کروں۔ کان پور پہنچ کر مدرسہ فیض عام میں داخل ہوئے۔ کتب منتہیہ کو درس میں دوہرایا۔ مولانا احمد حسن صاحب حنفی عقیدہ کے تھے۔ مگر طلباء کے لئے کوئی عقیدہ نہیں تھا۔ مدرسہ فیض عام میں آٹھ طلباء کی دستار بندی ہوئی۔ اس میں مولوی ثناء اللہ صاحب کا نام بھی تھا۔ جلسہ ہوا۔ سندیں دی گئیں۔

اسی جلسہ میں ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ واقعہ ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء کا تھا۔

جب مولوی صاحب تعلیم سے فارغ ہوئے تو مولنا احمد اللہ صاحب نے ان کو مدرسہ تائید الاسلام امرتسر یا مدرس اول مقرر کیا۔ عربی کتابوں کی تعلیم دیتے رہے۔ اس کے بعد چند دنوں کے لئے ۱۸۹۸ء میں مالیر کوٹلہ کے مدرسہ اسلامیہ میں مدرس اول بنائے گئے۔ آخر وہاں سے امرتسر چلے آئے۔ یہاں آنے کے بعد تصنیف تعلیم میں مصروف ہوگئے۔ ۱۹۰۱ء کو پنجاب یونیورسٹی سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اسی سال مرزا غلام احمد قادیانی نے بغرض تحقیق بذریعہ کتاب اعجاز محمدی، انعامی وعدہ ایک لاکھ پندرہ ہزار پر مولوی صاحب کو قادیان بلایا۔

مولوی صاحب ۱۹۰۲ء کو قادیان پہنچے اور اپنی آمد کی اطلاع مرزا صاحب کو پہنچائی

مرزا صاحب نے جواب میں لکھا کہ میں خدا کے ساتھ وعدہ کرچکا ہوں کہ میں مولویوں سے مناظرہ نہیں کرونگا۔ آخر مولوی صاحب قادیان میں ایک تقریر کرنے کے بعد امرتسر چلے آئے کہ "خود سوئے مانند بدحیارا بہانہ ساخت"۔

نومبر ۱۹۰۳ء میں مولوی صاحب نے امرتسر سے اخبار اہلِ حدیث جاری کیا۔ جو ۴۴ سال کے بعد ۱۹۴۷ء میں بند ہوگیا۔ مرقع قادیانی، یکم جون ۱۹۰۷ء کو مسلمان، مئی ۱۹۰۸ء کو امرتسر سے نکالے

جنوری ۱۹۰۳ء میں مولوی صاحب کا قادیان جانے کے بعد مرزا صاحب سے مکالمہ بذریعہ اخبار اور رسائل ہوتا رہا۔ آخرکار مرزا صاحب نے مولوی صاحب سے تنگ آکر ۱۵۔ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ حسب ذیل فیصلہ شائع کیا۔

"اے میرے کامل وصادق خدا! اگر مولوی ثناء اللہ ان تہمتوں میں جو وہ مجھ پر لگاتا ہے حق پر نہیں تو میں عاجزی سے تیری جناب میں دعا کرتا ہوں کہ میری زندگی میں ہی انھیں نابود کر۔ میں تیری رحمت اور تقدس کا دامن پکڑ کر تیری جناب میں ملتجی ہوں کہ مجھ میں، ثناء اللہ میں سچا فیصلہ فرما اور جو تیری نگاہ میں حقیقت میں مفسد و کذاب ہے۔ اس کو صادق کی زندگی میں ہی دنیا سے اٹھالے۔ اے میرے پیارے مالک! تو ایسا ہی کر، آمین" بالآخر مولوی صاحب سے التماس ہے کہ اس تمام مضمون کو اپنے پرچے میں شائع کردیں۔ اور جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں۔ اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔"

نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ۱۳ ماہ کے بعد مرزا صاحب کی دعا کا اثر ظاہر ہونا شروع ہوا اور مرزا صاحب وفات پاگئے اور مولوی ثناء اللہ صاحب سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب نے امرتسر کے قیام کے زمانہ میں مناظروں میں حصہ لینے کی جانب توجہ دی۔ چنانچہ ۱۹۱۲ء میں دہلی میں

مرزائیوں سے مناظرہ ہوا۔ جس میں سرپنچ سردار گوربچن سنگھ وکیل تھے۔ انکا فیصلہ مولوی صاحب کے حق میں ہوا۔ جس میں تین سو روپے انعام بھی پایا۔ یہ مناظرہ مرزا غلام احمد کے ایک مرید منشی قاسم علی صاحب دہلوی ایڈیٹر الحق سے ہوا تھا۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں ریاست رام پور میں والیٔ رام پور کے حکم سے قادیانیوں سے مباحثہ ہوا۔ جس کے متعلق نواب رام پور نے فیصلہ کی شکل میں نہیں، بلکہ سرٹیفیکٹ کی شکل میں مولوی صاحب کو مندرجہ ذیل تحریر عنایت فرمائی:۔

"۱۸ر جولائی سنہ ۱۹۰۹ء میں رام پور میں قادیانی صاحبان سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ "برجستہ کلام" کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں جس بات کی تمہید کی اسے بہ دلائل ثابت کیا۔ ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوگئے۔"

سنہ ۱۹۳۴ء میں پادری عبدالحق صاحب سے الہ آباد میں کئی روز تک مناظرہ ہوتا رہا۔ الہ آباد کے لوگوں نے پادریوں کے لیکچروں سے تنگ آکر مولوی صاحب کو امرتسر بلایا۔ جس کے بعد مناظرہ ہوا۔ اور پادری عبدالحق نے بھرے جلسے میں شکست کا اعتراف کیا۔ دو بڑے مناظرے آریوں سے دیوریا اور نگینہ ضلع بجنور میں ہوئے۔ جن میں آپ کو شان دار کامیابی حاصل ہوئی۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کے ایک دو یا دس بیس نہیں بلکہ عیسائیوں، آریوں اور قادیانیوں وغیرہ سے لاتعداد مناظرے ہوئے۔ جس پر ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے (آپکی پہلی کتاب اسلامی تاریخ ہے جو رسول خدا۔ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات پر بصورت حکایات لکھی ہے۔ وہ بہت پسند کی گئی۔ بیگم بھوپال نے اس کے کئی نسخے منگاکر مدراس میں تقسیم کئے۔ مولوی صاحب نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ دی اور عیسائیوں، آریوں اور قادیانیوں کے خلاف کافی کتابیں لکھیں۔ رد نصاریٰ میں آپکی پہلی تصنیف "تقابل ثلاثہ" ہے جو جولائی سنہ ۱۹۰۴ء کو مطبع اہلحدیث میں شائع ہوئی۔ ۵۰ اصفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں توریت، انجیل اور قرآن مجید کا مقابلہ قرآن شریف کی فضیلت اور عیسائیوں کی بحث کا انقطاعی فیصلہ کیا ہے۔ یہ کتاب پادری ٹھاکر داس کی کتاب عدم ضرورت قرآن کے جواب میں شائع کی گئی چار اور کتابوں بھی آپ نے عیسائیوں کی رد میں تحریر فرمائی ہیں۔

توحید و تثلیث، مولوی صاحب نے انجیل کے نام نہاد تثلیث کے نظریے کو بہ دلائل عقلیہ سے تکذیب کی ہے اور وحدانیت کے مقابلہ میں تثلیث کو اس کا تضاد ثابت کیا ہے۔

جوابات نصاریٰ میں مولوی صاحب نے عیسائی مشنریوں کے لغو اعتراضات و الزامات کی تردید کی ہے اور ان اعتراضات کو بے بنیاد اور غلط ثابت کیا ہے جو انھوں نے اسلام پر کئے تھے۔

اسلام اور عیسائیت میں سیاست محمدیہ اور قوانین انگریزی کا مقابلہ کرنے پر ثابت کیا

کیا ہے کہ اسلامی قانون ہی موجب فلاح اور آسائش رعایا ہے۔ قرآن اور دیگر کتب بھی اسلام کی حقانیت اور نصرانیت کی تکذیب میں لکھی گئی تھی۔

اسی اثناء میں آریوں نے اپنی ایک کتاب ستیارتھ پرکاش کا اردو ترجمہ کیا۔ جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ۵۹۔ اعتراضات کئے۔ ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی کئی اعتراضات بھی ہیں۔ ستیارتھ پرکاش شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی۔ کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے۔ اس کے جواب میں ثنائی پریس سے حق پرکاش شائع کی گئی جو ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقہ کے عالم نے حق پرکاش کے جواب کے لئے قلم نہیں اٹھایا۔

اس کے بعد ایک مسلمان عبدالغفور نامی جو ہندو ہو گیا تھا۔ اس نے اپنا نام دھرمپال رکھا تھا۔ ہندو ہونے کے بعد ایک کتاب ترکِ اسلام لکھی۔ اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں میں بہت بے چینی پیدا ہوئی۔ آخر اس بے چینی کو مولوی ثناء اللہ صاحب نے سکون بخشا۔ اور فوراً اس کے جواب میں شائع کی۔ اس کا جواب دھرم پال نہ دے سکے۔ چنانچہ دھرمپال کا اپنا بیان ہے کہ میں نے مولانا کے اس جواب پر اپنے کو لاجواب پایا۔ مگر اس کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکا کہ دوبارہ مسلمان ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کروں۔

اسی اثناء میں دھرمپال شدید بیمار ہوئے۔ اس بیماری کے دوران مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسر سے لاہور اس کی عیادت کے لئے گئے۔ یہ آپ کی آمد سے بیحد متاثر ہوا۔ جس نے اسلام کے خلاف لکھا ہے۔ اس بیمار کی مزاج پرسی کے لئے ایک عالم کا جانا اس کے لئے تعجب انگیز تھا۔ مولوی صاحب کا یہ معمول تھا کہ وہ امرتسر سے اپنے رفقاء میں سے کسی نہ کسی کو دھرمپال کی عیادت کے لئے بھیجتے اور حسب عادت کچھ نہ کچھ تحفے بھیجتے۔ جب دھرمپال صحت یاب ہو گیا تو مولوی صاحب خود تشریف لے گئے اور دھرم پال کو تندرست دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور اس سے بغل گیر ہوئے۔

مولوی صاحب کے اس سلوک سے دھرم پال بہت ہی متاثر ہوا۔ کچھ عرصہ کے بعد متاثر ہو گیا آریوں کی طرف سے ایک اور کتاب "کتاب اللہ وید ہے یا قرآن" شائع ہوئی۔ اس کا جواب بھی مولوی ثناء اللہ صاحب نے دیا اور کتاب الرحمان مرتب کی۔ تھوڑا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ رنگیلا رسول نام کی ایک کتاب طبع ہوئی۔ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ناپاک حملے کئے گئے۔ جس کی وجہ سے ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک ایک آگ لگ گئی۔ یہ ایک ایسی چوٹ تھی جس نے ہر مسلمان کی روح کو زخمی کر دیا۔

اس کے جواب میں مولوی صاحب نے مقدس رسول شائع کر کے دشمنانِ اسلام پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی کہ آج تک کسی نے اس کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔

مولوی صاحب نے مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد اور گمراہ کن خیالات کے خلاف کافی کتابیں تحریر

فرمائیں۔ ان کتابوں کے بارے میں مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ قادیانی تحریک کے بارے میں میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں۔ قادیانی مباحث میں اُسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے۔ مولوی صاحب کا ۱۳۱۱ھ میں ایک معزز خاندان میں نکاح ہوا۔ جن سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے ہوئے۔ لیکن دو صاحبزادے فوت ہو گئے تھے۔

۱۹۴۷ء میں رمضان المبارک کے آخری ہفتہ میں امرتسر میں فساد ہوا۔ اس میں مولوی صاحب کے اکلوتے صاحبزادے مولوی عطاء اللہ صاحب اپنی گلی کی حفاظت کرتے ہوئے روزے کی حالت میں بم سے زخمی ہوئے۔ ہسپتال لے جاتے ہوئے راستہ میں ہی ان کی روح پرواز کر گئی۔ یہ واقعہ عصر کے بعد ہوا۔ مولوی صاحب نے اپنی مسجد میں خود نماز جنازہ پڑھائی اور جن مخصوص حضرات کو پاس ملا ہوا تھا وہ میت کو دفن کرنے کے لئے گئے۔

جس گلی میں مولوی صاحب کا دفتر تھا۔ اس کی حالت بہت مخدوش ہو گئی تھی۔ اس لئے اس دن مولوی صاحب کے مخصوص عقیدتمند آپ کے پاس پہنچے اور اس گلی کو فوراً چھوڑ دینے کے لئے کہا۔ اول تو مولوی صاحب اور ان کے گھر والے، صاحبزادے کے اچانک انتقال پر حواس باختہ تھے۔ فوری طور پر گھر چھوڑنے کی دوسری آفت آئی۔ سب نے صرف پانی سے روزہ کھولا۔ وہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔ جو دن بھر کے بھوکے روزہ داروں کو کھانا کھلاتا۔ اسی وقت وہ گلی مولوی صاحب کو چھوڑنی پڑی۔ گرمی کا زمانہ تھا۔ اس لئے مولوی صاحب، ان کے گھر والے، اہلیہ محترمہ، پوتے پوتیاں اور ان کے بچے، چھاؤنی پہنچے اور چھاؤنی سے لاہور پہنچ گئے۔

مولوی صاحب امرتسر سے مکان چھوڑتے وقت انتہائی رنجیدہ اور پریشان تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں جو نقد روپے تھے اُسے بھی نہ لے سکے۔ صرف جیب میں پچاس روپے تھے۔ حالانکہ مولوی صاحب کا امرتسر کے امیروں میں شمار کیا جاتا تھا۔ لاکھوں کا سامان، پریس، عظیم الشان کتب خانہ، ہزاروں روپے کی فروخت کرنے والی کتابیں، تمام کاغذات اور زیورات وغیرہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ جس کو فسادیوں نے لوٹا اور جلا کر خاک کیا۔

مولوی صاحب لاہور میں تھے کہ پنجاب کے لوگ ملنے کے لئے آئے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گوجرانوالی اور گوجرانوالہ کے دوسرے اہل حدیث مولوی صاحب کی خدمت میں آئے ان کو معہ اہل وعیال گوجرانوالہ لے گئے۔ وہاں آپ نے عارضی قیام اختیار کیا۔ آپکی اس تباہی کا جب ہندوستان کی جماعت اہل حدیث کو علم ہوا تو پوری جماعت بے چین ہو گئی۔ اور اس وقت ہندوستان کی جماعت نے زیادہ سے زیادہ مولوی صاحب کی امداد کی۔

حکومت پاکستان نے سرگودھا میں ایک برقی پریس مولوی صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔

جنوری ۱۹۴۸ء میں مولوی صاحب معہ اہل وعیال سرگودھا چلے گئے۔ یہ بات طے تھی کہ سرگودھا پہنچکر توحید و سنت کی اشاعت کا کام دوبارہ شروع کیا جائے گا اور اخبار اہلحدیث بھی سرگودھا سے جاری کیا جائے گا۔ چنانچہ سرگودھا پہنچ کر انتظام شروع کر دیا گیا۔ مولوی صاحب کو دو صدمے ہوئے۔ ایک بیٹے کا، دوسرے کتب خانہ کا بے مثل کتابوں کی بربادی کا صدمہ۔ سرگودھا میں دوبارہ انتظام کرنے پر یہ صدمے عود کر آئے۔ جس کی وجہ سے وسط فروری ۱۹۴۸ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا۔ ڈاکٹری علاج ہوتا رہا۔ کچھ افاقہ ہوا تو کچھ لوگوں کو پہچاننے لگے۔ مگر بول نہیں سکتے تھے۔ کان لگا کر کوئی سنتا تو یا اللہ یا اللہ سنائی دیتا۔ چنانچہ اسی مرض میں ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء دوشنبہ کی صبح مولوی ثناء اللہ صاحب فوت ہو گئے اور علم وفضل کا یہ آفتاب سرگودھا میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔

مولٰنا ثناء اللہ صاحب نے اسی برس سے زیادہ عمر پائی تھی۔ آپ نے اپنے پیچھے اپنی محترمہ بیوہ، دو بیٹوں، پوتے پوتیوں اور انکی اولاد کو چھوڑا۔ جس میں سب سے بڑے پوتے رضاء اللہ ہیں۔

مولوی صاحب کی وفات پر تمام ہندوستان کے مسلمانوں نے رنج وغم کا اظہار کیا۔ اخبارات ورسائل نے تاریخی قطعات لکھے۔ مولٰنا عبدالصمد صاحب مدرس مدرسہ فیضِ محمدی جودھپور نے حسب ذیل تاریخی قطعہ کہا ہے

آج ہر سمت یہ کیوں چھائی ہوئی ہے حسرت ۔ کر گئے کون صد افسوس جہاں سے رحلت
شیرِ پنجاب جو مولٰنا ثناء اللہ تھے ! ۔ ہو گئے آج وہ دُنیائے دَنی سے رخصت

مولوی ثناء اللہ صاحب کی تقریباً دو سو تصانیف ہیں۔ جن میں قابلِ ذکر حسب ذیل ہیں:۔

تفسیرِ ثنائی، تفسیر بیان الفرآن، علی علم البیان، تفسیر بالرائے، تعلیم القرآن، خصائل نبی، اخلاقِ محمدیہ، حیاتِ مسنونہ، اصلاح عرب، رسوم اسلامیہ، شریعت وطریقت، خلافتِ محمدیہ، عصمت انبیا، الہاماتِ مرزا، آئینۂ قادیانی، تاریخ مرزا، فاتح قادیان، فتح ربانی، شاہ انگلستان اور مرزا قادیان، عجائبات مرزا، صحیفۂ محبوبیہ، اہل حدیث کا مذہب، مناظرۂ دیوریا، اور مناظرۂ نگینہ وغیرہ۔

مولانا سید احمد علی شاہ بٹالوی

مولانا سید احمد علی شاہ صاحب کالر افغانان بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے ممتاز فضلاء و علماء سے اکتسابِ فیض کیا۔ اور تبحرِ علمی میں معاصرین سے ممتاز ہوئے۔

بٹالہ میں قیام کے دوران مولوی محی الدین غیر مقلد کی کتاب اللفظ المبین کی ردّ میں مشہور کتاب نصر المقلدین جس میں منکرینِ تقلید کے اعتراضات کے مسکت جواب دئے تھے، تحریر فرمائی تھی۔ اس کتاب کو علمی دنیا میں قبولیتِ عامہ کی سند حاصل ہوئی۔

سنہ ۱۸۸۲ء مطابق ۱۲۹۹ھ میں آپ لاہور تشریف لائے۔ اس زمانہ میں پادری پورن چند مدرس مشن اسکول لاہور نے اسلام کی مخالفت میں سرگرمیاں شروع کر رکھی تھیں۔ سادہ لوح مسلمان اس پادری کے ہاتھوں تنگ آچکے تھے۔ مولانا کو پتہ چلا تو میدان میں آگئے اور پادری سے مناظرہ کیا، اور اس کو شکستِ فاش دی۔ اس کے بعد آپ نے عیسائی مشنریوں کے خلاف تقاریر کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ اکثر لوہاری دروازہ کے باہر تقریر کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ نے "دعوۃ الحق" کے نام سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا۔ جس سے عوام و خواص مستفیض ہوئے۔ لاہور کے علاوہ ملتان، راولپنڈی، گوجرانوالہ، انبالہ، بٹالہ اور امرتسر وغیرہ شہروں میں تبلیغ کے سلسلہ میں تشریف لے جاتے تھے اور عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کرتے تھے۔

سنہ ۱۳۱۱ھ مطابق سنہ ۱۸۹۳ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں عربی، فارسی اور دینیات کے پروفیسر مقرر ہوئے[1] قیامِ لاہور کے زمانہ میں مولانا حافظ مشتاق احمد انبیٹھوی کی کتاب ضابطہ در تحصیل رابطہ پر تکملہ لکھ کر تصورِ شیخ کے مسئلہ کو بڑی وضاحت سے پیش کیا۔ علمی بحث کو معاصرین صوفیاء اور علمائے تصوف نے قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا۔

قیامِ لاہور کے دوران آپ کو بادشاہی مسجد کا خطیب مقرر کیا گیا۔ خطابت کے فرائض کو بارہ سال تک نہایت خوبی سے نبایا۔ یہ وہ دور تھا جب نگوئی علماء کے آخری خطیب مولانا محمد شفیق نگوئی اپنے وطن جا چکے تھے۔

حضرت مولانا پیر عبد الغفار شاہ سے آپکے بڑے گہرے روابط تھے۔ اکثر اوقات انہی کے ہاں گزارتے تھے ایک عرصہ تک نمازِ مغرب کے بعد مسلم شریف کا درس دیتے رہے۔ جس سے لاہور کے بہت سے علما مستفید ہوئے۔ پیر صاحب ہر ماہ گیارہویں، بارہویں تاریخ کو ختم شریف کرایا کرتے تھے۔ اس میں آپ کی تقریر ہوتی تھی۔ ہر سال

---

[1] تذکرہ علمائے اہلسنت وجماعت لاہور، ص ۲۵۸

میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر سیرتِ طیبہ پر خاص خطاب فرمایا کرتے تھے۔ علم و عرفان کی ان مجلسوں میں آپ کے علاوہ مولانا علامہ اصغر علی روحی بھی شرکت کیا کرتے تھے۔ درس کی شہرت کی وجہ سے آپ مدرسہ غوثیہ لاہور کے شیخ الحدیث کہلائے۔

۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۳ء میں جمعیۃ الاحناف امرتسر قائم کی گئی۔ اسکی مجلسِ منتظمہ میں آپ بھی بحیثیت رکن شامل تھے۔ اپنے عقائد اہل سنت کی ترویج و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ معاصر علماء آپ کی علمی قابلیت کے معترف تھے۔ آپنے تراجم و تصانیف کا کافی ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

تراجم :-

(۱) نفحات الانس از مولانا جامی (۲) تحفۃ القلوب و ہدایت الارواح از شیخ عثمان جالندھری (۳) مشکوٰۃ الانوار از امام غزالی (۴) رسالہ حق نما از شہزادہ دارا شکوہ (۵) بہجت الاسرار المعدن الاسرار از شیخ النور الدین ابی الحسن بن یوسف شافعی (۶) شفاء شریف از قاضی عیاض۔

تصانیف :-

(۱) سرور الخاطر القاتر فی ندایا شیخ عبدالقادر جیلانی (۲) نصر المقلدین (۳) نور الشمع فی ظہر الجمعہ۔

آپ کی وفات ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں ہوئی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا سید دیدار علی شاہ الوری نے پڑھائی۔ آپ کا مزار میانی لاہور کے قبرستان میں ہے [1]

---

[1] تراجم علماء حدیث ہند اول ص ۳۶۶

مولانا حکیم محمد قطب الدین جھنگوی

حضرت مولانا حکیم محمد قطب الدین ابن مولوی احمد بخش موضع پیر کوٹ سدھانہ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ صرف و نحو کے امام مولانا حافظ جمال اللہ کی خدمت میں گھوڑ ضلع ملتان میں حاضر ہوئے اور صرف سے لیکر عبد الغفور حاشیہ شرح جامی اور متن متین تک کتابیں پڑھیں۔ حضرت حافظ صاحب کی وفات کے بعد شمس العلماء مولانا غلام حسین قریشی ساکن تلیری کی خدمت میں تعلیم پائی۔ اس کے بعد دہلی چلے گئے۔ اور طبیہ کالج میں داخل ہوئے۔ یکم رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء کو فاضل طب و جراحت کی سند و تمغہ حاصل کرکے پنجاب تشریف لائے۔

آپ کو طالب علمی کے زمانہ سے تقریر و مناظرہ سے دلچسپی تھی۔ قیام دہلی کے دوران نوارہ کے مقام پر مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جوابات آپ ہی دیتے تھے۔ آپ نے دہلی، آگرہ، وغیرہ میں عیسائیوں اور آریہ مقررین سے مناظرے کئے اور شکست دی۔

ایکدفعہ آگرہ میں ایک آریہ کے ساتھ آپکا مناظرہ ہوا۔ شرائط مناظرہ میں ایک بات یہ طے ہوئی تھی کہ کوئی ایسا مسئلہ پیش نہ کیا جائے۔ جو فریقین میں مشترک ہو۔ آریہ نے اسلام پر اعتراض کیا کہ اس مذہب میں انصاف نہیں ہے مثلاً جب کسی مسلمان کی ہوا خارج ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اور پھر لطف یہ کہ جہاں سے ہوا خارج ہوئی۔ اس جگہ کو دھونے کے بجائے دوسرے اعضاء کو دھونا شروع کر دیا جاتا ہے۔

مولانا نے فرمایا کہ تم شرائط مناظرہ کی خلاف کر رہے ہو۔ کیونکہ یہ مسئلہ فریقین میں مشترک ہے۔ دیکھو جب تمہارا کوئی آدمی مرجاتا ہے تو اس کے چند خاص رشتہ دار چاہے اس سے ہزاروں میل کے فاصلہ پر ہوں۔ خبر ملتے ہی غسل کرتے ہیں کپڑے دھوتے ہیں۔ برتن اور چوکے صاف کرتے ہیں۔ مرنے والا ہزاروں میل دور ہے اور اس کی پلیدی یہاں اثر کر رہی ہے۔ وضو کے اعضاء تو پھر قریب ہیں۔

آریہ مناظر نے دوسرا اعتراض یہ کیا کہ تم چند کلمات پڑھکر جانور کو چھری، چاقو سے ذبح کرتے ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ وہ جانور پہلے حلال تھا یا ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا اگر پہلے ہی حلال تھا تو کلمات پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر ان کلمات کے پڑھنے سے حلال ہوا ہے تو چاہیئے کہ بلی، کتے پر بھی یہی کلمات پڑھ کر ذبح کرکے کھا جاؤ۔ مولانا نے فرمایا۔ پنڈت صاحب ذرا ہوش سے بات کرو تم پھر شرائط کی خلاف ورزی کر رہے ہو۔ کیونکہ یہ مسئلہ بھی فریقین میں مشترک ہے۔ دیکھئے جب آپ نکاح پڑھاتے ہیں۔ تو آپکا برہمن "بھوج" پڑھتا ہے اور دولہا کو دولھن کے گرد چند چکر لگواتا ہے آپ بتایئے بھوج پڑھنے اور چکر دلانے سے دولہن دولھا پر حلال ہوئی یا پہلے ہی حلال تھی۔ اگر پہلے ہی سے حلال تھی تو بھوج پڑھنے کی

کیا ضرورت ہے؟ اگر ان سے حلال ہوئی ہے تو چاہیے کہ بھوج پڑھ کر اور جکر کاٹ کر ماں اور بہن کو بھی حلال کر کے نکاح میں لے آؤ۔ پنڈت جی یہ جواب سنکر لاجواب ہو گئے[1]

مولانا صاحب منفرد انشاپرداز صاحب قلم تھے۔ آپ کے مضامین عرصہ تک مجلہ طیبہ دہلی، المشیر دہلی، الفقراء ترن، شمس الاسلام بھیرہ، لمعات صوفیہ، انوار صوفیہ، سیالکوٹ وغیرہ رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ آپکی تصانیف میں فیصلہ شرعیہ رد روافض اور "خونی داستان" چھپ چکی ہے۔

مولانا صاحب تحصیلِ علم کے بعد پیر سید جماعت علی شاہ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے۔ آپ کی معیت میں دو مرتبہ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ آپ کو اپنے شیخ سے بہت محبت تھی۔ شیخ بھی آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔

مولانا قطب الدین صاحب فنِ طب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ قرآن مجید اور علوم دینیہ سے انھیں اتنا لگاؤ تھا کہ اپنے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو قرآن حفظ کرایا تھا۔ ایک صاحبزادی کو مشکوٰۃ شریف اور جلالین شریف پڑھا رہے تھے کہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء جمعرات کے روز تین بجے آپکا انتقال ہو گیا۔ آپکا مزار قطب آباد چک ۲۳۲ جوتیانوالہ ڈاک خانہ چک ضلع جھنگ میں ہے۔ آپکی یاد میں مزار شریف کے پاس جامعہ قطب رضویہ قائم کیا گیا ہے۔ مولانا حکیم خادم علی خاں نے آپکی حسب ذیل تاریخ وفات کہی ہے[2]

عالم و فاضل فقیہہ نامدار	بود در دنیا ز دنیا برکنار
ماہر اسرار تفسیر و حدیث	مخزن انوار و شیخ روزگار!
در شریعت بد مثال کوہسار	در طریقت بحر ناپید اکنار
حامل تاثیر با تقریر او!	بود تحریرش چو در شاہوار!
آہ! آں فرخ سیر، شیریں مقال	شد درون خاک مرقد پردہ دار
ہست در الفاظ سال رحلتش	سہ صد و ہفتاد و نہ با یک ہزار
	۱۳۷۹ ہجری
از ربیع الآخر آمد بست و پنج	چوں برفت او جانب دار القرار

وقت ظہرش بود وقت انتقال
روز پنجشنبہ بیا مہ در شمار!

---

[1] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۴۰۲ [2] فضل حسین ہفت روزہ محبوب حق لائل پور ۲۰ ستمبر ۱۹۶۳ء

[3] تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۴۰۳

مولنا ہدایت رسول رامپوری

مولنا ہدایت رسول صاحب رام پور میں پیدا ہوئے۔ والد صاحب کے فوت ہونے کے بعد لکھنؤ چلے گئے۔ حضرت شاہ ابوالحسین سے بیعت ہوگئے۔ خلافت پائی۔

آپکے دادا حضرت مولنا قادر علی حضرت شاہ فضل الرحمٰن کے مُرید و خلیفہ تھے۔ اُن سے اکتسابِ فیض بھی کیا تھا۔ انتہائی بے خوف اور نڈر عالم تھے۔ استادِ محترم کا آپ پر خاص کرم تھا۔ "شیرِ بیشہ سنت" خطاب بھی انھیں کا عطا کردہ تھا۔ آپ کا وعظ بہت پر زور ہوتا تھا۔ عیسائیوں اور آریوں سے مناظرے کئے۔ آخر عمر میں رام پور میں قیام کر لیا تھا۔ وہیں جمعۃ الوداع ۱۹۱۵ء کو فوت ہوگئے اور حضرت شاہ درگاہی کے زیرِ قدم روضہ سے باہر دفن کئے گئے۔ [1]

---

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت صـ ۲۶۲

مولٰنا غلام اللہ قصوری

مولٰنا غلام اللہ ابن مولوی غلام رسول ابن حافظ داؤد ابن حافظ مرتضٰی قریشی صدیقی قصور کے باشندے تھے۔ حافظ غلام مرتضٰی صاحب مخدوم پنجاب ہیں۔ جنکی نگاہ تربیت سے وارث شاہ اور بلھے شاہ جیسے مشہور غلاؤ شاعر آسمان شہرت تک پہنچے۔ حافظ غلام مرتضٰی صاحب، مولٰنا غلام محی الدین قصوری دائم الحضوری کے جد امجد تھے۔

مولٰنا غلام اللہ قصوری ۱۸۵۰ء میں پیدا ہوئے۔ ۶ برس کے تھے۔ کہ آپ کے والد ماجد مولٰنا غلام رسول قصوری ثم امرتسری ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۳ھ کو فوت ہوگئے اور موت کے وقت اپنے برادر خورد مولانا غلام العلی کو وصیت فرما گئے کہ میرے بچوں غلام اللہ اور ولی اللہ کی تعلیم و تربیت تمہارے ذمہ ہے۔ ولی اللہ مولٰنا غلام اللہ سے دو برس چھوٹے تھے۔

بھائی کی وصیت کے مطابق مولوی غلام علی صاحب ان دونوں بھائیوں کو امرتسر لے گئے اور اپنے پاس رکھکر نہایت توجہ کیساتھ ان کی تعلیم و تربیت کی۔ جب یہ دونوں بھائی تعلیم پا چکے تو اپنی والدہ کے پاس قصور چلے آئے اور سکول میں ملازم ہوگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد رسالہ نور الھدیٰ جاری ہوا۔ جس کے ذریعہ آپکی لیاقت و قابلیت کی شہرت پھیلنی شروع ہوگئی۔ ان ایام میں مہاراجہ فرید کوٹ کسی کام کے لئے قصور آئے۔ انھوں نے مسٹر اسٹیل حاکم قصور سے کہا کہ مجھے ریاست کے اعلیٰ عہدوں پر کام کرنے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جو قابل اور لائق ہوں۔ اگر آپ کی نظر میں ایسے شخص ہوں تو ان کو مجھ سے ملا دیجئے۔ مسٹر اسٹیل نے فوراً ان دونوں بھائیوں مولٰنا غلام اللہ اور مولٰنا ولی اللہ کو بلا کر مہاراجا صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔ مہاراجہ صاحب ان ذہین نوجوانوں سے گفتگو کر کے بہت خوش ہوئے اور بڑے بھائی کو مشیر مال اور چھوٹے بھائی کو اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کر دیا۔ مولٰنا غلام اللہ ریاست کے کام کی پیچیدگیوں، ریشہ دوانیوں اور حاسدوں کی شرارتوں سے تنگ آکر مستعفی ہو کر چلے آئے تو دوبارہ تحصیل و تکمیل علوم کا خیال پیدا ہوا۔

علم کی پیاس بجھانے کے لئے آپ لاہور آئے اور فاضل یگانہ خلیفہ حمید الدین کی شاگردی اختیار کی۔ اُن کے علاوہ لاہور کے دیگر علماء سے بھی استفادہ کیا۔ ان میں سے علامہ شبلی کے استاد مولٰنا فیض الحسن سہارنپوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولٰنا قصوری نے مولٰنا سہارنپوری سے اورینٹل کالج میں پڑھا۔ یہاں حضرت پیر جماعت علی شاہ علی پوری آپ کے ہم سبق تھے۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد خلیفہ صاحب کے حکم سے مسجد محلہ کمانگراں اندرون موچی دروازہ کی امامت کے

وظائف انجام دینے شروع کئے۔ یہ واقعہ ۱۸۸۲ء کا ہے۔[۱]

چند ہمدردانِ ملت وقوم کی کوششوں سے انجمن حمایت الاسلام لاہور قائم ہوئی۔ ان میں مولانا غلام اللہ قصوری بھی تھے۔ مولانا خلیفہ حمید الدین صاحب نے ۱۸۸۴ء میں اپنے چند مخلص دوستوں کے تعاون سے انجمن کی بنیاد ڈالی۔ تو مولانا قصوری نے اس سلسلہ میں سب سے بڑھ چڑھ کر خلیفہ صاحب کے ساتھ تعاون کیا۔ رسالہ حمایت الاسلام لاہور مورخہ ۳ مارچ ۱۹۳۸ء میں بانیان انجمن حمایت الاسلام لاہور کے مختصر حالات زندگی شائع ہوئے تھے۔ اس میں مولانا قصوری کے متعلق لکھا ہے:۔

"مولانا پہلے ریاست فرید کوٹ کے مشیرِ مال تھے اور اب ایک مسجد میں بوریا بچھا کر بیٹھ گئے اور اللہ کے یہ مخلص بندے خوش تھے کہ انھیں خدمتِ قوم کا موقع ملا۔ یہیں سے انھوں نے مسلمانوں کی اصلاح کا کام شروع کیا۔ عیسائی مشنریوں اور آریہ سماجیوں سے مناظرے کئے، مقالے لکھے اور ان کی ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے استاد اور دوسرے دوستوں سے مل کر انجمن حمایت الاسلام کی بنیاد ڈالی اور آخری عمر تک ہر طرح سے اسی پودے کو سرسبز بنانے میں مصروف عمل رہے۔"

مولانا صاحب خلیق صاحب دل، سادہ مزاج اور بلند ہمت بزرگ تھے۔ انھیں اسلام اور مسلمانوں سے سچی محبت تھی اور ساری عمر اسی محبت کی نذر کی۔

انجمن حمایت الاسلام کے قیام کی غرض وغایت اور مقصد تبلیغ اسلام، عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے منصوبوں کا سدِ باب تھا۔ اس لئے اس انجمن نے خلیفہ حمید الدین صاحب کے نام پر ایک دینی مدرسہ حمیدیہ جاری کیا اس مدرسہ کے قیام میں مولانا غلام اللہ صاحب کی کوششوں اور مشوروں کو خصوصی دخل تھا۔ اس مدرسہ کے سب سے پہلے اول مدرس خلیفہ حمید الدین صاحب اور نائب مدرس مولانا غلام اللہ صاحب تھے۔ اس مدرسہ حمیدیہ نے مسلک اہل سنت کی بہت زیادہ خدمات انجام دیں اور ملک کے بڑے بڑے لائق اساتذہ نے اس میں بطور مدرس کام کیا۔ جن میں مفتی عبد اللہ ٹونکی، حکیم غلام مصطفیٰ ایم او ایل، مولانا محمد ذاکر بگوی اور مولانا اصغر علی روحی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ مدرسہ ۱۹۱۰ء تک بڑے اہتمام سے کام کرتا رہا۔

لاہور میں انگریزی دور کی غالباً سب سے پہلی درس گاہ "مدرسہ رحیمیہ" واقع مسجد نیلا گنبد لاہور ہے۔ یہ مسجد تقریباً ۱۸۵۲ء میں انگریزوں نے واگذار کی تھی۔ اس کے چند سال بعد شیخ رحیم بخش سوداگر دہلوی نے اس مدرسہ میں مدرسہ رحیمیہ جاری کر دیا تھا۔ مولانا نور احمد چشتی نے ۱۸۶۷ء میں تحقیقاتِ چشتی" تصنیف کی۔ اس میں چشتی صاحب نے لکھا ہے:۔

"اب قریب تیس چالیس لڑکے اس مسجد میں پڑھتے ہیں۔ ۱۸۵۲ء سے اس مسجد کے امام مولوی

---

[۱] تذکرہ علمائے اہلِ سنت صفحہ ۲۴۹۔

احمد الدین صاحب بگہ والے مقرر ہوئے۔ جو لاہور کے موتی بازار میں مسجد کنجرانی کنجری کے امام ہیں اور میاں رحیم بخش سوداگر مولوی احمد الدین صاحب کو اپنے پاس سے ماہواری ارسال کرتے ہیں۔ اور تمام خرچ مسجد میاں رحیم بخش سوداگر کرتے ہیں"۔ ص ۱۳۲۔

مولانا غلام اللہ قصوری بانی مدرسہ شیخ رحیم بخش صاحب کے صاحبزادے شیخ محمد تقی کے استاد تھے۔ اس لئے شیخ صاحب مولوی صاحب کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ۱۸۸۰ء کے آخری عشرہ کا واقعہ ہے کہ اس مدرسہ کے صدر مدرس کی آسامی خالی ہوئی تو شیخ صاحب نے مولانا کو قصوری کو مجبور کیا۔ چنانچہ وہی صدر مدرس مقرر ہوئے۔ آپ مدرسہ رحیمیہ کے صدر مدرس کی حیثیت سے کام تو کرتے رہے مگر اپنی توجہ انجمن حمایت الاسلام اور مدرسہ حمیدیہ کے انتظامی امور کے ساتھ وابستہ رکھیں۔

مولوی صاحب پوری دل جمعی کے ساتھ لاہور میں دین اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرتے میں مصروف تھے کہ انجمن اسلامیہ امرتسر قائم شدہ ۱۸۷۲ء سے ۱۸۸۵ء میں اسلامیہ اسکول جاری کیا۔ اور خان محمد شاہ امرتسر نے آپکو لکھا کہ آپ لاہور کو خیرباد کہکر فوراً امرتسر آجائیں۔ کیونکہ اب آپکی خدمات کی ضرورت ہے۔ امرتسر والوں نے جس مدرسہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ اس کے اول مدرس دینیات کی حیثیت سے کام کریں۔ خان محمد شاہ صاحب مولانا غلام اللہ قصوری کے دوست اور آپ کے والد ماجد مولانا غلام رسول کے شاگرد تھے۔ اس لئے ان کی فرمائش کو رد نہ کر سکے اور امرتسر تشریف لے جاکر اسلامیہ ہائی اسکول میں بحیثیت اول مدرس کام کرنے لگے۔ اس کے علاوہ خان محمد شاہ نے آپ کو اپنی مسجد کٹڑہ اہلوالیہ کا امام اور اپنے بچوں کا اتالیق مقرر کیا۔ یہ واقعہ ۱۸۸۵ء کا ہے۔

آپ امرتسر پہنچے تو وہاں کے نامور علماء کی صفِ اول میں شمار ہونے لگے۔ اس عہد کی کتابوں اور رسائل کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا غلام اللہ کا مرتبہ و مقام بہت بلند تھا۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروں کی تحریرات میں امرتسر کے علماء میں سے مولانا غلام رسول قاسمی رسل بابا، مولوی سید عبد الجبار غزنوی اور مولانا غلام اللہ قصوری کے نام ہی سب سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ کیونکہ امرتسر کے علماء میں سب سے پہلے انہی حضرات نے مرزا کے دعاوی کی تردید کی تھی۔

مولانا کے زمانہ قیام میں امرتسر میں سُنّی اور وہابی جھگڑا بہت زوروں پر تھا۔ مولانا خود بہت راسخ العقیدہ سُنّی تھے۔ مگر آپ نے ہمیشہ اس قسم کے مناظروں اور مباحثوں سے احتراز کیا۔ وہ اس قسم کی بحثوں کو جمعیت اسلامیہ کے لئے غیر مفید سمجھتے تھے۔ مگر رد نصاریٰ اور مرزائیت آپکا محبوب مشغلہ تھا۔

آپ نے امرتسر سے ایک رسالہ الواعظ کے نام سے محرم ۱۳۰۴ھ مطابق ۱۸۸۶ء میں جاری کیا۔ جس میں اسلامی مسائل و عقائد کو نہایت عمدہ تشریح کے ساتھ بیان کیا گیا تھا اور بڑے سلجھے ہوئے انداز میں مسائلِ حاضرہ پر تبصرہ ہوتا تھا۔ یہ رسالہ بہت مقبول اور کثیر الاشاعت تھا۔

تقریباً گیارہ سال امرتسر میں گزارنے کے بعد آپ فیروزپور تشریف لے گئے وہاں فیروزپور ہائی سکول میں بحیثیت اول مدرس دینیات ملازم ہوئے اور ۱۹۰۲ء تک وہیں مقیم رہے۔ ۱۹۰۴ء کے آخر میں چیفس کالج لاہور میں بذریعہ انتخاب دینیات عربی کے پروفیسر مقرر ہوگئے اور تقریباً تیرہ سال یہاں کام کیا۔ جب آپ بہت کمزور ہوگئے تو اپنی جگہ پر اپنے صاحبزادے مولوی حکیم حاجی محمد حسین صاحب کو مقرر کرادیا اور خود ۳۱ جنوری ۱۹۲۲ء کو ریٹائرڈ ہوکر قصور چلے گئے۔ آپ نے اپنے وقت میں ان مسائل پر مختلف کتابیں لکھیں جو وقتاً فوقتاً پیش آئے۔ سرسید کے پیروکار حضرت عیسیٰ بن مریم کو بے پدر بیٹا ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ مولٰنا نے انکے خیالات فاسدہ کی زبردست تردید کی اور قرآنی آیات سے اپنی تصنیف تحقیق الکلام فی ولادت المسیح علیہ السلام میں ثابت کیا کہ حضرت مسیحؑ کا کیا مقام تھا۔ اسی طرح عیسائی پادری عمادالدین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے آپنے اپنی کتاب تائید الاسلام میں انکا جواب دیا۔

"غزوات النبی" جو ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں شائع ہوئی آپ کا بڑا تحقیقی کارنامہ ہے۔

سود پر آپکی ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اسلامی اقتصادی نظام کو بلا سود چلانے کے لئے ایک عمدہ مطالعہ ہے۔ موجودہ زمانہ کی وہ معاشین جو آج سود کے بغیر اقتصادی زندگی کا تصور نہیں کرسکتے انکے لئے بہت بڑی چیز ہے۔

آپکو طب سے بھی لگاؤ تھا۔ مطب بھی کرتے تھے۔ جسکے متعلق مولوی محمد داؤد صاحب وکیل نے لکھا ہے۔

"مولٰنا صاحب علم طب، کیمیا میں کامل دسترس رکھتے تھے مگر انکو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ حاجت مندوں میں ادویہ مفت تقسیم کیا کرتے تھے آپ خنازیر کا علاج بذریعہ دم کیا کرتے تھے ان تمام تجربات پر مشتمل آپکی ایک بیاض تھی۔ جو محفوظ نہ رہ سکی[1]

مولٰنا صاحب ریٹائر ہوکر قصور گئے تھے کہ بیمار ہوگئے کچھ عرصہ بعد بغرض تبدیلی آب و ہوا لڑکے کے پاس لاہور چیفس کالج چلے گئے۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ بالآخر لاہور میں ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء کو فوت ہوئے۔ میت قصور لیجاکر آبائی[2] قبرستان میں دفن کی گئی۔ مولٰنا صاحب کی عمر رحلت کے وقت ۷۲ برس کی تھی۔

جناب مولوی محمد یار صاحب خلیق امام و خطیب سنہری مسجد لاہور نے آپکی وفات پر حسب ذیل تاریخی قطعہ کہا ہے

کل نفس ذائقۃ الموت آمد حکم حق — ایک خوش آنکس کہ بردہ در نکونامی سبق

فاضل علامہ بود خود غلام اللہ بنام — نام فرزندش محمد یاسین حاجی تمام

ہاتف گفتا بتاریخ وفات آں لیق!

بے حروف جہد گوئی باغ فردوس اے خلیق

۱۲۴۲

---

[1] قلمی رجسٹر مولوی داؤد صاحب قصوری

[2] تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور صفحہ ۲۵۶

مولانا غلام قادر بھیروی

حضرت مولانا عبد القادر المعروف مولوی غلام قادر بھیروی متولی وخطیب بیگم شاہی مسجد لاہور ضلع سرگودھا کے قصبہ بھیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بڑے صاحب علم اور متدین انسان تھے۔ مولانا ابھی ایام طفلی میں تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے علم دین کی تحصیل اور انسان کی ہدایت وخدمت کی بشارت دی اور وطن سے باہر رہ کر علم سیکھنے کا حکم دیا۔ اسپر آپ علم حاصل کرنے کی خاطر وطن سے نکلے اور پاک وہند کے مختلف مدارس سے اکتساب علم کیا۔

ان دنوں مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد دین بگوی اندرون بھاٹی دروازہ میں فقیر عزیز الدین کے مکتب میں پڑھا رہے تھے۔ مولانا نے ان دونوں عالموں سے ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد دہلی گئے۔ وہاں مفتی صدر الدین آزردہ جو معقولات ومنقولات کے عالم، شاعر اور بہترین استاد تھے ان کے خرمن فیض سے خوشہ چینی کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد دہلی کے علمی چشموں کو بند کر دیا تھا۔ مولانا غلام قادر بھیروی انہی دنوں دہلی سے لاہور تشریف لائے اور بھاٹی دروازہ کے اندر اونچی مسجد میں وعظ فرمانا شروع کر دیا۔ آپ کے جوش تبلیغ نے لاہور کے مسلمانوں کی اکثریت اپنی طرف کھینچی۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ذہنوں نے نئے سانچے میں ڈھالنے کا ایک پروگرام مرتب کیا۔ انگلینڈ کے عیسائی مبلغین نے ملکہ وکٹوریہ کی حکومت پر زور دیا کہ ہندوستان میں کالج اور مشنری ادارے قائم کئے جائیں۔ چنانچہ لاہور میں ۱۸۶۴ء سے لیکر دس سال کے قلیل عرصہ میں گورنمنٹ کالج، اورینٹل کالج، فورمین کرسچین کالج، کنگ ایڈورڈ کالج اور پنجاب یونیورسٹی قائم کر دی گئی۔

یہ زمانہ لاہور کے لئے فکری اور اعتقادی ابتلاء کا تھا۔ کمزور مسلمانوں کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے سارے تلخ نتائج سے گزرنا پڑا۔ قید وبند کی صعوبتوں کے علاوہ ان کے سینوں سے روح اسلام کو نکالنے کی مسلسل سازشیں ہونے لگیں۔ کالجوں میں ان کے علوم کو بدلا جانے لگا تھا اور عوام کے اسلامی اعتقادات کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے لئے، نیچری، مرزائی اور دہریت جیسے فتنے چھوڑ دئے گئے تھے۔ ان اعتقادی فتنوں کی پشت پناہی میں انگریزوں کی ساری پشت پناہی کام کر رہی تھی بے پناہ روپیہ دیا جاتا۔ خطابات عطا ہوتے۔ جاگیریں الاٹ ہوتیں اور باقاعدہ تحریکیں چلائی جاتیں [1]

---

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت والجماعت لاہور ص ۲۲۵۔

ان حالات میں لاہور کے علمائے کرام نے اپنی بے سروسامانی اور تہیدستی کے باوجود اسلام کی ٹمٹماتی شمع کو جان کی بازی لگا کر طوفان کی زد سے بچا لیا۔ وہ اپنے آقا کے دین کی خاطر جس پامردی سے حالات کا مقابلہ کرتے رہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مولانا قادر بھیروی اور ان کے ہم عصر علمائے کرام نے عوام کے اعتقاد کو بچانے کے لئے دن رات ایک کر دیا۔ وہ پیغام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لاہور کے گلی گلی کوچہ کوچہ لئے پھرے۔ ہر مسجد، ہر مکتب اور ہر مدرسہ کو قرآنی تعلیمات سے معمور کیا۔ اس زمانہ کا لاہور مولانا فیض الحسن سہارنپوری، حافظ ولی اللہ مناظر اسلام، مولانا نور احمد خطیب مسجد نیلا گنبد، مولانا غلام محمد بگوی خطیب شاہی مسجد، مولانا سعد اللہ خان، مولانا محمد الدین مصنف روضۃ الاولیا اور خلیفہ حمید الدین وغیرہ کی دینی خدمات کو کسی طرح بھلا یا نہیں جا سکتا۔ ان وارثان علم رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے علم دین وملت کی بہت بڑی خدمت کی اور باطل مذاہب کے طوفان کے سامنے ڈٹے رہے۔

پنجاب یونیورسٹی کے پہلے رجسٹرار اور اورینٹل کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لائٹنر عربی وفارسی ادب کے بڑے ماہر تھے۔ انھوں نے علوم عربیہ کے ذریعہ لاہور کے پڑھے لکھے دینی طبقہ کو متاثر کیا اور کالج میں ان علوم کو فروغ دینے کا پروگرام بنایا۔ جس میں مسلمانوں کا دینی ورثہ تھا۔ یہ کالج دراصل ایک خطرناک ذہنی ٹکسال تھی۔ جہاں سے انگریز اپنے مقاصد کے لئے دینی علوم کی وساطت سے لوگوں کے ذہنوں کو تبدیل کر سکتا تھا۔ لوگ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ان کے علوم حاصل کرتے۔ انھیں عربی وفارسی کے مختلف درجات طے کرانے کے بعد مستشرق بنا دیا جاتا۔ اس طرح اسلام کی حقیقی روح کھینچ لی جاتی۔

مولانا غلام قادر بھیروی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے جوان صحت علماء " اس "بہت خانہ فرنگ" میں کود پڑے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ طلباء کو حتی الامکان ان مسموم خیالات سے بچایا جائے۔ جو اس کالج میں لائے جا رہے ہیں۔ ان خیالات سے انگریز "مولویت" اور "فضیلت" کے رنگ میں ذہنوں تک پہنچانا چاہتے تھے۔ جس کے خلاف "صنم خانہ فرنگ" میں بیٹھ کر مولانا غلام قادر صاحب نے ایک عرصہ تک جہاد کیا۔

اورینٹل کالج کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا غلام قادر صاحب ۱۸۷۹ء میں عربی کے دوم مدرس کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ ۱۸۸۱ء میں انگریزوں کو ایک فتوے کی ضرورت پیش آئی۔ جس پر علماء مقامی نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ان علماء کرام سے مایوس ہو کر گورنمنٹ کو اپنے ملازمین اور ان کاسہ لیس علما کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ جو ہر دور میں اقتدار کی باتوں پر اپنی مہریں لگانے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

اورینٹل کالج کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے۔ مولانا غلام قادر صاحب ۱۸۷۹ء میں عربی کے دوم مدرس کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ تاکہ وہ اپنے کالج کے مولویوں سے دستخط کرالیں۔ ڈاکٹر ان دنوں شملہ میں گرمیوں کی چھٹیاں گزار رہے تھے تو انھوں نے سارے اسٹاف کو ہدایت کی کہ وہ حکومت کی منشاء کے مطابق فتویٰ دیں۔ کیونکہ یہ استاد

سرکاری ملازم ہیں۔ مولانا نے اس چٹھی کے پڑھتے ہی سب سے پہلے ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ پھر لکھا کہ میں غلط فتویٰ نہیں دونگا۔ پرنسپل کو مولانا جیسے لائق استاد کا کالج کو چھوڑنا ناگوار گزرا۔ اس نے لکھا کہ آپ فتویٰ نہ دیں۔ لیکن کالج نہ چھوڑیں۔ مگر آپ نے جواب دیا کہ میں غلط فتویٰ لکھنے کے لئے ملازمت نہیں کرونگا۔

ڈاکٹر نے شملہ سے واپسی پر لاہور میں آکر مولانا کو بلایا تو آپ نے فرمایا۔ مجھے خواب میں میرے آقائے مدنی نے حکم دیا ہے کہ میں اب صرف قرآن اور حدیث پڑھایا کروں۔ میری تنخواہ اللہ کے خزانہ سے ہر ماہ آیا کریگی ان حالات میں، میں اورینٹل کالج کی پروفیسری سے معذور ہوں۔

لاہور میں عیسائیوں کی سرگرمیوں کو دیکھکر چند حساس مسلمانوں نے مختلف مدارس قائم کرنیکا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ ان دنوں انجمن حنفیہ نے مدرسہ نعمانیہ قائم کیا۔ حضرت مولانا غلام قادر کے علاوہ علماء کرام تعلیم دین کے دریا بہانے لگے۔ اس مدرسہ نے ملک کے جن نامور علماء کو تربیت دی۔ وہ آسمان شہرت پر آفتاب و مہتاب بنکر چمکے۔ مولانا کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک ہے جنھوں نے پاک و ہند میں اپنی علمیت کا ڈنکہ بجایا۔ ان حضرات میں حضرت پیر جماعت علی شاہ علیپوری، مولانا غلام حیدر قریشی، پونچھ والے، مولانا مفتی غلام احمد صاحب شیخ التفسیر مولانا مولوی محمد نبی بخش حلوائی مولف تفسیر نبوی پنجابی، مولانا غلام آسی امرتسری، قاضی ظفرالدین صاحب اور صوفی غلام قادر صاحب چشتی سیالوی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔

آپ شمس العارفین حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی کے خلیفہ اور مریدِ خاص تھے۔ چشتیہ نسبت کے باوجود سماع سے اجتناب کرتے اور مجالسِ سماع سے کنارہ کش رہتے تھے آپ قادری سلسلہ سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ فلسفہ وحدت الوجود کے بڑے زبردست حامی تھے۔ آپکی کتاب "شمس الحنفیہ" منکرین وحدت الوجود کا جواب ہے۔

مولانا نے بچوں کی ابتدائی تعلیم سے لیکر عمر رسیدہ مسلمانوں تک کیلئے مختلف تصانیف لکھیں۔ آپکی گیارہ کتابیں نصابی حیثیت رکھتی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) نماز حضوری (۲) نماز ضروری (۳) ختمات خواجگان (۴) حقیقت انوار محمدیہ (۵) شمس الحنفیہ بجواب نورالحنفیہ (۶) جوہر ایمانی (۷) نور ربانی فی مدح محبوب السبحانی (۸) عکارہ در صلوٰۃ جنازہ (۹) شمس الضحیٰ فی مدح خیر الوریٰ (۱۰) فاتحہ خوانی۔

آپ طویل عمر پاکر ۱۹ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۸ء کو فوت ہوئے۔ نماز جنازہ شاہی مسجد میں پڑھائی گئی۔ آپکے شاگرد مولانا محمد عالم آسی امرتسری نے "مطیع فیض رب جلیل" تاریخ وفات نکالی اور "درخلد بریں رفت قبلہ من" سے سنہ وفات نکالا[1]
۱۳۲۷ھ

---

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت والجماعت لاہور صہ ۲۳۲۔

مولنا عمر الدین ہزاروی

مولنا عمر الدین ہزارہ کے رہنے والے تھے۔ حضرت مولنا شاہ عبید اللہ مکی سے مدرسہ محمدیہ، جامع مسجد بمبئی میں تکمیل علوم کی۔ حضرت مولنا شاہ محب اللہ رسول عبد القادر بدایونی قادری کے مرید ہوئے۔ پیر و مرشد نے آپ کو سلاسل طریقت و حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ آپ کو درس نظامی کے جملہ علوم و فنون پر حیرت انگیز حد تک مہارت حاصل تھی۔ قوت حافظہ بھی بے مثال تھی۔

حضرت شاہ محب اللہ آپ پر فخر فرمایا کرتے تھے۔ کبار علماء اہل سنت میں آپ کا ممتاز مقام تھا۔ آپ کا وعظ مدلل ہوتا تھا۔ آپ کے عیسائیوں اور آریوں سے بھی مناظرے ہوئے اور بہت سے عیسائی اور ہندو آپ کی تبلیغ سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

حضرت مولنا عمر الدین صاحب ہزاروی کا وصال بمبئی میں ہوا۔ کس تاریخ اور سنہ میں ہوا۔ اس کا پتہ نہیں چلا۔ [1]

---

[1] تذکرہ علمائے اہل سنت مولفہ محمود احمد قادری ص ۱۸۵۔

حضرت مولانا غلام دستگیر الہاشمی قصوری

حضرت مولانا محمد ابو عبد الرحمٰن غلام دستگیر ہاشمی، قریشی، صدیقی، قصوری، لاہور کے محلہ چیلہ بی بیاں اندرون موچی دروازہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولانا حسن بخش صدیقی تھے۔ مولانا حسن بخش صدیقی نے اپنے دونوں بیٹوں مولانا محمد بخش بلبل اور مولانا غلام دستگیر کو دینی علوم و فنون سکھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ آپکی والدہ سیدہ مولانا غلام محی الدین قصوری کی ہمشیرہ تھیں۔ مولانا اپنی مشہور تصنیف "ھدایۃ المغتین" میں اپنا رشتہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"با حضرت قصوری نسبت خواہر زادگی فرزندی و شاگردی دارم"۔

آپ کے آباؤ اجداد اور اساتذہ کے متعلق ۲۰ر جنوری ۱۸۹۲ء کے ایک مناظرے غیر مقلدین میں حافظ محمد لکھنوی مولف تفسیر محمدی پنجابی نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا۔

"میرا خاندان بزرگوار قصور بہت مشہور ہے۔ جن سے اطراف ہند و پنجاب و ڈیرہ جات تک کے خاص استاد و مرشد میاں صاحب قصوری علیہ الرحمتہ نے اپنے خاندان کے فیض سے بڑھ کر رئیس اہل علم و تمیز ختم المحدثین والمفسرین مولانا شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ دہلوی سے علم حدیث و تفسیر میں سند حاصل کی اور فقیر نے ان سے بہرہ یاب ہو کر کتابیں لکھیں جنکو علمائے عرب و عجم نے پسند فرمایا۔"

اس اقتباس کی روشنی میں ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں، کہ مولانا نے قصور کے اس عظیم الشان دینی مدرسہ میں تعلیم پائی۔ جہاں سے سید وارث شاہ، سید بلھے شاہ، خواجہ غلام نبی اللہی، اور خواجہ غلام مرتضیٰ، بیربل شریف جیسے نامور زیور علم سے آراستہ ہو کر نکلے۔ اگرچہ سکھ دور کی زیادتیوں نے اسلامی علوم کے مراکز کو بند کر دیا تھا تاہم مولانا غلام محی الدین قصوری نہایت عالی ہستی سے قصور میں شمع دین کو فروزاں کئے ہوئے تھے۔ اس مدرسہ سے آپنے سند حدیث و تفسیر حاصل کی بقریع انجاث فرید کوٹ کے صفحہ ۳۸ پر آپنے مراحت سے لکھا ہے کہ حضرت قصوری کی وفات کے بعد آپنے اپنے ماموں زاد بھائی عبد الرسول سے بھی بعض کتب درسیہ کا مطالعہ کیا ۱ۓ

آپ ایک مناجات میں اپنے پیر و مرشد اور اساتذہ کا ذکر خیر اس طرح کرتے ہیں ۲ۓ

بہ پیر دہلوی، پیر قصوری	ہماں غواص دریائے حضوری
غلام شاہ علی آن پاک مدفن	غلام محی الدین آن قبلۂ من
اخی عبد الرسول استاد احقر	رضی اللہ علیہم، تاج بر سر

آپ تلاوتِ قرآن مجید کے عاشق تھے ۔ قرآن مجید خوش الحانی اور قراءت سے پڑھتے اور خوش الحانی سے پڑھنے والوں کی عزت کرتے تھے۔ "تحفۂ دستگیریہ" میں آپ نے لکھا ہے۔ "میں نے جو کچھ پایا قرآن خوانی سے پایا۔"

آپکی ذہانت، اتقاء اور محنت نے آپکے استاد مولوی غلام محی الدین قصوری کو بڑا متاثر کیا تھا۔ چنانچہ حضرت نے اپنی بیٹی کی شادی آپ سے کردی۔ آپکی علمی قابلیت کی شہرت زمانۂ طالب علمی میں ہوگئی تھی۔ اس دور کی علمی اور فقہی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت ہمارے سامنے آتی ہے کہ چوالیس سال غلام دستگیر مولوی قصوری کے نام سے ہر مجلس علم و کمال کا مرکزی کردار ہیں۔ علماء بگہ مولانا غلام محمد بگوی، مولانا ذاکر بگوی، خلیفہ حمید الدین، مولانا حمید الدین، مولانا نور احمد انارکلی، مولانا غلام قادر بھیروی، مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور مولانا عبید اللہ ٹونکی اس وقت لاہور کی علمی دنیا کے آفتاب و مہتاب تھے۔

انجمن حمایت الاسلام لاہور نے جب درسی کتابوں کا سلسلہ شروع کیا تو آپکی قابلیت کے پیش نظر اراکین انجمن نے آپکو شعبۂ تصنیف کا انچارج مقرر کیا۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں آپ نے عیسائیوں کی ایک کتاب "تحریف القرآن" کے جواب میں ایک کتاب تحریر کی۔ جسے انجمن نے شائع کیا۔ آپ نے اس کتاب اور دوسری تصانیف کی ساری آمدنی انجمن کے فنڈ میں شامل کرادی تھی۔ ۱؎

مولانا غلام دستگیر اپنی بے پناہ مصروفیتوں کے باوجود اہل اللہ سے بڑی عقیدت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ جہاں کوئی مزار نظر دیکھا۔ برہنہ پا پہنچے اور زانوئے ادب طے کرتے۔ حضرت مخدوم علی الہجویری داتا گنج بخش، بابا فرید گنج شکر پاک پٹن، دربار عالیہ چاچڑاں شریف، اوچ شریف اور ملک کے دوسرے مزارات پر حاضری دیتے تھے۔

آپ نے شیعوں، عیسائیوں اور قادیانیوں سے مقابلے کئے۔ عیسائی مشنری اپنی مادی قوتوں اور حکمرانی کے باوجود آپ کے مناظرہ میں نہ ٹھہر سکتے تھے۔ آپ صاحبِ تصوف تھے آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں:-

(۱) عمدۃ البیان فی اعلان مناقب النعمان
(۲) تحفۂ دستگیریہ، جواب اثنا عشریہ۔
(۳) تحقیق صلوٰۃ الجمعہ
(۴) مخرج عقائد نوری و عقائد پادری عماد الدین نغمۂ طنبوری۔
(۵) ہدایۃ الشقین
(۶) غزوۃ المقلدین بالہام القوی المبین
(۷) جواہر قیمتیہ رد شیعہ
(۸) تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل۔
(۹) فتح رحمانی بہ دفع کید قادیانی
(۱۰) تحقیق تقدیس الوکیل

باطل قوتوں سے مقابلوں اور تصنیف و تالیف کے ساتھ گاہے گاہے شعر بھی کہتے تھے اور خوب کہتے تھے۔ نعت کے کچھ شعر ملاحظہ ہوں۔

جان نفدائے تو یارسول اللہ — دیدہ جائے تو یارسول اللہ
جملہ عالم رضائے حق جویند — حق رضائے تو یارسول اللہ

آپکی وفات ۱۳۱۵ھ میں ہوئی ۲؎

۱؎ نوائے وقت ۲۶ مارچ ۱۹۶۷ء، ۲؎ تذکرہ علماء اہل سنت والجماعت لاہور ص ۲۱۔

قاضی مولوی صبغت اللہ صاحب مدراسی

قاضی مولوی صبغت اللہ المعروف قاضی بدر الدولہ کے مورثِ اعلیٰ عطا احمد شافعی ملا مخدوم علی مہائمی المتوفی ۸۳۵ھ کے معاصر تھے۔ ان کی اولاد میں سے قاضی محمود کبیر اور ان کے فرزند اور بھائی قاضی ریاض الدین مرتضیٰ اور ملا خلیل، اور پھر ان کی اولاد میں سے ملا خلیل کے پوتے اور ملا احمد کے فرزند مولانا حبیب اللہ بیجاپوری نے بڑا نام پایا۔ قاضی رضی الدین ملا مرتضیٰ کی اولاد میں سے کئی ایک مثلاً قاضی حسین لطف اللہ، قاضی نظام الدین احمد کبیر شیخ احمد سوانح نگار، امام المدرسین مولوی محمد حسین بیدری شہید، محمد عبد اللہ شہید، مولوی محمد صادق، قاضی نظام الدین احمد صغیر، مولوی ناصر الدین محمد، مولوی محمد غوث الملک بہادر اور مولوی عبد الوہاب مدار الامرار وغیرہ نامور عالم اور مصنف گزرے ہیں۔ جنھوں نے عربی و فارسی زبانوں میں معرکتہ الآرا تصانیف چھوڑی ہیں۔

قاضی مولوی صبغت اللہ صاحب کے والد ماجد مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر تھے۔ جن کے دو صاحبزادے مولوی عبد الوہاب مدار الامرار اور قاضی مولوی صبغت اللہ تھے۔

قاضی صبغت اللہ ۵ رمحرم ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۱ر جولائی ۱۷۹۶ء کو دوشنبہ کے دن مدراس میں پیدا ہوئے آپکے والد ماجد مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر تھے۔ جنھوں نے آپکی تاریخ پیدائش وھب اللّٰہ لی ولداً ضیاءً کے فقرہ سے نکالی۔ بعض شاعروں نے ان کی تاریخ ولادت "درخشاں مہی" کہی ہے۔ چنانچہ اس شعر میں ان کی یہ تاریخ ہے ؎

زہاتف چو پرسیدم از مولدش   بگفتا بگوشم درخشاں مہی

یہ تاریخ واقعی بہت مبارک ثابت ہوئی۔ آگے چل کر آپ آسمان علم پر ایک روشن چاند بنکر طلوع ہوئے اور جنوبی ہند کے ظلمت کدہ کو اپنے انوارِ علم سے منور کر دیا۔ جسکی ضیار پاشیاں ابتک جاری ہیں۔

آپ کے والدِ ماجد تلاشِ روزگار کے سلسلے میں حیدر آباد چلے گئے تھے۔ دادی نے اُن کی پرورش بے حد پیار و محبت سے کی۔ چونکہ غضب کا ذہن اور حافظہ پایا تھا۔ اس لئے اپنے بڑے بھائی مولوی عبد الوہاب مدار الامرار سے آٹھ سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ حافظ حبیب اللہ صاحب ان کے پہلے استاد تھے۔ ۱۹ رذی الحجہ ۱۲۱۹ھ کو شاندار طریقہ پر ختمِ قرآن کی رسم ادا ہوئی۔ جس میں شہر کے اکثر علمار و فضلا اور عمائدین شریک ہوئے۔ سرِ فہرست ملا عبد العلی بحر العلوم کا نام تھا۔ جے رام پنڈت نے اس موقع پر ذیل کے تاریخی قطعے فرمائے [1]

---

[1] خانوادہ قاضی بدر الدولہ صد ۳۲۵

شکر حق صد ہزار دانہ گہر　　آیتِ مصحف است گنج پناہ
خواندہ اکبر وزیر زادہ ملک　　ختم بہ بار از کلام اللہ!
چو صاحبزادہ ذی عزو اقبال　　بحکم فاقرأو قرآن بکشاد!
مبارک سال ختمش ملہم غیب　　زہی ختم کلام اللہ ندا داد!
۱۲۱۹ھ

اس کے بعد ملاّ مبارک بحر العلوم سے میزان الصرف کا درس تبرکاً ۱۲۱۹ھ شروع کیا۔ بعدہ مولوی جعفر حسین سے صرف و نحو کی مختلف کتابیں تحصیل کیں۔ ملک العلماء مولوی علاؤ الدین احمد شیخ احمد انوار الحق صاحب سے اصولِ فقہ، فلسفہ، کلام اور منطق کی کتابیں پڑھیں۔ باقی تمام علوم نقلیہ و عقلیہ اپنے والدِ ماجد مولوی محمد غوث شرف الملک بہادر سے حاصل کئے اور شرح شیخ نفیسی علی موجز فی الطب جیسی طب کی کتابیں بھی اپنے والد سے ختم کیں۔ قاری سید علی بن سید عبد اللہ المکی سے فنِ تجوید کی مشہور کتاب مقدمہ جزری پڑھی۔ اپنے والدِ ماجد ہی سے اور اوراد و اذکار وظائف حاصل کئے تھے۔ والدِ ماجد نے دلائل الخیرات کے پڑھنے کی اجازت دی تھی۔

پھر آگے چل کر ۴ ربیع الاول ۱۲۵۶ھ کو عبد الغفار صاحب کے ہاتھ پر مدراس میں بیعت کی تھی اور جب آپ ۱۲۶۶ھ میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو مکہ معظمہ میں ملا محمد جان نقشبندی سے باطنی توجہات حاصل کیں۔ عبد الغفار صاحب اور شیخ ملا محمد جان نقشبندی دونوں حضرت غلام علیشاہ صاحب کے خلیفہ و مرید تھے۔ انکا سلسلۂ ارادت مرزا مظہر جانجاناں کے توسط سے حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے جا ملتا ہے۔ قاضی صبغت اللہ صاحب قاضی بدر الدولہ نواب غلام غوث خاں کے انتقال تک قاضی القضاۃ کے عہدے پر قائم رہے۔ ۱۲۶۶ھ میں کرناٹک پر قبضہ کرنے کے بعد انگریز یہ چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے ایک علیحدہ محکمہ قائم کرکے اور کسی مسلمان جید عالم کو قاضی القضاۃ بنائیں۔ مگر چونکہ قاضی صبغت اللہ صاحب انگریزوں اور انگریزی تعلیم اور اسلام دشمن حرکتوں کے سخت مخالف تھے۔ جس کی تفصیل آگے آئیگی۔ اس لئے انگریزوں نے ۱۲۶۴ھ میں افضل العلماء مولوی ارتضاء علی خاں کو اس منصب کے لئے منتخب کیا۔ چنانچہ وہ ۱۲۶۸ھ تک اپنے منصب پر فائز رہے۔

قاضی صبغت اللہ ریاست کرناٹک کی طرف سے قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تھے۔ اس کی وجہ سے مقدمات و معاملات کے فیصلوں میں دو عملی پیدا ہوگئی تھی۔ مگر چونکہ عام لوگ قاضی صبغت اللہ صاحب ہی کے پاس اپنے فیصلے لے جاتے تھے۔ اس لئے انھیں کی عدالت کی زیادہ اہمیت تھی۔ نواب غلام غوث خاں کے انتقال کے بعد وہ قاضی القضاۃ رہے۔ یہاں تک کہ ۱۳ رشعبان ۱۲۷۳ھ مطابق ۸ راپریل ۱۸۵۷ء کو انکا محکمہ بند کر دیا گیا۔ اس طرح ۱۲۳۹ھ سے ۱۲۷۳ھ تک تقریباً چونتیس سال تک وہ مقدمات کے فیصلے کرتے رہے۔ یہ تمام فیصلے کتابی شکل میں محفوظ ہیں۔ اس کے بعد عدالت کی دو عملی ختم ہوگئی اور قاضی و مفتی انگریزی

حکومت کی طرف سے مقرر ہونے لگے۔ جب عدالتوں کا ایک مرتب اور باقاعدہ نظام بھی آہستہ آہستہ وجود میں آیا تو ان قاضیوں اور مفتیوں کی حیثیت صرف حکم شرعی سُنانے تک محدود رہ گئی۔ اپنے حکم کو نافذ کرانے کا انھیں کوئی اختیار باقی نہیں رہا۔ قانون تعزیرات ہند ۱۸۶۰ء میں پاس ہوا۔ اور ۱۸۶۱ء میں مدراس، کلکتہ اور بمبئی میں انگریزوں کی طرف سے ہائیکورٹ قائم ہو گئے [۱]

نصرانیت کی مخالفت و تردید

ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کا مقصد ملک پر قبضہ کرنا تھا یا تجارتی منافع حاصل کرنا ہی نہ تھا۔ بلکہ ان کے پروگرام میں عیسائی مذہب کو پھیلانا بھی تھا۔ ان کی تبلیغ کے دو بڑے مرکز مدراس اور کلکتہ تھا۔ ان دونوں صوبوں میں پادریوں نے وسیع اور پُرفضا مقامات میں اپنے مدرسے و گرجے قائم کرنے شروع کر دیے تھے۔ جہاں انجیل کا ترجمہ سُنایا جاتا تھا اور دینِ مسیحیت کی تبلیغ کی جاتی تھی۔ حکومتِ وقت کے علاوہ بیرونی ممالک سے بھی انھیں مالی تائید حاصل رہی تھی۔ انھوں نے پست قوموں کی مالی امداد کر کے انہیں عیسائی بنانا شروع کر دیا۔ وہ قومیں بھی ان کی تبلیغ سے متاثر ہونے لگیں۔ جن کے پاس کوئی باقاعدہ دینی نظام موجود نہیں تھا۔

مگر مسلمانوں کی یہ حالت نہیں تھی۔ اُن کے پاس عیسائیت سے زیادہ کھلے ہوئے مرتب اور باقاعدہ عقائد و احکام تھے۔ جن کی موجودگی میں مسلمانوں کو عیسائی بنانا محال نہیں تو کم از کم دشوار تھا۔ عیسائیوں نے شریعتِ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نقد و جرح شروع کر دی اور اسطرح اسلام کے مقابلے میں عیسائی مشنریوں نے اپنے دین کی فضیلت بتانی چاہی۔ جب کبھی اس قسم کی کوشش کی گئی تو مسلمانوں نے ان کے اعتراضات کا کافی اور تشفی بخش جواب دیا۔

قاضی صبغت اللہ صاحب کے زمانہ میں چونکہ انگریزوں کے ساتھ نوابان کرناٹک کے بہترین تعلقات تھے۔ اس لئے مسلمانوں کی محفلوں میں عیسائیوں کو بھی بلایا جانے لگا۔ اور اس طرح ان سے کبھی کبھی مذہبی بحثیں بھی ہو جاتی تھیں۔ چنانچہ ۱۲۴۳ھ میں ایک عیسائی گڈون سے بحث ہو گئی۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک دولتمند مسلمان کے گھر میں دعوت تھی۔ جس میں یہ گڈون عیسائی بھی شریک ہوا تھا۔ چونکہ لوگ اس وقت کھانا کھا رہے تھے۔ اس لئے صاحب خانہ نے اس عیسائی کو لے جا کر علیحدہ ایک کمرے میں بٹھا دیا۔ جب سب لوگ کھانا کھا چکے تو عیسائی کے لئے دستر خوان بچھایا گیا اور اس سے کھانا کھانے کے لئے کہا گیا۔ اس نے کھانا کھانے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ تم لوگوں نے مجھے سب کے ساتھ کس لئے کھانے کے لئے نہیں بٹھایا۔ آخر ہم بھی تو ایک مقدس کتاب انجیل کے ماننے والے اور اس پر عمل کرنے والے ہیں۔ پھر تم نے ہم سے کیوں اس طرح کا امتیازی سلوک اختیار کیا۔ حاضرین نے اُسے بہت کچھ سمجھایا۔

---

[۱] خانوادہ قاضی بدر الدولہ صفحہ ۳۴۶۔

اور کہا کہ تم کو الگ بٹھانے کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ پہلے تم کھانا کھاؤ اس کے بعد بحث ہوگی۔ آخر وہ بڑی مشکلوں کے بعد کھانے کے لئے آمادہ ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد پھر اس نے یہی سوال کیا۔

لوگوں نے کہا۔ سبب کچھ نہیں تھا۔ چونکہ لوگ کھا رہے تھے۔ اس لئے تم کو لے جاکر علیحدہ بٹھا دیا۔ تم رنج مت کرو۔ عیسائی نے کہا۔ کوئی سبب ضرور ہے۔ تم لوگ چھپاتے ہو۔ اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص محمد ہادی آگے بڑھے اور کہا ان باتوں کا سبب پوچھنا حاصل ہے۔ اور تمہارا یہ دعوی کہ تم ایک مقدس دین کے پیرو ہو۔ وہ غلط ہے۔ تم کہاں اور یہ بات کہاں۔ چنانچہ اس عیسائی سے محمد ہادی صاحب کا مناظرہ ہوا۔ جو تحریر ہو چکا ہے۔

اس مناظرہ کی روئیداد "رسالہ بیان میں سوالات گڈون عیسوی اور جوابات محمد ہادی محمدی" کے نام سے قاضی محمد صبغت اللہ صاحب نے طبع کرایا تھا۔ یہ بیالیس ۴۲ صفحہ کا ایک رسالہ ہے۔ یہ مناظرہ ۱۲۴۲ھ میں ہوا تھا رسالہ کے اوپر مرتب کا نام صاف نہیں لکھا ہے۔ بلکہ رسالہ کے سرورق پر "ایک رسالہ مؤلفہ قاضی الاسلام مرحوم" لکھا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ روئیداد قاضی بدرالدولہ کی مرتب کی ہوئی ہے۔ پہلے صفحہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے :۔

"یہ رسالہ بیان میں سوالات گڈون عیسوی اور جوابات محمد ہادی محمدی کے اور اس عیسوی کے مسلمان ہونے میں ہے، واسطے ہونے مسلمان بھائیوں کے سن بارہ سو بیالیس ہجری نبوی میں لکھا گیا۔ اور چند الفاظ نامعلوم کے معنے اس رسالہ کے آخری ورق میں لکھے گئے ہیں معلوم ہووے غرض یہ ہے کہ ہر ایک مسلمان بھائی بعد مطالعہ اپنے دوسرے بھائیوں کو لکھ کر یا لکھا دیں تو اللہ تعالیٰ اُن بھائیوں کے مقصد و مراد دینی و دنیوی کو دین نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بر لاوے اور دین محمدی پر قائم و دائم رکھے اور طفیل میں ان بھائیوں کے اس عاجز خاکسار اور اس خاکسار کے بھائیوں اور آشناؤں کی مراد دارین حاصل ہووے آمین یارب العالمین"[1]

جب عیسائی مشنریوں کو شکست ہوگئی تو انھوں نے ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ اور مخالفانہ رویہ اختیار کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت و کردار پر سخت تنقیدیں کرنی شروع کردیں۔ کبھی یہ الزام لگایا نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نفس پرست تھے۔ اس لئے کئی شادیاں کیں۔ کبھی یہ الزام لگایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار سے اپنا مذہب پھیلایا۔ اسی پر بس نہیں کیا گیا۔ دن دہاڑے مسجدوں میں گندگی پھینکی جانے لگی۔ اس کی وجہ سے کئی جگہ دنگے فسادات ہوئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سربرآوردہ حکام نے محسوس کیا کہ اگر اس طرز عمل کی موثر روک تھام نہ کی جائے گی تو خود فوج کے مسلمان باغی ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس لئے بعض انگریزی حکام اور مسلمانوں کی طرف سے صدر عدالت کے قاضی القضاۃ افضل العلماء مولوی ارتضا علی خاں صفوی کے سامنے ۲۲ صفر ۱۲۴۸ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۳۲ء کو استفتاء کی صورت

---

[1] خانوادہ قاضی بدرالدولہ ص ۳۸۳۔

میں فارسی میں ایک سوال کیا تھا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔

"سوال۔ اگر کوئی شخص عبادت کی جگہوں کو یعنی مسلمانوں کی مسجدوں کرستانوں کے کلیساؤں اور ہندوؤں کی دیویوں کو ناپاک بنائے تو ایسے شخص پر شریعتِ اسلام کی رو سے فوجداری جرائم کی طرح کوئی سزا ہے یا نہیں۔"

قاضی صاحب نے وقت کی نزاکت کو مدنظر رکھکر سزا کو حکام وقت کی رائے پر فتویٰ کا یہ جواب دیا۔

"اس صورت میں جبکہ کوئی شخص مسلمانوں کی مسجدوں کی جگہ کی اہانت اور نمازیوں کی اذیت رسانی کے مقصد اور فساد کے ارادہ سے نجاست سے ملوث کرے تو وہ سخت تعزیر وعقوبت کا سزاوار ہوگا اور یہ سزا حاکم کی رائے پر ہوگی۔"

جب اس فتوے پر لے دے شروع ہوئی کہ سخت تعزیر وعقوبت سے کیا مراد ہے؟ تو قاضی ارتضاء علی خاں نے تصریح کی کہ سخت تعزیر سے ان کی مراد قتل ہے اور یہ بھی کہا کہ قاضی قاسم نے بھی ۱۸۰۵ء میں اسی قسم کا فتویٰ دیا تھا۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ خود حکام عدالت نے اس سزا کے متعلق جو اشتہار دیا ہے۔ اس میں بھی سخت تعزیر وعقوبت سے قتل ہی مراد لیا ہے چنانچہ اس اشتہار کی عبارت کا یہ ترجمہ ہے۔

"حکومت مدراس کی تمام رعایا اور مخلوق کو اطلاع دی جاتی ہے کہ جو شخص بھی مسلمانوں کی مسجدوں کو نجاست سے ملوث کرے اور یہ بات شرعی حیثیت سے ثابت ہوجائے تو وہ قاضی القضاۃ کے حکم سے مفتی صاحبان صدر عدالت کے فتوے کے مطابق عقوبت شدیدہ یعنے قتل سیاست میں گرفتار ہوگا۔ مسجد والوں کو چاہیئے کہ وہ بلوہ نہ کریں۔ مقدمہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کریں۔ ان کے مقدمہ کی پوری تحقیق کی جائے گی۔" مرقوم ۲۹ جولائی ۱۸۳۲ء مطابق یکم ربیع الاول ۱۲۴۸ھ۔"

کسی نامعلوم شخص نے اس اعلان پر فارسی زبان میں ایک سخت تنقید ونکتہ چینی لکھی اور اس کو قاضی محمد صبغت اللہ قاضی بدرالدولہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس کی ابتدا کی عبارت یہ تھی۔

"ان مصیبت انجام دنوں میں جبکہ اہل اسلام کی مسجدوں کے ساتھ کفارِ ناہنجار کی بے ادبی، جابجا حد سے زیادہ ہوچکی ہے۔ اور اصل جور وظلم کے فتنہ وفساد کی آگ اس حد تک مشتعل ہوچکی ہے کہ تلوار کے پانی کے سوا اس کا بجھانا ممکن نہیں ہے۔ بعض ہزبران مومنین ومردان پاکدین ان واقعات کے رونما ہونے کے وقت خدا کی مضبوط رسی کو اپنے ہاتھوں میں دبائے ہوئے مردانگی و دشمن نوردی کے میدان میں کود پڑتے ہیں اور اپنی طاقت وقوت کے مطابق بے دین کے دماغ سے طاقت کا نشہ اتارتے ہیں لیکن چونکہ نااتفاقی اہل نفاق کا شیوہ ہے اس کو لوگوں کے درمیان پھیلا دیا گیا ہے اور اختلاف کی آگ امن وامان کے خرمن کو جلاچکی ہے۔ شاہد مقصود منصہ شہود پر جلوہ گر نہیں ہوتا۔ اور ہماری تدبیرونکا کوئی تیر اپنے نشانے پر نہیں بیٹھتا۔ لیکن دانایان فرنگ و دانشمندان با فرنگ نے

نے مومنین کو اپنی اس حمیت و دینداری سے باز رکھنے کی خاطر اور نیز اپنی فوج کے اندر انقلاب کا خطرہ محسوس کرکے اپنے ہوا خواہوں سے جو ظاہر میں اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہیں اور باطن میں اس سے کوسوں دور ہیں۔ یعنی اپنے قاضی سے اس قسم کا فتویٰ پوچھا ہے۔ اگر کوئی شخص مسلمانوں کی مسجدوں کو نجاست سے ملوث کرے، تو شریعت اسلام کی رو سے اسپر کوئی سزا ہے یا نہیں؟ چونکہ حقیقت میں اس قسم کی اذیت پادریوں کے اشارے سے ہوتی ہے اس بے دین آدمی محض اپنی نمک حرامی کا خیال کرکے اس طرح کا جواب لکھا ہے کہ اس صورت میں جبکہ کوئی شخص مسلمانوں کی مسجدوں کی جگہ کی اہانت اور نمازیوں کی اذیت رسانی کے مقصد اور فساد کے ارادہ سے نجاست سے ملوث کرے تو وہ سخت تعزیر و عقوبت کا سزاوار ہوگا اور یہ سزا حاکم کی رائے پر ہوگی۔ یہ عجیب مسلمانی ہے کہ انگریزوں کے ارتضاء رضامندی کی خاطر کتاب و سنت کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور اس آیت فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (پس انھوں نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ تھوڑی سی پونجی حاصل کرلے) کے مطابق شریعت کے مسئلے کو پس پشت ڈال کر عیسائیوں کی خواہش کے مطابق جواب لکھا ہے۔ اس گناہ کی برائی کو معاندین کی نظر میں حقیر قرار دے دیا ہے۔ کیونکہ حاکم کی رائے پر سزا کو سونپ دینا تعزیرات کی قسموں میں سے ایک قسم کو متعین کر دینا ہے۔ جو اس جرم سے تعلق رکھتی ہے۔ حاکم کو اختیار ہوگا کہ ضرب شدید یا حبس طویل یا گھر سے بے گھر کرنے کی سزا دے۔ قاضی کو جواب میں تفصیل سے کام لینا اور عقوبت سے قتل کی تصریح کرنا چاہیے تھا۔"

اس کے بعد خود ہی قرآن مجید و حدیث و فقہ کی کتابوں سے اس مسئلہ کا تفصیلی جواب لکھا ہے جسمیں یہ ثابت کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمانوں کی مسجدوں کو ناپاک کرنے کی کوشش کرے۔ تو اس کی سزا قتل ہے۔

جب قاضی ارتضاء علی خاں صاحب نے دیکھا کہ ہر جگہ اس فتوے کی بناء پر مسلمانوں میں غیظ و غضب کی ایک لہر دوڑ گئی ہے تو انھوں نے اپنے مختصر فتویٰ کی ایک مفصل توجیہہ لکھی اور اس کو مسجد والا جاہی میں جمعہ کے روز منبر پر کھڑے ہوکر سنایا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے ان الزامات سے اپنے آپ کو بری کرنے کی بہت کوشش کی ہے۔ اس توجیہہ پر مولوی محمد سعید اسلمی، مولوی محمد قدرت علی، مولوی عبدالرب فرنگی محلی اور مولوی محمد شہاب الدین کے دستخط ہیں۔

لیکن اس توجیہہ سے بھی لوگ مطمئن نہیں ہوئے۔ مولوی عبدالجبار قندھاری نے فارسی میں ہی ایک اور زبردست تنقید و نکتہ چینی کی۔ اس کے دیباچہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب ایک بڑے تاجر تھے اور بلاد عرب و شام و مصر و روم، فارس، ترک، تاتاریہ، صقالیہ و چین و بلغاریہ کی سیر سیاحت کرکے علماء مدراس کی قابلیت کا شہرہ سنکر اس جگہ وارد ہوئے۔ سب سے پہلا تحفہ جو انھیں ملا۔

وہ تولیتِ مساجد کا تھا۔ اس لئے یہ چند سطریں بطور نصیحت کے لکھیں۔ اس کے بعد مولوی قندھاری صاحب نے قاضی ارتضا علی خان کی ہر ایک توجیہ پر سخت ترین گرفت کی اور ان کو خوب لتاڑا۔ آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر وہ اپنے انگریز آقاؤں کے ذریعہ انھیں عقوبت کے شکنجے میں کسنے کی کوشش کریں گے تو وہ انشاء اللہ کسی کے ہاتھ نہیں آئیں گے۔

تولیتِ مساجد پر چونکہ چینیاں ہوئیں اور فتوے چھپے تھے۔ اس کو بھی قاضی مولوی صبغت اللہ صاحب نے ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ اصل فتویٰ اور اس کا جواب ایک صفحہ پر، اس پر گمنام شخص کی سخت تنقید چھ صفحہ پر، اس تنقید پر قاضی ارتضا علی خان کی توجیہ و تبصرہ گیارہ صفحہ پر مولوی عبد الجبار قندھاری کی سخت نکتہ چینی و تنقید چودہ صفحہ پر تھی۔

اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحثیں بہت تیز ہو گئیں۔ اور اسی پر بس نہیں کیا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف عیسائی مشنریوں نے کتابیں اور رسالے اردو میں لکھنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ جب ایک پادری نے اس قسم کا ایک رسالہ اردو میں لکھا تو قاضی صبغت اللہ صاحب نے بھی "سیف المسلین لھدایۃ الکافرین" کے نام سے اس کا جواب لکھا۔ چنانچہ دیباچہ میں حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں۔

"بعد اس کے لکھا جاتا ہے کہ کسی خادم دینِ عیسوی نے بسبب عناد و ضلالت کے عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کے ارادے پر بڑی جان ماری اور بناوٹ سے ایک بے اصل تمہید ٹھانی۔ چند جھوٹی اور کھوٹی باتوں کو عبارت کا ملمع کر ہندوستانی زبان میں ایک رسالہ لکھا تھا۔ پر یہ نہ سمجھا کہ آخر قلعی کھل جائے گی اور مفت اپنی بڑی فضیحتی و رسوائی ہوگی۔ وہ رسالہ بندے کی نظر پڑا تو اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی توفیق و اعانت سے بطور اختصار کے سیدھی سیدھی باتوں میں لکھا۔ دیکھئے اس کی کیسی دھجیاں اڑتی ہیں اور چھپی لگی سب باتیں ان عیسائیوں کی کھل جاتی ہیں اور یہ اس کا نام "سیف المسلین لھدایۃ الکافرین" رکھا گیا۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ یہ رسالہ بغور تمام دیکھ رکھیں اور مخالفوں کو راہِ حق پر لاویں۔ رسالہ ۹۴ صفحات کا ہے اور ہر صفحہ پر ۱۶ سطریں ہیں۔ ۲۷ رمضان ۱۲۵۱ھ کو اس رسالہ کو مرتب کیا۔ خادم دینِ عیسوی کے ایک ایک اعتراض کو نقل کر کے اس کا رد کیا ہے۔ یہ رسالہ قاضی صاحب کی زندگی میں چھپ گیا تھا۔ اس پر مطبع کا نام نہیں ہے۔ آخر میں عہد عتیق و جدید کے مختلف عربی فارسی اور ہندوستانی ترجموں کی ایک فہرست دی ہے۔ جس سے قاضی صاحب نے اپنی تصنیف میں اخذ کیا ہے۔

خادم دینِ عیسوی کا مسلمانوں پر پہلا اعتراض یہ تھا کہ وہ عیسائیوں کو عیسائی کہنے کے بجائے نصرانی گردانتے ہیں۔ حالانکہ وہ عیسائی ہیں نصرانی نہیں ہیں۔ خداوند حضرت عیسیٰ مسیح کو ناصری کہا۔ اس لئے کہ انھوں نے ناصرہ کے شہر میں پرورش پائی۔ قاضی صاحب اس کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ انجیل مقدس میں تو خداوند مسیح کو

کہیں ناصری نہیں لکھا۔ مگر متی نے انجیل کی دوسری فصل کے آخر میں یہ لکھا ہے "کہ اور ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا، آکر رہا۔ تاکہ وہ نبیوں کی معرفت سے کہا گیا تھا کہ وہ ناصری کہلائے گا۔ پورا ہووے۔"
اب تم بتلاؤ کہ یہ بات کس نبی کی نبوت کی کتاب میں ہے کہ وہ ناصری کہلائے گا۔ تم کیا خاک بتلاؤ گے تمہارے سب علماء قائل ہو چکے ہیں کہ کسی نبوت میں اس بات کا ٹھکانہ نہیں۔ چنانچہ ہوتی بائبل ڈکشنری میں جو میلز نارٹن ڈیل کی تصنیف سنہ اٹھارہ سو انیس عیسوی کی چھاپی ہوئی ہے۔ مرقوم ہے۔ دیکھ لو۔ بھلا اب تمہیں کہو جو بات کہ انبیاء کی کتابوں میں نہیں۔ سوائے کی کتابوں میں ہے یہ۔ کہنا انبیاء پر بڑا بہتان و افترا نہیں۔ سوائے اس کے تمہارا نبی ماخوذ ہے ناصری سے اور لفظ ناصری بقول متی کے لقب عیسٰی کا ٹھہرا۔ پھر تمہیں برا کیوں لگتا ہے۔ تم لوگ فی الحقیقت مسیح کے دین پر کہاں ہو جو مسیح کے کہلاؤ۔ ہاں شیطان ونفس کی پیروی میں پھنس: من مانی کیا کرتے اور دل چاہے کہا کرتے ہو۔ سچ ہے نکٹے کو نکو کہو تو جھنجھلا پڑتے ہو۔

اس خادم دین عیسوی نے اللہ تعالیٰ کا رسول ہونے کے لئے پانچ چیزیں شرط قرار دی تھیں۔
(۱) پاکیزگی و پرہیزگاری (۲) قدرت و کرامت کی طاقت (۳) پیش گوئی کی قابلیت (۴) نبوت میں نہ اپنی اور نہ دوسرے کی طرفداری ہووے (۵) اگلے انبیاء کے کلام کو باطل اور جھوٹا قرار نہ دے۔"

خادم دین عیسوی نے حضرت عیسیٰ میں ان صفات کو بدرجہ اتم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ قاضی صاحب نے ان میں سے ہر ایک شرط پر جداگانہ بحث کی۔ اور بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ان باتوں کا معیار کتنا اونچا تھا۔ پوری بحث تہتر صفحوں پر ہے۔ اس میں کئی ضمنی بحثیں آ گئی ہیں۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

اس کے بعد خادم دین عیسوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتراض کیا کہ انھوں نے مال کی طمع میں حضرت خدیجہ سے نکاح کیا اور جب مالی حیثیت سے ترقی ہو گئی تو نبوت کا دعویٰ کیا اور پھر اپنے پیروؤں کو لے کر تلوار کے زور سے اسلام کو پھیلایا۔ اور جنگ میں دوسروں کی بیویوں پر قبضہ کیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اسلام خدا کا مذہب نہیں ہے۔ بلکہ نفسانی اور زور زبردستی اور طمع کا مذہب ہے۔

قاضی صبغت اللہ صاحب نے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے خود عیسائیوں کی کتابوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ثابت کی۔ ایک جگہ جارج سیل کے انگریزی ترجمہ قرآن مجید کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں کہ جارج سیل نے اپنے دیباچہ کے پہلے ہی صفحہ میں لکھا ہے کہ وے لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ جنھوں نے خیال کیا ہے کہ دین محمدی فقط تلوار سے رواج پایا ہے۔ جنگ کے جو احکام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جاری تھے وہ کچھ نئے نہیں تھے۔ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ کے زمانہ سے یہ دستور چلا آرہا ہے۔ اس کے متعلق عہد عتیق سے بکثرت حوالے دئے ہیں۔

خادم دینِ عیسوی کا ایک دعویٰ یہ تھا کہ عیسائی سارے نبیوں کے معتقد ہیں - اور ان کے صحیفوں کو خدا کلام سمجھکر ان پر عمل کرتے ہیں اس دعویٰ کی خوب گت بنائی اور لکھا کہ عیسائی خود اپنی کتاب انجیل پر عمل نہیں کرتے تو دوسری کتابوں کی پیروی کا دعویٰ کیونکر کر سکتے ہیں - توریت میں صریح طور پر ختنہ کا حکم ہے - سور کا گوشت ناپاک اور حرام بتایا ہے - قرض دے کر تنگ کرنے سے منع کیا گیا ہے - سود کو حرام قرار دیا گیا ہے - لیکن عیسائی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک حکم پر بھی عمل نہیں کرتے - سود کو شیرِ مادر کی طرح ضروری سمجھتے ہیں - یہی وجہ ہے کہ جس ملک میں سود کا داخلہ نہیں ہوتا - صدر کورٹ کے عیسائی جج اور قاضیان اس ملک ہی کو قبول نہیں کرتے - متی کے پانچویں باب کے سترھویں اور اٹھارہویں سطر میں بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ توریت یا دینِ موسوی کو منسوخ کرنے کے لئے نہیں آئے تھے - مگر عیسائی ہیں کہ عہد عتیق سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عہدِ جدید کی موجودگی میں عہدِ عتیق پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ہے -

آخر میں خادم دینِ عیسوی نے مسلمانوں کے عقیدۂ شفاعت پر حملہ کیا ہے - اور لکھا ہے کہ

بخشائش کے مقدمہ میں عاصیوں کی سزا سے فرشتے نہ بچے - بلکہ بہت سے دوزخ کی تاریکی کے عذاب میں ڈالے گئے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کے سبب سے نوح کے زمانہ میں سارے جہان کو غارت کیا - اور کنعان کی ولایت کے کئی شہروں کو آسمان سے آگ و گندھک برسا کے خاکستر کیا - سو باوصف ان سبھوں کے محمدؐ نے گنہگاروں کو بغیر سزا کے بخشا کر خدا کی صداقت کو باطل کیا - مگر شریعت کو اللہ تعالیٰ پورا نہ کرے - تو وہ صادق القول کیوں کر ٹھہرے -

قاضی صبغت اللہ نے اس اعتراض کا بھی تفصیلی جواب دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں سے لوگوں کو بے حد ڈرایا ہے - مگر یہ گناہ دو قسم کے ہیں - ایک گناہ کفر کا ہے - جس کی بخشائش نہیں ہوتی - یہ بات توریت اور انجیل سے بھی ثابت ہے - دوسرے گناہ ایسے ہیں کہ جنکو اگر خدا چاہے تو معاف کر سکتا ہے - اگر اس بات کو نہ مانو تو پھر خدا غفور و رحیم نہیں رہتا - توریت اور انجیل کی تعلیمات بھی کچھ اس سے الگ نہیں ہیں - مگر عیسائی سیدھے راستہ سے بھٹک گئے ہیں اور یہ سمجھنے لگے ہیں کہ حضرت عیسیٰ نے تمام لوگوں کے گناہ اٹھا لئے اور سولی پر جان دے دی - نہ تو کوئی دین ہی اس کی تعلیم دیتا ہے اور نہ عقل ہی اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے - آخر میں بطور نصیحت لکھتے ہیں -

"سنو میاں خادم دینِ عیسوی ہم تو اپنا حق ادا کر چکے - یعنی جو حق بات تھی سو کہہ چکے ہیں :

اب آگے تم مختار ہو، چاہو مانو، چاہو نہ مانو - اگر مانو گے تو تمہارا ہی بھلا ہوگا - نہیں تو ایسے ڈھکوں سے دینِ محمدی کا کچھ نہ بگڑے گا -"

آگے چل کر شیخ حیدر علی صاحب قریشی نے قاضی مولوی صبغت اللہ صاحب کے جوابات کو نقل کرتے ہوئے اور بعض جگہوں پر ان کی تلخیص کرتے ہوئے اپنی طرف سے جدید دلائل قائم کئے اور "خلاصۃ سیف المسلمین

مع فوائد دیگر" کے نام سے ۴۴ صفحات کا ایک بسیط رسالہ چھاپا ہے۔ ہمارے پیش نظر جو چھپا ہوا نسخہ ہے اس پر نہ تو مطبع کا نام ہے اور نہ تالیف اور چھپائی کی تاریخ ہے۔ سیف المسلمین کی بہ نسبت تقطیع ذرا چھوٹی ہے مگر قلم بہت خفی ہے اور ہر صفحہ پر اکیس سطریں ہیں۔

بحثیں اس کے بعد بھی جاری رہیں۔ اور جب ایڈورڈ ہنری فرادک منکٹن نے ۳ ربیع الاول ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء کو مرزا عبدالباقی شریف رضوی کے نام اسی قسم کے اعتراضات پر مشتمل ایک مختصر مراسلہ بھیجا تو انھوں نے "شہب البیہ فی قدح المسیحہ" کے نام سے فارسی میں ۴۸ صفحوں کا ایک مختصر رسالہ لکھا ہے۔ جو مطبع اعظم مدراس سے ۱۲۶۸ھ میں شائع ہوا۔ اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس قسم کی بحثیں ہندوستان ہی کے شہروں میں نہیں کی جا رہی تھیں۔ بلکہ جہاں جہاں ان مغربی اقوام کے قدم پہنچے وہاں انھوں نے بھولے بھالے مسلمانوں کے دلوں میں مذہب اسلام کے متعلق شبہات پیدا کرنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ خود مرزا عبدالباقی شریف رضوی نے ۱۸۱۶ء میں تبریز کے ایک پادری جوزف سے بحثیں کی تھیں اور پھر جب وہ حیدرآباد آئے تو سکندرآباد میں ۱۸۲۶ء میں رابنسن اور سپہ سالار افواج حیدرآباد کپس نارٹن سے مباحثے کیے[لہ]

ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے علمار وقت ضرورت سے ناآشنا نہیں تھے۔ جب بھی اسلام پر حملے ہوئے تو عیسائی لٹریچر کا بخوبی مطالعہ کیا اور عیسائی پادریوں کے ایسے جوابات لکھے کہ انھیں مسلمانوں کے اندر اپنے دین کی تبلیغ کرنے میں کوئی کامیابی نہیں ہو سکی۔

جب عیسائی مشنری اپنے ہتھکنڈوں میں ناکام ہو گئے تو انھوں نے ۱۸۳۵ء میں یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ سے ذریعۂ تعلیم عربی، فارسی یا مقامی زبان کے بجائے انگریزی ہو۔ سرکاری ملازمتوں کے لئے انھیں لوگوں کو ترجیح دی جانے لگی۔ جو انگریزی زبان سے بخوبی واقف ہوتے تھے۔ اس فیصلہ کی وجہ سے مسلمانوں کی بدگمانیاں اور بڑھ گئیں اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ انگریز مشرقی علوم کی تبلیغ بھی خاص اپنے مقاصد کے تحت کرنا چاہتے ہیں۔ اسی لئے وہ ہر ایک نئی اسکیم میں دل و جان سے حصہ لینے کے بجائے اس سے گریز کرنے لگے۔

مدرسہ اعظم مدراس کا انتظام و اہتمام ڈاکٹر ایڈورڈ بالفور کے ہاتھوں میں تھا۔ اس میں زیادہ دخل دیتے تھے وہ دینی تعلیم کے حامی نہیں تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کی کمزوری اسی طرزِ تعلیم کی پیروی کرنے کی وجہ سے ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ طلبار ملکی اور غیر ملکی زبان پڑھیں، اور علوم دینیہ کے بجائے تاریخ و جغرافیہ اور دوسرے دنیوی علوم حاصل کریں۔ انہی کے اصرار سے ۲۳ رمضان سنہ ۱۲۶۶ھ سے دیوراج فرزند حکیم ویرا سوامی کا اردو یعنی تامل کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ آگے چل کر انگریزی کا ایک استاد ٹیلر بھی مقرر کیا گیا۔

قاضی محمد صبغت اللہ صاحب نے محسوس کیا کہ اب تعلیم کا مقصد بدل گیا ہے۔ مسلمانوں کا پرانا نظریہ کہ تعلیم دین کے حصول کی غرض سے ہونی چاہئیے۔ ختم کر دیا گیا ہے۔ اب تعلیم دنیاوی اغراض کے حصول کیلئے جاری ہے۔ قاضی صاحب اس نظریہ سے متفق نہیں تھے۔ انھوں نے اور ان کے بھائی مولوی عبدالوہاب مدار الامراء نے ۲۷ر شوال ۱۲۶۸ھ کو بالفور کے نام ایک خط لکھا کہ وہ چند شرعی وجوہ کی بناء پر مدرسہ اعظم کی تائید کرنیکے لئے آمادہ نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"ہم کمال تاسف ظاہر کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیسے خرچ کرنے کے واسطے حاضر ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ نیک کاموں میں انکار کریں۔ لیکن تقریب میں جو صاحبان ازراہ خیر خواہی اہل اسلام کے درپیش کئے ہیں۔ وہ ازروئے احکام شرع شریف کے بہت وجوہات سے بالکلیہ ممنوع ہے۔ کسی قسم کی مدد اس سلسلے میں نہیں کر سکتے۔ بیان وجوہات شرعی کا بہت طول ہے۔ اس واسطے اس سے باز آکر اتنے ہی اظہار پر اکتفا کرتے ہیں۔ یقین ہے کہ صاحبان مجھ کو اس بات میں معذور رکھیں گے۔" مرقوم بیست وہفتم شوال ۱۲۶۸ھ، صبغت اللہ قاضی الملک مدار الامراء۔

اس سلسلے میں ۳ر ذی قعدہ ۱۲۶۸ھ کو بالفور اور قادر مرتضیٰ سالار الملک اور اعتماد الملک بہادر کیطرف سے قاضی صبغت اللہ کے نام حسب ذیل خط لکھا گیا۔

"آپ صاحبوں کا عنایت نامہ ۲۷ رویں شوال کو لکھا گیا تھا، پہنچا۔ اور اس کے مضامین سے آگاہی ہوئی۔ آپ صاحبان تحریر فرماتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیسے خرچ کرنے کے لئے حاضر ہیں اور اس کام میں انکار نہیں کرتے۔ اس بات سے مجھ کو خوشی حاصل ہوئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صاحبان اس مدرسہ کی کمک کے واسطے مستعد ہیں۔ مگر چند وجوہات خلاف شرع تصور فرماکے عذر کئے ہیں۔ اب اُمید اس بات کی ہے کہ آپ صاحبان جو ہم تجویز کرتے ہیں۔ ان مقاصد کو پسند نہیں کرتے سو فرمائیں کہ کون سی تجویز اور کون سا مقصد آپ صاحبان اہل اسلام کی بہبودی کے لئے پسند کر کر مخصوص اسی تجویز و مقصد کے واسطے للہ تائید کریں گے۔ اور جلد اس کے جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔"

دستخط مرتضیٰ اعتماد الدولہ۔ مرقوم ۳ر ذیقعدہ ۱۲۶۸ھ

قاضی صبغت اللہ صاحب نے اس خط کا یہ جواب لکھا۔

"آپ صاحبان کا اشفاق نامہ ۳ر ذی قعدہ کا لکھا ہوا پہنچا۔ ہمارے مذہب کے رو سے اللہ تعالیٰ کے احکام وغیرہ جاننے کے واسطے علم حاصل کرنا ہے۔ دُنیا کے کاروخدمت حاصل کرنے کے واسطے علم حاصل کرنا روا نہیں۔ اپنے یہاں کے علوم دنیا حاصل کرنے کی غرض سے سیکھنا جب روا

۱؎ خانوادہ قاضی بدرالدولہ ص ۳۵۔

تو انگریزی وغیرہ علوم جن کا حاصل کرنا بن مصلحت دینی کے روا نہیں، تو کیسے جائز ہوگا ۔ جن علوم کا سیکھنا روا نہ ہو ان کے واسطے کسی وجہ سے اعانت کرنا بھی روا نہیں ۔ اگرچہ از جملہ مقاصد مدرسہ کے اہل اسلام کے علوم کو بھی ایک مقصد ٹھہرائے ہوئے ہیں ۔ لیکن یہ مقصود اصلی نہ ہونے سے مستقل شمار کرکے اعانت کا قابل نہیں ہوا ۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ آپ صاحبان اس جواب کو کافی سمجھ کر مجھ کو معذور رکھیں گے ۔ وگرنہ اس مقدمہ کے بحث کو آپ صاحبوں کے اور ہمارے اوقات مساعدت نہ کرینگے ۔ صبغت اللہ قاضی الملک ، مدار الامراء ، مرقوم ۔ ۱۴ ذی قعدہ ۱۲۶۸ ہجری

قاضی صبغت اللہ صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک کاغذ پر اس مسئلہ کے متعلق فارسی میں اپنی رائے لکھیں اور اپنے زمانہ کے علماء سے بھی رائے پوچھی ۔ یہ سوالات وجوابات " فتاوی صبغیۃ " میں درج ہیں ۔ جن کو یہاں نقل کیا جاتا ہے ۔

مسئلہ :- گورنمنٹ ایجنٹ اہل اسلام کے بچوں کو انگریزی ، اردو اور تلنگی سکھانے کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں تاکہ مذکورہ علوم حاصل کرکے انگریزی کی نوکری اور معاش حاصل کرنیکی لیاقت پیدا کریں اور اہل اسلام کو مالوں کے ساتھ امداد کرنے کے لئے کہتے ہیں ۔ اس عاصی کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی تعلیم شرعی حیثیت سے صحیح نہیں ہے اور اس معاملہ میں اس کی امداد بھی جائز نہیں ہے اس امر میں آپ کی رائے عالی کیا ہے ۔ اسی کاغذ پر تحریر فرما کر مجھے بہت ممنون فرمائیں ۔ صبغۃ اللہ

اس پر علماء نے حسب ذیل رائے دی ۔

" آنجناب کی رائے عالی کے مطابق ہے جو عین صواب ہے " ۔ سید محمد معروف

" قاضی صاحب کی رائے اسلام کے موافق اور اس کا خلاف اسلام کے خلاف کرنا ہے " جمال الدین احمد عفی عنہ نے اس کو لکھا ۔

" رائے جناب قاضی الاسلام عین دیانت وصواب ہے اور بندہ بھی اسی کا تابع ہے " محمد یوسف علی عفی عنہ نے اس کو لکھا ۔

قاضی صاحب کی رائے زیادہ عمدہ اور زیادہ بہتر ہے " محمد شہاب الدین عفی عنہ نے اس کو لکھا ۔

جب بالفور صاحب نے یہ الزام دیا کہ مسلمان انگریزی علوم حاصل نہ کرنے کی ہی بناء پر مفلس ہوتے جا رہے ہیں ۔ قاضی صبغت اللہ صاحب نے اس کا جواب یہ تحریر فرمایا ۔

" ہمارے مذہب کی رو سے اللہ تعالیٰ کے واسطے علم حاصل کرنا ہے ۔ دنیا کے کار و خدمت حاصل کرنیکے واسطے علم پڑھنا ہمارے مذہب کی رو سے صحیح نہیں ہے بلکہ حرام ہے ۔ مسلمان اپنے یہاں کا علم دنیا حاصل کرنیکے واسطے سیکھنا جب حرام ٹھہرا تو اردو انگریزی اور تلنگی علم جن کا حاصل کرنا بن مصلحت دینی کے حرام ہے ۔ کیسا حلال ہوگا ۔ بے بہرہ رہنے سے انہیں افلاس بڑھ گیا جو صاحبان کہتے ہیں ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے بلکہ مسلمان اپنے دین کے احکام کو قائم نہ رکھنے سے انہیں افلاس پایا جاتا ہے ۔ مفلس رہنے سے چند لوگ جن کو دنیا کی طمع ہے ۔ انکا حال بد رہتا ہے ۔ مگر جو لوگ قناعت اختیار کرتے ہیں انکو مفلسی میں ہفت اقلیم کی بادشاہت سے بڑھ کے راحت ہے ۔ صاحبان انگریز کو معاش فراغت سے ہے ۔ اور معاش کسی وجہ سے حاصل کرنا معیوب نہیں ۔ ایسا ہی ہندوؤں

کے یہاں بھی معیوب نہیں۔ مسلمانوں کو جو طریق سے معاش کسب کرنا حلال ہے۔ اسی طریق سے معاش حاصل کیا چاہیے غیر طریق سے معاش حاصل کرنا ان کو حرام ہے۔ مثلاً پیسے بینک میں رکھدے۔ اس کا سود کھانا مسلمان کو حرام ہے ان وجہ سے ہندو بہت مالدار ہیں۔ انگریزوں اور ہندو چندہ مقرر کرکے جیسے اسکول کا خرچ مقرر کئے ہیں۔ مسلمانوں سے اتنا پیسہ چندہ میں وصول کرنا محال ہے۔ مسلمانوں میں یہاں تونگر سوداگر کس قدر ہیں اور انکے مداخل و مخارج کو اگر دریافت کروگے تو ظاہر ہوگا کہ یہاں کے ہندو یا انگریز کی کس قدر تجارت ہے۔ مدارس کے تمام مسلمانوں کی اس قدر تجارت اور مالداری نہیں۔ دوسرے اہل خاندان جو یہاں کے جاگیردار تھے اب ان کی معاش تخفیف پاتے پاتے فقیروں سے بدحال انکو بنادیا ہے۔ اب کون تونگر مسلمان باقی ہے۔ جو صاحبان انگریز اور ہندوؤں کا مالداری میں مقابلہ کرے تونگری علم حاصل کرنے پر موقوف نہیں۔ مدراس میں فرض کرو، بیس ہزار مسلمان ہیں۔ ان میں دو سو چار سو اگر نوکری پیدا کرنے کی لیاقت حاصل کریں تو کیا سب کی مفلسی دور ہوجائیگی۔ چونکہ انگریزی اردی اور تلنگی علم حاصل کرنا ہمارے مذہب کی رو سے حرام ہے۔ ان کے واسطے اعانت کرنا بھی حرام ہے۔ جو چیز ہمارے مذہب میں حرام ہے۔ اس کے واسطے پیسا کس طور سے دیا جائے گا۔ صبغۃ اللہ قاضی الملک"۔

جب ان احتجاجات کے باوجود ایڈورڈ بالفور اپنی پالیسی پر مُصر رہے تو قاضی محمد صبغت اللہؒ صاحب نے ۹ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ کو مجلس تنظمی کی ممبری سے استعفیٰ دیدیا۔ نواب غلام غوث خاں نے بڑے پس و پیش کے بعد ۲۲ جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ کو یہ استعفیٰ قبول کیا۔ انکی جگہ پر حاجی قادر مرتضیٰ حسین سالار الملک میر مجلس تنظما مقرر ہوگئے۔

قاضی صبغت اللہ صاحب کی دلیری اور حق گوئی کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ اسکے ساتھ آپنے مسلمانوں میں بُری رسموں کو ختم کرنیکی بیحد کوشش کی۔ اسکو ختم کرنیکی لئے آپنے کتابیں بھی تالیف فرمائیں۔ گلزار ہدایت ایکسو سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ جو ۱۲۸۹ھ کو مطبع نظام المطابع میں چھپوائی گئی اسمیں بدعت اور اسکے اقسام بیان کئے گئے ہیں۔ پھر مسلمانوں کی عام بدعات پر بحث کی ہے۔ محرم کے مہینے میں جو علم اور پنجے اٹھائے جاتے تھے اور قسم قسم کے تماشے کئے جاتے تھے۔ اسکی سخت مذمت کی ہے۔ اسکے علاوہ شب برات میں بارود وغیرہ جلانا، خواجہ بندہ نواز کے نام سے چراغ اور مشعل جلانا، شادی کے موقع پر بے جا کام کرنا، فاتحہ کرنا اور اس کا کھانا کھلانا، مُریدوں کا پیروں کے سامنے سجدہ کرنا، غیر اللہ کی قسمیں کھانا، دوسروں کے نام پر نذریں دینا، کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا وغیرہ مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی ہے۔

قاضی صبغت اللہ صاحب اپنی ملازمت کی مصروفیات کے سبب تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے۔ انکی عربی، فارسی اور اُردو کی تصانیف ہیں۔ آپکا انتقال ۲۵ محرم ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۳ جولائی ۱۸۶۳ء کو ہوا۔ غلام جیلانی مدہوش کی یہ تاریخ وفات ہے ہے

دل خواند زروی در وصالش	ہیہات محدث جہان مرد
۱۲۷۶ھ	۱۲۸۱ھ

"فرنگیوں کا جال" کے مضامین کی فہرست